شرح
جامع ترمذی
مکتبہ امام اہلسنت
0332-9292026
0332-1632626

شرح

جامع ترمذی

(جلد چهارم)

شارح:
استاذ الفقه والحدیث
استاذالعلماء حضرت علامہ مولانا
مفتی محمد ہاشم خان العطاری المدنی متعنااللہ باطالۃ عمرہ

مکتبہ امام اہلسنت: داتا دربار مارکیٹ، لاہور
0310:4085638
0301:7104143

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الصلوۃ والسلام علیك یا رسول اللہ　　وعلی آلك واصحابك یا حبیب اللہ

نام کتاب　شرح جامع ترمذی (جلد چہارم)

شارح　استاذ العلماء حضرت علامہ مولانا مفتی محمد ہاشم خان العطاری المدنی متعنا اللہ باطالۃ عمرہ

سن اشاعت　رجب المرجب 1440ھ بمطابق مارچ 2019ء

قیمت

ناشر　مکتبہ امام اہلسنت: داتا دربار مارکیٹ، لاہور

0301:7104143، 0310:4085638

ملنے کے پتے:

مکتبہ قادریہ، داتا دربار مارکیٹ، لاہور　مکتبہ فیضان اسلام، فیصل آباد

مکتبہ اعلیٰ حضرت، داتا دربار مارکیٹ، لاہور　کتب خانہ امام احمد رضا، لاہور

مکتبہ فیضان رضا، جوہر ٹاؤن، لاہور　مکتبہ نوریہ رضویہ، لاہور

مکتبۃ المدینہ، جوہر ٹاؤن، لاہور　مکتبہ قادریہ، کراچی

مکتبہ غوثیہ، کراچی　مکتبہ غوثیہ، راولپنڈی

مکتبہ فیضان سنت، ملتان　اسلامک کارپوریشن، راولپنڈی

فہرست

احکامِ خطبہ

یہاں سے دس ابواب خطبہ کے بارے میں ہیں، اس لیے خطبہ کے بارے میں کچھ ضروری احکام بیان کیے جائیں گے:

صحتِ خطبۂ جمعہ کی شرائط

خطبۂ جمعہ خود نمازِ جمعہ کے لیے شرط ہے، جیسا کہ پیچھے گزرا، جبکہ خطبۂ جمعہ کے صحیح ہونے کے لیے درج ذیل شرائط ہیں:

(1) وقت میں ہو۔

(2) نماز سے پہلے ہو۔

(3) ایسی جماعت کے سامنے ہو جو جمعہ کے لیے شرط ہے یعنی کم سے کم خطیب کے سوا تین مرد ہوں۔

(4) اتنی آواز سے ہو کہ پاس والے سُن سکیں، اگر کوئی امر مانع نہ ہو، تو اگر زوال سے پیشتر خطبہ پڑھ لیا یا نماز کے بعد پڑھا یا تنہا پڑھا یا عورتوں، بچوں کے سامنے پڑھا تو ان سب صورتوں میں جمعہ نہ ہوا اور اگر بہروں یا سونے والوں کے سامنے پڑھا یا حاضرین دور ہیں کہ سنتے نہیں یا مسافر یا بیماروں کے سامنے پڑھا جو عاقل بالغ مرد ہیں تو ہو جائے گا۔

(درمختار ورد المحتار، باب الجمعۃ، ج2، ص147، دار الفکر، بیروت)

خطبہ کی مقدار کتنی ہو

خطبہ ذکرِ الٰہی کا نام ہے اگرچہ صرف ایک بار اَلْحَمْدُ لِلّٰہ یا سُبْحٰنَ اللہ یا لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ کہا اسی قدر سے فرض ادا ہو گیا مگر اتنے ہی پر اکتفا کرنا مکروہ ہے۔

(درمختار ورد المحتار، باب الجمعۃ، ج2، ص148، دار الفکر، بیروت)

چھینک آئی اور اس پر اَلْحَمْدُ لِلّٰہ کہا یا تعجب کے طور پر سُبْحٰنَ اللہ یا لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ کہا تو فرض ادا نہ ہوا۔

("الفتاوی الھندیۃ"، کتاب الصلاۃ، الباب السادس عشر فی صلاۃ الجمعۃ، ج1، ص146)

سنت یہ ہے کہ دو خطبے پڑھے جائیں اور بڑے بڑے نہ ہوں اگر دونوں مل کر طوال مفصل سے بڑھ جائیں تو مکروہ ہے خصوصاً سردیوں میں۔ (درمختار، باب الجمعۃ، ج 2، ص 148، دار الفکر، بیروت)

فتاوی رضویہ میں ہے:

خطبہ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک صرف بقدر الحمد فرض ہے اور صاحبین رحمہم اللہ کے نزدیک ذکر طویل جسے عرف میں خطبہ کہیں، تو نفس فرض اگر چہ اولیٰ (یعنی پہلے خطبے) بلکہ اس کے بعض سے ادا ہو جاتا ہے مگر جب کوئی مطلق مامور بہ ہو تو قاعدہ شرع یہ نہیں کہ اس کے ایک حصے کو جو ادنی درجہ کا اطلاق مطلق کا ہو مامور بہ ٹھہرائیں باقی کو خارج بلکہ جس قدر واقع ہو سب اُسی مطلق کا فرد ہے تو سب اسی صفت سے متصف ہوگا جیسے فرض قراءت نماز میں ایک آیت سے ادا ہو جاتا ہے اب یہ نہ کہیں گے کہ الحمد شریف کی پہلی آیت فرض تھی باقی اُس کا غیر بلکہ الحمد اور سورت بلکہ سارا قرآن مجید اگر ایک رکعت میں ختم کرے سب زیر فرض داخل ہوں گے کہ ﴿فاقرؤا ماتیسر من القرآن﴾ (پس قرآن میں سے جتنا تم پر آسان ہو اُتنا پڑھو۔ ت) کا فرد ہے ولہذا اگر سورہ فاتحہ پڑھ کر سُورت ملانا بھول گیا اور وہاں یاد آیا تو حکم ہے رکوع کو چھوڑے اور قیام کی طرف عود کر کے سورت پڑھے اور رکوع میں جائے حالانکہ واجب کے لئے فرض کا چھوڑنا جائز نہیں ولہذا اگر پہلی التحیات بھول کر پورا کھڑا ہو گیا اب عود کی اجازت نہیں مگر سُورت کے لئے خود شرع نے عود کا حکم دیا کہ جتنا قرآن مجید پڑھا جائے گا سب فرض ہی میں واقع ہوگا تو یہ واجب کی طرف عود نہیں بلکہ فرض کی طرف، ولہذا اگر دوبارہ رکوع نہ کرے گا نماز نہ ہوگی کہ پہلا رکوع عود الی الفرض کے سبب زائل ہو گیا تو جس طرح الحمد اور سورت دونوں سے فرض ہی ادا ہوتا ہے یوں ہی دونوں خطبوں سے بھی کہ سب مطلق ﴿فاسعوا الی ذکر اللہ﴾ (اللہ کے ذکر کی طرف دوڑ کر آؤ۔ ت) کے تحت میں داخل ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم (فتاوی رضویہ، ج 8، ص 411,412، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

خطبہ کی سنتیں

خطبہ میں یہ چیزیں سنت ہیں:

(1) خطیب کا پاک ہونا۔ (2) کھڑا ہونا۔

(3) خطبہ سے پہلے خطیب کا بیٹھنا۔ (4) خطیب کا منبر پر ہونا۔

اور (5) سامعین کی طرف منہ۔ اور (6) قبلہ کو پیٹھ کرنا اور بہتر یہ ہے کہ منبر محراب کی بائیں جانب ہو۔

(7) حاضرین کا متوجہ با مام ہونا۔ (8) خطبہ سے پہلے اَعُوْذُ بِاللہ آہستہ پڑھنا۔

(9) اتنی بلند آواز سے خطبہ پڑھنا کہ لوگ سنیں۔ (10) الحمد سے شروع کرنا۔

(11) اللہ عزوجل کی ثنا کرنا۔

(12) اللہ عزوجل کی وحدانیت اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رسالت کی شہادت دینا۔

(13) حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر درود بھیجنا۔ (14) کم سے کم ایک آیت کی تلاوت کرنا۔

(15) پہلے خطبہ میں وعظ ونصیحت ہونا۔ (16) دوسرے میں حمد وثنا وشہادت ودرود کا اعادہ کرنا۔

(17) دوسرے میں مسلمانوں کے لیے دُعا کرنا۔ (18) دونوں خطبے ہلکے ہونا۔

(19) دونوں کے درمیان بقدر تین آیت پڑھنے کے بیٹھنا۔ مستحب یہ ہے کہ دوسرے خطبہ میں آواز بہ نسبت پہلے کے پست ہو اور خلفائے راشدین وعمّین مکرمین حضرت حمزہ وحضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا ذکر ہو۔ بہتر یہ ہے کہ دوسرا خطبہ اس سے شروع کریں:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِيْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّاٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِی اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ يُّضْلِلْہُ فَلَا هَادِیَ لَہٗ (ترجمہ: حمد ہے اللہ عزوجل کے لیے، ہم اس کی حمد کرتے ہیں اور اس سے مدد طلب کرتے ہیں اور مغفرت چاہتے ہیں اور اس پر ایمان لاتے ہیں اور اس پر توکل کرتے ہیں اور اللہ عزوجل کی پناہ مانگتے ہیں اپنے نفسوں کی برائی سے اور اپنے اعمال کی بدی سے جسکو اللہ عزوجل ہدایت کرے اسے کوئی گمراہ کرنے والا نہیں اور جس کو گمراہ کرے اسے ہدایت کرنے والا کوئی نہیں۔)

(20) مرد اگر امام کے سامنے ہو تو امام کی طرف منہ کرے اور دہنے بائیں ہو تو امام کی طرف مڑ جائے۔ اور

(21) امام سے قریب ہونا افضل ہے مگر یہ جائز نہیں کہ امام سے قریب ہونے کے لیے لوگوں کی گردنیں پھلانگے، البتہ اگر امام ابھی خطبہ کو نہیں گیا ہے اور آگے جگہ باقی ہے تو آگے جا سکتا ہے اور خطبہ شروع ہونے کے بعد مسجد میں آیا تو مسجد کے کنارے ہی بیٹھ جائے۔

(22) خطبہ سننے کی حالت میں دو زانو بیٹھے جیسے نماز میں بیٹھتے ہیں۔

(الفتاوی الھندیۃ "کتاب الصلاۃ، الباب السادس عشر فی صلاۃ الجمعۃ، ج1، ص147، 146 ☆ الدرالمختار مع ردالمحتار، ج2، ص151، 150، دارالفکر، بیروت)

خطبۂ جمعہ میں اردو شامل کرنا

فتاوی رضویہ میں ہے:

سوال: خطبۂ جمعہ میں جو اردو قصائد متضمن وعظ و نصیحت پڑھے جاتے ہیں یہ شرعاً کیسا ہے اور عوام کا یہ عذر کہ عربی ہماری سمجھ میں نہیں آتی لہذا اردو کی ضرورت ہے قابل قبول ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

جواب: یہ امر خلاف سنتِ متوارثہ مسلمین ہے اور سنتِ متوارثہ کا خلاف مکروہ، قرناً فقرناً (ہر دور میں) اہل اسلام میں ہمیشہ خالص عربی میں خطبہ معمول و متوارث رہا ہے اور متوارث کا اتباع ضرور ہے......

زمانہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں بحمد اللہ ہزار ہا بلادِ عجم فتح ہوئے۔ ہزاروں عجمی حاضر ہوئے مگر کبھی منقول نہیں کہ انھوں نے ان کی غرض سے خطبہ غیر عربی میں پڑھا یا اس میں دوسری زبان کا خلط کیا ہو۔

عوام کا یہ عذر جب صحابہ کرام کے نزدیک لائقِ لحاظ نہ تھا اب کیوں مسموع ہونے لگا، بات یہ ہے کہ شریعت مطہرہ نے علم سیکھنا سب پر واجب کیا ہے۔ عوام کہ نہیں سمجھتے، سبب یہ ہے کہ نہیں سیکھتے، تو قصور اُن کا ہے نہ کہ خطیب کا، آخر عوام قرآن مجید بھی تو نہیں سمجھتے کیا ان کے لئے قرآن اُردو میں پڑھا جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(فتاوی رضویہ، ج8، ص303، 302، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

اسی میں ایک دوسرے مقام پر ہے:

"زمانِ برکت نشان حضور پر نور سید الانس والجان علیہ وعلی آلہ افضل الصلوۃ والسلام سے عہد صحابہ کرام و تابعین عظام وائمہ اعلام تک تمام قرون وطبقات میں جمعہ وعیدین کے خطبے ہمیشہ خالص زبان عربی میں مذکور و ماثور اور باآنکہ صحابہ ومن بعدہم من ائمۃ الکرام کے زمانوں میں ہزار ہا بلادِ عجم فتح ہوئے ہزار ہا جوامع بنیں، ہزار ہا منبر نصب ہوئے، عامہ حاضرین اہل عجم ہوئے، اوران حضرات میں بہت وہ تھے کہ مفتوحین کی زبان جانتے اس میں ان سے کلام فرماتے باانیہمہ کبھی مروی نہ ہوا کہ خطبہ غیر عربی زبان میں فرمایا یا دونوں زبانوں کا ملایا ہو کما ذکرہ الشاہ ولی اللہ الدھلوی فی شرح

الموطا (جیسا کہ شاہ ولی اللہ دہلوی نے شرح موطا میں ذکر کیا ہے۔ت)

سنتِ متوارثہ کا خلاف ناپسند ہے.......

نہ کہ ایسی سنت جہاں باوصف تحقق حاجت، جانبِ خلاف رخ نہ فرمایا ہو کہ اب تو اس کا خلاف ضرور مکروہ واساءت ہوگا۔اقول: وتحقیقہ ان التذکیر بالعجمیة کان المقتضی له بعینه موجودا والمانع مفقودا ثم لم یفعلوه فکان ذلك کفامنهم لاترکا والکف فعل والفعل یجری فیه التوارث بخلاف الترك اذلامعنی لتوارثه ولامساغ للتأسی فیه لانه غیرمفعول ولا مقدور کما نص علیه الاکابرا لصدور،قال فی الاشباه والنظائر التروك لا یتقرب بها الااذاصار الترك کفا وهو فعل وهوالمکلف به فی النهی لا الترك بمعنی العدم لانه لیس داخلا تحت القدرة للعبد کما فی التحریر اه ای تحریر الاصول للامام المحقق حیث اطلق رحمه الله تعالی اتقن هذا فانه من اجل المهمات۔(اقول: اس کی تفصیل یہ ہے کہ عجمی زبان میں وعظ ونصیحت کا تقاضا بعینہ موجود تھا اور مانع بھی کوئی نہیں تھا پھر انھوں نے ایسا نہیں کیا تو یہ ان کا کف (رکنا) ہے ترک نہیں اور رکنا فعل ہے اور فعل میں توارث جاری ہوتا ہے بخلاف ترک کے، کیونکہ اس کے نقل ہونے کا معنی نہیں اور نہ ہی اس میں اقتداء جائز ہے کیونکہ وہ معمول سے نہیں اور نہ ہی قدرت میں، جیسے کہ اس پر ہمارے اسلاف اکابر نے تصریح کی ہے، الاشباہ والنظائر میں ہے کہ تروک کے ساتھ تقرب نہیں ہوسکتا مگر اس صورت میں جب ترک کف کی صورت میں ہو، اور وہ فعل ہوگا، اور نہی میں یہی مکلّف بہ ہے نہ کہ ترک بمعنی عدم کیونکہ معدوم قدرت عبد کے تحت داخل نہیں ہوتا جیسا کہ تحریر میں ہے اھ۔اس سے مراد تحریر الاصول ہے جو کہ امام محقق علی الاطلاق کی ہے۔اسے اچھی طرح یاد کرلو کیونکہ یہ نہایت اہم معاملات میں سے ہے۔ت)

اذان ضرور بلانے اور ان لوگوں کو اطلاعِ وقت دینے کے لئے ہے، مگر غیر عربی میں ہو تو ہرگز اذان ہی نہ ہوگی اگرچہ مقصود اعلام حاصل ہوجائے کہ اذان صرف سنت تھی جب فی نفسہٖ برخلاف سنت ہوئی راسا فوت ہوگئی.......

خطبہ ضرور وعظ وتذکیر کے لئے ہے جیسے نماز، کہ ذکر کے لئے ہے قال اللہ تعالٰی ﴿ اقم الصلوٰة لذکری ﴾ (اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے میری یاد کے لئے نماز قائم کرو۔ت)

اور خود قرآن عظیم کہ اس کا تو نام ہی ذکر حکیم ہے اور اس کے نہ سمجھنے پر سخت انکار فرماتا ہے ﴿افلا یتدبرون القراٰن ام علی قلوب اقفالھا﴾ (کیا وہ قرآن میں تدبر نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر تالے پڑے ہیں۔ت)

پھر جس کی سمجھ میں عربی نہ آئے نہ اس کے لئے نماز و قرآن اردو یا بنگلہ یا انگریزی کر دئے جائیں گے نہ خطبہ واذان، یہ اس کا اپنا قصور ہے، اس کا دین عربی، نبی عربی، کتاب عربی، پھر عربی اتنی بھی نہ سیکھی کہ اپنا دین سمجھ سکتا۔ انگریزی کی حالت دیکھئے اس پر کیسے اندھے باولے ہو کر گرتے ہیں کہ دو پیسے کمانے کی امید ہے اور عربی جس میں دین ہے ایمان ہے اس سے کچھ غرض نہیں اللہ تعالیٰ توفیق دے وہدایت بخشے، امین و اللہ تعالیٰ اعلم"

(فتاوی رضویہ، ج8، ص399 تا 401، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

خطبہ میں اشعار پڑھنا

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"شعر کی نسبت حدیث میں فرمایا وہ ایک کلام ہے جس کا حسن حسن اور قبیح قبیح یعنی مضمون پر مدار ہے اگر اچھا ذکر ہے شعر بھی محمود اور برا تذکرہ ہے تو شعر بھی مذموم، بحور، عروض پر موزوں ہوجانا خواہی نخواہی قبح کلام کا باعث نہیں اگرچہ اس میں انہماک واستغراق تام متکلم کے حق میں شرع کو ناپسند ہو.....

خود حضور پر نور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت حسان بن ثابت انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے منبر بچھاتے وہ اس پر کھڑے ہو کر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حمد وثنا و مفاخرت کا خطبہ بلیغہ اشعار میں پڑھتے، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے یہ جب تک اس کام میں رہتا ہے اللہ تعالیٰ جبرئیل سے اس کی مدد فرماتا ہے......

تو اگر خطبہ جمعہ یا عیدین میں احیاناً دو چار عربی اشعار حمد و نعت، وعظ وتذکیر وذمِ دنیا ومدحِ عقبیٰ کے پڑھے جائیں کوئی مانع نہیں بلکہ خود اشد الامۃ فی امر اللہ امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے خطبہ میں بعض اشعار پڑھنا مروی.......

مگر ان خطبوں کا تمام وکمال نظم ہی میں پڑھنا نہ چاہئے کہ بلاوجہ کلماتِ مسنونہ سے اعراض بلکہ طریقہ متوارثہ کی تغییر ہے اور نظم خالص، خطبہ میں ترک سنتِ تلاوت کو مستلزم جس کی کراہت کلمات علماء میں مصرح......

یوں ہی زبان عجمی کا داخل خطبہ کرنا مناسب نہیں کہ زمانہ صحابہ وتابعینو ائمہ دین سے خطبہ خاص زبان عربی میں ہونا متوارث ہے کما ذکر الشاہ ولی اللہ الدھلوی فی شرح الموطا(جیسا کہ شاہ ولی اللہ الدہلوی نے شرح موطا میں اس کا ذکر کیا ہے۔ت) عہد سلف میں بحمد اللہ ہزاروں بلاد عجم فتح ہوئے۔ ہزار ہا منبر نصب کئے گئے، عامہ حاضرین اہل عجم ہوتے مگر کبھی منقول نہیں کہ سلف صالح نے ان کی تفہیم کے لئے خطبہ جمعہ یا عیدین غیر عربی میں پڑھایا اس میں دوسری زبان کا خلط کیا، اور سنت متوارثہ کی مخالفت بیشک مکروہ ہے.........

بااینہمہ اگر خطبہ عربیہ کے ساتھ کچھ اشعار پند ونصائح اردو میں پڑھے جائیں جیسا کہ آج کل ہندوستان میں اکثر جگہ معمول ہے تو غایت اس کی بس اس قدر کہ خلافِ اولیٰ ومکروہ تنزیہی ہے اس سے زیادہ مکروہ تحریمی وگناہ وممنوع وبدعت سیئہ قرار دینا محض بے دلیل ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم (فتاوی رضویہ، ج8،ص303 تا309، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

خطبہ میں عصا لینا

خطبہ میں عصا ہاتھ میں لینا بعض علماء نے سنت لکھا اور بعض نے مکروہ، اور ظاہر ہے کہ اگر سنت بھی ہو تو کوئی سنت مؤکدہ نہیں، تو بنظرِ اختلاف اُس سے بچنا ہی بہتر ہے مگر جب کوئی عذر ہو، وذلك لان الفعل اذا تردد بین السنیة والکراھة کان ترکه اولی ۔وہ اس لئے کہ جب فعل کے سنت اور مکروہ ہونے میں شک ہو تو اس کا ترک بہتر ہوتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم (فتاوی رضویہ، ج8،ص303، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

خطیب کا خطبہ کے معنی سمجھنا ضروری نہیں

امام اہل سنت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ سے سوال ہوا:

یہ جو "فتاوی ابوالبرکات" میں لکھا ہے: لا تجوز الجمعة حتیٰ یعلم الخطیب معناہ (جب خطیب، خطبہ کے معانی سے آگاہ نہ ہو جمعہ جائز نہیں۔ت) یہ صحیح ہے یا کیا؟

تو جواباً ارشاد فرمایا:

"خطیب کا معنی عبارت خطبہ سمجھنا شرط کیا، معنی ہرگز واجب بھی نہیں کہ آثم (گناہگار) کہہ سکیں، جمعہ ناجائز ہونا تو درکنار اگر یہ قول صحیح ہوتا، واجب تھا کہ کتب مشہورہ متداولہ اس کی تصریحوں سے مالا مال ہوتیں ایسا نہایت ضروری

مسئلہ جس پر نماز فرض کے صحت و بطلان کا مدار ہو اور متون و شروح و فتاوٰی کہیں اس کا پتا نہ دیں ہر گز عقل سلیم اسے قبول نہیں کر سکتی ولہذا المجتبٰی میں جو بہت سی شرائط نیت نماز فرض و نفل میں ذکر کیں جن کا تصانیف معتمدہ میں وجود نہ تھا علماء نے اسی وجہ سے ان کی طرف اصلاً التفات نہ فرمایا..........

اور مجتبٰی اگر چہ مثل سائر تصانیف زاہدی کتب معتمدہ سے نہیں تاہم مشہور مصنف کی مشہور تصنیف ہے جس سے علماء مابعد نے صدہا مسائل نقل فرمائے مگر ایسے ہی نوادر غرائب کے باعث پایہ اعتماد سے ساقط ہوئی پھر بالفرض اگر فتاوٰی ابوالبرکات کا یہ مطلب ہو بھی تو اس قسم کے فتاوی ایک بات اور وہ بھی اتنی بے ثبات جس پر شروع سے اصلاً دلیل نہیں، کیونکر ادنٰی التفات کے قابل ہو سکتی ہے، اس میں شک نہیں کہ تدبر معنی جمال محمود و کمال مقصود ہے مگر فقہائے کرام نے عموماً عبادات کے کسی ذکر میں نفس نیت کے سوا قلب کا کوئی حصہ ایسا نہیں رکھا جس پر فساد و صحت کی بنا ہو یہاں تک کہ اصل حضور قلب جس کے معنی یہ ہیں کہ صدور فعل و قول پر متنبہ ہو اگر چہ معنی کلام نہ سمجھے یہ بھی صحتِ نماز کے لئے ضروری نہیں..........

اور خطبہ جمعہ کا ذکر تذکیر کے لئے مشروع ہونا کما قال تعالٰی ﴿فاسعوا الٰی ذکر اللہ﴾ (جیسا کہ اللہ تعالٰی نے فرمایا پس اللہ کے ذکر کی طرف جلدی چلو۔ت) ہر گز اس دعوٰی کا مثبت نہیں ہو سکتا جب الفاظ الفاظ ذکر ہیں اور اس نے بالقصد انھیں ادا کیا قطعاً ذکر متحقق ہوا، تدبر معنی پر توقف نہیں ورنہ واجب کہ نماز میں بھی فہم معنی قال تعالٰی ﴿اقم الصلوٰة لذکری﴾ (اللہ تعالٰی نے فرمایا میرے ذکر کے لئے نماز قائم کرو۔ت)

علاوہ بریں تذکیر سے تذکر زیادہ محتاج فہم و تدبر

مرد باید کہ گیرد اندر گوش

ورنوشت ست پند بر دیوار

(انسان کو چاہئے کہ وہ محفوظ کرے اگر چہ نصیحت لکھی ہو دیوار پر)

حالانکہ علماء تصریح فرماتے ہیں کہ مقتدی اگر بہرے یا سوتے یا اس قدر دور ہوں کہ آواز نہ جائے مگر وقتِ خطبہ حاضر ہوں کافی ہے شرط ادا ہو گئی فہم معنی جدا، نفسِ سماع کی بھی ضرورت نہیں.......

اقول وباللہ التوفیق (میں اللہ تعالیٰ کی توفیق سے کہتا ہوں۔ت) حقیقت امر یہ ہے کہ ہر چند احکام شرعیہ عموماً حکم ومصالح سے ناشی ہوتے ہیں اور مشروعیت خطبہ کی حکمت یہی تذکیر وتذکر ہے مگر حکمت نہیں ہوتی کہ اُس کے فقدان سے فساد و بطلان لازم آئے مثلاً شرع، نکاح کی حکمت تکثیر امت اور نفس کی عفت کہ مردِ عنین (نامرد آدمی) وزنِ رتقا وقرنا (ایسی عورت جس کی شرمگاہ بند ہو اور وہ عورت جس کی دونوں شرمگاہیں مل گئی ہوں) میں دونوں اور بحالت عقم (بانجھ ہونے کی صورت میں) اول منتفی مگر پھر بھی صحتِ نکاح میں شبہہ نہیں، صوم کی حکمت کسرِ شہوت اور نفس کی ریاضت، پھر اگر کسی شخص کے مزاج پر رطوبت غالب اور اس کی وجہ سے شہوتین میں ضعف ہو کہ روزہ اُسے نافع وموجب قوت پڑے تو کیا اُسے روزے کا حکم دیں گے یا اُس کے صوم کا فاسد مانیں گے وقس علی ھذا (اور اس پر قیاس کر ۔ت) یہ سب کلام اُس تقدیر پر ہے کہ عبارتِ مذکورہ سوال کا وہ مطلب ہو یہ فتاوٰی فقیر کی نظر سے نہ گزرا کہ سیاق وسباق دیکھ کر تعیین مراد کی جاتی مگر جتنے لفظ سائل نے نقل کئے فقیر غفر اللہ تعالیٰ لہ کی رائے میں ان کی عمدہ توجیہ یوں ممکن کہ نیت نام قصد قلبی کا ہے اور قصد شے اس کے علم پر موقوف، آدمی جس چیز کو جانتا ہی نہ ہو اُس کا قصد محض بے معنی، اور کسی شے کا جاننا اسے نہیں کہتے کہ صرف اس کا نام معلوم ہو جس کے معنی ومراد سے ذہن بالکل خالی ہو بلکہ اس کے مفہوم سے آگاہی ضروری ہے مثلاً طوطے کو زید کا نام سکھادیں تو یہ نہ کہیں گے کہ وہ زید کو جانتا ہے، اسی لئے علماء فرماتے ہیں اگر کوئی شخص نمازِ فرض میں فرض کی نیت تو کرے مگر یہ نہ جانے کہ فرض کسے کہتے ہیں نماز نہ ہوگی کہ صلوٰۃ فریضہ میں نیتِ فرض بھی ضروری تھی جب وہ معنی فرض سے غافل ہے تو لفظ فرض کا خیال ہوا نہ نیتِ فرض کہ فرض تھی......

جب یہ واضح ہولیا اور معلوم ہے کہ صحتِ خطبہ کے لئے نیتِ خطبہ شرط ہے یہاں تک کہ اگر منبر پر جا کر چھینک آئی اور چھینک پر الحمد اللہ کہا خطبہ ادا نہ ہوا۔

تو لازم ہوا کہ خطیب معنی خطبہ سے آگاہ ہو یعنی یہ جانتا ہو کہ خطبہ ایک ذکر الٰہی کا نام ہے تاکہ اس کی نیت کر سکے ورنہ نام خطبہ جانا بھی اور یہ نہ جانا کہ خطبہ کسے کہتے ہیں بلکہ لوگوں کے دیکھا دیکھی بے سمجھے ایک فعل کر دیا تو بیشک نماز جمعہ ادا نہ ہوگی کہ یہ وہی نام خطبہ کا خیال ہوا نہ نیتِ خطبہ۔

اور جب نیت نہ ہوئی کہ شرط صحت خطبہ تھی خطبہ نہ ہوا، اور جب خطبہ نہ ہوا کہ شرطِ صحت جمعہ تھا جمعہ نہ ہوا جس

طرح کوئی شخص لوگوں کونماز پڑھتے دیکھ کرخود بھی ان کے سے افعال کرے اور معنی نماز سے جاہل ہو یعنی نہ جانے کہ نماز خدا کا ایک فرض ہے کہ بغرض امتثال امر ادا کیا جاتا ہے ہرگز نماز نہ ہوگی۔

یہ معنی ہیں معنی خطبہ نہ جاننے کے، نہ یہ کہ جو عبارت پڑھے اس کا ترجمہ سمجھنا ضروری ہے، یہ کسی ایک بھی مذہب نہیں هکذا ینبغی التوجیهه (عبارت کی توجیہ اسی طرح ہونی چاہئے۔ت) واللہ سبحنه وتعالی اعلم

(فتاوی رضویہ، ج8،ص282تا286،رضا فاؤنڈیشن،لاہور)

منبر اقدس کے تین زینے تھے

فتاوی رضویہ میں ہے:

منبر خود رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بنوایا اور اس پر خطبہ فرمایا کما ثبت فی الصحیحین وغیرهما حدیث سهل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنه (بخاری و مسلم وغیرہ میں حضرت سہل بن سعد رضی تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔ت)

منبر اقدس کے تین زینے تھے علاوہ اوپر کے تختے کے جس پر بیٹھتے ہیں وقد وقع ذکرهن فی غیرما حدیث کحدیث وعید من ذکر عنده النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم فلم یصل صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم۔(ان کا ذکر متعدد احادیث میں ہے جیسے وہ حدیث جس میں ذکر ہے کہ جس شخص کے پاس حضور علیہ السلام کا نام مبارک لیا اور اس نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر درود شریف نہ پڑھا تو اس کے لئے وعید ہے۔ت)

ردالمحتار میں ہے:منبره صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم کان ثلث درج غیر المسماة بالمستراح۔(حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مقدس منبر کے تین زینے اس تخت کے علاوہ تھے جس پر بیٹھا جاتا ہے۔ت)

حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم درجہ بالا پر خطبہ فرمایا کرتے، صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دوسرے پر پڑھا، فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تیسرے پر، جب زمانہ ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا آیا پھر اول پر خطبہ فرمایا سبب پوچھا گیا، فرمایا اگر دوسرے پر پڑھتا لوگ گمان کرتے کہ میں صدیق کا ہمسر ہوں اور تیسرے پر تو وہم ہوتا کہ فاروق کے برابر ہوں۔لہذا وہاں پڑھا جہاں یہ احتمال متصور ہی نہیں اصل سنت اول درجہ پر قیام ہے۔

ومافعله الصدیق فکان تأدبامنه مع رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم ومافعل الفاروق فکان تأدبامع

الصدیق رضی اللہ تعالٰی عنہما (حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ادب کی بنا پر ایسا کیا اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ کے ادب کی خاطر۔ت)

بلندی منبر سے اصل مقصد یہ ہے کہ سب حاضرین خطیب کو دیکھیں اور اُس کی آواز سنیں جہاں یہ حاجت بسبب کثرت حضار (حاضرین کی کثرت کے سبب) و دوری صفوف تین زینوں میں پوری نہ ہو تو زینے زیادہ کرنے کا خود ہی اختیار ہے اور بہتر عدد طاق کی مراعات فان اللہ وتر یحب الوتر (اللہ تعالٰی وتر ہے اور وتر کو پسند کرتا ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم (فتاوی رضویہ، ج8،ص343,344، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

دو خطبوں کے درمیان امام اور مقتدیوں کا دعا کرنا

دونوں خطبوں کے بیچ میں امام کو دعا مانگنا تو بالاتفاق جائز ہے بلکہ خود عین خطبہ میں حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا مینہ کے لئے دونوں دستِ انور بلند فرما کر دعا مانگنا کتب صحاح میں موجود ہے، مقتدیوں کے بارہ میں مذہب حنفی میں اختلاف ہے، امام ابو یوسف و امام محمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہما بلا شبہ ان کے لئے بھی جائز فرماتے ہیں، اور امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے دو روایتیں آئیں، ایک مطابق قول صاحبین کے امام کے نزدیک بھی مقتدیوں کو بین الخطبتین دعا مانگنا جائز ہے امام سغناقی نے نہایہ و امام اکمل الدین بابرتی نے عنایہ شروح ہدایہ میں فرمایا: ھو الصحیح یہی صحیح ہے.......

پھر یہ کوئی ایسا امر نہیں جس پر تشدد ضروری ہو، بہ نرمی سمجھایا جائے اگر نہ مانے تو گروہ بندی و اثارت فتنہ کی حاجت نہیں۔ (فتاوی رضویہ، ج8،ص397، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

باب نمبر 356

ما جاء في الخطبة على المنبر

منبر پر خطبہ دینا

505حَدَّثَنَا أَبُو حَفْصٍ عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ الفَلَّاسُ قَالَ:حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ عُمَرَ، وَيَحْيَى بْنُ كَثِيرٍ أَبُو غَسَّانَ العَنْبَرِيُّ، قَالَا:حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ العَلَاءِ،عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَخْطُبُ إِلَى جِذْعٍ، فَلَمَّا اتَّخَذَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ المِنْبَرَ حَنَّ الجِذْعُ حَتَّى أَتَاهُ فَالتَزَمَهُ فَسَكَنَ وَفِي البَابِ عَنْ أَنَسٍ،وَجَابِرٍ،وَسَهْلِ بْنِ سَعْدٍ،وَأُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ، وَابْنِ عَبَّاسٍ، وَأُمِّ سَلَمَةَ،قَالَ ابوعيسى:حَدِيثُ ابْنِ عُمَرَ حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ صَحِيحٌ ، وَمُعَاذُ بْنُ العَلَاءِ هُوَ بَصْرِيٌّ، وَهُوَ أَخُو أَبِي عَمْرِو بْنِ العَلَاءِ

حدیث: حضرت سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ بے شک نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم درخت کے تنے سے ٹیک لگا کر خطبہ ارشاد فرمایا کرتے تھے تو جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے منبر بنوایا تو تنے نے گریہ وزاری شروع کر دی حتیٰ کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس کے پاس آئے تو اسے اپنے ساتھ چمٹا لیا تو اسے قرار آ گیا۔

اور اس باب میں حضرت انس ،حضرت جابر ، حضرت سہل بن سعد، حضرت ابی بن کعب، حضرت ابن عباس اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہم سے بھی روایات مروی ہیں۔

امام ترمذی فرماتے ہیں: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث حسن غریب اور صحیح ہے۔اور معاذ بن علاء، وہ بصری ہیں اور ابوعمرو بن علاء کے بھائی ہیں۔

شرح حدیث

علامہ محمود بدرالدین عینی حنفی (متوفی 855ھ) فرماتے ہیں

"جب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم منبر پر کھڑے ہوئے تو کھجور کا وہ تنا گریہ وزاری کرنے لگا جس سے ٹیک لگا کر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خطبہ دیا کرتے تھے، اس کے رونے کی آواز ایسی تھی جیسا کہ دس ماہ کی حاملہ اونٹنی، اس کے رونے کی وجہ یہ تھی کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم منبر بننے سے پہلے خطبہ کے وقت اس سے ٹیک لگایا کرتے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے، فرماتی ہیں: نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ مبارک اس تنے پر رکھا اور اسے تسلی دی تو وہ آہستہ آہستہ چپ ہو گیا۔ طفیل بن اُبی بن کعب اپنے والد سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے فرمایا: نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کھجور کے تنے کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے تھے اور اس کے ساتھ ٹیک لگا کر خطبہ بھی دیا کرتے تھے، کسی نے عرض کی کیا ہم آپ کے لیے منبر بنائیں کہ جمعہ والے دن جس پر کھڑے ہو کر آپ خطبہ ارشاد فرمایا کریں اور لوگ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا خطبہ سنا کریں، نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ٹھیک ہے۔ لہٰذا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے ایک منبر بنایا گیا جس کے تین درجات تھے، جب منبر بن گیا اور اسے خطبہ دینے کی جگہ رکھا گیا، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس پر خطبہ دینے کے ارادے سے اس کی طرف بڑھے تو جس تنے سے ٹیک لگا کر خطبہ ارشاد فرماتے تھے وہ رونے لگا حتیٰ کہ ایسے لگا کہ وہ صدمے سے پھٹ جائے گا، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جب اس کے رونے کی آواز سنی تو منبر سے نیچے تشریف لائے اور اس کے اوپر ہاتھ پھیرا، پھر منبر پر تشریف لے گئے۔"

(شرح ابی داؤد للعینی ملخصاً، باب اتخاذ المنبر، ج4، ص418، مکتبۃ الرشد، ریاض)

علامہ محمد بن عمر بن احمد سفیری شافعی (متوفی 956ھ) فرماتے ہیں:

"یہ بات صحیح اور ثابت ہے کہ کھجور کے تنے نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فراق میں گریہ وزاری کی ہے، حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مسجد کی چھت کھجور کے تنوں پر بنی ہوئی تھی، منبر بننے سے پہلے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب خطبہ دیتے تھے تو کھجور کے تنے سے ٹیک لگاتے تھے اور اپنا ہاتھ اس پر رکھتے تھے،

ہجرت کے دوسرے یا تیسرے سال جب آپ کے لیے منبر بنایا گیا تو آپ اس تنے سے جدا ہو گئے، حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مزید فرماتے ہیں کہ اسی جدائی کی وجہ سے ہم نے اس تنے کے رونے کی آواز سنی جیسا کہ دس ماہ کی حاملہ اُنٹنی روتی ہے، پس جب تنا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فراق میں رویا تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس تنے کو بلایا، وہ زمین کو پھاڑتا ہوا حاضر ہو گیا تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسے ارشاد فرمایا: اگر تو چاہے تو میں تجھے اس مکان کی طرف لوٹا دوں جس میں تو تھا، تیرے لیے شاخیں اگیں گی، تمہاری خلق مکمل ہوگی اور تمہارے اوپر نیا پھل آئے گا اور اگر تو چاہے تو میں تجھے جنت میں لگادوں اس صورت میں تیرا پھل اللہ تعالیٰ کے اولیاء کھائیں گے، پھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے کان اس کے قریب کیے تا کہ سنیں کہ وہ کیا کہہ رہا ہے، اس نے کہا: آپ مجھے جنت میں اُگا دیں تا کہ اولیاء اللہ میرا پھل کھائیں اور میں اس مکان میں ہوں گا جہاں پرانا ہونا نہیں ہے۔ جو قریب تھا اس نے یہ آواز سنی۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: قد فعلت (میں نے ایسا کر دیا) پھر فرمایا: اس نے دار البقاء کو دار الفناء پر ترجیح دی ہے، پھر اسے حکم دیا وہ اپنی جگہ پر چلا گیا۔"

(شرح البخاری للسفیری، المجلس الثلاثون، ج2، ص102، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

کھجور کے تنے کا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے محبت کرنا اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت میں رونا حقیقۃً تھا

علامہ یحیی بن شرف النووی شافعی فرماتے ہیں:

((احد پہاڑ ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں)) قول صحیح ومختار میں اس حدیث پاک کا معنی یہ ہے کہ احد پہاڑ ہم سے حقیقۃً محبت کرتا ہے، اللہ تعالیٰ نے اس میں وہ تمیز رکھی ہے کہ جس کے سبب وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے محبت کرتا ہے جیسا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿وَ اِنَّ مِنْهَا لَمَا یَهْبِطُ مِنْ خَشْیَةِ اللّٰهِ﴾ (اور کچھ وہ پتھر ہیں کہ اللہ کے ڈر سے گر پڑتے ہیں) (سورۃ البقرۃ، آیت 74) اور جیسا کہ **کھجور کا خشک تنا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت میں رویا**، اور جیسا کہ کنکریوں نے تسبیح کی اور جیسا کہ پتھر موسیٰ علیہ السلام کے کپڑے لے کر بھاگا، اور جیسا کہ ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں مکہ میں اس پتھر کو جانتا ہوں کہ جو مجھ پر سلام بھیجا کرتا تھا، اور جیسا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دو متفرق درختوں کو بلایا، پس وہ حاضر ہو گئے اور جیسا کہ پہاڑ ہلنا شروع ہو گیا تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اے پہاڑ! ٹھہر جا کہ تیرے اوپر ایک نبی، ایک صدیق اور دو شہید موجود ہیں اور جیسا کہ بکری کے

بازو نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کلام فرمایا اور جیسا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿وَ اِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِیْحَهُمْ﴾ (اور کوئی چیز نہیں جو اسے سراہتی ہوئی اس کی پاکی نہ بولے ہاں تم ان کی تسبیح نہیں سمجھتے) (سورۃ الاسراء، آیت 44) اور اس آیت پاک کا صحیح معنی یہ ہے کہ ہر شے اپنے حال کے مطابق حقیقتاً تسبیح کرتی ہے لیکن ہم اسے سمجھ نہیں پاتے۔

ان جیسے شواہد کے پیش نظر ہم نے اس قول کو اختیار کیا ہے اور حدیث کا معنی محققین کے نزدیک یہی مختار ہے کہ احد پہاڑ ہم سے حقیقتاً محبت کرتا ہے۔ (شرح النووی علی مسلم، باب فضل المدینۃ الخ، ج9، ص140، 139، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

جمادات، نباتات اور حیوانات کا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے محبت کرنا

کھجور کے تنے کی محبت

کھجور کے تنے کا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت میں رونے والا واقعہ متعدد صحابہ کرام سے مروی ہے، حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی روایت اس طرح ہے، فرماتے ہیں: ((كَانَ النَّبِي صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْطُب إِلَى جذع فَاتخذ لَهُ منبرا فَلَمَّا فَارق الْجذع وَعمد إِلَى الْمِنْبَر الَّذِي صنع لَهُ جزع الْجذع فحن كَمَا تحن النَّاقة فَرجع النَّبِي صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَوضع يَده عَلَيْهِ وَقَالَ :اخْتَرْ أَنْ أَغْرِسَكَ فِي الْمَكَانِ الَّذِي كُنْتَ فِيهِ فَتَكُونَ كَمَا كُنْتَ، وَإِنْ شِئْتَ أَنْ أَغْرِسَكَ فِي الْجَنَّةِ فَتَشْرَبَ مِنْ أَنْهَارِهَا وَعُيونِهَا فَيَحْسُنَ نَبْتُكَ وَتُثْمِرَ فَيَأْكُلَ أَوْلِيَاءُ اللّٰهِ مِنْ ثَمَرَتِكَ وَنَخْلِكَ فَسمع النَّبِي صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يَقُول لَهُ نعم فَسُئلَ النَّبِي صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اخْتَار أَن أغرسه فِي الْجَنَّة)) ترجمہ: نبی محترم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم ایک کھجور کے تنے کے ساتھ خطبہ دیا کرتے تھے تو آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے لئے ایک منبر بنایا گیا جب آپ نے اس منبر کا قصد فرمایا اس تنے نے آہ وفغاں شروع کر دی اور یوں رونے لگا جیسے اونٹنی روتی ہے تو نبی رؤف رحیم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم پلٹے اور اس تنے پر اپنا دست مبارک رکھا اور فرمایا تجھے اختیار ہے چاہے تو تجھے اسی جگہ اگا دوں جہاں تو تھا اور اگر تو چاہے تو تجھے میں جنت میں اگا دوں تو جنت کی نہروں اور چشموں کا پانی پئے اور تیرا پھل خدا تعالیٰ کے دوست کھائیں، تو نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اسے ہاں کہتے سنا، پھر نبی معظم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے لوگوں نے استفسار کیا تو ارشاد فرمایا کہ اس نے جنت میں اگنا پسند کیا ہے۔

(سنن دارمی، باب ما اکرم النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، ج 1، ص 178، دار المغنی للنشر والتوزیع، عرب ☆ خصائص کبریٰ، ذکر معجزاتہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، ج 2، ص 126، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

احد پہاڑ کی محبت

نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((أُحُدٌ جَبَلٌ يُحِبُّنَا وَنُحِبُّهُ)) ترجمہ: احد ایسا پہاڑ ہے جو ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔ (صحیح بخاری، باب خرص الثمر، ج 2، ص 125، مطبوعہ دار طوق النجاۃ)

دراز گوش کی محبت

الخصائص الکبری للسیوطی اور تاریخ دمشق لابن عساکر میں ہے، واللفظ للاول: ((لما فتح رَسُول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسلم خَيْبَر أصَاب فِيهَا حمارا أسود فَوقف بَين يَدَيْهِ فَكلم رَسُول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسلم الْحمار فَكَلمهُ الْحمار فَقَالَ لَهُ النَّبِي صلى الله عَلَيْهِ وَسلم مَا اسْمك قَالَ يزِيد بن شهَاب أخرج الله تَعَالَى من نسل جدي سِتِّينَ حمارا كلهم لَا يركبه إِلَّا نَبِي قد كنت أتوقعك أَن تركبني لم يبْق من نسل جدي غَيْرِي وَلَا من الْأَنْبِيَاء غَيْرك قد كنت قبلك لرجل يَهُودِيّ وَكنت أتعثر بِهِ عمدا وَكَانَ يجيع بَطْنِي وَيضْرب ظَهْرِي فَقَالَ لَهُ النَّبِي صلى الله عَلَيْهِ وَسلم فَأَنت يَعْفُور فَكَانَ رَسُول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسلم يبْعَث بِهِ إِلَى بَاب الرجل فَيَأْتِي الْبَاب فيقرعه بِرَأْسِهِ فَإِذا خرج إِلَيْهِ صَاحب الدَّار أومىء إِلَيْهِ أَن أجب رَسُول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسلم فَلَمَّا قبض النَّبِي صلى الله عَلَيْهِ وَسلم جَاءَ إِلَى بِئْر كَانَت لأبي الْهَيْثَم بن التيهَان فتردى بهَا جزعا على رَسُول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسلم)) ترجمہ: جب نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے خیبر فتح کیا تو اس وقت آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو ایک کالا گدھا ملا، پس وہ آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے سامنے کھڑا ہو گیا، حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس دراز گوش سے گفتگو فرمائی، اور اس دراز گوش نے آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے گفتگو کی، حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس سے پوچھا تیرا نام کیا ہے؟ اس نے عرض کیا: میرا نام یزید بن شہاب ہے۔ اس نے مزید عرض کیا کہ اللہ تعالٰی نے ہماری نسل میں ساٹھ دراز گوش پیدا فرمائے، ان پر صرف انبیا علیہم السلام نے سواری فرمائی ہے، مجھے امید تھی کہ آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مجھ پر ضرور

سواری فرمائیں گے، میں اپنی نسل میں سے سب سے آخری ہوں اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آخر الانبیا ہیں، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پہلے میں ایک یہودی کی ملکیت میں تھا، اس کو جان بوجھ کر نیچے گرادیا کرتا تھا، وہ مجھے بہت زیادہ بھوکا رکھتا تھا اور مجھے مارا کرتا تھا۔

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس گدھے سے ارشاد فرمایا: تیرا نام یعفور ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس دراز گوش کو کسی شخص کے دروازے پر بھیجتے، وہ اس شخص کے دروازے پر آتا، اپنے سر سے دروازے پر دستک دیتا، جب گھر کا مالک باہر آتا تو یہ دراز گوش اسے اشارے سے کہتا کہ تجھے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یاد فرمارہے ہیں، **جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وصال فرمایا تو یہ دراز گوش ابو ہیثم بن تیہان کے کنویں کی طرف چلا گیا اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جدائی کے غم میں اپنے آپ کو کنویں میں گرادیا۔**

(خصائص کبریٰ، ذکر معجزاتہ فی ضروب الحیوانات، ج 2، ص 107، دارالکتب العلمیہ، بیروت ☆ تاریخ دمشق لابن عساکر، باب ذکر سلاحہ ومرکوبہ الخ، ج 4، ص 232، دارالفکر للطباعۃ والنشر والتوزیع)

یہ روایت امام ابونعیم نے بھی اختصاراً نقل کی ہے، اس میں ساٹھ کے بجائے سات گدھوں کا ذکر ہے۔

(دلائل النبوۃ لابی نعیم، واما سجود البہائم، ص 386، دارالنفائس، بیروت)

چاند کی محبت

سیدنا عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہما عم مکرم سید اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضور سے عرض کی: مجھے اسلام لانے پر باعث حضور کے ایک معجزے کا دیکھنا ہوا، ((رَأَيْتُكَ فِي الْمَهْدِ تُنَاغِي الْقَمَرَ وَتُشِيرُ إِلَيْهِ بِأُصْبُعِكَ، فَحَيْثُ أَشَرْتَ إِلَيْهِ مَالَ)) ترجمہ: میں نے حضور کو دیکھا کہ حضور گھوارے میں چاند سے باتیں فرماتے جس طرف انگشت مبارک سے اشارہ کرتے چاند اسی طرف جھک جاتا۔

سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ((إِنِّي كُنْتُ أُحَدِّثُهُ وَيُحَدِّثُنِي وَيُلْهِينِي عَنِ الْبُكَاءِ، وَأَسْمَعُ وَجْبَتَهُ حِينَ يَسْجُدُ تَحْتَ الْعَرْشِ)) ترجمہ: ہاں میں اس سے باتیں کرتا تھا وہ مجھ سے باتیں کرتا اور مجھے رونے سے بہلاتا، میں اس کے گرنے کا دھماکہ سنتا تھا جب وہ زیر عرش سجدے میں گرتا۔

(الخصائص الکبریٰ بحوالۃ البیہقی والصابونی وغیرہ، باب مناغاۃ للقمر، ج 1، ص 53، مرکز اہلسنت، گجرات الہند ☆ دلائل النبوۃ للبیہقی، باب ما جاء فی حفظ اللہ تعالیٰ، ج 2،

ص41، دارالکتب العلمیہ، بیروت ☆ البدایۃ والنہایۃ، باب مولد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ج2، ص326، داراحیاء التراث العربی، بیروت ☆ کنز العمال، ج11، ص383، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت)

چاند جھک جاتا جدھر انگلی اٹھاتے مہد میں
کیا ہی چلتا تھا اشاروں پر کھلونا نور کا

درخت کی محبت

حضرت یعلی بن مرہ ثقفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں: ((ثَلَاثَةُ أَشْيَاءَ رَأَيْتُهَا مِنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَا نَحْنُ نَسِيرُ مَعَه إِذْ مَرَرْنَا بِبَعِيرٍ يُسْنَى عَلَيْهِ فَلَمَّا رَآهُ الْبَعِيرُ جَرْجَرَ فَوَضَعَ جِرَانَهُ فَوَقَفَ عَلَيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَيْنَ صَاحِبُ هَذَا الْبَعِيرِ فَجَاءَهُ فَقَالَ بِعْنِيهِ فَقَالَ بَلْ نَهَبُهُ لَكَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ وَإِنَّهُ لِأَهْلِ بَيْتٍ مَا لَهُمْ مَعِيشَةٌ غَيْرُهُ قَالَ أَمَا إِذْ ذَكَرْتَ هَذَا مِنْ أَمْرِهِ فَإِنَّهُ شَكَا كَثْرَةَ الْعَمَلِ وَقِلَّةَ العلف فَأَحْسِنُوا إِلَيْهِ قَالَ ثُمَّ سرنا فنزلنا مَنْزِلًا فَنَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَاءَتْ شَجَرَةٌ تَشُقُّ الْأَرْضَ حَتَّى غَشِيَتْهُ ثُمَّ رَجَعَتْ إِلَى مَكَانِهَا فَلَمَّا اسْتَيْقَظَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذُكِرَتْ لَهُ فَقَالَ هِيَ شجرة استأذنت ربها عز وجل أَنْ تُسَلِّمَ عَلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَذِنَ لَهَا قَالَ ثُمَّ سِرْنَا فَمَرَرْنَا بِمَاءٍ فَأَتَتْهُ امْرَأَةٌ بِابْنٍ لَهَا بِهِ جِنَّةٌ فَأَخَذَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بمنخره فَقَالَ اخْرُجْ إِنِّي مُحَمَّدٌ رَسُولُ الله قَالَ ثُمَّ سرنا فَلَمَّا رَجَعْنَا من سفرنا مَرَرْنَا بِذَلِكَ الْمَاءِ فَسَأَلَهَا عَنِ الصَّبِيِّ فَقَالَتْ وَالَّذِي بَعَثك بِالْحَقِّ مَا رأينا مِنْهُ رَيباً بعْدك)) ترجمہ: میں نے رحمت کائنات صلّی اللہ علیہ وسلم کے تین معجزے دیکھے، ایک یہ کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جا رہے تھے اچانک ایک اونٹ جس پر پانی لایا جاتا تھا گزرا اور جب اس نے اللہ کے حبیب صلّی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو اس نے ایک آواز نکالی، یہ آواز سن کر رحمت عالم صلّی اللہ علیہ وسلم ٹھہر گئے اور فرمایا: اس کا مالک کہاں ہے؟ مالک حاضر ہو گیا تو رحمت کائنات صلّی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ اونٹ میرے ہاتھ فروخت کر دے یہ سن کر اس مالک نے عرض کی: حضور ہم بغیر قیمت کے آپ کو پیش کر دیتے ہیں مگر یہ ایسے گھرانے کا اونٹ ہے جن کا کاروبار یہی اونٹ ہے، اس پر والی کو نین

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا: جوتو نے کہا درست ہے لیکن اس اونٹ نے مجھ سے شکایت کی ہے کہ میرا مالک مجھ سے کام زیادہ لیتا ہے اور چارہ کم دیتا ہے، فرمایا اس کو لے جا اور آئندہ ایسا مت کرنا پھر ہم آگے بڑھے اور ایک جگہ سرکار دو عالم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے آرام فرمایا تو ہم نے کیا دیکھا کہ ایک درخت زمین کو چیرتا دوڑتا آ رہا ہے وہ حاضر ہوا اور اس نے اپنی ٹہنیاں اور پتے حبیب ذوالجلال صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم پر جھکا دئے، تھوڑی دیر بعد وہ درخت واپس ہوا اور اپنی جگہ جا کر کھڑا ہو گیا جب آقائے دو جہاں صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم بیدار ہوئے اور ہم نے درخت والا واقعہ بیان کیا تو حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا اس درخت نے اپنے پروردگار سے اجازت مانگی تھی کہ میں تیرے حبیب صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی خدمت میں حاضر ہو کر سلام عرض کرنا چاہتا ہوں، اور اس کو اجازت مل گئی پس یہ مجھے سلام کرنے آیا تھا، پھر ہم آگے چلے اور ایک پانی پر سے گزرے تو ایک عورت ایک دیوانے بچے کو لے کر حاضر ہوئی اور ماجرا عرض کیا رحمت کائنات صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اس کا نتھنا پکڑ کر فرمایا: اے بلا نکل جا میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں میرا نام محمد (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم) ہے اور ہم آگے چلے گئے، جب واپس لوٹے تو وہ عورت حاضر ہوئی اس سے نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے بچے کے متعلق دریافت فرمایا: عورت بولی قسم ہے مجھے اس ذات کی جس نے آپ کو رسول برحق بنا کر بھیجا ہے آپ کے جانے کے بعد ہم نے اس میں کوئی تکلیف نہیں دیکھی۔

(شرح السنۃ للبغوی، باب علامات النبوۃ، ج13، ص296، المکتب الاسلامی، بیروت ☆ مشکوۃ المصابیح، باب المعجزات، الفصل الثانی، ج3، ص1664، المکتب الاسلامی، بیروت)

پہاڑوں اور درختوں کا سلام محبت

امیر المؤمنین حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں: ((كُنْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَكَّةَ فَخَرَجْنَا فِي بَعْضِ نَوَاحِيهَا فَمَا اسْتَقْبَلَهُ جَبَلٌ وَلَا شَجَرٌ إِلَّا وَهُوَ يَقُولُ: السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ)) ترجمہ: میں نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے ساتھ مکۃ المکرمہ میں موجود تھا، ہم مکہ کے بعض مضافات کی طرف نکلے، تو راستے میں جو بھی پہاڑ اور درخت ملتا حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی بارگاہ میں یوں عرض کرتا: اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُولَ اللّٰہِ۔

(جامع الترمذی، باب فی آیات نبوۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم، ج6، ص25، دار الغرب الاسلامی، بیروت)

اپنے مولا کی ہے بس شان عظیم جانور بھی کریں جن کی تعظیم

سنگ کرتے ہیں ادب سے تسلیم پیڑ سجدے میں گرا کرتے ہیں

رکن غربی کی محبت

حضرت ابوعبداللہ صادق سے مروی ہے، فرماتے ہیں: ((لما انتهى رَسُول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسلم إِلَى الرُّكن الغربى فجازه قَالَ لَهُ الرُّكن يَا رَسُول الله أَلَسْت قعيدا من قَوَاعِد بَيت رَبك فَمَا بِي لَا أستلم فَدَنَا رَسُول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسلم فَقَالَ (اسكن عَلَيْك السَّلَام غير مهجور)) ترجمہ: جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم (کعبہ کے طواف کے دوران) رکن غربی کے پاس تشریف لائے اور اس کے پاس سے گزرے تو رکن غربی نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیا میں آپ کے رب کے گھر کے قواعد (بنیادوں) میں سے نہیں ہوں؟ پھر مجھے بوسہ کیوں نہیں دیا جاتا، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس کے قریب ہوئے اور ارشاد فرمایا: اے رُکن خاموش ہوجا، تم پر سلامتی ہو ،اب تجھے ترک نہیں کیا جائے گا۔ (خصائص کبری، ج2، ص65، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

ہمارے نبی سب کے نبی

اس حدیث پاک میں یہ اشارہ بھی ملتا ہے کہ ہمارے نبی تمام مخلوقات کے نبی ہیں، اعلی حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: تحقیق یہ ہے کہ حجر و شجر و ارض و سماء و جبال و بحار تمام ماسوا اللہ اس کے احاطۂ عامّہ ودائرہ تامّہ میں داخل۔ (فتاوی رضویہ، ج30، ص145، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

تمام انبیا علیہم السلام مخصوص قوموں کی طرف مبعوث کیے گئے اور ہمارے نبی مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام مخلوقات کے رسول ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ﴾ ترجمۂ کنز الایمان: اور ہم نے ہر رسول اس کی قوم ہی کی زبان میں بھیجا۔ (پ13 سورۂ ابراہیم، آیت 4)

علما فرماتے ہیں: یہ آیۂ کریمہ دلیل ہے کہ انبیائے سابقین سب خاص اپنی قوم پر رسول کر کے بھیجے جاتے۔

(فتاوی رضویہ، ج30، ص142، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

قرآن مجید میں حضرت نوح علیہ السلام کے بارے میں ہے: ﴿لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِهٖ﴾ ترجمۂ کنز

الایمان: بے شک ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف بھیجا۔ (پ8،سورۃ الاعراف،آیت59)

قرآن مجید میں حضرت ہود علیہ السلام کے بارے میں ہے: ﴿وَ اِلٰی عَادٍ اَخَاھُمْ ھُوْدًا﴾ ترجمۂ کنزالایمان: اور عاد کی طرف ان کی برادری سے ہود کو بھیجا۔ (پ8،سورۃ الاعراف،آیت65)

قرآن مجید میں حضرت صالح علیہ السلام کے بارے میں ہے: ﴿وَ اِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاھُمْ صٰلِحًا﴾ ترجمۂ کنزالایمان: اور ثمود کی طرف ان کی برادری سے صالح کو بھیجا۔ (پ8،سورۃ الاعراف،آیت73)

قرآن مجید میں حضرت لوط علیہ السلام کے بارے میں ہے: ﴿وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِہٖۤ﴾ ترجمۂ کنزالایمان: اور لوط کو بھیجا جب اس نے اپنی قوم سے کہا۔ (پ8،سورۃ الاعراف،آیت80)

قرآن مجید میں حضرت شعیب علیہ السلام کے بارے میں ہے: ﴿وَ اِلٰی مَدْیَنَ اَخَاھُمْ شُعَیْبًا﴾ ترجمۂ کنزالایمان: اور مدین کی طرف ان کی برادری سے شعیب کو بھیجا۔ (پ8،سورۃ الاعراف،آیت85)

قرآن مجید میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ہے: ﴿ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِھِمْ مُّوْسٰی بِاٰیٰتِنَاۤ اِلٰی فِرْعَوْنَ وَ مَلَا۠ئِہٖ﴾ ترجمۂ کنزالایمان: پھر ان کے بعد ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیوں کے ساتھ فرعون اور اس کے درباریوں کی طرف بھیجا۔ (پ9،سورۃ الاعراف،آیت103)

قرآن مجید میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں ہے: ﴿وَ تِلْکَ حُجَّتُنَاۤ اٰتَیْنٰھَاۤ اِبْرٰھِیْمَ عَلٰی قَوْمِہٖ﴾ ترجمۂ کنزالایمان: اور یہ ہماری دلیل ہے کہ ہم نے ابراہیم کو اس کی قوم پر عطا فرمائی۔ (پ7،سورۃ الانعام،آیت83)

قرآن مجید میں حضرت یونس علیہ السلام کے بارے میں ہے: ﴿وَ اَرْسَلْنٰہُ اِلٰی مِائَۃِ اَلْفٍ اَوْ یَزِیْدُوْنَ﴾ ترجمۂ کنزالایمان: اور ہم نے اسے لاکھ آدمیوں کی طرف بھیجا بلکہ زیادہ۔ (پ23،سورۃ الصافات،آیت147)

قرآن مجید میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ہے: ﴿وَرَسُوْلًا اِلٰی بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ﴾ ترجمۂ کنزالایمان: اور رسول ہوگا بنی اسرائیل کی طرف۔ (پ3،سورۂ آل عمران،آیت49)

اسی لئے صحیح حدیث میں فرمایا: ((وَكَانَ النَّبِيُّ يُبْعَثُ إِلَى قَوْمِهِ خَاصَّةً)) ترجمہ: نبی خاص اپنی قوم کی طرف بھیجا جاتا۔ (صحیح بخاری،کتاب التیمم،ج1،ص74،دار طوق النجاۃ)

دوسری روایت میں فرمایا:((كَانَ النَّبِيُّ يُبْعَثُ إِلَى قَرْيَتِهِ وَلَا يَعْدُوهَا)) ترجمہ: نبی ایک بستی کی طرف مبعوث ہوتا جس کے آگے تجاوز نہ کرتا۔ (صحیح ابن حبان، ذکر الخصال التی فضل صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، ج14، ص309، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت)

اور اللہ تعالیٰ حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے فرماتا ہے:﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًا وَّ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ ترجمۂ کنزالایمان: اور اے محبوب ہم نے تم کو نہ بھیجا مگر ایسی رسالت سے جو تمام آدمیوں کو گھیرنے والی ہے خوشخبری دیتا اور ڈر سناتا لیکن بہت لوگ نہیں جانتے۔

(پ22، سورہ سبا، آیت28)

ایک مقام پر فرماتا ہے:﴿قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا﴾ ترجمۂ کنزالایمان: تم فرماؤ اے لوگو! میں تم سب کی طرف اس اللہ کا رسول ہوں۔ (پ9 سورۃ الاعراف، آیت158)

ایک اور مقام پر فرماتا ہے:﴿تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا﴾ ترجمۂ کنزالایمان: بڑی برکت والا ہے وہ کہ جس نے اتارا قرآن اپنے بندہ پر جو سارے جہان کو ڈر سنانے والا ہو۔

(پ18، سورۃ الفرقان، آیت1)

اسی لئے خود حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ((وَأُرْسِلْتُ إِلَى الْخَلْقِ كَافَّةً)) ترجمہ: میں تمام مخلوقِ الٰہی کی طرف بھیجا گیا۔ (صحیح مسلم، کتاب المساجد ومواضع الصلاۃ، ج1، ص371، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

دارمی، ابویعلیٰ، طبرانی، بیہقی روایت کرتے ہیں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا:((إِنَّ اللّٰهَ فَضَّلَ مُحَمَّدًا صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْأَنْبِيَاءِ علیہم السلام وَعَلَى أَهْلِ السَّمَاءِ)) ترجمہ: بیشک اللہ تعالیٰ نے محمد صَلَّی اللہ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو تمام انبیا وملائکہ سے افضل کیا۔

حاضرین نے وجہ تفضیل پوچھی، فرمایا:((قَالَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ:﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَسُولٍ إِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهِ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ﴾ وَقَالَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ لِمُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ﴿وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِلنَّاسِ﴾ فَأَرْسَلَهُ إِلَى الْجِنِّ وَالْإِنْسِ)) ترجمہ: یعنی اللہ تعالیٰ نے دیگر رسولوں کے لیے فرمایا ہے ہم نے نہ بھیجا کوئی رسول مگر اس قوم کی زبان والا تاکہ انہیں (اللہ کی نشانیاں) بیان کرے۔ اور محمد صَلَّی اللہ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے فرمایا: ہم نے تمہیں نہیں بھیجا مگر رسول سب لوگوں

کیلئے۔تو حضور کو تمام جن وانس کا رسول بنایا۔

(سنن دارمی، باب ما اعطی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، ج1 ص193، دار المغنی للنشر والتوزیع، عرب)

علماء فرماتے ہیں: ''رسالتِ والا کا تمام جن وانس کو شامل ہونا اجماعی ہے، اور محققین کے نزدیک ملائکہ کو بھی شامل (ہے)۔'' (فتاوی رضویہ، ج30 ص145، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

امام اہل سنت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ یہ قول نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

بلکہ تحقیق یہ ہے کہ حجر وشجر وارض وسماء وجبال وبحار تمام ماسوا اللہ اس کے احاطۂ عامّہ ودائرہ تامّہ میں داخل، اور خود قرآن عظیم لفظ علٰمین، اور روایت صحیح مسلم میں لفظ خلق وہ بھی مؤکد بکلمہ کافّۃ اس مطلب پر احسن الدلائل۔ طبرانی معجم کبیر میں یعلیٰ بن مرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی، حضور سید المرسلین صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم فرماتے ہیں: ((مامن شئی الا یعلم انی رسول اللہ الا کفرۃ الجن والانس)) ترجمہ: کوئی چیز نہیں جو مجھے رسول اللہ نہ جانتی ہو، مگر بے ایمان جن وآدمی کے۔ (کنز العمال بحوالہ طبرانی، الفصل الثالث فی فضائل متفرقہ الخ، ج11 ص411، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت)

کچھ الفاظ کی تبدیلی کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی مروی ہے۔

(المعجم الکبیر لطبرانی، عن ابن عباس، ج12 ص155، مکتبہ ابن تیمیہ، القاہرہ ☆ فتاوی رضویہ، ج30 ص145، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

منبر پر خطبہ دینے کے بارے میں مذاہب ائمہ

احناف اور شوافع کے نزدیک خطبہ دیتے ہوئے سنت یہ ہے خطیب منبر پر ہو کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خطبہ دیتے ہوئے منبر پر تشریف فرما ہوتے تھے اور حنابلہ اور مالکیہ کے نزدیک منبر پر ہونا مستحب ہے کیونکہ یہ لوگوں تک آواز پہنچانے میں زیادہ بلیغ ہے۔

احناف کا مؤقف

فقہ حنفی کی معتبر کتاب فتاوی ہندیہ میں ہے:

"سنت یہ ہے کہ خطیب منبر پر ہو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اقتداء کرتے ہوئے۔"

(فتاوی ہندیہ، الباب السادس عشر فی صلاۃ الجمعۃ، ج1 ص147، دار الفکر، بیروت)

شوافع کا موقف

علامہ ابراہیم بن علی بن یوسف شیرازی شافعی (متوفی 476ھ) فرماتے ہیں:

"سنت یہ ہے کہ خطیب منبر پر ہو کیونکہ نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم منبر پر خطبہ دیا کرتے تھے، اور کیونکہ یہ آواز پہنچانے میں زیادہ بلیغ ہے۔" (المہذب فی فقہ الامام الشافعی، باب صلاۃ الجمعۃ، ج 1، ص 210، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

حنابلہ کا موقف

علامہ ابن قدامہ حنبلی (متوفی 620ھ) فرماتے ہیں:

"مستحب ہے کہ خطیب خطبہ کے لیے منبر پر چڑھے تاکہ لوگوں کو سنا سکے، اور نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم اپنے منبر پر لوگوں کو خطبہ دیا کرتے تھے.....

اور یہ واجب نہیں ہے لہذا اگر زمین، ربوہ، تکیہ یا سواری وغیرہ پر دیا تو جائز ہے کیونکہ حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم منبر بننے سے پہلے زمین پر کھڑے ہوتے تھے۔" (المغنی لابن قدامہ، مسئلہ اذا زالت الشمس یوم الجمعۃ الخ، ج 2، ص 219، مکتبۃ القاہرہ)

مالکیہ کا موقف

علامہ محمد بن یوسف غرناطی مالکی (متوفی 897ھ) فرماتے ہیں:

"خطیب کا منبر پر خطبہ دینا مستحب ہے کیونکہ یہ ابلغ فی الاسماع (سنانے میں زیادہ بلیغ) ہے، اگر زمین پر خطبہ دے تب بھی جائز ہے۔" (التاج والاکلیل لمختصر خلیل ملخصا، باب فی صلاۃ الجمعۃ، ج 2، ص 539، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

باب نمبر 357

مَا جَاءَ فِی الْجُلُوسِ بَیْنَ الْخُطْبَتَیْنِ

دوخطبوں کے درمیان بیٹھنا

506۔حَدَّثَنَا حُمَیْدُ بْنُ مَسْعَدَةَ الْبَصْرِیُّ قَالَ:حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ الْحَارِثِ قَالَ:حَدَّثَنَا عُبَیْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، أَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ كَانَ یَخْطُبُ یَوْمَ الْجُمُعَةِ، ثُمَّ یَجْلِسُ، ثُمَّ یَقُومُ، فَیَخْطُبُ،قَالَ:مِثْلَ مَا تَفْعَلُونَ الْیَوْمَ، وَفِی الْبَابِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، وَجَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ، وَجَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ،قال ابوعیسیٰ:حَدِیثُ ابْنِ عُمَرَ حَدِیثٌ حَسَنٌ صَحِیحٌ، وَهُوَ الَّذِی رَآهُ أَهْلُ الْعِلْمِ أَنْ یَفْصِلَ بَیْنَ الْخُطْبَتَیْنِ بِجُلُوسٍ

حدیث:حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جمعہ کے دن خطبہ ارشاد فرماتے تھے، پھر بیٹھتے تھے، پھر کھڑے ہوتے تھے تو خطبہ ارشاد فرماتے تھے۔فرمایا:اسی طرح جیسا کہ تم آج کررہے ہو۔

اور اس باب میں حضرت عبد اللہ بن عباس، حضرت جابر بن عبداللہ اور حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہم سے بھی روایات مروی ہیں۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث حسن صحیح ہے۔اور اہل علم کی رائے یہ ہے کہ دوخطبوں کے درمیان جلوس سے فصل کیا جائے۔

شرح حدیث

علامہ محمود بدر الدین عینی حنفی (متوفی 855ھ) فرماتے ہیں:

"((پھر بیٹھتے تھے)) اس سے مراد دو خطبوں کے درمیان فاصلہ کرنے والا جلسہ ہے۔"

(شرح ابی داؤد للعینی، باب الجلوس اذا صعد المنبر، ج4، ص431، مکتبۃ الرشد، ریاض)

مزید فرماتے ہیں:

امام ابوحنیفہ، امام مالک اور جمہور کہتے ہیں کہ دو خطبوں کے درمیان بیٹھنا سنت ہے، واجب یا شرط نہیں، امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ دو خطبوں کے درمیان بیٹھنا فرض ہے اور صحتِ خطبہ کے لیے شرط ہے، امام طحاوی فرماتے ہیں کہ یہ قول امام شافعی کے علاوہ کسی نے نہیں کیا، علامہ نووی فرماتے ہیں کہ امام شافعی کی دلیل یہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دو خطبوں کے درمیان جلسہ فرمایا ہے اور یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ ((صلوا كما رأيتموني أصلي)) ترجمہ: نماز اس طرح پڑھو جس طرح مجھے نماز پڑھتے دیکھتے ہو۔

میں (علامہ عینی) کہتا ہوں کہ اس کا نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ثبوت اس کی فرضیت کو مستلزم نہیں، زیادہ سے زیادہ سنت ہے، کیونکہ مجرد فعل وجوب پر دلالت نہیں کرتا، اور یہ فرمان ((صلوا كما رأيتموني أصلي)) خطبہ کو شامل نہیں، کیونکہ یہ حقیقۃً نماز نہیں، ابن بلال کہتے ہیں: حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ خطبہ میں نہیں بیٹھتے تھے، اگر یہ بیٹھنا فرض ہوتا تو انہیں ضرور معلوم ہوتا، اور اگر بالفرض انہیں علم نہ بھی ہوتا تو صحابہ و تابعین کے مجمع میں ترک نہ کر پاتے (یعنی اگر فرض ہوتا تو دیگر صحابہ یا تابعین انہیں بتا دیتے)۔

جس نے کہا کہ دو خطبوں کے درمیان جلسہ فرض ہے اس کے پاس کوئی حجت و دلیل نہیں، کیونکہ جلسہ خطیب کے لیے استراحت ہے، خطبہ کا حصہ نہیں، کیونکہ کلامِ عرب سے جو مفہوم ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ خطبہ اس کلام کا نام ہے جس سے خطاب کیا جاتا ہے، نہ کہ جلوس کا نام خطبہ ہے، امام شافعی کی طرح کسی اور نے یہ قول نہیں کیا، پس یہ قول خلافِ اجماع ہے..... مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے: ابو اسحاق کہتے ہیں کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو منبر پر خطبہ دیتے ہوئے

دیکھا، وہ نہ بیٹھے یہاں تک کہ خطبہ سے فارغ ہو گئے۔ ایک جماعت کے نزدیک اس روایت کی سند صحیح ہے۔ اور اسے حافظ عبدالرزاق نے بھی روایت کیا ہے، امام شافعی پر تعجب ہے کہ انہوں نے دو خطبوں کے درمیان جلسہ کو صرف حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فعل سے فرض قرار دے دیا، جبکہ خطبہ سے پہلے منبر پر جلوس کا نہیں کہا حالانکہ یہ بات صحت کے ساتھ ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایسا کیا ہے۔

(شرح ابی داؤد للعینی، باب الجلوس اذا صعد المنبر، ج4، ص432,431، مکتبۃ الرشد، ریاض)

علامہ عبدالرحمٰن ابن الجوزی (متوفی 597ھ) فرماتے ہیں:

"خطبہ میں قیام اور دو خطبوں کے درمیان بیٹھنا ہمارے نزدیک سنت ہے جبکہ امام شافعی کے نزدیک واجب وضروری ہے"

(کشف المشکل من حدیث الصحیحین، کشف المشکل من مسند ابی عبدالرحمن، ج2، ص520، دار الوطن، ریاض)

خطبہ میں قیام کے بارے میں مذاہب ائمہ

حنفیہ کے نزدیک خطبہ میں خطیب کا قیام سنت ہے۔

(فتاوی ہندیہ، الباب السادس عشر فی صلاۃ الجمعۃ، ج1، ص146، دار الفکر، بیروت)

حنابلہ کے نزدیک بھی خطبہ میں خطیب کا قیام سنت ہے۔

(کشاف القناع، فصل یسن ان یخطب الخ، ج2، ص36، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

اکثر مالکیہ کے نزدیک خطبہ میں قیام واجب ہے، علامہ ابن عربی مالکی کہتے ہیں کہ سنت ہے۔

(الشرح الکبیر للشیخ الدردیر، مندوبات الجمعۃ، شروط صحۃ الجمعۃ، ج1، ص379، دار الفکر، بیروت)

شوافع کے نزدیک خطبہ کی حالت میں خطیب کا قیام شرط ہے بشرطیکہ قیام پر قادر ہو۔

(المہذب فی فقہ الامام الشافعی، ج1، ص209، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

شوافع کے نزدیک مزید یہ ہے کہ اگر قیام پر قادر نہیں تو بیٹھ کر خطبہ دے لے اور اگر بیٹھ کر بھی نہیں دے سکتا تو لیٹ کر دے دے جیسا کہ نماز۔

(مغنی المحتاج، باب صلاۃ الجمعۃ، ج1، ص552، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

قیام شرط ہونے پر دلیل

شوافع وغیرہ کی خطبہ کے لیے قیام کے شرط ہونے پر دلیل اسی باب کی حدیث پاک ہے، حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں: ((كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْطُبُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ قَائِمًا ثُمَّ يَجْلِسُ، ثُمَّ يَقُومُ قَالَ: كَمَا يَفْعَلُونَ الْيَوْمَ)) ترجمہ: نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جمعہ کے دن کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرماتے تھے، پھر بیٹھتے تھے، پھر کھڑے ہوتے تھے۔ فرمایا: اسی طرح جیسا کہ تم آج کر رہے ہو۔

(صحیح مسلم، باب ذکر الخطبتین قبل الصلاۃ الخ، ج2، ص589، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

شرط نہ ہونے پر دلائل

(1) صحیح مسلم میں ہے:

((عَنْ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ قَالَ: دَخَلَ الْمَسْجِدَ وَعَبْدُ الرَّحْمَنِ ابْنُ أُمِّ الْحَكَمِ يَخْطُبُ قَاعِدًا فَقَالَ انْظُرُوا إِلَى هَذَا الْخَبِيثِ يَخْطُبُ قَاعِدًا، وَقَالَ اللهُ تَعَالَى: (وَإِذَا رَأَوْا تِجَارَةً أَوْ لَهْوًا انْفَضُّوا إِلَيْهَا وَتَرَكُوكَ قَائِمًا)(الجمعة 11))) ترجمہ: حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسجد میں داخل ہوئے اور عبد الرحمن ابن ام الحکم بیٹھ کر خطبہ دے رہا تھا، حضرت کعب بن عجرہ نے ارشاد فرمایا: اس خبیث کی طرف دیکھو بیٹھ کر خطبہ دے رہا ہے اور اللہ تعالیٰ فرمایا: ﴿وَإِذَا رَأَوْا تِجَارَةً أَوْ لَهْوًا انْفَضُّوا إِلَيْهَا وَتَرَكُوكَ قَائِمًا﴾ ترجمہ: اور جب انہوں نے کوئی تجارت یا کھیل دیکھا اس کی طرف چل دیئے اور تمہیں خطبہ میں کھڑا چھوڑ گئے۔

(صحیح مسلم، باب فی قولہ تعالیٰ (وَإِذَا رَأَوْا تِجَارَةً أَوْ لَهْوًا انْفَضُّوا إِلَيْهَا .....)، ج2، ص591، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

اس حدیث پاک کو نقل کر کے علامہ کمال الدین ابن ہمام فرماتے ہیں:

حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فسادِ نماز کا حکم نہیں لگایا اور نہ ہی ان کے علاوہ کسی اور نے فساد کا حکم لگایا، اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام کے نزدیک خطبہ میں قیام شرط نہیں تھا۔

(فتح القدیر، باب صلاۃ الجمعۃ، ج2، ص59، دار الفکر، بیروت)

(2) سنت اس وجہ سے ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر خطبہ دیا ہے اور واجب اس لیے نہیں ہے کہ یہ ایسا ذکر ہے جس کے لیے استقبال قبلہ شرط نہیں لہذا اس کے لیے قیام بھی شرط نہیں جیسا کہ اذان۔

(کشاف القناع،فصل یسن ان یخطب علی المنبر ،ج2،ص36،دار الکتب العلمیہ ،بیروت)

دو خطبوں کے درمیان بیٹھنے پر مذاہب

احناف کا مؤقف

احناف کے نزدیک دو خطبوں کے درمیان بیٹھنا سنت ہے۔

(فتاوی ہندیہ،الباب السادس عشر فی صلاۃ الجمعۃ،ج1،ص147،دار الفکر،بیروت)

مالکیہ کا مؤقف

مالکیہ کے نزدیک بھی دو خطبوں کے درمیان جلسہ سنت ہے،ان کے ہاں ایک ضعیف قول فرضیت کا بھی ہے۔

(الشرح الکبیر،مندوبات الجمعۃ،ج1،ص382،دار الفکر،بیروت)

حنابلہ کا مؤقف

حنابلہ کے نزدیک دو خطبوں کے درمیان جلسہ خفیفہ (تھوڑی دیر بیٹھنا) مستحب ہے،کیونکہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایسا کیا کرتے تھے،جیسا کہ حضرت ابن عمر اور حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے روایت کیا ہے،اور یہ اکثر اہل علم کے نزدیک واجب وضروری نہیں ہے۔ (المغنی لابن قدامہ،فصل یستحب ان یجلس بین الخطبتین جلسۃ خفیفۃ،ج2،ص227،مکتبۃ القاہرہ)

شوافع کا مؤقف

جبکہ شوافع کے نزدیک دو خطبوں کے درمیان بیٹھنا شرط ہے۔

(المہذب فی فقہ الامام الشافعی،ج1،ص209،دار الکتب العلمیہ،بیروت)

جلسہ کے شرط نہ ہونے پر دلائل

(1)ابو اسحاق کہتے ہیں:((رَأَيْتُ عَلِيًّا يَخْطُبُ عَلَى الْمِنْبَرِ، فَلَمْ يَجْلِسْ حَتَّى فَرَغَ))ترجمہ:میں نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو منبر پر خطبہ دیتے ہوئے دیکھا،وہ نہ بیٹھے یہاں تک کہ خطبہ سے فارغ ہو گئے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ،من کان یخطب قائما،ج1،ص448،مکتبۃ الرشد،ریاض)

(2) یہ ایسا جلسہ ہے جس میں کوئی ذکر مشروع نہیں، لہذا یہ واجب نہیں جیسا کہ خطبہ سے پہلے منبر پر بیٹھنا۔

(المغنی لابن قدامہ، فصل یستحب ان یجلس بین الخطبتین جلسۃ خفیفۃ، ج2، ص227، مکتبۃ القاہرہ)

(3) صحابہ کرام کی ایک جماعت نے بغیر جلسہ کے لگاتار خطبہ دیا ہے، ان میں سے حضرت مغیرہ بن شعبہ اور حضرت اُبَیّ بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہیں، یہ بات امام احمد نے فرمائی ہے۔

(المغنی لابن قدامہ، فصل یستحب ان یجلس بین الخطبتین جلسۃ خفیفۃ، ج2، ص227، مکتبۃ القاہرہ)

(4) نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دو خطبوں کے درمیان بیٹھنا استراحت کے لیے تھا، لہذا یہ واجب نہیں، البتہ مستحب ہے۔

(المغنی لابن قدامہ، فصل یستحب ان یجلس بین الخطبتین جلسۃ خفیفۃ، ج2، ص227، مکتبۃ القاہرہ)

باب نمبر 358

مَا جَاءَ فِي قَصْرِ الْخُطْبَةِ

خطبہ میں اختصار کرنا

507- حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، وَهَنَّادٌ، قَالَا: حَدَّثَنَا أَبُو الْأَحْوَصِ، عَنْ سِمَاكِ بْنِ حَرْبٍ، عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ، قَالَ: كُنْتُ أُصَلِّي مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَكَانَتْ صَلَاتُهُ قَصْدًا، وَخُطْبَتُهُ قَصْدًا وَفِي الْبَابِ عَنْ عَمَّارِ بْنِ يَاسِرٍ، وَابْنِ أَبِي أَوْفَى، قَالَ ابُوعِيسَى: حَدِيثُ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

حدیث: حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرمایا: میں نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ نماز ادا کر رہا تھا تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نماز بھی درمیانی ہوتی تھی اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا خطبہ بھی درمیانی ہوتا تھا۔

اور اس باب میں حضرت عمار بن یاسر اور حضرت ابن ابی اوفی رضی اللہ عنہما سے بھی روایات مروی ہیں۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث حسن صحیح ہے۔

شرح حدیث

علامہ عبدالرحمٰن ابن الجوزی (متوفی 597ھ) فرماتے ہیں:

"اس حدیث پاک میں موجود لفظ" قصد " کا معنی طوالت اور اختصار کی درمیانی حالت ہے یعنی اعتدال کی حالت۔" (کشف المشکل، کشف المشکل من مسند جابر بن سمرہ، ج1، ص460، دارالوطن، ریاض)

علامہ محمود بدرالدین عینی حنفی فرماتے ہیں:

"اس حدیث پاک سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ خطبہ اور نماز میں تخفیف سنت ہے کیونکہ ان دونوں کی تطویل لوگوں پر بھاری ہوجاتی ہے بالخصوص جب کہ قوم سست ہو۔"

(شرح ابی داؤد للعینی، باب الرجل یخطب علی قوس، ج4، ص443، مکتبۃ الرشد، ریاض)

خطبہ کے مختصر ہونے کے بارے میں مذاہب ائمہ

احناف کا مؤقف

علامہ علاءالدین حصکفی حنفی (متوفی 1088ھ) فرماتے ہیں:

"خطبہ ذکر الٰہی کا نام ہے اگر چہ صرف ایک بار اَلْحَمْدُ لِلّٰہ یا سُبْحٰنَ اللہ یالآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ کہا اسی قدر سے فرض ادا ہو گیا مگر اتنے ہی پر اکتفا کرنا مکروہ ہے۔........

سنت یہ ہے کہ دو خطبے پڑھے جائیں اور بڑے بڑے نہ ہوں اگر دونوں مل کر طوال مفصل سے بڑھ جائیں تو مکروہ ہے خصوصاً سردیوں میں۔" (درمختار، باب الجمعۃ، ج2، ص148، دارالفکر، بیروت)

"خطبہ کی سنن میں سے...... یہ بھی ہے کہ خفیف ہو۔" (بدائع الصنائع، حکم الخطبۃ، ج1، ص263، دارالکتب العلمیہ، بیروت)

مالکیہ کا مؤقف

علامہ احمد الدردیر مالکی فرماتے ہیں:

"جمعہ کے دونوں خطبے مختصر ہونا مستحب ہے، اور ثانیہ کا پہلے کے مقابلہ میں کم ہونا بھی مستحب ہے۔"

(الشرح الکبیر، مندوبات الجمعۃ، ج1، ص382، دار الفکر، بیروت)

علامہ محمد بن عبد اللہ الخرشی مالکی فرماتے ہیں:

"دونوں خطبوں کا مختصر ہونا اس طرح کہ عرب جسے خطبہ کہتے ہیں اس سے خارج نہ ہو، اور ثانیہ کا اولی کے مقابلے میں مختصر ہونا۔" (شرح مختصر خلیل للخرشی، فصل فی بیان شروط الجمعۃ وسننھا، ج2، ص82، دار الفکر للطباعۃ، بیروت)

حنابلہ کا موقف

خطبہ مختصر ہونا مستحب ہے، کیونکہ حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے سنا: ((إِنَّ طُولَ صَلَاةِ الرَّجُلِ، وقِصَرَ خُطْبَتِهِ مَئِنَّةٌ مِنْ فِقْهِهِ فَأَطِيلُوا الصَّلَاةَ وَاقْصُرُوا الْخُطْبَةَ)) (آدمی کا طویل نماز پڑھنا اور خطبہ مختصر دینا اس کی فقاہت کی دلیل ہے، لہذا نماز میں طوالت اختیار کرو اور خطبہ کو مختصر کرو) اور حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ((كُنْتُ أُصَلِّي مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانَتْ صَلَاتُهُ قَصْدًا، وَخُطْبَتُهُ قَصْدًا)) (میں نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھتا تھا اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نماز معتدل ہوتی تھی اور خطبہ (بھی) معتدل ہوتا تھا) یہ دونوں احادیث امام مسلم نے روایت کی ہیں، اور حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ((كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُطِيلُ الْمَوْعِظَةَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ إِنَّمَا هِيَ كَلِمَاتٌ يَسِيرَاتٌ)) (رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یوم جمعہ وعظ طویل نہ فرماتے، یہ تو مختصر کلمات ہوتے تھے۔) اسے ابوداؤد نے روایت کیا ہے۔ (المغنی لابن قدامہ، فصل سنن الخطبۃ، ج2، ص229، مکتبۃ القاہرہ)

شوافع کا موقف

علامہ ابراہیم بن علی بن یوسف شیرازی شافعی (متوفی 476) فرماتے ہیں:

مستحب یہ ہے کہ خطبہ مختصر ہو کیونکہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے خطبہ مختصر دیا تو ان سے کہا گیا کہ اگر آپ خطبہ زیادہ دیتے تو بہتر تھا، فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ آدمی کے خطبہ کا مختصر ہونا اس کی فقاہت کی دلیل ہے تو نماز میں طول دو اور خطبہ میں اختصار کرو۔

(المہذب فی فقہ الامام الشافعی، باب صلاۃ الجمعۃ، ج1، ص211، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

باب نمبر 359

مَا جَاءَ فِی الْقِرَاءَةِ عَلَی الْمِنْبَرِ

منبر پر قراءت کرنا

508۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ، عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ، عَنْ عَطَاءٍ، عَنْ صَفْوَانَ بْنِ يَعْلَى بْنِ أُمَيَّةَ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "قَرَأَ عَلَى الْمِنْبَرِ﴿ وَ نَادَوْا يٰمٰلِكُ ﴾وَ فِي الْبَابِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، وَجَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ، قَالَ ابو عيسى: حَدِيثُ يَعْلَى بْنِ أُمَيَّةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ غَرِيبٌ، وَهُوَ حَدِيثُ ابْنِ عُيَيْنَةَ، وَقَدِ اخْتَارَ قَوْمٌ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ: أَنْ يَقْرَأَ الإِمَامُ فِي الْخُطْبَةِ آيًا مِنَ الْقُرْآنِ "قَالَ الشَّافِعِيُّ: وَإِذَا خَطَبَ الإِمَامُ فَلَمْ يَقْرَأْ فِي خُطْبَتِهِ شَيْئًا مِنَ الْقُرْآنِ أَعَادَ الْخُطْبَةَ

حدیث: حضرت صفوان بن یعلی بن امیہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں: میں نے نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنا: آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم منبر پر یہ قراءت فرما رہے تھے ﴿وَ نَادَوْا یٰمٰلِکُ ﴾ ترجمۂ کنزالایمان: اور وہ پکاریں گے اے مالک! (پارہ 25، سورہ زخرف، آیت 77)

اور اس باب میں حضرت ابو ہریرہ اور حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی روایات مروی ہیں۔

امام ترمذی فرماتے ہیں: حضرت یعلی بن امیہ رضی اللہ عنہ کی حدیث حسن صحیح غریب ہے اور یہ ابن عیینہ کی حدیث ہے اور اہلِ علم کی ایک قوم نے اس کو اختیار کیا ہے کہ وہ خطبہ میں قرآن کی کچھ آیات قراءت کرے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: اور جب امام نے خطبہ پڑھا تو اس نے اپنے خطبہ میں کچھ بھی قرآن نہ پڑھا تو وہ خطبہ کا اعادہ کرے۔

شرح حدیث

علامہ عبدالرحمٰن جلال الدین سیوطی شافعی (متوفی 911ھ) فرماتے ہیں:

"((آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم منبر پر یہ قراءت فرمار ہے تھے: وَ نَادَوْا یٰمٰلِکُ)) علامہ قرطبی فرماتے ہیں: اس میں یہ احتمال ہے کہ یہاں ایک آیت مبارکہ مراد ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ پوری سورت مراد ہو۔"

(قوت المغتذی، ابواب الصلاۃ، ج1، ص219، جامعہ ام القری، مکۃ المکرمہ)

علامہ یحییٰ بن شرف النووی شافعی (متوفی 676ھ) اس حدیث پاک کے تحت فرماتے ہیں:

"اس حدیث پاک میں خطبہ کے اندر قراءت کا ثبوت ہے اور یہ خطبہ میں بغیر اختلاف کے مشروع ہے، البتہ اس کے وجوب میں اختلاف ہے۔" (شرح النووی علی مسلم، کتاب الجمعۃ، ج6، ص160، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

علامہ علی بن سلطان محمد القاری حنفی (متوفی 1014ھ) فرماتے ہیں:

"یہ حدیث پاک اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ منبر پر آیتِ وعظ کی قراءت اور خوف دلانا سنت ہے۔"

(مرقاۃ المفاتیح، باب الخطبۃ والصلاۃ، ج3، ص1044، دار الفکر، بیروت)

خطبہ میں قراءت کرنے کے بارے میں مذاہب ائمہ

احناف کا مؤقف

علامہ حسن بن عمار شرنبلالی حنفی (متوفی 1069ھ) فرماتے ہیں:

خطبہ کی سنن میں سے...... قرآن مجید کی ایک آیت کی قراءت بھی ہے۔

(نور الایضاح، باب الجمعۃ، ص104، المکتبۃ العصریہ، بیروت)

علامہ محمد امین ابن عابدین شامی حنفی (متوفی 1252ھ) فرماتے ہیں:

ملتقی، مواہب اور نور الایضاح وغیرہا میں صراحت ہے کہ سنت ایک آیت کی قراءت ہے۔

(رد المحتار، باب الجمعۃ، ج2، ص148، دار الفکر، بیروت)

علامہ ابوبکر بن مسعود کاسانی حنفی (متوفی 587ھ) فرماتے ہیں:

"دوخطبوں کے درمیان بیٹھنا اور خطبہ میں قراءت ہمارے نزدیک سنت ہے، امام شافعی کے نزدیک یہ دونوں چیزیں شرط ہیں، صحیح ہمارا مذہب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مطلقاً ذکر کا حکم دیا بغیر قعدہ اور قراءت کی قید کے، تو انہیں خبر واحد سے شرط قرار نہیں دیا جائے گا، کیونکہ اس صورت میں خبر واحد قرآن پاک کے لیے ناسخ ہو جائے گی اور یہ قرآن مجید کے لیے ناسخ بننے کی صلاحیت نہیں رکھتی، لیکن اس کے لیے مکمل بننے کی صلاحیت رکھتی ہے، تو ہم نے جتنا قرآن مجید سے ثابت ہے اس کی فرضیت کا قول کیا اور جو خبر واحد سے ثابت ہے اسے سنت قرار دیا بقدر الامکان دونوں پر عمل کرتے ہوئے۔" (بدائع الصنائع، بحکم الخطبۃ، ج1، ص263، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

مالکیہ کا موقف

علامہ محمد بن عبداللہ الخرشی مالکی (متوفی 1101ھ) فرماتے ہیں:

"مستحب ہے..... دونوں خطبوں میں قراءت ہونا۔"

(شرح مختصر خلیل للخرشی، فصل فی بیان شروط الجمعۃ وسننہا، ج2، ص81، دار الفکر للطباعۃ، بیروت)

شوافع کا موقف

علامہ ابراہیم بن علی بن یوسف شیرازی شافعی (متوفی 476) فرماتے ہیں:

"خطبہ میں چار چیزیں فرض ہیں: (1) اللہ تعالیٰ کی حمد کرنا.... (2) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر درود پاک بھیجنا..... (3) تقوی اللہ عزوجل (یعنی اللہ عزوجل سے ڈرنے) کی وصیت..... (4) قرآن مجید کی ایک آیت کی تلاوت، حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث پاک کی وجہ سے، اور کیونکہ یہ جمعہ کے دو فرضوں (خطبہ اور نماز) میں سے ایک فرض ہے لہذا اس میں قراءت ضروری ہے جیسا کہ نمازِ جمعہ میں......

پہلی تینوں چیزیں دونوں خطبوں میں فرض ہیں جبکہ قراءتِ قرآن کے بارے میں دو اقوال ہیں ایک یہ کہ دونوں خطبوں میں فرض ہے..... اور دوسرا قول یہ ہے کہ دونوں میں سے ایک خطبہ ہی میں ضروری ہے.....

مستحب یہ ہے کہ سورۂ "ق" پڑھے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خطبہ میں اسے پڑھا کرتے تھے۔

(المہذب فی فقہ الامام الشافعی، باب صلاۃ الجمعۃ، ج1،ص209,210، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

حنابلہ کا مؤقف

علامہ موفق الدین ابن قدامہ حنبلی (متوفی 620ھ) فرماتے ہیں:

خطبہ کے فرائض چار چیزیں ہیں:

(1) اللہ تعالیٰ کی حمد کرنا..... (2) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں درود پاک بھیجنا..... (3) وعظ کرنا ..... (4) ایک آیت کی قراءت کرنا...... یہ چاروں دونوں خطبوں میں شرط ہیں، کیونکہ جو ایک خطبہ میں ضروری ہے وہ دوسرے خطبہ میں بھی ضروری ہے۔ (الکافی فی فقہ الامام احمد، باب صلاۃ الجمعۃ، ج1،ص328، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

علامہ موفق الدین ابن قدامہ حنبلی نے بھی قراءت کی فرضیت پر وہی دو دلیلیں دی ہیں جو علامہ ابراہیم شیرازی شافعی نے دی ہیں۔

باب نمبر 360

فی اسْتِقْبَالِ الْإِمَامِ إِذَا خَطَبَ

خطبہ کے وقت امام کی جانب منہ کرنا

509۔حَدَّثَنَا عَبَّادُ بْنُ يَعْقُوبَ الْكُوفِيُّ قَالَ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْفَضْلِ بْنِ عَطِيَّةَ، عَنْ مَنْصُورٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ عَلْقَمَةَ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ، قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اسْتَوَى عَلَى الْمِنْبَرِ اسْتَقْبَلْنَاهُ بِوُجُوهِنَا ،وَفِي الْبَابِ عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ ابوعيسىٰ :وَحَدِيثُ مَنْصُورٍ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ مُحَمَّدِ بْنِ الْفَضْلِ بْنِ عَطِيَّةَ ، وَمُحَمَّدُ بْنُ الْفَضْلِ بْنِ عَطِيَّةَ ضَعِيفٌ ذَاهِبُ الْحَدِيثِ عِنْدَ أَصْحَابِنَا، وَالْعَمَلُ عَلَى هَذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ:يَسْتَحِبُّونَ اسْتِقْبَالَ الْإِمَامِ إِذَا خَطَبَ ،وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ، وَالشَّافِعِيِّ، وَأَحْمَدَ، وَإِسْحَاقَ ،وَلَا يَصِحُّ فِي هَذَا الْبَابِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْءٌ

حدیث: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب منبر پر تشریف فرما ہوتے تو ہم اپنے چہرے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جانب کر لیتے۔

اور اس باب میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی روایت مروی ہے۔

امام ترمذی فرماتے ہیں :منصور کی حدیث کو ہم صرف محمد بن فضل بن عطیہ کی حدیث سے جانتے ہیں اور محمد بن فضل بن عطیہ ہمارے اصحاب کے نزدیک ضعیف، ذاہب الحدیث ہے اور نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم وغیرہ میں سے اہلِ علم کے ہاں اسی پر عمل ہے۔وہ امام کی جانب منہ کرنے کو مستحب قرار دیتے تھے جب وہ خطبہ پڑھے، اور یہی امام سفیان ثوری، امام شافعی، امام احمد اور امام اسحٰق رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا قول ہے اور اس باب میں نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کوئی بھی صحیح حدیث مروی نہیں ہے۔

شرح حدیث

محمد بن عز الدین المشہور بابن الملک حنفی (متوفی 854ھ) فرماتے ہیں:

"((رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب منبر پر تشریف فرما ہوتے تو ہم اپنے چہرے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جانب کر لیتے)) پس سنت یہ ہے کہ قوم خطیب کی طرف متوجہ ہو اور خطیب قوم کی طرف متوجہ ہو۔"

(شرح المصابیح لابن الملک، باب الخطبۃ والصلاۃ، ج2، ص241، ادارۃ الثقافۃ الاسلامیہ)

ذاہب الحدیث کا معنی

علامہ علی بن سلطان محمد القاری حنفی (متوفی 1014) فرماتے ہیں:

"ذاہب الحدیث کا معنی ہے نقل میں وہم کرنے والا، علامہ طیبی نے کہا کہ ذاہب الحدیث کا معنی ہے ذاہب حدیثہ (اس کی حدیث جانے والی ہے) یعنی وہ حدیث کی حفاظت کرنے والا نہیں، اور ذاہب الحدیث ماقبل موجود ضعیف کے لیے عطفِ بیان ہے۔" (مرقاۃ المفاتیح، باب الخطبۃ والصلاۃ، ج3، ص1047، دار الفکر، بیروت)

حدیث الباب کا شاہد

علامہ ابن حجر عسقلانی (متوفی 852ھ) اس باب کی حدیث پاک کے بارے میں فرماتے ہیں:

"امام ترمذی نے اسے اِسنادِ ضعیف کے ساتھ روایت کیا ہے، اور اس کے لیے حدیثِ براء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے شاہد ہے، جسے امام ابن خزیمہ نے روایت کیا ہے۔"

(بلوغ المرام مع سبل السلام، استقبال الناس الخطیب الخ، ج1، ص417، مطبوعہ دار الحدیث)

امام ترمذی نے جس روایت کی طرف اشارہ فرمایا کہ اس باب میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی روایت ہے، وہ روایت یہ ہے، حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے، فرماتے ہیں: ((كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا دَنَا مِنْ مِنْبَرِهِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ سَلَّمَ عَلَى مَنْ عِنْدَهُ مِنَ الْجُلُوسِ، فَإِذَا صَعِدَ الْمِنْبَرَ اسْتَقْبَلَ النَّاسَ بِوَجْهِهِ ثُمَّ سَلَّمَ)) ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جمعہ کے دن جب اپنے منبر کے قریب ہوتے تو جو پاس بیٹھا ہوتا اسے سلام

کرتے، پس جب منبر پر تشریف فرما ہوتے تو لوگوں کی طرف اپنا رخ فرماتے، پھر سلام کرتے۔

(السنن الکبری للبیہقی، باب الامام یسلم علی الناس الخ، ج3، ص290، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

سنن ابن ماجہ میں ہے: ((عَنْ عَدِيِّ بْنِ ثَابِتٍ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَامَ عَلَى الْمِنْبَرِ، اسْتَقْبَلَهُ أَصْحَابُهُ بِوُجُوهِهِمْ)) ترجمہ: عدی بن ثابت سے روایت ہے، وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب منبر پر تشریف فرما ہوتے، تو آپ کے اصحاب اپنے چہروں کو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف کر لیتے۔ (سنن ابن ماجہ، باب ما جاء فی استقبال الامام الخ، ج1، ص360، مطبوعہ دار احیاء الکتب العربیہ)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں: ((إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَلَسَ ذَاتَ يَوْمٍ عَلَى الْمِنْبَرِ وَجَلَسْنَا حَوْلَهُ)) ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک دن منبر پر تشریف فرما ہوئے اور ہم ان کے اردگرد بیٹھ گئے۔ (صحیح بخاری، باب یستقبل الامام القوم الخ، ج2، ص10، دار طوق النجاۃ)

امام بخاری نے اس حدیث کو جس باب کے تحت ذکر کیا اس کا عنوان یہ ہے:

بَابٌ: يَسْتَقْبِلُ الإِمَامُ القَوْمَ، وَاسْتِقْبَالِ النَّاسِ الإِمَامَ إِذَا خَطَبَ، امام کا قوم کی طرف چہرہ کرنا اور لوگوں کا امام کی طرف چہرہ کرنا جب امام خطبہ دے۔ (صحیح بخاری، باب یستقبل الامام القوم الخ، ج2، ص10، دار طوق النجاۃ)

خطبہ کے وقت خطیب کی طرف رخ کرنا، مذاہب ائمہ

احناف کا موقف

فتاوی ہندیہ میں ہے:

"خطبہ کی سنتیں پندرہ ہیں..... تیسری سنت یہ ہے کہ خطبہ سننے والے لوگ خطیب کی طرف رخ کریں۔"

(فتاوی ہندیہ، الباب السادس عشر فی صلاۃ الجمعۃ، ج1، ص146، دار الفکر، بیروت)

حنابلہ کا موقف

علامہ ابن قدامہ حنبلی فرماتے ہیں:

"مستحب ہے کہ بوقتِ خطبہ لوگ خطیب کی طرف رخ کریں۔ اثرم کہتے ہیں کہ میں نے امام احمد بن حنبل سے

پوچھا کہ خطیب میرے دائیں طرف ہو اور مجھ سے دور ہو، اس صورت میں اگر میں اس کی طرف پھروں گا تو میرا چہرہ قبلہ سے پھر جائے گا، فرمایا: ٹھیک ہے، تم خطیب کی رخ کرلو......

حدیث پاک میں ہے: ((كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَامَ عَلَى الْمِنْبَرِ اسْتَقْبَلَهُ أَصْحَابُهُ بِوُجُوهِهِمْ)) ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب منبر پر تشریف فرما ہوتے تو آپ کے اصحاب اپنے چہرے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جانب کر لیتے۔ اسے ابن ماجہ نے روایت کیا ہے.......

کیونکہ خطیب کی طرف رخ کرنا لوگوں کو زیادہ سنانے والا ہے، لہذا یہ مستحب ہے، جیسا کہ خطیب کا لوگوں کی طرف رخ کرنا۔"

(المغنی لابن قدامہ، فصل تجب الجمعۃ والسعی الیہا الخ، ج2، ص225، مکتبۃ القاہرہ)

شوافع کا موقف

علامہ یحیی بن شرف النووی شافعی فرماتے ہیں:

"ہمارے اصحاب نے فرمایا کہ قوم کے لیے مستحب ہے کہ وہ امام کی طرف رخ کرے، کیونکہ اس بارے میں کثیر احادیث وارد ہوئی ہیں، اور ادب بھی اس کا تقاضا کرتا ہے اور یہ وعظ میں زیادہ بلیغ ہے، اور یہ مجمع علیہ مسئلہ ہے۔"

(المجموع شرح المہذب، باب صلاۃ الجمعۃ، ج4، ص528، دار الفکر، بیروت)

مالکیہ کا موقف

علامہ محمد بن عبد اللہ الخرشی مالکی فرماتے ہیں:

"مذہب یہ ہے کہ خطبہ میں لوگوں پر واجب ہے کہ وہ اپنے چہرے خطیب کی طرف کریں، چاہے وہ پہلی صف میں ہوں یا اس کے علاوہ میں، سن رہے ہوں یا نہ سن رہے ہوں، خطیب کو دیکھ رہے ہوں یا نہ دیکھ رہے ہوں۔"

(شرح مختصر خلیل للخرشی، صلاۃ الجمعۃ، ج2، ص79، دار الفکر للطباعۃ، بیروت)

باب نمبر 361

مَا جَاءَ فِی الرَّکْعَتَیْنِ إِذَا جَاءَ الرَّجُلُ وَالإِمَامُ یَخْطُبُ

خطبہ کی حالت میں اگر کوئی شخص آئے تو اس کا دو رکعت پڑھنا

510- حَدَّثَنَا قُتَیْبَةُ قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَیْدٍ، عَنْ عَمْرِو بْنِ دِینَارٍ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، قَالَ: بَیْنَمَا النَّبِیُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَخْطُبُ یَوْمَ الجُمُعَةِ إِذْ جَاءَ رَجُلٌ، فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: أَصَلَّیْتَ؟ قَالَ: لَا، قَالَ: قُمْ فَارْکَعْ، قَالَ ابوعیسٰی هٰذَا حَدِیثٌ حَسَنٌ صَحِیحٌ

حدیث: حضرت سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، فرمایا: نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہمیں خطبہ ارشاد فرما رہے تھے، ایک شخص آیا تو نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کیا تو نے نماز پڑھی ہے؟ تو انہوں نے عرض کیا: نہیں، تو ارشاد فرمایا کہ "اٹھ کر نماز پڑھو۔"

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

511- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ أَبِی عُمَرَ قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْیَانُ بْنُ عُیَیْنَةَ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَجْلَانَ، عَنْ عِیَاضِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِی سَرْحٍ أَنَّ أَبَا سَعِیدٍ الخُدْرِیَّ، دَخَلَ یَوْمَ الجُمُعَةِ وَمَرْوَانُ یَخْطُبُ، فَقَامَ یُصَلِّی، فَجَاءَ الحَرَسُ لِیُجْلِسُوهُ، فَأَبَى حَتَّى صَلَّى، فَلَمَّا انْصَرَفَ أَتَیْنَاهُ، فَقُلْنَا: رَحِمَكَ اللَّهُ، إِنْ كَادُوا لَیَقَعُوا بِكَ، فَقَالَ: مَا كُنْتُ لِأَتْرُكَهُمَا بَعْدَ شَیْءٍ رَأَیْتُهُ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ، ثُمَّ ذَكَرَ أَنَّ رَجُلًا جَاءَ یَوْمَ الجُمُعَةِ فِی هَیْئَةٍ بَذَّةٍ، وَالنَّبِیُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَخْطُبُ یَوْمَ الجُمُعَةِ، فَأَمَرَهُ، فَصَلَّى رَكْعَتَیْنِ، وَالنَّبِیُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ

حدیث: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ جمعہ کے دن مسجد میں داخل ہوئے اور مروان خطبہ دے رہا تھا تو آپ رضی اللہ عنہ کھڑے ہو کر نماز پڑھنا شروع ہو گئے تو حارسین آ کر آپ رضی اللہ عنہ کو بٹھانے لگے تو آپ رضی اللہ عنہ نے ایسا کرنے سے انکار کیا حتیٰ کہ نماز پڑھنا شروع ہو گئے تو جب نماز مکمل کی تو ہم آپ کے پاس آئے تو ہم نے عرض کیا کہ اللہ عزوجل آپ پر رحم فرمائے قریب تھا کہ وہ آپ رضی اللہ عنہ پر حملہ کر دیتے تو آپ رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا: جو کام میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کرتے ہوئے دیکھا ہے میں اسے چھوڑ نہیں سکتا تھا، پھر آپ رضی اللہ عنہ نے ذکر کیا کہ بے شک ایک شخص جمعہ والے دن خستہ حالت میں آیا اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ ارشاد فرما رہے تھے تو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دو

يَخْطُبُ قَالَ ابْنُ أَبِي عُمَرَ: كَانَ ابْنُ عُيَيْنَةَ يُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ إِذَا جَاءَ وَالإِمَامُ يَخْطُبُ وَيَأْمُرُ بِهِ وَكَانَ أَبُو عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْمُقْرِءُ يَرَاهُ وَسَمِعْتُ ابْنَ أَبِي عُمَرَ يَقُولُ: قَالَ ابْنُ عُيَيْنَةَ: كَانَ مُحَمَّدُ بْنُ عَجْلَانَ ثِقَةً مَأْمُونًا فِي الْحَدِيثِ وَفِي الْبَابِ عَنْ جَابِرٍ، وَأَبِي هُرَيْرَةَ، وَسَهْلِ بْنِ سَعْدٍ. قَالَ أَبُو عِيسَى: حَدِيثُ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ، وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ وَبِهِ يَقُولُ الشَّافِعِيُّ، وَأَحْمَدُ، وَإِسْحَاقُ، وَقَالَ بَعْضُهُمْ: إِذَا دَخَلَ وَالإِمَامُ يَخْطُبُ فَإِنَّهُ يَجْلِسُ وَلَا يُصَلِّي، وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ، وَأَهْلِ الْكُوفَةِ، وَالْقَوْلُ الأَوَّلُ أَصَحُّ. حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ قَالَ: حَدَّثَنَا الْعَلَاءُ بْنُ خَالِدٍ الْقُرَشِيُّ، قَالَ: رَأَيْتُ الْحَسَنَ الْبَصْرِيَّ دَخَلَ الْمَسْجِدَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَالإِمَامُ يَخْطُبُ، فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ جَلَسَ، إِنَّمَا فَعَلَ الْحَسَنُ اتِّبَاعًا لِلْحَدِيثِ، وَهُوَ رَوَى عَنْ جَابِرٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هٰذَا الْحَدِيثَ

رکعتیں پڑھنے کا حکم دیا اور اس نے پڑھیں اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ ارشاد فرما رہے تھے۔

ابن ابوعمر فرماتے ہیں: ابن عیینہ جب آتے تو دو رکعات پڑھتے اور امام خطبہ دے رہا ہوتا، اور اسی کا حکم فرماتے، اور ابوعبدالرحمٰن المقری کی بھی یہی رائے تھی اور میں نے ابن ابوعمر کو فرماتے ہوئے سنا: ابن عیینہ کہتے ہیں: محمد بن عجلان ثقہ حدیث کے حوالے سے معتبر ہیں۔

اور اس باب میں حضرت جابر، حضرت ابو ہریرہ اور حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہم سے بھی روایات مروی ہیں۔

امام ترمذی فرماتے ہیں: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث حسن صحیح ہے اور بعض اہل علم کے ہاں اسی پر عمل ہے اور امام شافعی، امام احمد اور امام اسحق رحمہم اللہ اسی بات کے قائل ہیں۔

اور بعض کہتے ہیں: جب وہ داخل ہو اور امام خطبہ دے رہا ہو تو وہ بیٹھ جائے اور نماز نہ پڑھے اور یہی امام سفیان ثوری اور اہل کوفہ رحمۃ اللہ علیہم کا قول ہے اور پہلا قول اصح ہے۔

علاء بن خالد القرشی سے مروی ہے، فرمایا: میں نے امام حسن بصری رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ جمعہ والے دن مسجد میں داخل ہوئے اور امام خطبہ دے رہا تھا تو انہوں نے دو رکعات پڑھیں، پھر بیٹھ گئے، انہوں نے ایسا محض اتباعِ حدیث کی بنا پر کیا اور انہوں نے ہی اس حدیث کو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے بواسطہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت کیا ہے۔

شرح حدیث

علامہ محمود بدر الدین عینی حنفی (متوفی 855ھ) فرماتے ہیں:

((ایک شخص آیا)) اس آنے والے شخص کا نام سُلَیک ہے، اور کہا گیا کہ یہ حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما تھے۔ (عمدۃ القاری، باب اذا رأی الامام رجلا الخ، ج6، ص230,231، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

دورانِ خطبہ نماز پڑھنے کے بارے میں مذاہب ائمہ

احناف کا مؤقف

علامہ ابو بکر بن مسعود کاسانی حنفی (متوفی 587ھ) فرماتے ہیں:

"حالت خطبہ میں کلام مکروہ وممنوع ہے، اسی طرح قراءۃ القرآن اور نماز بھی مکروہ وممنوع ہے۔ امام شافعی کا مؤقف یہ ہے کہ جب کوئی شخص جامع مسجد میں داخل ہو اور امام خطبہ دے رہا ہو تو اس آنے والے کے لیے مناسب ہے کہ تحیۃ المسجد کی دو خفیف رکعتیں ادا کرے، ان کی دلیل حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی حدیث پاک ہے، فرماتے ہیں: ((دخل سليك الغطفاني يوم الجمعة والنبي صلى الله عليه وسلم يخطب فقال له أصليت؟ قال: لا، قال: فصل ركعتين)) ترجمہ: حضرت سُلَیک غطفانی جمعہ والے دن آئے اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خطبہ ارشاد فرما رہے تھے، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: کیا تم نے نماز پڑھی؟ عرض کیا: نہیں، ارشاد فرمایا: دو رکعتیں پڑھو۔

ہماری دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: ﴿وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ﴾ اور جب قرآن پڑھا جائے تو اسے کان لگا کر سنو اور خاموش رہو کہ تم پر رحم ہو۔ (سورۃ الاعراف، آیت 204)

اور دورانِ خطبہ نماز پڑھنے سے استماع اور انصات فوت ہو جائیں گے تو اقامتِ سنت کے لیے ترکِ فرض کی اجازت نہیں۔ اور جو حدیث انہوں نے بیان کی وہ منسوخ ہے، یہ وجوبِ استماع اور اس آیت کے نزول سے پہلے کی ہے

، اور اس پر حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی یہ روایت بھی دلالت کرتی ہے، حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں: ((ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم أمر سلیکا أن یرکع رکعتین ثم نھی الناس أن یصلوا والإمام یخطب)) ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت سلیک کو دوران خطبہ دو رکعتیں پڑھنے کا حکم دیا پھر حالت خطبہ میں لوگوں کو نماز پڑھنے سے منع فرمادیا۔

پس ان کی بیان کردہ حدیث پاک منسوخ ہے یا حضرت سلیک اس کے ساتھ مخصوص ہیں۔

(البدائع الصنائع، حکم الخطبہ، ج1، ص263,264، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

علامہ علاء الدین حصکفی حنفی فرماتے ہیں:

جب امام خطبہ کے لیے کھڑا ہوا اس وقت سے ختم نماز تک نماز اور ہر قسم کا کلام منع ہے، البتہ صاحب ترتیب اپنی قضا نماز پڑھ لے۔ یوہیں جو شخص سنت یا نفل پڑھ رہا ہے جلد جلد پوری کرلے۔

(الدر المختار مع رد المحتار ملخصاً، کتاب الصلاۃ، باب الجمعۃ، ج2، ص158، دار الفکر، بیروت)

مالکیہ کا مؤقف

علامہ ابن رشد قرطبی مالکی (متوفی 595ھ) لکھتے ہیں:

"اس میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ یومِ جمعہ کو کوئی شخص آئے اور امام منبر پر ہو تو کیا وہ نماز پڑھے گا یا نہیں؟ بعض فقہاء اس طرف ہیں کہ وہ نہیں پڑھے گا اور یہ امام مالک کا مذہب ہے اور بعض فقہاء کہتے ہیں کہ وہ نماز پڑھے گا۔

اجازت دینے والوں کی ایک دلیل تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ عمومی ارشاد ہے: ((إِذَا جَاءَ أَحَدُکُمُ الْمَسْجِدَ فَلْیَرْکَعْ رَکْعَتَیْنِ)) ترجمہ: جب تم میں سے کوئی ایک مسجد میں داخل ہو تو اسے چاہیے کہ دو رکعتیں (تحیۃ المسجد) پڑھے۔

یہ عمومی فرمان اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ مسجد میں داخل ہونے والا نماز پڑھے اگرچہ امام خطبہ دے رہا ہو۔

مگر خطیب کے خطبہ کو توجہ سے سننے کا حکم اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ کسی ایسی چیز میں مشغول نہ ہو جو خطیب سے توجہ کو ختم کرے اگرچہ وہ عبادت ہی کیوں نہ ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ تحیۃ المسجد کے عمومی حکم سے خطبہ کا وقت خارج ہے۔

اور دوسری دلیل رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا: ((إِذَا جَاءَ أَحَدُكُمُ الْمَسْجِدَ وَالْإِمَامُ يَخْطُبُ فَلْيَرْكَعْ رَكْعَتَيْنِ خَفِيفَتَيْنِ)) ترجمہ: جب تم میں سے کوئی مسجد میں آئے اور امام خطبہ دے رہا ہو تو چاہیے کہ وہ دو خفیف رکعتیں پڑھے۔

اس کی امام مسلم نے تخریج کی ہے، اور یہ بعض روایات میں ہے جبکہ اکثر روایات میں صرف اتنا ہے کہ ایک داخل ہونے والے آدمی کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ وہ نماز پڑھے۔ اگلی بات موجود نہیں۔

اس روایت کو قبول کرنا اس بات پر موقوف ہے کہ آیا کہ ایک راوی کی زیادتی مقبول ہے یا نہیں، جبکہ یہ راوی اپنے دیگر ساتھیوں سے ایک ہی شیخ سے کی جانے والی روایت میں مختلف ہو۔"

(بدایۃ المجتہد ملخصا، الفصل الثالث فی ارکان الجمعۃ، ج1، ص173، دارالحدیث، القاہرہ)

شوافع کا موقف

علامہ ابراہیم بن علی بن یوسف شیرازی شافعی (476ھ) فرماتے ہیں:

"جب امام منبر پر بیٹھ جائے تو نفل پڑھنا منقطع کردے کیونکہ حضرت ثعلبہ بن ابی مالک سے مروی ہے، فرمایا: امام کا منبر پر بیٹھنا تسبیح کو اور اس کا کلام کرنا کلام کو قطع کردیتا ہے، کیونکہ صحابہ کرام یومِ جمعہ گفتگو کرتے رہتے اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ منبر پر تشریف فرما ہوتے، جب مؤذن چپ ہو جاتا تو حضرت عمر کھڑے ہوتے تو دونوں خطبے ختم ہونے تک کوئی گفتگو نہ کرتا، پس جب اقامت کہی جاتی اور حضرت عمر منبر سے اترتے تو گفتگو کرتے۔ اور نفل کی ممانعت اس وجہ سے بھی ہے کہ اس وقت نفل پڑھنا ابتداءِ خطبہ کے سننے سے مانع ہوگا اور یہ مکروہ ہے۔

اور اگر کوئی شخص داخل ہوا اور امام منبر پر ہو تو وہ تحیۃ المسجد پڑھے کیونکہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((إذا جاء أحدكم والإمام يخطب فليصل ركعتين)) (جب تم سے کوئی آئے اور امام خطبہ دے رہا ہو تو اسے چاہیے کہ دو رکعتیں پڑھ لے) اور اگر داخل ہوا اور امام خطبہ کے آخر میں ہو تو تحیۃ المسجد نہ پڑھے کیونکہ اس وجہ سے اس کی نماز کا اول امام کے ساتھ فوت ہو جائے گا اور وہ فرض ہے تو اس کے لیے جائز نہیں ہوگا کہ وہ فرض کو چھوڑ کر نفل میں مشغول ہو۔"

(المہذب فی فقہ الامام الشافعی، باب ہیئۃ الجمعۃ والتکبیر، ج1، ص216، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

حنابلہ کا مؤقف

علامہ موفق الدین ابن قدامہ حنبلی (متوفی 620ھ) فرماتے ہیں:

جو امام کے خطبہ کے دوران داخل ہو وہ نہ بیٹھے یہاں تک کہ دو رکعتیں پڑھ لے اور ان میں اختصار کرے...... ہماری دلیل یہ حدیث پاک ہے: ((جَاءَ رَجُلٌ وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْطُبُ النَّاسَ، فَقَالَ: صَلَّيْتَ يَا فُلَانُ؟ قَالَ: لَا، قَالَ: قُمْ، فَارْكَعْ وَفِي رِوَايَةٍ: فَصَلِّ رَكْعَتَيْنِ)) ایک شخص آیا اور نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لوگوں کو خطبہ دے رہے تھے، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے فلاں! کیا تو نے نماز پڑھی، عرض کیا: نہیں، ارشاد فرمایا: اٹھو اور نماز پڑھو۔ اور ایک روایت میں ہے: دو رکعتیں پڑھو۔

(المغنی لابن قدامہ، مسئلہ دخل والامام یخطب، ج2، ص236، مکتبۃ القاہرہ)

دلائل پر بحث ونظر

علامہ محمود بدر الدین عینی حنفی (متوفی 855ھ) فرماتے ہیں:

"شیخ محیی الدین نووی شافعی نے فرمایا: یہ تمام احادیث امام شافعی، امام احمد، امام اسحاق اور محدثین کے مذہب پر صریح دلالت کرتی ہیں کہ جب کوئی شخص یوم جمعہ جامع مسجد میں داخل ہو اور امام خطبہ دے رہا ہو تو اس کے لیے مستحب ہے کہ وہ تحیۃ المسجد کی دو رکعتیں پڑھ لے اور اس کے لیے دو رکعتیں پڑھنے سے پہلے بیٹھنا مکروہ ہے، اور یہ مذہب متقدمین میں سے امام حسن بصری سے بھی حکایت کیا گیا ہے، قاضی نے فرمایا: امام مالک، امام لیث، امام ابو حنیفہ، امام ثوری اور صحابہ وتابعین میں جمہور اسلاف کا مؤقف یہ ہے کہ آنے والا دو رکعتیں نہیں پڑھے گا، اور یہی قول حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی ہے، ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ دورانِ خطبہ چپ رہنے اور خطبہ توجہ سے سننے کا حکم ہے، اور انہوں نے ان احادیث کی تاویل یہ کی ہے کہ آنے والے شخص کو کپڑوں کی حاجت تھی، تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسے کھڑے ہونے کا حکم دیا تا کہ لوگ اسے دیکھ لیں اور اس پر تصدق کریں۔ یہ تاویل باطل ہے، علامہ نووی شافعی کا کلام ختم ہوا۔

میں (علامہ عینی حنفی) کہتا ہوں: ہمارے اصحاب نے ان احادیث کی یہ تاویل نہیں کی، بلکہ انہوں نے اس کے علاوہ جوابات دیئے ہیں:

(1) پہلا جواب یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس شخص کے لیے خاموش ہو گئے یہاں تک کہ وہ نماز سے فارغ ہو گیا، اور اس پر دلیل وہ روایت ہے جو امام دارقطنی نے اپنی سنن میں روایت کی ہے، حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں: ((دخل رجل المسجد ورسول الله علیه السلام یخطبه فقال له النبی علیه السلام: قم فارکع رکعتین "، وأمسك عن الخطبة حتی فرغ من صلاته)) (ایک شخص مسجد میں داخل ہوا، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خطبہ ارشاد فرما رہے تھے، تو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسے فرمایا: اٹھو، دو رکعتیں پڑھو، اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خطبہ سے رک گئے یہاں تک کہ وہ شخص اپنی نماز سے فارغ ہو گیا۔) پھر فرمایا کہ عبید بن محمد نے اسے مسند بیان کیا ہے اور اس میں وہم ہے۔

پھر امام احمد بن حنبل سے تخریج کیا کہ ہمیں معتمر نے بیان کیا، وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ: ((جاء رجل والنبی علیه السلام یخطب فقال: لا یا فلان، أصلیت؟ "قال: لا، قال: قم فصل" ثم انتظره حتی صلی)) (ایک آدمی آیا اور نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خطبہ دے رہے تھے، ارشاد فرمایا: نہیں، اے فلاں کیا تم نے نماز پڑھی ہے، اس نے عرض کیا: نہیں، ارشاد فرمایا: اٹھو اور نماز پڑھو، پھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انتظار فرمایا یہاں تک کہ اس نے نماز پڑھ لی) فرمایا: اس روایت کا مرسل ہونا ہی درست ہے۔ میں کہتا ہوں کہ مرسل ہمارے نزدیک حجت ہے۔

اور اس کی مؤید ہے وہ روایت جس کی تخریج ابن ابی شیبہ نے کی ہے، فرماتے ہیں: ہمیں ہشیم نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں ابو معشر نے خبر دی، محمد بن قیس سے روایت ہے: ((أن النبی علیه السلام حیث أمره أن یصلی رکعتین أمسك عن الخطبة حتی فرغ من رکعتیه، ثم عاد إلی خطبته)) ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جب اسے حکم دیا کہ وہ دو رکعتیں پڑھے، تو خطبہ کو روک دیا یہاں تک کہ وہ دو رکعتوں سے فارغ ہو گیا، پھر خطبہ کی طرف عود فرمایا۔

(2) دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ خطبہ شروع کرنے سے پہلے ہوا، تحقیق امام نسائی نے اپنی سنن کبریٰ میں " حدیث

سلیک" پر یہ باب باندھا ہے:"باب الصلاۃ قبل الخطبۃ "(خطبہ سے پہلے نماز کا بیان)، پھر حدیث پاک بیان فرمائی کہ ابوالزبیر سے روایت ہے، وہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے فرمایا:((جاء سلیك الغطفانی ورسول اللہ قاعد علی المنبر،فقعد سلیك قبل أن یصلی، فقال له علیه السلام:أرکعت رکعتین؟ "قال:لا، قال:قم فارکعهما)) ترجمہ: سلیک غطفانی آئے اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم منبر پر تشریف فرما تھے، سلیک نماز پڑھنے سے پہلے بیٹھ گئے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں ارشاد فرمایا: کیا تم نے دو رکعتیں پڑھ لیں؟ عرض کیا: نہیں، فرمایا: اٹھو اور دو رکعتیں پڑھو۔

(عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری، باب اذا رأی الامام رجلا الخ، ج6، ص231,232، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

اور ابو محمد عبد الحق نے اپنے احکام میں ذکر کیا کہ ابوسعد مالینی نے اپنی کتاب میں اس سند عن محمد بن ابی مطیع عن ابیہ عن محمد بن جابر عن ابی اسحاق عن الحارث عن علی سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:((لا تصلوا والإمام یخطب))(تم اس وقت نماز نہ پڑھو جب امام خطبہ دے رہا ہو)۔ ابن قطان نے اپنے کتاب میں لکھا کہ ابوسعد مالینی کا نام احمد بن محمد ہے اور یہ وہی ہیں جنہوں نے ابن عدی سے ان کی کتاب "الکامل" روایت کی ہے۔

(شرح ابی داؤد للعینی ملخصا، باب اذا دخل الرجل والامام یخطب، ج4، ص459,460، مکتبۃ الرشد، ریاض)

(3) تیسرا جواب یہ ہے کہ یہ واقعہ نماز میں کلام کے منسوخ ہونے سے پہلے کا ہے، پھر جب نماز میں کلام منسوخ ہو گیا تو خطبہ میں بھی منسوخ ہو گیا، کیونکہ یہ نمازِ جمعہ کا حصہ یا اس کے لیے شرط ہے۔

امام طحاوی فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے تواتر اُروایات موجود ہیں کہ جب امام خطبہ جمعہ دے رہا ہو اس وقت کوئی اپنے ساتھی سے کہے کہ چپ کرو تو اس نے لغو کام کیا، پس جب آدمی کا اپنے ساتھی سے دورانِ خطبہ کہنا "چپ کرو" لغو ہے تو امام کا کسی آدمی سے کہنا کہ "اٹھو نماز پڑھو" یہ بھی لغو ہے، اس سے ثابت ہوا کہ جس وقت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سلیک کو یہ حکم دیا تھا یہ نماز میں کلام سے ممانعت سے پہلے کا وقت تھا۔

ابن شہاب نے کہا کہ امام کا نکلنا نماز کو قطع کر دیتا ہے اور امام کا کلام کرنا کلام کو قطع کر دیتا ہے، ثعلبہ بن ابی مالک نے کہا کہ جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خطبہ کے لیے نکلتے تھے ہم چپ ہو جاتے تھے، عیاض نے فرمایا: حضرت ابوبکر

حضرت عمر اور حضرت عثمان خطبہ کے وقت نماز سے منع کرتے تھے۔

علامہ ابن عربی نے فرمایا: خطبہ کے وقت نماز تین وجوہات سے حرام ہے:

(۱) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ﴾ اور جب قرآن پڑھا جائے تو اسے کان لگا کر سنو اور خاموش رہو کہ تم پر رحم ہو۔ (سورۃ الاعراف، آیت 204)

پس فرض چھوڑ کر غیر فرض میں کیسے مشغول ہوسکتا ہے۔

(۲) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صحیح حدیث میں ہے: ((إذا قلت لصاحبك أنصت فقد لغوت)) (جب تم نے اپنے ساتھی کو کہا کہ چپ ہوجاؤ تو تم نے لغو کام کیا) جب امر بالمعروف اور نہی عن المنکر دو فرض حالتِ خطبہ میں حرام ہیں تو نفل کی حرمت بدرجہ اولیٰ ہوگی۔

(۳) اگر کوئی شخص مسجد میں داخل ہو اور امام نماز پڑھا رہا ہو تو اپنی نماز نہیں پڑھ سکتا، اور خطبہ بھی نماز ہے کیونکہ اس میں بھی نماز کی طرح کلام اور عمل حرام ہوتا ہے۔

حدیث سلیک چار وجوہ سے اس اصول سے معارض ہوسکتی:

(۱) یہ خبر واحد ہے۔

(۲) اس میں یہ احتمال ہے کہ یہ واقعہ اس وقت کا ہو جب کہ نماز میں کلام مباح تھا کیونکہ ہمیں اس کی تاریخ کا علم نہیں، جب نماز میں کلام مباح تھا تو خطبہ میں بھی مباح تھا، پس جب خطبہ میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر حرام ہوگئے جو کہ استماعِ خطبہ کی فرضیت سے زیادہ مؤکد ہیں تو جو فرض نہیں بدرجہ اولیٰ حرام ہونا چاہیے۔

(۳) نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت سلیک سے کلام فرمایا اور انہیں فرمایا کہ کھڑے ہو اور نماز پڑھو، پس جب ان سے کلام کیا اور انہیں نماز کا حکم دیا تو ان سے استماع کا فرض ساقط ہوگیا کیونکہ اس وقت میں کوئی قول نہیں تھا سوائے اس کے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان سے خطاب کیا، سوال کیا اور حکم دیا۔

(۴) حضرت سلیک خستہ حال تھے، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے چاہا کہ لوگوں کو ان کا حال دکھادیں تا کہ لوگ ان پر تصدق کریں۔

(پھر دورانِ خطبہ آنے کی صورت میں ترکِ نماز پر دلائل دیتے ہوئے فرماتے ہیں)

(1) اس حالت میں نماز نہ پڑھنا خلفاء کے زمانے میں ایک مشہور عمل تھا۔

(2) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے: ((لَا تصلوا وَالْإِمَام يخْطب)) ترجمہ: نماز نہ پڑھو اس حال میں کہ امام خطبہ دے رہا ہو۔

(3) حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دورانِ خطبہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ترکِ غسل پر انکار فرمایا، اور یہ منقول نہیں کہ آپ نے انہیں دو رکعتیں پڑھنے کا حکم دیا ہو، اور یہ بھی منقول نہیں کہ حضرت عثمان نے اس وقت دو رکعتیں پڑھی ہوں۔

(4) بر تقدیرِ تسلیم بھی حدیث سلیک میں امام شافعی کے لیے دلیل موجود نہیں کیونکہ ان کا مذہب ہے کہ تحیۃ المسجد کی دو رکعتیں بیٹھنے سے ساقط ہو جاتی ہیں۔

(5) علی بن عاصم، خالد الحذاء سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابوقلابہ جمعہ کے دن آئے اور امام خطبہ دے رہا تھا، آپ بیٹھ گئے اور نماز نہ پڑھی۔

(6) حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں: ((الصَّلَاة وَالْإِمَام على الْمِنْبَر مَعْصِيَة)) ترجمہ: امام جب منبر پر ہو تو اس وقت نماز پڑھنا معصیت ہے۔

(7) امام شعبی حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں، نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((إِذا صعد الإِمَام الْمِنْبَر فَلَا صَلَاة وَلَا كَلَام حَتَّى يفرغ)) ترجمہ: امام جب منبر پر چڑھ جائے تو اس کے فارغ ہونے تک نہ نماز ہے، نہ کلام۔

(8) صحیح روایت ہے: ((أذا جَاء أحدكُم وَالْإِمَام على الْمِنْبَر فَلَا صَلَاة وَلَا كَلَام)) ترجمہ: جب تم میں سے کوئی آئے اور امام منبر پر ہو تو اس وقت نہ نماز ہے اور نہ کلام۔

(عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری، باب اذا رای الامام رجلا الخ، ج6، ص232، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

باب نمبر362

مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ الْكَلَامِ وَالْإِمَامُ يَخْطُبُ

امام کے خطبہ دینے کے وقت گفتگو کا مکروہ ہونا

512۔حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ قَالَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ بْنُ سَعْدٍ، عَنْ عُقَيْلٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيِّبِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ قَالَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَالْإِمَامُ يَخْطُبُ: أَنْصِتْ، فَقَدْ لَغَا "وَفِي الْبَابِ عَنِ ابْنِ أَبِي أَوْفَى، وَجَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، قَالَ ابوعيسى: حَدِيثُ أَبِي هُرَيْرَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ، "وَالْعَمَلُ عَلَيْهِ عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ: كَرِهُوا لِلرَّجُلِ أَنْ يَتَكَلَّمَ وَالْإِمَامُ يَخْطُبُ، فَقَالُوا: إِنْ تَكَلَّمَ غَيْرُهُ فَلَا يُنْكِرْ عَلَيْهِ إِلَّا بِالْإِشَارَةِ، وَاخْتَلَفُوا فِي رَدِّ السَّلَامِ، وَتَشْمِيتِ الْعَاطِسِ: فَرَخَّصَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ فِي رَدِّ السَّلَامِ، وَتَشْمِيتِ الْعَاطِسِ وَالْإِمَامُ يَخْطُبُ، وَهُوَ قَوْلُ أَحْمَدَ، وَإِسْحَاقَ، وَكَرِهَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنَ التَّابِعِينَ وَغَيْرِهِمْ ذَلِكَ. وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ"

حدیث: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بے شک نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نے جمعہ کے دن امام کے خطبہ دیتے ہوئے یہ کہا کہ ''خاموش ہو جاؤ'' تو اس نے لغو کام کیا۔

اور اس باب میں حضرت ابن ابی اوفی اور حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے بھی روایات مروی ہیں۔

اور امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث حسن صحیح ہے اور اہلِ علم کے ہاں اسی پر عمل ہے، ان حضرات نے کسی شخص کے لئے امام کے خطبہ دیتے ہوئے گفتگو کرنے کو مکروہ قرار دیا ہے۔ علماء فرماتے ہیں: اگر کوئی دوسرا کلام کرے تو اس کو صرف اشارہ سے ہی منع کر سکتا ہے اور سلام کا جواب دینے اور چھینک کا جواب دینے میں اختلاف ہے تو بعض اہلِ علم نے امام کے خطبہ دینے کی حالت میں سلام اور چھینک کا جواب دینے کے حوالے سے رخصت دی ہے اور یہی امام احمد اور امام اسحٰق رحمہما اللہ کا قول ہے اور تابعین وغیرہ میں سے بعض اہلِ علم نے بھی اسے مکروہ قرار دیا ہے اور یہی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

شرح حدیث

لغو سے مراد

علامہ ابن بطال (متوفی 449ھ) فرماتے ہیں:

"لغو ہر ناپسندیدہ کلام کو کہتے ہیں۔" (شرح صحیح البخاری لابن بطال، باب الانصات یوم الجمعۃ الخ، ج2، ص518، مکتبۃ الرشد، ریاض)

علامہ ابن حجر عسقلانی (متوفی 852ھ) فرماتے ہیں:

"کلام میں لغو وہ ہے جس سے کچھ حاصل نہ ہو اور یمین میں لغو وہ ہے جس پر کفارہ نہ ہو، اور مصنف نے لغو کی تفسیر باطل کے ساتھ کی ہے۔" (فتح الباری لابن حجر، فصل ل و، ج1، ص183، دار المعرفہ، بیروت)

صاحب سے مراد

علامہ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں:

یہاں "صاحب" سے مراد مطلقاً وہ شخص ہے جسے وہ اس کلام سے مخاطب کرے، اسے صاحب یعنی ساتھی اس لیے کہا گیا کہ غالب طور پر ایسا ہی ہوتا ہے یعنی غالب طور پر اس کے قریب بیٹھنے والا اس کا ساتھی ہوتا ہے۔

(فتح الباری لابن حجر، باب الانصات یوم الجمعۃ، ج2، ص414، دار المعرفہ، بیروت)

علامہ محمود بدر الدین عینی حنفی (متوفی 855ھ) فرماتے ہیں:

"یہاں اس کے صاحب سے مراد اس کا جلیس (یعنی پاس بیٹھنے والا) مراد ہے، کہا گیا کہ اس سے مراد وہ ہے جس سے اس کلام کے ساتھ خطاب کرے مطلق طور پر۔ اس پر صاحب کا اطلاق اس وجہ سے کیا کہ وہ اس کا صاحب ہے خطاب میں یا جلوس میں۔" (عمدۃ القاری، باب الانصات یوم الجمعۃ الخ، ج6، ص239، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

دورانِ خطبہ کلام کرنے کے بارے میں مذاہب ائمہ

احناف کا مؤقف

علامہ ابو بکر بن مسعود کاسانی حنفی (متوفی 587ھ) فرماتے ہیں:

"حالت خطبہ میں کلام مکروہ وممنوع ہے، اسی طرح قراءۃ القرآن اور نماز بھی مکروہ وممنوع ہے۔"

(البدائع الصنائع، حکم الخطبہ، ج1 ص263,264، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

علامہ علاء الدین حصکفی حنفی فرماتے ہیں:

"جب امام خطبہ کے لیے کھڑا ہوا اس وقت سے ختم نماز تک نماز اور ہر قسم کا کلام منع ہے، البتہ صاحب ترتیب اپنی قضا نماز پڑھ لے۔ یوہیں جو شخص سنت یا نفل پڑھ رہا ہے جلد جلد پوری کر لے۔"

(الدر المختار مع رد المحتار ملخصا، کتاب الصلاۃ، باب الجمعۃ، ج2، ص158، دار الفکر، بیروت)

مزید فرماتے ہیں:

"جو چیزیں نماز میں حرام ہیں مثلاً کھانا پینا، سلام و جوابِ سلام وغیرہ یہ سب خطبہ کی حالت میں بھی حرام ہیں یہاں تک کہ امر بالمعروف، ہاں خطیب امر بالمعروف کرسکتا ہے، جب خطبہ پڑھے تو تمام حاضرین پر سننا اور چپ رہنا فرض ہے، جو لوگ امام سے دور ہوں کہ خطبہ کی آواز ان تک نہیں پہنچتی انھیں بھی چپ رہنا واجب ہے، اگر کسی کو بری بات کرتے دیکھیں تو ہاتھ یا سر کے اشارے سے منع کر سکتے ہیں زبان سے ناجائز ہے۔"

(الدر المختار مع رد المحتار ملخصا، کتاب الصلاۃ، باب الجمعۃ، ج2، ص159، دار الفکر، بیروت)

فتاوی رضویہ میں ہے:

"امام ثانی عالمِ ربانی قاضی الشرق والغرب حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک انھیں صرف بحالتِ خطبہ سکوت واجب، قبل شروع وبعد ختم وبین الخطبتین دعا وغیرہ کلامِ دینی کی اجازت دیتے ہیں، اور امام الائمہ، مالک الازمہ، حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ خروجِ امام سے ختم نماز تک عند التحقیق دینی و دنیوی ہر طرح کے کلام، یہاں تک کہ امر بالمعروف و جوابِ سلام، بلکہ مخلِ استماع (یعنی خطبہ سننے میں رکاوٹ بننے والے) ہر قسم کے کام سے منع فرماتے ہیں، اگر چہ کلام آہستہ ہو اگر چہ خطیب سے دور بیٹھا ہو کہ خطبہ سُننے میں نہ آتا ہو، امام ثالث محرر المذہب محمد بن الحسن رحمہ اللہ تعالیٰ بین الخطبتین میں امام اعظم اور قبل و بعد میں امام ابو یوسف کے ساتھ ہیں۔

(فتاوی رضویہ، جلد 8، صفحہ 480، رضا فاونڈیشن لاہور)

حنابلہ کا مؤقف

علامہ ابراہیم بن محمد بن عبداللہ بن محمد ابن مفلح حنبلی (متوفی 884) فرماتے ہیں:

"(امام خطبہ دے رہا ہو تو کلام کرنا جائز نہیں) محرر میں اسے مقدم کیا ہے، وجیز میں اس پر جزم کیا ہے اور مؤلف نے اس کی تائید کی ہے اور تلخیص میں اس کی تصحیح کی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ﴾ اور جب قرآن پڑھا جائے تو اسے کان لگا کر سنو اور خاموش رہو کہ تم پر رحم ہو۔

(سورۃ الاعراف، آیت 204)

اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((مَنْ قَالَ: صَهٍ، فَقَدْ لَغَا، وَمَنْ لَغَا فَلَا جُمُعَةَ لَهٗ)) ترجمہ: جس نے دوران خطبہ کہا "چپ ہو جاؤ" تو اس نے لغو کام کیا اور جسنے لغو کام کیا اس کا جمعہ نہیں (یعنی اس کا جمعہ کامل نہیں)۔ اسے امام احمد اور امام ابوداؤد نے روایت کیا ہے۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت میں ہے: ((وَالَّذِیْ يَقُوْلُ: أَنْصِتْ لَيْسَ لَهٗ جُمُعَةٌ)) ترجمہ: جس نے کہا چپ ہو جاؤ تو اس کا جمعہ نہیں۔ اسے امام احمد نے مجالد کی روایت سے بیان کیا ہے۔

اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: ((إِذَا سَمِعْتَ إِمَامَكَ يَتَكَلَّمُ فَأَنْصِتْ حَتّٰى يَفْرُغَ)) ترجمہ: جب تم اپنے امام کو کلام کرتا سنو تو اس کے فارغ ہونے تک چپ ہو جاؤ۔ اسے امام احمد نے روایت کیا ہے۔

اور ظاہر یہ ہے کہ اس مسئلہ میں امام سے قریب اور بعید ہونے، خطبہ سننے اور نہ سننے کا فرق نہیں۔

(المبدع فی شرح المقنع، الکلام فی اثناء الخطبۃ الخ، ج2، ص178، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

شوافع کا مؤقف

علامہ ابو الحسن علی بن محمد ماوردی شافعی (متوفی 450ھ) فرماتے ہیں:

"خطبہ کے دوران چپ رہنے کے استحباب میں کوئی اختلاف نہیں، اس کے واجب ہونے میں اختلاف ہے، اس میں شوافع کے دو قول ہیں:

(۱) ایک قول یہ ہے اور یہ قولِ قدیم ہے کہ چپ رہنا واجب ہے، تو جس نے جان بوجھ کر کلام کیا تو وہ گناہگار ہوگا اور جس نے جہالت سے کلام کیا تو اس نے لغو کام کیا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ﴾ اور جب قرآن پڑھا جائے تو اسے کان لگا کر سنو اور خاموش رہو کہ تم پر رحم ہو۔

(سورۃ الاعراف، آیت 204)

اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((إذ قُلْتَ لِصَاحِبِكَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَالْإِمَامُ يَخْطُبُ أَنْصِتْ فَقَدْ لَغَوْتَ)) ترجمہ: جب تم نے اپنے صاحب سے یومِ جمعہ دوران خطبہ کہا "چپ ہو جاؤ" تو تم نے لغو کیا۔

اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((مَنْ قَالَ صَهْ وَالْإِمَامُ يَخْطُبُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَقَدْ لَغَا، وَمَنْ لَغَا فَلَا جمعة له)) ترجمہ: جس نے امام کے خطبہ دینے کے دوران کہا چپ ہو جاؤ تو اس نے لغو کیا اور جس نے لغو کیا اس کا جمعہ نہیں۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے: (انَّ ابْنَ مَسْعُوْدٍ دَخَلَ وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْطُبُ فَجَلَسَ إِلَى أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ فَكَلَّمَهُ فَلَمْ يُجِبْهُ فَظَنَّ أَنَّهُ عَنْ مَوْجِدَةٍ فَلَمَّا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ قَالَ مَا حَمَلَهُ عَلَى ذٰلِكَ؟ فَقَالَ: إِنْ تَكَلَّمْتَ وَالْإِمَامُ يَخْطُبُ فَلَا جُمُعَةَ لَكَ، فَدَخَلَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَخْبَرَهُ بِهٖ، فَقَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: صدق أبي، أو قال أَطِعْ أُبَيًّا)) ترجمہ: حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خطبہ دینے کے دوران داخل ہوئے اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس بیٹھ گئے اور ان سے کلام کیا تو انہوں نے جواب نہیں دیا، یہ سمجھے کہ وہ مجھ سے خفا ہیں، جب نماز سے فارغ ہوئے تو حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ اس کی کیا وجہ ہے یعنی میرے کلام کا جواب کیوں نہیں دیا؟ تو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا کہ اگر آپ امام کے خطبہ کے دوران کلام کریں گے تو آپ کا جمعہ نہ ہوگا، پھر وہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس معاملہ کی خبر دی تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ابی نے سچ کہا یا فرمایا: ابی کی اطاعت کرو۔

اور امام شافعی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:((مَنْ تَکَلَّمَ وَالْإِمَامُ یَخْطُبُ کَانَ کَالْحِمَارِ یَحْمِلُ أَسْفَارًا وَمَنْ قَالَ أَنْصِتْ فَلَا جُمُعَةَ لَهُ)) ترجمہ: جس نے امام کے خطبہ کے دوران کلام کیا تو گویا کہ ایسا گدھا ہے جس پر بوجھ رکھ دیا گیا ہو، یا جس نے کہا چپ ہو جاؤ تو اس کا جمعہ نہیں۔

کیونکہ جائز نہیں کہ خاطب پر اظہار کا وجوب متعلق ہو مگر یہ کہ اس صورت میں وجوبِ استماع بھی متعلق ہوگا، کیا تم نہیں دیکھتے کہ جب شاہد پر کتمانِ شہادت ممنوع ہے یعنی اس پر واجب ہے کہ شہادت کا اظہار کرے تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ اس کا استماع بھی واجب ہے۔

(۲) دوسرا قول یہ ہے اور یہ قولِ جدید ہے کہ دورانِ خطبہ چپ رہنا مستحب ہے، واجب نہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت سلیک سے کلام کیا، اگر امام کے لیے کلام حرام ہوتا تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کلام نہ فرماتے، اور جب خطیب پر کلام حرام نہیں تو مقتدی پر بھی چپ کر کے سننا واجب نہیں.....

اور کیونکہ اگر مقتدی پر سننا واجب ہوتو امام پر بلند آواز سے اس تک پہنچانا واجب ہوگا، پس جب امام پر اس کا پہنچانا واجب نہیں تو مقتدیوں پر چپ رہنا بھی واجب نہیں۔

اور کیونکہ یہ ایسی عبادت ہے جس کو کلام فاسد نہیں کرتا تو اس میں کلام حرام بھی نہیں ہونا چاہیے جیسا کہ طواف اور روزہ۔"

(الحاوی الکبیر، مسئلہ: قال الشافعی رحمۃ اللہ علیہ: و ینصت الناس، ج2، ص430,431، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

مالکیہ کا موقف

علامہ ابوالطاہر ابراہیم بن عبدالصمد التنوخی مالکی (متوفی 536ھ) فرماتے ہیں:

"امام کے منبر پر بیٹھنے سے کلام کرنا منع نہیں ہوتا جب تک خطبہ شروع نہ کرے، پس جب خطبہ شروع کرے تو کلام کرنا حرام ہو جاتا ہے سوائے اس صورت کے کہ اس کا کلام امام کے جواب کے طور پر ہو۔ اس کی ممانعت کی دلیل نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یہ فرمان ہے:((إذا قال أحدكم لصاحبه أنصت والإمام يخطب فقد لغا))(جب تم میں سے کسی نے امام کے خطبہ دینے کے دوران اپنے ساتھی سے کہا کہ "چپ ہو جاؤ" تو اس نے لغو کیا) یہ کلام کی ممانعت میں

مبالغہ ہے کیونکہ یہاں انصات سے مراد امر بالمعروف ہے، جب اسے لغو شمار کیا گیا تو اس کے علاوہ کلام کو بدرجۂ اولی لغو شمار کیا جائے گا۔

اور جب یہ بات ثابت ہوگئی تو اس کے بعد ہم کہتے ہیں کہ حالت خطبہ میں انسان جو کلام کرے گا وہ قرآن، ذکر اور ان کے علاوہ ہوگا، پس اگر اس کا کلام قرآن وذکر ہے اور یہ طویل ہے تو یہ ممنوع ہے کیونکہ اس سے خطبہ خاموشی اور توجہ سے سننے میں خلل آئے گا اور یہ طویل نہیں تو جائز ہے اور اس کا ترک اولی ہے اور یہ آہستہ کرنے کی صورت میں ہے اور اگر بلند آواز سے کرتا ہے (اور وہ طویل نہیں) تو اس میں دو قول ہیں: ایک قول یہ ہے کہ یہ مکروہ ہے کیونکہ اس صورت میں اس کے استماع میں بھی خلل آئے گا اور دیگر کے استماع میں بھی خلل آئے گا، اور ایک قول جواز کا ہے اس کے قلیل ہونے کی وجہ سے، کیونکہ یہ جنس مسموع میں سے ہے۔ اور کلام قرآن وذکر کے علاوہ ہے تو ہر حال میں ممنوع ہے۔"

(التنبیہ فی مبادئ التوجیہ، حکم الکلام بعد افتتاح الخطبۃ، ج2، ص630، دار ابن حزم، بیروت)

باب نمبر 363

مَا جَاءَ فِی کَرَاهِيَةِ التَّخَطِّی يَوْمَ الجُمُعَةِ

جمعہ کے دن گردنیں پھلانگنے کا مکروہ ہونا

513۔حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ قَالَ: حَدَّثَنَا رِشْدِينُ بْنُ سَعْدٍ، عَنْ زَبَّانَ بْنِ فَائِدٍ، عَنْ سَهْلِ بْنِ مُعَاذِ بْنِ أَنَسٍ الجُهَنِيِّ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ تَخَطَّى رِقَابَ النَّاسِ يَوْمَ الجُمُعَةِ اتَّخَذَ جِسْرًا إِلَى جَهَنَّمَ، قال ابوعيسى: حَدِيثُ سَهْلِ بْنِ مُعَاذِ بْنِ أَنَسٍ الجُهَنِيِّ حَدِيثٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ رِشْدِينَ بْنِ سَعْدٍ، وَالعَمَلُ عَلَيْهِ عِنْدَ أَهْلِ العِلْمِ: كَرِهُوا أَنْ يَتَخَطَّى الرَّجُلُ يَوْمَ الجُمُعَةِ رِقَابَ النَّاسِ، وَشَدَّدُوا فِي ذَلِكَ، وَقَدْ تَكَلَّمَ بَعْضُ أَهْلِ العِلْمِ فِي رِشْدِينَ بْنِ سَعْدٍ وَضَعَّفُوهُ مِنْ قِبَلِ حِفْظِهِ"

حدیث: حضرت معاذ بن انس الجہنی رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: جو جمعہ کے دن لوگوں کی گردنیں پھلانگتا ہے وہ جہنم کی جانب پل بناتا ہے۔

امام ترمذی فرماتے ہیں: حضرت سہل بن معاذ بن انس الجہنی رضی اللہ عنہ کی حدیث غریب ہے ہم اسے صرف رشدین بن سعد کی سند سے ہی جانتے ہیں اور اسی پر اہلِ علم کے ہاں عمل ہے کہ انہوں نے جمعہ والے دن لوگوں کی گردنیں پھلانگنے کو مکروہ قرار دیا اور اس میں شدت سے کام لیا اور بعض اہلِ علم نے رشدین بن سعد کے بارے میں بھی کلام کیا اور ان کے حافظے کی جہت سے انہیں ضعیف قرار دیا ہے۔

شرح حدیث

جہنم کی جانب پل بنانے سے کیا مراد ہے

علامہ محمود بدرالدین عینی حنفی (متوفی 855ھ) فرماتے ہیں:

"مشہور یہ ہے کہ "اتخذ" کو مجہول پڑھا جائے، اس صورت میں اس کا معنی ہوگا کہ اس گردنیں پھلانگنے والے کو جہنم کے اوپر پل بنایا جائے گا تاکہ اسے روندھا جائے اور اسے پھلانگا جائے جیسا کہ اس نے لوگوں کی گردنوں کو پھلانگا، کیونکہ بدلہ عمل کی جنس سے ہوتا ہے، اور یہ بھی احتمال ہے کہ اسے معروف پڑھا جائے، اس صورت میں اس کے معنی ہوں گے کہ یہ شخص اپنے لیے پل بناتا ہے جس پر چل کر جہنم کی طرف جائے گا اس عمل کے سبب۔"

(عمدۃ القاری، باب لایفرق بین اثنین یوم الجمعۃ، ج6، ص208، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

علامہ جلال الدین سیوطی شافعی (متوفی 911ھ) فرماتے ہیں:

اگر "اتخذ" کو معروف پڑھیں تو اس جملے کے معنی ہوں گے کہ اس شخص کا یہ فعل اسے جہنم کی طرف لے جائے گا گویا کہ یہ پل ہے جو اس نے جہنم کی طرف بنایا ہے۔ اگر اسے مجہول پڑھیں تو اس کے معنی ہوں گے کہ قیامت کے دن اس شخص کو پل بنایا جائے گا جس پر سے جہنم کی طرف ہانکا جانے والا گزرے گا اس شخص کو اس کے عمل کی مثل سزا دیتے ہوئے۔

(مصباح الزجاجۃ شرح سنن ابن ماجہ، باب سجود القرآن الخ، ج1، ص78، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

یوم جمعہ لوگوں کی گردنیں پھلانگنے کے بارے میں مذاہب ائمہ

احناف کا مؤقف

علامہ زین الدین ابن نجیم مصری حنفی (متوفی 970ھ) فرماتے ہیں:

امام اعظم کے نزدیک لوگوں کی گردنوں کو پھلانگنا مکروہ ہے اور صاحبین فرماتے ہیں کہ صرف امام کے نکلنے کے بعد مکروہ ہے اور رازی نے کہا کہ اس سے ماقبل جائز ہے بشرطیکہ کسی کو ایذاء نہ دے، بہر حال سوال کے لیے لوگوں کی

گردنوں کو پھلانگنا تو یہ بالا جماع جمیع احوال میں مکروہ ہے۔ (بحرالرائق، شرح واجبہ الجمعۃ، ج 2، ص 159، دار الکتاب الاسلامی، بیروت)

خانیہ اور ہندیہ میں ہے:

"امام سے قریب ہونے کے لیے لوگوں کی گردنوں کو نہیں پھلانگے گا، فقیہ ابو جعفر کہتے ہیں کہ ہمارے اصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا فرمان ہے کہ جب تک امام نے خطبہ شروع نہیں کیا اس وقت تک چلنے میں کوئی حرج نہیں، جب امام نے خطبہ شروع کر دیا تو اب کراہت ہے اور امام خطبہ نہ دے رہا ہو تو اسے چاہئے کہ وہ محراب کے قریب ہو جائے تا کہ بعد میں آنے والے لوگوں کے لئے جگہ بن جائے اور اس کے ذریعے امام کی قربت کی فضیلت بھی حاصل ہو گی جب اس نے پہل نہ کی تو اس نے بغیر عذر وہ جگہ ضائع کر دی، اب بعد میں آنے والا شخص وہ جگہ حاصل کر سکتا ہے لیکن جو شخص اس وقت آیا جب امام خطبہ دے رہا تھا تو وہ مسجد میں اپنی جگہ پر ہی بیٹھ جائے کیونکہ اب اس کا چلنا اور آگے بڑھنا حالتِ خطبہ میں عمل ہو گا۔" (فتاوی ہندیہ، الباب السادس عشر فی صلاۃ الجمعۃ، ج 1، ص 147، دار الفکر، بیروت)

علامہ سید احمد طحطاوی حنفی (متوفی 1231ھ) فرماتے ہیں:

خلاصہ یہ ہے کہ لوگوں کی گردنوں کو پھلانگنا دو شرطوں کے ساتھ جائز ہے: (۱) عدمِ ایذاء (۲) اور امام کا نہ نکلنا، کیونکہ ایذاء دینا حرام ہے اور گردنوں کو پھلانگنا ایک عمل ہے اور وہ امام کے خروج کے بعد حرام ہے، لہذا امام سے قربت کی فضیلت کو پانے کے لیے اس کا ارتکاب نہیں کرے گا بلکہ مسجد میں اپنی جگہ پر ہی ٹھہر جائے گا اور جو بحر الرائق وغیرہ میں ذکر کیا کہ "جو اپنے آگے کشادگی پائے تو اسے گردنیں پھلانگ کر آگے جانے کی اجازت ہے کہ ان لوگوں کی کوتاہی کی وجہ سے ان کے لیے حرمت نہیں" یہ حالت ضرورت پر یا عدمِ ایذاء کی صورت پر یا خروج امام سے قبل صورت پر محمول ہے، اس سے روایات میں تطبیق ہو جائے گی۔ (طحطاوی علی المراقی، باب الجمعۃ، ص 523، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

امام احمد رضا خان حنفی (متوفی 1340ھ) فرماتے ہیں:

علمائے کرام فرماتے ہیں کہ اگر ایسے وقت آیا کہ خطبہ شروع ہو گیا مسجد میں جہاں تک پہنچا وہیں رُک جائے آگے نہ بڑھے کہ عمل ہو گا اور حالِ خطبہ میں کوئی عمل روا نہیں حالانکہ امام سے قرب شرعاً مطلوب اور حدیث وفقہ میں اُس کا فضل مکتوب اور وہیں بیٹھ جانے میں آئندہ آنے والوں کے لئے بھی جگہ کی تنگی ہے ان امور پر لحاظ نہ کریں گے اور آگے

بڑھنے کی اجازت نہ دیں گے۔ (فتاوی رضویہ، ج8، ص333، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

مالکیہ کا مؤقف

علامہ خلف بن ابی القاسم محمد القیر وانی مالکی (متوفی 372ھ) فرماتے ہیں:

لوگوں کی گردنیں پھلانگنا اس وقت مکروہ ہے جب امام منبر پر بیٹھ جائے، اس سے پہلے گردنیں پھلانگ کر آگے جانے میں حرج نہیں جبکہ آگے جگہ موجود ہو۔

(التہذیب فی اختصار المدونہ، کتاب الصلاۃ الثانی، ج1، ص320، دار البحوث للدراسات الاسلامیہ واحیاء التراث، دبی)

حنابلہ کا مؤقف

علامہ موفق الدین ابن قدامہ حنبلی (متوفی 620ھ) فرماتے ہیں:

جب کوئی شخص مسجد میں آئے تو اس کے لیے مکروہ ہے کہ لوگوں کی گردنوں کو پھلانگے......

نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((مَنْ تَخَطّٰی رِقَابَ النَّاسِ یَوْمَ الْجُمُعَةِ اتَّخَذَ جِسْرًا اِلٰی جَهَنَّم)) ترجمہ: جس نے جمعہ کے دن لوگوں کی گردنوں کو پھلانگا تو اس نے جہنم کی طرف پل بنایا.......

البتہ اگر امام ہے اور وہ راستہ نہ پائے تو لوگوں کی گردنوں کو پھلانگ سکتا ہے کہ یہ موضع حاجت ہے.....

اگر آگے فرجہ (کشادگی) دیکھے اور اس تک لوگوں کی گردنیں پھلانگے بغیر نہ پہنچ سکتا ہو تو اس میں دو روایتیں ہیں: ایک یہ کہ اسے اس صورت میں لوگوں کی گردنیں پھلانگنے کی اجازت ہے..... اور دوسری روایت یہ ہے کہ اگر ایک دو کی گردنیں پھلانگتا ہے تو اس میں حرج نہیں کہ یہ یسیر ہے لہذا اس سے درگزر کیا جائے گا اور اگر زیادہ لوگوں کی گردنوں کو پھلانگتا ہے تو مکروہ ہے۔ (المغنی لابن قدامہ ملخصا، فصل إذا أتی المسجد کرہ لہ أن یتخطی رقاب الناس، ج2، ص259، مکتبۃ القاہرہ)

شوافع کا مؤقف

علامہ ابوبکر بن محمد تقی الدین شافعی (متوفی 829ھ) فرماتے ہیں:

"جب کوئی شخص آئے اور امام خطبہ دے رہا ہو تو وہ لوگوں کی گردنوں کو نہیں پھلانگے گا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((من تخطی رِقَابَ النَّاسِ یَوْمَ الْجُمُعَةِ اتخذ جِسْرًا اِلٰی جَهَنَّم)) جو یوم جمعہ لوگوں کی

گردنوں کو پھلانگتا ہے وہ جہنم کی طرف پل بناتا ہے) اس میں امام مستثنیٰ ہے، اسی طرح وہ شخص مستثنیٰ ہے جس کے سامنے جگہ موجود ہو اور لوگوں کی گردنوں کو پھلانگے بغیر وہاں تک پہنچنے کا راستہ نہ ہو کیونکہ انہوں نے کشادگی بند نہ کر کے خود کتاہی کی ہے۔ لوگوں کی گردنیں پھلانگنے کی ممانعت حالتِ خطبہ کے ساتھ مختص نہیں بلکہ خطبہ سے پہلے بھی یہی حکم ہے۔"

(کفایۃ الاخیار فی حل غایۃ الاختصار، باب صلاۃ الجمعۃ، ج1، ص147، دار الخیر، دمشق)

باب نمبر 364

مَا جَاءَ فِی کَرَاهِيَةِ الاِحْتِبَاءِ وَالإِمَامُ يَخْطُبُ

امام کے خطبہ دیتے ہوئے احتباء کرنے کا مکروہ ہونا

514۔حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ حُمَيْدٍ الرَّازِيُّ، وَالْعَبَّاسُ بْنُ مُحَمَّدٍ الدُّورِيُّ، قَالَا: حَدَّثَنَا أَبُو عَبْدِ الرَّحْمَنِ الْمُقْرِءُ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي أَيُّوبَ قَالَ: حَدَّثَنِي أَبُو مَرْحُومٍ، عَنْ سَهْلِ بْنِ مُعَاذٍ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنِ الْحِبْوَةِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَالإِمَامُ يَخْطُبُ، قَالَ ابوعيسى: وَهَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ، وَأَبُو مَرْحُومٍ اسْمُهُ عَبْدُ الرَّحِيمِ بْنُ مَيْمُونٍ وَقَدْ كَرِهَ قَوْمٌ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ الْحِبْوَةَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَالإِمَامُ يَخْطُبُ، وَرَخَّصَ فِي ذَلِكَ بَعْضُهُمْ مِنْهُمْ: عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عُمَرَ، وَغَيْرُهُ، وَبِهِ يَقُولُ أَحْمَدُ، وَإِسْحَاقُ لَا يَرَيَانِ بِالْحِبْوَةِ وَالإِمَامُ يَخْطُبُ بَأْسًا

حدیث: حضرت سہل بن معاذ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جمعہ کے دن جب امام خطبہ دے رہا ہو تو احتباء کرنے سے منع فرمایا ہے۔

امام ترمذی فرماتے ہیں: اور یہ حدیث حسن ہے۔ اور ابو مرحوم کا نام عبد الرحیم بن میمون ہے، اور اہلِ علم کی ایک جماعت نے جمعہ والے دن حالتِ خطبہ میں احتباء کرنے سے منع فرمایا اور بعض نے اس بارے میں رخصت عطا فرمائی ہے، ان میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما وغیرہ ہیں، امام احمد اور امام اسحٰق رحمہما اللہ بھی اسی کے قائل ہیں وہ حالتِ خطبہ میں احتباء کرنے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے۔

شرح حدیث

احتباء کا معنی

علامہ زین الدین عبدالرحمٰن ابن رجب حنبلی (متوفی 795ھ) فرماتے ہیں:

"حبوہ یا احتباء کا مطلب ہے کہ سرین کے بل بیٹھنا، پنڈلیوں کو کھڑا کر لینا اور پنڈلیوں کے اردگرد کپڑا لپیٹ لینا یا پنڈلیوں کے اردگرد ہاتھوں سے دائرہ بنا لینا۔" (فتح الباری لابن رجب، باب ما یستر من العورۃ، ج2، ص399، مکتبۃ الغرباء الاثریہ، مدینہ منورہ)

دورانِ خطبہ احتباء سے ممانعت کی وجوہات

علامہ ابو سلیمان حمد بن محمد خطابی (متوفی 388ھ) فرماتے ہیں:

دورانِ خطبہ احتباء سے منع کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اس طرح بیٹھنا نیند کو لاتا ہے اور اس طرح بیٹھنا طہارت کو فساد پر پیش کرنا ہے جبکہ یہاں بیٹھنے کا حکم خطبہ و ذکر کو توجہ سے سننے کے لیے ہے۔

حدیث پاک میں اس بات پر بھی دلیل ہے کہ اس وقت دیوار وغیرہ سے ٹیک لگانا بھی مکروہ و ممنوع ہے کیونکہ اس میں بھی احتباء والی وجوہات پائی جا رہی ہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ۔

(معالم السنن، ومن باب الاحتباء والامام یخطب، ج1، ص248، المطبعۃ العلمیہ، حلب)

علامہ علی بن سلطان محمد القاری حنفی (متوفی 1014) فرماتے ہیں:

دورانِ خطبہ احتبا سے منع کی وجہ یہ ہے کہ

(1) اس طرح بیٹھنے سے نیند آئے گی جس کی وجہ وہ خطبہ نہیں سن سکے گا۔

(3) اور اس طرح بیٹھنا طہارت کو فساد پر پیش کرنا ہے یعنی کبھی ایسا ہوگا کہ وہ سونے کی حالت میں پہلو کے بل گرے گا اور اس کا وضو ٹوٹ جائے گا، اور وضو کرنے میں مشغول ہونا خطبہ سننے سے مانع ہوگا۔

(3) کہا گیا کہ (دورانِ خطبہ) اس طرح بیٹھنا متکبرین کا طریقہ ہے۔

(مرقاۃ المفاتیح، باب التنظیف والتبکیر، ج3، ص1037، دار الفکر، بیروت)

دورانِ خطبہ احتباء کرنے کے بارے میں مذاہب ائمہ

احناف کا مؤقف

امام محمد بن حسن شیبانی (متوفی 189ھ) فرماتے ہیں:

"میں نے پوچھا یوم جمعہ مسجد میں احتباء کرنے کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟ فرمایا: اگر چاہے تو کرے اور اگر چاہے تو نہ کرے۔" (الاصل للشیبانی، باب صلاۃ الجمعۃ، ج1، ص318، دار ابن حزم، بیروت)

علامہ ابو المحاسن یوسف بن موسیٰ حنفی (متوفی 803ھ) فرماتے ہیں:

"نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ یوم جمعہ دورانِ خطبہ احتباء کرنے سے منع فرمایا ہے اور صحابہ کرام کی ایک جماعت سے مروی ہے کہ وہ خطبہ کے دوران احتباء کیا کرتے تھے اور ان میں سے حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی ہیں، اور اس طرح کی نہی بعید ہے کہ ایک جماعت پر مخفی رہ جائے۔ ان میں تطبیق واللہ تعالیٰ اعلم یہ ہے کہ نہی محمول ہے دورانِ خطبہ احتباء اختیار کرنے پر، اس کی ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ اس میں خطبہ چھوڑ کر اس کے غیر میں مشغول ہونا ہے اور صحابہ کرام احتباء کرتے تھے خطبہ سے پہلے، اور جب امام خطبہ شروع کرتا تو وہ پہلے سے موجود احتباء والی حالت پر قائم رہتے، لہذا انہوں نے ممنوعہ فعل کے علاوہ کیا۔" (المعتصر من المختصر من مشکل الآثار، فی الاحتباء یوم الجمعۃ، ج1، ص86,87، عالم الکتب، بیروت)

مالکیہ کا مؤقف

علامہ محمد بن عبد اللہ الخرشی مالکی (متوفی 1101ھ) فرماتے ہیں:

"امام کے خطبہ کے دوران مقتدی کے لیے احتباء کرنا بغیر کراہت کے جائز ہے، ایسے ہی جب امام دو خطبوں کے درمیان بیٹھے تو اس کے لیے احتباء کرنا جائز ہے۔ اور احتباء کا مطلب یہ ہے کہ بیٹھنے والا اپنی پیٹھ اور گھٹنوں کے ارد گرد کپڑا لپیٹ لے اور یوں بھی ہو سکتا ہے کہ کپڑے کے بجائے ہاتھوں کو گھٹنوں کے گرد لپیٹ لے۔"

(شرح مختصر خلیل للخرشی، صلاۃ الجمعۃ، ج2، ص86، دار الفکر للطباعۃ، بیروت)

شوافع کا مؤقف

علامہ یحیی بن شرف النووی شافعی (متوفی 676ھ) فرماتے ہیں:

ابن منذر نے امام شافعی سے روایت کیا ہے کہ دورانِ خطبہ احتباء مکروہ نہیں، اور اسی پر صاحب البیان نے جزم کیا ہے، اور یہی ابن منذر نے حضرت ابن مسیّب، حسن بصری، عطا، ابن سیرین، ابو زبیر، سالم بن عبد اللہ، شریح القاضی، عکرمہ بن خالد، نافع، مالک، ثوری، اوزاعی، اصحاب رائے، احمد، اسحاق، ابو ثور سے نقل کیا ہے۔

بعض اصحاب حدیث نے اسے مکروہ قرار دیا ہے اس حدیث پاک کی وجہ سے جو اس بارے میں مروی ہے، اس کی سند میں کلام ہے۔

ابوداؤد نے اپنے سند کے ساتھ یعلی بن شداد بن اوس سے روایت کیا، یہ فرماتے ہیں: ((شَهِدْتُ مَعَ مُعَاوِيَةَ بَيْتَ الْمَقْدِسِ فَجَمَّعَ بِنَا فَنَظَرْتُ فَإِذَا جُلُّ مَنْ فِي الْمَسْجِدِ أَصْحَابُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَأَيْتُهُمْ مُحْتَبِينَ وَالْإِمَامُ يَخْطُبُ)) ترجمہ: میں حضرت معاویہ کے ساتھ بیت المقدس حاضر ہوا، انہوں نے ہمیں جمعہ پڑھایا مسجد میں اکثر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صحابہ تھے، میں نے انہیں دیکھا انہوں نے امام کے خطبہ کے دوران احتباء کیا ہوا تھا۔

ابوداؤد کہتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما امام کے خطبہ دینے کے دوران احتباء کرتے تھے، اور حضرت انس بن مالک ایسا کرتے تھے اور اسی طرح حضرت شریح، صعصعۃ بن صوحان، ابن مسیّب، نخعی، مکحول، اسماعیل بن محمد ابن سعد اور نعیم بن سلامہ بھی ایسا ہی کرتے تھے۔

ابوداؤد نے کہا: مجھ تک نہیں پہنچا کہ اسے کسی ایک نے مکروہ کہا ہو سوائے عُبادہ بن نسی کے، یہ ابوداؤد کا کلام ہے، ابوداؤد اور ترمذی نے اپنے اسناد کے ساتھ حضرت معاذ بن انس سے روایت کیا ہے کہ ((انَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنِ الْحَبْوَةِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَالْإِمَامُ يَخْطُبُ)) ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یوم جمعہ امام کے خطبہ دینے کے دوران احتباء سے منع فرمایا۔ امام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن ہے۔ لیکن اس کی سند میں دو راوی ضعیف ہیں، ہم اس کے حسن ہونے کو تسلیم نہیں کرتے۔ خطابی نے کہا کہ اس سے منع کیا گیا کیونکہ اس طرح بیٹھنا نیند لاتا ہے لہذا اس طرح بیٹھنا طہارت کو ٹوٹنے پر پیش کرنا ہوگا اور یہ خطبہ سننے سے بھی مانع ہوگا۔

(المجموع شرح المہذب، مسائل تتعلق بالجمعۃ، ج4، ص592، دار الفکر، بیروت)

حنابلہ کا مؤقف

علامہ علی بن سلیمان المرداوی حنبلی (متوفی 885ھ) فرماتے ہیں:

"صحیح مذہب پر دوران خطبہ احتباء مکروہ نہیں، اس پر امام احمد نے نص فرمائی ہے۔"

(الانصاف فی معرفۃ الراجح من الخلاف، باب صلاۃ الجمعۃ، ج2، ص396، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

علامہ موفق الدین ابن قدامہ حنبلی (متوفی 620ھ) فرماتے ہیں:

"خطبہ کے دوران احتباء کرنے میں کوئی حرج نہیں، یہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور ان کے علاوہ صحابہ کی ایک جماعت سے مروی ہے، اور یہی حضرت سعید بن مسیّب، حسن بصری، ابن سیرین، عطا، شریح، عکرمہ بن خالد، سالم، نافع، مالک، ثوری، اوزاعی، شافعی اور اصحاب رائے کا موقف ہے۔

ابوداؤد نے کہا: مجھ تک نہیں پہنچا کہ اسے کسی ایک نے مکروہ کہا ہو سوائے عُبادہ بن نسی کے، کیونکہ سہل بن معاذ سے مروی ہے کہ ((انَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نَھَی عَنِ الْحَبْوَۃِ یَوْمَ الْجُمُعَۃِ وَالْاِمَامُ یَخْطُبُ)) ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یوم جمعہ امام کے خطبہ دینے کے دوران احتباء سے منع فرمایا۔ اسے ابوداؤد نے روایت کیا ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت یعلی بن شداد بن اوس فرماتے ہیں: میں حضرت معاویہ کے ساتھ بیت المقدس حاضر ہوا، انہوں نے ہمیں جمعہ پڑھایا، مسجد میں اکثر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صحابہ تھے، میں نے انہیں دیکھا انہوں نے امام کے خطبہ کے دوران احتباء کیا ہوا تھا۔

اور حضرت ابن عمر اور حضرت انس نے ایسا ہی کیا، اور ہم نہیں جانتے کہ کسی نے ان کی مخالفت کی ہو تو یہ اجماع ہو گیا۔

اور دورانِ خطبہ احتباء کی ممانعت والی حدیث کی اسناد میں کلام ہے، یہ ابن المنذر نے کہا ہے۔

اور اولیٰ یہ ہے کہ دورانِ خطبہ احتباء کو ترک کیا جائے مذکورہ حدیث پاک کی وجہ سے اگرچہ یہ ضعیف ہے، اور اس وجہ سے بھی احتباء کو ترک کیا جائے کہ اس طرح بیٹھنے سے نیند آتی ہے، گرنے اور وضو ٹوٹنے کا خطرہ واندیشہ ہوتا ہے، لہذا اس کا ترک اولی ہے واللہ تعالیٰ اعلم اور حدیث پاک میں موجود نہی کو کراہت پر محمول کیا جائے اور صحابہ کے فعل کو اس پر محمول کیا جائے کہ ان تک یہ حدیث پاک نہیں پہنچی۔" (المغنی لابن قدامہ، فصل الاحتباء والامام یخطب، ج2، ص242، مکتبۃ القاہرہ)

باب نمبر 365

مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ رَفْعِ الأَيْدِي عَلَى المِنْبَرِ

منبر پر ہاتھوں کے بلند کرنے کا مکروہ ہونا

515۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ قَالَ: حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا حُصَيْنٌ، سَمِعْتُ عُمَارَةَ بْنَ رُوَيْبَةَ، وَبِشْرُ بْنُ مَرْوَانَ يَخْطُبُ، فَرَفَعَ يَدَيْهِ فِي الدُّعَاءِ، فَقَالَ عُمَارَةُ: قَبَّحَ اللَّهُ هَاتَيْنِ اليُدَيَّتَيْنِ القُصَيِّرَتَيْنِ، لَقَدْ رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَمَا يَزِيدُ عَلَى أَنْ يَقُولَ هَكَذَا، وَأَشَارَ هُشَيْمٌ بِالسَّبَّابَةِ، قال ابوعيسى: هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

حدیث: حضرت حصین سے روایت ہے، فرمایا: میں نے حضرت عمارۃ بن رویبہ رضی اللہ عنہ سے سنا کہ بشر بن مروان نے خطبہ دیتے ہوئے اپنے دونوں ہاتھ دعا میں اٹھائے تو عمارہ نے کہا: اللہ عزوجل ان دو چھوٹے ہاتھوں کو ذلیل کرے، کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس سے زیادہ نہیں کیا۔ اور ہشیم نے انگشتِ شہادت سے اشارہ کیا۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

شرح حدیث

ہاتھ اٹھانے سے کیا مراد ہے

علامہ عبدالرحمٰن ابن الجوزی (متوفی 597ھ) فرماتے ہیں:

"یہاں ہاتھ اٹھانے سے مراد منبر پر دعا کے لیے ہاتھ اٹھانا ہے، یہ حدیث پاک میں بھی مذکور ہے۔"

(کشف المشکل من حدیث الصحیحین، کشف المشکل من مسند عبدالمطلب الخ، ج4، ص224، دارالوطن، ریاض)

علامہ شرف الدین الحسین بن عبداللہ طیبی (متوفی 743ھ) فرماتے ہیں:

یہاں ہاتھ اٹھانے سے مراد تکلم وخطاب کے وقت ہاتھ اٹھانا مراد ہے جیسا کہ جوش کے وقت واعظین کا طریقہ ہے، اس بات کی تائید یہ جملہ بھی کررہا ہے کہ "انگشتِ شہادت سے اشارہ کیا"۔

(شرح المشکوۃ للطیبی، باب الخطبۃ والصلاۃ، ج4، ص1286، مکتبہ نزار مصطفی الباز، مکہ مکرمہ)

علامہ علی بن سلطان محمد القاری حنفی (متوفی 1014ھ) نے بھی علامہ طیبی کے حوالے سے یہ بات مرقاۃ میں نقل کی ہے۔

(مرقاۃ المفاتیح، باب الخطبۃ والصلاۃ، ج3، ص1049، دارالفکر، بیروت)

دونوں ہاتھوں کو قبیح کرنے سے مراد

علامہ علی بن سلطان محمد القاری حنفی (متوفی 1014ھ) فرماتے ہیں:

((اللہ عزوجل ان دو چھوٹے ہاتھوں کو قبیح کرے)) یہ اس کے لیے بددعا ہے یا اس کے فعل کی قباحت کے بارے میں خبر دینا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿تَبَّتْ یَدَآ اَبِیْ لَهَبٍ﴾ تباہ ہو جائیں ابولہب کے دونوں ہاتھ۔

(مرقاۃ المفاتیح، باب الخطبۃ والصلاۃ، ج3، ص1049، دارالفکر، بیروت)

دورانِ خطبہ دعا کے لیے ہاتھ اٹھانے میں مذاہب ائمہ

قاضی عیاض مالکی (متوفی 544ھ) فرماتے ہیں:

"اس میں اختلاف ہے، اسلاف کی ایک جماعت نے دوران خطبہ دعا میں ہاتھ اٹھانے کو مکروہ قرار دیا ہے اور یہ امام مالک کا قول ہے، ان کی دلیل یہی (اس باب کی) حدیث پاک ہے، اور دوسروں نے اجازت دی ہے اور یہ ہمارے بعض اصحاب کا قول ہے، ان کی دلیل یہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یوم جمعہ دوران خطبہ بارش کے لیے دعا میں ہاتھ بلند کیے ہیں۔" (اکمال المعلم، باب تخفیف الصلاۃ والخطبۃ، ج3، ص277، دار الوفا للطباعۃ النشر والتوزیع، مصر)

علامہ یحیی بن شرف النووی شافعی (متوفی 676ھ) فرماتے ہیں:

"اس حدیث پاک میں یہ ہے کہ خطبہ میں ہاتھ نہ اٹھانا سنت ہے اور یہ امام مالک اور ہمارے اصحاب وغیرہم کا قول ہے، قاضی نے بعض اسلاف اور بعض مالکیہ سے اس کی اباحت حکایت کی ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خطبہ جمعہ میں بارش کی طلب میں ہاتھ اٹھائے ہیں، پہلے والوں نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ یہ ہاتھ اٹھانا ایک عارضہ کی وجہ سے تھا۔ (شرح النووی علی مسلم، باب الجمعۃ الخ، ج6، ص162، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

علامہ محمود بدر الدین عینی حنفی (متوفی 855ھ) فرماتے ہیں:

"اس حدیث پاک میں یہ ہے کہ خطبہ میں ہاتھ نہ اٹھائے جائیں اور یہ امام مالک اور امام شافعی وغیرہما کا قول ہے اور بعض مالکیہ اور بعض سلف سے یہ حکایت کیا گیا کہ یہ مباح ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خطبۂ جمعہ میں بارش کی طلب کے لیے ہاتھ اٹھائے، پہلے قول والوں نے اس کا جواب یہ دیا کہ یہ ہاتھ اٹھانے ایک عارضہ کی وجہ سے تھا۔" (شرح ابی داؤد للعینی، باب رفع الیدین علی المنبر، ج4، ص445، مکتبۃ الرشد، ریاض)

علامہ منصور بن یونس البہوتی حنبلی (متوفی 1051ھ) فرماتے ہیں:

(امام کے لیے خطبہ میں دعا کرنے کی حالت میں ہاتھ اٹھانا مکروہ ہے) مجد نے کہا کہ یہ بدعت ہے مالکیہ اور شوافع وغیرہ کے موافق۔

(خطبہ میں دعا کرتے ہوئے اپنی انگلی کے ساتھ اشارہ کرنے میں کوئی حرج نہیں) کیونکہ امام احمد اور امام مسلم نے روایت کیا کہ حضرت عمارہ بن رویبہ نے بشر بن مروان کو اپنے دونوں ہاتھ خطبہ میں اٹھاتے دیکھا تو فرمایا: ((قَبَّحَ اللَّهُ هَاتَيْنِ الْيَدَيْنِ لَقَدْ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا يَزِيدُ أَنْ يَقُولَ بِيَدِهِ هَكَذَا وَأَشَارَ بِإِصْبَعِهِ

الْمُسَبِّحَةِ)) ترجمہ: اللہ عزوجل ان ہاتھوں کو ذلیل کرے، کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس سے زیادہ نہیں کیا۔ اور انگشتِ شہادت سے اشارہ کیا۔

(کشاف القناع، فصل یسن ان یخطب علی منبر، ج2، ص37، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

باب نمبر 366

مَا جَاءَ فِي أَذَانِ الْجُمُعَةِ

جمعہ کی اذان

516- حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ خَالِدٍ الْخَيَّاطُ، عَنِ ابْنِ أَبِي ذِئْبٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيدَ، قَالَ: كَانَ الْأَذَانُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَأَبِي بَكْرٍ، وَعُمَرَ، إِذَا خَرَجَ الْإِمَامُ، وَإِذَا أُقِيمَتِ الصَّلَاةُ، فَلَمَّا كَانَ عُثْمَانُ زَادَ النِّدَاءَ الثَّالِثَ عَلَى الزَّوْرَاءِ، قال ابوعيسى: هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

حدیث: حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے دور میں اذان اس وقت ہوتی تھی جب امام نکلتا اور نماز قائم کی جاتی، جب عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا دور آیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے مقام زوراء پر تیسری اذان کا اضافہ کیا۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

شرح حدیث

علامہ عبدالرحمن بن احمد بن رجب حنبلی (795ھ) فرماتے ہیں:

"یہ حدیث پاک اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ وہ اذان جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے دور میں تھی وہ وہی ہے جو امام کے منبر پر بیٹھے ہوئے امام کے سامنے ہوتی ہے۔"

(فتح الباری لابن رجب، باب الاذان یوم الجمعۃ، ج8،ص215،مکتبۃ الغرباء الاثریہ، المدینۃ المنورہ)

"زوراء" کون سی جگہ تھی

علامہ ابن رجب فرماتے ہیں:

"زوراء" یہ مدینہ منورہ کے بازار میں ایک جگہ کا نام ہے۔

(فتح الباری لابن رجب، باب الاذان یوم الجمعۃ، ج8،ص215،مکتبۃ الغرباء الاثریہ، المدینۃ المنورہ)

علامہ محمود بدرالدین عینی حنفی فرماتے ہیں:

"زوراء" یہ مدینہ منورہ میں مسجد کے قریب بازار میں ایک جگہ کا نام ہے، داؤدی نے کہا کہ وہ منارے کی طرح بلند جگہ ہے۔

(شرح ابی داؤد للعینی، باب النداء فی یوم الجمعۃ، ج4،ص426،مکتبۃ الرشد، ریاض)

علامہ علی قاری فرماتے ہیں:

یہ مدینہ منورہ کے بازار میں ایک جگہ ہے، تورپشتی نے کہا کہ سنن ابن ماجہ میں اس کی تفسیر نے فرمایا: یہ مدینہ منورہ کے بازار میں ایک گھر تھا مؤذنین اس کی چھت پر کھڑے ہوتے تھے۔ (مرقاۃ، باب الخطبۃ والصلاۃ، ج3،1041، دارالفکر، بیروت)

جمعہ کی پہلی اذان کو تیسری کہنے کی وجہ

علامہ محمود بدرالدین عینی حنفی فرماتے ہیں:

((حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مقام زوراء پر تیسری اذان کا اضافہ کیا)) اس کو تیسری اذان کا نام دیا گیا اس وجہ سے کہ اسی کو زیادہ گیا کیونکہ اول اذان وہ ہے جو امام کے منبر پر بیٹھتے وقت دی جاتی ہے اور دوسری اقامت ہے اور تیسری

اذان جوظہر کا وقت شروع ہونے کے وقت دی جاتی ہے۔اور اقامت پر اذان کا اطلاق کیا گیا وہ اس قبیل سے ہے جو حدیث پاک میں فرمایا:((بین کل أذانین صلاۃ لمن شاء))(ترجمہ: ہر دو اذانوں کے درمیان نماز ہے جو چاہے) یہاں دو اذانوں سے مراد اذان اور اقامت ہے۔

ہم نے یہ تاویل اس لیے کی تاکہ یہ لازم نہ آئے کہ اذانیں تین ہیں حالانکہ اذانیں تین نہیں ہیں۔اور اس وجہ سے کہ یہ لازم نہ آئے کہ حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے زمانے میں اذانیں دو ہوتی تھیں حالانکہ حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے زمانے میں جمعہ کی ایک ہی اذان ہوتی تھی۔پس تیسری اذان کو حضرت عثمان رضی اللہ تعالی عنہ نے اول یوم میں زیادہ کیا۔

(شرح ابی داؤد للعینی،باب النداء فی یوم الجمعۃ،ج4،ص425،مکتبۃ الرشد،ریاض)

علامہ عبدالرحمٰن بن احمد بن رجب حنبلی(795ھ)فرماتے ہیں:

"اس کو تیسری اذان اس وجہ سے کہا کہ اس کے سبب جمعہ کی تین اذانیں ہوگئیں(اقامت سمیت)،اگرچہ وقوع کے اعتبار سے یہ پہلی اذان ہے۔" (فتح الباری لابن رجب،باب الاذان یوم الجمعۃ،ج8،ص215،مکتبۃ الغرباء الاثریہ،المدینۃ المنورہ)

اذانِ ثانی کا جواب دینے کا حکم

اعلی حضرت امام احمد رضا خان حنفی فرماتے ہیں:

اذانِ ثانی کا جواب امام دے،مقتدیوں کو ہمارے امام کے نزدیک جائز نہیں،صاحبین اجازت دیتے ہیں۔ تبیین الحقائق میں اول کو احوط کہا اور نہایہ اور عنایہ میں ثانی کو واضح،تو عمل اول ہی پر ہے کہ وہی قولِ امام ہے،اور اگر کوئی ثانی پر عمل کرے تو اس سے بھی نزاع نہ چاہیئے کہ تصحیح اُس طرف بھی ہے۔ (فتاوی رضویہ،ج8،ص436،رضا فاؤنڈیشن،لاہور)

جمعہ کی اذان ثانی مسجد میں دینے کا حکم

فتاوی رضویہ میں اعلی حضرت سے سوال ہوا کہ "اذان ثانی جمعہ کے دن امام کے قریب اندر مسجد کے جو مروج ہے اس میں کراہت تحریمی ہے یا تنزیہی؟"

جواباً ارشاد فرمایا:

"علمائے کرام نے کراہت لکھی اور اسے مطلق رکھا اور مطلق کراہت غالباً کراہت تحریم پر محمول ہوتی ہے،سید

عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں اذان دروازہ مسجد پر ہوا کی، اور کبھی نہ حضور سے منقول نہ خلفائے رشدین سے کہ مسجد کے اندر اذان کہلوائی ہو، اور عادت کریمہ تھی کہ مکروہ تنزیہی کو بیان جواز کے لئے کبھی اختیار فرماتے پھر اس میں ترک ادب بارگاہ الٰہی ہے و العلم بالحق عند اللّٰہ۔" (فتاویٰ رضویہ، ج8، ص401,402، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

جمعہ کی اذان دروازۂ مسجد پر ہونے کے بارے میں یہ حدیث پاک ہے، حضرت سائب بن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں: ((كَانَ يُؤَذَّنُ بَيْنَ يَدَيْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا جَلَسَ عَلَى الْمِنْبَرِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ عَلَى بَابِ الْمَسْجِدِ، وَأَبِي بَكْرٍ، وَعُمَرَ)) ترجمہ: جب یوم جمعہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم منبر پر تشریف فرما ہوتے آپ کے سامنے مسجد کے دروازے پر اذان دی جاتی، اسی طرح حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے سامنے مسجد کے دروازے پر اذان ہوتی۔ (سنن ابی داؤد، باب النداء یوم الجمعۃ، ج1، ص285، المکتبۃ العصریہ، بیروت)

خارج مسجد اذان دینے میں محاذات امام نہ ہوتی ہو تو کیا کرے

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ سے کچھ اس طرح سوال ہوا کہ مسجد کی ہیئت ایسی ہے کہ جمعہ کی اذان ثانی اگر مسجد سے باہر دیں تو خطیب کے سامنے نہیں ہوگی تو اس کے جواب نے ارشاد فرمایا:

"یہاں دو سنتیں ہیں، ایک محاذات خطیب، دوسرے اذان کا مسجد سے باہر ہونا، جب ان میں تعارض ہو اور جمع ناممکن ہو تو ارجح کو اختیار کیا جائے گا کما ھو الضابطۃ المستمرۃ الغیر المنخرمۃ (جیسا کہ دائمی اور نہ ٹوٹنے والا ضابطہ ہے۔) یہاں ارجح واقوی سنت ثانیہ (یعنی مسجد سے باہر اذان دینا ہے) بوجوہ (کئی وجوہات سے):

اولاً مسجد میں اذان سے نہی ہے، قاضی خاں وخلاصہ وخزانۃ المفتین وفتح القدیر وبحر الرائق وبرجندی وعلمگیری میں ہے: لا یؤذن فی المسجد (مسجد میں اذان نہ دی جائے۔)

نیز فتح القدیر و نظم وطحطاوی علی المراقی وغیرہا میں مسجد کے اندر اذان مکروہ ہونے کی تصریح ہے اور ہر مکروہ منہی عنہ ہے، ردالمحتار میں قبیل احکام مسجد ہے: لا یلزم منہ ان یکون مکروھا الا بنھی خاص لان الکراھۃ حکم شرعی فلا بدلہ من دلیل (اس سے مکروہ ہونا لازم نہیں آتا مگر یہ کہ نہی خاص وارد ہو کیونکہ کراہت حکم شرعی ہے، لہٰذا اس کے لئے دلیل کا ہونا ضروری ہے)

اوراجتنابِ ممنوع، ایتانِ مطوب سے اہم واعظم ہے۔

اشباہ میں ہے:اعتناء الشرع بالمنهيات اشد من اعتنائه بالمامورات،ولذا قال صلى الله تعالى عليه وسلم اذا امرتكم بشيء فاتوا منه مااستطعتم وان نهيتكم عن شيء فاجتنبوه وروى في الكشف حديثا لترك ذرة مما نهى الله تعالى عنه افضل من عبادة الثقلين ومن ثم جاز ترك الواجب دفعا للمشقة ولم يسامح في الاقدام على المنهيات (شریعت کے ممنوعات کا اہتمام اس کے مامورات سے زیادہ ہے اسی لئے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جب میں تمہیں کسی شی ء کا حکم دوں تو اس کو استطاعت کے مطابق بجالاؤ اور اگر میں تمھیں کسی شی ء سے منع کروں تو اس سے بچو۔ الکشف میں یہ حدیث منقول ہے ایک ذرہ کے برابر اس کام سے رک جانا جس سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا، جن وانس کی عبادت سے بہتر ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ رفع مشقت کے لئے واجب کا ترک جائز ہوتا ہے لیکن ممنوعات پر عمل کی اجازت نہیں۔)

ثانیا محاذاتِ خطیب ایک مصلحت ہے، اور مسجد کے اندر اذان کہنا مفسدت، اور جلبِ مصلحت سے سلبِ مفسدت اہم ہے۔ اشباہ میں ہے:درء المفاسد اولى من جلب المصالح (مفاسد کا دفع کرنا مصالح کے حصول سے بہتر ہے۔)

وجہ مفسدت ظاہر ہے کہ دربار ملک الملوک جل جلالہ کی بے ادبی ہے شاہد اس کا شاہد ہے دربار شاہی میں اگر چوب دار عین مکانِ اجلاس میں کھڑا ہوا چلائے کہ دربار یو چلو سلام کو حاضر ہو، ضرور گستاخ بے ادب ٹھہرے گا، جس نے شاہی دربار نہ دیکھے ہوں وہ انھیں کچہریوں کو دیکھ لے کہ مدعی مدعا علیہ گواہوں کی حاضری کمرہ سے باہر پکاری جاتی ہے چپراسی خود کمرہ کچہری میں کھڑا ہو کر چلائے اور حاضریاں پکارے تو ضرور مستحق سزا ہو اور ایسے امور ادب میں شرعاً عرف معہود فی الشاہد ہی کا لحاظ ہوتا ہے محقق علی الاطلاق فتح القدیر میں فرماتے ہیں:يحال على المعهود من وضعها حال قصد التعظيم في القيام والمعهود في الشاهد منه تحت السرة (حالتِ قیام میں بقصد تعظیم جو معروف ہو اس کے مطابق ہاتھ باندھے جائیں گے اور جس معروف کا مشاہدہ ہے وہ یہی ہے کہ ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا ہے۔)

اسی بناء پر علماء نے تصریح فرمائی کہ مسجد میں جوتا پہنے جانا بے ادبی ہے حالانکہ صدرِ اول میں یہ حکم نہ تھا، فتاویٰ

سراجیہ وفتاوی عالمگیری میں ہے:دخول المسجد متنعلا مکروہ (مسجد میں جوتا پہن کر داخل ہونا مکروہ ہے۔)

عمدۃ المفتین وردالمحتار میں ہے:دخول المسجد متنعلا من سوء الادب (مسجد میں جوتا پہن کر داخل ہونا بے ادبی ہے۔)

مسئلہ اولٰی یعنی ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے میں کوئی حدیث موافق نہ تھی اور ثانیہ میں حدیث برخلاف تھی بایں ہمہ امورِ ادب میں عرفِ شاہد کا اعتبار فرمایا تو جہاں خود حدیث بھی موافق ہی موجود ہے، ادب معروف کا لحاظ نہ کرنا کس درجہ گستاخی وبیباکی ہے، معہذ احدیث نے مسجد میں چلّانے سے بھی منع فرمایا ہے، بحر الرائق وردالمحتار میں ہے:اخرج المنذری مرفوعا جنبوا مساجد کم صبیانکم ومجانینکم وبیعکم وشرائکم ورفع اصواتکم۔قلت رواہ ابن ماجۃ عن واثلۃ ابن الاسقع رضی اللہ تعالٰی عنہ وعبدالرزاق فی مصنفہ بسند اسلم عن معاذ بن جبل رضی اللہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔(امام منذری نے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا اپنی مسجدوں کو اپنے بچوں اور دیوانوں اور خرید وفروخت اور آواز بلند کرنے سے بچاؤ، میں کہتا ہوں اسے ابن ماجہ نے حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ تعالٰی عنہ اور امام عبدالرزاق نے مصنف میں محفوظ سند سے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اور انھوں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کیا ہے)

تو اس ادب کی طرف خود حدیث میں ارشاد موجود ہے اور علماء نے اس ممانعت کو ذکر کے لئے بھی عام ہونے کی تصریح فرمائی، درمختار میں ہے:یحرم فیہ (ای فی المسجد) السوال ویکرہ الاعطاء ورفع صورت بذکر الا للمتفقھۃ (مسجد میں سوال کرنا حرام ہے اور دینا مکروہ ہے اور ذکر کے لئے آواز کو بلند کرنا بھی، البتہ دین پڑھانے اور سمجھانے والا آواز بلند کرسکتا ہے۔)

تو اصل منع ہے جب تک ثبوت نہ ہو جیسے اقامت وقراءت نماز، لیکن یہاں شارع علیہ الصلوۃ والسلام سے اندرون مسجد اذان کا ہرگز ثبوت نہیں، تو اگر کچھ اور دلیل نہ ہوتی اسی قدر اس کے بے ادبی وممنوع ہونے کو بس تھا بلکہ شرع مطہر نے مسجد کو ہر ایسی آواز سے بچانے کا حکم فرمایا ہے جس کے لئے مساجد کی بنا نہ ہو، صحیح مسلم شریف میں ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:((مَنْ سَمِعَ رَجُلًا یَنْشُدُ ضَالَّۃً فِی الْمَسْجِدِ فَلْیَقُلْ لَا رَدَّھَا اللہُ

عَلَيْكَ فَاِنَّ الْمَسَاجِدَ لَمْ تُبْنَ لِهٰذَا)) (جوگمی ہوئی چیز کومسجد میں دریافت کرے اس سے کہو اللہ تیری گمی چیز تجھے نہ ملائے مسجدیں اس لئے نہیں بنیں۔) (صحیح مسلم، باب نہی من اکل ثوما الخ، ج1، ص397، داراحیاء التراث العربی، بیروت)

حدیث میں حکم عام ہے اور فقہ نے بھی عام رکھا، درمختار وغیرہ میں ہے: کرہ انشاد ضالة (گمشدہ شے کا مسجد میں اعلان کرنا مکروہ ہے۔) تو اگر کسی کا مصحف شریف گم گیا اور وہ تلاوت کے لئے مسجد میں پوچھتا ہے اُسے بھی یہی جواب ہوگا کہ مسجدیں اس لئے نہ بنیں، اگر اذان دینے کے لئے اس کی بنا ہوتی تو ضرور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مسجد کے اندر ہی اذان دلواتے یا کبھی کبھی تو اس کا حکم فرماتے، مسجد جس کیلئے بنی زمانہ اقدس میں اسی کا مسجد میں ہونا کبھی ثابت نہ ہو یہ کیونکر معقول، تو وجہ وہی ہے کہ اذان حاضری دربار پکارنے کو ہے اور خود دربار حاضری پکارنے کو نہیں بنتا، ہمارے بھائی اگر گردنیں عظمتِ الٰہی کے حضور جھکا کر آنکھیں بند کرکے براہ انصاف نظر فرمائیں تو جو بات ایک منصف یا جنٹ کی کچہری میں نہیں کرسکتے احکم الحاکمین عزجلالہ کے دربار کو اُس سے محفوظ رکھنا لازم جانیں نہ کہ حدیث کا وہ ارشاد پھر کتب معتمدہ فقہ کی یہ صریح تصریحات کہ مسجد میں اذان منع ہے سب کچھ دیکھیں اور ایک رواج پر اڑے رہیں، ذی انصاف بھائیو! یہ آپ کی شان نہیں۔

ثالثاً محاذات خطیب ایک اختلافی سنت ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے یہاں نقل مختلف ہے بکثرت ائمہ مالکیہ اذانِ ثانی جمعہ کے رُوئے بروئے خطیب ہونے ہی کو بدعت بتاتے ہیں، وہ فرماتے ہیں یہ اذان بھی منارہ ہی پر ہوتی تھی جیسے پنجگانہ کی اذان۔

علامہ خلیل ابن اسحٰق مالکی توضیح فرماتے ہیں: اختلف النقل هل كان يؤذون بين يديه صلى الله تعالیٰ علیه وسلم اوعلى المنار الذى نقله اصحابنا انه كان على المنار۔ نقله ابن القاسم عن مالك فى المجموعة ونقل ابن عبدالبر فى كافيه عن مالك ان الاذان بين يدى الامام ليس من الامر القديم (نقل میں اختلاف ہے کہ کیا اذان نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے دی جاتی تھی یا اس منار پر جس کے بارے میں ہمارے اصحاب نے نقل کیا کہ اذان منار پر ہوتی تھی، اسے ابن القاسم نے "مجموعہ" میں امام مالک سے نقل کیا اور شیخ ابن عبدالبر نے کافی میں امام مالک سے نقل کیا کہ امام کے سامنے اذان دینا امر قدیم نہیں ہے۔)

امام ابن الحاج مکی مالکی مدخل میں فرماتے ہیں:ان السنة فی اذان الجمعة اذاصعد الامام علی المنبر ان یکون المؤذن علی المنار کذلك کان علی عهد النبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم و ابی بکر و عمر و صدرامن خلافة عثمٰن رضی اللہ تعالی عنهم ثم زاد عثمٰن رضی اللہ تعالی عنہ اذاناً اٰخر بالزوراء وهو موضع بالسوق وابقی الاذان الذی کان علی عهد رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم علی المنار والخطیب علی المنبر اذ ذاك ثم لما تولی هشام نقل الاذان الذی کان علی المنار حین صعود الامام علی المنبر بین یدیه۔(ملخصاً) (جمعہ کی اذان میں سنت یہ ہے کہ جب امام منبر پر بیٹھ جائے تو مؤذن منار پر اذان دے، یہی طریقہ جناب رسالت مآب صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی ظاہری حیات اور حضرت ابوبکر وحضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالی عنہم کے ابتدائی دور میں تھا، پھر حضرت عثمان رضی اللہ تعالی عنہ نے ایک اور اذان کا اضافہ فرمایا جو بازار میں مقامِ زوراء پر دی جاتی تھی اور حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم والی اذان کو منار پر ہی باقی رکھا اور اس وقت خطیب منبر پر ہوتا، پھر جب ہشام والی بنے تو جو اذان منار پر ہوتی تھی اسے منبر پر چڑھنے کے وقت منبر کے سامنے کردیا۔)

یہاں تک کہ فرمایا:فقد بان ان فعل ذلك فی المسجد بین یدی الخطیب بدعة فیتمسك بعض الناس بهاتین البدعتین ثم صار کانه سنة معمول بها ولیس له اصل فی الشرع وانماهی عوائد وقع الاستئناس بها فصار المنکر لها کانه یاتیببدعة علی زعمهم،فانالله وانا الیه راجعون علی قلب الحقائق اه مختصرا (یعنی روشن ہوا کہ اس اذان کا مسجد میں خطیب کے سامنے کہنا بدعت ہے جسے ابتداءً بعض لوگوں نے اختیار کیا پھر اس کا ایسا رواج پڑ گیا گویا وہ سنت ہے حالانکہ شرع مطہر میں اس کی کچھ اصل نہیں وہ تو یہی ایک عادت ہے کہ لوگوں کے جی اس میں لگ گئے تو جو اس پر انکار کرے ان کے زعم میں گویا وہی بدعت نکالتا ہے تو انا للہ وانا الیہ راجعون حق، لوگوں میں کیسا اُلٹا ہو گیا کہ حق کو باطل، باطل کو حق سمجھنے لگے اھ مختصراً)

بخلاف اذانِ مسجد، کہ مالکیہ بھی اسے ممنوع جانتے ہیں۔ مدخل میں ہے:فصل فی النهی عن الاذان فی المسجد فیمنع من الا ذان فی جوف المسجد لوجوه،احدها انه لم یکن من فعل من مضی الخ (مسجد میں اذان ممنوع ہونے کے بیان میں فصل، مسجد میں اذان کئی وجہ سے منع ہے ان میں سے ایک وجہ یہ ہے کہ اسلاف کا طریقہ

نہیں رہاالخ)

تو ثابت ہوا کہ اذانِ بیرونِ مسجد ہونا ہی محاذاتِ خطیب سے اہم و اعظم و اکد والزم ہے تو جہاں دونوں نہ پڑیں محاذاتِ خطیب سے درگزریں اور منارہ یا فصیل وغیرہ پر یہ اذان بھی مسجد سے باہر ہی دیں ھذا کلہ ماظھر لی والعلم بالحق عند ربی (یہ تمام مجھ پر واضح ہوا اور حق کا علم میرے رب کے پاس ہے۔) واللہ سبحٰنہ و تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم (فتاوی رضویہ، ج8، ص405 تا 411، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

نماز جمعہ کی طرف سعی کے وقت میں مذاہب ائمہ

احناف کا مؤقف

علامہ زین الدین ابن نجیم مصری حنفی (متوفی 970ھ) فرماتے ہیں:

(واجب ہوجاتا ہے سعی کرنا اور خرید و فروخت کو ترک کرنا اذانِ اول سے) کیونکہ اللہ تعالٰی فرماتا ہے: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَ ذَرُوا الْبَيْعَ﴾ ترجمہ: اے ایمان والو! جب نماز کی اذان ہو جمعہ کے دن تو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑو اور خرید و فروخت چھوڑ دو۔ (الجمعۃ، آیت9)

اذان اول کا اعتبار اس وجہ سے کیا گیا کہ اس سے اعلام و اعلان حاصل ہوجاتا ہے اور یہ بات واضح ہے کہ یہ اذان زوال کے بعد ہوتی ہے کیونکہ زوال سے پہلے ہونے والی اذان اذان ہی نہیں اور یہی قول مذہب میں صحیح ہے۔ اور کہا گیا کہ سعی میں اعتبار اذان ثانی کا ہے جو کہ منبر کے سامنے ہوتی ہے کیونکہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے زمانے میں صرف یہی اذان ہوتی تھی، یہ قول ضعیف ہے کیونکہ وجوبِ سعی میں اگر اذانِ ثانی اعتبار کریں گے تو سنت قبلیہ اور خطبہ سننے پر قدرت نہ ہوگی بلکہ کبھی ایسا ہوگا کہ جمعہ فوت ہونے کا خطرہ پیدا ہوجائے گا۔ صحیح بخاری میں سائب بن یزید سے روایت ہے، فرمایا: ((كان النداء ليوم الجمعة أوله إذا جلس الإمام على المنبر على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم وأبي بكر وعمر فلما كان عثمان وكثر الناس زاد النداء الثالث على الزوراء)) رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے دور میں اذان اس وقت ہوتی تھی جب امام منبر پر بیٹھ جاتا تھا جب عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا دور آیا اور لوگ کثیر ہوگئے تو آپ رضی اللہ عنہ نے مقام زوراء پر تیسری اذان کا اضافہ کیا۔ امام بخاری نے

فرمایا کہ زوراء مدینہ کے بازار میں ایک جگہ ہے...... اور خرید وفروخت سے مراد ہر وہ چیز ہے جو سعی سے رکاوٹ بنے یہاں تک کہ اگر خرید وفروخت کے علاوہ کسی دوسرے کام کی وجہ سے بھی سعی سے رک گیا تو یہ بھی مکروہ وممنوع ہوگا ایسا ہی السراج الوہاج میں ہے۔ (بحرالرائق، السعی وترک البیع بالاذان الاول للجمعۃ، ج2، ص169,168، دارالکتاب الاسلامی، بیروت)

مالکیہ کا موقف

علامہ ابومحمد عبداللہ بن ابی زید القیر وانی مالکی (متوفی 386ھ) فرماتے ہیں:

نمازِ جمعہ کی طرف سعی فرض ہے، اور یہ امام کے منبر پر بیٹھنے کے وقت ہے اور اس وقت ہے جب مؤذن اذان شروع کردیں، اور سنت متقدمہ یہ ہے کہ مؤذن اس وقت منار پر چڑھیں اور اذان دیں۔ اور اس وقت خرید وفروخت اور ہر وہ چیز جو سعی سے غافل کرے حرام ہے، اور یہ اذانِ ثانی ہے جسے بنوامیہ نے شروع کیا۔

(الرسالۃ للقیروانی، باب فی صلاۃ الجمعۃ، ج1، ص46,47، دارالفکر، بیروت)

حنابلہ کا موقف

علامہ موفق الدین ابن قدامہ حنبلی (متوفی 620ھ) فرماتے ہیں:

(جب مؤذن اذان شروع کریں اور یہ اذان جو خرید وفروخت کو منع کرنے والی اور سعی کو لازم کرنے والی ہے، سوائے اس شخص کے کہ جس کا گھر دور ہے، پس اس پر اس وقت سے سعی کرنا لازم ہے کہ یہ نمازِ جمعہ پالے۔)

امام کے منبر پر بیٹھنے کے بعد اذان کی مشروعیت پر کوئی اختلاف نہیں، حضرت سائب بن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں: ((كَانَ النِّدَاءُ إِذَا صَعِدَ الْإِمَامُ عَلَى الْمِنْبَرِ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ، فَلَمَّا كَانَ عُثْمَانُ كَثُرَ النَّاسُ، فَزَادَ النِّدَاءَ الثَّالِثَ عَلَى الزَّوْرَاءِ)) (رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے عہد میں جب امام منبر پر چڑھ جاتا اس وقت اذان ہوتی، حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں لوگ کثیر ہوگئے تو انہوں نے زوراء کے مقام پر تیسری اذان کا اضافہ کیا۔) اسے امام بخاری نے روایت کیا ہے۔

بہرحال ماتن کا یہ قول کہ یہ اذان جو خرید وفروخت کو منع کرنے والی اور سعی کو لازم کرنے والی ہے، یہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ

نے اذان کے بعد سعی کا حکم فرمایا اور خرید وفروخت سے منع کیا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَ ذَرُوا الْبَیْعَ﴾ ترجمہ: اے ایمان والو جب نماز کی اذان ہو جمعہ کے دن تو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑو اور خرید وفروخت چھوڑ دو۔ (الجمعہ، آیت 9)

اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عہد میں جو اذان ہوتی تھی وہ یہی اذان تھی جو کہ امام کے منبر پر بیٹھنے کے بعد دی جاتی ہے، لہذا حکم اس کے ساتھ متعلق ہوگا اس کے علاوہ کے ساتھ متعلق نہیں ہوگا۔ اس میں کوئی فرق نہیں کہ یہ اذان زوال سے پہلے ہو یا بعد میں۔

قاضی نے امام احمد سے ایک روایت یہ حکایت کی ہے کہ یومِ جمعہ خرید وفروخت زوال شمس کے بعد حرام ہوتی ہے اگرچہ امام منبر پر نہ بیٹھے۔ یہ روایت صحیح نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے سعی کو اذان ونداء پر معلق کیا ہے، نہ کہ وقت پر۔ کیونکہ اس سے مقصود نمازِ جمعہ کا پانا ہے اور وہ اس سے حاصل ہوگا جو ہم نے ذکر کیا ہے، نہ کہ اس سے جو انہوں نے ذکر کیا، اور اگر خرید وفروخت کا حرام ہونا وقت پر معلق ہو تو پھر زوال کا اختصاص نہیں ہوگا کیونکہ اس سے ماقبل بھی وقت ہے۔

بہر حال جس کا اتنا گھر دور ہو کہ اذان کے وقت سے سعی کرکے جمعہ نہ پا سکے تو اس کا اس وقت میں سعی کرنا ضروری ہے کہ نمازِ جمعہ پا سکے کیونکہ جمعہ فرض ہے اور اس سے پہلے سعی اس کو پانے کی ضرورت کی وجہ سے واجب وضروری ہے اور جس کے بغیر واجب کی تمامیت نہ ہو سکے تو وہ چیز بھی واجب ہی ہوتی ہے۔

(المغنی لابن قدامہ، کتاب صلاۃ الجمعۃ، فصل تحریم البیع ووجوب السعی الخ، ج2، ص220، مکتبۃ القاہرہ)

شوافع کا موقف

"جب دو آدمی یومِ جمعہ آپس میں خرید وفروخت کریں اور ان دونوں پر نمازِ جمعہ فرض ہو یا دونوں میں سے ایک پر فرض ہو، پس اگر وہ زوال سے پہلے خرید وفروخت کریں تو مکروہ نہیں اور اگر زوال کے بعد کریں مگر امام کے ظاہر ہونے سے پہلے کریں یا اس کے منبر پر بیٹھنے سے پہلے کریں یا مؤذن کے خطیب کے سامنے اذان شروع کرنے سے پہلے کریں تو مکروہ تنزیہی ہے اور اگر امام کے منبر پر بیٹھنے کے بعد کریں اور مؤذن کے اذان شروع کرنے کے بعد کریں تو بائع (بیچنے والے) اور مشتری (خریدنے والے) دونوں پر بیع کرنا (خرید وفروخت کرنا) حرام ہے چاہے ان دونوں پر جمعہ فرض ہو یا

دونوں میں سے ایک پر فرض ہو، اور بیع باطل نہیں ہوگی، اس سب کی دلیل کتاب میں ہے۔

اور جو "بندنیجی" اور "صاحبِ عُدّہ" نے کہا کہ جب ان دونوں میں سے ایک اہل فرض میں سے ہو اور دوسرے پر جمعہ فرض نہ ہو تو صاحبِ فرض پر بیع کرنا حرام ہوگا جبکہ دوسرے کے لیے مکروہ ہے، یہ قول شاذ اور باطل ہے، اور درست یہی ہے کہ دونوں کے لیے حرام ہونے پر جزم کیا جائے اس پر امام شافعی نے کتاب الام میں نص فرمائی ہے اور اصحاب اس پر متفق ہیں۔ اور ہمارے اصحاب نے کہا کہ مؤذن کے صرف اذان شروع کرنے ہی سے تحریم حاصل ہو جائے گی آیت کریمہ کے ظاہر کی وجہ سے، پس اگر امام کے منبر پر بیٹھنے سے پہلے مؤذن نے اذان دے دی تو خرید وفروخت مکروہ ہوگی، حرام نہیں ہوگی اس پر امام شافعی نے نص فرمائی ہے اور اصحاب اس پر متفق ہیں اور اسے ابن صباح نے نص سے نقل کیا ہے، متولی اور دوسروں نے اس کی تصریح کی ہے۔

اور ہم نے جو خرید وفروخت کو حرام قرار دیا ہے وہ اس کے حق میں ہے جو جامع مسجد کے علاوہ کہیں بیٹھا ہو، بہر حال وہ شخص کہ جس نے اذان سنی اور فوراً نمازِ جمعہ کے قصد سے کھڑا ہو گیا اور اس نے راستے میں چلتے ہوئے بغیر رکے خرید وفروخت کی یا وہ شخص جو جامع مسجد میں بیٹھا ہے اس نے خرید وفروخت کی تو اس کے لیے حرام نہیں مگر مکروہ ہے، متولی وغیرہ نے اس کی صراحت کی ہے، اور یہی ظاہر ہے کیونکہ مقصود یہ ہے کہ سعی چھوڑنے کی وجہ جمعہ نہ چھوٹ جائے ....

خرید وفروخت کے علاوہ عقود، صنعتیں اور ہر وہ کام جو جمعہ کی طرف سعی سے رکاوٹ ہو حرام ہے، یہ متفق علیہ ہے، شیخ نے اپنی تہذیب میں اس کی صراحت کی ہے اور یہ تحریم نمازِ جمعہ کی فراغت تک باقی رہتی ہے۔"

(المجموع شرح المہذب، باب صلاۃ الجمعۃ، ج4، ص500، دار الفکر، بیروت)

باب نمبر 367

مَا جَاءَ فِى الْكَلَامِ بَعْدَ نُزُولِ الْإِمَامِ مِنَ الْمِنْبَرِ

امام کے منبر سے اترنے کے بعد کلام کرنا

517- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو دَاوُدَ الطَّيَالِسِيُّ قَالَ: حَدَّثَنَا جَرِيرُ بْنُ حَازِمٍ، عَنْ ثَابِتٍ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُكَلَّمُ بِالْحَاجَةِ إِذَا نَزَلَ عَنِ الْمِنْبَرِ، قَالَ ابو عيسىٰ: هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ جَرِيرِ بْنِ حَازِمٍ، سَمِعْتُ مُحَمَّدًا يَقُولُ: وَهِمَ جَرِيرُ بْنُ حَازِمٍ فِي هٰذَا الْحَدِيثِ، وَالصَّحِيحُ مَا رُوِيَ عَنْ ثَابِتٍ، عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: أُقِيمَتِ الصَّلَاةُ فَأَخَذَ رَجُلٌ بِيَدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمَا زَالَ يُكَلِّمُهُ حَتَّى نَعَسَ بَعْضُ الْقَوْمِ، وَالْحَدِيثُ هُوَ هٰذَا، وَجَرِيرُ بْنُ حَازِمٍ رُبَّمَا يَهِمُ فِي الشَّيْءِ، وَهُوَ صَدُوقٌ، قَالَ مُحَمَّدٌ: وَهِمَ جَرِيرُ بْنُ حَازِمٍ فِي حَدِيثِ ثَابِتٍ، عَنْ أَنَسٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِذَا أُقِيمَتِ الصَّلَاةُ فَلَا تَقُومُوا حَتَّى تَرَوْنِي

قَالَ مُحَمَّدٌ: وَيُرْوَى عَنْ حَمَّادِ بْنِ زَيْدٍ، قَالَ: كُنَّا عِنْدَ ثَابِتٍ الْبُنَانِيِّ، فَحَدَّثَ حَجَّاجٌ الصَّوَّافُ، عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي قَتَادَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

حدیث: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرمایا: نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب منبر سے اترتے تو بضرورت کلام فرماتے۔

امام ترمذی فرماتے ہیں: یہ حدیث غریب ہے جسے ہم جریر بن حازم کی سند سے ہی جانتے ہیں۔ میں نے محمد بخاری کو فرماتے ہوئے سنا: جریر بن حازم کو اس حدیث کے حوالے سے وہم ہوا اور صحیح حدیث وہ ہے کہ جو حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بواسطہ ثابت مروی ہے فرمایا: نماز قائم کی گئی تو ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ہاتھ مبارک تھاما تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس سے کلام کرتے رہے حتیٰ کہ بعض قوم اونگھنے لگی۔ اور حدیث وہ یہی ہے اور جریر بن حازم کو کبھی وہم ہو جایا کرتا تھا اور وہ صدوق ہیں۔ محمد بن اسماعیل بخاری کہتے ہیں: جریر بن حازم کو نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بواسطہ انس اور ثابت رضی اللہ عنہما روایت کردہ حدیث میں وہم ہوا ہے، فرمایا: ”جب نماز قائم کی جائے تو کھڑے نہ ہوا کرو حتیٰ کہ تم مجھے دیکھ لو۔“

محمد بخاری کہتے ہیں: عبد اللہ بن ابو قتادہ اپنے والد سے وہ نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں: ”جب نماز قائم کی جائے تو کھڑے نہ ہوا کرو حتیٰ کہ

وَسَلَّمَ قَالَ :إِذَا أُقِيمَتِ الصَّلَاةُ فَلَا تَقُومُوا حَتَّى تَرَوْنِي فَوَهِمَ جَرِيرٌ، فَظَنَّ أَنَّ ثَابِتًا حَدَّثَهُمْ، عَنْ أَنَسٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

مجھے دیکھ لو۔"

تو جریر کو وہم ہوا تو انہوں نے یہ گمان کیا کہ بے شک ثابت نے ان کو بواسطہ انس رضی اللہ عنہ نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے حدیث بیان کی۔

518۔حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ الْخَلَّالُ قَالَ :حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ قَالَ :أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ، عَنْ ثَابِتٍ، عَنْ أَنَسٍ، قَالَ :لَقَدْ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ مَا تُقَامُ الصَّلَاةُ يُكَلِّمُهُ الرَّجُلُ، يَقُومُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْقِبْلَةِ فَمَا يَزَالُ يُكَلِّمُهُ ، وَلَقَدْ رَأَيْتُ بَعْضَهُمْ يَنْعَسُ مِنْ طُولِ قِيَامِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَهُ، قال ابوعيسىٰ:وَهَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

حدیث: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا:"میں نے نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نماز کے بعد ایک شخص سے گفتگو کرتے ہوئے دیکھا، وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور قبلہ کے درمیان کھڑا تھا تو وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کرتا رہا اور میں نے بعض لوگوں کو دیکھا کہ وہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے طولِ قیام کی وجہ سے اونگھنے لگے۔"امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

شرح حدیث

اس باب کی حدیث پاک سے خطبہ کے بعد نماز سے پہلے بوقت حاجت کلام کرنے کی اجازت ثابت ہوتی ہے ،یہ امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل، امام ابو یوسف اور امام محمد کا مؤقف ہے، جبکہ امام اعظم کا مؤقف یہ ہے کہ امام کے منبر پر بیٹھنے سے لے کر اختتام نماز تک کلام کرنا ممنوع ہے۔

(فتح الباری لابن رجب ملخصا، باب الکلام اذا اقیمت الصلاۃ، ج5،ص444،مکتبۃ الغرباء الاثریہ، المدینۃ المنورہ)

فتاوی رضویہ میں ہے:

"امام ثانی عالمِ ربانی قاضی الشرق والغرب حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک انھیں صرف بحالتِ خطبہ سکوت واجب، قبل شروع وبعد ختم وبین الخطبتین دعا وغیرہ کلامِ دینی کی اجازت دیتے ہیں، اور امام الائمہ، مالک الازمہ، حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ خروجِ امام سے ختم نماز تک عند التحقیق دینی ودنیوی ہر طرح کے کلام، یہاں تک کہ امر بالمعروف وجوابِ سلام، بلکہ مخلِ استماع (یعنی خطبہ سننے میں رکاوٹ بننے والے) ہر قسم کے کام سے منع فرماتے ہیں، اگرچہ کلام آہستہ ہو اگرچہ خطیب سے دور بیٹھا ہو کہ خطبہ سُننے میں نہ آتا ہو، امام ثالث محرر المذہب محمد بن الحسن رحمہ اللہ تعالیٰ بین الخطبتین میں امام اعظم اور قبل وبعد میں امام ابو یوسف کے ساتھ ہیں۔

(فتاوی رضویہ، جلد8،صفحہ480،رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

امام اعظم کے مؤقف پر دلائل

امام اعظم کا مؤقف درج ذیل احادیث سے ثابت ہوتا ہے:

(1) حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں مجھے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((مَا مِنْ رَجُلٍ يَتَطَهَّرُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ كَمَا أُمِرَ، ثُمَّ يَخْرُجُ مِنْ بَيْتِهِ حَتَّى يَأْتِيَ الْجُمُعَةَ وَيُنْصِتُ حَتَّى يَقْضِيَ صَلَاتَهُ إِلَّا كَانَ كَفَّارَةً لِمَا قَبْلَهُ مِنَ الْجُمُعَةِ)) ترجمہ: جو شخص یومِ جمعہ طہارت حاصل کرے جیسا حکم دیا گیا، پھر اپنے گھر سے نکلے یہاں تک نمازِ جمعہ کے لیے آئے اور خاموش رہے یہاں تک نماز مکمل کرلے تو یہ اس کے جمعہ سے

ماقبل گناہوں کے لیے کفارہ ہو جائے گا۔ (سنن نسائی، باب فضل الانصات وترک اللغو یوم الجمعۃ، ج3، ص104، مکتب المطبوعات الاسلامیہ، حلب)

(2) یوم جمعہ قبولیت کی ساعت کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((هِيَ مَا بَيْنَ أَنْ يَجْلِسَ الْإِمَامُ إِلَى أَنْ تُقْضَى الصَّلَاةُ)) ترجمہ: یہ ساعت امام کے منبر پر بیٹھنے سے لے کر اختتامِ نماز کے درمیان ہوتی ہے۔ (صحیح مسلم، باب فی الساعۃ التی فی یوم الجمعۃ، ج2، ص584، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

جب یہ وقت ساعتِ قبولیت ہے تو یہ وقت ذکر ودعا کا ہے، نہ کہ گفتگو کرنے کا، اسی وجہ سے قاضی ابو بکر ابن العربی نے فرمایا کہ میرے نزدیک اصح یہ ہے کہ اس وقت میں کلام نہ کیا جائے کیونکہ امام مسلم نے روایت کیا ہے کہ یومِ جمعہ ساعتِ مستجابہ امام کے منبر پر بیٹھنے سے نماز کے قائم ہونے تک ہے تو مناسب ہے کہ اس وقت میں صرف ذکر اور تضرع ہو۔ (عارضۃ الاحوذی شرح جامع الترمذی، ج2، ص308، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

اس باب کی حدیث پاک کا جواب

اس باب کی حدیث پاک کا مکمل جواب امام ترمذی نے امام بخاری کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ امام بخاری فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے بیان کرنے میں جریر کو اس بات میں وہم ہوا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم منبر سے اترے تو حاجت کی وجہ سے کلام فرمایا اور یہی حدیث ثابت نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ نماز کھڑی ہوئی تو ایک آدمی نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ہاتھ تھاما، تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس سے کلام کرتے رہے حتی کہ بعض قوم اونگھنے لگی۔

اس حدیث پاک میں یہ بات نہیں کہ وہ منبر سے اترے بلکہ حدیث کا ظاہر یہ ہے کہ یہ نمازِ عشا تھی، اس پر دلیل یہ قول ہے: یہاں تک کہ بعض قوم اونگھنے لگی۔

اور جریر اگرچہ صدوق ہیں مگر ان کو وہم ہو جاتا ہے اس کی ایک مثال امام بخاری نے یہ دی کہ جریر کو اس حدیث پاک ((إِذَا أُقِيمَتِ الصَّلَاةُ فَلَا تَقُومُوا حَتَّى تَرَوْنِي)) کے روایت کرنے میں وہم ہوا ہے کہ انہوں نے اسے ثابت عن انس روایت کیا ہے جبکہ ثابت نے حضرت انس سے یہ روایت بیان نہیں کی، بلکہ پورا واقعہ یہ ہے کہ حماد بن زید سے روایت کیا گیا، وہ کہتے ہیں کہ ہم ثابت بن بنانی کے پاس موجود تھے تو حجاج الصواف نے عن یحیی بن ابی کثیر، عن عبد اللہ بن ابی قتادہ عن ابیہ یہ روایت بیان کی۔

اس سے جزیر کو وہم ہوا اور انہوں نے سمجھا کہ یہ روایت ثابت نے بیان کی ہے اور کیونکہ ثابت حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں تو انہوں نے اسے ثابت عن انس روایت کر دیا۔

باب نمبر 368

مَا جَاءَ فِي الْقِرَاءَةِ فِي صَلَاةِ الْجُمُعَةِ

نمازِ جمعہ میں قراءت کرنا

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ قَالَ: حَدَّثَنَا حَاتِمُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ، عَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي رَافِعٍ، مَوْلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: اسْتَخْلَفَ مَرْوَانُ أَبَا هُرَيْرَةَ عَلَى الْمَدِينَةِ، وَخَرَجَ إِلَى مَكَّةَ، فَصَلَّى بِنَا أَبُو هُرَيْرَةَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ، "فَقَرَأَ سُورَةَ الْجُمُعَةِ، وَفِي السَّجْدَةِ الثَّانِيَةِ: إِذَا جَاءَكَ الْمُنَافِقُونَ "، قَالَ عُبَيْدُ اللَّهِ: فَأَدْرَكْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ فَقُلْتُ لَهُ: تَقْرَأُ بِسُورَتَيْنِ كَانَ عَلِيٌّ يَقْرَأُ بِهِمَا بِالْكُوفَةِ؟ قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ: إِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ بِهِمَا وَفِي الْبَابِ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ، وَالنُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ، وَأَبِي عِنَبَةَ الْخَوْلَانِيِّ، قَالَ ابوعيسى: حَدِيثُ أَبِي هُرَيْرَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَرُوِيَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ كَانَ يَقْرَأُ فِي صَلَاةِ الْجُمُعَةِ بِسَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى، وَهَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ الْغَاشِيَةِ

حدیث: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے غلام عبید اللہ بن ابو رافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا: مروان نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو مدینہ منورہ پر خلیفہ بنایا اور مکہ مکرمہ کی جانب نکل گیا تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ہمیں جمعہ کے دن نماز پڑھائی تو انہوں نے سورہ جمعہ کی تلاوت فرمائی اور دوسری رکعت میں میں سورہ منافقون کی، عبید اللہ کہتے ہیں کہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو ملا تو میں نے کہا: آپ رضی اللہ عنہ نے وہ دو سورتیں پڑھیں کہ جنہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کوفہ میں پڑھا کرتے تھے تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ دو سورتیں قراءت کرتے ہوئے سنا ہے۔

اور اس باب میں حضرت عبد اللہ بن عباس، حضرت نعمان بن بشیر اور حضرت ابوعنبہ خولانی رضی اللہ عنہم سے بھی روایات مروی ہیں۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث حسن صحیح ہے۔ اور نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کی نماز میں ''سبح اسم ربک الاعلیٰ'' اور ''هل اتاک حديث الغاشیہ'' تلاوت فرماتے تھے۔

شرح حدیث

علامہ یحیی بن شرف النووی شافعی (متوفی 676ھ) فرماتے ہیں:

((رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نمازِ جمعہ کی پہلی رکعت میں سورۂ جمعہ اور دوسری رکعت میں سورۂ منافقون پڑھا کرتے تھے))اس حدیث پاک میں نمازِ جمعہ کی دو رکعتوں میں ان دو سورتوں کے پڑھنے کا استحباب ہے، علماء فرماتے ہیں: سورۂ جمعہ کی قراءت میں حکمت یہ ہے کہ یہ سورت وجوبِ جمعہ اور اس کے دیگر احکام پر مشتمل ہے، اس کے علاوہ اس میں اس بارے میں قواعد ہیں، اس میں توکل اور ذکر پر ابھارا گیا ہے وغیرذلک، اور سورۂ منافقون کی قراءت میں نمازِ جمعہ کے حاضرین میں سے جو منافقین ہیں ان کو توبیخ ہے اور اس میں ان کو توبہ کرنے پر تنبیہ ہے، اور اس کے علاوہ اس میں اس بارے میں جو قواعد ہیں ان کا ذکر ہے، کیونکہ اس جگہ سے زیادہ ان کا اکٹھ کہیں نہیں ہوتا۔

(شرح النووی علی مسلم، باب الجمعۃ، ج6، ص166، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

علامہ محمود بدرالدین عینی حنفی (متوفی 855ھ) فرماتے ہیں:

"ان دو سورتوں کے پڑھنے میں حکمت یہ ہے کہ سورۂ جمعہ وجوبِ جمعہ اور اس کے دیگر احکام پر مشتمل ہے، اور سورۂ منافقون کی قراءت میں حاضرین میں سے جو منافقین ہیں ان کو توبیخ ہے اور ان کو توبہ پر تنبیہ ہے اور اس کے علاوہ اس میں دیگر قواعد کا بیان ہے، کیونکہ منافقین کا جمعہ سے زیادہ اکٹھ کہیں نہیں ہوتا۔"

(شرح ابی داؤد للعینی، باب ما یقرأ فی صلاۃ الجمعۃ، ج4، ص404، مکتبۃ الرشد، ریاض)

نماز جمعہ میں قراءت کے بارے میں مذاہب ائمہ

احناف کا موقف

علامہ زین الدین ابن نجیم مصری حنفی (متوفی 970ھ) فرماتے ہیں:

"اگر نماز جمعہ کی پہلی رکعت میں سورہ جمعہ اور دوسری میں سورہ منافقون یا پہلی میں سَبِّحِ اسْمَ اور دوسری میں ھَلْ اَ

تک پڑھے تو بہتر ہے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فعل سے تبرک لیتے ہوئے، مگر ہمیشہ انھیں کو نہ پڑھے کبھی کبھی اور سورتیں بھی پڑھے کہ کہیں یہ ہمیشگی باقی قرآن کے ہجر (ترک) کی طرف نہ لے جائے اور عام لوگ اسے ضروری نہ سمجھ لیں۔"

(بحر الرائق، باب صلاۃ الجمعۃ، ج2، ص169,170، دار الکتاب الاسلامی، بیروت)

مالکیہ کا موقف

علامہ ابن رشد قرطبی مالکی (متوفی 595ھ) لکھتے ہیں:

"اکثر فقہاء کے نزدیک نمازِ جمعہ میں سنت قراءت یہ ہے کہ پہلی رکعت میں سورۃ الجمعۃ کی تلاوت کرے کیونکہ اس کی تکرار نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فعل میں موجود ہے، امام مسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا: ((انَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقْرَأُ فِي الرَّكْعَةِ الْأُولَى بِالْجُمُعَةِ وَفِي الثَّانِيَةِ إِذَا جَاءَكَ الْمُنَافِقُونَ)) ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نماز جمعہ میں پہلی رکعت میں سورۂ جمعہ اور دوسری رکعت میں اذا جاءک المنافقون پڑھا کرتے تھے۔

اور امام مالک نے روایت کیا کہ ضحاک بن قیس نے نعمان بن بشیر سے سوال کیا: ((مَاذَا كَانَ يَقْرَأُ بِهِ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ عَلَى أَثَرِ سُورَةِ الْجُمُعَةِ)) ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یوم جمعہ سورۂ جمعہ کے بعد کون سی سورت پڑھتے تھے۔ تو انہوں نے جواب دیا: ((كَانَ يَقْرَأُ بِهَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ الْغَاشِيَةِ)) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ھل اتاک حدیث الغاشیۃ پڑھتے تھے۔

امام مالک نے اس حدیث پر عمل مستحب قرار دیا ہے، اور اگر ﴿سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى﴾ تلاوت کی تو ان کے نزدیک حسن ہے کیونکہ یہ حضرت عمر بن عبد العزیز سے مروی ہے۔"

(بدایۃ المجتہد، الفصل الثالث فی ارکان الجمعۃ، ج1، ص173، دار الحدیث، القاہرہ)

شوافع کا موقف

علامہ ابراہیم بن علی بن یوسف شیرازی شافعی (متوفی 476ھ) فرماتے ہیں:

"سنت یہ ہے کہ نمازِ جمعہ کی پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورۂ جمعہ کی قراءت کرے اور دوسری رکعت میں

سورۂ منافقون کی تلاوت کرے، کیونکہ حضرت عبداللہ بن ابی رافع سے روایت ہے، فرماتے ہیں: ((استخلف مروان أبا هريرة على المدينة فصلى بالناس الجمعة فقرأ بالجمعة والمنافقين فقلت :يا أبا هريرة قرأت سورتين سمعت علياً قرأهما قال :سمعت حبيبي أبا القاسم صلى الله عليه وسلم قرأهما)) ترجمہ: مروان نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو مدینہ منورہ پر خلیفہ بنایا تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو جمعہ کے دن نماز پڑھائی تو انہوں نے سورہ جمعہ اور سورہ منافقون کی تلاوت کی، میں نے کہا: آپ نے وہ دو سورتیں پڑھیں کہ جنہیں میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو پڑھتے سنا ہے تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے اپنے محبوب آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ دو سورتیں قراءت کرتے ہوئے سنا ہے۔" (المهذب فی فقہ الامام الشافعی، باب صلاۃ الجمعۃ، ج1، ص212، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

حنابلہ کا موقف

علامہ موفق الدین ابن قدامہ حنبلی (متوفی 620ھ) فرماتے ہیں:

مستحب ہے کہ نمازِ جمعہ کی پہلی رکعت میں سورۂ جمعہ اور دوسری رکعت میں سورۂ منافقون پڑھے، یہی امام شافعی اور ابو ثور کا موقف ہے کیونکہ حضرت عبید اللہ بن ابی رافع سے مروی ہے، فرماتے ہیں: ((صَلَّى بِنَا أَبُو هُرَيْرَةَ الْجُمُعَةَ فَقَرَأَ سُورَةَ الْجُمُعَةِ فِي الرَّكْعَةِ الْأُولَى، وَفِي الرَّكْعَةِ الْآخِرَةِ :إِذَا جَاءَكَ الْمُنَافِقُونَ. فَلَمَّا قَضَى أَبُو هُرَيْرَةَ الصَّلَاةَ أَدْرَكْتُهُ، فَقُلْتُ:يَا أَبَا هُرَيْرَةَ إِنَّكَ قَرَأْتَ بِسُورَتَيْنِ كَانَ عَلِيٌّ يَقْرَأُ بِهِمَا بِالْكُوفَةِ .قَالَ:إِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ بِهِمَا فِي الْجُمُعَةِ)) ترجمہ: ہمیں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نمازِ جمعہ پڑھائی تو انہوں نے پہلی رکعت میں سورۂ جمعہ پڑھی اور دوسری رکعت میں سورۂ منافقون پڑھی، جب حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نماز مکمل کی تو میں ان کے پاس پہنچا اور عرض کیا: آپ رضی اللہ عنہ نے وہ دو سورتیں پڑھیں کہ جنہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کوفہ میں پڑھا کرتے تھے تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ دو سورتیں قراءت کرتے ہوئے سنا ہے۔ اسے امام مسلم نے تخریج کیا ہے۔

اور اگر دوسری رکعت میں سورۂ غاشیہ پڑھی تو حسن ہے کہ ضحاک میں قیس نے نعمان بن بشیر سے سوال کیا: ((مَاذَا كَانَ يَقْرَؤُهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ، عَلَى إِثْرِ سُورَةِ الْجُمُعَةِ فَقَالَ:كَانَ يَقْرَأُ بِ هَلْ أَتَاكَ

حَدِيثُ الْغَاشِيَةِ)) ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نمازِ جمعہ میں سورۂ جمعہ کے بعد کون سی سورت پڑھتے تھے تو انہوں نے ارشاد فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم "ھل اتاک حدیث الغاشیۃ" پڑھتے تھے۔ اسے امام مسلم نے تخریج کیا ہے۔

اور اگر پہلی رکعت میں "سبح" اور دوسری رکعت میں "غاشیہ" پڑھی تو (بھی) حسن ہے، حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ((كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي الْعِيدَيْنِ، وَفِي الْجُمُعَةِ بِ "سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى" وَ "هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ الْغَاشِيَةِ، فَإِذَا اجْتَمَعَ الْعِيدُ وَالْجُمُعَةُ فِي يَوْمٍ وَاحِدٍ، قَرَأَ بِهِمَا أَيْضًا فِي الصَّلَاتَيْنِ)) ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عیدین اور نماز جمعہ میں "سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى" اور "هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ الْغَاشِيَةِ" کی تلاوت فرماتے تھے، اور اگر عید اور جمعہ ایک دن میں اکٹھے ہو جاتے تو بھی دونوں نمازوں میں یہی دونوں سورتیں تلاوت فرماتے۔ اسے امام مسلم نے روایت کیا ہے۔

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں: ((انَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقْرَأُ فِي صَلَاةِ الْجُمُعَةِ بِ (سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى) وَ (هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ الْغَاشِيَةِ) مَعًا)) ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نمازِ جمعہ میں "سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى" اور "هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ الْغَاشِيَةِ" کی تلاوت فرماتے تھے۔ اسے امام ابوداؤد اور امام نسائی نے روایت کیا ہے۔

(المغنی لابن قدامہ، مسألۃ یصلی بھم الجمعۃ رکعتین یقرأ فی کل رکعۃ الحمد للہ وسورۃ، ج2، ص230,231، مکتبۃ القاہرہ)

باب نمبر 369

مَا جَاءَ فِيمَا يَقْرَأُ فِي صَلَاةِ الصُّبْحِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ

جمعہ کے دن صبح کی نماز میں قراءت

520- حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ قَالَ: أَخْبَرَنَا شَرِيكٌ، عَنْ مُخَوَّلِ بْنِ رَاشِدٍ، عَنْ مُسْلِمٍ الْبَطِينِ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فِي صَلَاةِ الْفَجْرِ: تَنْزِيلُ السَّجْدَةَ، وَهَلْ أَتَى عَلَى الْإِنْسَانِ "وَفِي الْبَابِ عَنْ سَعْدٍ، وَابْنِ مَسْعُودٍ، وَأَبِي هُرَيْرَةَ: حَدِيثُ ابْنِ عَبَّاسٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ، وَقَدْ رَوَى سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ، وَغَيْرُ وَاحِدٍ عَنْ مُخَوَّلٍ

حدیث: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جمعہ والے دن فجر کی نماز میں سورۂ ''تنزیل السجدہ'' اور ''وھل اتی علی الانسان'' تلاوت فرماتے تھے۔

اور اس باب میں حضرت سعد اور حضرت ابن مسعود اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم سے بھی روایات مروی ہیں۔

امام ترمذی فرماتے ہیں: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث حسن صحیح ہے۔ اور امام سفیان ثوری اور بہت سے محدثین نے مخول سے اسے روایت کیا ہے۔

شرح حدیث

علامہ یحیی بن شرف النووی شافعی (متوفی 676ھ) فرماتے ہیں:

"اس میں ہمارے مذہب اور ہمارے موافقین کے مذہب پر دلیل ہے کہ یومِ جمعہ کی نمازِ فجر میں یہ دونوں سورتیں (سورۂ "تنزیل السجدہ" اور سورۂ "وھل اتی علی الانسان") پڑھنا مستحب ہے، اور اس بات پر بھی دلیل ہے کہ نماز میں آیت سجدہ کی قراءت مکروہ نہیں اور نماز میں سجدۂ تلاوت کرنا بھی مکروہ نہیں۔

امام مالک اور بعض دوسرے لوگوں نے اسے مکروہ قرار دیا ہے یہ لوگ ان احادیث صحیحہ صریحہ جو کہ حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے مروی ہیں کی بنا پر مغلوب الدلیل ہیں۔"

(شرح النووی علی مسلم، باب الجمعۃ، ج6،ص168، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

علامہ نووی کا مذکورہ بالا قول ذکر کرنے کے بعد علامہ بدرالدین عینی حنفی (متوفی 855ھ) فرماتے ہیں:

میں کہتا ہوں کہ جب یوم جمعہ کی نمازِ فجر میں ان دونوں سورتوں کو اتباعِ سنت کی نیت سے پڑھے تو ہمارے نزدیک بھی مستحب ہے، بہر حال قرآن میں کچھ بھی علی وجہ التعیین پڑھنا (اس طور پر کہ یہاں یہی پڑھنا ہے) مکروہ ہے کیونکہ اس میں باقی کو قصداً ترک کرنا ہے۔ (شرح ابی داود للعینی، باب ما یقرأ فی صلاۃ الصبح یوم الجمعۃ، ج4،ص404، مکتبۃ الرشد، ریاض)

علامہ محمد بن عبد الہادی سندی حنفی (متوفی 1138ھ) فرماتے ہیں:

"ہمارے علماء فرماتے ہیں کہ اس حدیث پاک میں ان سورتوں پر ہمیشگی اختیار کرنے پر کوئی دلالت موجود نہیں، ہاں یومِ جمعہ کی نمازِ فجر میں ان کی قراءت ثابت ہے اور مناسب و بہتر ہے کہ اس نماز میں ان کی قراءت کی جائے اور یہ اچھا نہیں کہ ہر تقدیر پر مداومت کی جائے، البتہ اس نماز میں ان دونوں سورتوں کے پڑھنے پر مداومت ان کے ترک پر مداومت سے بہتر ہے۔" (حاشیۃ السندی علی سنن ابن ماجہ، باب القراءۃ فی صلاۃ الفجر یوم الجمعۃ، ج1،ص273، دار الجیل، بیروت)

قاضی عیاض مالکی (متوفی 544ھ) فرماتے ہیں:

امام مالک نے مدونہ میں مکروہ قرار دیا کہ امام فرض نماز میں آیتِ سجدہ کی قراءت کرے، علت یہ بیان کی کہ اس

سے لوگوں پر ان کی نماز مختلط ہو جائے گی، اور امام مالک کے اصحاب میں سے بعض متاخرین نے کہا کہ نماز کے سجدے شرعاً محصور ہیں تو سجدے کی زیادتی تحدید فی السجود کے منافی ہے، اور کہا گیا کہ یہ جہری نماز میں جائز ہے، اور جب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آیت سجدہ کی قراءت کی اور سجدہ بھی کیا اور اس وقت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم امامت فرما رہے تھے تو یہ اس قول کے لیے حجت ہے۔ (اکمال المعلم بفوائد مسلم، باب مایقرأفی یوم الجمعۃ، ج3، ص284,285، دار الوفاء للطابعۃ النشر والتوزیع، مصر)

علامہ ابن دقیق العید (متوفی 702ھ) فرماتے ہیں:

اس میں دلیل ہے کہ یومِ جمعہ کی نمازِ فجر میں یہ دونوں سورتیں (سورۂ "تنزیل السجدہ" اور سورۂ "ھل اتی علی الانسان") پڑھنا مستحب ہے، امام مالک نے فرض نماز میں آیت سجدہ کی قراءت کو مکروہ قرار دیا ہے کہ کہیں مقتدیوں پر معاملہ مشتبہ نہ ہو جائے، ان کے بعض اصحاب نے کراہت کو سری نماز کے ساتھ خاص کیا ہے، اس طور پر یہ قول اس حدیث کے مقتضٰی کے خلاف نہیں۔

اور اس پر ہمیشگی اختیار کرنا ایک دوسرا معاملہ ہے، کبھی ایسا ہوگا کہ یہ مواظبت جہال کو اس اعتقاد کی طرف لے جائے گی کہ اس نماز میں یہ سورتیں پڑھنا فرض ہے اور امام مالک کے مذہب میں اس چیز کو جڑ سے ختم کرنا ہے، مگر اس پر یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ مالکیہ کا کراہت کا قول مطلق ہے جس کا حدیث پاک انکار کرتی ہے، زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ جہاں اس مفسدہ کا اندیشہ ہو وہاں کبھی کبھار ترک کر دیا جائے، اور اس حدیث پاک میں ایسا کچھ نہیں کہ جو اقتضائے قوی کے ساتھ اس کے ہمیشہ کرنے کا مقتضٰی ہو، ہر حال میں یہ مستحب ہی ہوگا اور مستحب مفسدہ متوقعہ کی وجہ سے ترک کیا جا سکتا ہے اور یہ مقصود بعض اوقات ترک کرنے سے حاصل ہو جائے گا بالخصوص جب جہال اور وہ لوگ موجود ہوں جن کے اس اعتقاد فاسد میں پڑنے کا اندیشہ ہو۔

(احکام الاحکام شرح عمدۃ الاحکام، حدیث کان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یقرأفی صلاۃ الفجر الخ، ج1، ص339,340، مطبعۃ السنۃ المحمدیہ)

علامہ منصور بن یونس البہوتی حنبلی (متوفّی 1051ھ) فرماتے ہیں:

سنت یہ ہے کہ یومِ جمعہ کی نماز فجر کی پہلی رکعت میں "الم سجدہ" اور دوسری رکعت میں "ھل اتی" پڑھے، اس پر امام احمد کی نص ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس نماز میں ان دو سورتوں کو پڑھا کرتے تھے، شیخ تقی الدین نے

فرمایا کہ یوم جمعہ کی نمازِ فجر میں یہ سورتیں مستحب ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہ دونوں سورتیں زمین وآسمان اور انسان کی تخلیق کی ابتداء سے لے کر دخولِ جنت ونار تک کو شامل ہیں۔ (کشاف القناع،فصل صلاۃ الجمعۃ رکعتان،ج2،ص38،دارالکتب العلمیہ،بیروت)

باب نمبر 370

مَا جَاءَ فِي الصَّلاَةِ قَبْلَ الْجُمُعَةِ وَبَعْدَهَا

جمعہ سے قبل و بعد نماز پڑھنا

521- حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ، عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ، عَنْ الزُّهْرِيِّ، عَنْ سَالِمٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ كَانَ يُصَلِّي بَعْدَ الْجُمُعَةِ رَكْعَتَيْنِ وَفِي الْبَابِ عَنْ جَابِرٍ، قال ابوعيسى: حَدِيثُ ابْنِ عُمَرَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ، وَقَدْ رُوِيَ عَنْ نَافِعٍ، عَنْ ابْنِ عُمَرَ أَيْضًا، وَالْعَمَلُ عَلَى هَذَا عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ، وَبِهِ يَقُولُ الشَّافِعِيُّ، وَأَحْمَدُ

حدیث: حضرت سالم اپنے والد سے وہ نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے بعد دو رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔

اور اس باب میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے بھی روایت مروی ہے۔

امام ترمذی فرماتے ہیں: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث حسن صحیح ہے اور یہ حدیث نافع اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے اور اسی پر بعض اہلِ علم کے ہاں عمل ہے اور امام شافعی اور امام احمد اسی کے قائل ہیں۔

522- حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ قَالَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ ابْنِ عُمَرَ، أَنَّهُ كَانَ إِذَا صَلَّى الْجُمُعَةَ انْصَرَفَ فَصَلَّى سَجْدَتَيْنِ فِي بَيْتِهِ، ثُمَّ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصْنَعُ ذَلِكَ، قال ابوعيسى: هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

حدیث: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب آپ رضی اللہ عنہما جمعہ کی نماز پڑھ کر فارغ ہوئے تو دو رکعات اپنے گھر میں ادا فرمائیں پھر ارشاد فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوں ہی کیا کرتے تھے۔

امام ترمذی فرماتے ہیں: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

523- حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ سُهَيْلِ بْنِ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ كَانَ مِنْكُمْ مُصَلِّيًا بَعْدَ الْجُمُعَةِ

حدیث: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: تم میں سے جو کوئی جمعہ کے بعد نماز پڑھے تو وہ چار رکعت پڑھے۔

امام ترمذی فرماتے ہیں: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

سفیان بن عیینہ سے بواسطہ حسن بن علی اور علی بن مدینی

فَلْيُصَلِّ أَرْبَعًا ،قال ابو عيسى:هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ حَدَّثَنَا الحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ قَالَ: حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ المَدِينِيِّ، عَنْ سُفْيَانَ بْنِ عُيَيْنَةَ، قَالَ: كُنَّا نَعُدُّ سُهَيْلَ بْنَ أَبِي صَالِحٍ ثَبْتًا فِي الحَدِيثِ وَالعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ العِلْمِ

مروی ہے کہ ہم سہیل بن ابو صالح کو حدیث میں مضبوط شمار کرتے تھے اور بعض اہلِ علم کے ہاں اسی پر عمل ہے۔

وَرُوِيَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ:أَنَّهُ كَانَ يُصَلِّي قَبْلَ الجُمُعَةِ أَرْبَعًا، وَبَعْدَهَا أَرْبَعًا

اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ جمعہ سے قبل و بعد چار چار رکعات ادا فرمایا کرتے تھے۔

وَرُوِيَ عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ أَنَّهُ:أَمَرَ أَنْ يُصَلَّى بَعْدَ الجُمُعَةِ رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ أَرْبَعًا ، وَذَهَبَ سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ، وَابْنُ المُبَارَكِ إِلَى قَوْلِ ابْنِ مَسْعُودٍ وقَالَ إِسْحَاقُ :إِنْ صَلَّى فِي المَسْجِدِ يَوْمَ الجُمُعَةِ صَلَّى أَرْبَعًا، وَإِنْ صَلَّى فِي بَيْتِهِ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ ، وَاحْتَجَّ بِأَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّي بَعْدَ الجُمُعَةِ رَكْعَتَيْنِ فِي بَيْتِهِ،وَلِحَدِيثِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :مَنْ كَانَ مِنْكُمْ مُصَلِّيًا بَعْدَ الجُمُعَةِ فَلْيُصَلِّ أَرْبَعًا

اور حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے جمعہ کے بعد دو رکعتیں، پھر چار رکعتیں پڑھنے کا حکم ارشاد فرمایا۔

اور امام سفیان ثوری اور امام عبد اللہ بن مبارک رضی اللہ عنہما کا میلان حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے قول کی جانب ہے۔اور امام اسحٰق رحمہ اللہ کہتے ہیں: اگر جمعہ کے دن مسجد میں نماز پڑھے تو چار پڑھے اور اگر گھر میں پڑھے تو دو رکعت پڑھے اور انہوں نے اس بات سے استدلال کیا کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے بعد اپنے گھر میں دو رکعتیں پڑھا کرتے تھے اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کی بنا پر کہ ''جو تم میں جمعہ کے بعد نماز پڑھے تو وہ چار رکعات پڑھے۔''

وَابْنُ عُمَرَ هُوَ الَّذِي رَوَى عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ كَانَ يُصَلِّي بَعْدَ الجُمُعَةِ رَكْعَتَيْنِ فِي بَيْتِهِ وَابْنُ عُمَرَ بَعْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى فِي المَسْجِدِ بَعْدَ الجُمُعَةِ رَكْعَتَيْنِ، وَصَلَّى بَعْدَ الرَّكْعَتَيْنِ أَرْبَعًا "، حَدَّثَنَا بِذَلِكَ ابْنُ أَبِي عُمَرَ

اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جنہوں نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ روایت کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے بعد دو رکعتیں اپنے گھر میں پڑھا کرتے تھے۔اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے جمعہ والے دن نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مسجد میں دو رکعات ادا فرمائیں اور دو کے بعد چار رکعات ادا فرمائیں۔

قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ، عَنْ ابْنِ جُرَيْجٍ، عَنْ عَطَاءٍ، قَالَ: رَأَيْتُ ابْنَ عُمَرَ صَلَّى بَعْدَ الْجُمُعَةِ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ صَلَّى بَعْدَ ذَلِكَ أَرْبَعًا

حدیث: عطاء سے مروی ہے فرمایا: میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو دیکھا کہ آپ رضی اللہ عنہما نے جمعہ کے بعد دو رکعتیں ادا کیں پھر اس کے بعد چار رکعتیں ادا کیں۔

حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الْمَخْزُومِيُّ قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ، عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ، قَالَ: مَا رَأَيْتُ أَحَدًا أَنَصَّ لِلْحَدِيثِ مِنَ الزُّهْرِيِّ، وَمَا رَأَيْتُ أَحَدًا الدَّنَانِيرُ وَالدَّرَاهِمُ أَهْوَنُ عَلَيْهِ مِنْهُ إِنْ كَانَتِ الدَّنَانِيرُ وَالدَّرَاهِمُ عِنْدَهُ بِمَنْزِلَةِ الْبَعْرِ: سَمِعْتُ ابْنَ أَبِي عُمَرَ، قَالَ: سَمِعْتُ سُفْيَانَ بْنَ عُيَيْنَةَ يَقُولُ: كَانَ عَمْرُو بْنُ دِينَارٍ أَسَنَّ مِنَ الزُّهْرِيِّ

عمرو بن دینار سے مروی ہے فرمایا: میں نے کسی کو زہری سے زیادہ کسی کو حدیث پہچاننے والا نہیں دیکھا اور میں نے ان سے زیادہ کسی کو نہیں دیکھا جس پر دراہم ودنانیر کا معاملہ آسان ہو، اگر دراہم ودنانیر ان کے ہاں مینگنیوں کی قائم مقام تھے۔ میں نے ابن ابی عمر سے سنا، وہ کہتے ہیں میں نے سفیان بن عیینہ سے سنا وہ فرماتے ہیں عمرو بن دینار، زہری سے عمر میں زیادہ تھے۔

شرح حدیث

علامہ محمود بدرالدین عینی حنفی (متوفی 855ھ) فرماتے ہیں:

"مسلم کی روایت میں ہے:((اذا صلی أحدکم الجمعة فلیصل بعدها أربعاً))(جب تم سے کوئی جمعہ پڑھے تو اس کے بعد چار رکعتیں پڑھے)اور ایک روایت میں ہے:((إذا صلیتم بعد الجمعة فصلوا أربعاً))(جب تم فرضِ جمعہ کے بعد نماز پڑھو تو چار رکعتیں پڑھو)اور ایک روایت میں ہے:((من کان منکم مصلیاً بعد الجمعة فلیصل أربعاً))(جب تم سے کوئی فرضِ جمعہ کے بعد نماز پڑھے تو چار رکعتیں پڑھے)اسے ترمذی،نسائی اور ابن ماجہ نے بھی روایت کیا ہے،اور ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے اور بعض اہل علم کے نزدیک اس پر عمل ہے۔

میں کہتا ہوں کہ یہی امام اعظم اور امام محمد کا قول ہے اور امام ابو یوسف کا قول یہ ہے کہ چار رکعتیں ایک سلام کے ساتھ پڑھے اور پھر دو رکعتیں دوسرے سلام کے ساتھ پڑھے۔

ابن ابی شیبہ نے وکیع،زکریا اور محمد بن منتشر کے واسطہ سے روایت کیا کہ مسروق نے فرمایا:((کان یصلی بعد الجمعة ستاًرکعتین وأربعاً))وہ جمعہ کے بعد چھ رکعتیں پڑھتے ہیں،دو رکعتیں اور چار رکعتیں۔

اسی طرح ابن ابی شیبہ نے علی بن مسہر،شیبانی،ابو بکر بن ابوموسیٰ کے واسطے سے روایت کیا کہ ابوموسیٰ جمعہ کے بعد چھ رکعات پڑھتے تھے۔

ابن ابی شیبہ ہی نے روایت کیا کہ ابوعبدالرحمٰن کہتے ہیں:((قدم علینا ابن مسعود فکان یأمرنا أن نصلی بعد الجمعة أربعاً فلما قدم علینا علی رضی اللہ عنہ أمرنا أن نصلی ستاًفأخذنا بقول علی،وترکنا قول عبد اللہ))ترجمہ:ہمارے پاس حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ تشریف لائے،وہ ہمیں حکم دیا کرتے تھے کہ ہم جمعہ کے بعد چار رکعتیں پڑھا کریں،پس جب ہمارے پاس حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لائے تو ہمیں حکم دیا کہ ہم چھ رکعتیں پڑھا کریں،پس ہم نے حضرت علی کا قول لے لیا اور حضرت عبداللہ ابن مسعود کا قول چھوڑ دیا۔

ان احادیث مبارکہ میں جمعہ کے بعد چار رکعت یا چھ رکعت یا دو رکعت سنتیں پڑھنے کا بیان ہے،اس کی کم از کم دو رکعتیں ہیں اور افضل چار رکعتیں ہیں کیونکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اکثر اوقات چار رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔

پس اگر کہا جائے کہ یہاں ان سنتوں کے پڑھنے کا امر موجود ہے پھر بھی یہ واجب کیوں نہیں؟تو میں اس جواب

میں کہوں گا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے اس فرمان ((من کان منکم مصلیا)) (جو تم میں سے جمعہ کے بعد نماز پڑھے (تو وہ چار رکعتیں پڑھے۔) کے ساتھ اس کے عدمِ وجوب پر تنبیہ کی ہے۔

لیکن یہ احادیث اس کے سنت مؤکدہ ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔"

(شرح ابی داؤد للعینی، باب الصلاۃ بعد الجمعۃ، ج4،ص474,475،مکتبۃ الرشد، ریاض)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی چھ رکعتیں پڑھنے والی روایت کی شرح کرتے ہوئے علامہ علی بن سلطان محمد القاری حنفی (متوفی 1014ھ) فرماتے ہیں:

"یہ روایت امام ابو یوسف کے قول کی مؤید ہے کہ جمعہ کے بعد کی سنتیں چھ رکعت ہیں، اس کے ساتھ امام ابو یوسف یہ بھی فرماتے ہیں کہ چار پہلے پڑھنا اولی ہے اور یہ اس وجہ سے کہ چار کا سنت ہونا مذہب میں بغیر اختلاف کے ہے۔" (مرقاۃ، باب السنن وفضائلہا، ج3،ص900، دار الفکر، بیروت)

فرضِ جمعہ سے پہلے اور بعد کی رکعتوں کے بارے میں مذاہب

احناف کا مؤقف

سنت مؤکدہ یہ ہیں:..... چار رکعتیں ایک سلام کے ساتھ فرضِ جمعہ سے پہلے چار فرض جمعہ کے بعد۔

(نور الایضاح، فصل فی النوافل،ص79،مطبوعہ المکتبۃ العصریہ)

افضل یہ ہے کہ جمعہ کے بعد چار پڑھے، پھر دو کہ دونوں حدیثوں پر عمل ہو جائے۔

(غنیۃ المتملی، فصل فی النوافل،ص389 ☆ بہار شریعت، حصہ 4،ص663،مکتبۃ المدینہ، کراچی)

شوافع کا مؤقف

علامہ یحیی بن شرف النووی شافعی (متوفی 676ھ) فرماتے ہیں:

فرضِ جمعہ سے پہلے اور بعد میں سنتوں کا بیان: فرضِ جمعہ سے پہلے اور بعد میں سنتیں پڑھے گا، اس کی اقل (کم از کم) مقدار یہ ہے کہ دو رکعتیں پہلے پڑھے اور دو رکعتیں بعد میں، اور اکمل مقدار یہ ہے کہ چار رکعتیں پہلے پڑھے اور چار رکعتیں بعد میں پڑھے۔ (المجموع شرح المہذب، باب صلاۃ التطوع، ج4،ص9، دار الفکر، بیروت)

مالکیہ کا مؤقف

علامہ ابوبکر محمد بن عبداللہ (متوفی 451ھ) فرماتے ہیں:

"امام مالک نے کہا کہ امام جب نمازِ جمعہ کے فرض سے سلام پھیرے تو اپنے گھر میں داخل ہو جائے اور دو رکعتیں پڑھے اور مسجد میں کچھ نہ پڑھے، مجھ تک پہنچا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایسے ہی کیا ہے، اور جو امام کے مقتدی ہوں تو میرے نزدیک پسندیدہ یہ ہے کہ وہ بھی جب فرض جمعہ کا سلام پھیریں تو واپس چلے جائیں اور مسجد میں کچھ نہ پڑھیں اور اگر مقتدیوں نے مسجد میں رکعتیں پڑھ لیں تو ان کو اس کی وسعت ہے۔"

(الجامع لمسائل المدونۃ، جامع القول فی صلاۃ الجمعۃ، ج3، ص904، دار الفکر للطباعۃ والنشر والتوزیع)

حنابلہ کا موقف

علامہ موفق الدین ابن قدامہ حنبلی (متوفی 620ھ) فرماتے ہیں:

سنت ہے کہ جمعہ کے فرضوں کے بعد چار رکعت ادا کرے، کیونکہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((من كان منكم مصلياً بعد الجمعة فليصل بعدها أربعاً)) ترجمہ: تم میں سے جو کوئی فرضِ جمعہ کے بعد نماز پڑھے تو اسے چاہیے کہ اس کے بعد چار رکعتیں پڑھے۔ اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔

اور اگر چاہے تو دو رکعتیں پڑھے کیونکہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے: ((ان النبی صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كان يصلی بعد الجمعة ركعتين)) ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرض جمعہ کے بعد دو رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔ اسے بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے۔

اور اگر چاہے تو چھ رکعتیں پڑھے، کیونکہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایسا ہی کیا کرتے تھے۔ (الکافی فی فقہ الامام احمد، باب صلاۃ الجمعۃ، ج1، ص337، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

باب نمبر 371

فِيمَنْ أَدْرَكَ مِنَ الْجُمُعَةِ رَكْعَةً

جس نے جمعہ کی ایک رکعت پایا

524۔حَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ، وَسَعِيدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، وَغَيْرُ وَاحِدٍ،قَالُوا:حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ:مَنْ أَدْرَكَ مِنَ الصَّلَاةِ رَكْعَةً فَقَدْ أَدْرَكَ الصَّلَاةَ ،قَالَ ابوعيسى:هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَالعَمَلُ عَلَى هَذَا عِنْدَ أَكْثَرِ أَهْلِ العِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ، قَالُوا:مَنْ أَدْرَكَ رَكْعَةً مِنَ الجُمُعَةِ صَلَّى إِلَيْهَا أُخْرَى، وَمَنْ أَدْرَكَهُمْ جُلُوسًا صَلَّى أَرْبَعًا، وَبِهِ يَقُولُ سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ، وَابْنُ المُبَارَكِ، وَالشَّافِعِيُّ، وَأَحْمَدُ، وَإِسْحَاقُ

حدیث:حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ،وہ نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں،ارشادفرمایا:جس نے نماز کی ایک رکعت پائی تواس نے نماز کو پالیا۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:یہ حدیث حسن صحیح ہے۔اور نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اصحاب وغیرہ اہلِ علم میں سے اکثر کااسی پرعمل ہے یہ حضرات فرماتے ہیں :جس نے جمعہ کی ایک رکعت کو پالیا تو وہ اس کے ساتھ دوسری ملالے اور جس نے لوگوں کوقعدہ میں پایا تو وہ چار رکعت پڑھے۔امام سفیان ثوری،عبداللہ بن مبارک،شافعی، احمداوراسحٰق رضی اللہ تعالیٰ عنہم اسی کے قائل ہیں۔

شرح حدیث

علامہ علی بن سلطان محمد القاری حنفی فرماتے ہیں:

"علامہ طیبی نے کہا کہ یہ حدیث پاک جمعہ کے ساتھ خاص ہے، اھ.... اظہر یہ ہے کہ اسے عموم پر رکھا جائے۔"

(مرقاۃ المفاتیح، باب الخطبۃ والصلاۃ، ج3،ص1046، دارالفکر، بیروت)

علامہ محمود بدرالدین عینی حنفی فرماتے ہیں:

"((جس نے نماز کی ایک رکعت پائی تو اس نے نماز کو پالیا)) علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ یہ اپنے ظاہر پر نہیں، کیونکہ ایک رکعت کو پانے والا پوری نماز کو پانے والا نہیں، اس کی تقدیری عبارت یوں ہوگی کہ اس نے نماز کے حکم کو پالیا یا نماز کے وجوب کو پالیا یا نماز کی فضیلت کو پالیا۔ قرطبی نے کہا کہ اس کا ظاہر صحیح نہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((ما أدركتم فصلوا وما فاتكم فاقضوا)) (ترجمہ: نماز میں سے جو پالو اسے پڑھو اور جو فوت ہو جائے اسے قضا کرلو) اور حضرت جابر رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے: ((من أدرك من الصلاة ركعة فقد أدرك فضل الجماعة، ومن أدرك الإمام قبل أن يسلم فقد أدرك فضل الجماعة)) (جس نے نماز میں سے ایک رکعت کو پالیا تو اس نے جماعت کی فضیلت کو پالیا اور جس نے امام کو سلام پھیرنے سے پہلے پالیا تو اس نے جماعت کی فضیلت کو پالیا) قرطبی نے کہا کہ صحیح یہ ہے کہ اس نے جماعت کی فضیلت کو پالیا۔"

(شرح ابی داؤد للعینی، باب الرجل یدرک الامام الخ، ج4،ص105، مکتبۃ الرشد، ریاض)

علامہ محمد بن عبدالہادی سندی (متوفی 1138ھ) فرماتے ہیں:

((جس نے نماز کی ایک رکعت کو پالیا)) اس حدیث پاک میں ایک رکعت سے کم پانے کا حکم موجود نہیں، الا یہ کہ مفہوم مخالف سے حکم لیا جائے اور جو مفہوم مخالف سے حکم لینے کے قائل نہیں ان کے خلاف اس میں حجت نہیں، اسی وجہ سے ہمارے حنفی علماء "جو کہ مفہوم مخالف سے استدلال کے قائل نہیں" نے کہا کہ جس نے وقت کے اندر تحریمہ کو پالیا اس نے نماز کو پالیا سوائے نماز فجر اور نماز جمعہ کے، کیونکہ ان کے پاس ان دو پر الگ سے دلیل موجود ہے۔

(حاشیۃ السندی علی سنن نسائی، کتاب الصلاۃ، ج 1 ص 274، مکتب المطبوعات الاسلامیہ، حلب)

نمازِ جمعہ میں کب ملے تو جمعہ پالے گا، مذاہب ائمہ

احناف کا موقف

شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی حنفی (متوفی 483ھ) فرماتے ہیں:

"جس نے نمازِ جمعہ میں امام کو تشہد میں پایا یا سہو کے سجدوں میں پایا اور اس نے امام کی اقتداء کرلی تو اس نے نمازِ جمعہ کو پالیا لہذا وہ نمازِ جمعہ کی دو رکعتیں پڑھے گا امام اعظم اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ کے قول میں، اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ وہ چار رکعتیں پڑھے گا کیونکہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((من أدرك ركعة من الجمعة مع الإمام فقد أدرك وإن أدركهم جلوسا صلى أربعا)) (ترجمہ: جس نے نمازِ جمعہ کی ایک رکعت کو امام کے ساتھ پالیا تو اس نے نمازِ جمعہ کو پالیا اور اگر تم لوگوں کو بیٹھے ہوئے پاؤ تو چار رکعتیں پڑھو)

شیخین نے اس حدیث پاک سے استدلال کیا ہے: ((ما أدركتم فصلوا وما فاتكم فاقضوا)) (ترجمہ: نماز کا جو حصہ تم پالو اسے پڑھ لو اور جو تم فوت کردو اسے قضا کرلو)

اور تحقیق اس نے دونوں رکعتیں فوت کردیں، پھر تشہد کے پانے سے اس نے نمازِ جمعہ کو پالیا، اس دلیل کے ساتھ کہ اس نے نمازِ جمعہ کی نیت کی ہے ظہر کی نیت نہیں کی، یہاں تک کہ اگر یہ ظہر کی نیت کرتا تو اس کا امام کی اقتداء کرنا صحیح نہ ہوتا۔

پھر فرض اقتداء کے ساتھ کبھی زیادتی کی طرف متعین ہوجاتے ہیں جیسا کہ مسافر کے حق میں جب وہ مقیم کی اقتداء کرے، اور نقصان کی طرف متعین ہوجاتے ہیں جیسا کہ جمعہ کے حق میں، پھر تعیینِ فرض میں مسافر کے مقیم کی اقتداء کرنے میں رکعت اور رکعت سے کم میں کوئی فرق نہیں تو یہاں نمازِ جمعہ میں بھی ایسا ہی ہوگا۔

امام محمد کی پیش کردہ حدیث پاک کی تاویل یہ ہے کہ جب تم انہیں بیٹھا ہوا پاؤ کا مطلب یہ ہے کہ جب وہ سلام پھیر چکے ہوں تو اس وقت تم چار رکعتیں ظہر کی پڑھو۔

اور قیاس وہی ہے جو شیخین نے فرمایا ہے مگر امام محمد نے احتیاط کرتے ہوئے اس بات کو اختیار کیا ہے..... اور

اس احتیاط کے کوئی معنی نہیں کیونکہ اگر یہ ظہر ہے تو جمعہ کی تحریمہ پر اس کی بنیاد رکھنا ممکن نہیں اور اگر یہ جمعہ ہے تو نمازِ جمعہ چار رکعت نہیں ہوتی۔" (المبسوط للسرخسی، شروط الجمعۃ، ج2، ص35، دار المعرفۃ، بیروت)

علامہ ابو بکر بن مسعود کاسانی حنفی (متوفی 587ھ) فرماتے ہیں:

"امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہما کی دلیل یہ حدیث پاک ہے، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((ما أدركتم فصلوا وما فاتكم فاقضوا)) (ترجمہ: نماز کا جو حصہ تم پالو اسے پڑھ لو اور جو تم فوت کر دو اسے قضا کر لو) آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مسبوق کو فوت شدہ کی قضا کا حکم دیا اور امام سے جو اس کی نماز فوت ہوئی وہ یہی دو رکعتیں ہیں اور یہ حدیث حد شہرت میں ہے، اور حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کیا: ((من أدرك الإمام في التشهد يوم الجمعة فقد أدرك الجمعة)) (جس نے یومِ جمعہ امام کو تشہد میں پایا تو اس نے نمازِ جمعہ کو پالیا)

اور کیونکہ لزوم کا سبب تحریمہ ہے اور یہ تحریمہ میں امام کا شریک ہے اور اس نے اپنی تحریمہ کی بنا امام کی تحریمہ پر رکھی ہے لہذا اس پر وہ لازم ہوگا جو امام پر لازم ہوتا ہے جیسا کہ باقی تمام نمازوں میں ہوتا ہے۔

حدیث زہری سے ان کا استدلال صحیح نہیں کہ اصحابِ زہری میں سے ثقات جیسے حضرت معمر، اوزاعی اور مالک نے یوں روایت کیا ہے: ((من أدرك ركعة من صلاة فقد أدركها)) (جس نے نماز کی ایک رکعت کو پالیا تو اس نے نماز کو پالیا)

بہر حال نمازِ جمعہ کا ذکر اور یہ زیادتی کہ ((من أدركهم جلوسا صلى أربعا)) (جو انہیں بیٹھا ہوا پائے تو وہ چار پڑھے) اسے امام زہری کے اصحاب میں سے ضعفاء نے روایت کیا ہے، ایسے ہی امام حاکم شہید نے فرمایا، اور اگر یہ زیادتی ثابت بھی ہو تو اس کی توجیح یہ ہے کہ اگر تم انہیں بیٹھا ہوا پاؤ یعنی وہ سلام پھیر چکے ہوں تو تم چار رکعت ظہر کی پڑھو۔ تاکہ بقدر الامکان دونوں دلیلوں پر عمل ہو سکے۔" (بدائع الصنائع، وقت صلاۃ الجمعۃ، ج1، ص267,268، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

حنابلہ کا موقف

علامہ موفق الدین ابن قدامہ حنبلی (متوفی 620ھ) فرماتے ہیں:

"نمازِ جمعہ میں مسبوق جب امام کے ساتھ دوسری رکعت کے رکوع کو پالے تو نمازِ جمعہ کو مکمل کرے گا، اور اگر اس سے کم پائے تو جمعہ مکمل نہیں کرے گا، کیونکہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((من أدرك ركعة من الصلاة مع الإمام فقد أدرك الصلاة)) (جس نے نماز کی ایک رکعت کو پالیا تو اس نے نماز کو پالیا) متفق علیہ۔

اور جس نے اس سے کم مقدار کو پایا تو اس کے بارے میں علامہ خرقی نے کہا کہ وہ ظہر پر بنا کرے گا جبکہ وہ نماز میں ظہر کی نیت سے داخل ہو، پس اس کا ظاہر یہ ہے کہ اگر جمعہ کی نیت سے نماز میں داخل ہوا تھا تو نئے سرے سے ظہر پڑھے گا کیونکہ جمعہ اور ظہر الگ الگ دو نمازیں ہیں تو ایک کی نیت سے دوسری ادا نہیں ہو سکتی، پس ظہر کی بنا جمعہ پر جائز نہیں جیسا کہ ظہر اور عصر کی نمازیں۔

اور ابو اسحاق نے کہا کہ وہ جمعہ کی نیت کرے گا تا کہ اس کی نیت امام کی نیت کے خلاف نہ ہو پھر اسی پر ظہر کی بنا رکھے گا کیونکہ یہ دونوں نمازیں ایک ہی وقت کے فرض ہیں۔"

(الکافی فی فقہ الامام احمد، باب صلاۃ الجمعۃ، ج 1 ص 325,326، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

شوافع کا مؤقف

علامہ ابراہیم بن علی بن یوسف شیرازی (متوفی 476ھ) فرماتے ہیں:

"جس شخص نے نمازِ جمعہ کی دوسری رکعت کا رکوع امام کے ساتھ پالیا تو اس نے نمازِ جمعہ کو پالیا، پس جب امام سلام پھیرے تو یہ دوسری رکعت پڑھ لے، اگر دوسری رکعت کا رکوع امام کے ساتھ نہ پایا تو اس کی نمازِ جمعہ فوت ہو گئی، پس جب امام سلام پھیرے تو یہ ظہر کی نماز مکمل کرے، کیونکہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((من أدرك ركعة من الجمعة فليصل إليها أخرى)) (ترجمہ: جس نے نمازِ جمعہ کی ایک رکعت کو پالیا تو وہ اس کے ساتھ دوسری رکعت کو ملا لے)"

(المہذب فی فقہ الامام الشافعی، باب ہیئۃ الجمعۃ والتکبیر، ج 1 ص 217، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

مالکیہ کا مؤقف

علامہ محمد بن احمد ابن رشد مالکی (متوفی 595ھ) لکھتے ہیں:

"جب کوئی شخص نمازِ جمعہ کی ایک رکعت امام کے ساتھ پالے تو اس نے نمازِ جمعہ کو پالیا اور وہ دوسری رکعت قضا کرے گا، یعنی اکیلے پڑھے گا، یہ امام مالک اور امام شافعی کا مذہب ہے، اور اگر اس سے کم امام کے ساتھ پائے تو چار رکعت ظہر پڑھے گا۔" (بدایۃ المجتہد، قضاء بعض الصلاۃ، ج1، ص199، دارالحدیث، القاہرہ)

شوافع اور مالکیہ کے اس باب کی حدیث پاک سے استدلال کو علامہ ابن رشد مالکی نے ضعیف قرار دیا ہے کیونکہ ((فقد ادرك الصلاة)) (اس نے نماز کو پالیا) میں حکم الصلاۃ (اس نے نماز کا حکم پالیا) لینا متعین نہیں، یہاں فقد ادرک فضل الصلاۃ (اس نے نماز کی فضیلت پالی) اور فقد ادرک وقت الصلاۃ (اس نے نماز کا وقت پالیا) کا بھی احتمال ہے۔

(بدایۃ المجتہد، قضاء بعض الصلاۃ، ج1، ص199، دارالحدیث، القاہرہ)

باب نمبر 372

فی القائلۃ یوم الجمعۃ

جمعہ کے دن قیلولہ کرنا

525۔حَدَّثَنَا عَلِیُّ بْنُ حُجْرٍ قَالَ:حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِیزِ بْنُ أَبِی حَازِمٍ،وَعَبْدُ اللَّهِ بْنُ جَعْفَرٍ،عَنْ أَبِی حَازِمٍ، عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ،قَالَ:مَا كُنَّا نَتَغَدَّى فِی عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَا نَقِيلُ إِلَّا بَعْدَ الْجُمُعَةِ وَفِی الْبَابِ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ،قَالَ ابوعيسىٰ:حَدِيثُ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

حدیث: حضرت سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے فرمایا: ہم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دور مبارک میں جمعہ کے بعد ہی کھانا کھاتے اور قیلولہ کیا کرتے تھے۔

اور اس باب میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے بھی روایت مروی ہے۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کی حدیث حسن صحیح ہے۔

شرح حدیث

علامہ ابن بطال فرماتے ہیں:

اس حدیث پاک میں زوالِ شمس کے اول وقت میں نمازِ جمعہ پڑھنے اور اس کی طرف جلدی کرنے کی دلیل ہے، کیونکہ غسل کرنے اور جلدی نمازِ جمعہ پڑھنے میں مشغول ہونا ان کے لیے اس قیلولہ سے مانع ہو جاتا جو وہ باقی ایام میں کرتے تھے، وہ اس کی طرف سبیل نہ پاتے مگر نمازِ جمعہ کے بعد۔ اس کی یہ وجہ نہ تھی کہ وہ زوالِ شمس سے پہلے نمازِ جمعہ پڑھتے تھے جیسا کہ بعض لوگوں نے گمان کیا اور ان کا یہ گمان کتاب اللہ کے خلاف ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِدُلُوۡکِ الشَّمۡسِ اِلٰی غَسَقِ الَّیۡلِ﴾ ترجمہ: نماز قائم رکھو سورج ڈھلنے سے رات کی اندھیری تک۔

(شرح صحیح البخاری لابن بطال، باب ماجاء فی الزرع، ج6، ص490، مکتبۃ الرشد، ریاض)

علامہ محمود بدر الدین عینی حنفی فرماتے ہیں:

علامہ ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس بات پر علماء کا اتفاق ہے کہ جمعہ اس وقت تک واجب نہیں ہوتا جب تک زوالِ شمس نہ ہو جائے اور زوال سے پہلے پڑھی گئی نمازِ جمعہ کفایت نہیں کرتی سوائے امام احمد سے مروی ایک روایت کے، کہ نمازِ جمعہ زوال سے پہلے جائز ہے۔ (شرح ابی داؤد للعینی، اذا وافق یوم الجمعۃ یوم العید، ج4، ص399، مکتبۃ الرشد، ریاض)

مزید فرماتے ہیں:

نمازِ جمعہ کے بعد قیلولہ کرنے سے متعلق آثار کا یہ جواب دیا جا سکتا ہے کہ قیلولہ کہتے ہیں نصف النہار میں استراحت و آرام کرنے کو اگرچہ اس کے ساتھ نیند نہ ہو، لہذا وہ زوالِ شمس کے فوراً بعد بغیر تاخیر کے نمازِ جمعہ پڑھتے تھے پھر قیلولہ بمعنی استراحت کرتے تھے۔ (شرح ابی داؤد للعینی، اذا وافق یوم الجمعۃ یوم العید، ج4، ص399، مکتبۃ الرشد، ریاض)

قیلولہ کا معنی

علامہ علی بن سلطان محمد القاری حنفی فرماتے ہیں:

قیلولہ کا مطلب ہے استراحت کرنا، چاہے وہ نیند کے ساتھ ہو یا بغیر نیند کے ہو، ازہری نے کہا کہ قیلولہ اور مقیل اہل عرب کے نزدیک نصف النہار میں استراحت و آرام کرنے کو کہتے ہیں اگرچہ اس کے ساتھ نیند نہ ہو، اس پر دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: ﴿اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ يَوْمَئِذٍ خَيْرٌ مُّسْتَقَرًّا وَّ اَحْسَنُ مَقِيْلًا﴾ ترجمہ: جنّت والوں کا اس دن اچھا ٹھکانا اور حساب کے دوپہر کے بعد اچھی آرام کی جگہ۔ (الفرقان 24) اور جنت میں نیند نہیں ہے۔

(مرقاۃ المفاتیح، باب الخطبۃ والصلاۃ، ج3، ص1040، دار الفکر، بیروت)

مزید فرماتے ہیں:

حدیث پاک کا معنی یہ ہے کہ وہ لوگ مذکورہ چیزوں میں سے جو جمعہ سے پہلے فوت ہو جائے جمعہ کے بعد کرتے تھے، اس کا یہ معنی نہیں کہ وہ کھانا اور قیلولہ حقیقۃً جمعہ کے بعد ہی کرتے تھے تاکہ خطبہ اور نماز زوال سے پہلے ادا کرنا لازم نہ آئے۔

(مرقاۃ المفاتیح، باب الخطبۃ والصلاۃ، ج3، ص1040، دار الفکر، بیروت)

باب نمبر 373

فِيمَنْ يَنْعَسُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ أَنَّهُ يَتَحَوَّلُ مِنْ مَجْلِسِه

جمعہ کے دن جو اونگھے تو وہ اپنی جگہ بدل لے

526۔ حَدَّثَنَا أَبُو سَعِيدٍ الأَشَجُّ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدَةُ بْنُ سُلَيْمَانَ، وَأَبُو خَالِدٍ الأَحْمَرُ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْحَاقَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ ابْنِ عُمَرَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِذَا نَعَسَ أَحَدُكُمْ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَلْيَتَحَوَّلْ مِنْ مَجْلِسِهِ ذَلِكَ، قَالَ ابوعيسى: هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

حدیث: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، وہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں، ارشاد فرمایا: جب تم میں کسی کو جمعہ والے دن اونگھ آئے تو وہ اپنے جگہ بدل لے۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

شرح حدیث

علامہ عبدالرؤف مناوی (متوفی 1031ھ) فرماتے ہیں:

"((وہ اپنی جگہ بدل لے)) یہ حکم استحبابی ہے، یہ اس لیے فرمایا کہ جب وہ اپنی جگہ تبدیل کرے گا تو اس کے لیے حرکت حاصل ہوگی جو کہ اس فتور وسستی کے منافی ہے جو نیند کا موجب وسبب ہے، جمعہ کے علاوہ بھی اس حکم میں جمعہ کی مثل ہے، خصوصی طور پر جمعہ کا ذکر اس لیے کیا کہ اس میں خطبہ کی وجہ سے طوالت ہے لہذا یہ اکثر اونگھ اور نیند کا محل ہے۔"

(التیسیر بشرح الجامع الصغیر، حرف الھمزہ، ج1، ص132، مکتبۃ الامام الشافعی، ریاض)

علامہ مناوی فیض قدیر میں مزید فرماتے ہیں:

اگر صف میں جگہ نہ ہو تو کھڑا ہو پھر بیٹھ جائے، کتاب الام میں فرمایا کہ اگر وہ شخص مجلس میں بیٹھا رہا اور اونگھ سے تحفظ کیا تو میں اسے مکروہ قرار نہیں دیتا۔

(فیض القدیر، حرف الھمزہ، ج1، ص448، المکتبۃ التجاریۃ الکبری، مصر)

علامہ محمد بن اسماعیل بن صلاح صنعانی (متوفی 1182ھ) فرماتے ہیں:

جگہ تبدیل کرنے کا اس لیے فرمایا کہ جگہ تبدیل کرنے سے اسے نشاط حاصل ہوگا اور یوم جمعہ اس حکم کا ورود اس کی خصوصیت کی وجہ سے ہے۔

(التنویر شرح الجامع الصغیر، حرف الھمزہ، ج2، ص226، مکتبۃ دار السلام، ریاض)

باب نمبر 374

مَا جَاءَ فِي السَّفَرِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ

جمعہ کے دن سفر کرنا

527- حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ، عَنِ الْحَجَّاجِ، عَنِ الْحَكَمِ، عَنْ مِقْسَمٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: بَعَثَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ رَوَاحَةَ فِي سَرِيَّةٍ، فَوَافَقَ ذَلِكَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ، فَغَدَا أَصْحَابُهُ، فَقَالَ: أَتَخَلَّفُ فَأُصَلِّي مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ أَلْحَقُهُمْ، فَلَمَّا صَلَّى مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَآهُ، فَقَالَ لَهُ: مَا مَنَعَكَ أَنْ تَغْدُوَ مَعَ أَصْحَابِكَ؟، فَقَالَ: أَرَدْتُ أَنْ أُصَلِّيَ مَعَكَ ثُمَّ أَلْحَقَهُمْ، فَقَالَ: لَوْ أَنْفَقْتَ مَا فِي الْأَرْضِ مَا أَدْرَكْتَ فَضْلَ غَدْوَتِهِمْ

قال ابوعيسى: هَذَا حَدِيثٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ هَذَا الْوَجْهِ قَالَ عَلِيُّ بْنُ الْمَدِينِيِّ: قَالَ يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ: قَالَ شُعْبَةُ: لَمْ يَسْمَعِ الْحَكَمُ مِنْ مِقْسَمٍ إِلَّا خَمْسَةَ أَحَادِيثَ، وَعَدَّهَا شُعْبَةُ، وَلَيْسَ هَذَا الْحَدِيثُ فِيمَا عَدَّ شُعْبَةُ وَكَأَنَّ هَذَا الْحَدِيثَ لَمْ يَسْمَعْهُ الْحَكَمُ مِنْ مِقْسَمٍ" وَقَدِ اخْتَلَفَ أَهْلُ الْعِلْمِ فِي السَّفَرِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ، فَلَمْ يَرَ بَعْضُهُمْ بَأْسًا بِأَنْ يَخْرُجَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فِي

حدیث: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرمایا: نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک سریہ میں بھیجا تو وہ اتفاقاً جمعہ کا دن تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب چلے گئے تو انہوں نے کہا کہ میں پیچھے رہ جاتا ہوں تاکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز ادا کروں پھر میں ان کے ساتھ مل جاؤں تو جب انہوں نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز ادا کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ملاحظہ فرمایا تو ارشاد فرمایا: تمہیں کس بات نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ جانے سے منع کیا؟ تو انہوں نے عرض کیا: میں نے چاہا کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز ادا کرلوں پھر میں ان سے مل جاؤں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اگر جو کچھ زمین میں ہے تو وہ سب خرچ کردے تو بھی اپنے جانے والے ساتھیوں کی فضیلت کو نہیں پہنچ سکتا۔

امام ترمذی فرماتے ہیں: اس حدیث کو ہم صرف اسی سند سے جانتے ہیں۔ علی بن مدینی کہتے ہیں، یحییٰ بن سعید نے کہا کہ شعبہ کہتے ہیں کہ حکم نے مقسم سے صرف پانچ احادیث سنی ہیں اور شعبہ نے انہیں شمار کیا اور یہ حدیث ان کی شمار کردہ میں نہیں ہے گویا کہ اس حدیث کو حکم نے مقسم سے

السَّفَرِ مَا لَمْ تَحْضُرِ الصَّلَاةُ، وَقَالَ بَعْضُهُمْ :إِذَا أَصْبَحَ فَلَا يَخْرُجُ حَتَّى يُصَلِّيَ الْجُمُعَةَ"

نہیں سنا۔اور اہلِ علم کا جمعہ والے دن سفر میں اختلاف ہے تو بعض نے اس میں کوئی حرج نہیں سمجھا بایں طور کہ وہ جمعہ والے دِن سفر پر نکلے جب تک کہ نماز کا وقت نہ ہو جائے ۔اور بعض نے کہا: جب صبح ہو تو وہ نہ نکلے حتی کہ جمعہ کی نماز پڑھ لے۔

شرح حدیث

علامہ علی بن سلطان محمد القاری حنفی فرماتے ہیں:

"((حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ)) یہ انصاری خزرجی صحابی ہیں، ان نقباء میں ایک ہیں جو عقبہ میں حاضر ہوئے، غزوۂ بدر، احد، خندق اور دیگر جگہوں پر شرکت رہی، سوائے فتح مکہ اور اس کے بعد کے معاملات میں، کیونکہ یہ آٹھ ہجری کو غزوۂ موتہ میں شہید ہوگئے، یہ اس جنگ میں امیر تھے، اور یہ نیکوکار شعراء میں سے ایک ہیں، ان سے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور ان کے علاوہ نے روایت کیا ہے۔" (مرقاۃ المفاتیح، باب آداب السفر، ج6، ص2523، دار الفکر، بیروت)

مزید فرماتے ہیں:

((اگر جو کچھ زمین میں ہے تو وہ سب خرچ کردے تو بھی اپنے جانے والے ساتھیوں کی فضیلت کو نہیں پہنچ سکتا)) یعنی ان کے جہاد کی طرف جلدی جانے کی فضیلت کو نہیں پہنچ سکتے۔

(مرقاۃ المفاتیح، باب آداب السفر، ج6، ص2523، دار الفکر، بیروت)

علامہ شرف الدین حسین بن عبداللہ الطیبی (متوفی 743ھ) فرماتے ہیں:

"((اگر جو کچھ زمین میں ہے تو وہ سب خرچ کردے تو بھی اپنے جانے والے ساتھیوں کی فضیلت کو نہیں پہنچ سکتا)) ظاہر یہ ہے کہ یہاں یوں کہا جاتا: تمہارے ساتھیوں کا فی سبیل اللہ روانہ ہونا تمہاری اس نماز سے بہتر ہے، اس سے مذکور کی طرف مبالغہ کے طور پر عدول کیا، گویا کہ کہا گیا: بھلائیوں میں سے کوئی چیز بھی تمہارے ساتھیوں کے فی سبیل اللہ روانہ ہونے کے برابر نہیں ہوسکتی۔

اور ان کا یہ تاخیر کرنا کبھی ان پر کثیر مصالح کو فوت کردے گا۔"

(شرح الطیبی علی مشکاۃ المصابیح، باب آداب السفر، ج8، ص2690، مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز، مکہ مکرمہ)

یوم جمعہ سفر کرنے کے بارے میں مذاہب ائمہ

احناف کا موقف

علامہ علاء الدین حصکفی حنفی فرماتے ہیں:

"جمعہ کے دن اگر سفر کیا اور زوال سے پہلے آبادی شہر سے باہر ہو گیا تو حرج نہیں (ورنہ ممنوع ہے)...... شرح المنیہ میں فرمایا: صحیح یہ ہے کہ زوال کے بعد نمازِ جمعہ پڑھنے سے پہلے سفر مکروہ ہے، زوال سے پہلے مکروہ نہیں۔"

(درمختار، باب الجمعۃ، ج2، ص262، دار الفکر، بیروت)

حنابلہ کا موقف

علامہ موفق الدین ابن قدامہ حنبلی فرماتے ہیں:

جس پر جمعہ کی نماز واجب ہے اس کے لیے نمازِ جمعہ کا وقت شروع ہونے کے بعد سفر کرنا جائز نہیں...... ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((مَنْ سَافَرَ مِنْ دَارِ إِقَامَةٍ يَوْمَ الْجُمُعَةِ دَعَتْ عَلَيْهِ الْمَلَائِكَةُ، لَا يُصْحَبُ فِي سَفَرِهِ وَلَا يُعَانُ عَلَى حَاجَتِهِ)) ترجمہ: جس نے دار اقامت سے یوم جمعہ سفر کیا تو ملائکہ اس کے خلاف دعا کرتے ہیں، اس کے سفر میں نہ اس کی مصاحبت کی جاتی ہے اور نہ اس کی حاجت پر مدد کی جاتی ہے۔ اسے دارقطنی نے افراد میں روایت کیا ہے۔ اور یہ وعید ہے جو مباح کو لاحق نہیں ہو گی......

اور اگر نمازِ جمعہ کا وقت شروع ہونے سے پہلے سفر کرتا ہے تو ابو الخطاب نے اس بارے میں تین روایات ذکر کی ہیں: (۱) ایک یہ کہ منع ہے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث کی وجہ سے، (۲) اور دوسری روایت یہ ہے کہ ایسا کرنا جائز ہے، یہی امام حسن بصری اور امام ابن سیرین اور اکثر اہل علم کا قول ہے، اس کی دلیل حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان ہے، اور یہ کہ اس پر جمعہ ابھی واجب نہیں ہوا لہذا اس کے لیے سفر حرام نہیں ہے جیسا کہ رات میں، (۳) تیسری روایت یہ ہے کہ صرف جہاد کے لیے مباح ہے اس کے علاوہ کے لیے نہیں...... اولیٰ یہ ہے کہ وقت شروع ہونے سے پہلے سفر مطلقاً جائز ہے کیونکہ اس کا ذمہ جمعہ سے بری ہے لہذا اس پر نمازِ جمعہ کے وجوب کا امکان اسے نہیں روکے گا جیسا کہ ایک دن پہلے۔

(المغنی لابن قدامہ، فصل من تجب علیہ الجمعۃ لا یجوز لہ السفر بعد دخول وقتہا، ج2، ص268,269، مکتبۃ القاہرہ)

شوافع کا موقف

علامہ ابوالحسن علی بن محمد ماوردی شافعی فرماتے ہیں:

جو شخص ارادہ کرے کہ یوم جمعہ سفر شروع کرنا ہے تو اس کے چار احوال ہیں، جن میں دو حالات میں اس کے لیے سفر کا آغاز کرنا جائز ہے اور ایک حال میں اس کے سفر شروع کرنا ناجائز ہے اور ایک حال مختلف فیہ ہے۔

جن دو حالات میں سفر جائز ہے ان میں ایک طلوع فجر سے پہلے سفر کرنا ہے کیونکہ یہ وقت آج کے دن میں شامل نہیں ہے اور دوسرا نماز جمعہ کے بعد......

اور وہ حال جس میں سفر شروع کرنا جائز نہیں وہ زوالِ شمس سے لے کر نمازِ جمعہ تک، نمازِ جمعہ کے فرض کے متعین ہونے اور اس کے فعل کے امکان کی وجہ سے۔

بہر حال وہ حال جو مختلف فیہ ہے وہ طلوع فجر سے لے کر زوالِ شمس تک کا وقت ہے، اس میں سفر شروع کرنے کے جواز کے بارے میں دو اقوال ہیں:

(۱) ایک قول اور یہی قولِ قدیم ہے، اور یہی صحابہ میں حضرت عمر بن خطاب، حضرت زبیر بن عوام، حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا قول ہے اور یہی کثیر تابعین اور فقہاء کا قول ہے کہ اس وقت میں سفر کی ابتداء کرنا جائز ہے، اس کی دلیل حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت ہے کہ نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک سریہ میں بھیجا تو وہ اتفاقاً جمعہ کا دن تھا تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اصحاب چلے گئے تو انہوں نے کہا کہ میں پیچھے رہ جاتا ہوں تا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ نماز ادا کروں پھر میں ان کے ساتھ مل جاؤں تو جب انہوں نے نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ نماز ادا کی تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں ملاحظہ فرمایا تو ارشاد فرمایا: تمہیں کس بات نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ جانے سے منع کیا؟ تو انہوں نے عرض کیا: میں نے چاہا کہ میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ نماز ادا کرلوں پھر میں ان سے مل جاؤں تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اگر جو کچھ زمین میں ہے تو وہ سب خرچ کر دے تو بھی اپنے جانے والے ساتھیوں کی فضیلت کو نہیں پہنچ سکتا۔

اور مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یوم جمعہ سفر فرمایا اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے ایک آدمی کو سفر کی ہیئت میں دیکھا تو فرمایا اگر جمعہ نہ ہوتا تو میں بھی سفر کرتا، پھر فرمایا: نکلو کہ جمعہ سفر

سے منع نہیں کرتا۔

(۲) دوسرا قول اور یہی قولِ جدید ہے اور یہ صحابہ میں سے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول ہے اور تابعین میں سے حضرت سعید بن مسیّب کا قول ہے کہ اس وقت میں سفر شروع کرنا جائز نہیں جب تک نمازِ جمعہ نہیں پڑھ لیتا، کیونکہ یہ زمانہ ایسا ہے جس میں سعی کا حکم متعلق ہو چکا ہر اس شخص کے لیے جس کا گھر شہر میں مسجد سے دور ہے یا قریب ہے مگر وہ اس وقت میں سعی کرے تب ہی جمعہ پا سکتا ہے۔

(الحاوی الکبیر، مسئلہ من طلع لہ الفجر فلا یسافر الخ، ج2، ص425,426، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

مالکیہ کا مؤقف

علامہ محمد بن عبد اللہ الخرشی مالکی فرماتے ہیں:

"(یومِ جمعہ فجر کے بعد سفر مکروہ ہے، فجر سے پہلے جائز ہے اور زوال کے بعد حرام ہے) یعنی جس پر جمعہ لازم ہے اس کے لیے مشہور قول پر یومِ جمعہ فجر کے بعد سفر کرنا مکروہ ہے، کیونکہ اس خیرِ عظیم کی تحصیل پر صبر کرنے میں اس کے لیے کوئی ضرر نہیں، بہر حال فجر سے پہلے جائز ہے اور زوال کے بعد نداء سے پہلے معروف قول پر حرام ہے، اس کے ساتھ خطاب متعلق ہو جانے کی وجہ سے، سوائے اس صورت کے کہ اس کے سفر سے ترکِ جمعہ متحقق نہ ہوتا ہو سفر کے مختصر ہونے کی وجہ سے۔

حرمت کا محل وہ ہے کہ عدمِ سفر سے اسے کوئی حرج لاحق نہ ہوتا ہو جیسے مال کا چلے جانا اور اسی طرح اس کے رفقاء کا چلے جانا تو اس صورت میں اس کے لیے سفر مباح ہوگا۔"

(شرح مختصر خلیل للخرشی، فصل فی بیان شروط الجمعۃ الخ، ج2، ص88، دار الفکر للطباعۃ، بیروت)

باب نمبر 375

فِی السِّوَاکِ وَالطِّیبِ یَوْمَ الْجُمُعَةِ

جمعہ کے دن مسواک اور خوشبو لگانا

528۔حَدَّثَنَا عَلِیُّ بْنُ الْحَسَنِ الْکُوفِیُّ قَالَ:حَدَّثَنَا أَبُو یَحْیَی إِسْمَاعِیلُ بْنُ إِبْرَاهِیمَ التَّیْمِیُّ، عَنْ یَزِیدَ بْنِ أَبِی زِیَادٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِی لَیْلَی، عَنْ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ، قَالَ:قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّی اللَّهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ:حَقٌّ عَلَی الْمُسْلِمِینَ أَنْ یَغْتَسِلُوا یَوْمَ الْجُمُعَةِ،وَلْیَمَسَّ أَحَدُهُمْ مِنْ طِیبِ أَهْلِهِ، فَإِنْ لَمْ یَجِدْ فَالْمَاءُ لَهُ طِیبٌ وَفِی الْبَابِ عَنْ أَبِی سَعِیدٍ وَشَیْخٍ مِنَ الْأَنْصَارِ

حدیث:حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ،فرمایا:رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں : مسلمانوں پر حق ہے کہ وہ جمعہ والے دن غسل کریں اور گھر میں جو خوشبو ہو وہ استعمال کریں اور اگر خوشبو نہ ہو تو پانی اس کے لئے بہترین خوشبو ہے۔

اس باب میں حضرت ابوسعید اور انصار کے شیخ سے بھی روایت مروی ہے۔

529۔حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِیعٍ قَالَ:حَدَّثَنَا هُشَیْمٌ، عَنْ یَزِیدَ بْنِ أَبِی زِیَادٍ بِهَذَا الإِسْنَادِ نَحْوَهُ،قال ابوعیسیٰ:حَدِیثُ الْبَرَاءِ حَدِیثٌ حَسَنٌ،وَرِوَایَةُ هُشَیْمٍ أَحْسَنُ مِنْ رِوَایَةِ إِسْمَاعِیلَ بْنِ إِبْرَاهِیمَ التَّیْمِیِّ، وَإِسْمَاعِیلُ بْنُ إِبْرَاهِیمَ التَّیْمِیُّ یُضَعَّفُ فِی الْحَدِیثِ

حدیث:ہشیم نے یزید بن ابو زیاد سے اسی سند کے ساتھ اسی کی مثل حدیث روایت کی۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں:حضرت براء رضی اللہ عنہ کی حدیث حسن ہے،ہشیم کی روایت اسماعیل بن ابراہیم التیمی کی روایت سے زیادہ بہتر ہے اور اسماعیل بن ابراہیم التیمی کی حدیث میں تضعیف کی جاتی ہے۔

شرح حدیث

علامہ محمود بدر الدین عینی حنفی فرماتے ہیں:

((اپنے اہل کی خوشبو میں سے لگالے)) ہمارے شیخ زین الدین نے شرح الترمذی میں فرمایا: ظاہر یہ ہے کہ یہاں بیوی کی خوشبو یا اہل کی خوشبو سے مقید کرنا مقصود نہیں ہے، یہ قید غالب کے اعتبار سے ہے، اور اس سے مراد یہ ہے کہ جو اسے آسانی سے میسر آجائے، جو اس کے گھر میں موجود ہو، حضرتِ ابو سعید خدری اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث بھی اس پر دلالت کرتی ہے: ((ویمس من طیب إن کان عندہ)) (خوشبو لگائے اگر اس کے پاس ہو) یعنی گھر میں ہو، چاہے گھر میں اس کے اہل کی خوشبو ہو یا اس کی زوجہ کی خوشبو ہو۔

(عمدۃ القاری، باب الدہن للجمعۃ، ج6، ص175، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

علامہ علی بن سلطان محمد القاری حنفی فرماتے ہیں:

((اپنے اہل کی خوشبو میں سے لگالے)) یعنی جو اس کی اپنی خوشبو اس کے اہل کے پاس رکھی ہو، یا اس کے اہل کی خوشبو کی جنس سے ہو، اس کی نوع سے نہ ہو کہ مرد کو زنانہ خوشبو لگانا منع ہے اور زنانہ خوشبو وہ ہوتی ہے جس کا رنگ ہو۔

(مرقاۃ المفاتیح، باب التنظیف والتبکیر، ج3، ص1040، دار الفکر، بیروت)

علامہ عبد الرحمن جلال الدین سیوطی شافعی فرماتے ہیں:

((اگر خوشبو نہ ہو تو پانی اس کے لئے بہترین خوشبو ہے)) یعنی اس صورت میں پانی خوشبو کے قائم مقام ہے۔

(قوت المغتذی، ابواب الصلاۃ، ج1، ص224، جامعہ ام القری، مکۃ المکرمہ)

علامہ علی بن سلطان محمد القاری حنفی فرماتے ہیں:

((اگر خوشبو نہ ہو تو پانی اس کے لئے بہترین خوشبو ہے)) علامہ ابن حجر نے فرمایا کہ اسی لیے وارد ہوا ہے: ((الماء طیب الفقراء)) (پانی فقراء کی خوشبو ہے) یعنی اُس شخص کے لیے خوشبو ہے جس کے لیے خوشبو نہ ہو۔ علامہ طیبی نے فرمایا: اس پر ہے کہ پانی اور خوشبو دونوں کو جمع کرے، پس اگر خوشبو متعذر ہو جائے تو پانی کافی ہے کیونکہ مقصود

تنظیف ہے اور بدبو کو دور کرنا ہے۔اس حدیث پاک میں مساکین کے دل کی تسکین ہے اور اس طرف اشارہ ہے کہ ما لا یدرك كله لا يترك كله یعنی کل نہ پایا جاسکے تو کل ترک بھی نہ کیا ہے۔

(مرقاۃ المفاتیح، باب التنظیف والتبکیر ،ج3،ص1040،دارالفکر، بیروت)

بعض روایات میں مسواک کا بھی ذکر ہے،شاید اسی وجہ سے امام ترمذی نے ترجمۃ الباب میں مسواک کا بھی ذکر کیا ہے،علامہ عبدالرؤف مناوی مسند بزار کی ایک حدیث پاک کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

((ہر مسلمان پر حق ہے کہ یومِ جمعہ مسواک کرے))اس لکڑی کے ساتھ جو میل کو اکھیڑ دے((اور غسل کرے اور اپنے اہل کی خوشبو میں سے لگائے اگر خوشبو ہو))یعنی میسر ہو، کہ ملائکہ اس سے محبت کرتے ہیں اور شیطان اس سے دور بھاگتا ہے۔

(التیسیر بشرح الجامع الصغیر،حرف الحاء،ج1،ص500،مکتبۃ الامام الشافعی، ریاض)

نماز جمعہ کے لیے خوشبو لگانا اور مسواک کرنا، مذاہب ائمہ

احناف کا مؤقف

"نماز جمعہ کے لیے پیشتر سے جانا اور مسواک کرنا اور اچھے اور سفید کپڑے پہننا اور تیل اور خوشبو لگانا اور پہلی صف میں بیٹھنا مستحب ہے اور غسل سنت۔"

(فتاوی ہندیہ، کتاب الصلاۃ، الباب السادس عشر فی صلاۃ الجمعۃ ،ج1،ص149 ☆غنیۃ المتملی، فصل فی صلاۃ الجمعۃ، ص559)

شوافع کا مؤقف

علامہ ابراہیم بن علی بن یوسف شیرازی شافعی فرماتے ہیں:

"یوم جمعہ مستحب ہے کہ مسواک کے ذریعہ نظافت حاصل کرے، ناخن اور بال تراشے، ہر طرح کی بدبو دور کرے، خوشبو لگائے، اپنا سب سے اچھا لباس پہنے۔"

(المہذب فی فقہ الامام الشافعی، باب ھیئۃ الجمعۃ والتکبیر ،ج1،ص213،دارالکتب العلمیہ، بیروت)

حنابلہ کا مؤقف

علامہ منصور بن یونس البہوتی حنبلی فرماتے ہیں:

"سنت ہے کہ جمعہ کے لیے نظافت کی جائے مونچھیں کم کرنے کے ساتھ، ناخن تراشنے کے ساتھ، مسواک وغیرہ کے ذریعہ منہ کی بدبو دور کرنے کے ساتھ، اور حسب استطاعت خوشبو لگانے کے ساتھ اگرچہ اپنے اہل کی خوشبو ہو۔"

(کشاف القناع عن متن الاقناع، فصل یسن ان یغتسل للجمعۃ، ج2، ص42، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

مالکیہ کا مؤقف

علامہ ابو القاسم محمد بن احمد الغرناطی مالکی (متوفی 741ھ) فرماتے ہیں:

"جمعہ کے لیے خوشبو لگانا، مسواک کرنا اور لباس سے تجمل حاصل کرنا مستحب ہے۔"

(القوانین الفقہیہ، الباب الحادی والعشرون فی الجمعۃ، ص57، مطبوعہ بیروت)

ابواب العیدین

ابواب العیدین

نمازِ جمعہ اور نمازِ عید میں مناسبت

نمازِ جمعہ کے بعد نمازِ عید کو ذکر کیا، ان کے درمیان مناسبت بالکل ظاہر ہے کہ یہ دونوں نمازیں بڑے مجمع کے ساتھ ادا کی جاتی ہیں، دن میں ہونے کے باوجود دونوں میں جہری قراءت کی جاتی ہے، جو ایک کے لیے شرائط ہیں وہی دوسری کے لیے شرائط ہیں سوائے خطبہ کے، عید کی نماز بھی اسی پر واجب ہے جس پر نمازِ جمعہ لازم ہے۔ جمعہ کو مقدم اس لیے کیا کہ ایک تو یہ فرض ہے اور دوسرا اس کا وقوع عید کی بہ نسبت کثرت سے ہے۔

(ردالمحتار، باب العیدین، ج2، ص165، دارالفکر، بیروت)

عید کا لغوی معنی

علامہ یحیی بن شرف النووی شافعی فرماتے ہیں:

"عید" عود سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں رجوع اور لوٹنا۔ (تحریر الفاظ التنبیہ للنووی، العید مشتق الخ، ص87، دارالقلم، دمشق)

عید کا اصطلاحی معنی

علامہ ایوب بن موسیٰ حنفی (متوفی 1094ھ) فرماتے ہیں:

ہر خوشی والے دن کو عید کہتے ہیں، اِسی لیے کہا گیا:

عید وَعِید وَعِید صرن مجتمعة ...وَجه الحبیب وَیَوم الْعِید وَالْجُمُعَة

(تین عیدیں جمع ہوگئیں، محبوب کے چہرے کی زیارت، یوم عید اور یوم جمعہ)

(الکلیات، فصل العین، ج1، ص597، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت)

عیدیں دو ہیں: ایک عید الفطر اور دوسری عید الاضحیٰ۔ عید الفطر یکم شوال کو ہوتی ہے اور عید الاضحیٰ دس ذوالحجہ کو، پھر عید کا لفظ مستعار لے لیا گیا ہر اس دن کے لیے جس میں خوشی حاصل ہو۔

(دستور العلماء: جامع العلوم فی اصطلاحات الفنون، باب العین مع الیاء التحتانیہ، ج2، ص275، دارالکتب العلمیہ، بیروت)

عید کو عید کہنے کی وجہ

عید کو عید کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں پر ہر سال مختلف انواع کے احسانات لوٹتے ہیں، ان احسانات میں سے کھانے سے منع کے بعد اس کی اجازت کا ملنا ہے، صدقہ فطر ہے، طواف زیارت سے حج کا مکمل ہونا ہے، قربانی کے گوشت سے ضیافت کا ہونا ہے وغیر ذلک، اور اس سبب سے غالب عادتِ جاریہ یہ ہے کہ فرحت وسرور اور خوشی حاصل ہوتی ہے۔

یا عید کو عید اس وجہ سے کہتے ہیں تاکہ اچھی فال ہو کہ جس نے عید کو پایا اس پر اس کے عود (لوٹنے) سے اچھی فال اور اچھا شگون لیتے ہیں جیسا کہ قافلہ کو قافلہ اچھی فال کی وجہ سے کہتے ہیں کیونکہ قافلہ کا معنی ہے لوٹنے والا، حالانکہ وہ جار ہا ہوتا ہے مگر اچھی فال لیتے ہوئے اسے قافلہ یعنی لوٹنے والا کہتے ہیں۔ (ردالمحتار، باب العیدین، ج2، ص165,166، دار الفکر، بیروت)

نماز عید کب مشروع ہوئی

علامہ زین الدین ابن نجیم مصری حنفی فرماتے ہیں:

عید کی نماز ہجرت کے پہلے سال مشروع ہوئی جیسا کہ ابوداؤد نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو مدینہ والوں کے لیے دو دن ایسے تھے جن میں وہ کھیلتے تھے، تو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ یہ دو دن کیا ہیں؟ انہوں نے عرض کہ ہم زمانہ جاہلیت میں ان دو دنوں میں کھیلتے تھے، تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((ن اللہ قد أبدلکم بھما خیرا منھما یوم الأضحی ویوم الفطر)) ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے ان دو دنوں کو دو بہتر دنوں میں تبدیل فرما دیا ہے اور وہ دو دن یوم اضحیٰ اور یوم فطر ہیں۔ (بحرالرائق، باب العیدین، ج2، ص170، دار الکتاب الاسلامی، بیروت)

تکبیرات عیدین کس سال شروع ہوئیں اور ان کی علت کیا ہے

نماز عید ہجرت کے سال اول میں شروع ہوئی...... اور وہ شرع میں اسی اسلوب وطریقہ پر (یعنی تکبیرات کے ساتھ) ہی معروف ہوئی۔ اور تکبیرات میں حکمت دینی سرور کا اظہار اور اللہ تعالیٰ کے اس فرمان پر عمل ہے ﴿ولتکملوا العدۃ ولتکبروا اللہ علی ماھدٰکم﴾ ترجمہ: کہ تم اس مدت (رمضان) کو مکمل کرو اور اللہ کی عطا کردہ ہدایت پر اللہ کی

بڑائی بیان کرو۔ یہ عیدالفطر میں ہے۔

اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿لتکبروا اللہ علی ماھدٰکم وبشر المحسنین﴾ ترجمہ: تم اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ہدایت پر تکبیر کہو اور محسنین کو بشارت دو۔ یہ عیدالاضحیٰ کے بارے میں ہے۔ (فتاوی رضویہ، ج 8، ص572، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

نمازِ عید کا حکم، مذاہبِ ائمہ

احناف کا مؤقف

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک عید کی نماز واجب ہے، وجوب کی وجہ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس پر بغیر ترک کے مواظبت یعنی ہمیشگی فرمائی ہے، جیسا کہ ہدایہ میں ہے، اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے جو امام ابن حبان وغیرہ نے ذکر کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عیدالفطر کی نماز سب سے پہلے ہجرت کے دوسرے سال ادا فرمائی، اسی سال روزے شعبان میں فرض ہوئے تھے، پھر عید کی نماز پر نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وقتِ وصال تک مداومت فرمائی۔ (مرقاۃ المفاتیح، باب صلاۃ العیدین، ج3، ص1060، دار الفکر، بیروت)

نمازِ عید کے وجوب پر ایک دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَ انْحَرْ﴾ ترجمہ: تو تم اپنے رب کے لئے نماز پڑھو اور قربانی کرو۔ (سورۃ الکوثر، آیت2)

اس آیت کی تفسیر میں کہا گیا کہ نمازِ عید پڑھو اور قربانی کرو۔ اور مطلق امر وجوب کے لیے ہوتا ہے۔

(بدائع الصنائع، صلاۃ العیدین، فصل شرائط وجوب الخ، ج1، ص275، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَلِتُکْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُکَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰی مَا هَدٰىکُمْ﴾ ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ کی بڑائی بولو اس پر کہ اس نے تمہیں ہدایت کی۔ (سورۃ البقرۃ، آیت185)

کہا گیا کہ اس سے مراد بھی نمازِ عید ہے۔

(بدائع الصنائع، صلاۃ العیدین، فصل شرائط وجوب الخ، ج1، ص275، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

ایک دلیل یہ ہے کہ نمازِ عید شعائرِ اسلام میں سے ہے، پس اگر یہ سنت ہو تو کئی مرتبہ ایسا ہو گا کہ لوگ اس کے ترک پر مجتمع ہو جائیں گے پس اس سے شعائرِ اسلام میں سے ایک فوت ہو جائے گا، پس اسے واجب قرار دیں گے تاکہ وہ

عمل جو کہ شعائر اسلام میں سے ہے فوت ہونے سے محفوظ رہے۔

(بدائع الصنائع، صلاۃ العیدین، فصل شرائط وجوب الخ، ج 1، ص 275، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

مالکیہ کا مؤقف

علامہ شہاب الدین قرافی مالکی (متوفی 684ھ) فرماتے ہیں:

"ہمارے نزدیک نمازِ عید سنت مؤکدہ ہے۔"

(الذخیرہ، الباب السابع عشر فی صلاۃ العیدین، ج 2، ص 417، دار الغرب الاسلامی، بیروت)

شوافع کا مؤقف

علامہ یحیی بن شرف النووی شافعی (متوفی 676ھ) فرماتے ہیں:

"امام شافعی اور ہمارے جمہور اصحاب نے صراحت کی ہے کہ نمازِ عید سنت ہے، اور اصطخری نے کہا کہ فرض کفایہ ہے، اگر ہم کہیں کہ فرض کفایہ ہے تو ترک کرنے والوں سے قتال کیا جائے گا اور اگر ہم کہیں کہ سنت ہے تو ترک کرنے والوں سے قتال نہیں کیا جائے اصح قول پر، اور ابو اسحاق مروزی نے کہا کہ سنت کے باوجود ترک پر قتال کیا جائے گا۔"

(المجموع شرح المہذب، باب صلاۃ العیدین، ج 5، ص 2، دار الفکر، بیروت)

حنابلہ کا مؤقف

علامہ موفق الدین ابن قدامہ حنبلی (متوفی 620ھ) فرماتے ہیں:

"ظاہر المذہب میں نماز عید فرض کفایہ ہے، جب اتنے لوگوں کی تعداد نے پڑھ لی جو کفایت کرنے والی ہے تو باقیوں سے ساقط ہو جائے گی، اور اگر کسی شہر کے تمام لوگ اس کے ترک پر متفق ہو جائیں تو امام المسلمین ان سے قتال کرے گا۔"

(المغنی لابن قدامہ، باب صلاۃ العیدین، ج 2، ص 272، مکتبۃ القاہرہ)

نمازِ عید کس پر واجب ہے اور اس کی شرائط

نمازِ عید ہر اس شخص پر واجب ہے جس پر نمازِ جمعہ واجب ہے، جیسا کہ ہدایہ میں ہے، اور نمازِ عید کی وہی شرائط ہیں جو نمازِ جمعہ کی شرائط ہیں سوائے خطبہ کے، ایسا ہی خلاصہ میں ہے، (کہ خطبہ نمازِ جمعہ میں شرط ہے اور نمازِ جمعہ سے پہلے

ہے، جبکہ) نمازِ عید میں خطبہ سنت ہے اور نمازِ عید کے بعد ہے، اس کے بغیر بھی نمازِ عید ہو جائے گی، اور اگر نمازِ عید سے پہلے خطبہ دیا تو نمازِ عید ہو جائے گی مگر مکروہ ہے ایسا ہی محیط سرخسی میں ہے، اور اس صورت میں نمازِ عید کے بعد خطبہ کا اعادہ نہیں کیا جائے گا، ایسے ہی فتاوی قاضی خان میں ہے۔ (فتاوی ہندیہ، الباب السابع عشر فی صلاۃ العیدین، ج 1، ص 150، دار الفکر، بیروت)

فتاوی رضویہ میں ہے:

نمازِ عید شہروں میں ہر مرد آزاد، تندرست، عاقل، بالغ، قادر پر واجب ہے، قادر کے یہ معنی کہ نہ اندھا ہو، نہ لولا ہو، نہ لنجھا، نہ قیدی، نہ کسی ایسے مریض کا تیماردار ہو کہ یہ اُسے چھوڑ کر گھر سے جائے تو مریض ضائع رہ جائے، نہ ایسا بوڑھا کہ چل پھر نہ سکے، نہ اسے نماز کو جانے میں حاکم یا چور یا دشمن کی طرف سے جان یا مال یا عزت کا سچا خوف ہو، نہ اس وقت مینہ یا برف یا کیچڑ یا سردی اس قدر شدت سے ہو کہ نماز کو جانا سخت مشقت کا موجب ہو......

جو شخص شہر میں ان صفات کا جامع اور ان موانع سے خالی ہو اور وہاں عید بروجہ شرعی ہو پھر نہ پڑھے تو گنہگار اور شرعاً مستحق سزا و تعزیر ہوگا۔ (فتاوی رضویہ، ج 8، ص 570، 571، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

جمعہ وعیدین کی امامت اور پنجوقتہ نماز کی امامت میں فرق

جمعہ وعیدین کی امامت پنجگانہ کی امامت سے بہت خاص ہے، امامت پنجگانہ میں صرف اتنا ضرور ہے کہ امام کی طہارت و نماز صحیح ہو، قرآن عظیم صحیح پڑھتا ہو، بدمذہب نہ ہو، فاسق معلن نہ ہو، پھر جو کوئی پڑھائے گا نماز بلاخلل ہو جائے گی بخلاف نماز جمعہ وعیدین کہ ان کے لئے شرط ہے کہ امام خود سلطان اسلام ہو یا اس کا ماذون، اور جہاں یہ نہ ہوں تو بضرورت جسے عام مسلمانوں نے جمعہ وعیدین کا امام مقرر کیا ہو۔۔ دوسرا شخص اگر ایسا ہی عالم و صالح ہو ان نمازوں کی امامت نہیں کر سکتا اگر کرے گا نماز نہ ہوگی۔ (فتاوی رضویہ، ج 8، ص 569، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

عید گاہ میں خرید و فروخت کرنا

فتاوی رضویہ میں ہے:

عید گاہ ایک زمین ہے کہ مسلمانوں نے نمازِ عید کے لئے خاص کی، امام تاج الشریعۃ نے فرمایا صحیح یہ ہے کہ وہ مسجد ہے اس پر تمام احکامِ مسجد ہیں، نہایہ میں اگرچہ مختار للفتوی یہ رکھا کہ وہ عین مسجد نہیں۔

مگر اس کے یہ معنی نہیں ہو سکتے کہ اس کی تنظیف وتطہیر ضروری نہیں، غیر وقت نماز وخطبہ میں اس میں خرید وفروخت قولِ اول پر مطلقاً حرام ہے اور خرید فروخت کے لئے اس متعین کرنا بالاتفاق حرام ہے۔

اور یوں کہ اتفاقاً غیر وقت نماز خطبہ میں ایک کے پاس کوئی شے ہو وہ دوسرے کے ہاتھ بیع کرے، قول دوم پر اس میں حرج نہیں، وقت نماز یا خطبہ میں خوانچہ والوں کا گشت بلاشبہ ممنوع وواجب الانسداد ہے کہ مخل استماع وناقض ہے اوران کے غیر اوقات میں وہی اختلاف قولین، یونہی کفار کی آمد ورفت خصوصاً جوتا پہنے کہ یہ نجاست سے خالی نہیں ہوتے نہ وہ جنابت سے۔ (فتاوی رضویہ، ج8، ص596، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

جمعہ والے دن عید ہونے کو بھاری سمجھنا غلط ہے

عمومی طور پر لوگ کہتے ہیں کہ جمعہ کے دن عید بھاری ہوتی ہے، جانی و مالی نقصان کا اندیشہ ہوتا ہے..... یہ نظریہ بالکل غلط اور خلاف شرع ہے، جمعہ اور عید کا جمع ہونا بھاری یا منحوس نہیں بلکہ باعثِ خیر وبرکت ہے کہ ایک دن میں دو عیدیں اور دو عبادتیں نصیب ہوئیں، سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابہ علیہم الرضوان کے ادوارِ مبارک میں بھی کئی بار ایسا ہوا کہ جمعہ وعید ایک دن میں اکٹھے ہوئے مگر اسے بھاری یا منحوس سمجھنا کسی سے منقول نہیں بلکہ حدیث سے ثابت ہے کہ دونوں کا جمع ہونا خیر وبرکت ہی کا ذریعہ ہے اور دونوں کے جمع ہونے کو بھاری یا منحوس سمجھنا بدشگونی لینا ہے جو کہ جائز نہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانے میں عید جمعہ کے دن ہوئی سنن کبری للبیہقی میں ہے: ((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: اجْتَمَعَ عِيدَانِ عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ)) ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مروی، فرمایا: نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں عید جمعہ کے دن ہوئی۔

(سنن کبری للبیہقی، کتاب صلوۃ العیدین، حدیث 6287: جلد 03 صفحہ 444، دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

حضرت عثمان غنی اور علی المرتضی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے زمانے میں بھی عید کا جمعہ کے دن ہونا ثابت ہے۔ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ثُمَّ شَهِدْتُ عُثْمَانَ فِي فِطْرٍ وَيَوْمِ جُمُعَةٍ بَدَأَ بِالصَّلَاةِ قَبْلَ الْخُطْبَةِ فَقَالَ: إِنَّ هَذَيْنِ عِيدَانِ اجْتَمَعَا فِي يَوْمٍ "ترجمہ پھر میں عید الفطر جو جمعہ کے دن تھی، کو عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ موجود تھا کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نماز کو خطبہ سے پہلے شروع کیا، پھر فرمایا: بے شک یہ دونوں عیدیں (عید او

رجمہ) ایک دن میں جمع ہوئیں ہیں۔

(احکام العیدین، باب ماروی عن النبی انہ ہی۔۔جلد 01، صفحہ 61، حدیث نمبر 07: ،مکتبۃ العلوم والحکم، المدینۃ المنورۃ)

مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے: (("عَنْ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمَنِ، قَالَ:اجْتَمَعَ عِيدَانِ عَلَى عَهْدِ عَلِيٍّ))

ترجمہ: ابوعبدالرحمٰن سے مروی کہتے ہیں کہ عہدِ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں عید جمعہ کو ہوئی۔

(مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب العیدین، باب فی العیدین یجتمعان، حدیث 5838: ،جلد 02، صفحہ 07، مکتبۃ الرشد، الریاض)

حدیث میں جمعہ کے دن عید ہونے کو مسلمانوں کے واسطے خیر قرار دیا گیا چنانچہ مصنف عبدالرزاق میں ہے: ((عَنْ ذَكْوَانَ قَالَ: اجْتَمَعَ عِيدَانِ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِطْرٌ وَجُمُعَةٌ أَوْ أَضْحَى وَجُمُعَةٌ قَالَ: فَخَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: إِنَّكُمْ قَدْ أَصَبْتُمْ ذِكْرًا وَخَيْرًا)) ترجمہ: حضرت ذکوان سے مروی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانے مبارک میں عید الفطر یا عید الاضحیٰ جمعہ کے دن ہوئی، کہتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا بے شک تم نے ذکر اور بھلائی کو پایا ہے۔

(مصنف ابن عبدالرزاق، کتاب صلوۃ العیدین، باب اجتماع العیدین، حدیث 5728، جلد 3، صفحہ 304، بیروت)

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زبان حق ترجمان سے معلوم ہوا کہ جمعہ و عید کو ایک دن میں اکٹھا پانا ذکر اور بھلائی کو پانا ہے۔ طبرانی میں ابن عمر رضی اللہ عنہ سے "خَيْرًا وَأَجْرًا" کے الفاظ مروی ہیں چنانچہ آپ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "((يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّكُمْ قَدْ أَصَبْتُمْ خَيْرًا وَأَجْرًا")) ترجمہ: اے لوگو! بے شک تم نے خیر اور اجر کو پایا ہے۔ (المعجم الکبیر للطبرانی، عطاء بن ابی رباح، حدیث 13591: ،جلد 12، صفحہ 435، مکتبۃ ابن تیمیۃ، القاہرۃ)

فقہاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم فرماتے ہیں کہ جمعہ اگر کسی عبادت والی گھڑی والے دن میں آئے تو اور برکت زیادہ ہوتی ہے اور اسے احادیث مبارکہ سے ثابت کرتے ہیں، چنانچہ شامی 621/2 طحطاوی 740/1، مراقی الفلاح 281/1 اور درر میں ہے: "أفضل الأيام يوم عرفة إذا وافق يوم الجمعة وهو أفضل من سبعين حجة في غير جمعة رواه رزين عن معاوية في تجريد الصحاح قاله الزيلعي، وكذا نقله في معراج الدراية بقوله، وقد صح عن رسول الله صلى الله عليه وسلم أنه قال أفضل الأيام يوم عرفة إذا وافق يوم جمعة وهو أفضل من سبعين حجة ذكره في تجريد الصحاح بعلامة الموطا" ترجمہ: عرفہ کا دن تمام دنوں سے افضل ہو جاتا ہے جب

وہ جمعہ کے ساتھ آجائے کیونکہ جمعہ کے دن عرفہ کا آنا ان ستر حجوں سے افضل ہو جاتا ہے جو جمعہ کے دن نہ ہوں، اسے رزین نے معاویہ سے تجرید الصحاح میں روایت کیا امام زیلعی نے ایسا ہی کہا اور اسی طرح اسے معراج الدرایہ میں ان الفاظ سے نقل کیا: کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے صحت کے ساتھ ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا عرفہ اور جمعہ کا دن جب اکٹھے ہو جائیں تو وہ عرفہ کا دن ہر دن سے فضیلت پا جاتا ہے اور وہ حج دیگر حجوں سے ستر گناہ زیادہ ہو جاتا ہے اس کو تجرید الصحاح علامت مؤطا سے ذکر کیا۔

(درر الحکام شرح غرر الاحکام، کتاب الحج، باب المواقیت، تقدیم الاحرام علی المواقیت، جلد 01، صفحہ 226، دار احیاء الکتب العربیۃ)

جمعہ اور عید اکٹھے ہونے سے کیا جمعہ ساقط ہو جاتا ہے

بعض بد مذہب مشہور کرتے ہیں کہ جمعہ کے دن عید آجائے تو عید پڑھنے والے سے جمعہ ساقط ہو جاتا ہے.....

ایسا ہرگز نہیں کہ عید کی حاضری سے جمعہ کی فرضیت ساقط ہو جائے بلکہ جمعہ اپنی شرائط کے ساتھ جس پر فرض ہو فرض رہتا ہے۔ یہ ہی جمہور کا مذہب ہے۔ اور سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عمل سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عید کے دن جمعہ ہونے پر دونوں کی جماعت کروائی۔ چنانچہ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں: ((كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يقرأ في العيدين، وفي الجمعة بسبح اسم ربك الأعلى، وهل أتاك حديث الغاشية، قال: وإذا اجتمع العيد والجمعة، في يوم واحد، يقرأ بهما أيضا في الصلاتين)) "ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عیدین اور جمعہ میں (سبح اسم ربک الأعلی) اور (وہل أتاک حدیث الغاشیۃ) پڑھتے تھے اور فرماتے ہیں کہ جب عید اور جمعہ ایک دن میں جمع ہو جاتے تو یہ دونوں سورتیں دونوں نمازوں میں پڑھتے۔ (صحیح مسلم، کتاب الجمعۃ، باب ما یقرء فی صلاۃ الجمعۃ، ج2، ص598، حدیث 878، دار احیاء التراث، بیروت)

مذکورہ صحیح حدیث اور مذہب جمہور کے خلاف ہمارے دور کے بعض بد مذہبوں کا یہ موقف ہے کہ اگر جمعہ کے دن عید ہو جائے تو صرف عید ہی کافی ہے جمعہ نہ پڑھا جائے تو کوئی حرج نہیں اس پر وہ ابوداؤد شریف کی حدیث پیش کرتے ہیں حدیث کے الفاظ یہ ہیں، حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ((صلى العيد، ثم رخص في الجمعة)) ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عید پڑھائی پھر جمعہ کی رخصت عطا فرمائی۔

(سنن ابی داؤد، کتاب الصلوۃ، باب اذا وافق یوم الجمعۃ یوم عید، ج 1، ص 281، ح 1070، المکتبۃ العصریہ بیروت)

بدمذہبوں کا مذکورہ روایت سے جمعہ معاف ہونے کا استدلال کرنا باطل ومردود ہے کیونکہ اس حدیث میں جمعہ کی معافی تمام افراد کے لیے نہیں، بلکہ محض ان لوگوں کے لئے ہے جو مدینۃ المنورۃ کے باہر سے یعنی دور دراز، گاؤں دیہاتوں وغیرہ سے نمازِ عید ادا کرنے کیلئے آئے تھے، اور جو لوگ شہری نہ ہوان پر جمعہ فرض ہی نہیں چہ جائیکہ ساقط ہو، ثانیا جمعہ اور عید دونوں الگ الگ عبادت ہیں آپس میں معارض بھی نہیں تو یہاں ایک عبادت سے دوسری کو ساقط کرنا خلاف عقل بھی ہے خلاف اصول بھی۔ دلائل ملاحظہ فرمایئے۔

بخاری شریف میں ہے:((قَالَ أَبُو عُبَيْدٍ: ثُمَّ شَهِدْتُ العِيدَ مَعَ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ، فَكَانَ ذَلِكَ يَوْمَ الجُمُعَةِ، فَصَلَّى قَبْلَ الخُطْبَةِ، ثُمَّ خَطَبَ فَقَالَ: يَا أَيُّهَا النَّاسُ، إِنَّ هَذَا يَوْمٌ قَدِ اجْتَمَعَ لَكُمْ فِيهِ عِيدَانِ، فَمَنْ أَحَبَّ أَنْ يَنْتَظِرَ الجُمُعَةَ مِنْ أَهْلِ العَوَالِي فَلْيَنْتَظِرْ، وَمَنْ أَحَبَّ أَنْ يَرْجِعَ فَقَدْ أَذِنْتُ لَهُ")) ترجمہ: ابوعبید رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں پھر میں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ عید کی نماز کے لیے حاضر ہوا پس یہ ہی جمعہ کا دن بھی تھا تو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خطبہ سے پہلے نمازِ عید پڑھائی پھر خطبہ دیا اور فرمایا اے لوگوں بے شک یہ ایسا دن ہے جس میں تمہارے لیے دو عیدیں جمع ہوگیء ہیں پس مدینہ کے اطراف میں رہنے والوں میں سے جو چاہتا ہے کہ جمعہ کا انتظار کرے تو اس کو انتظار کرنا چاہیے اور جو واپس جانا چاہتا ہے تو اسے میں جانے کی اجازت دیتا ہوں۔

(صحیح البخاری، جلد 07، صفحہ 103، حدیث 5571، دار طوق النجاۃ)

مصنف عبدالرزاق میں ہے:((عن أبي عبيد مولى عبد الرحمن بن عوف قال شهدت عثمان واجتمع فطر وجمعة فخطب عثمان الناس بعد الصلاة ثم قال إن هذين العيدين قد اجتمعا في يوم واحد فمن كان من أهل العوالي فأحب أن يمكث حتى يشهد الجمعة فليفعل ومن أحب أن ينصرف فقد أذنا له)) ترجمہ: عبدالرحمٰن بن عوف کے غلام ابوعبید سے مروی کہتے ہیں کہ میں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں موجود تھا کہ جمعہ وعید الفطر ایک دن میں جمع ہوئے تو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نماز عید کے بعد خطبہ دیا پھر فرمایا کہ جمعہ وعید دونوں ایک دن میں اکٹھے ہوئے ہیں مجھے یہ بات پسند ہے کہ جو عوالی مدینہ میں سے ہیں وہ یہیں رکیں تا کہ جمعہ

میں حاضر ہوسکیں جس سے بن پڑ پائے رکنا چاہیے لیکن جو نہ رکنا چاہے، واپس جانا چاہے تو اسے بھی میری طرف سے اجازت ہے۔

ان احادیث میں صراحت ہے کہ خلیفہ ثالث حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صرف اہل العوالی کو رخصت دی کہ وہ واپس جانا چاہیں تو جا سکتے ہیں اور اہل عوالی سے مراد یہ ہے کہ جو مدینہ کے اطراف سے آئے ہوں جیسا کہ لسان العرب میں ہے۔:والعوالی ھی أماکن بأعلی أراضی المدینة وأدناھا من المدینة علی أربعة أمیال، وأبعدھا من جھة نجد ثمانیة "عوالی وہ جگہیں ہیں جو مدینہ کی زمینوں سے بلندی میں واقع ہیں مدینہ منورہ سے ان کا زیادہ قریبی علاقہ چار میل کے فاصلے پر اور جہت نجد سیان کا زیادہ دور والا علاقہ آٹھ میل کے فاصلے پر واقع ہے۔

(لسان العرب، فصل العین المھملۃ، ج15، ص87، دار صادر، بیروت)

ابو داؤد شریف کی رخصت والی حدیث نقل کرنے کے بعد علامہ یوسف بن موسی حنفی (المتوفی 803ھ) فرماتے ہیں:المرخصون أھل العوالی الذی منازلھم خارجة عن المدینة ممن لیست لھم جمعة لأنھم فی غیر مصر "ترجمہ: جن کو رخصت دی گئی اہلِ عوالی ہیں جن کے گھر مدینہ سے باہر ہیں یہ ان میں سے ہیں جن پر جمعہ فرض نہیں کیونکہ وہ شہر میں نہیں رہتے۔

(المعتصر من المختصر من مشکل الآثار، ج1، ص90، عالم الکتب، بیروت)

مذکورہ ابو داؤد شریف کی حدیث میں بھی فقط دور سے آنے والوں کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جمعہ سے رکنے نہ رکنے کا اختیار دیا، کیونکہ جمعہ صرف اس پر فرض ہے جو شہری ہو جیسا کہ شرح معانی الآثار میں جمعہ میں نہ آنے کی رخصت کی حدیث کو لکھنے کے بعد اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے امام طحاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں: لَا جُمُعَةَ عَلَیْھِم:لِأَنَّھُمْ لَیْسُوا بِمِصْرٍ مِنَ الْأَمْصَار "ترجمہ: ان کو رخصت دینے کی وجہ یہ ہے کہ یہ شہری نہیں اور جو شہری نہ ہو ان پر جمعہ فرض نہیں۔

(شرح مشکل الآثار، باب بیان مشکل ماروی عن رسول اللہ فی العیدین یجتمعان، حدیث 1155: ، جلد3، صفحہ 190، بیروت)

علامہ عینی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس رخصت والی حدیث کے تحت تحریر فرماتے ہیں:ومقتضی ھذا :الاکتفاءُ بالعید فی ھذا الیوم وسقوط فَرضیّة الجمعة؛ وھو مذھب عطاء، ولم یقُلْ به أحدٌ من الجُمھور؛ لأن الفَرضَ لا یَسْقط بالسُّنَّة "ترجمہ: اس حدیث کا تقاضہ یہ ہے کہ اس دن میں عید پڑھنے پر اکتفاء کیا جائے اور جمعہ کی فرضیت کو ساقط

ہو جائیگو کہ عطاء کا مذہب ہے حالانکہ جمہور میں سے کوئی بھی اس کا قائل نہیں، کیونکہ جمعہ فرض ہے اور فرض سنت کے ذریعے ساقط نہیں ہوتا۔

(شرح ابی داؤد للعینی، کتاب الصلوۃ، باب اذا وافق یوم۔۔جلد 04، صفحہ 401، مکتبۃ الرشد، الریاض)

امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جمعہ کے دن عید ہونے کی صورت میں دونوں ہی کی ادائیگی کو لازمی قرار دیتے ہوئے امام اعظم سے جامع صغیر میں نقل فرماتے ہیں: عن أبی حنیفة (رضی الله عنهم)عیدان اجتمعا فی یوم واحد فالأول سنة والآخر فریضة ولا یترك واحد منهما "ترجمہ: امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ دو عیدیں ایک دن میں جمع ہوگئی ہیں پہلی سنت ہے (یعنی وجوب سنت سے ثابت ہے) اور دوسرا فرض ہے اور دونوں میں سے کسی کو بھی نہ چھوڑ جائے۔

(الجامع الصغیر مع شرحہ النافع الکبیر، ج 1، ص 113، عالم الکتب، بیروت)

ردالمحتار میں ہے: مذهبنا فلزوم کل منهما .قال فی الهدایة ناقلا عن الجامع الصغیر: عیدان اجتمعا فی یوم واحد فالأول سنة والثانی فریضة ولا یترك واحد منهما اهـ قال ابن عبد البر سقوط الجمعة بالعید مهجور .وعن علی أن ذلك فی أهل البادیة ومن لا تجب علیهم الجمعة "ترجمہ: ہمارا احناف کا مذہب یہ ہے کہ جمعہ اور عید دونوں میں سے ہر ایک کی ادائیگی لازم ہے ہدایہ میں جامع صغیر سے نقل کرتے ہوئے فرمایا: دو عیدیں ایک دن میں جمع ہوگئی ہیں پہلی سنت ہے (یعنی وجوب سنت سے ثابت ہے) اور دوسرا فرض ہے پس دونوں میں سے کسی کو ترک نہ کیا جائے۔۔علامہ ابن عبدالبر نے کہا کہ عید کے ساتھ جمعہ ساقط ہونے کا حکم مہجور (چھوڑ دیا گیا) ہے اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ یہ رخصت گاؤں والوں اور ان افراد کے لیے تھی جن پر جمعہ فرض نہیں تھا۔

(ملتقطا از ردالمحتار، ج 3، ص 51، مطبوعہ رشیدیہ کوئٹہ)

علامہ عینی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں:"وقالت عامة الفقهاء :تجب الجمعة لعموم الآیة والأخبار الدالة علی وجوبها؛ ولأنهما صلاتان واجبتان فلم تسقط إحداهما بالأخری کالظهر مع العید "ترجمہ: اکثر فقہاء نے فرمایا کہ جمعہ بدستور فرض رہے گا کہ آیت عام ہے اور عید کے جمعہ کے دن ہونے کے باوجود احادیث جمعہ کے لازمی وضروری ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔ نیز وہ دونوں الگ الگ عبادتیں لہٰذا ایک کی وجہ سے دوسری ساقط نہ ہوگی جیسا کہ ظہر کی نماز عید پڑھنے کی وجہ سے ساقط نہیں ہوتی۔

(شرح ابی داؤد للعینی، کتاب الصلوۃ، باب اذا وافق یوم۔۔جلد 04، صفحہ 297، مکتبۃ الرشد، الریاض)

نمازِ عید عیدگاہ میں پڑھنا مستحب ومسنون ہے

فتاوی رضویہ میں ہے:

عامہ کتبِ مذہب متون وشروح وفتاوی میں تصریح ہے کہ نماز عیدین بیرون شہر مصلی یعنی عیدگاہ میں پڑھنی مندوب ہے، مستحب ہے، افضل ہے، مسنون ہے، فرض نہیں کہ شہر میں ادا ہی نہ ہو، واجب نہیں کہ شہر میں پڑھنا مطلقاً گناہ ہو۔ (فتاوی رضویہ، ج8، ص560,561، رضافاؤنڈیشن، لاہور)

مزید ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:

یہاں دو چیزیں ہیں:

ایک اصل سنت کہ نمازی عیدین بیرونِ شہر جنگل میں ہو شارع علیہ الصلاۃ والسلام نے اُس میں حکمت اظہارِ شعارِ اسلام وشوکت وکثرت مسلمین رکھی ہے، یہ بات نفس خروج واجتماع سے حاصل اگرچہ صحرا میں کوئی عمارت بنالیں پس قولِ عمرو کہ جب مسجد صحرا میں ہے تو بیرونِ شہر جانے جنگل میں پڑھنے کا ثواب حاصل بلاشبہ صحیح ہے۔

دوم سنت، سنت کہ تکمیل وتاکیدِ اصل سنت کے لئے ہے یعنی فضائے خالی بے عمارت میں پڑھنا کہ اس میں زیادت اظہار شعار وشوکت ہے مسجد عیدگاہ واقع صحرا میں پڑھنے سے، اگرچہ اصل اظہارِ شعار وصلوٰۃ فی الصحرا کا ثواب حاصل، مگر صلوٰۃ فی الفضا میں اتباعِ اتم پر جو ثواب ازید (زیادہ ثواب) ملتا وہ نہ ہوا جبکہ جانب تعمیر کسی مصلحتِ شرعیہ سے مترجح نہ ہوا، اس معنی پر قول زید بھی روبصحت ہے زمانہ اکرم حضور پرنور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں مصلائے عید کفِ دست (ہاتھ کی ہتھیلی کی مانند) میدان تھا جس میں اصلاً تعمیر نہ تھی۔ (فتاوی رضویہ، ج8، ص562,563، رضافاؤنڈیشن، لاہور)

نمازِ عید میں خطبہ کے دوران خطیب کا چندہ کی ترغیب دلانا کیسا ہے؟

چندہ کی تحریک اگر کسی امر دینی کے لئے ہو تو عین خطبہ میں اس کی اجازت اور خود حدیث میں ثابت ہے ایک بار خطبہ فرماتے ایک صاحب کو ملاحظہ فرمایا کہ بہت حالت فقر ومسکنت میں تھے، حاضرین سے ارشاد فرمایا: تصدقوا صدقہ دو، ایک صاحب نے ایک کپڑا، دوسرے صاحب نے دوسرا کپڑا دیا، پھر ارشاد فرمایا: تصدقوا صدقہ دو۔ یہ مسکین جن کو

ابھی دو کپڑے ملے تھے اُٹھے اور ان دو کپڑوں میں سے ایک حاضر کیا، یعنی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا حکم کہ تصدقوا حاضرین کے لئے عام ہے اور میں بھی حاضر ہوں اور اس وقت دو کپڑے رکھتا ہوں ایک حاضر کر سکتا ہوں، ان کو اس سے باز رکھا گیا کہ تمھارے ہی لئے تصدّق کا حکم فرمایا جاتا ہے نہ کہ تم کو۔

مگر ہندوستان میں تحریک چندہ اگر چہ کیسے ہی ضروری کام کے لئے ہو زبان اردو میں ہوگی اور خطبہ میں غیر عربی کا خلط مکروہ و خلافِ سنت ہے، لہٰذا اُس وقت نہ چاہئے بلکہ بعد ختم خطبہ عید جس طرح صحیحین میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خطبہ عید تمام فرما کر گروہِ نساء پر تشریف لے گئے اور ان کو تصدق کا حکم فرمایا وہ اپنے زیور اتار اتار کر حاضر کرتی تھیں اور بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے دامن میں لئے تھے۔ (فتاوی رضویہ، ج8، ص567، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

نمازعید کے بعد مصافحہ اور معانقہ کرنا

نمازعید کے بعد مصافحہ (ہاتھ ملانے) اور معانقہ کرنے (گلے ملنے) کو بعض بدمذہب بدعت سیئہ کہتے ہیں، حالانکہ مصافحہ و معانقہ اصل کے اعتبار سے سنت ہے اور خاص نمازعید کے بعد مصافحہ و معانقہ کرنا مباح و جائز ہے اور اچھی نیت سے محمود و مستحسن ہے جبکہ کوئی مانع شرعی (شہوت وغیرہ) نہ ہو اور یہ ہرگز بدعت مذمومہ وسیئہ نہیں، بدمذہبوں کا اس کو بدعت سیئہ کہنا شریعت مطہرہ پر افتراء ہے کہ جس بات کو شریعت نے جائز و مباح و محمود رکھا ہے اس کو بدعت سیئہ کہتے ہیں۔

بعض لوگ معانقہ کو صرف سفر سے واپسی کے وقت کے ساتھ مخصوص کرتے ہیں، حالانکہ کثیر احادیث سے سفر سے واپسی کے علاوہ بھی معانقہ کرنا ثابت ہے، اسی طرح کتب فقہ میں بھی معانقہ کے جواز کو سفر سے واپسی کے ساتھ مقید نہیں کیا گیا، ہم اولاً احادیث بیان کریں گے پھر کتب فقہ سے جزئیات بیان کریں گے۔

مصافحہ اور معانقہ کے جواز پر احادیث

مصافحہ (ہاتھ ملانے) و معانقہ (گلے ملنے) کا ثبوت کثیر احادیث سے ہے، ان میں کچھ درج ذیل ہیں:

(1) حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے: ((مالقیتہ صلی للہ تعالٰی علیہ وسلم قط الاصافحنی وبعث الی ذات یوم ولم اکن فی اھلی فلما جئت اخبرت انہ ارسل الی فاتیتہ وھو علی سریرہ فالتزمنی

فکانت تلک اجود و اجود)) یعنی میں جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتا حضور ہمیشہ مصافحہ فرماتے۔ ایک دن میرے بلانے کو آدمی بھیجا۔ میں گھر میں نہ تھا۔ آیا تو خبر پائی حاضر ہوا۔ حضور تخت پر جلوہ فرما تھے۔ مجھے گلے سے لگایا تو یہ اور زیادہ جید و نفیس تر تھا۔ (سنن ابوداؤد، کتاب الادب، باب فی المعانقۃ، جلد 2، صفحہ 367، مکتبہ لاہور)

(2) ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں: ((قالت رأیت النبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم التزمَ علیًّا وقبّلہ وھو یقول بابی الوحید الشھید)) ترجمہ: میں نے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھا حضور نے مولیٰ علی کو "گلے لگایا" اور پیار کیا، اور فرماتے تھے میرا باپ نثار اس وحید شہید پر۔

(مسند ابویعلی، مسند عائشہ، جلد 8، صفحہ 55، دار المأمون للتراث، دمشق)

(3) حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں: ((کنا عند النبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم فقال یطلع علیکم رجل لم یخلق اللہ بعدی احداھو خیر منہ ولا افضل وله شفاعۃ مثل شفاعۃ النبیین فمابرحنا حتی طلع ابوبکر الصدیق فقام النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فقبلہ والتزمہ)) یعنی ہم خدمت اقدس حضور پرنور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حاضر تھے ارشاد فرمایا اس وقت تم پر وہ شخص چمکے گا کہ اللہ تعالیٰ نے میرے بعد اس سے بہتر و بزرگ تر کسی کو نہ بنایا اور اس کی شفاعت انبیاء کی مانند ہوگی ہم حاضر ہی تھے کہ ابوبکر نظر آئے، سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قیام کیا اور صدیق کا بوسہ لیا اور گلے لگایا۔ (تاریخ بغداد للخطیب بغدادی، جلد 3، صفحہ 124، دار الکتاب العربی بیروت)

(4) بخاری و مسلم ونسائی وابن ماجہ بطُرقِ عدیدہ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں، وھذا الفظ مؤلَّف منھا دخل حدیث بعضھم فی بعض: ((خرج النبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم فجلس بفناء بیت فاطمۃ رضی اللہ تعالیٰ عنھا فقال اُدعی الحسن بن علی فحبستہ شیئافظننت انھا تلبسہ سخابا او تغسلہ فجاء یشتد وفی عنقہ السخاب فقال النبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم بیدہ ھکذا فقال الحسن بیدہ ھکذا حتی اعتنق کل منھما صاحبہ فقال صلی اللہ تعالی علیہ وسلم اللھم اِنیّ اُحبُّہ، فَاَحِبَّہ، وَاَحِبَّ مَنْ یُّحِبُّہ)) یعنی ایک بار سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت بتول زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مکان پر تشریف لے گئے اور سیدنا امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلایا، حضرتِ زہرا نے بھیجنے میں کچھ دیر کی، میں سمجھا انھیں ہار پہناتی ہوں گی یا نہلا رہی ہوں گی، اتنے میں دوڑتے ہوئے حاضر آئے، گلے میں

ہار پڑا تھا، سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دست مبارک بڑھائے حضور کو دیکھ کر امام حسن نے بھی ہاتھ پھیلائے، یہاں تک کہ ایک دوسرے کو لپٹ گئے، حضور نے "گلے لگا کر" دعا کی: الٰہی! میں اسے دوست رکھتا ہوں تو اسے دوست رکھ اور جو اسے دوست رکھے اسے دوست رکھ۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ حِبِّہٖ وبارك وسلم۔

(صحیح مسلم، باب فضل الحسن والحسین، ج2، ص282، مطبوعہ راولپنڈی)

(5) صحیح بخاری میں امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے: ((کان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم یا خُذ بیدی فیُقعدنی علی فخِذِہٖ ویقعد الحسین علی فخِذِہ الاُخریٰ ویَضُمُّناَ ثم یقول رب انی ارحمهما فار حمهما)) نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میرا ہاتھ پکڑ کر ایک ران پر مجھے بٹھا لیتے اور دوسری ران پر امام حسین کو، اور ہمیں "لپٹا لیتے" پھر دعا فرماتے: الٰہی! میں ان پر رحم کرتا ہوں تو ان پر رحم فرما۔

(صحیح بخاری، باب وضع الصبی فی الحجر، ج2، ص888، مطبوعہ قدیمی کتب خانہ، کراچی)

(6) صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے: ((ضَمَّنِي النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم الی صدرہ۔ فقال اللھم علمه الحکمة)) ترجمہ: سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھے "سینے سے لپٹایا" پھر دُعا فرمائی: الٰہی! اسے حکمت سکھادے۔

(صحیح بخاری، مناقب ابن عباس، ج1، ص531، مطبوعہ قدیمی کتب خانہ، کراچی)

(7) امام احمد اپنی مُسنَد میں یعلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں: ((ان حسناً وحُسیناً رضی اللہ تعالیٰ عنہما یستبقا الی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم فضمّهما الیه)) ایک بار دونوں صاحبزادے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس آپس میں دوڑ کرتے ہوئے آئے حضور نے دونوں کو "لپٹا لیا"۔

(مسند احمد بن حنبل، مناقب ابن عباس، ج4، ص172، مطبوعہ دار الفکر، بیروت)

(8) جامع ترمذی میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حدیث ہے: ((سُئِلَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ أَیُّ أَھْلِ بَیْتِكَ أَحَبُّ إِلَیْكَ؟ قَالَ: الحَسَنُ وَالحُسَیْنُ. وَکَانَ یَقُولُ لِفَاطِمَةَ ادْعِي لِيَ ابْنَيَّ، فَیَشُمُّھُمَا وَیَضُمُّھُمَا إِلَیْہِ)) سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پوچھا گیا حضور کو اپنے اہل بیت میں زیادہ پیارا کون ہے؟ فرمایا: حسن اور حسین۔ اور حضور دونوں صاحبزادوں کو حضرت زہرا سے بلوا کر "سینے سے لگا لیتے" اور ان کی خوشبو سُونگھتے، صلی اللہ تعالیٰ علیہ

وعلیھم و بارك وسلم۔ (جامع ترمذی، مناقب الحسن والحسین، ج5، ص657، مطبعہ مصطفی البابی، مصر)

(9) امام ابوداؤد اپنی سُنن میں حضرت اُسید بن حُضیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روای:((بینما ھو یحدث القوم وکان فیہ مزاحٌ بینما یضحکھم فطعنہ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فی خاصرتہ بعود فقال اصبرنی قال اصطبر قال ان علیك قمیصاً ولیس علیّ قمیص فوضع النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عن قمیصہ فا حتضنہ و جعل یقبّل کشعہ قال انما اردت ھذا یارسول اللہ)) اس اثنامیں کہ وہ باتیں کر رہے تھے اور ان کے مزاج میں مزاح تھا، لوگوں کو ہنسا رہے تھے کہ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے لکڑی ان کے پہلو میں چبھوئی، انھوں نے عرض کی مجھے بدلہ دیجئے، فرمایا: لے۔ عرض کی: حضور تو کرتا پہنے ہیں اور میں ننگا تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کرتا اُٹھایا انھوں نے حضور کو اپنی " کنار میں لیا " اور تہیگاہِ اقدس کو چُومنا شروع کیا پھر عرض کی: یا رسول اللہ! میرا یہی مقصود تھا۔
(سنن ابوداؤد، کتاب الادب، باب قُبلۃ الجسد، ج4، ص393، مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی)

ع دلِ عشّاق حیلہ گر باشد (عاشقوں کے دل بہانہ تلاش کرنے والے ہوتے ہیں) صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلی کل من احبہ وبارك وسلم۔

(10) طبرانی کبیر اور ابن شاہین کتاب السُّنّۃ میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں:((دخل رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم واصحابہ غدیرا فقال لیسبح کل رجل الی صاحبہ فسبح کل رجل منھم الی صاحبہ حتی بقی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وابوبکر فسَبَّحَ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم الی ابی بکر حتی اعتنقہ فقال لو کنت متخذا خلیلا لا اتخذت ابا بکر خلیلا ولکنّہ صاحبی)) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضور کے صحابہ ایک تالاب میں تشریف لے گئے، حضور نے ارشاد فرمایا: ہر شخص اپنے یار کی طرف پَیرے۔ سب نے ایسا ہی کیا یہاں تک کہ صرف رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور ابوبکر صدیق باقی رہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صدیق کی طرف پَیر کے تشریف لے گئے اور انھیں گلے لگا کر فرمایا: میں کسی کو خلیل بناتا تو ابوبکر کو بناتا لیکن وہ میرا یار ہے۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلی صاحبہ وبارك وسلم۔

(طبرانی کبیر، ج11، ص261,339، مطبوعہ المکتبۃ الفیصلیۃ، بیروت)

(11) حافظ عمر بن محمد ملاّ اپنی سیرت میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی، وہ فرماتے ہیں: ((قال رأیت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم واقفاً مع علی بن ابی طالب اذااقبل ابوبکر فصافحہ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وعانقہ و قبّل فاہ فقال علی اتقبل فابی بکر فقال صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یا ابا الحسن منزلۃ ابی بکرٍ عندی کمنزلتی عند ربّی)) میں نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو امیر المومنین علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کے ساتھ کھڑے دیکھا اتنے میں ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ حاضر ہوئے، حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان سے مصافحہ فرمایا اور "گلے لگایا" اور ان کے دہن پر بوسہ دیا۔ مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ نے عرض کی: کیا حضور ابوبکر کا مُنہ چومتے ہیں؟ فرمایا: اے ابوالحسن! ابوبکر کا مرتبہ میرے یہاں ایسا ہے جیسا میرا مرتبہ میرے رب کے حضور۔

(فتاوی رضویہ بحوالہ سیرت حافظ عمر بن محمد ملاّ، ج8، ص612، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

(12) ابن عبد ربّہ کتاب بہجۃ المجالس میں مختصراً اور ریاض نضرہ میں ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مطوّلاً، صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ابتدائے اسلام میں اظہار اسلام اور کفار سے حرب وقتال فرمانا، اور ان کے چہرہ مبارک پر ضربِ شدید آنا، اس سخت صدمے میں بھی حضور اقدس سید المحبوبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا خیال رہنا، حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دار الارقم میں تشریف فرما تھے اپنی ماں سے خدمتِ اقدس میں لے چلنے کی درخواست کرنا مفصلاً مروی، اس کے آخر میں ہے: ((حتی اذا ھدأت الرجل وسکن الناس خرجتابہ یتّکی علیھا حتی ادخلتاہ علی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فانکبّ علیہ فقبّلہ وانکب علیہ المسلمون ورقّ لہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رقّۃ شدیدۃ ...الحدیث)) یعنی جب چہل (چہل پہل) موقوف ہوئی اور لوگ سو رہے ان کی والدہ اُم الخیر اور حضرت فاروق اعظم کی بہن ام جمیل رضی اللہ تعالیٰ عنہما انھیں لے کر چلیں، بوجہ ضعف دونوں پر تکیہ لگائے تھے، یہاں تک کہ خدمت اقدس میں حاضر کیا، دیکھتے ہی "پروانہ وار شمع رسالت پر گر پڑے" پھر حضور کو بوسہ دیا اور صحابہ غایت محبت سے ان پر گرے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے لئے نہایت رقت فرمائی۔ (الریاض النضرۃ، ذکر ام الخیر، ج1، ص76، مطبوعہ چشتی کتب خانہ فیصل آباد)

(13) حافظ ابوسعید شرف المصطفی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی، فرماتے ہیں: ((صعد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم المنبر ثم قال این عثمان بن عفان؟ فوثَبَ وقال انا ذایارسولَ اللہ

فقال اُدْنُ مِنِّیْ فَدَنَا مِنْہُ فَضَمَّہ اِلٰی صَدْرِہٖ وقَبَّلَ بَیْنَ عَیْنَیْہِ الخ)) حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم منبر پر تشریف فرما ہوئے پھر فرمایا: عثمان کہاں ہیں؟ عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بے تابانہ اُٹھے اور عرض کی: حضور! میں یہ حاضر ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے پاس آؤ۔ پاس حاضر ہوئے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے "سینہ سے لگایا" اور آنکھوں کے بیچ میں بوسہ دیا۔ (شرف المصطفی (شرف النبی)، باب بیست ونہم، ص290، میدان انقلاب، تہران)

(14) حاکم صحیح مستدرک میں بافادہ تصحیح اور ابو یعلٰی اپنی مسند اور ابو نعیم فضائل صحابہ میں اور برہان خجندی کتاب اربعین مسمّٰی بالماء المعین اور عمر بن محمد ملّا سیرت میں حضرتِ جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روای، فرماتے ہیں: ﴿بینا نحن مع رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فی نفر من المھاجرین منھم ابوبکر وعمر و عثمان وعلی و طلحۃ والزبیر و عبد الرحمٰن بن عوف وسعد بن ابی وقاص فقال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لِیَنْھَضْ کُلُّ رَجُلٍ الی کفوہ ونَھَضَ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم الی عثمان فاعتنقہ وقال اَنْتَ وَلِیِّی فِی الدُّنْیَا والْاٰخِرَۃ﴾ ترجمہ: ہم چند مہاجرین کے ساتھ خدمتِ اقدس حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں حاضر تھے حاضرین میں خلفائے اربعہ وطلحہ وزبیر وعبد الرحمٰن بن عوف وسعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہم تھے، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم میں ہر شخص اپنے جوڑ کی طرف اٹھ کر جائے اور خود حضور والا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عثمانِ غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف اُٹھ کر تشریف لائے ان سے "معانقہ" کیا اور فرمایا: تو میرا دوست ہے دُنیا و آخرت میں۔

(المستدرک، باب فضائل عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ج3، ص97، مطبوعہ بیروت)

(15) ابن عساکر تاریخ میں حضرت امام حسن مجتبیٰ وہ اپنے والد ماجد مولیٰ علی مرتضی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے راوی :((ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عَانَقَ عثمان بن عفان وقال قد عَانَقْتُ اَخِیْ عثمان فَمَنْ کانَ لہ اخ فَلْیُعَانِقْہُ)) ترجمہ: حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے معانقہ کیا اور فرمایا: میں نے اپنے بھائی عثمان سے معانقہ کیا جس کے کوئی بھائی ہو اسے چاہئے اپنے بھائی سے معانقہ کرے"

(کنز العمال، بحوالہ ابن عساکر، حدیث 36240، مطبوعہ دار الکتب الاسلامی، حلب)

اس حدیث میں علاوہ فعل کے مطلقاً حکم بھی ارشاد ہوا کہ ہر شخص کو اپنے بھائیوں سے معانقہ کرنا چاہئے۔

(16) حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت بتول زہرا سے فرمایا کہ عورت کے حق میں سب سے بہتر کیا ہے؟ عرض کی کہ نامحرم شخص اُسے نہ دیکھے۔ حضور نے " گلے لگالیا اور فرمایا:((ذُرِّيَّة بَعْضُهَا مِنْ بَعْض)) ترجمہ: یہ ایک نسل ہے ایک دوسرے سے۔ اوکما ورد عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم (یا جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے وارد ہے۔)

(فتاوی رضویہ، ج8، ص614، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

(17) ابن ابی الدنیا کتاب الاخوان، دیلمی مسند الفردوس اور عقیلی حضرت تمیم داری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں، واللفظ لابن ابی الدنیا:((سُئِلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ مُعَانَقَةِ الرَّجُلِ الرَّجُلَ، إِذَا هُوَ لَقِيَهُ فَقَالَ: كَانَتْ تَحِيَّةَ الْأُمَمِ وَخَالِصَ وُدِّهِمْ، وَأَوَّلُ مَنْ عَانَقَ إِبْرَاهِيمُ عَلَيْهِ السَّلَامُ)) ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے آدمی کا آدمی سے بوقتِ ملاقات معانقہ کرنے کے بارے میں سوال کیا گیا تو ارشاد فرمایا: تحیت ہے امتوں کو اور ان کی اچھی دوستی، اور بے شک پہلے معانقہ کرنے والے حضرت ابراہیم خلیل اللہ ہیں علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام۔

(الاخوان لابی ابن الدنیا، باب فی معانقۃ الاخوان، ج1، ص180، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

کتبِ فقہ سے جزئیات

خانیہ میں ہے: ان كانت المعانقة من فوقِ قميصٍ او جُبَّةٍ جاز عند الكل اھ ملخصا۔ اگر معانقہ کرتے ہیں جُبّے کے اوپر سے ہو تو سب کے نزدیک جائز ہے۔ (فتاوی خانیہ، کتاب الحظر والاباحۃ، ج4، ص783، مطبوعہ نولکشور، لکھنؤ)

مجمع الانہر میں ہے: اذا كان عليهما قميص او جبة جاز بالاجماع اھ ملخصا۔ اگر معانقہ کرنے والے دونوں مردوں پر کُرتا یا جُبّہ ہو تو یہ معانقہ بالاجماع جائز ہے اھ ملخصا۔ (مجمع الانہر، کتاب الکراھیۃ، ج2، ص541، مطبوعہ بیروت)

ہدایہ میں ہے: قالوا الخلاف في المعانقة في ازار واحدٍ واما اذا كان عليه قميص او جُبة فلا بأس بها بالاجماع وهو الصحيح۔ طرفین (امام اعظم و امام محمد) اور ابو یوسف میں اختلاف ایک تہبند کے اندر معانقہ کے بارے میں ہے لیکن جب معانقہ کرنے والا کُرتا یا جبہ پہنے ہو تو بالاجماع اس میں کوئی حرج نہیں اور یہی صحیح ہے۔

(ہدایہ، کتاب الکراہیۃ، ج4، ص466، مطبوعہ مطبع یوسفی لکھنؤ)

درمختار میں ہے: لو كان عليه قميص او جبة جاز بلا كراهة بالاجماع وصححه في الهداية وعليه

المتون ۔اگراس کے جسم پر کرتا یا جبہ ہوتو بلا کراہت بالا جماع جائز ہے،ہدایہ میں اسی کو صحیح قرار دیا،متون فقہ میں یہی ہے

(درمختار، کتاب الحظر والاباحۃ، ج2،ص244،مطبوعہ مجتبائی،دہلی)

شرح نقایہ میں ہے:عِناقُہ اذا کان معہ قمیص او جبۃ او غیرہ لم یُکرہ بالاجماع وھو الصحیح اہ ملخصا۔اس کا معانقہ جب اسی طرح ہو کہ کُرتا یا جبّہ یا کچھ حائل ہوتو بالا جماع مکروہ نہیں،اور یہی صحیح ہے۔

(شرح نقایہ لملاعلی قاری، کتاب الکراھیۃ، ج2،ص229،مطبوعہ ایچ ایم سعید،کراچی)

اسی طرح امام نسفی نے کافی میں پھر علامہ اسمٰعیل نابلسی نے حاشیہ درر مولی خسرو وغیر ہا میں جزم کیا،اور یہ وقایہ و نقایہ و اصلاح وغیر ہا متون کا مفاد،اور شروح ہدایہ وحواشی درمختار وغیر ہا میں مقرران سب میں کلام مُطلق ہے کہیں تخصیص سفر کی بُو نہیں۔

(فتاوی رضویہ،ج8،ص606،رضا فاؤنڈیشن،لاہور)

اَشِعَّۃُ اللّمعات میں فرماتے ہیں:اما معانقہ اگر خوف فتنہ نباشد مشروع ست خصوصاً نزد قدوم از سفر۔معانقہ میں اگر فتنے کا خوف نہ ہوتو جائز ومشروع ہے خصوصاً جب سفر سے آرہا ہو۔

(اشعۃ اللمعات، باب المصافحۃ والمعانقۃ، ج4،ص20،مطبوعہ نوریہ رضویہ،سکھر)

یہ جزئیہ نقل کرنے کے بعداعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان فرماتے ہیں:

یہ "خصوصاً "بطلانِ تخصیص پر نصِ صریح ___ رہیں احادیث نہی،ان میں زید کے لئے حجت نہیں کہ ان سے اگر ثابت ہے تو نہی مُطلق۔پھر اطلاق پر رکھے تو حالتِ سفر بھی گئی،حالانکہ اس میں زید بھی ہم سے موافق۔اور توفیق پر چلئے تو علماء کرام فرماتے ہیں وہاں معانقہ بروجہ شہوت مراد۔اور او پر ظاہر کہ ایسی صورت میں تو بحالتِ سفر بھی مصافحہ بھی ممنوع،تابمعانقہ چہ رسد۔

(فتاوی رضویہ،ج8،ص606،رضا فاؤنڈیشن،لاہور)

یہاں امام اہل سنت رحمۃ اللہ علیہ نے اُن احادیث سے استدلال کا جواب ہے جن میں معانقہ سے ممانعت آئی ہے۔اس کی تفصیل یہ ہے کہ بعض احادیث میں ممانعت مذکور ہے،اب اگر ان سے مطلقاً ہر حال میں ممانعت مراد لیں تو سفر،غیر سفر ہر جگہ معانقہ ناجائز ہوگا جب کہ سفر سے آنے کے وقت مانعین بھی معانقہ جائز مانتے ہیں۔اس لئے وہ اگر احادیث نہی ہمارے خلاف پیش کریں تو خود ان کے بھی خلاف ہوں گی ___ لامحالہ جوازِ معانقہ اور ممانعتِ جواز دونوں

قسم کی حدیثوں میں تطبیق کرنا ہوگی، اور دونوں کے ایسے معنی لینے ہوں گے جن سے تمام احادیث پر عمل ہو سکے ___ اور تطبیق یوں ہے کہ جہاں معانقہ سے ممانعت ہے وہاں معانقہ بطور شہوت مراد ہے ___ اور جہاں جواز معانقہ کا ثبوت ہے وہاں معانقہ بے شہوت وفساد نیت مراد ہے ___ اور ظاہر ہے کہ معانقہ بطور شہوت تو سفر سے آنے کے بعد بھی ناجائز ہے بلکہ اس طرح تو معانقہ کیا مصافحہ بھی ناجائز ہے۔ احادیث جواز منع کے درمیان تطبیق مختلف فقہاء کرام نے فرمائی ہے اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ نے ان کا حوالہ دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

امام فخر الدین زیلعی تبیین الحقائق اور اکمل الدین بابرتی عنایہ اور شمس الدین قہستانی جامع الرموز اور آفندی شیخی زادہ شرح ملتقی الابحر اور شیخ محقق دہلوی شرح مشکوٰۃ اور امام حافظ الدین شرح وافی اور سیدی امین الدین آفندی حاشیہ شرح تنویر اور مولٰی عبدالغنی نابلسی شرح طریقہ محمدیہ میں، اور ان کے سوا اور علماء ارشاد فرماتے ہیں: وھذا لفظ الاکمل، قال وَفّق الشیخ ابو منصور (یعنی الماتریدی امام اھل السنة و سید الحنفیة) بین الاحادیث فقال المکروہ من المعانقه ما کان علی وجه الشھوة وعبر عنه المصنف (یعنی الامام برھان الدین الفرغانی) بقوله ازار واحدٍ فانه سبب یفضی الیھا فاما علی وجه البر و الکرامة اذا کان علیه قمیص او جبة فلا باس به ۔(یہ اکمل الدین بابرتی کے الفاظ ہیں) انھوں نے فرمایا شیخ ابومنصور (ماتریدی، اہل سنت کے امام اور حنفیہ کے سردار) نے (معانقہ کے جواز ومنع دونوں طرح کی) حدیثوں میں تطبیق دی ہے، انہوں نے فرمایا مکروہ وہ معانقہ ہے جو بطور شہوت ہو۔ اور مصنف (یعنی امام برہان الدین فرغانی صاحب ہدایہ) نے اسی کو ایک تہبند میں معانقہ کرنے سے تعبیر کیا ہے، اس لئے کہ یہ سبب شہوت ہوسکتا ہے، لیکن نیکی اور اعزاز کے طور پر کُرتا یا جُبہ پہنے ہوئے معانقہ ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ (العنایۃ مع فتح القدیر شرح ہدایہ، کتاب الکراھیۃ، ج8، ص458، مطبوعہ نوریہ رضویہ، سکھر)

اور کیونکر روا ہوگا کہ بے حالتِ سفر معانقہ کو مطلقاً ممنوع ٹھہرائے حالانکہ احادیث کثیر میں سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بارہا بے صورت مذکورہ بھی معانقہ فرمایا۔ (فتاوی رضویہ، ج8، ص606، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

پھر امام اہل سنت رحمۃ اللہ علیہ نے سولہ (16) احادیث بیان فرمائیں جن میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بغیر حالت سفر کے معانقہ فرمانا ثابت ہے، ان احادیث کو ہم نے بھی شروع میں بیان کیا ہے۔

ایک مقام پر اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن معانقہ کے بارے میں لکھتے ہیں:

کپڑوں کے اوپر سے معانقہ بطور برّ و کرامت و اظہار محبت، بے فسادِ نیت و موادِ شہوت، بالا جماع جائز جس کے جواز پر احادیثِ کثیرہ وروایات شہیرہ ناطق (ہیں)۔ اور تخصیص سفر کا دعویٰ محض بے دلیل، احادیثِ نبویہ وتصریحاتِ فقہیہ اس بارے میں بروجہ اطلاق وارد، اور قاعدہ شرعیہ ہے کہ مطلق کو اپنے اطلاق پر رکھنا واجب اور بے مدرک شرعی تقیید وتخصیص مردود وباطل، ورنہ نصوصِ شرعیہ سے امان اُٹھ جائے۔ (فتاوی رضویہ، ج8، ص603، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

(یعنی جوازِ معانقہ کی مندرجہ ذیل شرطیں ہیں: (1) معانقہ کپڑوں کے اوپر سے ہو۔ (2) نیکی، اعزاز اور اظہار محبت کے طور پر ہو۔ (3) خرابی نیت اور شہوت کا کوئی دخل نہ ہو۔ مذکورہ شرطوں کے ساتھ معانقہ سفر، غیر سفر ہر حال میں جائز ہے۔ اس پر دلیل وہ روایات واحادیث ہیں جن میں قیدِ سفر کے بغیر معانقہ کا ثبوت ہے، تمام احادیث وروایات میں مطلق طور پر جوازِ معانقہ کا ثبوت ہے، یہ کسی حدیث میں نہیں کہ بس سفر سے آنے کے بعد معانقہ جائز ہے، باقی حالات میں ناجائز ہے (بلکہ بعض احادیث سے صراحۃً آمدِ سفر کے علاوہ حالات میں بھی معانقہ کا ثبوت فراہم ہوتا ہے جن کا ذکر امام اہلسنت نے فرمایا ہے۔) شریعت کا قاعدہ ہے کہ جو حکم، مطلق اور کسی قید کے بغیر ہو، اسے مطلق ہی رکھنا واجب وضروری ہے، معانقہ کے بارے میں جب یہ حکم مطلق اور قید سفر کے بغیر ہے، تو اسے مطلق رکھتے ہوئے سفر، غیر سفر ہر حال میں معانقہ جائز ہوگا۔ لہٰذا جواز معانقہ کے بارے میں بے دلیل شرعی آمدِ سفر کی قید لگانا محض باطل اور نامقبول ہے۔)

مزید فرماتے ہیں:

احادیث اس بارے میں بکثرت وارد اور تخصیص سفر محض بے اصل وفاسد، بلکہ سفر و بے سفر ہر صورت میں معانقہ سنت، اور سنت جب ادا کی جائے گی سنت ہی ہوگی تاوقتیکہ خاص کسی خصوصیت پر شرع سے تصریحاً نہیں ثابت نہ ہو۔

(فتاوی رضویہ، ج8، ص614، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

چند صفحات کے بعد لکھتے ہیں:

بحمد اللہ تعالیٰ ہماری تحقیقات رائقہ سے آفتاب روشن کی طرح واضح ہوگیا کہ معانقہ عید کو بدعتِ مذمومہ سے کچھ علاقہ نہیں بلکہ وہ سنت مباح کے اندر دائر ہے، یعنی من حیث الاصل سنت اور من حیث الخصوص مباح، اور بقصد حسن محمود و

مستحسن۔ (فتاویٰ رضویہ، جلد 8، صفحہ 638، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

ایک مقام پر فرماتے ہیں:

بعد نماز عید مصافحہ ومعانقہ دونوں درست ہیں جبکہ کسی منکر شرعی پر مشتمل یا اس کی طرف منجر نہ ہوں جیسے خوبصورت امرد، اجنبی محلِ فتنہ سے معانقہ بلکہ مصافحہ بھی کہ بحالت خوف فتنہ اس کی طرف نظر بھی مکروہ ہے نہ کہ مصافحہ نہ کہ معانقہ۔ (فتاویٰ رضویہ، جلد 8، صفحہ 576، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے سوال ہوا: بعد نماز عید وبقر عید مصافحہ ومعانقہ کرنا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ثابت ہے یا کہ نہیں؟ جواباً فرمایا:

احادیث صحیحہ سے مصافحہ کی سنیت ثابت ہے اور خصوصیت وقت اسے ناجائز نہ کردے گی۔

(فتاویٰ رضویہ، جلد 22 صفحہ 414، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

شاہ ولی اللہ دہلوی شرح مؤطا میں علامہ نووی شارح مسلم کے حوالے سے لکھتے ہیں: اعلم ان المصافحة مستحبة عند كل لقاء واما ما اعتاده الناس من المصافحة بعد صلوة الصبح و العصر فلا اصل له في الشرع على هذا الوجه ولكن لاباس به فان اصل المصافحة سنة و كونهم حافظوا عليها في بعض الاحوال لايخرج ذلك البعض من كونه من المصافحة التي ورد الشرع باصلها اقول هكذا ينبغي ان يقال في المصافحة يوم العيد ترجمہ: جان لیجئے کہ ہر ملاقات کے وقت مصافحہ کرنا مستحب ہے لیکن نماز فجر اور نماز عصر کے بعد عام لوگوں نے مصافحہ کرنے کی جو عادت بنالی ہے شریعت میں اس طریقے کی کوئی اصل نہیں مگر ایسا کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں اس لئے کہ اصل مصافحہ سنت ہے لیکن لوگوں کا بعض حالات میں اس کی محافظت و دوام اختیار کرنا اس کو اُس مصافحہ سے نہیں نکالتا کہ جس کی اصل شریعت میں وارد ہوئی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اسی طرح مناسب ہے کہ عید کے دن مصافحہ کرنے کا حکم بیان کیا جائے۔ (مسوی مصفی شرح موطا امام مالک، باب یستحب المصافحۃ، جلد 2، صفحہ 241، اسلامی کتب خانہ، کراچی)

فتح اللہ المعین علی شرح العلامۃ الملا مسکین میں ہے "من المستحب اظهار الفرح و البشاشة (الى قوله) والتهنئة بتقبل الله منا ومنكم و كذا المصافحة بل هي سنة عقب الصلوة كلها و عند كل لقى ۔ شرنبلالية"

ترجمہ: عید کے دن مسرت وخندہ روئی ظاہر کرنا اور تقبل اللہ منا ومنکم (اللہ ہم سے اور تم سے قبول فرمائے) کے ذریعہ مبارک باد دینا مستحب ہے، اسی طرح مصافحہ بھی، بلکہ یہ تو تمام نمازوں کے بعد اور ہر ملاقات کے وقت سنت ہے، شرنبلالیہ۔ (فتح المعین علی شرح العلامہ الملا مسکین، ج1، ص325، ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی)

علامہ سید احمد طحطاوی حاشیہ نورالایضاح میں فرماتے ہیں "كذا تطلب المصافحة فهي سنة عقب الصلوات كلها" ترجمہ: اسی طرح مصافحہ بھی مطلوب ہے بلکہ یہ تو تمام نمازوں کے بعد سنت ہے۔

(حاشیہ طحطاوی علی مراقی الفلاح، ص288، نور محمد، کراچی)

حاشیہ درمختار میں ہے "تستحب المصافحة بل هي سنة عقب الصلوات كلها وعند كل لقى، ابو السعود عن الشُّرُنْبُلَالية" ترجمہ: مستحب ہے مصافحہ، بلکہ یہ تو نمازوں کے بعد اور ہر ملاقات کے وقت سنت ہے۔ ابوالسعود عن الشرنبلالیہ۔ (حاشیہ طحطاوی علی الدر المختار، ج1، ص353، دارالمعرفۃ، بیروت)

صدرالشریعہ مفتی محمد امجد علی اعظمی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی 1367ھ) فرماتے ہیں:

بعد نمازِ عید مصافحہ ومعانقہ کرنا جیسا عموماً مسلمانوں میں رائج ہے بہتر ہے کہ اس میں اظہارِ مسرت ہے۔

(بہار شریعت، جلد1، صفحہ784، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

نمازِ عید کے بعد دعا مانگنا جائز ومستحسن ہے

نمازِ عیدین کے بعد دُعا حضراتِ عالیہ تابعین عظام ومجتہدین اعلام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ثابت ہے۔۔۔۔ سیّدنا امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں مجھے امام الائمہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے امام اجل حماد بن ابی سلیمان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے خبر دی کہ امام المجتہدین امام ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا: ((كانت الصلوة في العيدين قبل الخطبة ثم يقيف الامام على راحليه بعد الصلوة فيد عوويصلي بغير اذان ولا اقامة)) نمازِ عیدین خطبہ سے پہلے ہوتی تھی پھر امام اپنے راحلہ پر وقوف کر کے نماز کے بعد دُعا مانگتا اور نماز بے اذان واقامت ہوتی۔

(کتاب الآثار، ص41، ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ، کراچی)

یہ امام ابراہیم نخعی قدس سرہ خود اجلۂ تابعین سے ہیں تو یہ طریقہ کہ انہوں نے روایت فرمایا لا اقل اکابر تابعین کا

معمول تھا تو نمازِ عیدین کے بعد دُعا مانگنا ائمہ تابعین کی سنت ہُوا اور پُر ظاہر کہ راحلہ (سواری) پر وقوف وعدم وقوف سنتِ دُعا کی نفی نہیں کرسکتا کما لا یخفی، پھر ہمارے امام مجتہد امام محمد اعلی اللہ درجاتہ فی دار الابد نے کتاب الآثار شریف میں اس حدیث کو روایت فرما کر مقرر رکھا اور ان کی عادت کریمہ ہے جو اثر اپنے خلافِ مذہب ہوتا اُس پر تقریر نہیں فرماتے تو حنفیہ اہل عقیدہ مضمون ووہابیہ اہل تثلیث قرون، دونوں کے حق میں جوابِ مسئلہ اسی قدر بس ہے۔

(فتاوی رضویہ ملخصاً، ج8، ص512 تا 515، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

عیدین کے بعد دعا مانگنے پر مزید دلائل

فتاوی رضویہ میں ہے:

شرع مطہر سے اس دعا کی کہیں ممانعت نہیں اور جس امر سے شرع نے منع نہ فرمایا ہرگز ممنوع نہیں ہوسکتا، جو ادعائے منع کرے اثباتِ ممانعت اس کے ذمہ ہے جس سے ان شاء اللہ تعالیٰ کبھی عہدہ برآنہ ہوسکے گا بقاعدۂ مناظرہ ہمیں اسی قدر کہنا کافی ۔۔۔ جو کچھ قرآن وحدیث سے قلبِ فقیر پر فائز ہُوا بگوشِ ہوش استماع کیجئے۔

ہر نماز کے بعد دعا مانگنے کا حکم ہے

اولاً: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے ﴿فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ ۝ وَ اِلٰی رَبِّکَ فَارْغَبْ ۝﴾ تو جب تم نماز سے فارغ ہو تو دعا میں محنت کرو اور اپنے رب ہی کی طرف رغبت کرو۔ (سورۃ الشرح، آیت 7,8)

اس آیہ کریمہ کی تفسیر میں اصح الاقوال قول حضرت امام مجاہد تلمیذ رشید سلطان المفسرین حبر الامۃ عالم القرآن حضرت سیّدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہے کہ فراغ سے مراد نماز سے فارغ ہونا اور نصب دعا میں جد جہد کرنا ہے یعنی باری عزوجل حکم فرماتا ہے جب تو نماز پڑھ چکے تو اچھی طرح دُعا میں مشغول ہو اور اپنے رب کے حضور الحاح وزاری کر۔

تفسیر شریف جلالین میں ہے "فاذا فرغت من الصلوۃ فانصب تعب فی الدعاء، والیٰ ربک فارغب تضرع" جب تو نماز سے فارغ ہو تو دعا میں تعب اور مشقت کر اور اپنے رب کے سامنے تضرع وزاری بجالا۔

(جلالین کلاں، ج2، ص502، مطبوعہ اصح المطابع، دہلی ہند)

اور پُر ظاہر کہ آیہ کریمہ مطلق ہے اور باطلاقہا نماز فرض وواجب ونفل سب کو شامل تو بلاشبہہ نماز عیدین بھی اس پاک مبارک حکم میں داخل۔

یونہی احادیث سے بھی ادبار صلوات کا مطلقاً محلِ دُعا ہونا مستفاد، ولہذا علماء بشہادت حدیث نماز مطلق کے بعد دُعا مانگنے کو آداب سے گنتے ہیں، امام شمس الدین محمد ابن الجزری حصن حصین اور مولانا علی قاری اُس کی شرح حرز ثمین میں فرماتے ہیں "والصلوة ای ذات الرکوع والسجود والمراد ان یقع الدعاء المطلوب بعدھا" یعنی آداب سے ہے کہ مطلب کی دعا بعد نماز ذات رکوع وسجود واقع ہو۔ (حواشی حصن حصین، ص9، مطبوعہ افضل المطابع لکھنؤ)

پھر فرمایا "رواہ الاربعة وابن حبان والحاکم کلھم من حدیث الصدیق رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه" یعنی یہ ادب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اُس حدیث سے ثابت ہے جسے ابوداؤد ونسائی وترمذی وابن ماجہ وابن حبان وحاکم نے صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔ (حواشی حصن حصین، ص9، مطبوعہ افضل المطابع لکھنؤ)

اقول یونہی یہ حدیث ابن السنی وبیہقی کے یہاں مروی اور صحیح ابن خزیمہ میں بھی مذکور، امام ترمذی نے اسکی تحسین کی۔

ظاہر ہے کہ نماز ذات رکوع وسجود، نماز جنازہ کے سوا ہر فرض وواجب ونافلہ کو شامل جن میں نمازِ عیدین بھی داخل۔

اعمال صالحہ کے بعد دعا مقبول ہوتی ہے

ثم اقول وباللہ التوفیق (پھر میں اللہ کی توفیق سے کہتا ہوں) اصل یہ ہے کہ اعمال صالحہ وجہ رضائے مولیٰ جل وعلا ہوتے ہیں اور رضائے مولیٰ تبارک وتعالیٰ موجبِ اجابتِ دُعا (دعا کی قبولیت کا سبب ہوتے ہیں) اور اس کا محل عمل صالح سے فراغ پا کر جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿فاذا فرغت فانصب﴾ ترجمہ: تو جب تم نماز سے فارغ ہو تو دعا میں محنت کرو۔

ولہذا حدیث میں آیا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ((الم تر الی العمال یعملون فاذا فرغوا من اعمالھم وفوا اجورھم)) ترجمہ: کیا تُو نے نہ دیکھا کہ مزدور کام کرتے ہیں جب اپنے عمل سے فارغ ہوتے ہیں اُس وقت پوری

مزدوری پاتے ہیں۔ اسے بیہقی نے احادیث طویل کی صورت میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے۔ (شعب الایمان، ج2، ص303، مطبوعہ دار الفکر، بیروت)

تو سائل کے لئے بیشک بہت بڑا موقع دعا ہے کہ مولیٰ کی خدمت وطاعت کے بعد اپنی حاجات عرض کرے ولہذا وارد ہوا کہ ہر ختمِ قرآن پر ایک دُعا مقبول ہے۔ حضور سیّد عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں ((مع کل ختمة دعوة مستجابة)) ترجمہ: ہر ختم کیساتھ ایک دعا مستجاب ہے۔ (شعب الایمان، ج2، ص374، دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

اسی لئے روزہ دار کے حق میں ارشاد ہوا کہ افطار کے اس وقت اس کی ایک دعا رد نہیں ہوتی۔ حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں ((ثلثة لاترد دعوتهم الصائم حين يفطر)) ترجمہ: تین شخصوں کی دُعا رد نہیں ہوتی ایک اُن میں روزہ دار جب افطار کرے۔ (سنن ابن ماجہ، ص126، مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی)

ابن ماجہ وحاکم حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ((ان للصائم عند فطره لدعوة ماترد)) بیشک روزِہ دار کے لئے وقتِ افطار بالیقین ایک دُعا ہے کہ رَد نہ ہوگی۔ (سنن ابن ماجہ، باب فی الصائم لاترد دعوتہ الخ، ص126، مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی)

امام حکیم ترمذی حضرت عبداللہ بن عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی حضور پُر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ہر روزہ دار بندے کے لئے افطار کے وقت ایک دُعا مقبول ہے خواہ دنیا میں دی جائے یا آخرت میں اس کے لئے ذخیرہ رکھی جائے۔ (نوادر الاصول، الاصل الستون فی ان للصائم دعوۃ الخ، ص83، مطبوعہ دار صادر، بیروت)

وفی الباب احادیث اُخر (اس باب میں اور بھی احادیث ہیں)۔

اور بالیقین یہ فضیلت روزہ فرض وواجب ونفل سب کو عام کہ نصوص میں قید وخصوص نہیں، ولہذا امام عبدالعظیم منذری نے دوحدیث پیشین کو الترغیب فی الصوم مطلقاً میں ایراد فرمایا۔

اور علامہ مناوی نے تیسیر شرح جامع صغیر میں زیرِ حدیث باب مروی عقیلی و بیهقی عن ابی هريرة عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بعد لفظ دعوة الصائم کے ولو نفلاً (اگرچہ وہ نفلی روزہ ہوت) تحریر کیا۔

(تیسیر شرح الجامع الصغیر، حدیث ثلاث دعوات مستجابات، ج1، ص467، مکتبۃ الامام الشافعی، ریاض)

تو بلاشبہہ نماز بھی کہ افضل اعمال واعظم ارکانِ اسلام اور روزے سے زائد موجب رضائے ذوالجلال والاکرام ہے یُونہی اپنے عموم واطلاق پر رہے گی اور بعد فراغ محلیت دعا صرف فرائض سے خاص نہ ہوگی، اور کیونکر خاص ہو حالانکہ خود حضور پُرنور سیّدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہر دو رکعت نفل کے بعد ہاتھ اُٹھا کر دعا مانگنے کا حکم دیا اور فرمایا: جو ایسا نہ کرے اُس کی نماز ناقص ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں ((الصلوۃ مثنی مثنی تشھد فی کل رکعتین وتخشع وتضرع وتمسکن وتقنع یدیك یقول ترفعھا الی ربك مستقبلا ببطونھما وجھك وتقول یارب یارب من لم یفعل ذلك فھی کذا وکذا)) یعنی نماز نفل دو دو رکعت ہے ہر دو رکعت پر التحیات اور خضوع وزاری وتذلّل، پھر بعد سلام دونوں ہاتھ اپنے رب کی طرف اُٹھا اور ہتھیلیاں چہرے کے مقابل رکھ کر عرض کر اے میرے رب اے رب میرے جو ایسا نہ کرے تو وہ نماز چنیں وچناں یعنی ناقص ہے۔

(جامع الترمذی، ج1، ص50، 51، مطبوعہ امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ، دہلی)

مطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں مصرحاً (واضح طور پر) آیا ((فمن لم یفعل ذلك فھو خداج)) جو ایسا نہ کرے اُس کی نماز میں نقصان ہے۔ (مسند احمد بن حنبل، ج4، ص167، مطبوعہ دارالفکر، بیروت)

علامہ طاہر تکملہ مجمع بحارالانوار میں فرماتے ہیں: فیہ ثم تقنع یدیك وھو عطف علی محذوف ای اذا فرغت منھا فسلم ثم ارفع یدیك سائلا فوضع الخبر موضع الامر۔ پھر ہتھیلیاں چہرے کے مقابل کرے اس کا عطف محذوف پر ہے یعنی جب ان دو رکعتوں سے فارغ ہو اور سلام کہے تو دعا کے لئے ہاتھ بلند کرے یہاں خبر امر کی جگہ مذکور ہے۔ (ت) (تکملہ بحارالانوار الملحق بمجمع البحار، تحت لفظ قنع، ص147، مطبوعہ منشی نولکشور، لکھنؤ)

تیسیر میں ہے: ای اذا فرغت منھما فسلم ارفع یدیك فوضع الخبر موضع الطلب الخ۔ یعنی جب ان دو رکعات سے فارغ ہوں پس سلام کہے پھر ہاتھ اٹھائے یہاں خبر، طلب کی جگہ ہے الخ (ت)

(تیسیر شرح الجامع الصغیر، حدیث صلٰوۃ اللیل مثنی مثنی الخ، ج2، ص99، مکتبۃ الامام الشافعی، الریاض)

لاجرم جبکہ حصن حصین میں اس حدیث ابی امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف برمز ترمذی ونسائی نے اشارہ کیا کہ ((قلنا یارسول اللہ ای الدعاء اسمع قال جوف اللیل الآخر وبر الصلوات المکتوبات)) (ہم نے عرض کی یارسول

اللہ! کون سی دُعا زیادہ سُنی جاتی ہے، فرمایارات کے نصف اخیر میں اور فرض نمازوں کے بعد)

(حصن حصین، اوقات الاجابۃ، ص22، مطبوعہ افضل المطابع لکھنؤ، ہند☆ جامع الترمذی، ابواب الدعوات، ج2، ص188، مطبوعہ امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ، دہلی)

مولٰنا علی قاری علیہ رحمۃ الباری نے اُس کی شرح میں لکھا: دبر الصلوات المکتوبات ای عقیب الصلوات المفروضات والتقیید بھالکونھاافضل الحالات فھی ارجی لاجابۃ الدعوات۔ دبر الصلوات المکتوبات کے معنی کہ فرض نمازوں کے بعد، اور ان کی تخصیص اس لئے فرمائی کہ وہ سب حالتوں سے افضل ہیں تو ان میں امیدِ اجابت زیادہ ہے۔

(حواشی حصن حصین، ص14، مطبوعہ افضل المطابع لکھنؤ، ہند)

دیکھو صاف صریح ہے کہ نماز کے بعد محلیتِ دُعا کچھ فرضوں ہی سے خاص نہیں بلکہ اُن میں بوجہ افضلیت زیادہ خصوصیت ہے اور سائلین نے خود یہی پُوچھا تھا کہ سب میں زیادہ کون سی دُعا مقبول ہے لہذا اُن کی تقیید فرمائی گئی، بالجملہ جب تخصیصِ فرائض باطل ہوچکی تو اخراج واجبات پر کوئی دلیل نہیں بلکہ اُن پر دلائل مطلقہ کے سوا حدیث نافلہ بر سبیل اولویت ناطق، کہ جب ادبار نوافل تک محل دُعا مظنہ اجابت ہیں تو واجبات کہ اُن سے اعلٰی واعظم اور ارضائے الٰہی میں اوفر واتم ہیں کیونکر اس فضل سے خارج ہوں گے ھل ھذا الاترجیح المرجوح (یہ ترجیح موجوع کے سوا کچھ نہیں۔ت)

ثم اقول (پھر میں کہتا ہوں) بلکہ واقع نفس الامر کو لحاظ کیجئے تو فریضہ و نافلہ کے لئے ثبوت، خاص یعینہ واجبات کے لئے ثبوت خاص ہے کہ واجب حقیقۃً کوئی تیسری چیز نہیں بلکہ انہیں دو طرفوں سے ایک میں ہے جسے شبہہ فی الثبوت نے مجتہد کے نزدیک ایک امر متوسط کردیا صاحبِ شرع صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جس کے حضور روایۃً ودرایۃً ظنون وشبہات کو بار نہیں اگر اُن کے نزدیک شیء مطلوب فی الشرع حقیقۃً مامور بہ ہے قطعاً فرض ورنہ یقیناً نافلہ، لاثالث لھما (ان دو کے علاوہ کوئی تیسری صورت نہیں۔ت) تلویح میں زیرِ قول تنقیح فصل فی افعالہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فمنھما مایقتدی بہ وھومباح مستحب و واجب وفر (آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے کچھ افعال قابل اقتداء مباح، کچھ مستحب، کچھ واجب اور کچھ فرض ہیں۔ت) تحریر فرمایا: ان فعلہ علیہ الصلوۃ والسلام بالنسبۃ الینا یتصف بذلک بان جعل الوتر واجبا علیہ لامستحبا اوفرضا والافالثابت عندہ بدلیل یکون قطعیالامحالۃ حتی

قیاسه و اجتهاده ایضاقطعی الخ۔یعنی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے افعال ہماری نسبت ان سے متصف ہیں مثلاً وتر آپ پرواجب تھے نہ کہ مستحب یا فرض، ورنہ آپ کے ہاں دلیل ثابت شدہ امر یقیناً قطعی ہوگا حتی کہ آپ کا قیاس واجتہاد بھی قطعی ہے الخ (ت) (التوضیح والتوبیح فصل فی افعالہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، ص491، مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور)

امام محقق علی الاطلاق امامۃ الفتح میں فرماتے ہیں:

اللزوم یلاحظ باعتبارین باعتبار صدوره من الشارع وباعتبار ثبوته فی حقنافملاحظة باعتبار الثانی ان کان طریق ثبوته عن الشارع قطعیا کان متعلقه الفرض وان کان ظنیا کان الوجوب ولذا لا یثبت هذا القسم اعنی الواجب فی حق من سمع من النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مشافهة مع قطعیة دلالة المسموع فلیس فی حقه الا الفرض اوغیر اللازم من السنة فمابعدها وظهربهذا ان ملاحظة باعتبار الاول لیس فیه وجوب بل الفرضیة اوعدم اللزوم اصلاه ملخصا ۔لزوم میں دواعتبار ہیں ایک یہ کہ وہ شارع علیہ السلام سے صادر ہوا اور دوسرا یہ کہ اس کا ثبوت ہمارے حق میں ہوا تو دوسرے اعتبار سے اگر اس کا ثبوت شارع سے قطعی ہے تو اس کا تقاضا فرضیت ہے، اور اگر ثبوت ظنی ہے تو وجوب۔یہی وجہ ہے کہ یہ قسم (وجوب) اس شخص کے حق میں ثابت نہیں ہوسکتی جس نے براہ راست حضور علیہ الصلوۃ والسلام سے سنا حالانکہ مسموع کی دلالت قطعی تھی تو اس کے حق میں وہ فرض ہی ہوگا، یالازم نہ ہوگا سنّت ہوگا یا اس سے نچلا درجہ، اس سے ظاہر ہوگیا کہ اول کے اعتبار سے وہاں وجوب نہیں بلکہ فرضیت ہے یا بالکل لزوم ہی نہیں۔(ت) (فتح القدیر، باب الامامۃ، ج1، ص301، مطبوعہ نوریہ رضویہ، سکھر)

پس بحمد اللہ بشہادتِ قرآن وحدیث واقوالِ علماء ثابت ہوا کہ نماز پنجگانہ وعیدین وتہجد وغیرہا ہر گونہ نماز کے بعد دُعا مانگنا شرعاً جائز بلکہ مندوب ومرغوب ہے وہو المطلوب۔

دعا کے مواقع تلاش کرنا مستحب ومحبوب ہے

ثانیاً اقول وباللہ التوفیق (دوسری بات میں اللہ تعالیٰ کی توفیق سے کہتا ہوں):

دُعا بنصِ قرآن وحدیث واجماع ائمہ قدیم وحدیث اعظم مندوباتِ شرع سے ہے اور اس کے مظانِ اجابت (قبولیت کی جگہوں) کی تحری (تلاش) مسنون ومحبوب۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا

رَبَّہ ﴾ترجمہ: حضرت زکریا علیہ السلام نے وہاں اپنے رب سے دعا کی (یعنی محراب بیت المقدس میں دروازے بند کرکے دعا کی۔خزائن العرفان)

حدیث میں ہے حضور پُرنور سیّد عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں ((ان لربکم فی ایام دھرکم نفحات،فتعرضوا له لعله ان یصیبکم نفحة منها فلاتشقون بعدها ابدا)) بیشک تمہارے رب کے لئے تمھارے زمانے کے دنوں میں کچھ وقت عطاؤ بخشش وتجلی وکرم وجود کے ہیں تو انہیں پانے کی تدبیر کرو شاید ان میں سے کوئی وقت تمہیں مل جائے تو پھر کبھی بدبختی تمہارے پاس نہ آئے۔ (المعجم الکبیر،ج19،ص234،مکتبۃ فیصلیہ،بیروت)

اور خود حدیث نے اُن اوقات سے ایک وقت اجتماع مسلمین کا نشان دیا کہ ایک گروہِ مسلمانان جمع ہوکر دعا مانگے کچھ عرض کریں کچھ آمین کہیں۔کتاب المستدرک علی البخاری ومسلم میں ہے ((عن حبیب بن مسلمة الفهری رضی اللہ تعالیٰ عنه وکان مجاب الدعوة قال سمعت رسول الله یقول لایجتمع ملؤ فیدعو بعضهم یؤمّن بعضهم الا اجابهم الله)) یعنی حبیب بن مسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہ مستجاب الدعوات تھے،فرماتے ہیں کہ میں نے حضور پُرنور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ کوئی گروہ جمع نہ ہوگا کہ اُن بعض دعا کریں بعض آمین کہیں،مگر یہ کہ اللہ عزوجل اُن کی دعا قبول فرمائیگا۔ (المستدرک علی الصحیحین،ج3،ص347،دار الفکر،بیروت)

علماء نے مجمعِ مسلمان کو اوقاتِ اجابت سے شمار کیا۔حصن حصین میں ہے ''واجتماع المسلمین''یعنی مسلمین کا اوقاتِ اجابت سے ہونا حدیثِ صحاح ستّہ سے مستفاد ہے۔ (حصن حصین،ص23،مطبوعہ افضل المطابع لکھنؤ ہند)

علی قاری شرح میں فرماتے ہیں''ثم کل مایکون الاجتماع فیه اکثر کالجمعة والعیدین وعرفة یتوقع فیه رجاء الاجابة اظهر''یعنی جس قدر مجمع کثیر ہوگا جیسے جمع وعیدین وعرفات میں،اسی قدر امیدِ اجابت ظاہر تر ہوگی۔

(حرز ثمین شرح حصن حصین)

فقیر غفر اللہ کہتا ہے پھر دُعائے نماز پر اقتصار ہرگز شرعاً مطلوب نہیں بلکہ اس کے خلاف کی طلب ثابت،خود حدیث سے گزرا حضور پُرنور سیّدِ یوم النشور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہر دو رکعت نفل کے بعد ہاتھ اُٹھا کر دُعا مانگنے کا حکم دیا اور جو ایسا نہ کرے اس کی نماز کو ناقص بتایا،حالانکہ نماز میں دُعائیں ہوچکیں اور وہ وقت چار بار آیا جو انتہائی درجہ قُرب الٰہی

کا ہے یعنی سجود جس میں بالتخصیص حکمِ دُعا تھا۔

حضور پُرنور سیّد المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں ((اقرب مایکون العبد من ربہ وھوساجد فاکثروا الدعاء)) سب سے زیادہ قرب بندے کو اپنے رب سے حالتِ سجود میں ہوتا ہے تو اس میں دعا کی کثرت کرو۔

(سنن النسائی، ج1، ص170، 171، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب، کراچی)

بلکہ اگر سوال نہ بھی ہوں تو تسبیح کہ سجود میں ہوتی ہے خود دعا ہے کہ وہ ذکر ہے اور ہر ذکر دعا۔ مولانا علی قاری مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں "کل ذکر دعاء" ترجمہ: ہر ذکر دُعا ہے۔ (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ، ج5، ص112، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ، ملتان)

تو آنکہ ایسے قربِ اتم کے وقت میں نماز میں دعائیں ہو چکیں پھر بھی حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اُن پر قناعت پسند نہ فرمائی اور بعد سلام پھر دُعا کی تاکید شدید کی۔

علاوہ بریں نماز میں آدمی ہر قسم کی دعا نہیں مانگ سکتا کما بسط الائمۃ فی کتب الفقھیۃ (جیسا کہ ائمہ کرام نے کتب فقہیہ میں اس کی تفصیل بیان کی ہے۔ت)

اور حاجت ہر قسم کی اپنے رب جل وعلا سے مانگا چاہے اور طلب میں مظنہ اجابت کی تحری (قبولیت کے وقت کی تلاش کرنے) کا حکم اور یہ وقت بحکمِ احادیث اعلٰی مظان اجابت سے، تو بلاشبہہ مجمع عیدین میں نماز دعا، خاص اذن حدیث وارشادِ شرع سے ثابت ہُوئی اور حکم فتعرضوا لھا کی تعمیل ٹھہری وھو المقصود۔

اجتماع میں دعا مانگنا قبولیت کا سبب ہے

ثم اقول (پھر میں کہتا ہوں) اگر مجمع عیدین کے لئے شرع میں کوئی خصوصیت نہ آتی تو اس عموم میں دخول ثابت تھا نہ کہ احادیث نے اُس کی خصوصیتِ عظیم ارشاد فرمائی اور اُس میں دُعا پر نہایت تحریص و ترغیب آئی (بہت زیادہ رغبت دلائی گئی) یہاں تک کہ حضور پُرنور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اُس زمانہ خیر و صلاح میں کہ فتنہ وفساد سے یکسر پاک ومنزہ تھا حکم دیتے کہ عیدین میں کنواریاں اور پردہ نشین خاتونیں باہر نکلیں اور مسلمانوں کی دُعا میں شریک ہوں حتی کہ حائض عورتوں کو حکم ہوتا مصلّے سے الگ بیٹھیں اور اس دن کی دُعا میں شریک ہو جائیں، حضور پُرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں ((تخرج العواتق وذوات الخدور والحیض ویعتزل الحیض المصلی ویشھدن الخیر

ودعوۃ المسلمین)) ترجمہ: نوجوان کنواریاں اور پردہ والیاں اور حائض سب عیدگاہ کو جائیں اور حیض والیاں عیدگاہ سے الگ بیٹھیں اور اس بھلائی اور مسلمانوں کی دعا میں حاضر ہوں۔ (صحیح البخاری، ج1، ص134، مطبوعہ قدیمی کتب خانہ، کراچی)

صحیح بخاری کی دوسری روایت ان لفظوں سے ہے: ((قالت کنا نؤمر ان نخرج یوم العید حتی تخرج البکر من خدرھا حتی تخرج الحیض فیکنّ خلف الناس فیکبرن بتکبیرھم ویدعون بدعائھم یرجون برکۃ ذلک الیوم وطھرتہ)) یعنی ام عطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ہم عورتوں کو حکم دیا جاتا تھا کہ عید کے دن باہر جائیں یہاں تک کہ کنواری اپنے پردے سے باہر نکلے یہاں تک کہ حیض والیاں باہر آئیں صفوں کے پیچھے بیٹھیں مسلمانوں کی تکبیر پر تکبیر کہیں اور اُن کی دُعا کے ساتھ دُعا مانگیں اس دن کی برکت پاکیزگی کی امیدیں۔

(صحیح البخاری، باب شهود الحائض العیدین الخ، ج1، ص132، مطبوعہ قدیمی کتب خانہ، کراچی)

امام بیہقی اور ابوالشیخ ابن حبان کتاب الثواب میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی ((انه سمع رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم یقول اذا کانت غداۃ الفطر بعث اللہ عزوجل الملئکۃ فی کل بلد (وذکر الحدیث الی ان قال) فاذا برزوا الی مصلاھم فیقول اللہ عزوجل (وساق الحدیث الی ان قال) ویقول یاعبادی سلونی فوعزتی وجلالی لاتسئلونی الیوم شیئا فی جمعکم لاٰخرتکم الا اعطیتکم ولا لدنیاکم الانظرت لکم، فوعزّتی لاسترن علیکم عثراتکم مار اقبتمونی وعزّتی وجلالی لااخزیکم ولاافضحکم بین اصحاب الحدود وانصرفوا مغفورا لکم قد ارضیتمونی ورضیت عنکم)) یعنی حضور پرنور سیّد یوم النشور علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: جب عید کی صبح ہوتی ہے مولیٰ سبحٰنہ تعالیٰ ہر شہر میں فرشتے بھیجتا ہے (اس کے بعد حدیث میں فرشتوں کا شہر کے ہرناکہ پر کھڑا ہونا اور مسلمانوں کو عیدگاہ کی طرف بلانا بیان فرمایا، پھر ارشاد ہوا جب مسلمان عیدگاہ کی طرف میدان میں آتے ہیں (مولیٰ سبحٰنہ تعالیٰ فرشتوں سے یوں فرماتا ہے اور ملائکہ اس سے یوں عرض کرتے ہیں) پھر فرمایا رب تبارک وتعالیٰ مسلمانوں سے ارشاد فرماتا ہے اے میرے بندو! مانگو کہ قسم مجھے اپنی عزت وجلال کی آج اس مجمع میں جو چیز اپنی آخرت کے لئے مانگو گے میں تمہیں عطا فرماؤں گا اور جو کچھ دنیا کا سوال کروگے اس میں تمہارے لئے نظر کروں گا (یعنی دنیا کی چیز میں خیر وشر دونوں کو متحمل ہیں اور آدمی اکثر اپنی نادانی سے خیر کو شر، شر کو خیر

سمجھ لیتا ہے، اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے لہذا دنیا کے لئے جو کچھ مانگو گے اُس میں بکمال رحمت، نظر فرمائی جائے گی، اگر وہ چیز تمہارے حق میں بہتر ہوئی عطا ہو گی ورنہ اس کے برابر بلا دفع کریں گے یا ذعارو زِ قیامت کے لئے ذخیرہ رکھیں گے اور یہ بندے کے لئے ہر صورت سے بہتر ہے مجھے اپنی عزت کی قسم ہے جب تک تم میرا مراقبہ رکھو گے میں تمہاری لغزشوں کی ستاری فرماؤں گا مجھے اپنی عزت وجلال کی قسم میں تمہیں اہل کبائر میں فضیحت ورسوانہ کروں گا پلٹ جاؤ مغفرت پائے ہوئے، بیشک تم نے مجھے راضی کیا اور میں تم سے خوشنود ہُوا۔

(شعب الایمان، 3، ص336، 337۔مطبوعہ دارالکتب العلمیۃ، بیروت)

فقیر غفرلہ الغنی القدیر کہتا ہے اس کلام مبارک کا اوّل **یاعبادی سلونی** ہے یعنی میرے بندو! مجھ سے دعا کرو، اور آخر **انصرفوا مغفورا لکم** گھروں کو پلٹ جاؤ تمہاری مغفرت ہوئی۔تو ظاہر ہُوا کہ یہ ارشاد بعد ختمِ نماز ہوتا ہے ختم نماز سے پہلے گھروں کو واپس جانے کا حکم ہر گز نہ ہوگا تو اس حدیث سے مستفاد کہ خود رب العزت جل وعلا بعد نمازِ عید مسلمانوں سے دُعا کا تقاضا فرماتا ہے، پھر وائے بدبختی اُس کی جو ایسے وقت مسلمانوں کو اپنے رب کے حضور دُعا سے روکے نسأل اللہ العفو والعافیۃ امین، ترجمہ: ہم اللہ سے فضل وبخشش طلب کرتے ہیں۔آمین۔

ہر مجلس میں دعا مانگنے کی ترغیب ہے

ثالثا اقول وباللہ التوفیق (تیسری بات میں اللہ تعالٰی کی توفیق سے کہتا ہوں): حضور پُر نور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں ((**اذا جلس احدکم فی مجلس فلایبرحن منہ حتی یقول ثلث مرات سبحٰنک اللھم ربنا وبحمدک لاالٰہ الا انت اغفرلی وتب علی فان کان اتی خیرا کان کالطابع علیہ وان کان مجلس لغو کان کفارۃ لما کان فی ذلک المجلس**)) ترجمہ: جب تم میں کوئی کسی جلسے میں بیٹھے تو زنہار وہاں سے نہ ہٹے جب تک تین بار یہ دعا نہ کرلے: پاکی ہے تجھے اے رب ہمارے، اور تیری تعریف بجالاتا ہوں، تیرے سوا کوئی سچا معبود نہیں میرے گناہ بخش اور مجھے توبہ دے۔کہ اگر اس جلسے میں اس نے کوئی نیک بات کہی ہے تو یہ دُعا اس پر مہر ہوجائے گی اور اگر وہ جلسہ لغو تھا جو کچھ اس میں گزرا یہ دعا اس کا کفارہ ہوجائیگی۔

(المستدرک علی الصحیحین، ج1، ص537، مطبوعہ دارالفکر، بیروت)

اس حدیث صحیح مشہور علی اصول المحدثین میں جسے امام ترمذی نے حسن صحیح اور حاکم نے بر شرط مسلم صحیح اور منذری نے جیّد الاسانید کہا، حضور پُر نور سیّد عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عام ارشاد و ہدایت قولی و فعلی فرماتے ہیں کہ آدمی کوئی جلسہ کرے اُس سے اُٹھتے وقت یہ دعا ضرور کرنی چاہئے کہ اگر جلسہ خیر کا تھا تو وہ نیکی قیامت تک سر بمہر محفوظ رہے گی اور لغو تھا تو وہ لغو باذن اللہ محو ہو جائے گا، تو لفظ و معنی دونوں کی رُو سے ثابت ہوا کہ ہر مسلمان کو ہر نماز کے بعد بھی اس دُعا کی طرف اشارہ فرمایا گیا جہت لفظ سے تو یوں کہ مجلس نکرہ سیاقِ شرط میں واقع ہے عام ہوا۔ تو قطعاً تمام صلوات فریضہ و واجبہ و نافلہ کے جلسے اس حکم میں داخل اور ادعائے تخصیص بے مخصص محض مردود و باطل۔

اور جہتِ معنی سے یوں کہ جلسۂ خیر سے اُٹھتے وقت یہ دُعا کرنا اُس خیر کے نگاہداشت کے لئے ہے تو خیر جس قدر اکبر و اعظم اُسی قدر اس کا حفظ ضروری و اہم، اور بلا شبہہ خیر نماز سے سب چیزوں سے افضل و اعلیٰ تو ہر نماز کے بعد اس دعا کا مانگنا مؤکد تر ہوا، یا رب، مگر (کیا) نمازِ عیدین نماز نہیں یا اس کے حفظ کے جانب نیاز نہیں یا حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرما دیا کہ ہمارا یہ ارشاد ماورائے عیدین یا ماسوائے نماز میں ہے۔ (بلکہ حدیث پاک میں ہے) ((عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کان اذا جلس مجلسا او صلی تکلم بکلمات و سالتہ عائشۃ عن الکلمات فقال ان تکلم بخیر کان طابعا علیھن الی یوم القیمۃ وان تکلم بشر کان کفارۃ لہ، سبحٰنک اللّٰھم و بحمدک استغفرک و اتوب الیک)) یعنی ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں حضور پُر نور سیّد عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب کسی مجلس میں بیٹھتے یا نماز پڑھتے کچھ کلمات فرماتے، ام المومنین نے وہ کلمات پُوچھے، فرمایا وہ ایسے ہیں کہ اگر اس جلسہ میں کوئی نیک بات کہی ہے تو یہ قیامت تک اس پر مُہر ہو جائیں گے اور بُری کہی ہے تو کفارہ۔ الٰہی! میں تیری تسبیح و حمد بجالاتا ہوں اور تجھ سے استغفار و توبہ کرتا ہوں۔

(سنن النسائی، ج 1، ص 197، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب، کراچی)

پس بحمد اللہ احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہو گیا کہ نمازِ عیدین کے بعد دُعا مانگنے کی خود حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تاکید فرمائی لفظ لا یبرحن بنون تاکید ارشاد ہوا بلکہ انصاف کیجئے تو حدیثِ ام المومنین صلی اللہ تعالیٰ علیٰ زوجہا الکریم وعلیہا وسلم خود حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بعد نماز عیدین دعا مانگنا بتا رہی ہے کہ صلی زیر اذا داخل، تو ہر صورت نماز کو عام و شامل

اور منجملہ صور نماز عیدین، تو حکمِ مذکور انہیں بھی متناول (شامل)، پس یہ حدیثِ جلیل بحمد اللہ خاص جزیہ کی تصریح کامل۔

دعا شرعاً بہت زیادہ مطلوب ہے

رابعاً اقول وباللہ التوفیق (چوتھی بات میں اللہ تعالیٰ کی توفیق سے کہتا ہوں) ان سب سے قطع نظر کیجئے تو دُعا مطلقاً اعظم مندوباتِ دینیہ واجل مطلوبات شرعیہ سے ہے کہ شارع صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہمیں بے تقیید وقت وتخصیصِ ہیأت مطلقاً اس کی اجازت دی اور اُس کی طرف دعوت فرمائی اور اسکی تکثیر کی رغبت دلائی اور اس کے ترک پر وعید آئی۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے ﴿وَ قَالَ رَبُّکُمُ ادْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ﴾ اور تمہارے رب نے فرمایا مجھ سے دعا کرو میں قبول کروں گا۔ (سورۃ المومن، آیت 60)

اور فرماتا ہے ﴿اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ﴾ قبول کرتا ہوں دُعا کرنے والے کی دُعا جب مجھے پکارے۔ (سورۃ البقرۃ، آیت 186)

حدیث قدسی میں فرماتا ہے ((اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ بِیْ وَاَنَا مَعَہٗ اِذَا دَعَانِیْ)) میں اپنے بندے کے گمان کے پاس ہوں اور میں اس کے ساتھ ہوں جب مجھ سے دعا کرے۔

(صحیح بخاری، کتاب التوحید، ج2، ص1101، مطبوعہ قدیمی کتب خانہ، کراچی ☆ صحیح مسلم، ج2، ص341، نور محمد اصح المطابع، کراچی)

اور فرماتا ہے: ((یَا ابْنَ اٰدَمَ اِنَّکَ مَادَعَوْتَنِیْ غَفَرْتُ لَکَ عَلٰی مَاکَانَ مِنْکَ وَلَا اُبَالِیْ)) اے فرزند آدم! تو جب تک مجھ سے دعا مانگے جائیگا اور اُمید رکھے گا تیرے کیسے ہی گناہ ہوں بخشتا رہوں گا اور مجھے کچھ پرواہ نہیں۔ ترمذی نے روایت کر کے اسے حسن قرار دیا ہے اور اسے حضرت انس بن مالک سے انہوں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے آپ نے اپنے رب تبارک وتعالیٰ سے بیان فرمایا۔ (جامع الترمذی، ابواب الزہد، ج2، ص62، مطبوعہ امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ، دہلی)

اور فرماتا ہے عزوجل: ((مَنْ لَّا یَدْعُوْنِیْ اَغْضِبْ عَلَیْہِ)) جو مجھ سے دعا نہ کرے گا میں اس پر غضب فرماؤں گا۔ اسے عسکری نے مواعظ میں سند حسن کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اور آپ نے رب تعالیٰ وتقدس سے بیان فرمایا۔

(کنز العمال، بحوالہ العسکری فی المواعظ، حدیث 3127، ج2، ص63، مطبوعہ مکتبۃ التراث الاسلامی، بیروت ☆ سنن ابن ماجہ، باب فضل الدعاء، ص280، مطبوعہ ایچ

ایم سعید کمپنی، کراچی)

دعا کے بارے میں احادیث مبارکہ

احادیث مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس باب میں سرحدِ تواتر پر خیمہ زن..... میں بخوف اطالت احادیث فضائل سے عطف عنان کر کے صرف ان بعض حدیثوں پر اقتصار کرتا ہوں جن میں دعا کی تاکید یا اس کے ترک پر تہدید یا اس کی تکثیر کا حکم اکید ہے۔

(1) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث میں ہے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ((علیکم عباداللہ بالدعاء)) خدا کے بندو! دعا کو لازم پکڑو۔ اسے ترمذی نے روایت کر کے غریب کہا اور حاکم نے روایت کر کے صحیح کہا۔ (جامع الترمذی، ابواب الدعوات، ج2، ص193، مطبوعہ امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ، دہلی)

(2) حضرت زید بن خارجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ((صلوا علیّ واجتهدوا فی الدعاء)) مجھ پر درود بھیجو اور دعا میں کوشش کرو۔ اسے امام احمد، نسائی اور طبرانی نے کبیر میں، ابن سعد، سمویہ، بغوی، باوردی اور ابن قانع نے روایت کیا۔

(سنن النسائی، باب الصلوۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم، ج1، ص190، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب، کراچی)

(3) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں ہے سیّد عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ((لاتعجزوا فی الدعاء فانه لن یهلك مع الدعاء احد)) دعا میں تقصیر نہ کرو جو دعا کرتا رہے گا ہرگز ہلاک نہ ہوگا۔ اسے ابن حبان نے صحیح میں اور حاکم نے روایت کر کے صحیح قرار دیا۔ (المستدرک علی الصحیحین، کتاب الدعاء، ج1، ص494، مطبوعہ دار الکتب، بیروت)

(4) حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث میں ہے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ((تدعون اللہ لیلکم ونهارکم فان الدعاء سلاح المؤمن)) رات دن خدا سے دعا مانگو کہ دعا مسلمان کا ہتھیار ہے۔ اسے ابو یعلیٰ نے روایت کیا ہے۔ (مسند ابی یعلی، مروی از جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ج2، ص329، مطبوعہ موسسۃ علوم القرآن، بیروت)

(5) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث میں ہے رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ((اکثروا الدعاء بالعافیة)) عافیت کی دعا اکثر مانگ۔ امام حاکم نے اسے سند حسن کے ساتھ روایت کیا ہے۔

(المستدرک علی الصحیحین، کتاب الدعاء، ج1،ص529،مطبوعہ دارالفکر بیروت)

(6) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں ہے سیّدالمرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:((اکثر من الدعاء فان الدعاء یرد القضاء المبرم)) دعا کی کثرت کرو کہ دعا قضائے مبرم کو رَد کرتی ہے۔اسے ابوالشیخ نے ثواب میں نقل کیا ہے۔ (کنز العمال بحوالہ ابی الشیخ عن انس رضی اللہ عنہ،ج2،ص63 مطبوعہ مکتبۃ التراث الاسلامی بیروت)

(7) حضرت عبادہ صامت وابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیثوں میں ہے ایک بار حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دعا کی فضیلت ارشاد فرمائی، صحابہ نے عرض کی:((اذا نکثر)) ایسا ہے تو ہم دعا کی کثرت کریں گے، فرمایا:((اللہ اکثر)) اللہ عزوجل کا کرم بہت کثیر ہے وفی الروایۃ الاخری (دوسری روایت میں ہے۔ت) ((اللہ اکبر)) اللہ بہت بڑا ہے۔

اسے امام ترمذی اور حاکم نے حضرت عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرکے صحیح قرار دیا، امام احمد، بزار اور ابویعلی نے اسانید جیدہ کے ساتھ روایت کیا ہے اور حاکم نے حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرکے فرمایا کہ اس کی سند صحیح ہے۔

(جامع الترمذی، ابواب الدعوات، ج2،ص173،مطبوعہ امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ، دہلی ☆ مسند احمد بن حنبل، مروی از ابوسعید الخدری، ج3،ص18،مطبوعہ دارالفکر ،بیروت)

(8) حضرت سلمان فارسی وابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیثوں میں ہے حضور والا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ((من سرہ ان یستجیب اللّٰہ عند الشدائد فلیکثر من الدعا عند الرخاء)) جسے خوش آئے کہ اللہ تعالیٰ سختیوں میں اس کی دعا قبول فرمائے وہ نرمی میں دعا کی کثرت رکھے۔اسے ترمذی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اور حاکم نے ان سے اور حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرکے فرمایا کہ یہ صحیح ہے اور محدثین نے اس کی صحت کو برقرار رکھا۔ (جامع الترمذی، ابواب الدعوات، ج2،ص174،مطبوعہ امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی)

(9) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں ہے حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:((من لم یسال اللّٰہ یغضب علیہ)) جو اللہ تعالیٰ سے دعا نہ کرے گا اللہ تعالیٰ اس پر غضب فرمائے گا۔اسے امام احمد، ابن ابی شیبہ

اور بخاری نے ادب المفرد میں، ترمذی، ابن ماجہ، بزار، ابن حبان اور حاکم نے روایت کر کے صحیح کہا۔

(جامع الترمذی، ابواب الدعوات، ج2،ص173، مطبوعہ امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ، دہلی ☆ادب المفرد، باب 286، حدیث 658،ص171 مطبوعہ المکتبۃ الاثریۃ، سانگلہ ہل ☆ مسند احمد بن حنبل مروی از ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، ج2،ص443، مطبوعہ دارالفکر، بیروت ☆ مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب الدعاء، ج 10 ،ص200، مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ، کراچی)

ایھا المسلمون (اے مسلمانو!) تم نے اپنے مولا جل وعلا اور اپنے رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشادات سنے ان میں کہیں بھی تخصیص وتقیید کی بو ہے، یہ تو بارہا فرمایا کہ دعا کرو، کہیں یہ بھی فرمایا کہ فلاں نماز کے بعد نہ کرو؟ یہ تو صاف ارشاد ہوا ہے کہ جس وقت دعا کرو گے میں سنوں گا، کہیں یہ بھی فرمایا کہ فلاں وقت کرو گے تو سنوں گا؟ یہ تو بتاکید بار بار حکم آیا ہے کہ دعا سے عاجز نہ ہو، دعا میں کوشش کرو، دعا کو لازم پکڑو، دعا کی کثرت رکھو، رات دن دعا مانگو، کہیں یہ بھی فرمایا ہے کہ فلاں نماز کے بعد نہ مانگو؟ یہ تو ڈر سنا گیا ہے کہ جو دعا نہ مانگے گا اس پر غضب ہوگا، کہیں یہ بھی فرمایا ہے کہ فلاں نماز کے بعد جو مانگے گا اس سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوگا؟ اور جب کہیں نہیں تو خدا اور رسول جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جس چیز کو عام ومطلق رکھا دوسرا اسے مخصوص ومقید کرنے والا کون؟ خدا اور رسول عزمجدہ، وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جس چیز سے منع نہ فرمایا دوسرا اسے منع کرنے والا کون؟ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَ لَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّ هٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ ﴾ اور نہ کہو اسے جو تمہاری زبانیں جھوٹ بیان کرتی ہیں یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے کہ اللہ پر جھوٹ باندھو بیشک جو اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں ان کا بھلا نہ ہوگا۔ (سورۃ النحل، آیت 116)

اصل یہ ہے کہ ﴿اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ﴾ حکم صرف خدا ہی کے لئے ہے۔ (سورۃ الانعام، آیت 57)

جس چیز کو اس نے کسی ہیأت خاصہ محل معین سے مخصوص اور اس پر مقصور ومحصور فرمایا اس سے تجاوز جائز نہیں، جو تجاوز کرے گا دین میں بدعت نکالے گا اور جس چیز کو اس نے ارسال واطلاق پر رکھا ہرگز کسی ہیأت ومحل پر مقتصر نہ ہوگی اور ہمیشہ اپنے اطلاق ہی پر رہے گی جو اس سے بعض صور کو جدا کرے گا دین میں بدعت پیدا کرے گا، ذکر ودعا اسی قبیل سے ہیں کہ زنہار شرع مطہر نے انہیں کسی قید وخصوصیت پر محصور نہ فرمایا بلکہ عموماً ومطلقاً ان کی تکثیر کا حکم دیا۔

ہر ذکر دعا ہے اور ذکر کی کثرت کا حکم ہے

دعا کے بارے میں آیات وحدیث سن ہی چکے اور دلائل مطلقہ تکثیر ذکر جنہیں اس سلسلہ شمار میں (خامساً) کہئے کہ ہر دعا بالبداہۃ ذکر الٰہی ہے اور اس پر علمانے تنصیص بھی فرمائی، مولانا قاری شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں: "کل دعاء ذکر (ہر دعا ذکر ہے۔ت) تو اجازت عامہ ذکر کے دلائل بعینہا اجازت عامہ کے دلائل ہیں کہ تعمیم افراد اعم یا مساوی، لاجرم تعمیم افراد اخص ومساوی ہے کما لایخفی (جیسا کہ مخفی نہیں ہے۔ت)

(1) حدیث حسن حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالٰی عنہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: ((اکثروا ذکر اللہ حتی یقولوا مجنون)) ذکرِ الٰہی کی یہاں تک کثرت کرو کہ لوگ مجنون بتائیں۔

(المستدرک علی الصحیحین، کتاب الدعاء، ج1، ص499، مطبوعہ دارالفکر، بیروت)

(2) حدیث حسن حضرت عبداللہ بن بُسر رضی اللہ تعالٰی عنہ سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: ((لایزال لسانك رطبا من ذکر اللہ)) ہمیشہ ذکر الٰہی میں تر زبان رہ۔ (جامع الترمذی، ابواب الدعوات، ج2، ص173، مطبوعہ امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی)

(3) حدیث جیّد الاسناد حضرت ام انس رضی اللہ تعالٰی عنہا حضورِ والا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: ((اکثری من ذکر اللہ فانك لاتاتین بشیء احب الیه من کثرۃ ذکرہ)) اللہ کا ذکر بکثرت کر کہ تو کوئی چیز ایسی نہ لائے جو خدا کو اپنی کثرتِ ذکر سے زیادہ پیاری ہو۔ (دُرمنثور، بحوالہ الطبر انی ذکراً کثیراً کے تحت مذکور، ج5، ص205، مطبوعہ آیۃ اللہ العظمٰی قم ایران)

(4) حدیثِ ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سرورِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: ((من لم یکثر ذکر اللہ فقد برء من الایمان)) جو ذکر الٰہی کی کثرت نہ کرے وہ ایمان سے بیزار ہوگیا۔

(دُرمنثور بحوالہ المعجم الاوسط ذکراً کثیراً کے تحت مذکور، ج5، ص205، مطبوعہ آیۃ اللہ العظمٰی قم ایران☆الترغیب والترہیب، کتاب الذکر والدعاء، ج2، ص401، مطبوعہ مصطفی البابی، مصر)

(5) حدیث صحیح ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا: ((کان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یذکر اللہ تعالٰی علی کل احیانه)) حضور پرنور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہر وقت ذکر خدا فرمایا کرتے۔

(سنن ابی داؤد، باب فی الرجل یذکر اللہ تعالٰی علی غیر وضوء مطبوعہ آفتاب عالم پریس، لاہور)

الٰی غیر ذٰلك من الاحادیث والاٰثار (ان کے علاوہ متعدد احادیث وآثار ہیں)

یہاں صرف بعض آیات اور ان کی تفسیروں پر اقتصار ہوتا ہے جو عموم تمامی اوقات واحوال میں نص ہیں:

(1) اللہ جل ذکرہ فرماتا ہے: ﴿فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِكُمْ﴾ اللہ کا ذکر کرو کھڑے اور بیٹھے اور اپنی کروٹوں پر۔ (سورۃ النساء، آیت 103)

علمائے کرام اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ جمیع احوال میں ذکر الٰہی ودعا کی مداومت کرو۔ بیضاوی میں ہے: داوموا علی الذکر فی جمیع الاحوال۔ تمام احوال میں ذکر پر مدامت کرو۔ (ت)

(انوار التنزیل المعروف بتفسیر البیضاوی، تحت الآیۃ المذکورہ، ج1 ص204، مطبوعہ مصطفی البابی، مصر)

تفسیر نسفی میں ہے: ای داوموا علی ذکر اللّٰہ تعالٰی فی جمیع الاحوال۔ یعنی تمام احوال میں اللہ تعالیٰ کے ذکر پر دوام اختیار کرو۔ (ت) (تفسیر النسفی المعروف بتفسیر المدارک، آیہ مذکورہ کے تحت، ج1 ص248، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت)

ارشاد العقل السلیم میں ہے: داوموا علی الذکر اللّٰہ تعالٰی وحافظوا علی مراقبتہ ومناجتہ ودعائہ فی جمیع الاحوال۔ تمام احوال میں اللہ تعالیٰ کے ذکر پر مداومت کرو، اور مراقبہ، مناجات اور رب سے دعا کی محافظت کرو۔ (ت) (تفسیر ارشاد العقل السلیم، آیہ مذکورہ کے تحت، ج2 ص228، مطبوعہ احیاء التراث الاسلامی، بیروت)

(2) اللہ عز اسمہ فرماتا ہے: ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِیْرًا﴾ اے ایمان والو! اللہ کا ذکر بکثرت کرو۔ (سورۃ الاحزاب، آیت 41)

علامۃ الوجود مفتی ابو السعود ارشاد میں ارشاد فرماتے ہیں: یعم الاوقات والاحوال۔ یہ آیت تمام اوقات احوال کو عام ہے۔ (تفسیر ارشاد العقل السلیم، آیہ مذکورہ کے تحت، ج7 ص106، مطبوعہ احیاء التراث الاسلامی، بیروت)

(3) اللہ تعالیٰ شانہ فرماتا ہے: ﴿فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا﴾ اللہ کا ذکر کرو جیسے اپنے باپ دادا کو یاد کرتے ہو بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ (سورۃ البقرۃ، آیت 200)

امام نسفی کافی شرح وافی میں فرماتے ہیں: ارید بہ ذکر اللّٰہ تعالٰی فی الاوقات کلھا۔ اس آیت سے یہ مراد کہ ذکر الٰہی جمیع اوقات میں کرو۔ (کافی شرح وافی، تحت الآیۃ المذکورہ)

(4) اللہ تبارک مجدہ فرماتا ہے: ﴿وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِیْرًا﴾ اور بکثرت خدا کا ذکر کرو۔ (سورۃ الانفال، آیت 45)

معالم میں ہے: فی جمیع المواطن علی السراء والضراء۔ تمام مواضع میں خوشی وتکلیف میں۔

(معالم التنزیل علی ہامش خازن، تحت الآیۃ المذکورہ، ج5،ص245،مطبوعہ مصطفی البابی،مصر)

(5)اللہ تقدس اوصافہ فرماتا ہے:﴿وَ الذّٰکِرِیْنَ اللّٰہَ کَثِیْرًا وَّ الذّٰکِرٰتِ اَعَدَّ اللّٰہُ لَھُمْ مَّغْفِرَۃً وَّ اَجْرًا عَظِیْمًا

o﴾ خدا کو بکثرت یاد کرنے والے مرد اور بکثرت یاد کرنے والی عورتوں کے لئے اللہ نے مغفرت اور بڑا ثواب تیار کررکھا ہے۔ (سورۃ الاحزاب،آیت35)

مولٰنا شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ ماثبت بالسنۃ میں لکھتے ہیں:لایخفی ان الذکر والتسبیح والتھلیل والدعاء لاباس بہ لانھا مشروعۃ فی کل الامکنۃ و الازمان ۔پوشیدہ نہیں کہ ذکر وتسبیح وتہلیل ودعا میں کچھ مضائقہ نہیں کہ یہ چیزیں وہرجگہ اور ہروقت مشروع ہیں۔ (ماثبت بالسنۃ،خاتمہ کتاب،ص326،ادارہ نعیمیہ رضویہ،لاہور)

اللہ اللہ کیا ستم جری ہیں وہ لوگ کہ قرآن وحدیث کی ایسی عام مطلق اجازتوں کے بعد خواہی نخواہی بندگان خدا کو اس کی یادودعا سے روکتے ہیں حالانکہ اس نے ہرگز اس دعا سے ممانعت نہ فرمائی،﴿قُلْ اٰللّٰہُ اَذِنَ لَکُمْ اَمْ عَلَی اللّٰہِ تَفْتَرُوْنَ o﴾ترجمہ:اے حبیب!ان سے پوچھئے کہ اللہ نے اس کی تمہیں اجازت دی ہے یا اللہ پر جھوٹ باندھتے ہو۔

(سورۂ یونس،آیت59)

پس بحمداللہ آفتاب روشن کی طرح واضح ہوگیا کہ دعائے مذکور فی السوال قطعاً جائزومندوب،اور اس سے ممانعت محض بے اصل وباطل ومعیوب۔ (فتاوی رضویہ،ج8،ص515تا538،رضافاؤنڈیشن،لاہور)

نمازِعید کے بعد دعا منگنے سے منع کرنے والوں کی دلیل اوراس کارد

بدمذہب لوگ عید کے بعد جو دعا مانگنے سے منع کرتے ہیں وہ عبدالحی ہندی لکھنوی کے اس فتوی کو دلیل بناتے ہیں،عبدالحی لکھنوی سے سوال ہوا"جناب رسول مقبول علیہ الصلوۃ والسلام اور اصحاب وتابعین وتبع تابعین وائمہ اربعہ رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین بعد نمازعیدین کے دعا مانگتے تھے یا بعد پڑھنے خطبہ عیدین کے کھڑے یا بیٹھ کر یا بدون ہاتھ اٹھائے؟ بیّنوا و افتوا بسندالکتاب(کتاب کی سند کے ساتھ بیان کرواورفتوی دو)۔تو جواب دیا کہ"ھوالمصوب روایاتِ حدیث سے اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نمازعید سے فراغت کر کے خطبہ پڑھتے تھے اور

بعد اس کے معاودت فرماتے (واپس تشریف لے آتے)، دعا مانگنا بعد نماز یا خطبہ کے آپ سے ثابت نہیں، اسی طرح صحابہ کرام وتابعین عظام سے ثبوت اس امر کا نظر سے نہیں گزرا۔

امام اہل سنت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ اس کا جواب دیتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

قطع نظر اس سے محل احتجاج میں کہاں تک پیش ہوسکتا ہے حضرات مانعین کو ہرگز مفید، نہ ہمیں مضر، جواز وعدم کا تو اس میں ذکر ہی نہیں، سائل ومجیب دونوں کا کلام ورود وعدم ورود میں ہے پھر مجیب نے صحابہ کرام وتابعین عظام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ثابت نہ ہونے پر جزم بھی نہ کیا، صرف اپنی نظر سے نہ گزرنا لکھا اور ہر عاقل جانتا ہے کہ نہیں اور نہ دیکھا میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔ یہ ان کے جو اکابر ماہران فنِ حدیث ہیں بارہا فرماتے ہیں ہم نے نہ دیکھی اور دوسرے محدثین اس کا پتا دیتے ہیں فقیر نے اس کی متعدد مثالیں اپنے رسالہ صفائح اللجین فی کون التصافح بکفی الیدین میں ذکر کیں۔

پھر یہ نہ دیکھنا بھی مجیب، خاص اپنا بیان کررہے ہیں نہ کہ ائمہ شان نے اس طرح کی تصریح فرمائی، کہ ایسا ہوتا تو نظر سے نہ گزرا کے عوض اس امام کا ارشاد نقل کرتے، خصوصاً جبکہ سائل درخواست کرچکا تھا کہ بیّنوا و افتوا بسند الکتاب (کتاب کی سند کے ساتھ بیان کرو اور فتوٰی دو)۔

تو آج کل کے ہندی علماء کا نہ دیکھنا نہ ہونے کی دلیل کیونکر ہوسکتا ہے آخر نہ دیکھا کہ فقیر غفرلہ المولی القدیر نے حدیثِ صحیح سے اس کا نص صریح، ائمہ تابعین قدست اسرارہم سے واضح کردیا و الحمدللہ رب العلمین۔

پھر خصوص جزئیہ سے قطع نظر کیجئے، جس کا التزام عقلاً ونقلاً کسی طرح ضرور نہیں جب تو فقیر نے خود حضور پرنور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے جس جس طرح اس کا ثبوت روشن کیا منصف غیر متعسف اس کی قدر جانے گا والحمدللہ والمنۃ۔

پھر سوال میں تبع تابعین وائمہ اربعہ سے استفسار تھا مجیب نے ان کی نسبت اس قدر بھی نہ لکھا کہ نظر سے نہ گزرا، اب خواہ ان سے ثبوت نہ دیکھا یا پوری بات کا جواب نہ ہوا، بہر حال محل نظر واسناد مستند صرف اس قدر کہ مجیب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے نفی ثبوت کرتے ہیں۔

(پھر امام اہلسنت علیہ الرحمہ نے اس پر دو صورتوں میں کلام کیا، صورت اول یہ ہے کہ اس کلام سے یہ کہنا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ثابت نہیں غلط ہے اور دوسری صورت یہ کہ اگر یہ تسلیم کرلیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ثابت نہیں تب بھی ممانعت کا حکم نہیں ہوسکتا، پہلی صورت پر متعدد وجوہ سے کلام فرمایا، چنانچہ فرماتے ہیں:

اوّلاً یہ تو اصلاً کسی حدیث میں نہیں کہ حضور پرنور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سلام پھیرتے ہی بفور حقیقی معاً خطبہ فرماتے تھے اور خطبہ ختم فرماتے ہی بے فصل فوراً واپس تشریف لاتے، غایت یہ کہ کسی حدیث میں فائے تعقیب آنے سے استدلال کیا جائے گا مگر وہ ہرگز اتصال حقیقی پر دال نہیں کہ دو حرف دعا سے فصل کی مانع ہو۔۔ اگر زید وعدہ کرلے نماز پڑھ کر فوراً آتا ہوں تو نماز کے بعد معمولی دو حرفی دعا ہرگز عرفاً یا شرعاً مبطلِ فور وموجبِ خلافِ وعدہ نہ ہوگی، مسئلہ سجود تلاوت صلاتیہ میں سنا ہی ہوگا کہ دو آیتیں بالاتفاق اور تین علی الاختلاف قاطع فور نہیں۔

ثانیاً دعا تابع ہے اور توابع فاصل نہیں ہوتے، واجبات میں ضم سورت سنا ہوگا مگر آمین فاصل نہیں کہ تابع فاتحہ ہے۔ حضور پرنور سید یوم النشور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تسبیح حضرت بتول زہرا صلوات اللہ وسلامہ علیٰ ابیہا الکریم وعلیہا کی نسبت فرمایا ((معقبات لایخیب قائلهن)) کچھ کلمات نماز کے بعد بلا فاصلہ کہنے کے ہیں جن کا کہنے والا نامراد نہیں رہتا۔

(سنن النسائی، ج1، ص198، نور محمد کارخانہ تجارت کتب، کراچی)

باایں ہمہ (اس کے باوجود) علماء فرماتے ہیں اگر سنن بعدیہ کے بعد پڑھے تعقیب میں فرق نہ آئے گا کہ سنن توابع فرائض سے ہیں۔

ثالثاً مانا کہ مفاد "فا" اتصال حقیقی ہے تاہم خوب متنبہ رہنا چاہئے کہ حضور پرنور سیّد عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نو برس عید کی نمازیں پڑھی ہیں تو احادیث متعددہ کا وقائع متعددہ پر محمول ہونا ممکن، پس اگر ایک حدیث صلوٰۃ وخطبہ اور دوسری خطبہ وانصراف میں وقوع اتصال پر دلالت کرے اصلاً بکار آمد نہیں کہ ایک بار بعد خطبہ، دوبارہ بعد نماز دعا کا عدم ثابت نہ ہوگا، تو (یوں وہ) مقصود سے منزلوں دور ہے۔

رابعاً مسلم کہ ایک ہی حدیث میں دونوں اتصال مصرح ہوں تاہم بلفظ دوام تو اصلاً کوئی حدیث نہ آئی ومن ادعی فعلیہ البیان (اور جو اس کا دعوٰی کرتا ہے وہ دلیل لائے)۔

اور ایک آدھ جگہ صلی فخطب فعاد (نماز پڑھائی، پس خطبہ دیا اور لوٹ گئے۔) ہو بھی تو واقعہ حال ہے اور وقائع حال کے لئے عموم نہیں کمانصوا علیہ (جیسا کہ علماء نے اس پر تصریح کی ہے)۔

خامساً یہ سب تو بالائی کلام تھا احادیث پر نظر کیجئے تو وہ اور ہی کچھ اظہار فرماتی ہیں صحاح ستہ وغیرہا خصوصاً صحیحین میں روایات کثیرہ بلفظ ثم وارد، ثم فاصلہ ومہلت چاہتا ہے تو ادعا کہ احادیث میں اتصال ہی آیا محض غلط بلکہ حرفِ اتصال اگر دو ایک حدیث میں ہے تو کلمہ انفصال آٹھ دس میں۔(پھر امام اہلسنت علیہ الرحمہ نے صحاح ستہ سے نو (۹) احادیث نقل فرمائیں جس میں ''ثم'' استعمال ہوا ہے، جس میں سے ایک یہ ہے) راوی فرماتے ہیں ((قال خرجت مع النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یوم فطر او اضحی فصلی ثم خطب ثم أتی النساء فوعظھن وذکرھن وامرھن بالصدقۃ)) ترجمہ: میں فطر اور اضحیٰ کے روز نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ نکلا آپ نے نماز پڑھائی پھر خطبہ دیا پھر خواتین کے اجتماع میں تشریف لے گئے انہیں وعظ ونصیحت فرمائی اور انہیں صدقہ کا حکم دیا۔

(صحیح البخاری، ج 1، ص 133، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

یہ حدیث دونوں جگہ فصل کا اظہار کرتی ہے، سبحن اللہ! پھر کیونکر ادعا کر سکتے ہیں کہ نماز وخطبہ اور خطبہ ومعاودت میں ایسا اتصال رہا جو عدم دعا پر دلیل ہوا۔

(پھر امام اہلسنت علیہ الرحمہ نے دوسری صورت پر کلام فرمایا) اب محمل دوم کی طرف چلئے جس کا یہ حاصل کہ حدیثوں میں صرف نماز وخطبہ کا ذکر ہے ان کے بعد نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دعا مانگنا مذکور نہ ہوا۔

اقول یہ حضرات مانعین کے لئے نام کو بھی مفید نہیں، سائل نے اس فعل خاص بخصوصیت خاصہ کا سیّد عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے صدور پوچھا تھا کہ کس طور پر ہوا، اس کا جواب یہی تھا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اس فعل خاص کی نقل جزئی نظر سے نہ گزری مگر اسے عدم جواز کا فتوی جان لینا محض جہالت بے مزہ۔

اوّلاً (پچھلے جواب میں) گزرا کہ حدیث ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے عموم میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اس دعا کا ثبوت فعلی بتا رہی ہے۔

ثانیاً ثبوت فعلی نہ ہو تو قولی کیا کم ہے بلکہ من وجہ قول فعل سے اعم واتم ہے۔ اب (پچھلی) تقریریں پھر یاد کیجئے

اور حدیث ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما تو بعد نماز عید خود رب مجید جل وعلا کا اپنے بندوں سے تقاضائے دعا فرمانا بتارہی ہے، اس کے بعد اور کسی ثبوت کی حاجت کیا ہے۔

ثالثاً جب شرع مطہر سے حکم مطلق معلوم کہ جواز واستحباب ہے تو ہر فرد کے لئے جداگانہ ثبوت قولی یا فعلی کی اصلاً حاجت نہیں کہ باجماع واطباق عقل ونقل حکم مطلق اپنی تمام خصوصیات میں جاری وساری اطلاقِ حکم کے معنی ہی یہ ہیں کہ اس ماہیت کلیہ یا فرد منتشر کا جہاں وجود ہو حکم کا ورود ہو۔ جب تک کسی خاص کا استثناء شرع مطہر سے ثابت نہ ہو۔ (اس کا امام اہلسنت علیہ الرحمہ نے دس وجوہ سے جواب دیا، تین اوپر گزریں، اور آخر میں فرماتے ہیں کہ جس عالم کا فتوی تم دلیل کے طور پر پیش کررہے ہو وہ خود اس بات کے قائل ہیں کہ ممانعت اسی صورت میں ہے جب کسی کام سے منع کیا گیا ہو اس کے ثبوت میں امامِ اہلسنت علیہ الرحمہ نے عبدالحی لکھنوی کے فتاوی سے کئی مثالیں دیں، ان میں سے دو عبارتیں یہ ہیں، عبد الحی لکھنوی کے مجموعہ فتاوی میں ہے:) اگر میں تسلیم کرلوں کہ ذکر مولد تین زمانوں میں سے کسی میں نہیں اور مجتہدین سے اس کا حکم منقول نہیں ہے لیکن شرع میں جب یہ بنیادی قاعدہ ہے کہ ہر وہ فرد جس سے علم کی اشاعت ہو وہ مندوب ہوتا ہے تو ذکرِ مولد بھی اسی میں شامل ہے تو ضروری ہے اسے بھی مندوب کہا جائے۔ (مجموعہ فتاوی، ج2، ص113، مطبع یوسفی فرنگی محلی، لکھنؤ)

ایک اور عبارت "الوداع یا الفراق کا خطبہ آخر رمضان میں پڑھنا اور کلماتِ حسرت ورخصت کے ادا کرنا فی نفسہ امر مباح ہے بلکہ اگر یہ کلمات باعثِ ندامت وتوبہ سامعان ہوئے تو امیدِ ثواب ہے مگر اس طریقہ کا ثبوت قرونِ ثلٰثہ میں نہیں" (مجموعہ فتاوی، ج2، ص24، مطبع یوسفی فرنگی محلی، لکھنؤ)

فقیر غفرلہ المولی القدیر (یعنی امام اہلسنت) نے وہابیہ کے اس خیال ضلال کے رَدو ابطال کو کہ جو کچھ بخصوصہ قرون ثلٰثہ سے منقول نہیں ممنوع ہے، مجیب کی پندرہ عبارتیں نقل کیں مگر لطف یہ ہے کہ خود ہی فتوے جس سے یہاں انھوں نے استناد کیا اس خیال کے ابطال کو بس ہے، مجیب کی عادت ہے کہ شروع جواب میں ھوالمصوب (وہی درست کرنے والا ہے۔ت) یہی لفظ اُس فتوے کی ابتداء میں بھی لکھا، اب حضرات مخالفین ثابت کر دکھائیں کہ حضور سیّد عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یا صحابہ کرام وتابعین عظام علیہم الرضوان، اللہ جل وعلا کو مصوّب کہا کرتے ہوں خصوصاً بحالیکہ اسمائے الٰہیہ توقیفی ہیں۔

(فتاوی رضویہ، ج8، ص539 تا 560، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

باب نمبر376

فِی الْمَشْیِ یَوْمَ الْعِیدِ

عید کے دن چل کر جانا

530۔حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ مُوسَى قَالَ: حَدَّثَنَا شَرِيكٌ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنْ الحَارِثِ، عَنْ عَلِيٍّ، قَالَ: مِنَ السُّنَّةِ أَنْ تَخْرُجَ إِلَى العِيدِ مَاشِيًا، وَأَنْ تَأْكُلَ شَيْئًا قَبْلَ أَنْ تَخْرُجَ۔

قال ابوعیسیٰ: ہٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ. وَالعَمَلُ عَلَى ہٰذَا الحَدِيثِ عِنْدَ أَكْثَرِ أَہْلِ العِلْمِ :يَسْتَحِبُّونَ أَنْ يَخْرُجَ الرَّجُلُ إِلَى العِيدِ مَاشِيًا، وَأَنْ لَا يَرْكَبَ إِلَّا مِنْ عُذْرٍ

حدیث: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا: سنت یہ ہے کہ تم عید کی نماز کے لئے چل کر جاؤ اور نکلنے سے پہلے کچھ کھالو۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یہ حدیث حسن ہے اور اکثر اہلِ علم کے ہاں اسی پر عمل ہے کہ وہ اس بات کو مستحب سمجھتے ہیں کہ آدمی عید کی جانب چل کر جائے اور عذر کے بغیر سوار نہ ہو۔

شرح حدیث

علامہ حسین بن محمد مغربی (متوفی 1119ھ) فرماتے ہیں:

"اس حدیث پاک میں اس عظیم شعار (یعنی نمازِ عید) کے لیے پیدل چلنے کی مشروعیت پر دلالت ہے۔"

(البدر التمام شرح بلوغ المرام، باب صلاۃ العیدین، ج4، ص45، مطبوعہ دار ہجر)

علامہ علی بن سلطان القاری حنفی (متوفی 1014ھ) فرماتے ہیں:

علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جب کوئی صحابی یوں کہے: "یہ چیز سنت سے ہے" یا "سنت اسی طرح ہے" تو یہ یوں کہنے کی طرح ہی ہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یوں ارشاد فرمایا" یہ جمہور فقہاء اور محدثین کا مذہب ہے اور بعضوں نے اسے موقوف مانا اور یہ قول کوئی شے نہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ "سن کذا" (اسی طرح سنت ہے) یہ "قال، فعل اور قرر" (آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، کیا اور برقرار رکھا) کے معنیٰ کو شامل ہے۔

(مرقاۃ المفاتیح، باب التشہد، ج2، ص738، دار الفکر، بیروت)

عید کے دن نمازِ عید کے لیے پیدل چل کر جانے کے بارے میں مذاہب ائمہ

چاروں مذاہب (احناف، مالکیہ، شوافع اور حنابلہ) کے نزدیک نمازِ عید کے لیے پیدل چل کر جانا مستحب وافضل عمل ہے، یعنی سواری پر چل کر جانا بھی جائز ہے مگر پیدل چل کر جانا افضل ہے۔

الاحناف

علامہ محمود بدرالدین عینی حنفی فرماتے ہیں:

مستحب ہے کہ عیدگاہ کی طرف پیدل چل کر جائے، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ((مِنَ السُّنَّةِ أَنْ تَخْرُجَ إِلَى العِيدِ مَاشِيًا)) ترجمہ: سنت یہ ہے کہ تم عید کی نماز کے لئے چل کر جاؤ۔۔۔۔اور یہ تواضع وعاجزی کے زیادہ قریب ہے اور سوار ہو کر جانا مباح ہے۔ (البنایۃ شرح الہدایۃ، ما یسن للمصلی فی یوم الفطر، ج3، ص102، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

الحنابلہ

علامہ ابن قدامہ حنبلی فرماتے ہیں:

عیدگاہ کی طرف پیدل چل کر جانا مستحب ہے۔

(الکافی فی فقہ الامام احمد، باب صلاۃ العیدین، ج1، ص340، دارالکتب العلمیہ، بیروت)

شوافع

علامہ ابراہیم بن علی بن یوسف شیرازی شافعی فرماتے ہیں:

مستحب یہ ہے کہ عید کے لیے پیدل چل کر جائے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عید اور جنازہ کے لیے سوار نہیں ہوئے۔ (المہذب فی فقہ الامام الشافعی، باب صلاۃ العیدین، ج1، ص224، دارالکتب العلمیہ، بیروت)

مالکیہ

علامہ شہاب الدین احمد بن ادریس قرافی مالکی (متوفی 684ھ) فرماتے ہیں:

"عیدگاہ کی طرف پیدل چل کر جانا سوار ہو کر جانے سے افضل ہے کیونکہ ترمذی میں ہے: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ((مِنَ السُّنَّةِ أَنْ تَخْرُجَ إِلَى الْعِيدِ مَاشِيًا)) ترجمہ: سنت یہ ہے کہ تم عید کی نماز کے لئے چل کر جاؤ۔" (الذخیرہ للقرافی، الباب السابع عشر فی صلاۃ العیدین، ج2، ص419، دارالغرب الاسلامی، بیروت)

امام ترمذی کی تحسین پر علامہ نووی کا اعتراض

علامہ یحیی بن شرف النووی شافعی فرماتے ہیں:

"حارث اَعْوَر نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا، انہوں نے ارشاد فرمایا: ((مِنْ السُّنَّةِ أَنْ يَخْرُجَ إِلَى الْعِيدِ مَاشِيًا)) (سنت یہ ہے کہ عید کی نماز کے لئے چل کر جائے) اسے ترمذی نے روایت کیا اور کہا کہ یہ حدیث حسن ہے۔ اور درحقیقت یہ حسن نہیں ہے، امام ترمذی کا قول اس بارے میں قابلِ قبول نہیں کہ اس روایت کا مدار حارث اعور پر ہے اور علما اس کی تضعیف پر متفق ہیں، امام شعبی وغیرہ نے فرمایا کہ حارث کذاب ہے۔"

(المجموع شرح المہذب، باب صلاۃ العیدین، ج5، ص10، دارالفکر، بیروت)

حارث الاعور پر تفصیلی کلام

شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن احمد ذہبی (متوفی 748ھ) فرماتے ہیں:

"حارث بن عبداللہ ہمدانی اعور کبار علما تابعین میں سے ہے مگر اس میں ضعف ہے، اس کی کنیت ابوزہیر ہے، اس نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے اور اس سے عمرو بن مرہ، ابواسحاق اور ایک جماعت نے روایت کیا ہے......

مغیرہ نے شعبی سے روایت کیا، وہ فرماتے ہیں: حارث اعور نے مجھے حدیث بیان کی ہے اور وہ کذاب ہے۔

اور منصور نے ابراہیم سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں: حارث اتہم ہے۔

ابوبکر عیاش نے مغیرہ سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں: حارث کی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کردہ حدیث کی تصدیق نہیں کی جائے گی۔

ابن المدینی نے فرمایا: یہ کذاب ہے۔

جریر بن عبدالحمید نے فرمایا: یہ کھوٹا آدمی ہے۔

ابن معین نے کہا: یہ ضعیف ہے۔ مگر عباس نے ابن معین سے روایت کیا کہ اس میں کوئی حرج نہیں۔ ایسا ہی نسائی نے کہا اور ان سے یہ بھی ہے کہ یہ قوی نہیں ہے۔

دارقطنی نے کہا: یہ ضعیف ہے۔ ابن عدی نے کہا: عمومی طور پر اس سے مروی روایات غیر محفوظ ہیں۔

اور یحیی القطان نے سفیان سے روایت کیا، وہ فرماتے ہیں: ہمارے خیال میں عاصم کی حدیث کو حارث کی حدیث پر فضیلت حاصل ہے۔

عثمان دارمی نے کہا: میں نے یحیی بن معین سے حارث الاعور کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے جواب دیا: وہ ثقہ ہے۔ اور عثمان کہتے ہیں یحیی کی اس میں پیروی کرنے والا کوئی نہیں۔

مغیرہ نے شعبی کو سنا وہ کہہ رہے تھے: مجھ سے حارث نے حدیث بیان کی اور میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ کذاب لوگوں میں سے ایک ہے۔

محمد بن شیبہ الضبی نے ابو اسحاق سے روایت کیا، وہ فرماتے ہیں: حارث الاعور نے یہ گمان کیا.... اور وہ کذاب ہے۔

ابن حبان نے کہا: حارث تشیع میں غالی ہے اور حدیث میں واہی ہے اور وہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتا ہے۔"

(میزان الاعتدال ملخصاً، الحارث بن عبداللہ الہمد انی الاعور، ج 1 ص 435,436، دار المعرفہ للطباعۃ والنشر، بیروت)

علامہ احمد بن علی ابن حجر عسقلانی (متوفی 852ھ) فرماتے ہیں:

حارث بن عبداللہ الاعور الہمد انی کوفی ابو زہیر صاحبِ علی، علامہ شعبی نے اس کی تکذیب کی ہے اور اس کی رفض کی طرف نسبت کی ہے، اور اس کی حدیث میں ضعف ہے۔ (تقریب التہذیب، حرف الحاء، ج 1 ص 146، دار الرشید، سوریا)

علامہ ابن حجر مزید تہذیب التہذیب میں فرماتے ہیں:

شعبی نے کہا کہ حارث الاعور نے مجھے حدیث بیان کی ہے اور وہ کذاب ہے، ابراہیم نے کہا کہ حارث اتہم ہے، ابو اسحاق نے کہا کہ حارث الاعور نے (فلاں کے بارے میں) یہ گمان کیا اور وہ کذاب ہے، جریر نے کہا حارث کھوٹا آدمی ہے....... جوزجانی کہتے ہیں کہ میں نے علی بن المدینی سے عاصم اور حارث کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے جواب دیا: تمہارا جیسا آدمی اس کے بارے میں سوال کر رہا ہے حارث کذاب ہے۔ عثمان دارمی نے یحییٰ بن معین سے حارث کے بارے روایت کیا کہ وہ ثقہ ہے اور عثمان دارمی فرماتے ہیں کہ اس بارے میں یحییٰ بن معین کی کسی نے پیروی نہیں کی۔ ابوزرعہ کہتے ہیں کہ حارث کی حدیث سے حجت نہیں پکڑی جائے گی.......

(تہذیب التہذیب ملخصاً، ج 2 ص 145,146، مطبعہ دائرۃ المعارف النظامیہ، ہند)

اس باب کی حدیث پاک اگرچہ حارث اعور کی وجہ سے ضعیف ہے مگر فضائل میں حدیث ضعیف کا اعتبار کیا جاتا ہے، اور اس حدیث پاک سے جو عمل ثابت ہو رہا ہے یعنی نماز عید کے لیے عید گاہ کی طرف چل کر جانا، وہ مذاہب اربعہ میں مستحب ہی ہے۔ مزید یہ کہ عملِ علما سے حدیثِ ضعیف کو تقویت مل جاتی ہے اور یہاں مذاہب اربعہ کے فقہا کا اس پر عمل ہے۔

باب نمبر 377

فِي صَلَاةِ الْعِيدَيْنِ قَبْلَ الْخُطْبَةِ

عیدین کی نماز خطبہ سے پہلے ہے

531- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ، عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبُو بَكْرٍ، وَعُمَرُ يُصَلُّونَ فِي الْعِيدَيْنِ قَبْلَ الْخُطْبَةِ ثُمَّ يَخْطُبُونَ وَفِي الْبَابِ عَنْ جَابِرٍ، وَابْنِ عَبَّاسٍ، قال ابوعيسى: حَدِيثُ ابْنِ عُمَرَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ، "وَالْعَمَلُ عَلَى هَذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ: أَنَّ صَلَاةَ الْعِيدَيْنِ قَبْلَ الْخُطْبَةِ، وَيُقَالُ إِنَّ أَوَّلَ مَنْ خَطَبَ قَبْلَ الصَّلَاةِ مَرْوَانُ بْنُ الْحَكَمِ

حدیث: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما خطبہ سے قبل عیدین کی نماز پڑھا کرتے تھے پھر خطبہ دیتے تھے۔

اور اس باب میں حضرت جابر اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم سے بھی روایات مروی ہیں۔

امام ابوعیسی ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث حسن صحیح ہے اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب وغیرہ میں سے اہلِ علم کا اسی پر عمل ہے کہ بے شک عیدین کی نماز خطبہ سے قبل ہے اور کہا جاتا ہے کہ سب سے پہلے جس نے عید کی نماز سے پہلے خطبہ دیا وہ مروان بن حکم ہے۔

شرح حدیث

نمازِ عید میں خطبہ بعد میں اور نمازِ جمعہ میں پہلے کیوں

علامہ ابن دقیق العید فرماتے ہیں:

نمازِ عید اور نمازِ جمعہ میں کئی طرح سے فرق ہے:

(1) نمازِ جمعہ فرض عین ہے، لوگ شہر کے باہر سے بھی اس کی طرف آتے ہیں اور نمازِ جمعہ کا وقت لوگوں کے اشغال میں منتشر ہونے اور امورِ دنیا میں ان کے تصرفات شروع ہونے کے بعد داخل ہوتا ہے، تو اس کا خطبہ پہلے رکھا گیا تا کہ لوگ اس کو پانے کی کوشش کریں اور ان کا فرض فوت نہ ہو بالخصوص وہ فرض جس کی قضا کسی طور پر نہ ہو سکتی ہو، اور یہ باتیں نمازِ عید میں معدوم ہیں۔

(2) نمازِ جمعہ یہ حقیقت میں نمازِ ظہر ہی ہے، اس کو چند شرائط کے ساتھ مختصر کیا گیا (یعنی چار رکعتوں سے دو رکعتیں ہو گئیں) ان شرائط میں سے خطبہ بھی ہے اور شرائط چیز سے متأخر نہیں ہوتیں، لہذا اس کی تقدیم لازم ہوئی، اور یہ معنی نمازِ عید میں نہیں ہے کہ نمازِ عید کسی دوسری شے کو شرط کرنے کی وجہ سے مختصر نہیں کی گئی کہ اس شرط کی تقدیم نمازِ عید پر لازم ہو۔ (احکام الاحکام شرح عمدۃ الاحکام، باب العیدین، ج 1، ص 340,341، مطبعۃ السنۃ المحمدیہ)

علامہ علی بن سلطان محمد القاری حنفی فرماتے ہیں:

(3) نمازِ جمعہ فرض ہے جبکہ نمازِ عید فرض نہیں، لہذا خطبہ کی تقدیم و تاخیر سے ان میں فرق کیا گیا۔

(4) نمازِ عید کا وقت نمازِ جمعہ کے وقت سے زیادہ وسیع ہے، نمازِ جمعہ کا وقت کبھی تنگ ہو جاتا ہے، لہذا نمازِ جمعہ میں خطبہ پہلے رکھا گیا جبکہ نمازِ عید میں وقت کی وسعت کی وجہ سے بعد میں رکھا گیا۔

(5) نمازِ عید کا خطبہ سنت ہے، جبکہ نمازِ جمعہ کا خطبہ فرض اور شرط ہے اگر نمازِ جمعہ کے خطبہ کو مؤخر رکھا جاتا تو کبھی ایسا ہوتا کہ لوگ چلے جاتے اور اسے ترک کر دیتے اور گناہ گار ہوتے، لہذا اسے مقدم رکھا گیا۔

(مرقاۃ المفاتیح، باب صلاۃ العیدین، ج 3، ص 1062، دار الفکر، بیروت)

خطبہ نمازِ عید کے بعد ہونے پر مذاہب ائمہ

مذاہب اربعہ یعنی احناف، مالکیہ، شوافع اور حنابلہ سب کے نزدیک خطبہ نمازِ عید کے بعد ہے۔

(احناف: فتاویٰ ہندیہ، الباب السابع عشر فی صلاۃ العیدین، ج 1، ص 150، دار الفکر، بیروت☆ مالکیہ: التلقین فی الفقہ المالکی، باب صلاۃ العیدین، ج 1، ص 53، دار الکتب العلمیہ، بیروت☆ شوافع: متن ابی شجاع، کتاب الصلاۃ، فصل فی صلاۃ العیدین، ص 12، مطبوعہ عالم الکتب☆ حنابلہ: الشرح الکبیر، ویبدأ بالصلاۃ الخ، ج 2، ص 236، دار الکتاب العربی للنشر والتوزیع، بیروت)

علامہ ابو عمر ابن عبد البر قرطبی مالکی (متوفی 463ھ) فرماتے ہیں:

"نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور ان کے بعد خلفاء راشدین مہدیین سے یہی صحیح ثابت ہے کہ یہ خطبہ سے قبل عیدین کی نماز پڑھتے تھے اور بغیر اذان و قامت کے پڑھتے تھے۔ اور اسی پر حجاز اور عراق کی جماعتِ فقہاء کا فتوی ہے، یہی امام مالک، امام شافعی، امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب، امام ثوری، امام اوزاعی، امام حسن بن حیّ، امام عبید اللہ بن حسن، عثمان البتّی، امام احمد بن حنبل، امام اسحاق، امام ابو ثور، ابو عبیدہ، داؤد اور امام طبری کا فتوی ہے، یہ سب کے سب عیدین کی نماز اذان و اقامت کے قائل نہیں اور یہ خطبہ سے پہلے نماز پڑھتے تھے۔"

(الاستذکار، باب الامر بالصلاۃ قبل الخطبہ فی العیدین، ج 2، ص 381,382، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

باب نمبر 378

انَّ صَلَاةَ الْعِيدَيْنِ بِغَيْرِ أَذَانٍ وَلَا إِقَامَةٍ

بے شک عیدین کی نماز اذان اور اقامت کے بغیر ہے

532۔حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ قَالَ:حَدَّثَنَا أَبُو الْأَحْوَصِ، عَنْ سِمَاكِ بْنِ حَرْبٍ، عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ، قَالَ:صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعِيدَيْنِ غَيْرَ مَرَّةٍ وَلَا مَرَّتَيْنِ بِغَيْرِ أَذَانٍ وَلَا إِقَامَةٍ وَفِي الْبَابِ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ، وَابْنِ عَبَّاسٍ،قال ابوعیسیٰ:وَحَدِيثُ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ،"وَالْعَمَلُ عَلَيْهِ عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ أَنَّهُ: لَا يُؤَذَّنُ لِصَلَاةِ الْعِيدَيْنِ وَلَا لِشَيْءٍ مِنَ النَّوَافِلِ

حدیث:حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرمایا:میں نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عیدین کی نماز متعدد مرتبہ بغیر اذان و اقامت کے پڑھی ہے۔

اور اس باب میں حضرت جابر بن عبداللہ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی روایات مروی ہیں۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث حسن صحیح ہے۔اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب وغیرہ میں سے اہلِ علم کا اسی پر عمل ہے کہ عیدین کی نماز اور نوافل کے لئے اذان نہیں کہی جائے گی۔

شرح حدیث

علامہ ابوعمر یوسف بن عبداللہ بن محمد بن عبدالبر فرماتے ہیں:

"یہ امر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ نے بغیر اذان و اقامت کے نمازِ عید ادا فرمائی، اور یہ ایسا معاملہ ہے کہ جس میں علماء مسلمین، فقہاءِ امصار، جماعتِ فقہاء اور جماعتِ اصحابِ حدیث کے درمیان کوئی اختلاف نہیں، اس میں اذان و اقامت نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہ نماز فرض نہیں ہے۔ عیدین کی نماز میں اذان صرف بنوامیہ نے حادث کی۔" (التمہید، الحدیث والواحد والاربعون، ج10، ص243، وزارۃ عموم الاوقاف والشئون الاسلامیہ)

عیدین کی نماز میں اذان و اقامت نہ ہونے کی وجوہات

علامہ عبدالرحمٰن ابن الجوزی (متوفی 597ھ) فرماتے ہیں:

عیدین کی نماز میں اذان و اقامت نہ ہونا دو میں سے ایک امر کی وجہ سے ہے:

(1) یا تو اس وجہ سے ہے کہ فرض کی غیر فرض سے تمییز ہو جائے جیسا کہ نماز کسوف جو کہ سنت ہے اس میں صرف "الصلاۃ جامعہ" پکارا جاتا ہے تاکہ فرائض عینیہ سے اس کا امتیاز ہو جائے۔

(2) دوسرا یہ کہ اذان اور اقامت نماز کے اعلان کے لیے ہے اور عید کی نماز صحرا میں قائم کی جاتی ہے، نہ کہ گھروں کے پاس، پس جو لوگ اس کا قصد کر لیتے ہیں وہ نکل چکے ہوتے ہیں اور پیچھے رہ جانے والے اکثر جگہوں پر اذان کی آواز نہیں سن پائیں گے لہذا اس کے دینے کا کوئی فائدہ نہیں۔

(کشف المشکل، کشف المشکل من مسند جابر بن سمرہ، ج1، ص461، دارالوطن، ریاض)

نماز عید میں اذان و اقامت نہ ہونے کے بارے میں مذاہب ائمہ

چاروں مذاہب (یعنی احناف، مالکیہ، شوافع اور حنابلہ سب) کے نزدیک عیدین کی نماز میں نہ اذان ہے نہ اقامت۔

احناف کا موقف

صدرالشریعہ مفتی امجد علی اعظمی حنفی فرماتے ہیں:

"عیدین میں نہ اذان ہے نہ اقامت، صرف دو بار اتنا کہنے کی اجازت ہے: اَلصَّلٰوۃُ جَامِعَۃٌ۔"

(بہار شریعت، حصہ 4، ص779، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان حنفی فرماتے ہیں:

"اور عیدین کے لئے تو اذان کا بھی حکم نہیں، احادیث صحیحہ میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عیدین میں نہ اذان دلوائی نہ اقامت کہلوائی صرف الصلوۃ جامعۃ دوبار پکارا جاتا ہے، اسی پر اختصار کریں اور اس سے زائد ہرگز کچھ نہ ہو۔" (فتاوی رضویہ، ج8، ص584، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

شوافع کا موقف

علامہ ابوالحسن علی بن محمد ماوردی شافعی (متوفی 450ھ) فرماتے ہیں:

عید کی نماز کے لیے اذان واقامت کہنا سنت نہیں، عید کی نماز کے لیے منادی فقط یہ ندا کرے "الصلوۃ جامعۃ" یا کہے "الصلوۃ رَحِمَکُمُ اللہ" کیونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے، فرماتے ہیں: ((اَنَّ رَسُولَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یُصَلِّی صَلَاۃَ الْعِیدِ بِلَا أَذَانٍ وَلَا إِقَامَۃٍ وَکَذَلِکَ أَبُو بَکْرٍ وَعُمَرُ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمَا)) (ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نماز عید اذان واقامت کے بغیر ادا فرماتے تھے، ایسے ہی حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کیا کرتے تھے) امام زہری نے روایت کیا: ((اَنَّ رَسُولَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کان یأمر أن ینادی للعید وَالِاسْتِسْقَاءِ الصَّلَاۃُ جَامِعَۃٌ)) ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حکم فرماتے کہ نماز عید اور استسقاء کے لیے "الصلاۃ جامعہ" سے نداء کی جائے۔ (الحاوی الکبیر، مسئلہ اذا ابلغ الامام المصلی نودی الصلاۃ جامعۃ، ج2، ص489، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

مالکیہ کا موقف

علامہ ابو محمد عبد الوہاب بن علی بغدادی مالکی (متوفی 422ھ) فرماتے ہیں:

"عید کی نماز میں نہ اذان ہے نہ اقامت۔" (التلقین فی الفقہ المالکی، باب صلاۃ العیدین، ج1، ص53، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

حنابلہ کا مؤقف

علامہ موفق الدین ابن قدامہ حنبلی فرماتے ہیں:

"امام عید کی دو رکعتیں بغیر اذان و اقامت کے پڑھائے گا۔" (عمدۃ الفقہ، باب صلاۃ العیدین، ص31، المکتبۃ العصریہ، بیروت)

باب نمبر 379

القراءة في العيدين

عیدین میں قراءت کا بیان

533- حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْتَشِرِ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ حَبِيبِ بْنِ سَالِمٍ، عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ، قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي الْعِيدَيْنِ وَفِي الْجُمُعَةِ: بِسَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى، وَهَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ الْغَاشِيَةِ، وَرُبَّمَا اجْتَمَعَا فِي يَوْمٍ وَاحِدٍ فَيَقْرَأُ بِهِمَا وَفِي الْبَابِ عَنْ أَبِي وَاقِدٍ، وَسَمُرَةَ بْنِ جُنْدَبٍ، وَابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ ابوعيسى: حَدِيثُ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ، وَهَكَذَا رَوَى سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ، وَمِسْعَرٌ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْتَشِرِ، مِثْلَ حَدِيثِ أَبِي عَوَانَةَ، وَأَمَّا ابْنُ عُيَيْنَةَ فَيُخْتَلَفُ عَلَيْهِ فِي الرِّوَايَةِ، يُرْوَى عَنْهُ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْتَشِرِ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ حَبِيبِ بْنِ سَالِمٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ، وَلَا يُعْرَفُ لِحَبِيبِ بْنِ سَالِمٍ رِوَايَةٌ عَنْ أَبِيهِ، وَحَبِيبُ بْنُ سَالِمٍ هُوَ مَوْلَى النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ، وَرَوَى عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ أَحَادِيثَ وَقَدْ رُوِيَ عَنِ ابْنِ

حدیث: حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرمایا: نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم عیدین اور جمعہ میں "سبح اسم ربک الاعلیٰ" اور "ھل اتاک حدیث الغاشیۃ" کی قراءت فرمایا کرتے تھے اور کبھی یہ دونوں ایک دن میں جمع ہو جاتے تو ان دونوں میں ان کی قراءت فرماتے۔

اور اس باب میں حضرت ابو واقد، حضرت سمرہ بن جندب اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم سے بھی روایات مروی ہیں۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں: حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کی حدیث حسن صحیح ہے اور اسی طرح سفیان ثوری اور مسعر نے ابراہیم بن محمد بن منتشر سے ابوعوانہ کی حدیث کی مثل روایت کیا۔ بہرحال ابن عیینہ تو ان پر اس روایت کے حوالے سے اختلاف ہے جو وہ نعمان بن بشیر سے بواسطہ ابراہیم بن محمد بن منتشر، ان کے والد، حبیب بن سالم اور ان کے والد سے روایت کرتے ہیں اور حبیب بن سالم کی اپنے والد سے کوئی روایت معروف نہیں ہے اور حبیب بن سالم وہ نعمان کے بشیر کے غلام ہیں اور انہوں نے نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے کچھ احادیث نقل کیں ہیں اور ابن عیینہ نے ابراہیم بن محمد بن منتشر سے انہیں حضرات کی روایت کی مثل روایت کی

عُيَيْنَةَ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْتَشِرِ نَحْوُ رِوَايَةِ هٰؤُلَاءِ، وَرُوِيَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ كَانَ يَقْرَأُ فِي صَلَاةِ الْعِيدَيْنِ بِقَافٍ وَاقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَبِهِ يَقُولُ الشَّافِعِيُّ "

ہے اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ "بے شک آپ صلی اللہ علیہ وسلم عیدین کی نماز میں سورہ "قاف" اور "اقتربت الساعۃ" پڑھا کرتے تھے۔ اور امام شافعی رحمہ اللہ اسی بات کے قائل ہیں۔

534۔ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ مُوسَى الْأَنْصَارِيُّ قَالَ: حَدَّثَنَا مَعْنُ بْنُ عِيسَى قَالَ: حَدَّثَنَا مَالِكٌ، عَنْ ضَمْرَةَ بْنِ سَعِيدٍ الْمَازِنِيِّ، عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُتْبَةَ، أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ، سَأَلَ أَبَا وَاقِدٍ اللَّيْثِيَّ: مَا كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ بِهِ فِي الْفِطْرِ وَالْأَضْحَى؟ قَالَ: كَانَ يَقْرَأُ بِـ ق وَالْقُرْآنِ الْمَجِيدِ، وَاقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ، قَالَ ابوعيسى: هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

حدیث: عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بے شک عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ابو واقد لیثی رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید الفطر اور عید الاضحیٰ میں کیا پڑھا کرتے تھے؟ تو انہوں نے کہا کہ "آپ صلی اللہ علیہ وسلم سورہ "ق والقرآن المجید" اور "اقتربت الساعۃ وانشق القمر" پڑھا کرتے تھے۔

امام ابو عیسیٰ ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

535۔ حَدَّثَنَا هَنَّادٌ قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ، عَنْ ضَمْرَةَ بْنِ سَعِيدٍ بِهٰذَا الْإِسْنَادِ نَحْوَهُ، وَأَبُو وَاقِدٍ اللَّيْثِيُّ اسْمُهُ الْحَارِثُ بْنُ عَوْفٍ

حدیث: ضمرہ بن سعید نے اسی اسناد سے اسی کی مثل حدیث روایت کی۔ اور ابو واقد لیثی کا نام حارث بن عوف ہے۔

شرح حدیث

علامہ محمد بن عبدالہادی سندی (متوفی 1138ھ) فرماتے ہیں:

"((نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عیدین اور جمعہ میں "سبح اسم ربک الاعلیٰ" اور "ھل اتاک حدیث الغاشیۃ" کی قراءت فرمایا کرتے تھے)) یعنی کبھی کبھی ان دوسورتوں کی قراءت فرمایا کرتے تھے، اسی طرح وہ جو روایت میں آیا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سورۂ قاف اور سورۂ اقتربت کی قراءت فرمایا کرتے تھے اس کا محمل بھی اسی کی مثل ہے یعنی یہ دو بھی کبھی کبھی تلاوت فرمایا کرتے تھے۔" (حاشیۃ السندی علی سنن ابن ماجہ، باب ماجاء فی القراءۃ فی صلاۃ العیدین، ج1، ص388، دارالجیل، بیروت)

علامہ محمود بدرالدین عینی حنفی فرماتے ہیں:

"احناف کا جو یہ مؤقف ہے کہ کسی نماز میں مخصوص سورتیں ہی پڑھنا مکروہ ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اسے اس طرح ضروری سمجھے کہ اس کے علاوہ کی قراءت کفایت نہیں کرے گی یا اس کے علاوہ کی قراءت کو مکروہ سمجھے، بہرحال اگر کسی نماز میں مخصوص سورتیں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قراءت سے برکت حاصل کرنے اور اس کی اتباع کرنے کی نیت سے پڑھے یا آسانی کی خاطر ایسا کرے تو کوئی کراہت نہیں، اور محیط میں ہے کہ بشرطیکہ کبھی کبھی اس کے علاوہ کی بھی قراءت کرے تاکہ جاہل لوگ یہ گمان نہ کریں کہ اس کے علاوہ کی قراءت جائز نہیں۔"

(عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری، باب مایقرأ الخ، ج6، ص185، داراحیاء التراث العربی، بیروت)

عیدین کی نماز میں قراءت کے بارے میں مذاہب ائمہ

احناف کا مؤقف

امام محمد بن حسن شیبانی (متوفی 189ھ) فرماتے ہیں:

"میں نے عرض کیا کہ کیا امام عیدین کی نماز میں کوئی خاص قراءت کرے گا؟ ارشاد فرمایا: ہم تک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف سے یہ پہنچا ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم (پہلی رکعت میں) ﴿سبح اسم ربک الأعلی﴾

اور (دوسری رکعت میں) ﴿هل أتاک حديث الغاشية﴾ تلاوت فرمایا کرتے تھے۔

بہر حال کوئی بھی سورت پڑھے گا تو اسے کافی ہے، اور امام اعظم نے مکروہ قرار دیا کہ آدمی قرآن میں سے کسی سورت کو لازمی بنا لے یہاں تک کہ اس کے علاوہ اس نماز میں کوئی سورت نہ پڑھے۔"

(الاصل المعروف المبسوط للشیبانی، باب صلاۃ العیدین، ج1، ص377 تا 379، ادارۃ القرآن العلوم الاسلامیہ، کراچی)

علامہ محمد بن احمد سرخسی حنفی (متوفی 483ھ) فرماتے ہیں:

"ہم تک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف سے یہ پہنچا ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم (پہلی رکعت میں) ﴿سبح اسم ربک الأعلى﴾ اور (دوسری رکعت میں) ﴿هل أتاک حديث الغاشية﴾ تلاوت فرمایا کرتے تھے۔

اگر ان دونوں سورتوں کی قراءت کر کے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اقتداء سے تبرک حاصل کرے تو حسن و بہتر ہے۔" (المبسوط للسرخسی، باب صلاۃ العیدین، ج2، ص40، دار المعرفہ، بیروت)

حنابلہ کا موقف

علامہ موفق الدین ابن قدامہ حنبلی فرماتے ہیں:

"مستحب ہے کہ نمازِ عیدین کی پہلی رکعت میں ﴿سبح اسم ربک الأعلى﴾ اور دوسری رکعت میں ﴿هل أتاک حديث الغاشية﴾ پڑھے۔ اس پر امام احمد نے نص کی ہے کیونکہ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں: ((كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي العِيدَيْنِ وَفِي الجُمُعَةِ: بِسَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى، وَهَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ الغَاشِيَةِ، وَرُبَّمَا اجْتَمَعَا فِي يَوْمٍ وَاحِدٍ فَيَقْرَأُ بِهِمَا)) (نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عیدین اور جمعہ میں "سبح اسم ربک الاعلیٰ" اور "هل اتاک حديث الغاشية" کی قراءت فرمایا کرتے تھے اور کبھی یہ دونوں ایک دن میں جمع ہو جاتے تو ان دونوں میں ان کی قراءت فرماتے)...... کیونکہ "سبح اسم ربک الاعلیٰ" میں نماز اور صدقۂ فطر پر ابھارا گیا ہے۔" (المغنی لابن قدامہ، یستحب ان یقرء فی الاولی ب "سبح" الخ، ج2، ص281، مکتبۃ القاہرہ)

شوافع کا موقف

علامہ ابوالحسین یحیی بن ابی الخیر یمنی شافعی (متوفی 558ھ) فرماتے ہیں:

"مستحب ہے کہ نمازِ عید کی پہلی رکعت میں فاتحہ کے بعد سورۂ ﴿ق وَالْقُرْآنِ الْمَجِيد﴾ پڑھے اور دوسری رکعت میں سورۂ ﴿اقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ﴾ پڑھے....... ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت عمر نے حضرت ابوواقد اللیثی سے سوال کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نماز عید میں کیا پڑھا کرتے تھے؟ جواب دیا: ((قرأ في الأولى بفاتحة الكتاب و (ق وَالْقُرْآنِ الْمَجِيدِ) وفي الثانية: بفاتحة الكتاب و (اقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ) ويجهر فيهما بالقراءة)) ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ اور سورۂ ﴿ق وَالْقُرْآنِ الْمَجِيد﴾ کی قراءت فرماتے تھے اور دوسری رکعت میں سورۂ فاتحہ اور سورۂ ﴿اقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ﴾ کی تلاوت فرماتے اور ان میں جہری قراءت فرماتے۔" (البیان فی مذہب الامام الشافعی، مسئلۃ خطبۃ العید، ج2، ص641، دار المنہاج، جدہ)

مالکیہ کا مؤقف

علامہ محمد بن یوسف بن ابی القاسم غرناطی مالکی (متوفی 897ھ) فرماتے ہیں:

"(نماز عید میں سورۂ "سبح" اور سورۃ الشمس" جیسی سورتوں کی قراءت کرے گا) ابن عرفہ: مدونہ میں ہے کہ عید کی نماز میں جہر سورۂ "سبح" اور سورۂ "شمس" اور ان جیسی سورتوں کی تلاوت کرے گا۔"

(التاج والاکلیل لمختصر خلیل، فصل فی حکم صلاۃ العید، ج2، ص578، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

باب نمبر 380

التَّكْبِيرِ فِي الْعِيدَيْنِ

عیدین میں تکبیر کہنا

حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ عَمْرٍو أَبُو عَمْرٍو الْحَذَّاءُ الْمَدِينِيُّ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ نَافِعٍ الصَّائِغُ، عَنْ كَثِيرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَبَّرَ فِي الْعِيدَيْنِ فِي الْأُولَى سَبْعًا قَبْلَ الْقِرَاءَةِ، وَفِي الْآخِرَةِ خَمْسًا قَبْلَ الْقِرَاءَةِ وَفِي الْبَابِ عَنْ عَائِشَةَ، وَابْنِ عُمَرَ، وَعَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو.

قَالَ ابوعيسى: حَدِيثُ جَدِّ كَثِيرٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ، وَهُوَ أَحْسَنُ شَيْءٍ رُوِيَ فِي هَذَا الْبَابِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَاسْمُهُ عَمْرُو بْنُ عَوْفٍ الْمُزَنِيُّ، وَالْعَمَلُ عَلَى هَذَا عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَغَيْرِهِمْ، وَهَكَذَا رُوِيَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّهُ صَلَّى بِالْمَدِينَةِ نَحْوَ هَذِهِ الصَّلَاةِ، وَهُوَ قَوْلُ أَهْلِ الْمَدِينَةِ وَبِهِ يَقُولُ مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ، وَالشَّافِعِيُّ، وَأَحْمَدُ، وَإِسْحَاقُ، وَرُوِيَ عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ، أَنَّهُ قَالَ فِي التَّكْبِيرِ فِي الْعِيدَيْنِ: تِسْعَ تَكْبِيرَاتٍ فِي الرَّكْعَةِ الْأُولَى: خَمْسًا قَبْلَ الْقِرَاءَةِ، وَفِي الرَّكْعَةِ

حدیث: حضرت کثیر بن عبداللہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ بے شک نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے عیدین میں پہلی رکعت میں قراءت سے قبل سات تکبیریں کہیں اور دوسری رکعت میں قراءت سے قبل پانچ تکبیریں کہیں۔

اور اس باب میں حضرت سیدتنا عائشہ، حضرت عبد اللہ بن عمر اور حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہم سے بھی روایات مروی ہیں۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں: کثیر کے دادا کی حدیث حسن ہے اور وہ اس باب میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کردہ احادیث میں سب سے بہتر ہے اور ان کا نام عمرو بن عوف المزنی ہے اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب وغیرہ میں سے بعض اہلِ علم کے ہاں اسی پر عمل ہے اور اسی طرح حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے مدینہ میں اس کی مثل نماز ادا فرمائی اور یہی اہلِ مدینہ کا قول ہے اور امام مالک بن انس، امام شافعی، امام احمد، امام اسحٰق بھی اسی کے قائل ہیں۔

اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، ارشاد فرماتے ہیں کہ پہلی رکعت میں نو تکبیریں

الثَّانِيَةِ يَبْدَأُ بِالْقِرَاءَةِ ثُمَّ يُكَبِّرُ أَرْبَعًا مَعَ تَكْبِيرَةِ الرُّكُوعِ "وَقَدْ رُوِيَ عَنْ غَيْرِ وَاحِدٍ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوُ هٰذَا، وَهُوَ قَوْلُ أَهْلِ الْكُوفَةِ، وَبِهِ يَقُولُ سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ

ہیں، پانچ قراءت سے پہلے اور دوسری رکعت میں وہ قراءت سے ابتداء کرے، پھر وہ رکوع کی تکبیر سمیت چار تکبیریں کہے اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے متعدد اصحاب سے یونہی مروی ہے اور یہی اہلِ کوفہ کا قول ہے اور یہی امام سفیان ثوری کا قول ہے۔

نمازعیدین میں زائد تکبیرات کی تعداد کے بارے میں مذاہب ائمہ

احناف کا مؤقف

علامہ ابوبکر بن مسعود کاسانی حنفی (587ھ) فرماتے ہیں:

"ہمارے نزدیک نمازِ عیدین میں نو (9) تکبیرات کہے گا، جن میں سے چھ زائد ہیں اور تین اصلی۔ تین اصلی تکبیرات یہ ہیں: تکبیر تحریمہ، دونوں رکعتوں کے رکوعوں کی دو تکبیریں، اور زائد تکبیرات دونوں قراءتوں کے درمیان کہے گا، پس پہلی رکعت میں قراءت سے پہلے تین تکبیریں کہے گا اور دوسری رکعت میں قراءت کے بعد...... یہ مسئلہ صحابہ کرام کے درمیان مختلف فیہ ہے، حضرت عمر، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت ابومسعود انصاری، حضرت ابوموسیٰ اشعری اور حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہم اجمعین ان سب حضرات کا قول ہمارے اصحاب کی مثل ہے۔"

(بدائع الصنائع، فصل صلاۃ العیدین، ج1، ص277، دارالکتب العلمیہ، بیروت)

شوافع کا مؤقف

علامہ ابوشجاع احمد بن حسین شافعی (متوفی 593ھ) فرماتے ہیں:

"پہلی رکعت میں تکبیر تحریمہ کے علاوہ سات تکبیریں کہے گا اور دوسری رکعت میں قیام کی تکبیر کے علاوہ پانچ تکبیریں کہے گا۔"

(متن ابی شجاع، کتاب الصلاۃ، فصل فی صلاۃ العیدین، ص12، مطبوعہ عالم الکتب)

حنابلہ کا مؤقف

علامہ مرعی بن یوسف مقدسی حنبلی (متوفی 1033ھ) فرماتے ہیں:

نماز عید دو رکعتیں ہیں، پہلی رکعت میں تکبیر تحریمہ کے بعد اور تعوذ سے پہلے چھ تکبیریں کہے گا اور دوسری رکعت میں قراءت سے پہلے پانچ تکبیریں کہے گا، ہر تکبیر کے ساتھ ہاتھ اٹھائے گا۔

(دلیل الطالب لنیل المطالب، باب صلاۃ العیدین، ص59، دارطیبہ للنشر والتوزیع، ریاض)

مالکیہ کا مؤقف

علامہ ابوالولید ابن رشد مالکی (متوفی 595ھ) لکھتے ہیں:

"امام مالک اس طرف گئے ہیں کہ نماز عید کی پہلی رکعت میں قراءت سے پہلے تکبیر تحریمہ سمیت سات تکبیریں ہیں، اور دوسری رکعت میں سجدے سے قیام کی طرف اٹھتے جو تکبیر کہی جاتی ہے اس سمیت کل چھ تکبیریں ہیں۔"

(بدایۃ المجتہد، الباب الثامن فی صلاۃ العیدین، ج1، ص228، دارالحدیث، القاہرہ)

احناف کے مؤقف پر دلائل

مصنف عبد الرزاق میں ہے: ((عَنِ الثَّوْرِيِّ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنْ عَلْقَمَةَ، وَالْأَسْوَدِ بْنِ يَزِيدَ أَنَّ ابْنَ مَسْعُودٍ "كَانَ يُكَبِّرُ فِي الْعِيدَيْنِ تِسْعًا تِسْعًا: أَرْبَعًا قَبْلَ الْقِرَاءَةِ ثُمَّ كَبَّرَ فَرَكَعَ، وَفِي الثَّانِيَةِ يَقْرَأُ فَإِذَا فَرَغَ كَبَّرَ أَرْبَعًا ثُمَّ رَكَعَ)) ترجمہ: اسود بن یزید بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہر عید الفطر اور عید الاضحیٰ کی نمازوں میں نو نو تکبیریں کہتے تھے، چار قراءت سے پہلے کہتے، پھر تکبیر کہہ کر رکوع کرتے، اور دوسری رکعت میں پہلے قراءت کرتے، پس جب قراءت سے فارغ ہو جاتے تو چار تکبیریں کہتے اور پھر رکوع کرتے۔

(مصنف عبد الرزاق، باب التکبیر فی الصلاۃ یوم العید، ج3، ص293، المکتب الاسلامی، بیروت)

مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے: ((حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مُجَالِدٌ، عَنِ الشَّعْبِيِّ، عَنْ مَسْرُوقٍ، قَالَ: كَانَ عَبْدُ اللَّهِ يُعَلِّمُنَا التَّكْبِيرَ فِي الْعِيدَيْنِ تِسْعَ تَكْبِيرَاتٍ: خَمْسٌ فِي الْأُولَى، وَأَرْبَعٌ فِي الْآخِرَةِ وَيُوَالِي بَيْنَ الْقِرَاءَتَيْنِ")) ترجمہ: مسروق کہتے ہیں کہ ہمیں حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عیدین میں نو تکبیریں سکھائیں، پانچ پہلی رکعت میں اور چار دوسری رکعت میں، اور وہ دونوں رکعتوں کی قراءت لگاتار کیا کرتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ، فی التکبیر فی العیدین، ج1، ص494، مکتبۃ الرشد، ریاض)

جامع ترمذی میں ہے: ((رُوِيَ عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ، أَنَّهُ قَالَ فِي التَّكْبِيرِ فِي الْعِيدَيْنِ: تِسْعَ تَكْبِيرَاتٍ فِي الرَّكْعَةِ الْأُولَى: خَمْسًا قَبْلَ الْقِرَاءَةِ، وَفِي الرَّكْعَةِ الثَّانِيَةِ يَبْدَأُ بِالْقِرَاءَةِ ثُمَّ يُكَبِّرُ أَرْبَعًا مَعَ تَكْبِيرَةِ الرُّكُوعِ "وَقَدْ رُوِيَ عَنْ غَيْرِ وَاحِدٍ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوُ هَذَا)) ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ

تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، ارشاد فرماتے ہیں کہ پہلی رکعت میں نو تکبیریں ہیں، پانچ قراءت سے پہلے اور دوسری رکعت میں وہ قراءت سے ابتداء کرے، پھر وہ رکوع کی تکبیر سمیت چار تکبیریں کہے اور نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے متعدد اصحاب سے یونہی مروی ہے۔ (جامع ترمذی، باب فی التکبیر فی العیدین، ج2، ص416، مصطفی البابی، مصر)

امام ابراہیم نخعی کہتے ہیں: ((انَّ أَصْحَابَ عَبْدِ اللَّهِ، كَانُوا يُكَبِّرُونَ فِي الْعِيدِ تِسْعَ تَكْبِيرَاتٍ)) ترجمہ: حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اصحاب نمازِ عید میں نو تکبیریں کہتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ، فی التکبیر فی العیدین، ج1، ص495، مکتبۃ الرشد، ریاض)

عبداللہ بن حارث کہتے ہیں: ((شَهِدْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ كَبَّرَ فِي صَلَاةِ الْعِيدِ بِالْبَصْرَةِ تِسْعَ تَكْبِيرَاتٍ)) ترجمہ: میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس حاضر ہوا، انہوں نے بصرہ میں نمازِ عید میں نو تکبیریں کہیں۔

(مصنف عبدالرزاق، باب التکبیر فی الصلاۃ یوم العید، ج3، ص294، المکتب الاسلامی، بیروت)

ان کا مزید بیان ہے: ((وَشَهِدْتُ الْمُغِيرَةَ بْنَ شُعْبَةَ فَعَلَ ذَلِكَ أَيْضًا فَسَأَلْتُ خَالِدًا كَيْفَ فَعَلَ ابْنُ عَبَّاسٍ؟ فَفَسَّرَ لَنَا كَمَا صَنَعَ ابْنُ مَسْعُودٍ)) ترجمہ: میں حضرت مغیرہ بن شعبہ کے پاس حاضر ہوا انہوں نے بھی ایسا ہی کیا تو میں نے خالد سے سوال کیا کہ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کیسے تکبیریں کہتے تھے تو انہوں نے ہمارے لیے اس کی وہی تفسیر کی جیسا کہ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا طریقہ ہے۔

(مصنف عبدالرزاق، باب التکبیر فی الصلاۃ یوم العید، ج3، ص294، المکتب الاسلامی، بیروت)

امام محمد ابن سیرین کہتے ہیں: ((عَنْ أَنَسٍ أَنَّهُ كَانَ يُكَبِّرُ فِي الْعِيدِ تِسْعًا، فَذَكَرَ مِثْلَ حَدِيثِ عَبْدِ اللَّهِ)) ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نمازِ عید میں نو تکبیریں کہتے تھے، پھر حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث کی مثل ذکر کیا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ، فی التکبیر فی العیدین، ج1، ص495، مکتبۃ الرشد، ریاض)

سنن ابی داود میں ہے: ((حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ، وَابْنُ أَبِي زِيَادٍ، الْمَعْنَى قَرِيبٌ، قَالَا: حَدَّثَنَا زَيْدٌ يَعْنِي ابْنَ حُبَابٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ ثَوْبَانَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ مَكْحُولٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِي أَبُو عَائِشَةَ جَلِيسٌ لِأَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ سَعِيدَ بْنَ الْعَاصِ، سَأَلَ أَبَا مُوسَى الْأَشْعَرِيَّ، وَحُذَيْفَةَ بْنَ الْيَمَانِ، كَيْفَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ يُكَبِّرُ فِي الْأَضْحَى وَالْفِطْرِ؟ فَقَالَ أَبُو مُوسَى: كَانَ يُكَبِّرُ أَرْبَعًا تَكْبِيرَهُ عَلَى الْجَنَائِزِ، فَقَالَ حُذَيْفَةُ صَدَقَ فَقَالَ أَبُو مُوسَى: كَذَلِكَ كُنْتُ أُكَبِّرُ فِي الْبَصْرَةِ حَيْثُ كُنْتُ عَلَيْهِمْ)) ترجمہ: سعید بن العاص نے حضرت ابوموسیٰ اشعری اور حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے سوال کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عیدالاضحیٰ اور عیدالفطر میں کتنی تکبیریں کہتے تھے؟ تو حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم چار تکبیریں کہتے تھے جیسا کہ نماز جنازہ میں چار تکبیریں کہتے تھے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: انہوں نے سچ کہا۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: میں بصرہ میں یوں ہی تکبیریں کہتا تھا جب میں ان پر والی تھا۔

(سنن ابی داؤد، باب التکبیر فی العیدین، ج1، ص299، المکتبۃ العصریہ، بیروت)

یہاں ہر رکعت میں چار تکبیرات مراد ہیں، پہلی رکعت میں تکبیر تحریمہ سمیت چار اور دوسری رکعت میں رکوع کی تکبیر سمیت چار تکبیرات ہیں۔ اس روایت کو نقل کرنے کے بعد علامہ عینی فرماتے ہیں:

یہ حدیث پاک ہمارے اصحاب کے مستندات میں سے ہے، اس میں ایسی کوئی بات نہیں کہ اس سے استدلال کو رد کیا جائے، عبدالرحمٰن بن ثوبان (جو اس روایت کے راوی ہیں، ان) کو متعدد محدثین نے ثقہ قرار دیا ہے جیسا کہ تنقیح میں ہے، اور جہاں تک ابو عائشہ (یہ بھی اس روایت کے راوی ہیں، ان) سے ابوداؤد نے تخریج کی اور ان کے بارے میں سکوت کیا، تو کم از کم ان کی حدیث حسن ہوگی۔ (شرح ابی داؤد للعینی، باب التکبیر فی العیدین، ج4، ص499، مکتبۃ الرشد، ریاض)

دیگر ائمہ کی دلیل اور اس کے جوابات

جامع ترمذی میں ہے: ((عَنْ كَثِيرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَبَّرَ فِي الْعِيدَيْنِ فِي الْأُولَى سَبْعًا قَبْلَ الْقِرَاءَةِ وَفِي الْآخِرَةِ خَمْسًا قَبْلَ الْقِرَاءَةِ)) ترجمہ: حضرت کثیر بن عبداللہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ بے شک نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عیدین میں پہلی رکعت میں قراءت سے قبل سات تکبیریں کہیں اور دوسری رکعت میں قراءت سے قبل پانچ تکبیریں کہیں۔

(جامع ترمذی، باب فی التکبیر فی العیدین، ج2، ص416، مصطفیٰ البابی، مصر)

امام ترمذی "جامع ترمذی" میں اس حدیث پاک کے بارے میں فرماتے ہیں: ((حَدِيثُ جَدِّ كَثِيرٍ حَدِيثٌ

حَسَنٌ،وَھُوَ أَحْسَنُ شَیْءٍ)) ترجمہ:کثیر کے دادا کی حدیث حسن ہے اور وہ اس باب میں نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کردہ احادیث میں سب سے بہتر ہے۔ (جامع ترمذی،باب فی التکبیر فی العیدین،ج2،ص416،مصطفی البابی،مصر)

اور اپنی کتاب العلل میں فرماتے ہیں:"سألت محمداً عن ھذا الحدیث فقال :لیس فی ھذا الباب شیء أصح منه، وبه أقول؟ "ترجمہ:میں نے امام بخاری سے اس حدیث پاک کے بارے میں سوال کیا تو جواب دیا کہ اس باب میں اس سے زیادہ صحیح کوئی روایت نہیں۔اور یہی میں کہتا ہوں۔

(نصب الرایۃ،باب صلاۃ العیدین،ج2،ص217،مؤسسۃ الریان للطباعۃ والنشر،بیروت)

جوابات

اولاً امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عیدین کی تکبیرات کے بارے میں کوئی صحیح حدیث موجود نہیں۔

(شرح ابی داؤد للعینی،باب التکبیر فی العیدین،ج4،ص500،مکتبۃ الرشد،ریاض)

امام احمد بن حنبل کے قول کا مطلب یہ ہوا کہ جب اس بارے میں حدیث صحیح موجود نہیں تو آثارِ صحابہ کی طرف رجوع کریں گے اور حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سمیت متعدد صحابہ کا مؤقف وہی ہے جو احناف کا ہے جیسا کہ اوپر باحوالہ مذکور ہوا۔

ثانیاً امام ابن القطان نے اپنی کتاب میں لکھا کہ یہ مذکورہ تصحیح صریح نہیں کیونکہ اصح شئی فی الباب کا مطلب ہوتا ہے کہ اس باب میں موجود جتنی روایات ہیں ان میں یہ اچھی ہے یعنی یہ دیگر کے مقابلہ میں کم ضعف والی ہے، بہ اقول (میں بھی یہی کہتا ہوں) میں یہ بھی احتمال ہے کہ یہ امام ترمذی کا کلام ہو یعنی میرے نزدیک بھی یہ اس باب میں موجود احادیث میں سے بہتر ہے۔

(نصب الرایۃ،باب صلاۃ العیدین،ج2،ص217،مؤسسۃ الریان للطباعۃ والنشر،بیروت☆شرح ابی داؤد للعینی،باب التکبیر فی العیدین،ج4،ص500،مکتبۃ الرشد،ریاض)

ثالثاً اس روایت میں موجود راوی کثیر بن عبد اللہ محدثین کے نزدیک متروک ہے،امام احمد بن حنبل نے فرمایا کہ کثیر بن عبد اللہ کسی شے کے برابر نہیں،امام یحیی بن معین نے فرمایا کہ اس کی حدیث کوئی شے نہیں،امام نسائی اور امام

دارقطنی نے فرمایا کہ یہ متروک الحدیث ہے، امام ابوزرعہ نے کہا کہ یہ واہی الحدیث ہے، امام شافعی نے فرمایا کہ یہ ارکانِ کذب میں سے ایک رکن ہے، امام ابن حبان نے کہا کہ جب یہ عن ابیہ عن جدہ کی سند کے ساتھ روایت کرے تو یہ روایت موضوع ہوتی ہے، اس کا ذکر کتب میں جائز نہیں الا یہ کہ بطور تعجب کیا جائے، علامہ ابن دحیہ نے "العلم المشہور" میں کہا کہ امام ترمذی نے اپنی جامع میں کتنی ہی ایسی روایات کو حسن قرار دیا جو کہ (حقیقت میں) موضوع ہیں، ان کی اسناد واھی ہیں، ان میں سے یہ حدیث بھی ہے۔

(نصب الرایۃ، باب صلاۃ العیدین، ج2، ص217، مؤسسۃ الریان للطباعۃ والنشر، بیروت ☆ شرح ابی داؤد للعینی، باب التکبیر فی العیدین، ج4، ص500، مکتبۃ الرشد، ریاض)

باب نمبر 381

لا صَلاةَ قَبْلَ الْعِيدَيْنِ وَلا بَعْدَهَا

عیدین سے پہلے اور بعد میں کوئی نماز نہیں ہے

537۔ حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو دَاوُدَ الطَّيَالِسِيُّ، قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ، عَنْ عَدِيِّ بْنِ ثَابِتٍ، قَالَ: سَمِعْتُ سَعِيدَ بْنَ جُبَيْرٍ، يُحَدِّثُ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ يَوْمَ الفِطْرِ فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ لَمْ يُصَلِّ قَبْلَهَا وَلَا بَعْدَهَا وَفِي البَابِ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ، وَعَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو، وَأَبِي سَعِيدٍ، قال ابوعيسى: حَدِيثُ ابْنِ عَبَّاسٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَالعَمَلُ عَلَيْهِ عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ العِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ، وَبِهِ يَقُولُ الشَّافِعِيُّ، وَأَحْمَدُ، وَإِسْحَاقُ "وَقَدْ رَأَى طَائِفَةٌ مِنْ أَهْلِ العِلْمِ: الصَّلَاةَ بَعْدَ صَلَاةِ العِيدَيْنِ وَقَبْلَهَا مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ وَالقَوْلُ الأَوَّلُ أَصَحُّ"

حدیث: عدی بن ثابت سے مروی ہے فرمایا: میں نے سعید بن جبیر کو سنا وہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے بیان کرتے ہیں: بے شک نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عید الفطر کے دن نکلے تو دو رکعتیں ادا فرمائیں پھر نہ ان سے پہلے نماز ادا کی اور نہ بعد میں۔

اس باب میں حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عبداللہ بن عمرو اور حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہم سے بھی روایات مروی ہیں۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث حسن صحیح ہے اور نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اصحاب وغیرہ میں سے بعض اہلِ علم کا اسی پر عمل ہے اور امام شافعی، امام احمد اور امام اسحٰق رحمہم اللہ تعالیٰ بھی اسی کے قائل ہیں۔ اور اہل علم کے ایک گروہ کی رائے یہ ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب وغیرہ عیدین کی نماز سے پہلے اور بعد میں نماز پڑھنے کے قائل تھے اور پہلا قول اصح ہے۔

538۔ حَدَّثَنَا أَبُو عَمَّارٍ الحُسَيْنُ بْنُ حُرَيْثٍ قَالَ: حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، عَنْ أَبَانَ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ البَجَلِيِّ، عَنْ أَبِي بَكْرِ بْنِ حَفْصٍ وَهُوَ ابْنُ عُمَرَ بْنِ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ، عَنْ ابْنِ عُمَرَ، أَنَّهُ خَرَجَ

حدیث: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عید کے دن تشریف لائے تو نہ اس کے پہلے نماز پڑھی اور نہ اس کے بعد۔ اور انہوں نے ذکر کیا کہ بے شک نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کیا ہے۔

يَوْمَ عِيدٍ فَلَمْ يُصَلِّ قَبْلَهَا وَلَا بَعْدَهَا ،وَذَكَرَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَعَلَهُ،قال ابوعيسى:هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

شرح حدیث

علامہ علی بن سلطان محمد القاری حنفی (متوفی 1014ھ) فرماتے ہیں:

"((آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عید الفطر کے دن نکلے تو دو رکعتیں ادا فرمائیں پھر نہ ان سے پہلے نماز ادا کی اور نہ بعد میں)) امام ابن ہمام نے فرمایا: یہ نمازِ عید کے بعد نماز کی نفی عید گاہ میں پڑھنے پر محمول ہے، کیونکہ ابن ماجہ نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا، فرماتے ہیں: ((کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یصلی قبل العید شیئاً، فإذا رجع إلی منزلہ صلی رکعتین)) ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نماز عید سے پہلے کچھ بھی نہیں پڑھتے تھے اور جب گھر واپس تشریف لاتے تو دو رکعتیں ادا فرماتے۔"

(شرح مسند ابی حنیفہ، ذکر اسنادہ عن القاسم الخ، ج1، ص488، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

نماز عید سے پہلے اور بعد میں نماز کے بارے میں مذاہب ائمہ

احناف کا مؤقف

درمختار اور ردالمحتار میں ہے:

"نماز عید سے قبل نفل نماز مطلقاً مکروہ ہے، عید گاہ میں ہو یا گھر میں اس پر عید کی نماز واجب ہو یا نہیں، یہاں تک کہ عورت اگر چاشت کی نماز گھر میں پڑھنا چاہے تو نماز ہو جانے کے بعد پڑھے اور نماز عید کے بعد عید گاہ میں نفل پڑھنا مکروہ ہے، گھر میں پڑھ سکتا ہے بلکہ مستحب ہے کہ چار یا دو رکعتیں پڑھے اور چار پڑھنا افضل ہے۔ یہ احکام خواص کے ہیں، عوام اگر نفل پڑھیں اگر چہ نماز عید سے پہلے اگر چہ عید گاہ میں انھیں منع نہ کیا جائے کیونکہ ان کی نیکیوں میں ویسے ہی رغبت کم ہوتی ہے ...... کیونکہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک شخص کو نماز عید کے بعد نماز پڑھتے دیکھا تو آپ سے کہا گیا کہ امیر المؤمنین کیا آپ اسے منع نہیں کریں گے، تو ارشاد فرمایا: مجھے ڈر ہے کہ میں اس وعید کے تحت داخل نہ ہو جاؤں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿اَرَءَیْتَ الَّذِیْ یَنْهٰی ○ عَبْدًا اِذَا صَلّٰی﴾ بھلا دیکھو تو جو منع کرتا ہے، بندہ کو جب وہ نماز

پڑھے ...... نمازعید کے بعد نماز پڑھنے کی ممانعت کامحمل یہ ہے کہ یہ ممانعت عید گاہ میں ہے، گھر میں پڑھنا منع نہیں کیونکہ ابن ماجہ نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے: ((كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُصَلِّي قَبْلَ الْعِيدِ شَيْئًا فَإِذَا رَجَعَ إِلَى مَنْزِلِهِ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ)) ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عید سے پہلے کوئی نماز نہیں پڑھتے تھے، پس جب گھر واپس تشریف لاتے تو دو رکعتیں ادا فرماتے۔ ایسا ہی فتح القدیر میں ہے۔"

(درمختار ورد المحتار ملخصاً، باب العیدین، ج2، ص169 تا 171، دار الفکر، بیروت)

حنابلہ کا موقف

علامہ موفق الدین ابن قدامہ حنبلی فرماتے ہیں:

"(نمازعید سے پہلے اور بعد کوئی نفل نماز نہیں) حاصل کلام یہ ہے کہ نمازِ عید سے پہلے اور بعد، امام اور مقتدی دونوں کے لیے نمازِ عید کی جگہ پر چاہے وہ عید گاہ ہو یا مسجد نفل نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ یہی حضرت عبد اللہ ابن عباس اور حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا مذہب ہے، اور یہی حضرت علی، حضرت عبد اللہ ابن مسعود، حضرت حذیفہ، حضرت بریدہ، حضرت سلمہ بن اکوع، حضرت جابر اور حضرت ابن ابی اوفی رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی ہے، اسی کے قائل حضرت شریح، عبد اللہ بن مغفل، شعبی، مالک، ضحاک، قاسم، سالم، معمر، ابن جریج، اور مسروق ہیں، امام زہری نے کہا کہ میں نے علماء میں سے کسی سے نہیں سنا کہ اس امت کے اسلاف میں سے کوئی ایک نماز عید سے پہلے اور بعد نماز پڑھتا ہو۔

(المغنی لابن قدامہ، فصل رجل یصلی صلاۃ فی وقت العید، ج2، ص287، مکتبۃ القاہرہ)

شوافع کا موقف

علامہ یحیی بن شرف النووی شافعی (متوفی 676ھ) فرماتے ہیں:

"عید والے دن امام کے علاوہ کے لیے گھر اور راستے ہیں نفل نماز پڑھنا عید سے پہلے اور بعد میں جائز ہے، اسی طرح عید گاہ میں بھی امام کے آنے سے پہلے جائز ہے جبکہ نمازِ عید کے نوافل کا قصد نہ کرے۔ امام شافعی اور ان کے اصحاب کہتے ہیں کہ نماز عید کی سنتیں نہیں ہیں نہ پہلے اور نہ بعد میں کیونکہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نماز عید سے پہلے اور بعد میں کوئی نماز ادا نہ فرمائی۔

اور امام کے لیے مستحب ہے کہ وہ نماز عید کی ادائیگی والی جگہ پر نہ نکلے مگر اس وقت میں کہ جس وقت میں لوگوں کو نماز عید پڑھانی ہو، اور ہمارے اصحاب نے کہا کہ امام کے لیے عید گاہ میں نمازِ عید سے پہلے اور بعد میں کوئی نماز پڑھنا مکروہ ہے کیونکہ اگر وہ پڑھے گا تو لوگوں کو وہم ہوگا کہ یہ سنت ہے اور یہ سنت نہیں ہے، اور وہ تحیۃ المسجد بھی نہیں پڑھے گا، بلکہ نمازِ عید ہی پڑھے گا اور اسی کے ضمن میں تحیۃ المسجد کی تحصیل کرے گا۔" (المجموع شرح المھذب، باب صلاۃ العیدین، ج5، ص12، دار الفکر، بیروت)

مالکیہ کا موقف

ابو عمر یوسف ابن عبد البر مالکی فرماتے ہیں:

عید گاہ میں نمازِ عید سے پہلے اور بعد نفل نماز نہیں پڑھے گا البتہ اگر مسجد میں نمازِ عید پڑھی گئی تو مسجد میں نمازِ عید کے لیے داخل ہونے والا اگر چاہے تو تحیۃ المسجد کی دو رکعتیں پڑھ سکتا ہے اور اگر نہ پڑھے تو کوئی حرج نہیں۔

(الکافی فی فقہ اہل المدینہ، باب صلاۃ العیدین، ج1، ص263,264، مکتبۃ الریاض الحدیثۃ، ریاض)

باب نمبر 382

فِی خُرُوجِ النِّسَاءِ فِی العِیدَیْنِ

عیدین میں عورتوں کا نکلنا

539- حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ قَالَ: حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا مَنْصُورٌ وَهُوَ ابْنُ زَاذَانَ، عَنِ ابْنِ سِيرِينَ، عَنْ أُمِّ عَطِيَّةَ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُخْرِجُ الأَبْكَارَ، وَالعَوَاتِقَ، وَذَوَاتِ الخُدُورِ، وَالحُيَّضَ فِي العِيدَيْنِ، فَأَمَّا الحُيَّضُ فَيَعْتَزِلْنَ المُصَلَّى، وَيَشْهَدْنَ دَعْوَةَ المُسْلِمِينَ، قَالَتْ إِحْدَاهُنَّ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِنْ لَمْ يَكُنْ لَهَا جِلْبَابٌ، قَالَ: فَلْتُعِرْهَا أُخْتُهَا مِنْ جَلَابِيبِهَا

حدیث: حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عیدین والے دن کنواری، بالغہ، پردہ دار اور حیض والی عورتوں کو نکالا کرتے تھے تو حیض والیاں عیدگاہ سے جدا رہتی تھیں اور مسلمانوں کی دعا میں حاضر ہوتی تھیں تو ان میں سے ایک عورت نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اگر کسی کے پاس چادر نہ ہو تو؟ ارشاد فرمایا: تو اس کی بہن اپنے چادروں میں سے اسے ادھار دے دے۔

540- حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ قَالَ: حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ، عَنْ هِشَامِ بْنِ حَسَّانَ، عَنْ حَفْصَةَ بِنْتِ سِيرِينَ، عَنْ أُمِّ عَطِيَّةَ، بِنَحْوِهِ،

حدیث: احمد بن منیع نے بھی حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا سے اسی کی مثل روایت کی ہے۔

وَفِي البَابِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، وَجَابِرٍ، قَالَ ابوعيسى: حَدِيثُ أُمِّ عَطِيَّةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَقَدْ ذَهَبَ بَعْضُ أَهْلِ العِلْمِ إِلَى هَذَا الحَدِيثِ، وَرَخَّصَ لِلنِّسَاءِ فِي الخُرُوجِ إِلَى العِيدَيْنِ وَكَرِهَهُ بَعْضُهُمْ "، وَرُوِيَ عَنِ ابْنِ المُبَارَكِ أَنَّهُ قَالَ: أَكْرَهُ اليَوْمَ الخُرُوجَ لِلنِّسَاءِ فِي العِيدَيْنِ، فَإِنْ أَبَتِ

اور اس باب میں حضرت عبد اللہ بن عباس اور حضرت جابر رضی اللہ عنہما سے بھی روایات مروی ہیں۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں: حضرت ام عطیہ کی حدیث حسن صحیح ہے۔ اور بعض اہلِ علم اس حدیث کی جانب گئے ہیں اور انہوں نے عورتوں کو عیدین کے دن نکلنے میں رخصت دی ہے اور بعض نے مکروہ قرار دیا ہے۔ اور امام ابن مبارک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا: میں فی زمانہ عورتوں کے عیدین کے لئے نکلنے کو مکروہ قرار دیتا ہوں تو اگر وہ نکلنے پر اصرار کرے تو اس کا شوہر اسے اس بات کی اجازت دے کہ وہ بوسیدہ کپڑوں میں نکلے اور تزین اختیار نہ

الْمَرْأَةُ إِلَّا أَنْ تَخْرُجَ فَلْيَأْذَنْ لَهَا زَوْجُهَا أَنْ تَخْرُجَ فِي أَطْمَارِهَا وَلَا تَتَزَيَّنْ، فَإِنْ أَبَتْ أَنْ تَخْرُجَ كَذَلِكَ فَلِلزَّوْجِ أَنْ يَمْنَعَهَا عَنِ الْخُرُوجِ وَيُرْوَى عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: لَوْ رَأَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا أَحْدَثَ النِّسَاءُ لَمَنَعَهُنَّ الْمَسْجِدَ كَمَا مُنِعَتْ نِسَاءُ بَنِي إِسْرَائِيلَ وَيُرْوَى عَنْ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ: أَنَّهُ كَرِهَ الْيَوْمَ الْخُرُوجَ لِلنِّسَاءِ إِلَى الْعِيدِ

کرے تو اگر وہ اس طرح نکلنے سے انکار کرے تو اس کے شوہر کو اسے روکنے کی اجازت ہے۔

اور حضرت سیدتنا عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر وہ باتیں دیکھتے جواب عورتوں نے پیدا کی ہیں تو ضرور انہیں مسجد میں آنے سے منع فرمادیتے جیسا کہ بنی اسرائیل کی عورتیں منع کی گئی تھیں اور امام سفیان ثوری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فی زمانہ عورتوں کے عید کی نماز کے لئے نکلنے کو مکروہ قرار دیا ہے۔

عیدین میں عورتوں کے نکلنے میں مذاہب ائمہ

احناف کا موقف

عند الاحناف عورتوں کے لیے عید کی نماز میں حاضر ہونا منع ہے۔ درمختار میں ہے:

عورتوں کی جماعت میں حاضری مفتی بہ مذہب پر مطلقاً مکروہ ہے فسادِ زمان کی وجہ سے، اگر چہ جمعہ وعید یا وعظ ہو، اگر چہ عورت بوڑھی ہو، اگر چہ رات کو ہو۔ (درمختار مع ردالمحتار، ج1، ص566، دار الفکر، بیروت)

بہار شریعت میں ہے:

"عورتوں کو کسی نماز میں جماعت کی حاضری جائز نہیں، دن کی نماز ہو یا رات کی، جمعہ ہو یا عیدین، خواہ وہ جوان ہوں یا بڑھیاں۔" (بہار شریعت، حصہ 3، ص584، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

امیر المؤمنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عورتوں کے مسجد میں آنے پر پابندی لگادی تو عورتیں شکایت لے کر ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی بارگاہ میں حاضر ہوئیں، تو ام المؤمنین رضی اللہ عنہا نے ارشاد فرمایا ((لَوْ أَدْرَكَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا أَحْدَثَ النِّسَاءُ لَمَنَعَهُنَّ كَمَا مُنِعَتْ نِسَاءُ بَنِي إِسْرَائِيلَ)) اگر نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ملاحظہ فرماتے جو باتیں عورتوں نے اب پیدا کی ہیں تو ضرور انھیں مسجد سے منع فرمادیتے جیسے بنی اسرائیل کی عورتیں منع کر دی گئیں۔ (صحیح بخاری، ج1، ص173، مطبوعہ دار طوق النجاۃ ☆ صحیح مسلم، باب خروج النساء الی المساجد، ج1، ص183، نور محمد اصح المطابع، کراچی)

عمدۃ القاری میں ہے: ((وَقَالَ ابْنُ مَسْعُود: الْمَرْأَةُ عَوْرَة وَأقرب مَا تكون إِلَى الله فِي قَعْر بَيتهَا فَإِذا خرجت استشرفها الشَّيْطَان. وَكَانَ ابْنُ عمر، رَضِي الله تَعَالَى عَنْهُمَا يقوم يحصب النِّسَاء يَوْم الْجُمُعَة يخرجهن من الْمَسْجِد......وَكَانَ إِبْرَاهِيم يمْنَع نِسَاءَهُ الْجُمُعَة وَالْجَمَاعَة)) ترجمہ: حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: عورت سراپا شرم کی چیز ہے۔ سب سے زیادہ اللہ عزوجل سے قریب اپنے گھر کی تہ میں ہوتی ہے اور جب باہر نکلے شیطان اس پر نگاہ ڈالتا ہے۔ اور حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما جمعہ کے دن کھڑے ہو کر کنکریاں مار کر عورتوں کو مسجد سے نکالتے۔ اور امام ابراہیم نخعی تابعی استاذ الاستاذ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی مستورات کو جمعہ وجماعات

میں نہ جانے دیتے۔ (عمدۃ القاری شرح البخاری، باب خروج النساء الی المساجد، ج6،ص157، ادارۃ الطباعۃ المنیریہ، بیروت)

حنابلہ کا مؤقف

علامہ عبد الرحمٰن بن محمد بن احمد بن قدامہ حنبلی (متوفی 682ھ) فرماتے ہیں:

"عید والے دن عورتوں کے عیدگاہ کی طرف نکلنے میں کوئی حرج نہیں، ابن حامد نے کہا کہ یہ نکلنا مستحب ہے...... قاضی نے کہا کہ امام احمد کے کلام کا ظاہر یہ ہے کہ یہ جائز ہے، مستحب نہیں ہے۔"

(الشرح الکبیر لمتن المقنع، ولا بأس بخروج النساء الخ، ج2،ص232، دار الکتاب العربی للنشر والتوزیع)

شوافع کا مؤقف

علامہ یحیی بن شرف النووی شافعی (متوفی 676ھ) فرماتے ہیں:

"امام شافعی اور ان کے اصحاب یہ فرماتے ہیں کہ عورتوں کو نمازِ عید کے لیے نکلنا مستحب ہے سوائے ذوات الھیئات کے، اور ذوات الھیئات وہ ہیں جو اپنے جمال سے وجہ شہوات کو ابھارنے والی ہوں، پس ان عورتوں کی نمازِ عید میں حاضری مکروہ ہے، یہی شوافع کا مذہب ہے اور یہی منصوص ہے، اسی پر جمہور شوافع نے جزم کیا ہے، علامہ رافعی نے ایک قول یہ حکایت کیا ہے کہ عورتوں کا کسی حال میں بھی نماز عید کے لیے نکلنا مستحب نہیں، اور درست اول قول ہے، اور جب نکلیں تو مستحب ہے کہ کام کاج کے کپڑوں میں نکلیں، اور ایسا لباس نہ پہنیں جو انہیں مشہور کرے، اور مستحب ہے کہ پانی سے ہی نظافت حاصل کریں، اس وقت خوشبو لگانا ان کے لیے مکروہ ہے، اس کی وجہ ہم نے نماز کی جماعت کے باب میں ذکر کی ہے۔

یہ مذکورہ بالا تمام احکام ان بوڑھی عورتوں کے بارے میں ہیں جن پر شہوت نہ آتی ہو یا ان جیسی ہوں، بہر حال جوان اور جمال والی عورتیں اور جن پر شہوت آتی ہو ان سب کے لیے عید کی نماز میں حاضری مکروہ ہے کیونکہ اس میں ان پر اور ان سے فتنہ کا خوف ہے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ یہ حکم تو حضرت ام عطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اس حدیث پاک کے مخالف ہے: ((انَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُخْرِجُ الْأَبْكَارَ، وَالعَوَاتِقَ، وَذَوَاتِ الخُدُورِ، وَالحُيَّضَ فِي العِيدَيْنِ، فَأَمَّا

الحُیَّضُ فَیَعْتَزِلْنَ المُصَلّٰی، وَیَشْهَدْنَ دَعْوَةَ المُسْلِمِینَ، قَالَتْ إِحْدَاهُنَّ :یَا رَسُولَ اللَّهِ إِنْ لَمْ یَکُنْ لَهَا جِلْبَابٌ قَالَ :فَلْتُعِرْهَا أُخْتُهَا مِنْ جَلَابِیبِهَا)) (ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عیدین والے دن کنواری، بالغہ، پردہ دار اور حیض والی عورتوں کو نکالا کرتے تھے تو حیض والیاں عیدگاہ سے جدا رہتی تھیں اور مسلمانوں کی دعا میں حاضر ہوتی تھیں تو ان میں سے ایک عورت نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اگر کسی کے پاس چادر نہ ہو تو؟ ارشاد فرمایا: تو اس کی بہن اپنی چادروں میں سے اسے ادھار دے دے۔)

تو اس کے جواب میں ہم کہیں گے کہ صحیحین میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت موجود ہے، آپ فرماتی ہیں:((لَوْ أَدْرَکَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّی اللَّهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَا أَحْدَثَ النِّسَاءُ لَمَنَعَهُنَّ کَمَا مُنِعَتْ نِسَاءُ بَنِی إِسْرَائِیلَ)) (ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اگر وہ باتیں پاتے جو اب عورتوں نے پیدا کی ہیں تو ضرور انہیں مسجد میں آنے سے منع فرمادیتے جیسا کہ بنی اسرائیل کی عورتیں منع کی گئی تھیں۔)

اور کیونکہ فتنے اور اسبابِ شر اس زمانے میں کثیر ہیں برخلاف پہلے زمانے کے۔"

(المجموع شرح المہذب، باب صلاۃ العیدین، ج5، ص8,9، دار الفکر، بیروت)

مالکیہ کا مؤقف

علامہ ابو عمر یوسف ابن عبد البر مالکی فرماتے ہیں:

"نمازِ عید کے لیے عورتوں کے حاضر ہونے میں حرج نہیں۔"

(الکافی فی فقہ اہل المدینہ، باب صلاۃ العیدین، ج1، ص263، مکتبۃ الریاض الحدیثۃ، ریاض)

باب نمبر383

مَا جَاءَ فِی خُرُوجِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ إِلَی الْعِیدِ فِی طَرِیقٍ، وَرُجُوعِهِ مِنْ طَرِیقٍ آخَرَ

نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا عیدگاہ کی جانب ایک راستے سے جانا اور دوسرے راستے سے واپس آنا

541۔حَدَّثَنَا عَبْدُ الأَعْلَى بْنُ وَاصِلِ بْنِ عَبْدِ الأَعْلَى الْكُوفِيُّ، وَأَبُو زُرْعَةَ، قَالاَ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الصَّلْتِ، عَنْ فُلَيْحِ بْنِ سُلَيْمَانَ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الحَارِثِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا خَرَجَ يَوْمَ العِيدِ فِي طَرِيقٍ رَجَعَ فِي غَيْرِهِ

وَفِي البَابِ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ، وَأَبِي رَافِعٍ ،قال ابوعيسى: حَدِيثُ أَبِي هُرَيْرَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ وَرَوَى أَبُو تُمَيْلَةَ، وَيُونُسُ بْنُ مُحَمَّدٍ هَذَا الحَدِيثَ، عَنْ فُلَيْحِ بْنِ سُلَيْمَانَ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الحَارِثِ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ وَقَدْ اسْتَحَبَّ بَعْضُ أَهْلِ العِلْمِ لِلإِمَامِ إِذَا خَرَجَ فِي طَرِيقٍ أَنْ يَرْجِعَ فِي غَيْرِهِ اتِّبَاعًا لِهَذَا الحَدِيثِ، وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ، وَحَدِيثُ جَابِرٍ كَأَنَّهُ أَصَحُّ

حدیث: حضرت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ فرمایا: نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم عید والے دن ایک راستے سے جاتے اور دوسرے راستے سے واپس آتے تھے۔

اور اس باب میں حضرت عبد اللہ بن عمر اور حضرت ابورافع رضی اللہ عنہما سے بھی روایات مروی ہیں۔

امام ابوعیسی ترمذی فرماتے ہیں: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث حسن غریب ہے۔اور ابوتمیلہ اور یونس بن محمد نے بھی اس حدیث کو فلیح بن سلیمان سے انہوں نے سعید بن حارث سے انہوں نے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

اور بعض اہلِ علم نے اس حدیث کی اتباع کرتے ہوئے اس بات کو امام کے لئے مستحب قرار دیا ہے کہ وہ جب ایک رستے سے (عید کے لئے) نکلے تو دوسرے سے رستے سے واپس آئے اور یہی امام شافعی رحمہ اللہ کا قول ہے اور حدیث جابر رضی اللہ عنہ گویا کہ اصح ہے۔

شرح حدیث

ایک راستے سے جانے اور دوسرے راستے سے آنے کی وجوہات:

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عید کی نماز کے لیے ایک راستے سے تشریف لے جاتے اور دوسرے راستے سے واپس تشریف لاتے، اس کی درج ذیل وجوہات بیان کی گئی ہیں:

(1) بعض اہل علم نے کہا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایسا اس لیے فرمایا کہ آپ نے جانے میں دور کا راستہ اختیار کیا تاکہ ثواب زیادہ ہو، نماز کی طرف قدم زیادہ اٹھیں، اور آپ نے واپسی میں قریب کی راستہ اختیار فرمایا کیونکہ اس میں آسانی ہے۔

(2) کہا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایسا اس لیے فرمایا کہ آپ پسند فرماتے تھے کہ دونوں راستے آپ کے لیے گواہی دیں۔

(3) کہا گیا کہ نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایسا اس لیے فرمایا کہ دونوں راستے والوں کے درمیان مساوات وبرابری کو پسند فرماتے تھے اس معاملہ میں کہ ان کے پاس سے گزریں گے تو انہیں برکت ملے گی اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت کر کے انہیں خوشی ملے گی اور مسئلہ وغیرہ پوچھ کر فائدہ اٹھائیں گے۔

(4) کہا گیا کہ ایسا اس لیے فرمایا تاکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ جو اصحاب ہوں ان سے دونوں راستوں کے فقراء کو صدقہ کی تحصیل ہو۔

(5) کہا گیا کہ ایسا اس لیے فرمایا تاکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قدمین شریفین کی برکت حاصل کرنے میں دونوں راستے برابر ہو جائیں۔

فی الجملہ اس معاملہ میں اقتدا سنت ہے اس معنی کی بقا کے احتمال کی بنا پر جس کی وجہ سے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ فعل فرمایا ہے اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کوئی فعل کرتے ہیں کسی معنی کی وجہ سے اور غیر کے حق میں اس کا سنت ہونا باقی رہتا ہے حالانکہ وہ معنی زائل ہو جاتا ہے جیسا کہ طواف قدوم میں رمل اور اضطباع، کہ یہ کام آپ صلی

اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب نے کفار کو اپنی جلد اور طاقت دکھانے کے لیے کیے تھے اور یہ کرنا سنت ہے حالانکہ معنی وجہ مفقود ہے۔ (الشرح الکبیر لمتن المقنع ،واذا غدا من طریق رجع فی اخری، ج2، ص233، دار الکتاب العربی للنشر والتوزیع)

عیدگاہ کی طرف ایک راستے سے جانے اور دوسرے راستے سے آنے کے بارے میں مذاہب ائمہ

احناف کا مؤقف

فتاوی ہندیہ میں ہے:

مستحب ہے کہ عیدگاہ ایک راستے سے جائے اور دوسرے راستے سے واپس آئے۔

(فتاوی ہندیہ، الباب السابع عشر فی صلاۃ العیدین، ج1، ص149، دار الفکر، بیروت)

حنابلہ کا مؤقف

علامہ عبد الرحمٰن بن محمد بن احمد بن قدامہ حنبلی (متوفی 682ھ) فرماتے ہیں:

"جس راستے سے عیدگاہ کی طرف گیا ہے اس کے غیر سے واپس آنا سنت ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایسا کیا ہے۔" (الشرح الکبیر لمتن المقنع ،واذا غدا من طریق رجع فی اخری، ج2، ص233، دار الکتاب العربی للنشر والتوزیع)

شوافع کا مؤقف

علامہ ابراہیم شرازی شافعی فرماتے ہیں:

"سنت یہ ہے کہ عید الفطر اور عید الاضحیٰ کی نماز کے لیے ایک راستے سے جائے اور دوسرے راستے سے واپس آئے کیونکہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے: ((ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم **کان یخرج یوم الفطر والأضحی فیخرج من طریق ویرجع فی أخری**)) ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عید الفطر اور عید الاضحیٰ والے دن ایک راستے سے نکلتے اور دوسرے راستے سے واپس تشریف لاتے تھے۔"

(المہذب فی فقہ الامام الشافعی، باب صلاۃ العیدین، ج1، ص224، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

مالکیہ کا مؤقف

علامہ ابوعمر یوسف ابن عبدالبر مالکی (متوفی 463ھ) فرماتے ہیں:

"نمازِ عید کے لیے ایک راستے سے جانا اور دوسرے راستے سے آنا مستحب ہے۔"

(الکافی فی فقہ اہل المدینہ، باب صلاۃ العیدین، ج 1، ص 263، مکتبۃ الریاض الحدیثۃ، ریاض)

باب نمبر 384

فِی الْأَكْلِ يَوْمَ الْفِطْرِ قَبْلَ الْخُرُوجِ

عیدالفطر کے دن نکلنے سے پہلے کھانا

542۔ حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ الصَّبَّاحِ الْبَزَّارُ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الصَّمَدِ بْنُ عَبْدِ الْوَارِثِ، عَنْ ثَوَابِ بْنِ عُتْبَةَ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ بُرَيْدَةَ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَخْرُجُ يَوْمَ الْفِطْرِ حَتَّى يَطْعَمَ، وَلَا يَطْعَمُ يَوْمَ الْأَضْحَى حَتَّى يُصَلِّيَ وَفِي الْبَابِ عَنْ عَلِيٍّ، وَأَنَسٍ قَالَ ابوعيسىٰ: حَدِيثُ بُرَيْدَةَ بْنِ حُصَيْبِ الْأَسْلَمِيِّ حَدِيثٌ غَرِيبٌ وَقَالَ مُحَمَّدٌ: لَا أَعْرِفُ لِثَوَابِ بْنِ عُتْبَةَ غَيْرَ هٰذَا الْحَدِيثِ وَقَدِ اسْتَحَبَّ قَوْمٌ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ: أَنْ لَا يَخْرُجَ يَوْمَ الْفِطْرِ حَتَّى يَطْعَمَ شَيْئًا، وَيُسْتَحَبُّ لَهُ أَنْ يُفْطِرَ عَلَى تَمْرٍ، وَلَا يَطْعَمَ يَوْمَ الْأَضْحَى حَتَّى يَرْجِعَ

حدیث: حضرت عبداللہ بن بریدہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عیدالفطر کے لئے نہ نکلتے حتی کہ کچھ کھا لیتے اور عیدالاضحیٰ کے دن کچھ نہ کھاتے حتی کہ نماز پڑھ لیتے۔

اور اس باب حضرت علی اور حضرت انس رضی اللہ عنہما سے بھی روایات مروی ہیں۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں: حضرت بریدہ بن حصیب اسلمی رضی اللہ عنہ کی حدیث غریب ہے۔

اور امام محمد کہتے ہیں: میں اس حدیث کے علاوہ ثواب بن عتبہ کی کسی حدیث کو نہیں جانتا اور اہل علم کے ایک گروہ نے اس بات کو مستحب قرار دیا ہے کہ آدمی عیدالفطر کے دن کچھ کھا کر نماز کے لئے نکلے اور کھجور کھانا مستحب ہے اور عیدالاضحیٰ کے دن کچھ نہ کھائے حتی کہ نماز سے لوٹ آئے۔

543۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ قَالَ: حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْحَاقَ، عَنْ حَفْصِ بْنِ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ أَنَسٍ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُفْطِرُ عَلَى تَمَرَاتٍ يَوْمَ الْفِطْرِ قَبْلَ أَنْ يَخْرُجَ إِلَى الْمُصَلَّى قَالَ ابوعيسىٰ: هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ صَحِيحٌ

حدیث: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بے شک نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم عیدالفطر کے دن عیدگاہ کی جانب نکلنے سے قبل کچھ کھجوریں تناول فرمایا کرتے تھے۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں: یہ حدیث حسن غریب صحیح ہے۔

شرح حدیث

علامہ محمود بدرالدین عینی حنفی (متوفی 855ھ) فرماتے ہیں:

"اس حدیث پاک سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ عید الفطر والے دن طاق عدد میں کھجوریں کھا کر عید گاہ کی طرف جانا سنت ہے۔ اس حدیث پاک کے اور بھی شواہد ہیں، ان میں سے حضرت بُریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث پاک ہے:((كَانَ رَسُول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسلم لَا يَغْدُو يَوْم الْفطر حَتَّى يَأْكُل، وَلَا يَأْكُل يَوْم الْأَضْحَى حَتَّى يرجع)) (ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عید الفطر والے دن عید گاہ کی طرف جانے سے پہلے تناول فرماتے، اور عید الاضحیٰ والے دن نمازِ عید سے لوٹنے تک کچھ تناول نہ فرماتے۔) اسے ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے، بیہقی کے الفاظ یہ ہیں:((فيأكل من كبد أضحيته)) (ترجمہ: پس قربانی کی کلیجی سے تناول فرماتے۔)

ان شواہد میں سے یہ حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث پاک ہے:((كَانَ رَسُول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسلم لَا يَغْدُو يَوْم الْفطر حَتَّى تغدى الصَّحَابَة من صَدَقَة الْفطر)) (ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عید الفطر والے دن عید گاہ کی طرف روانہ نہ ہوتے یہاں تک کہ (فقراء) صحابہ کرام صدقہ فطر سے کھانہ لیتے) اسے ابن ماجہ نے تخریج کیا ہے اور اس کی سند میں عمرو بن صہبان ہے اور یہ متروک ہے۔

ان شواہد میں سے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث پاک ہے، فرماتے ہیں:((كَانَ النَّبِي صلى الله عَلَيْهِ وَسلم يَأْكُل يَوْم الْفطر قبل أَن يخرج إِلَى الْمصلى)) (ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عید الفطر والے دن عید گاہ کی طرف نکلنے سے پہلے تناول فرماتے تھے) اسے ابن ابی شیبہ نے اپنی مصنف میں تخریج کیا ہے اور بزار نے بھی اپنی مسند میں اسے تخریج کیا ہے اور یہ زیادہ کیا ہے:((فَإِذا خرج صلى رَكْعَتَيْنِ للنَّاس، وَإِذا رَجَعَ صلى فِي بَيته رَكْعَتَيْنِ، وَكَانَ لَا يُصَلِّي قبل الصَّلَاة شَيْئا يَعْنِي يَوْم الْعِيد)) (ترجمہ: پس جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نکلتے تو لوگوں کو دو رکعتیں نماز عید پڑھاتے اور جب واپس تشریف لاتے تو گھر میں دو رکعتیں نفل ادا فرماتے، اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نمازِ عید سے پہلے کوئی نماز نہ پڑھتے تھے۔)

اور امام ترمذی نے تحسین کرتے ہوئے حارث سے روایت کیا:((عَن عَلیّ، رَضِی الله تعَالَی عَنهُ قَالَ:من السّنة أَن یطعم الرجل یَوْم الْفطر قبل أَن یخرج إِلَی الْمصلی))(ترجمہ:حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے،فرماتے ہیں کہ سنت یہ ہے کہ آدمی عید الفطر والے دن عید گاہ کی طرف نکلنے سے پہلے کچھ کھالے۔)اور اسے دار قطنی نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی روایت کیا ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی روایت کیا ہے۔

مؤطا میں حضرت ابن المسیب سے روایت ہے،فرماتے ہیں:((ان النَّاس کَانُوا یؤمرون بِالْأکْلِ قبل الغدو یَوْم الْفطر))(ترجمہ:بے شک لوگ عید الفطر والے دن عید گاہ کی طرف نکلنے سے پہلے کھانے کا حکم دیئے جاتے تھے۔)

امام شافعی نے ابراہیم بن محمد اور صفوان بن سلیم کے واسطہ سے روایت کیا ہے:((ان النَّبی صلی الله تعالیٰ عَلَیْهِ وَسلم، کَانَ یطعم قبل أَن یخرج إِلَی الْجَبانَة وَیَأْمُر بِهِ))(ترجمہ:نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عید گاہ کی طرف نکلنے سے پہلے کچھ تناول کرتے تھے اور اس کا حکم فرماتے تھے)اور یہ روایت مرسل ہے،اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے۔

اور امام شافعی نے اس کے ہم معنی حضرت ابن المسیب،حضرت عروہ بن زبیر اور حضرت سائب بن یزید سے روایت کیا ہے،فرمایا:((مَضَت السّنة أَن یَأْکُل قبل أَن یَغْدُو یَوْم الْفطر))(ترجمہ:سنت یہ گزری ہے کہ عید الفطر والے دن عید گاہ کی طرف جانے سے پہلے کچھ کھالے۔)

اور ابو اسحاق نے روایت کیا:((عَن رجل من الصَّحَابَة أَنه:کَانَ یَأْمر بِالْأکْلِ یَوْم الْفطر قبل أَن یَأْتِي الْمصلی))(ترجمہ:ایک صحابی سے مروی ہے کہ وہ عید الفطر والے دن عید گاہ کی طرف جانے سے پہلے کھانے کا حکم دیتے تھے۔)(عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری،باب الاکل یوم الفطر قبل الخروج،ج6،ص275،دار احیاء التراث العربی،بیروت)

ان کے علاوہ اور شواہد بھی علامہ عینی نے ذکر کیے ہیں۔

عید الفطر میں نماز سے پہلے کھانے اور عید الاضحیٰ میں کچھ نہ کھانے کی حکمتیں

علامہ عبد الرحمن جلال الدین سیوطی شافعی (متوفی 911ھ) فرماتے ہیں:

"مہلب بن ابی صفرہ نے کہا: عید الفطر والے دن نمازِ عید کے لیے عیدگاہ کی طرف جانے سے پہلے کھانے میں یہ حکمت ہے کہ کوئی یہ گمان نہ کرے کہ عید الفطر والے دن نماز عید پڑھنے تک روزے لازم ہیں اور یہ معنی عید الاضحیٰ والے دن میں مفقود ہیں۔

علامہ ابن قدامہ نے کہا: اس میں حکمت یہ ہے کہ عید الفطر کے دن میں روزہ حرام ہے جبکہ اس سے پہلے رمضان میں فرض تھا تو فطر کی تعجیل کرنا مستحب ہوا تاکہ فطر میں اللہ تعالیٰ کی طاعت اور اس کے امر کے امتثال کی طرف جلدی کا اظہار ہو اور عید الاضحیٰ کا معاملہ اس کے برخلاف ہے یعنی اس سے پہلے روزے فرض نہیں اور مزید یہ کہ عید الفطر میں عید الاضحیٰ کی طرح نمازِ عید کے بعد قربانی وغیرہ کوئی چیز نہیں کہ جس سے ابتداء مستحب ہو۔"

(قوت المغتذی، ابواب الصلاۃ، ج1، ص226، جامعہ ام القری، مکۃ المکرمہ)

علامہ علی بن سلطان محمد القاری حنفی فرماتے ہیں:

اشرف نے کہا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عید الفطر والے دن افطار میں جلدی اس لیے فرمائی تاکہ ماقبل کا خلاف ہو جائے کہ رمضان کے دنوں میں ایسا کرنا حرام تھا اور عید کے دن ایسا نہ کرنا واجب۔ اور عید الاضحیٰ میں نماز سے پہلے افطار نہ فرمایا کہ اس میں معنیٰ مذکورہ نہیں پایا جاتا۔

مزید یہ کہ عید الاضحیٰ میں نمازِ عید کے بعد کھانے کا سبب یہ ہے کہ وہ اولاً اپنی قربانی میں سے کھائے۔

(مرقاۃ المفاتیح، باب صلاۃ العیدین، ج3، ص1066، دار الفکر، بیروت)

علامہ علی قاری مزید فرماتے ہیں:

(نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عید الاضحیٰ کے دن کچھ نہ کھاتے یہاں تک کہ نماز ادا فرمالیتے) فقراء کی موافقت کرتے ہوئے ایسا کرتے، کیونکہ ظاہر یہ ہے کہ ان کے لیے کھانے کی کوئی شے نہیں ہوتی سوائے اس کے کہ جو لوگ انہیں قربانی کا گوشت دیتے ہیں اور قربانی نمازِ عید سے متاخر ہوتی ہے، برخلاف صدقہ فطر کے کہ یہ نمازِ عید پر متقدم ہوتا ہے۔

اور کہا گیا کہ عید الاضحیٰ میں نمازِ عید کے بعد کھانا اس لیے ہے کہ وہ اولاً اپنی قربانی سے کھائے تاکہ اس کا کھانا امتثال الامر (حکم کی طاعت کرنے) پر مبنی ہو۔

(مرقاۃ المفاتیح، باب صلاۃ العیدین، ج3، ص1070، دار الفکر، بیروت)

عید الافطر والے دن نمازِ عید سے پہلے کھجوریں کھانے کی حکمتیں

علامہ عینی فرماتے ہیں:

اگر تم کہو کہ عید الفطر والے دن عید گاہ کی طرف جانے سے پہلے کھجوریں کھانے کے استحباب میں کیا حکمت ہے؟ میں کہوں گا کہ اس میں ایک حکمت یہ ہے کہ میٹھی چیز کھانے سے نظر کو تقویت ملتی ہے اور روزہ نظر کو کمزور کرتا ہے اور اس کا دستیاب ہونا بھی دیگر اشیاء کے مقابلہ میں آسان ہے۔ اسی وجہ سے بعض تابعین نے مطلقاً میٹھی چیز سے افطار کو مستحب قرار دیا ہے جیسا کہ شہد سے۔ اسے ابن ابی شیبہ نے معاویہ بن قرہ اور ابن سیرین وغیرہما سے روایت کیا ہے۔

اور اس میں ایک دوسری حکمت ابن عون سے مروی ہے کہ ان سے اس بارے میں سوال کیا گیا تو جواب دیا کہ اس کا کھانا پیشاب کو روکتا ہے۔

میں یہ کہتا ہوں کہ کھجور کی تعیین میں یہ بھی احتمال ہے کہ یہ دستیاب ہونے میں آسان بھی ہے اور اکثر بھی، قوت دینے میں بھی زیادہ ہے اور ساتھ ساتھ اس میں میٹھا بھی پایا جاتا ہے۔

اور کہا گیا کہ کھجور کی تعیین میں یہ حکمت بھی ہے کہ کھجور کا درخت مسلمان سے مماثلت بھی رکھتا ہے جیسا کہ حدیث پاک میں فرمایا گیا۔ اور کہا گیا کہ کھجور کا درخت پاکیزہ درخت ہے۔

طاق عدد میں حکمت یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام امور میں طاق کو اختیار فرماتے کیونکہ وحدانیت کا شعور دینے کے لیے۔ (عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری، باب الاکل یوم الفطر قبل الخروج، ج6، ص275،276، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

نمازِ عید سے پہلے کھانے کے بارے میں مذاہبِ ائمہ

احناف کا موقف

علامہ علاء الدین حصکفی حنفی فرماتے ہیں:

عید الفطر والے دن نماز کی طرف نکلنے سے پہلے طاق عدد میں میٹھی چیز کھانا مستحب ہے۔

(درمختار مع ردالمحتار، باب العیدین، ج2، ص168، دار الفکر، بیروت)

اس کے تحت علامہ امین ابن عابدین شامی حنفی فرماتے ہیں:

"علامہ ابن ہمام نے فتح القدیر میں فرمایا کہ مستحب ہے کہ کھائی جانے والی چیز میٹھی ہو، کیونکہ صحیح بخاری میں ہے:((كان عليه الصلاة والسلام لا يغدو يوم الفطر حتى يأكل تمرات ويأكلهن وترا))(ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عید الفطر والے دن نماز کے لیے نہیں نکلتے تھے یہاں تک کہ کھجوریں تناول فرما لیتے اور طاق عدد میں تناول فرماتے۔

(علامہ شامی فرماتے ہیں) میں کہتا ہوں: ظاہر یہ ہے کہ کھجوریں کھانا افضل ہے جیسا کہ اس خبر کا تقاضا ہے، پس اگر کھجوریں نہ پائے تو کوئی میٹھی چیز کھالے، پھر میں نے اس بات کو شرح المنیہ میں دیکھا۔"

(رد المحتار، باب العیدین، ج2، ص168، دار الفکر، بیروت)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

" کبری میں ہے کہ کیا عید الاضحیٰ کے دن نماز سے پہلے کچھ کھانا مکروہ ہے؟ اس مین دو روایتیں ہیں، مختار یہ ہے کہ مکروہ نہیں، لیکن مستحب یہ ہے کہ نمازِ عید سے پہلے کچھ نہ کھائے، ایسے ہی تتارخانیہ میں ہے، مستحب یہ ہے کہ اس دن اس کا پہلا کھانا قربانی کا گوشت ہو جو کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ضیافت ہے۔"

(فتاوی ہندیہ، الباب السابع عشر فی صلاۃ العیدین، ج1، ص150، دار الفکر، بیروت)

اور حدیث پاک میں ہے:((كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَخْرُجُ يَوْمَ الفِطْرِ حَتَّى يَطْعَمَ، وَلَا يَطْعَمُ يَوْمَ الأَضْحَى حَتَّى يُصَلِّيَ)) ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عید الفطر کے لئے نہ نکلتے حتی کہ کچھ کھا لیتے اور عید الاضحیٰ کے دن کچھ نہ کھاتے حتی کہ نماز پڑھ لیتے۔

(جامع ترمذی، باب فی الاکل یوم الفطر قبل الخروج، مصطفی البابی، مصر)

مالکیہ کا موقف

علامہ ابو محمد عبد الوہاب بن علی بغدادی مالکی فرماتے ہیں:

عید الفطر میں عید گاہ کی طرف روانہ ہونے سے پہلے کچھ کھانا مستحب ہے اور عید الاضحیٰ میں عید گاہ سے لوٹنے تک کھانے کو مؤخر کرنا مستحب ہے۔

(التلقین فی الفقہ المالکی، باب صلاۃ العیدین، ج1، ص53، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

شوافع کا موقف

علامہ ابراہیم شیرازی شافعی (متوفی 476ھ) فرماتے ہیں:

سنت یہ ہے کہ عید الفطر والے دن نماز سے پہلے کھائے اور عید الاضحیٰ والے دن کچھ نہ کھائے یہاں تک کہ نماز پڑھ لے، کیونکہ حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں: ((کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یخرج یوم الفطر حتی یطعم ویوم النحر لا یأکل حتی یرجع فیأکل من لحم نسیکتہ)) (ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عید الفطر والے دن نہیں نکلتے تھے یہاں تک کہ کچھ تناول فرما لیتے، اور عید الاضحیٰ والے دن کچھ تناول نہیں فرماتے تھے یہاں تک کہ عید کی نماز سے واپس آتے تو اپنی قربانی کے گوشت میں سے تناول فرماتے۔)

اور سنت یہ ہے کہ کھجوریں کھائے اور وہ طاق عدد ہوں کیونکہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں: ((ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان لا یخرج یوم الفطر حتی یأکل تمرات ویأکلھن وترا)) ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عید الفطر والے دن نہیں نکلتے تھے یہاں تک کہ کھجوریں تناول فرما لیتے اور طاق عدد تناول فرماتے تھے۔ (المہذب فی فقہ الامام الشافعی، باب صلاۃ العیدین، ج1، ص223، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

حنابلہ کا موقف

علامہ عبد الرحمٰن بن محمد بن احمد بن قدامہ حنبلی (متوفی 682ھ) فرماتے ہیں:

"عید الفطر میں نمازِ عید سے پہلے کچھ کھانا مستحب ہے جبکہ عید الاضحیٰ میں نمازِ عید سے پہلے کچھ نہ کھانا مستحب ہے....... اس میں اختلاف کا ہمیں علم نہیں..... مستحب یہ ہے کہ کھجوریں کھائے اور طاق عدد میں کھائے جیسا کہ حدیث پاک میں آیا ہے۔" (الشرح الکبیر علی متن المقنع، ویستحب الاکل الخ، ج2، ص226، دار الکتاب العربی للنشر والتوزیع)

اَبْوَابُ السَّفَرِ

باب نمبر385

التقصير في السفر

سفر میں قصر

544۔حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ بْنُ عَبْدِ الْحَكَمِ الْوَرَّاقُ الْبَغْدَادِيُّ قَالَ :حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سُلَيْمٍ، عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ :سَافَرْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبِي بَكْرٍ، وَعُمَرَ، وَعُثْمَانَ فَكَانُوا يُصَلُّونَ الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ رَكْعَتَيْنِ رَكْعَتَيْنِ، لَا يُصَلُّونَ قَبْلَهَا وَلَا بَعْدَهَا ، وقَالَ عَبْدُ اللَّهِ :لَوْ كُنْتُ مُصَلِّيًا قَبْلَهَا أَوْ بَعْدَهَا لَأَتْمَمْتُهَا وَفِي الْبَابِ عَنْ عُمَرَ، وَعَلِيٍّ، وَابْنِ عَبَّاسٍ، وَأَنَسٍ، وَعِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ، وَعَائِشَةَ

قال ابوعيسى:حَدِيثُ ابْنِ عُمَرَ حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ يَحْيَى بْنِ سُلَيْمٍ، مِثْلَ هَذَا وَقَالَ مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ:وَقَدْ رُوِيَ هَذَا الْحَدِيثُ، عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ، عَنْ رَجُلٍ مِنْ آلِ سُرَاقَةَ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ :وَقَدْ رُوِيَ عَنْ عَطِيَّةَ الْعَوْفِيِّ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَتَطَوَّعُ فِي السَّفَرِ قَبْلَ الصَّلَاةِ وَبَعْدَهَا وَقَدْ صَحَّ عَنِ

حدیث:حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے،فرماتے ہیں: میں نے نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر،حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ساتھ سفر کیا تو یہ حضرات ظہر اور عصر کی نماز میں دو دو رکعات پڑھا کرتے تھے اس سے قبل و بعد نماز نہیں پڑھتے تھے۔اور عبداللہ کہتے ہیں: اگر میں اس سے قبل اور بعد نماز پڑھتا تو میں فرائض کو مکمل ہی کر لیتا۔

اور اس باب میں حضرت عمر،حضرت علی،حضرت عبد اللہ بن عباس،حضرت انس،حضرت عمران اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم سے بھی روایات مروی ہیں۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث حسن غریب ہے اسے ہم صرف یحییٰ بن سلیم کی اس کی مثل حدیث سے جانتے ہیں۔اور امام محمد بن اسماعیل بخاری فرماتے ہیں: اور بے شک یہ حضرت عبداللہ بن عمر سے بواسطہ عبید اللہ بن عمر اور آل سراقہ کے ایک شخص سے مروی ہے۔اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے بواسطہ عطیہ عوفی حدیث مروی ہے کہ"بے شک نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں نماز سے قبل اور بعد نفل پڑھا کرتے تھے۔"اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب وغیرہ میں سے اکثر اہلِ علم کا اسی پر عمل ہے۔

النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ كَانَ يَقْصُرُ فِي السَّفَرِ وَأَبُو بَكْرٍ، وَعُمَرُ، وَعُثْمَانُ، صَدْرًا مِنْ خِلَافَتِهِ. وَالعَمَلُ عَلَى هَذَا عِنْدَ أَكْثَرِ أَهْلِ العِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ وَقَدْ رُوِيَ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّهَا كَانَتْ تُتِمُّ الصَّلَاةَ فِي السَّفَرِ وَالعَمَلُ عَلَى مَا رُوِيَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَصْحَابِهِ، وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ، وَأَحْمَدَ، وَإِسْحَاقَ، إِلَّا أَنَّ الشَّافِعِيَّ يَقُولُ: التَّقْصِيرُ رُخْصَةٌ لَهُ فِي السَّفَرِ فَإِنْ أَتَمَّ الصَّلَاةَ أَجْزَأَ عَنْهُ"

اور حضرت سیدتنا عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ آپ رضی اللہ عنہا سفر میں نماز پوری پڑھا کرتی تھیں اور عمل اسی پر ہے جو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب رضی اللہ عنہم سے مروی ہے اور وہی امام شافعی، احمد اور اسحق رحمہم اللہ تعالیٰ کا قول ہے مگر امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: سفر میں قصر کرنا اس کے لئے رخصت ہے تو اگر وہ نماز مکمل کر لے تو یہ اسے کفایت کرے گا۔

545- حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ قَالَ: حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا عَلِيُّ بْنُ زَيْدِ بْنِ جُدْعَانَ، عَنْ أَبِي نَضْرَةَ، قَالَ: سُئِلَ عِمْرَانُ بْنُ حُصَيْنٍ عَنْ صَلَاةِ المُسَافِرِ، فَقَالَ: حَجَجْتُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ، وَحَجَجْتُ مَعَ أَبِي بَكْرٍ، فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ، وَمَعَ عُمَرَ، فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ، وَمَعَ عُثْمَانَ سِتَّ سِنِينَ مِنْ خِلَافَتِهِ - أَوْ ثَمَانِيَ سِنِينَ - فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ، قال ابوعيسى: هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

حدیث: حضرت ابو نضرہ سے روایت ہے فرمایا: عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے مسافر کی نماز کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعتیں پڑھیں اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ حج کیا تو انہوں نے بھی دو رکعات پڑھیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ حج کیا تو انہوں نے دو رکعتیں ادا کیں اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان کی خلافت میں چھ سال حج کیا یا آٹھ سال تو انہوں نے دو رکعتیں ادا کیں۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

546- حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ المُنْكَدِرِ، وَإِبْرَاهِيمَ بْنِ مَيْسَرَةَ، سَمِعَا أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ،

حدیث: محمد بن منکدر اور ابراہیم بن میسرہ سے مروی ہے کہ ان دونوں حضرات نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے سنا، انہوں نے فرمایا: ہم نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ظہر کی نماز مدینہ منورہ میں چار رکعات ادا کیں اور ذوالحلیفہ میں عصر کی دو رکعتیں ادا کیں۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ حدیث صحیح

قَالَ :صَلَّيْنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الظُّهْرَ بِالْمَدِينَةِ، أَرْبَعًا وَبِذِي الْحُلَيْفَةِ الْعَصْرَ رَكْعَتَيْنِ،قال ابوعيسیٰ :هٰذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ

ہے۔

547۔حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ قَالَ:حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ، عَنْ مَنْصُورِ بْنِ زَاذَانَ، عَنْ ابْنِ سِيرِينَ، عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ مِنَ الْمَدِينَةِ إِلَى مَكَّةَ لَا يَخَافُ إِلَّا رَبَّ الْعَالَمِينَ، فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ، قال ابوعیسیٰ:هٰذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ

حدیث: حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ”بے شک نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ سے مکہ کی جانب نکلے انہیں صرف رب العلمین کا خوف تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعات ادا کیں۔“

امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ حدیث صحیح ہے۔

نمازِ قصر کا ثبوت قرآن، احادیث اور اجماع سے

دورانِ سفرِ شرعی نماز میں قصر کرنے کا ثبوت قرآن مجید، احادیث کریمہ اور اجماع سے ہے۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے: ﴿وَإِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلَاةِ إِنْ خِفْتُمْ أَنْ يَفْتِنَكُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا﴾ ترجمہ: جب تم زمین میں سفر کرو تو تم پر اس کا گناہ نہیں کہ نماز میں قصر کرو اگر خوف ہو کہ کافر تمہیں فتنہ میں ڈالیں گے۔ (سورۃ النساء، آیت 101)

صدر الافاضل سید مفتی نعیم الدین مراد آبادی اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

"خوفِ کفار قصر کے لئے شرط نہیں، یعلیٰ بن امیہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ ہم تو امن میں ہیں پھر ہم کیوں قصر کرتے ہیں فرمایا اس کا مجھے بھی تعجب ہوا تھا تو میں نے سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دریافت کیا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارے لئے یہ اللہ کی طرف سے صدقہ ہے تم اس کا صدقہ قبول کرو۔ اس سے یہ مسئلہ معلوم ہوتا ہے کہ سفر میں چار رکعت والی نماز کو پورا پڑھنا جائز نہیں ہے کیونکہ جو چیزیں قابل تملیک نہیں ہیں ان کا صدقہ اسقاطِ محض ہے رَد کا احتمال نہیں رکھتا۔ آیت کے نزول کے وقت سفر اندیشہ سے خالی نہ ہوتے تھے اس لئے آیت میں اس کا ذکر بیانِ حال ہے شرطِ قصر نہیں حضرت عبداللہ بن عمر کی قراءت بھی دلیل ہے جس میں "اَنْ یَّفْتِنَکُمْ" بغیر "اِنْ خِفْتُمْ" کے ہے صحابہ کا بھی یہی عمل تھا کہ امن کے سفروں میں بھی قصر فرماتے جیسا کہ اوپر کی حدیث سے ثابت ہوتا ہے اور احادیث سے بھی یہ ثابت ہے اور پوری چار پڑھنے میں اللہ تعالیٰ کے صدقہ کا رد کرنا لازم آتا ہے لہٰذا قصر ضروری ہے۔" (تحت الآیۃ المذکورہ)

صحیح مسلم شریف میں ہے: ((عَنْ يَعْلَى بْنِ أُمَيَّةَ، قَالَ: قُلْتُ لِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ: (لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلَاةِ إِنْ خِفْتُمْ أَنْ يَفْتِنَكُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا) فَقَدْ أَمِنَ النَّاسُ، فَقَالَ: عَجِبْتُ مِمَّا عَجِبْتَ مِنْهُ فَسَأَلْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ ذَلِكَ، فَقَالَ صَدَقَةٌ تَصَدَّقَ اللهُ بِهَا عَلَيْكُمْ، فَاقْبَلُوا صَدَقَتَهُ)) ترجمہ: حضرت یعلیٰ بن امیہ سے روایت ہے، کہتے ہیں: امیر المؤمنین فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے میں نے

عرض کی، کہ اللہ عزوجل نے تو یہ فرمایا ﴿أَنْ تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلٰوةِ إِنْ خِفْتُمْ أَنْ يَفْتِنَكُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا﴾ اور اب تو لوگ امن میں ہیں (یعنی امن کی حالت میں قصر نہ ہونا چاہیے) فرمایا: اس کا مجھے بھی تعجب ہوا تھا میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سوال کیا ارشاد فرمایا: یہ ایک صدقہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر تصدق فرمایا اس کا صدقہ قبول کرو۔

(صحیح مسلم، باب صلاۃ المسافرین الخ، ج1، ص478، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

صحیح بخاری وصحیح مسلم میں ہے: ((عَنْ حَارِثَةَ بْنِ وَهْبٍ الخُزَاعِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: صَلَّى بِنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ أَكْثَرُ مَا كُنَّا قَطُّ وَآمَنُهُ بِمِنًى رَكْعَتَيْنِ)) ترجمہ: حضرت حارثہ بن وہب خزاعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے منیٰ میں دو رکعت نماز پڑھائی حالانکہ نہ ہماری اتنی زیادہ تعداد کبھی تھی نہ اس قدر امن۔

(صحیح بخاری، باب الصلاۃ بمنی، ج2، ص161، مطبوعہ دار طوق النجاۃ)

یہ بات تواتر سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے اسفار میں قصر فرمائی ہے، وہ اسفار چاہے حج کے لیے ہوں، عمرہ کے لیے ہوں یا غزوہ کے ہوں۔

(المغنی لابن قدامہ، باب صلاۃ المسافر، ج2، ص188، مکتبۃ القاہرہ)

اہل علم کا اس بات پر اجماع ہے کہ شرعی مسافت کے ارادے سے نکلا ہوا مسافر نماز میں قصر کرے گا، چاہے وہ حج کا سفر ہو، یا عمرہ کا سفر ہو یا جہاد کا سفر ہو، ایسے مسافر کے لیے ہے کہ وہ چار رکعت والی نماز دو رکعتیں ادا کرے گا۔

(المغنی لابن قدامہ، باب صلاۃ المسافر، ج2، ص188، مکتبۃ القاہرہ)

نماز فرض میں قصر کے بارے میں مذاہب ائمہ

حنابلہ کا موقف

علامہ موفق الدین ابن قدامہ حنبلی (متوفی 620ھ) فرماتے ہیں:

"مسافر کو اجازت ہے کہ قصر کرے یا نماز مکمل پڑھے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَإِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلَاةِ﴾ اور جب تم زمین میں سفر کرو تو تم پر حرج نہیں کہ بعض نمازیں قصر سے پڑھو۔ (سورۃ النساء، 101) اس کا مفہوم یہ ہے کہ قصر رخصت ہے اس کا ترک جائز ہے....... کیونکہ یہ تخفیف ہے جو کہ سفر کے لیے مباح کی گئی ہے پس اس کا ترک بھی جائز ہے اور قصر افضل ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور

آپ کے اصحاب نے اس پر ہمیشگی فرمائی ہے اور اس کے ترک کرنے والے پر عیب لگایا ہے۔"

(الکافی فی فقہ الامام احمد، باب قصر الصلاۃ، ج1 ص309، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

اس میں شرط ہے کہ سفر مباح ہو، پس اگر معصیت کے لیے کیا تو قصر نہیں کرے گا جیسا کہ غلام کا آقا سے بھاگ جانا، ڈاکہ کے لیے اور خمر کی تجارت وغیرہ کے لیے سفر کرنا۔"

(الکافی فی فقہ الامام احمد، باب قصر الصلاۃ، ج1 ص306، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

شوافع کا مؤقف

علامہ ابراہیم بن علی بن یوسف شیرازی شافعی (متوفی 476ھ) فرماتے ہیں:

"جب غیرِ معصیت میں ایسا سفر کرے جو اڑتالیس میل ہاشمی کو پہنچ جائے تو اسے اجازت ہے کہ وہ ظہر، عصر اور عشاء میں دو دو رکعتیں پڑھے..... اور افضل یہ ہے کہ قصر نہ کرے مگر اس سفر میں جو تین دن کی مسافت کے برابر ہو، پس جب سفر اتنی مقدار کو پہنچ جائے تو قصر اتمام سے افضل ہے۔" (التنبیہ فی الفقہ الشافعی، باب صلاۃ المسافر، ص40، مطبوعہ عالم الکتب)

مالکیہ کا مؤقف

علامہ ابو الولید ابن رشد مالکی (متوفی 595ھ) لکھتے ہیں:

"امام مالک سے جو روایات ہیں ان میں سے زیادہ مشہور یہ ہے کہ مسافر کے لیے قصر سنت ہے ......اور ہمارے اصحاب یعنی مالکیہ کے نزدیک ایک منصور روایت یہ ہے کہ مسافر کے لیے قصر کرنے کی رخصت ہے اور اتمام افضل ہے۔"

(بدایۃ المجتہد، الفصل الاول فی القصر، ج1 ص177، دار الحدیث، القاہرہ)

امام مالک نے صرف مباح سفر میں قصر کی اجازت دی ہے، سفرِ معصیت میں اجازت نہیں دی۔

(بدایۃ المجتہد، الفصل الاول فی القصر، ج1 ص179، دار الحدیث، القاہرہ)

احناف کا مؤقف

علامہ ابوبکر بن مسعود کاسانی حنفی (متوفی 587ھ) فرماتے ہیں:

"ہمارے اصحاب نے کہا کہ چار رکعتوں والی نماز میں مسافر کے فرض دو رکعتیں ہیں اس کے علاوہ نہیں، امام

شافعی کہتے ہیں کہ مسافر کے لیے بھی چار فرض ہی ہیں جیسا کہ مقیم کے لیے مگر یہ کہ مسافر کو رخصت ہے کہ وہ قصر کرے۔ ہمارے بعض مشائخ نے اس مسئلہ کو یوں بیان کیا ہے کہ قصر ہمارے نزدیک عزیمت ہے اور مکمل کرنا رخصت ہے اور یہ خطا ہے کیونکہ چار رکعتوں والی نماز میں مسافر کے حق میں دو رکعتیں حقیقۃً قصر نہیں ہے بلکہ دو رکعتیں ہی مسافر کے فرض ہیں، اور چار مکمل کرنا اس کے حق میں رخصت نہیں بلکہ یہ اساءت اور مخالفِ سنت ہے، ایسے ہی امام ابوحنیفہ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ جس نے سفر میں نماز کو مکمل کیا تو اس نے بُرا کیا اور سنت کے خلاف کیا۔ اور یہ اس لیے کہ رخصت نام ہے اس کا جو کسی عارض کی وجہ سے حکم اصلی سے تخفیف اور آسانی کی طرف متغیر ہو جیسا کہ اصول فقہ میں یہ بات جانی گئی اور مسافر کے حق میں تغییر کے معنی بالکل نہیں پائے گئے، کیونکہ اصل میں نماز مقیم اور مسافر دونوں کے حق میں دو رکعتیں فرض کی گئیں اور پھر مقیم کے حق دو رکعتیں بڑھا دی گئیں اور مسافر کے حق میں دو رکعتیں اپنے حال پر باقی رہیں جیسا کہ اصل میں تھا، پس اس کے حق میں تغییر کا معنی بالکل ہی منعدم ہو گیا اور مقیم کے حق میں تغییر پائی گئی لیکن سختی اور شدت کی طرف، نہ کہ سہولت اور آسانی کی طرف، اور رخصت آسانی کی خبر دیتی ہے تو یہ اس کی حق میں بھی حقیقۃً رخصت نہ ہوئی، اور اگر اس کو رخصت کہا جائے تو مجازاً کہا جائے گا حقیقت کے بعض معنی پائے جانے کی وجہ سے اور ان بعض معنی سے مراد تغییر ہے۔"

(بدائع الصنائع، فصل فی صلاۃ المسافر، ج1، ص91,92، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

علامہ علاء الدین حصکفی حنفی فرماتے ہیں:

"قصر کرے گا اگرچہ سفر کے سبب گناہگار ہو کیونکہ قبح مجاور مشروعیت کو معدوم نہیں کرتا۔"

(درمختار، باب صلاۃ المسافر، ج2، ص124، دار الفکر، بیروت)

شوافع اور حنابلہ کے دلائل

(ا) شوافع اور حنابلہ کی ایک دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: ﴿وَإِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلَاةِ﴾ اور جب تم زمین میں سفر کرو تو تم پر حرج نہیں کہ بعض نمازیں قصر سے پڑھو۔

(سورۃ النساء، 101)

اور "لا جناح یعنی حرج نہیں" کے لفظ کا استعمال مباحات اور رخصتوں میں ہوتا ہے، نہ کہ فرائض اور لازمی

وضروری کاموں میں۔

(۲)اور دوسری دلیل یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:((اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی تَصَدَّقَ عَلَیْکُمْ بِشَطْرِ الصَّلَاۃِ اَلَا فَاقْبَلُوا صَدَقَتَہٗ)) ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے تم پر نماز کے ایک حصے کا صدقہ کیا ہے تو اس کے صدقے کو قبول کرو۔

اور جس پر صدقہ کیا جائے تو وہ قبولِ صدقہ میں مختار ہوتا ہے جیسا کہ بندوں کی طرف سے صدقہ میں۔

(۳)اور تیسری دلیل یہ ہے کہ قصر مسافر پر تخفیف کرتے ہوئے ثابت ہے اس سفر میں جو مشقتوں کا محل ہے اور تخفیف اختیار دینے میں ہے کہ اگر چاہے تو قصر کرے اور چاہے تو مکمل کرے جیسا کہ رمضان میں افطار مسافر کے لیے۔

احناف کے دلائل

علامہ ابوبکر بن مسعود کاسانی حنفی (متوفی 587ھ) فرماتے ہیں:

(1)حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، ارشاد فرمایا:((صَلَاۃُ الْمُسَافِرِ رَکْعَتَانِ وَصَلَاۃُ الْجُمُعَۃِ رَکْعَتَانِ تَامٌّ غَیْرُ قَصْرٍ عَلٰی لِسَانِ نَبِیِّکُمْ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ)) ترجمہ: مسافر کی نماز دو رکعتیں اور نمازِ جمعہ کی دو رکعتیں مکمل ہیں، نامکمل نہیں ہیں تمہارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زبان پر۔

(2)فقیہ جلیل ابو احمد عیاضی سمرقندی اور فقیہ ابو الحسن کرخی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی ایسے ہی روایت کیا ہے۔

(3)حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے، فرماتی ہیں:((فُرِضَتْ الصَّلَاۃُ فِی الْاَصْلِ رَکْعَتَیْنِ اِلَّا الْمَغْرِبَ فَاِنَّھَا وِتْرُ النَّھَارِ ثُمَّ زِیدَتْ فِی الْحَضَرِ وَاُقِرَّتْ فِی السَّفَرِ عَلٰی مَا کَانَتْ)) ترجمہ: اصل میں دو رکعتیں ہی فرض کی گئیں سوائے مغرب کی نماز کے کہ یہ دن کے وتر ہیں، پھر اقامت کی حالت میں نماز زیادہ کر دی گئی اور حالتِ سفر میں دو رکعتیں ہی برقرار رکھی گئیں۔

(4)حضرت عمران بن حُصَین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں:((مَا سَافَرَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِلَّا وَصَلّٰی رَکْعَتَیْنِ اِلَّا الْمَغْرِبَ)) ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جب بھی سفر فرمایا تو دو رکعتیں ہی ادا

فرمائیں سوائے نمازِ مغرب کے۔

(5) اگر قصر رخصت ہوتی اور مکمل کرنا عزیمت ہوتا تو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عزیمت کو ترک نہ فرماتے مگر کبھی کبھی کیونکہ جو عمل عزیمت ہو وہ افضل ہوتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اعمال میں سے افضل ہی کو اختیار فرماتے تھے اور افضل کو صرف ایک دو مرتبہ ہی ترک کرتے امت کے حق میں رخصت کی تعلیم دینے کے لیے، بہرحال افضل کو ہمیشہ ترک کرنے میں نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف سے تمام عمر فضیلت کو ضائع کرنا ہے اور یہ بات آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے متصور نہیں۔

(6) اور اس پر دلیل یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مکہ میں قصر کی اور اہل مکہ سے فرمایا: اے اہل مکہ! ہم مسافر قوم ہیں۔ پس اگر چار رکعتیں مسافر کے لیے جائز ہوتیں تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دو پر اقتصار نہ فرماتے دو وجہوں سے: ایک یہ کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حرم میں زیادۃ عمل کو غنیمت جانتے کیونکہ اس میں عبادت کا اجر کئی گنا بڑھ جاتا ہے۔ اور دوسری وجہ یہ کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم امام تھے اور آپ کے پیچھے اہل مکہ کے مقیم لوگ تھے تو مناسب تھا کہ آپ چار مکمل ادا فرماتے تاکہ قوم بقیہ نماز اکیلے پڑھنے کی طرف محتاج نہ ہوتی اور وہ تمام نماز میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اقتداء کی فضیلت پالیتے۔ جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایسا نہیں کیا تو یہ ہمارے قول کی صحت پر دلالت کرتا ہے۔

(7) مروی ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منٰی میں مکمل نماز پڑھی تو صحابہ کرام علیہم الرضوان نے اُن پر انکار کیا، یہاں تک کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اُن سے کہا کہ میں مکہ میں تاٗ ھل کرلیا ہے اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ جو کسی قوم میں اہل بنالے تو وہ انہی میں سے ہے۔

یہاں صحابہ کرام علیہم الرضوان کا انکار اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اعتذار اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ فرض وہی ہے جو ہم نے کہا کیونکہ اگر چار پڑھنا عزیمت ہوتا تو صحابہ کرام علیہم الرضوان حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر انکار نہ کرتے اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اعتذار پیش نہ کرتے، تو صحابہ کرام علیہم الرضوان کا اس بات پر اجماع ہوگیا جو ہم کہتے ہیں۔

(8) اور حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ ان سے سفر میں نماز کے بارے میں سوال کیا گیا تو ارشاد فرمایا: دو دو رکعتیں ہیں، جس نے سنت کی مخالفت کی اس نے کفر کیا۔ یعنی اگر اعتقاداً خلافِ سنت کیا نہ کہ فعلاً۔

(9) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ دو آدمیوں نے اپنے حال کے بارے میں آپ سے سوال کیا، ان دونوں میں سے ایک نے سفر میں نماز کو مکمل کیا تھا اور دوسرے نے قصر کی تھی، تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے قصر کرنے والے کے بارے میں فرمایا: تم نے کامل پڑھی ہے اور جس نے مکمل کی تھی اسے فرمایا: تم نے ناقص پڑھی ہے۔

شوافع اور حنابلہ کے دلائل کے جوابات

(۱) مذکورہ آیت میں ان کے لیے کوئی دلیل نہیں کیونکہ اس میں اصل قصر مذکور ہے، نہ کہ اس صفت اور کیفیت۔ اور قصر کبھی رکعات سے ہوتی ہے اور کبھی قیام سے قعود کی طرف ہوتی ہے اور کبھی رکوع وسجود سے اشارے کی نماز پڑھنے کی طرف ہوتی ہے دشمن کے خوف کی وجہ سے اور یہ مباح ہے، اس میں رخصت دی گئی ہے ہمارے نزدیک، لہذا یہ آیت پاک احتمال کی وجہ سے حجت نہیں ہوگی۔

مزید یہ کہ آیت کے اندر وہ بات ہے جو اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اس سے مراد قصر عن الرکعات نہیں ہے کیونکہ اس آیت میں قصر کو خوف کی شرط کے ساتھ معلق کیا ہے اور وہ کفار کے فتنہ کا خوف ہے، جیسا آگے یہ ہے: ﴿إِنْ خِفْتُمْ أَنْ يَفْتِنَكُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا﴾ اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ کافر تمہیں ایذا دیں گے۔ (النساء101)

اور قصر عن الرکعات خوف کی شرط کے ساتھ معلق نہیں بلکہ بغیر خوف کے بھی جائز ہے۔

(۲) اور ان کی پیش کردہ حدیث پاک تو ہماری دلیل ہے کیونکہ جب قبول کا امر فرما دیا تو شرعاً رد کا اختیار نہ رہا کیونکہ امر وجوب کے لیے ہوتا ہے۔

شوافع اور حنابلہ کا یہ کہنا کہ "جس پر تصدق کیا جائے اسے قبول کرنے کا اختیار رہتا ہے" اس کے جواب میں ہم کہتے ہیں کہ حدیث پاک کے یہ جو الفاظ ہیں "اللہ تعالیٰ نے تم پر تصدق کیا" اس کا مطلب یہ ہے کہ تمہارے لیے فیصلہ فرمایا ہے اور مزید یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تصدق تملیک کا احتمال نہیں رکھتا، یہ اسقاط سے عبارت ہوگا جیسا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عفو۔

(۳) اور جو تیسری وجہ بیان کی وہ درست نہیں، کیونکہ یہاں نماز کی قصر کے ساتھ تنگی کو دور کرنا نہیں بلکہ سفر میں مشروع ہی اسی قدر ہے جیسا کہ ہم نے دلائل ذکر کیے، اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں: ((لَا تَقُولُوا

قَصْرًا فَاِنَّ الَّذِی فَرَضَهَا فِی الْحَضَرِ اَرْبَعًا هُوَ الَّذِی فَرَضَهَا فِی السَّفَرِ رَكْعَتَيْنِ)) ترجمہ: سفر کی نماز کو قصر نہ کہو کہ جو فرض حالتِ حضر میں چار ہیں وہی سفر کی حالت میں دو رکعتیں ہیں۔

اور یہ بات بندوں کے لیے نہیں کہ جو ان پر مقرر عبادت ہے اس کی مقدار کو کمی بیشی کے ساتھ باطل کریں، کیا تم نہیں دیکھتے کہ جو شخص مغرب کی چار پڑھنا چاہے یا فجر کی تین یا چار پڑھنا چاہے تو وہ اس پر قادر نہیں، اسی طرح یہاں بھی اسے اجازت نہ ہوگی۔ (بدائع الصنائع، فصل فی صلاۃ المسافر، ج1، ص91,92، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

کتنی مسافت پر قصر کرے گا، مذاہب ائمہ

احناف کا مؤقف

علامہ ابو الحسن علی بن ابی بکر الفرغانی المرغینانی حنفی (متوفی 593ھ) فرماتے ہیں:

وہ سفر جس سے احکام متغیر ہوتے ہیں وہ یہ ہے کہ انسان تین دن رات کی مسافت کا قصد کرے اونٹ یا آدمی کی چال کے ساتھ، کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مقیم ایک دن رات مسح کرے گا اور مسافر تین دن رات۔ یہ رخصت تمام جنس کو عام ہے، اور اس کی ضرورت میں سے تقدیر کا عام ہونا ہے۔ امام ابو یوسف نے دو دن اور تیسرے دن کے اکثر حصے کے ساتھ اس کی تقدیر کی ہے اور امام شافعی نے ایک دن رات کے ساتھ ایک قول میں، اور ان دونوں کے خلاف مذکورہ حدیث پاک حجت ہے۔ اور مذکورہ سیر درمیانی رفتار سے ہوگی۔

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے تین دن رات کی تقدیر تین مراحل سے مروی ہے اور یہ اول سے زیادہ قریب ہے اور فراسخ کا کوئی اعتبار نہیں، یہی صحیح ہے۔ (ہدایہ، باب صلاۃ المسافر، ج1، ص80، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

دن سے مراد سال کا سب میں چھوٹا دن اور تین دن کی راہ سے یہ مراد نہیں کہ صبح سے شام تک چلے کہ کھانے پینے، نماز اور دیگر ضروریات کے لیے ٹھہرنا تو ضروری ہی ہے، بلکہ مراد دن کا اکثر حصہ ہے مثلاً شروع صبح صادق سے دوپہر ڈھلنے تک چلا پھر ٹھہر گیا پھر دوسرے اور تیسرے دن یوہیں کیا تو اتنی دور تک کی راہ کو مسافت سفر کہیں گے اور چلنے سے مراد معتدل چال ہے کہ نہ تیز ہو نہ سُست، خشکی میں آدمی اور اونٹ کی درمیانی چال کا اعتبار ہے اور پہاڑی راستہ میں اسی حساب سے جو اس کے لیے مناسب ہو اور دریا میں کشتی کی چال اس وقت کی کہ ہوا نہ بالکل رُکی ہو نہ تیز۔

(فتاوی ہندیہ، کتاب الصلاۃ، الباب الخامس عشر فی صلاۃ المسافر، ج1، ص138 ☆ درمختار، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ المسافر، ج2، ص724)

کوس کا اعتبار نہیں کہ کوس کہیں چھوٹے ہوتے ہیں کہیں بڑے بلکہ اعتبار تین منزلوں کا ہے۔

(بہار شریعت، حصہ 4، ص741، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

اور خشکی میں میل کے حساب سے اس کی مقدار ساڑھے ستاون میل (تقریباً 92 کلومیٹر) ہے۔

(فتاوی رضویہ، ج8، ص270، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

مالکیہ کا مؤقف

علامہ ابوالولید ابن رشد مالکی (متوفی 595ھ) لکھتے ہیں:

امام مالک اس طرف گئے ہیں کہ چار برید میں قصر کی جائے گی، اور یہ متوسط چلنے کے ساتھ ایک دن کی مسافت بنتی ہے۔

(بدایۃ المجتہد، الفصل الاول فی القصر، ج1، ص178، دار الحدیث، القاہرہ)

شوافع کا مؤقف

علامہ ابراہیم بن علی بن یوسف شیرازی شافعی (متوفی 476ھ) فرماتے ہیں:

"دو دن کی مسافت سے کم میں سفر میں قصر کرنا جائز نہیں اور یہ چار برید بنتے ہیں، اور ہر برید چار فرسخ کا ہوتا ہے، پس یہ سولہ فرسخ بنتے ہیں کیونکہ حضرت ابن عمر اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی ہے کہ یہ دونوں حضرات چار برید یا اس سے زیادہ میں دو رکعتیں پڑھتے تھے اور افطار کرتے تھے...... امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں پسند کرتا ہوں کہ تین دن کی مسافت سے کم میں قصر نہ کروں، یہ صرف مستحب ہے تاکہ اختلاف سے خروج ہو۔"

(المہذب فی فقہ الامام الشافعی، باب صلاۃ المسافر، 192,193، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

حنابلہ کا مؤقف

علامہ موفق الدین ابن قدامہ حنبلی فرماتے ہیں:

"سفر طویل میں قصر کرے گا، اور اس کی مقدار چار برید ہیں اور یہ سولہ فرسخ ہوتے ہیں جو کہ اڑتالیس میل ہاشمی بنتے ہیں، اور تقریباً دو دن کی مسافت بنتی ہے، کیونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ انہوں نے

فرمایا:((یا أهل مكة، لا تقصروا في أدنى من أربعة برد، ما بين عسفان إلى مكة)) ترجمہ: اے اہل مکہ! چار برد سے کم میں قصر نہ کرو، جو کہ عسفان سے مکہ تک ہے۔ اور حضرت ابن عباس اور حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم چار برید سے کم میں قصر نہیں کرتے تھے۔ اور کیونکہ یہ ایسی مسافت ہے جو مشقت کو جمع کرتی ہے، پس اس میں قصر جائز ہے جیسا کہ تین دن کی مسافت میں۔ برابر ہے کہ سفر بری ہو یا بحری ہو کیونکہ اعتبار فراسخ کا ہے۔"

(الکافی فی فقہ الامام احمد، باب قصر الصلاۃ، ج 1، ص 306، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

تین دن کی مسافت پر احناف کے دلائل

(1) ہمارے موقف پر ایک دلیل وہ روایت ہے جسے امام بخاری علیہ الرحمۃ نے بخاری شریف میں اس عنوان کے تحت روایت کیا ہے "باب: في كم يقصر الصلاة "یعنی باب اس کے متعلق کہ کتنی مسافت کے سفر پر قصر ہے۔ روایت یہ ہے:((عن ابن عمر رضي الله عنهما: أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: لا تسافر المرأة ثلاثة أيام إلا مع ذي محرم)) ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: عورت تین دن کا سفر بغیر محرم کے نہیں کر سکتی۔ (صحیح البخاری، ابواب تقصیر الصلوۃ، باب فی کم یقصر الصلوۃ، ج 02، ص 43، دار طوق النجاۃ)

اس سے امام بخاری نے اور احناف نے یہی ثابت کیا ہے کہ شرعی سفر جس پر احکام مرتب ہوتے ہیں وہ تین دن رات کا سفر ہے۔

(2) دوسری دلیل یہ ہے کہ احادیث میں مسافر کو تین دن رات تک موزوں پر مسح کی اجازت دی گئی ہے جس ثابت ہوتا ہے کہ شرعی احکام جس سفر پر مرتب ہوتے ہیں وہ تین دن رات کا سفر ہے۔ چنانچہ مسلم شریف میں ہے:((عن شريح بن هانئ، قال: أتيت عائشة أسألها عن المسح على الخفين، فقالت: عليك بابن أبي طالب، فسله فإنه كان يسافر مع رسول الله صلى الله عليه وسلم فسألناه فقال: جعل رسول الله صلى الله عليه وسلم ثلاثة أيام ولياليهن للمسافر، ويوما وليلة للمقيم)) ترجمہ: شریح بن ھانی سے مروی ہے کہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بارگاہ میں موزوں پر مسح کے متعلق سوال کرنے کے لیے حاضر ہوا تو انہوں نے فرمایا: حضرت علی ابن ابی طالب کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کے پاس جا کر پوچھو کیونکہ وہ رسول اللہ عزوجل وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ سفر کیا کرتے تھے، پس ہم نے ان

سے پوچھا تو انہوں نے فرمایا: رسول اللہ عزوجل وصلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم نے مسافر کے لیے تین دن اور تین راتیں مقرر فرمائی ہیں اور مقیم کے لیے ایک دن اور ایک رات۔ (صحیح مسلم، باب التوقیت فی المسح علی الخفین، ج01، ص232، داراحیاء التراث العربی، بیروت)

عمدۃ القاری میں علامہ عینی علیہ الرحمۃ تحریر فرماتے ہیں: "ذکر المسافۃ التی تقصر فیھا الصلاۃ :اختلف العلماء فیھا، فقال أبو حنیفۃ وأصحابہ والکوفیون :المسافۃ التی تقصر فیھا الصلاۃ ثلاثۃ أیام ولیالیھن بسیر الإبل ومشی الأقدام ۔۔۔وإلی ثلاثۃ أیام ذھب عثمان بن عفان وابن مسعود وسوید بن غفلۃ والشعبی والنخعی والثوری وابن حیی وأبو قلابۃ وشریک بن عبد اللہ وسعید بن جبیر ومحمد بن سیرین، وھو روایۃ عن عبد اللہ بن عمر"۔ ترجمہ: اس مسافت کا ذکر جس میں نماز میں قصر کی جائے گی، اس کے متعلق علماء کا اختلاف ہے، پس ابوحنیفہ اوران کے اصحاب اور کوفیوں نے کہا: جس مسافت میں نماز میں قصر کی جائے گی وہ تین دن رات کی مسافت ہے اونٹ اور پیدل کی رفتار کے ساتھ، اور تین دن کا ہی موقف ہے حضرت عثمان بن عفان، حضرت عبداللہ ابن مسعود، حضرت سوید بن غفلہ، شعبی، نخعی، ثوری، ابن حیی، ابوقلابہ، شریک بن عبداللہ، سعید بن جبیر اور محمد بن سیرین کا اور یہی ایک روایت ہے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہما سے۔

(عمدۃ القاری، باب الصلوۃ بمنی، ج07، ص119، داراحیاء التراث العربی، بیروت)

(3) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہما کی جس روایت کی طرف علامہ عینی علیہ الرحمۃ نے اشارہ کیا وہ یہ ہے جسے امام محمد علیہ الرحمۃ نے آثار میں روایت فرمایا: ((عن علی بن ربیعۃ الوالبی قال:سألت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنھما إلی کم تقصر الصلاۃ؟ فقال:أتعرف السویداء ؟ قال:قلت لہ ولکنی قد سمعت بھا قال :ھی ثلاث لیال قواصد، فإذا خرجنا إلیھا قصرنا الصلاۃ "قال محمد :وبہ نأخذ، وھو قول أبی حنیفۃ رضی اللہ عنہ)) ترجمہ: علی بن ربیعہ الوالبی سے مروی ہے کہ میں نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہما سے سوال کیا کہ کتنی مسافت تک نماز میں قصر کی جائے گی؟ تو آپ رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا: کیا تو سویداء کو جانتا ہے؟ کہتے ہیں میں نے کہا: نہیں، لیکن میں نے اس کے متعلق سن رکھا ہے، فرمایا: وہ تین رات کی مسافت ہے، تو جب ہم وہاں جاتے تو نماز میں قصر کرتے۔

امام محمد علیہ الرحمۃ نے فرمایا: اور اسی کو ہم اختیار کرتے ہیں اور یہی امام ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ کا قول ہے۔

(الآثار لمحمد بن حسن، باب الصلوۃ فی السفر، ج01، ص500، دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہما سے مروی تمام اقوال سے سب سے محتاط قول یہی ہے اور اسی پر احناف کا عمل ہے اور علامہ ابن عبدالبر (المتوفی 463ھ) الاستذکار میں تحریر فرماتے ہیں: ومن احتاط فلم یقصر إلا فی مسیرة ثلاثة أیام کاملة "ترجمہ: اور جس نے احتیاط سے کام لیا اس نے تین دن کامل کی مسافت میں ہی نماز میں قصر کی

(الاستذکار، باب ما یجب فیہ قصر الصلوۃ، ج02، ص242، دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

عندالاحناف فراسخ کے بجائے مراحل یعنی منزلوں کا اعتبار ہے

جس سفر سے احکام متغیر ہوجاتے ہیں حدیث پاک کے مطابق وہ تین دن رات کی مسافت ہے جیسا کہ ماقبل میں بیان ہوا۔

اور امام اعظم نے اس کو تین منزلوں سے مقدر کیا ہے اور ایک منزل سے مراد یہ ہے کہ صبح صادق سے لے کر دوپہر ڈھلنے تک درمیانی رفتار سے پیدل یا اونٹ کی رفتار سے چلنا اور یہاں سال کے سب سے چھوٹے دن مراد ہیں۔

اور بعض علماء احناف نے اسے فراسخ کے ساتھ بھی مقدر کیا ہے، ایک قول اکیس (21) فرسخ کا ہے، ایک قول اٹھارہ (18) فرسخ کا ہے اور ایک قول پندرہ (15) فرسخ کا ہے اور فرسخ تین میل کا ہوتا ہے، اس اعتبار سے پہلے قول کے مطابق تریسٹھ (63) میل ہوئے، دوسرے قول کے مطابق چون (54) میل ہوئے اور تیسرے قول کے مطابق پینتالیس (45) میل ہوئے۔

مگر صحیح یہی ہے کہ مراحل یعنی منزلوں کا اعتبار کیا جائے گا۔

شمس الائمہ سرخسی حنفی (متوفی 483ھ) فرماتے ہیں:

''وَلَا مَعْنَى لِلتَّقْدِيرِ بِالْفَرَاسِخِ، فَإِنَّ ذَلِكَ يَخْتَلِفُ بِاخْتِلَافِ الطُّرُقِ فِي السُّهُولِ وَالْجِبَالِ وَالْبَحْرِ وَالْبَرِّ، وَإِنَّمَا التَّقْدِيرُ بِالْأَيَّامِ وَالْمَرَاحِلِ''ترجمہ: فراسخ سے تقدیر کے کوئی معنی نہیں، کہ یہ طرق کے سہل، پہاڑی، بحری اور بری ہونے کے اختلاف کے سبب مختلف ہوتے ہیں، اس کی تقدیر صرف ایام اور مراحل سے ہوگی۔

(مبسوط للسرخسی، باب صلاۃ المسافر، ج1، ص236، دار المعرفہ، بیروت)

علامہ ابو الحسن علی بن ابی بکر الفرغانی المرغینانی حنفی (متوفی 593ھ) فرماتے ہیں:

"وعن أبي حنيفة رحمه الله التقدير بالمراحل وهو قريب من الأول ولا معتبر بالفراسخ هو الصحيح "ترجمہ: امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے تین دن رات کی تقدیر تین مراحل سے مروی ہے اور یہ اول سے زیادہ قریب ہے اور فراسخ کا کوئی اعتبار نہیں، یہی صحیح ہے۔

(ہدایہ، باب صلاۃ المسافر، ج1، ص80، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

" ولا معتبر بالفراسخ هو الصحيح" کے تحت علامہ کمال الدین ابن الہمام حنفی (861ھ) فرماتے ہیں:

"احتراز عما قيل يقدر بها فقيل بأحد وعشرين فرسخا، وقيل بثمانية عشر، وقيل بخمسة عشر وكل من قدر بقدر ما اعتقد أنه مسيرة ثلاثة أيام، وإنما كان الصحيح أن لا تقدر بها "ترجمہ: اس سے احتراز ہے جو کہا گیا کہ فراسخ کے ساتھ مقدر کیا جائے گا، (پھر اگر فراسخ کے ساتھ مقدر کیا جائے تو اس بارے میں تین اقوال ہیں) پس کہا گیا کہ اکیس (21) فرسخ ہوں گے، اور کہا گیا کہ اٹھارہ (18) فرسخ ہوں گے اور کہا گیا کہ پندرہ (15) فرسخ ہوں گے۔ اور جس نے بھی فراسخ کی جس مقدار کے ساتھ مقدر کیا تو اس اعتقاد کے ساتھ کیا ہے کہ یہ تین دن کا چلنا ہے، اور صحیح یہی ہے کہ فراسخ کے ساتھ مقدر نہ کیا جائے۔

(فتح القدیر، باب صلاۃ المسافر، ج2، ص30، دار الفکر، بیروت)

علامہ زین الدین ابن نجیم حنفی (متوفی 970ھ) فرماتے ہیں:

"وأما التقدير بثلاثة أيام فهو ظاهر المذهب، وهو الصحيح لإشارة قوله -صلى الله عليه وسلم- يمسح المقيم يوما وليلة والمسافر ثلاثة أيام عم الرخصة الجنس، ومن ضرورته عموم التقدير، وتمام تحقيقه في فتح القدير والمراد باليوم النهار دون الليل؛ لأن الليل للاستراحة فلا يعتبر والمراد ثلاثة أيام من أقصر أيام السنة وهل يشترط سفر كل يوم إلى الليل اختلفوا

فيه والصحيح أنه لا يشترط حتى لو بكر في اليوم الأول ومشى إلى الزوال ثم في اليوم الثاني كذلك ثم في اليوم الثالث كذلك فإنه يصير مسافرا؛ لأن المسافر لا بد له من النزول لاستراحة نفسه ودابته فلا يشترط أن يسافر من الفجر إلى الفجر؛ لأن الآدمي لا يطيق ذلك، وكذلك الدواب فألحقت

مدة الاستراحة بمدة السفر لأجل الضرورة كذا فی السراج الوهاج ---وأشار المصنف إلى أنه لا اعتبار بالفراسخ، وهو الصحيح؛ لأن الطريق لو كان وعرا بحيث يقطع فی ثلاثة أيام أقل من خمسة عشر فرسخا قصر بالنص، وعلى التقدير بها لا يقصر فيعارض النصّ فلا يعتبر سوى سير الثلاثة، وفي النهاية الفتوى على اعتبار ثمانية عشر فرسخا، وفي المجتبى فتوى أكثر أئمة خوارزم على خمسة عشر فرسخا اهـ .وأنا أتعجب من فتواهم فی هذا وأمثاله بما يخالف مذهب الإمام خصوصا المخالف للنص الصريح ''ترجمہ: تین دن کی تقدیر یہی ظاہر المذہب ہے اور یہی صحیح ہے، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس قول کے اشارے کی وجہ سے کہ مقیم ایک دن رات مسح کرے گا اور مسافر تین ۔ یہ رخصت تمام جنس کو عام ہے، اور اس کی ضرورت میں سے تقدیر کا عموم ہے اور اس کی مکمل تحقیق فتح القدیر میں ہے اور یہاں یوم سے مراد صرف دن ہے، نہ کہ رات کیونکہ رات آرام کے لیے ہوتی ہے تو اس کا اعتبار نہیں اور تین دنوں سے بھی وہ دن مراد ہیں جو سال کے سب سے چھوٹے دن ہوں اور کیا پورے دن رات تک سفر شرط ہے؟ تو اس میں اختلاف ہے، صحیح یہ ہے کہ یہ شرط نہیں، پہلے دن صبح سویرے چلنا شروع ہوگا اور زوال تک چلے گا پھر دوسرے دن بھی ایسے ہی کرے گا اور پھر تیسرے دن بھی ایسے ہی کرے گا، پس وہ مسافر ہو جائے گا کیونکہ مسافر کے لیے اپنے آپ کو اور اپنے جانور کو آرام دینا ضروری ہے۔ یہ شرط نہیں کہ آدمی فجر سے فجر تک چلے کیونکہ آدمی اس کی طاقت نہیں رکھتا، اور اسی طرح جانور بھی، پس آرام کی مدت بھی سفر کی مدت کے ساتھ لاحق گئی ضرورت کی وجہ سے، ایسا ہی السراج الوہاج میں ہے ...... اور مصنف نے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ فراسخ کا کوئی اعتبار نہیں اور یہی صحیح ہے کیونکہ اگر راستہ دشوار ہے کہ تین دن میں پندرہ فرسخ سے کم طے ہوا تو نص کی وجہ سے قصر کرے گا اور پندرہ فرسخ کی تقدیر پر قصر نہیں کرے گا تو یہ تقدیر نص کے معارض ہوگی لہذا تین دن کی سیر کے علاوہ کوئی تقدیر معتبر نہیں ہوگی، اور نہایہ میں ہے کہ فتوی اٹھارہ فرسخ کے اعتبار پر ہے، مجتبیٰ میں ہے اکثر ائمہ خوارزم کا فتوی پندرہ فرسخ پر ہے، اھ. **اور مجھے ان کے فتوی پر تعجب ہے اس میں اور اس کی امثال اقوال میں (جن میں فرسخ کا اعتبار کیا گیا ہے) جو کہ امام اعظم کے مذہب کے مخالف ہیں،** خصوصاً نص صریح کے مخالف ہیں۔

(البحر الرائق، باب صلاۃ المسافر، ج2، ص139,140، دار الکتاب الاسلامی، بیروت)

علامہ علاء الدین حصکفی حنفی فرماتے ہیں: ''وَلَا اعْتِبَارَ بِالْفَرَاسِخِ عَلَى الْمَذْهَبِ'' ترجمہ: مذہب پر فراسخ کا کوئی اعتبار نہیں۔ (درمختار، باب صلاۃ المسافر، ج2، ص123، دار الفکر، بیروت)

اس کے تحت علامہ امین ابن عابدین شامی فرماتے ہیں:

''(قَوْلُهُ عَلَى الْمَذْهَبِ) لِأَنَّ الْمَذْكُورَ فِي ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ اعْتِبَارُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ كَمَا فِي الْحِلْيَةِ وَقَالَ فِي الْهِدَايَةِ: هُوَ الصَّحِيحُ احْتِرَازًا عَنْ قَوْلِ عَامَّةِ الْمَشَايِخِ مِنْ تَقْدِيرِهَا بِالْفَرَاسِخِ.....وَجْهُ الصَّحِيحِ أَنَّ الْفَرَاسِخَ تَخْتَلِفُ بِاخْتِلَافِ الطَّرِيقِ فِي السَّهْلِ وَالْجَبَلِ وَالْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِخِلَافِ الْمَرَاحِلِ مِعْرَاجٌ'' ترجمہ: کیونکہ ظاہر الروایۃ میں مذکور ہے کہ اعتبار تین دن کا ہے جیسا کہ حلیہ میں ہے اور ہدایہ میں فرمایا: یہی صحیح ہے، عامہ مشائخ کی فراسخ سے تقدیر سے احتراز کرتے ہوئے۔۔۔۔۔صحیح کی وجہ یہ ہے کہ فراسخ مختلف ہوتے ہیں طرق کے سہل ہونے، پہاڑی ہونے، بری ہونے اور بحری ہونے میں مختلف ہونے کی وجہ سے۔

(ردالمحتار علی الدر المختار، باب صلاۃ المسافر، ج2، ص123، دار الفکر، بیروت)

تین مراحل ساڑھے ستاون میل یعنی بانوے کلومیٹر بنتے ہیں

علامہ شامی فرماتے ہیں:

''قَالَ فِي النِّهَايَةِ: أَيْ التَّقْدِيرُ بِثَلَاثِ مَرَاحِلَ قَرِيبٌ مِنْ التَّقْدِيرِ بِثَلَاثَةِ أَيَّامٍ لِأَنَّ الْمُعْتَادَ مِنْ السَّيْرِ فِي كُلِّ يَوْمٍ مَرْحَلَةٌ وَاحِدَةٌ خُصُوصًا فِي أَقْصَرِ أَيَّامِ السَّنَةِ كَذَا فِي الْمَبْسُوطِ اهـ وَكَذَا مَا فِي الْفَتْحِ مِنْ أَنَّهُ قِيلَ يُقَدَّرُ بِوَاحِدٍ وَعِشْرِينَ فَرْسَخًا وَقِيلَ بِثَمَانِيَةَ عَشَرَ وَقِيلَ بِخَمْسَةَ عَشَرَ وَكُلٌّ مَنْ قَدَّرَ مِنْهَا اعْتَقَدَ أَنَّهُ مَسِيرَةُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ اهـ أَيْ بِنَاءً عَلَى اخْتِلَافِ الْبُلْدَانِ فَكُلٌّ قَائِلٍ قَدَّرَ مَا فِي بَلَدِهِ مِنْ أَقْصَرِ الْأَيَّامِ أَوْ بِنَاءً عَلَى اعْتِبَارِ أَقْصَرِ الْأَيَّامِ أَوْ أَطْوَلِهَا أَوْ الْمُعْتَدِلِ مِنْهَا وَعَلَى كُلٍّ فَهُوَ صَرِيحٌ بِأَنَّ الْمُرَادَ بِالْأَيَّامِ مَا تُقْطَعُ فِيهَا الْمَرَاحِلُ الْمُعْتَادَةُ فَافْهَمْ.........

ثُمَّ إنَّ مِنْ الْفَجْرِ إلَى الزَّوَالِ فِي أَقْصَرِ أَيَّامِ السَّنَةِ فِي مِصْرَ وَمَا سَاوَاهَا فِي الْعَرْضِ سَبْعُ سَاعَاتٍ إلَّا رُبُعًا فَمَجْمُوعُ الثَّلَاثَةِ الْأَيَّامِ عِشْرُونَ سَاعَةً وَرُبُعٌ، وَيَخْتَلِفُ بِحَسَبِ اخْتِلَافِ الْبُلْدَانِ فِي الْعَرْضِ ح.

قُلْت:وَمَجْمُوعُ الثَّلَاثَةِ الْأَيَّامِ فِي دِمَشْقَ عِشْرُونَ سَاعَةً إِلَّا ثُلُثَ سَاعَةٍ تَقْرِيبًا لِأَنَّ مِنَ الْفَجْرِ إِلَى الزَّوَالِ فِي أَقْصَرِ الْأَيَّامِ عِنْدَنَا سِتُّ سَاعَاتٍ وَثُلُثَا سَاعَةٍ إِلَّا دَرَجَةً وَنِصْفًا، وَإِنْ اعْتُبِرَتْ ذَلِكَ بِالْأَيَّامِ الْمُعْتَدِلَةِ كَانَ مَجْمُوعُ الثَّلَاثَةِ أَيَّامٍ اثْنَيْنِ وَعِشْرِينَ سَاعَةً وَنِصْفَ سَاعَةٍ تَقْرِيبًا لِأَنَّ مِنَ الْفَجْرِ إِلَى الزَّوَالِ سَبْعُ سَاعَاتٍ وَنِصْفًا تَقْرِيبًا'' ترجمہ: نہایہ میں ہے کہ تین مراحل کے ساتھ تقدیر تین ایام کی تقدیر کے قریب ہے کیونکہ معتاد سیر (چلنے) میں ایک دن میں ایک مرحلہ ہوتا ہے خصوصاً سال کے سب سے چھوٹے دن میں، ایسا ہی مبسوط میں ہے اھ۔اور ایسا ہی ہے جو فتح القدیر میں ہے کہ ایک قول یہ ہے کہ اسے اکیس فرسخ کے ساتھ مقدر کیا گیا، ایک قول یہ ہے کہ اسے اٹھارہ فرسخ کے ساتھ مقدر کیا گیا اور ایک قول یہ ہے کہ اسے پندرہ فرسخ کے ساتھ مقدر کیا گیا اور جس نے بھی مقدر کیا اُس نے اِس اعتقاد کے ساتھ مقدر کیا کہ یہ تین دن کی مسافت ہے اھ۔یعنی شہروں کے اختلاف کی بنا پر، ہر قائل نے اس کے ساتھ مقدر کیا جو اس کے شہر میں سب سے چھوٹا دن تھا یا اس وجہ سے تقدیر میں فرق آیا کہ کسی نے چھوٹے دن کا اعتبار کیا، کسی نے طویل دن کا اور کسی نے معتدل دن کا۔بہر حال ہر قول پر ایام سے مراد وہ دن ہیں جن میں مراحل معتادہ قطع ہوں، اس بات کو سمجھو۔

پھر فجر سے زوال تک سب سے چھوٹا دن مصر میں اور ان جگہوں میں۔جو عرض میں اس کے مساوی ہیں پونے سات گھنٹے ہے، تو تین دنوں میں کل سوا بیس گھنٹے (یعنی بیس گھنٹے اور پندرہ منٹ) بنیں گے اور یہ مقدار عرض میں شہروں کے اختلاف سے مختلف بنے گی، ح۔

میں کہتا ہوں کہ دمشق میں تین دنوں کے سفر کا کل وقت تقریباً انیس گھنٹے اور چالیس منٹ بنیں گے، کیونکہ فجر سے زوال تک سب سے چھوٹا دن ہمارے ہاں (تقریباً) چھ گھنٹے اور چالیس منٹ سے کچھ کم ہوتا ہے اور اگر ایام معتدلہ کا اعتبار کریں تو تین دن کا کل وقت تقریباً ساڑھے بائیس گھنٹے بنے گا، کیونکہ فجر سے زوال تک تقریباً ساڑھے سات گھنٹے بنتے ہیں۔ (ردالمحتار علی الدر المختار، باب صلاۃ المسافر، ج2،ص123، دار الفکر، بیروت)

جد الممتار میں امام اہلسنت رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: والمعتاد المعهود في بلادنا ان كل مرحلة كوس، وقد جربت مرارا كثيرة بمواضع شهيرة أن الميل الرائج في بلادنا خمسة اثمان كوس

المیعتبر ھاھنا فاذا ضربت الاکواس فی ۸ وقسم الحاصل علی ۵ کانت امیالا فاذن امیال مرحلة واحدة ۱۹ ـ ۱/۵ و امیال مسیرة ثلاثه ایام ۵۷ ـ ۳/۵ اعنی ۶ ـ ۵۷ "ترجمہ: ہمارے بلاد میں معتاد و معہود یہ ہے کہ ہر منزل بارہ کوس کی ہوتی ہے، میں نے بار بار بکثرت مشہور جگہوں میں آزمایا ہے کہ اس وقت ہمارے بلاد میں جو میل رائج ہے وہ ۵/۸ کوس ہے جب کوسوں کو ۸ میں ضرب دیں اور حاصل ضرب کو ۵ پر تقسیم کریں تو حاصل قسمت میل ہوگا، اب ایک منزل ۱۹ ۱/۵ میل کی ہوئی اور تین دن کی مسافت، ۵۷ ۳/۵ میل یعنی ۵۸ میل۔

(جد الممتار، باب صلاۃ المسافر، ج 03، ص 562-563، مکتبۃ المدینہ)

نزھۃ القاری شرح صحیح البخاری میں مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمۃ تحریر فرماتے ہیں:

احناف کا صحیح مذہب یہ ہے کہ تین منزل کی دوری پر جانے کا قصد ہو تو وہ مسافر ہے مگر اب منزلیں ختم ہو گئیں، ہوائی جہاز پر سفر ہونے لگا اس لیے اس زمانے میں میلوں سے اس کی تعیین ضروری ہوئی، اعلحضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے مختلف منازل کے فاصلوں کو سامنے رکھ کر حساب لگایا تو اوسطا تین منزل کی مسافت ستاون میل ہوئی جو موجودہ اعشاریہ پیمانے سے بانوے کیلومیٹر ہے۔ "

(نزھۃ القاری شرح صحیح البخاری، ج 02، ص 654، فرید بک سٹال، لاہور)

ساڑھے ستاون میل اور بانوے کلومیٹر ہونے کی تفصیل

(۱) احناف کے نزدیک چار ہزار ذراع یعنی شرعی گز کا ایک میل شرعی ہوتا ہے، علامہ شامی فرماتے ہیں: "وَالْمِیلُ أَرْبَعَةُ آلَافِ ذِرَاعٍ" ترجمہ: میل چار ہزار ذراع کا ہوتا ہے۔

(رد المحتار علی الدر المختار، باب صلاۃ المسافر، ج 2، ص 123، دار الفکر، بیروت)

(۲) ذراع (شرعی گز) ڈیڑھ فٹ یعنی اٹھارہ انچ کا ہوتا ہے اور انگریزی گز تین فٹ یعنی 36 انچ کا ہوتا ہے، اور میٹر 40 انچ کا ہوتا ہے، اور ہزار (1000) میٹر کا ایک کلومیٹر ہوتا ہے۔

(۳) لہذا میل شرعی میں 72000 انچ اور ایک کلومیٹر میں 40000 انچ ہوئے۔

(۴) انگریزی میل میں 3520 شرعی گز ہوتے ہیں اور شرعی گز 18 انچ کا ہوتا ہے، اس طرح انگریزی میل کے 63360 انچ ہوئے۔

(۵) ایک میل انگریزی میں 63360 انچ ہیں، اس کو ہم نے ساڑھے ستاون میل انگریزی میں ضرب دی تو ہمارے پاس 3643200 انچ حاصل ہوئے، اب ان کو کلومیٹر میں تبدیل کرنے کے لیے ہم نے ایک کلومیٹر کے انچ 40000 پر تقسیم کیا تو ہمارے پاس 91.08 کلومیٹر حاصل ہوئے اور احتیاطاً 92 کلومیٹر آ گئے۔

(۶) اگر اس کے میل شرعی نکالنے ہوں تو میل انگریزی کے انچوں کو ایک میل شرعی کے انچ 72000 پر تقسیم کریں تو 50.6 میل شرعی بنیں گے۔

باب نمبر 386

مَا جَاءَ فِي كَمْ تُقْصَرُ الصَّلَاةُ

کتنی مدت پر نماز قصر کی جائے گی

548- حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ قَالَ: حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ أَبِي إِسْحَاقَ الْحَضْرَمِيُّ قَالَ: حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ، قَالَ: خَرَجْنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْمَدِينَةِ إِلَى مَكَّةَ فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ، قَالَ: قُلْتُ لِأَنَسٍ: كَمْ أَقَامَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَكَّةَ؟ قَالَ: عَشْرًا

حدیث: حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرمایا: ہم نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ مدینہ سے مکہ کی جانب نکلے تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دو رکعتیں ادا فرمائیں، یحییٰ بن ابواسحٰق الحضرمی کہتے ہیں کہ میں نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عرض کیا کہ نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مکہ میں کتنی دیر قیام فرمایا؟ تو انہوں نے فرمایا: دس (10) دن۔

وَفِي الْبَابِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، وَجَابِرٍ

اور اس باب میں حضرت عبد اللہ بن عباس اور حضرت جابر رضی اللہ عنہما سے بھی روایات مروی ہیں۔

قَالَ ابوعِيسَى: حَدِيثُ أَنَسٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ. وَقَدْ رُوِيَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ أَقَامَ فِي بَعْضِ أَسْفَارِهِ تِسْعَ عَشْرَةَ يُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ. قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: فَنَحْنُ إِذَا أَقَمْنَا مَا بَيْنَنَا وَبَيْنَ تِسْعَ عَشْرَةَ، صَلَّيْنَا رَكْعَتَيْنِ، وَإِنْ زِدْنَا عَلَى ذَلِكَ أَتْمَمْنَا الصَّلَاةَ. وَرُوِيَ عَنْ عَلِيٍّ، أَنَّهُ قَالَ: مَنْ أَقَامَ عَشَرَةَ أَيَّامٍ أَتَمَّ الصَّلَاةَ وَرُوِيَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ، أَنَّهُ قَالَ: مَنْ أَقَامَ خَمْسَةَ عَشَرَ يَوْمًا أَتَمَّ الصَّلَاةَ، وَرُوِيَ عَنْهُ ثِنْتَيْ عَشْرَةَ وَرُوِيَ عَنْهُ دَاوُدُ بْنُ أَبِي هِنْدٍ خِلَافَ هَذَا.

امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں: حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث حسن صحیح ہے۔

اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے وہ نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے بعض اسفار میں نو دن قیام فرمایا تو دو رکعات ادا فرمائیں۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: تو جب ہم انیس دن قیام کرتے تو ہم دو رکعات ادا کرتے اور اگر اس پر ہم زیادتی کرتے تو ہم نماز کو مکمل کرتے۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا: جو دس دن قیام کرے تو وہ نماز کو مکمل کرے۔ اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا: ''جو پندرہ

سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيِّبِ، أَنَّهُ قَالَ: إِذَا أَقَامَ أَرْبَعًا صَلَّى أَرْبَعًا، وَرَوَى عَنْهُ ذَلِكَ قَتَادَةُ، وَعَطَاءٌ الْخُرَاسَانِيُّ، وَاخْتَلَفَ أَهْلُ الْعِلْمِ بَعْدُ فِي ذَلِكَ، فَأَمَّا سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ، وَأَهْلُ الْكُوفَةِ فَذَهَبُوا إِلَى تَوْقِيتِ خَمْسَ عَشْرَةَ، وَقَالُوا: إِذَا أَجْمَعَ عَلَى إِقَامَةِ خَمْسَ عَشْرَةَ أَتَمَّ الصَّلَاةَ. وَقَالَ الْأَوْزَاعِيُّ: إِذَا أَجْمَعَ عَلَى إِقَامَةِ ثِنْتَيْ عَشْرَةَ أَتَمَّ الصَّلَاةَ وَقَالَ مَالِكٌ، وَالشَّافِعِيُّ، وَأَحْمَدُ: إِذَا أَجْمَعَ عَلَى إِقَامَةِ أَرْبَعَةٍ أَتَمَّ الصَّلَاةَ. وَأَمَّا إِسْحَاقُ فَرَأَى أَقْوَى الْمَذَاهِبِ فِيهِ حَدِيثَ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: لِأَنَّهُ رَوَى عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، ثُمَّ تَأَوَّلَهُ بَعْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، إِذَا أَجْمَعَ عَلَى إِقَامَةِ تِسْعَ عَشْرَةَ أَتَمَّ الصَّلَاةَ. ثُمَّ أَجْمَعَ أَهْلُ الْعِلْمِ عَلَى أَنَّ الْمُسَافِرَ يَقْصُرُ مَا لَمْ يُجْمِعْ إِقَامَةً، وَإِنْ أَتَى عَلَيْهِ سِنُونَ

دن قیام کرے تو وہ نماز کو مکمل کرے۔'' اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے بارہ دن بھی مروی ہے۔ اور حضرت سعید بن مسیّب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا: جب وہ چار دن قیام کرے تو وہ چار رکعات ادا کرے۔ اور ان سے یہ بات قتادہ اور عطا خراسانی رضی اللہ عنہما نے روایت کی ہے اور داؤد بن ابو ہند نے ان سے اس کا خلاف روایت کیا ہے۔ اور اہلِ علم نے بعد میں اس بارے میں اختلاف کیا ہے بہر حال امام سفیان ثوری اور اہلِ کوفہ نے تو پندرہ دن کی مدت کا موقف اختیار کیا ہے اور فرمایا کہ جب وہ پندرہ دن اقامت کی پکی نیت کر لے تو وہ نماز کو مکمل کرے۔ اور اوزاعی کہتے ہیں: جب وہ بارہ دن اقامت کی نیت کر لے تو وہ نماز کو مکمل کرے۔ اور امام مالک، امام شافعی اور امام احمد رحمہم اللہ فرماتے ہیں: جب وہ چار دن کی اقامت کی نیت کرے تو وہ نماز کو مکمل کرے۔ بہر حال امام اسحٰق نے اس بارے میں اقوی المذاہب حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث کو قرار دیا، فرمایا: کیونکہ انہوں نے نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کی پھر نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس کی تاویل کی کہ جب وہ انیس دن کی نیت کرے تو وہ نماز کو مکمل کرے پھر اہلِ علم کا اس بات پر اجماع ہے کہ بے شک مسافر قصر کرے گا جب تک وہ اقامت کی نیت نہ کرے اگرچہ اس پر سالوں گزر جائیں۔

549- حَدَّثَنَا هَنَّادٌ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ، عَنْ عَاصِمٍ الْأَحْوَلِ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: سَافَرَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَفَرًا، فَصَلَّى تِسْعَةَ عَشَرَ يَوْمًا رَكْعَتَيْنِ رَكْعَتَيْنِ، قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: فَنَحْنُ نُصَلِّي فِيمَا بَيْنَنَا وَبَيْنَ تِسْعَ عَشْرَةَ رَكْعَتَيْنِ رَكْعَتَيْنِ، فَإِذَا أَقَمْنَا أَكْثَرَ مِنْ ذَلِكَ صَلَّيْنَا

حدیث: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر فرمایا تو انیس

أَرْبَعًا ،قال ابو عیسی: ہٰذَا حَدِیثٌ غَرِیبٌ حَسَنٌ صَحِیح

دن دو دو رکعات ادا فرمائیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: تو ہم انیس دن قیام کی صورت میں دو دو رکعتیں نماز پڑھا کرتے تھے تو جب اس سے زیادہ قیام کرتے تو چار رکعت ادا کرتے۔

امام ابو عیسیٰ ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ حدیث غریب حسن صحیح ہے۔

مسافر کتنے دن اقامت میں مکمل نماز پڑھے گا

مالکیہ کا موقف

علامہ ابوعمر یوسف ابن عبدالبر مالکی (متوفی 463ھ) فرماتے ہیں:

"مسافر نے اگر چار دن اقامت کی نیت کر لی تو نماز مکمل پڑھے گا۔"

(الکافی فی فقہ اہل المدینہ، باب صلاۃ المسافر، ج1، ص245، مکتبۃ الریاض الحدیثۃ، ریاض)

شوافع کا موقف

علامہ ابراہیم بن علی بن یوسف شیرازی شافعی (متوفی 476ھ) فرماتے ہیں:

"اگر مسافر نے یومِ دخول اور یومِ خروج کے علاوہ چار دن اقامت کی نیت کر لی تو مقیم ہو جائے گا اور اس سے سفر کی رخصتیں منقطع ہو جائیں گی، کیونکہ تین دن کے ساتھ مقیم نہیں بنتا، کیونکہ مہاجرین پر مکہ مکرمہ میں اقامت رکھنا حرام تھا، پھر نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں تین دن ٹھہرنے کی رخصت عطا فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: مہاجر حج کی ادائیگی کے بعد تین دن تک ٹھہرے۔

اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہودیوں کو حجاز مقدس سے نکالا، پھر ان میں سے جو تاجر بن کر آئے انہیں تین دن ٹھہرنے کی اجازت دی۔"

(المہذب فی فقہ الامام الشافعی، باب صلاۃ المسافر، ج1، ص195، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

حنابلہ کا موقف

علامہ عبدالرحمٰن بن محمد بن احمد ابن قدامہ حنبلی (متوفی 682ھ) فرماتے ہیں:

(جب مسافر نے اکیس نمازوں سے زیادہ کسی شہر میں اقامت کی نیت کر لی تو مکمل نماز ادا کرے گا، اس سے کم کی نیت ہو تو قصر پڑھے گا) امام احمد بن حنبل سے یہی مشہور ہے کہ وہ مدت جس سے مسافر پر نماز کو مکمل کرنا لازم ہوتا ہے وہ اکیس نمازوں سے زیادہ کی نیت کرنا ہے۔ اسے اثرم وغیرہ نے روایت کیا ہے، اسی کا ذکر کرخی نے کیا ہے۔ امام احمد سے ایک روایت یہ ہے کہ اگر چار دن سے زیادہ کی نیت کر لی تو نماز مکمل کرے گا۔ یہ ابوخطاب اور ابن عقیل کی روایت

ہے۔اور امام احمد سے ایک روایت یہ ہے کہ جب چار دن ٹھہرنے کی نیت کرلے تو مکمل پڑھے۔

(الشرح الکبیر علی متن المقنع،اذا نوی الاقامۃ ببلد الخ،ج2،ص108،مطبوعہ دار الکتاب العربی للنشر والتوزیع)

احناف کا مؤقف

علامہ ابو بکر بن مسعود کاسانی حنفی (متوفی 587ھ) فرماتے ہیں:

"ہمارے نزدیک مدت اقامت کم از کم پندرہ دن ہے،امام مالک اور امام شافعی نے فرمایا: اقامت کی کم از کم مدت چار دن ہے،ان کی دلیل یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مہاجرین کو حج ادا کرنے کے بعد مکہ میں تین دن اقامت کی رخصت عطا فرمائی۔یہ اس طرف اشارہ ہے کہ تین دنوں سے زیادت حکمِ اقامت کو ثابت کرتی ہے۔

ہماری دلیل وہ ہے جو حضرت ابن عباس اور حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی ہے،یہ دونوں حضرات فرماتے ہیں: ((إِذَا دَخَلْتَ بَلْدَةً وَأَنْتَ مُسَافِرٌ وَفِي عَزْمِكَ أَنْ تُقِيمَ بِهَا خَمْسَةَ عَشَرَ يَوْمًا فَأَكْمِلِ الصَّلَاةَ وَإِنْ كُنْتَ لَا تَدْرِي مَتَى تَظْعَنُ فَأَقْصِرْ)) ترجمہ: جب تو کسی شہر میں مسافرت کی حالت میں داخل ہو اور تمہارا ارادہ یہ ہو کہ تم نے اس شہر میں پندرہ دن قیام کرنا ہے تو نماز کو مکمل کرو اور اگر تم روانگی کے بارے میں نہ جانتے ہو تو قصر کرو۔

یہ ایسا باب ہے جس میں اجتہاد کے ساتھ کلام نہیں ہوسکتا کیونکہ یہ من جملہ مقادیر سے ہے اور ان دونوں حضرات سے گمان نہیں کیا جاسکتا کہ یہ حضرات اس طرح کے معاملہ میں اندازے اور اٹکل سے کلام کریں،تو ظاہر یہ ہے کہ ان کا یہ فرمانا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سن کر ہے۔

اور حضرت عبد اللہ ابن عباس،حضرت جابر اور حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے اصحاب کے ساتھ مکہ مکرمہ میں ذی الحجہ کی چار تاریخ کو داخل ہوئے اور اس دن ٹھہرے،اور پانچ،چھ،سات تاریخ کو ٹھہرے،جب آٹھ ذی الحجہ کی صبح ہوئی اور یہ یوم ترویہ تھا تو منیٰ کی طرف روانہ ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کو دو رکعتیں پڑھائیں حالانکہ وہ چار دن ٹھہر چکے تھے،یہ اس بات پر دلالت ہے کہ چار دن کی تقدیر درست نہیں۔

اور وہ جو مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حج کرنے کے بعد مہاجرین کو تین دن ٹھہرنے کی اجازت عطا فرمائی، اس میں چار دن ادنی مدت اقامت ہونے پر کوئی دلیل نہیں کیونکہ اس میں یہ بھی احتمال ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ جانتے ہوئے کہ ان کی حاجت اتنے دنوں میں پوری ہو جائے گی اتنے دن ٹھہرنے کی رخصت عطا فرمائی، نہ کہ مدتِ اقامت کی تقدیر کے لیے۔" (بدائع الصنائع، فصل بیان مایصیر المسافر بہ مقیما، ج1، ص97، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

باب نمبر 387

مَا جَاءَ فِي التَّطَوُّعِ فِي السَّفَرِ

سفر میں نفل پڑھنا

550۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ قَالَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ بْنُ سَعْدٍ، عَنْ صَفْوَانَ بْنِ سُلَيْمٍ، عَنْ أَبِي بُسْرَةَ الْغِفَارِيِّ، عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ، قَالَ: صَحِبْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَمَانِيَةَ عَشَرَ سَفَرًا، فَمَا رَأَيْتُهُ تَرَكَ الرَّكْعَتَيْنِ إِذَا زَاغَتِ الشَّمْسُ قَبْلَ الظُّهْرِ وَفِي الْبَابِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قال ابوعيسىٰ: حَدِيثُ الْبَرَاءِ حَدِيثٌ غَرِيبٌ وَسَأَلْتُ مُحَمَّدًا عَنْهُ فَلَمْ يَعْرِفْهُ، إِلَّا مِنْ حَدِيثِ اللَّيْثِ بْنِ سَعْدٍ، وَلَمْ يَعْرِفِ اسْمَ أَبِي بُسْرَةَ الْغِفَارِيِّ وَرَآهُ حَسَنًا

وَرُوِيَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ لَا يَتَطَوَّعُ فِي السَّفَرِ قَبْلَ الصَّلَاةِ وَلَا بَعْدَهَا

وَرُوِيَ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ كَانَ يَتَطَوَّعُ فِي السَّفَرِ ثُمَّ اخْتَلَفَ أَهْلُ الْعِلْمِ بَعْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَرَأَى بَعْضُ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَنْ يَتَطَوَّعَ الرَّجُلُ فِي السَّفَرِ، وَبِهِ يَقُولُ أَحْمَدُ، وَإِسْحَاقُ وَلَمْ تَرَ طَائِفَةٌ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ أَنْ

حدیث: حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرمایا: میں نے سفر میں اٹھارہ دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت پائی تو میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ظہر سے قبل سورج ڈھلنے کے بعد دو رکعتیں ترک کرتے نہیں دیکھا۔

اس باب میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی روایت مروی ہے۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں: حضرت براء رضی اللہ عنہ کی حدیث غریب ہے اور میں نے امام محمد بخاری رحمہ اللہ سے ان کے بارے میں پوچھا تو وہ انہیں صرف لیث بن سعد کی حدیث سے ہی جانتے تھے اور وہ ابوبسرہ غفاری کے نام سے واقف نہ تھے اور وہ اسے حسن سمجھتے تھے۔

اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ”بے شک نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں نماز سے قبل و بعد نفل نہیں پڑھا کرتے تھے۔“

اور انہیں سے مروی ہے وہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ ”آپ صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں نفل پڑھا کرتے تھے۔“ پھر نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اہلِ علم کا اختلاف ہے تو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض اصحاب رضی اللہ عنہم کی رائے یہ ہے کہ آدمی سفر میں نفل پڑھے اور امام احمد اور امام

يُصَلِّي قَبْلَهَا وَ لَا بَعْدَهَا، وَمَعْنَى مَنْ لَمْ يَتَطَوَّعْ فِي السَّفَرِ قَبُولُ الرُّخْصَةِ، وَمَنْ تَطَوَّعَ فَلَهُ فِي ذَلِكَ فَضْلٌ كَثِيرٌ، وَ هُوَ قَوْلُ أَكْثَرِ أَهْلِ العِلْمِ يَخْتَارُونَ التَّطَوُّعَ فِي السَّفَرِ

اسحٰق بھی اسی بات کے قائل ہیں۔ اور اہلِ علم کا ایک گروہ اس بات کی رائے نہیں رکھتا کہ کوئی شخص اس سے قبل اور بعد نماز پڑھے اور سفر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نفل نہ پڑھنے کا معنی رخصت کا قبول کرنا ہے اور جو نفل پڑھے تو اس کے لئے اس میں بڑا فضل ہے اور یہ اکثر اہلِ علم کا قول ہے وہ سفر میں نفل پڑھنے کو اختیار کرتے ہیں۔

551- حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ قَالَ: حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ غِيَاثٍ، عَنِ الحَجَّاجِ، عَنْ عَطِيَّةَ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الظُّهْرَ فِي السَّفَرِ رَكْعَتَيْنِ وَبَعْدَهَا رَكْعَتَيْنِ ،قال ابوعيسى: هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ ، وَقَدْ رَوَاهُ ابْنُ أَبِي لَيْلَى، عَنْ عَطِيَّةَ، وَنَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ

حدیث: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرمایا: میں نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں ظہر کی نماز دو رکعات اور دو رکعات اس کے بعد ادا کیں۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں: یہ حدیث حسن ہے۔ اور اس حدیث کو ابن ابی لیلیٰ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے بواسطہ عطیہ اور نافع روایت کیا۔

552- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عُبَيْدٍ المُحَارِبِيُّ قَالَ: حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ هَاشِمٍ، عَنِ ابْنِ أَبِي لَيْلَى، عَنْ عَطِيَّةَ، وَنَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الحَضَرِ وَالسَّفَرِ، فَصَلَّيْتُ مَعَهُ فِي الحَضَرِ الظُّهْرَ أَرْبَعًا وَبَعْدَهَا رَكْعَتَيْنِ، وَصَلَّيْتُ مَعَهُ فِي السَّفَرِ الظُّهْرَ رَكْعَتَيْنِ وَبَعْدَهَا رَكْعَتَيْنِ، وَالعَصْرَ رَكْعَتَيْنِ وَلَمْ يُصَلِّ بَعْدَهَا شَيْئًا، وَالمَغْرِبَ فِي الحَضَرِ وَالسَّفَرِ سَوَاءً، ثَلَاثَ رَكَعَاتٍ، لَا يَنْقُصُ فِي حَضَرٍ وَلَا سَفَرٍ، وَهِيَ وِتْرُ النَّهَارِ، وَبَعْدَهَا رَكْعَتَيْنِ: هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ سَمِعْتُ مُحَمَّدًا، يَقُولُ: مَا رَوَى ابْنُ

حدیث: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرمایا: میں نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر و حضر میں نماز ادا کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حالتِ حضر میں ظہر کی چار رکعات ادا کیں اور اس کے بعد دو رکعت ادا کیں اور حالتِ سفر میں ظہر کی دو رکعت ادا کیں اور اس کے بعد دو رکعتیں اور عصر کی دو رکعات ادا کیں اور اس کے بعد کوئی نماز نہیں پڑھی اور مغرب کی نماز حضر و سفر میں تین رکعات ہی ادا کیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس نماز میں سفر میں کوئی کمی کرتے نہ حضر میں اور وہ دن کے وتر ہیں اور اس کے بعد دو رکعات ادا کیں۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں: یہ حدیث حسن ہے۔ میں نے محمد بخاری کو فرماتے ہوئے سنا کہ "ابن ابی لیلیٰ کی

أَبِي لَيْلَى حَدِيثًا أَعْجَبَ إِلَيَّ مِنْ هٰذَا، وَلَا أَرْوِي عَنْهُ شَيْئًا

روایت کردہ حدیث میرے نزدیک اس حدیث سے زیادہ پسندیدہ ہے اور میں ان سے کوئی شے روایت نہیں کرتا۔"

شرح حدیث

بعض روایات میں دورانِ سفر سنن پڑھنے اور بعض میں نہ پڑھنے کا ذکر ہے تو ان میں تطبیق اس طرح ہے کہ جب منزل میں پہنچ جائے تو پڑھے اور راستے میں ہے تو اجازت ہے کہ نہ پڑھے۔

(مرقاۃ شرح مشکاۃ ملخصاً، باب صلاۃ السفر، ج3،ص1003،دار الفکر،بیروت)

اسی طرح یوں بھی تطبیق ہو سکتی ہے کہ امن واطمینان کی حالت میں پڑھے اور خوف واضطراری کی حالت میں نہ پڑھے۔

سفر میں سنتیں ونوافل پڑھنے کے بارے میں مذاہب

احناف کا موقف

فتاوی ہندیہ میں ہے:

"سنّتوں میں قصر نہیں ایسا ہی محیط سرخسی میں ہے اور بعض نے مسافر کے لیے ترکِ سنن کی اجازت دی ہے، اور مختار یہ ہے کہ خوف کی حالت میں معاف ہیں اور امن کی حالت میں پڑھے۔

(فتاوی ہندیہ، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ المسافر، ج1،ص139)

جامع ترمذی میں ہے: ((عَنْ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَتَطَوَّعُ فِي السَّفَرِ قَبْلَ الصَّلَاةِ وَبَعْدَهَا)) ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سفر میں نماز سے قبل اور بعد نفل پڑھا کرتے تھے۔ (جامع ترمذی، باب التقصیر فی السفر، ج2،ص428،مطبعہ مصطفیٰ البابی، مصر)

علامہ کاسانی فرماتے ہیں:

"اور جو بعض صحابہ (حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما) سے مروی ہے کہ: ((لَوْ أُتِيتَ بِالسُّنَنِ فِي السَّفَرِ لَأَتْمَمْتُ الْفَرِيضَةَ)) (اگر میں اس سے قبل اور بعد نماز پڑھتا تو میں فرائض کو مکمل ہی کر لیتا۔) یہ ہمارے نزدیک ایسی

حالتِ خوف پر محمول ہے کہ جس کے ساتھ ادائے سنن کے لیے ٹھہرنا ممکن نہ ہو۔"

(بدائع الصنائع، فصل فی صلاۃ المسافر، ج1، ص93، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

شوافع کا مؤقف

علامہ رویانی ابو المحاسن عبد الواحد بن اسماعیل شافعی (متوفی 502ھ) فرماتے ہیں:

"سفر میں نفل پڑھنا مستحب ہے، امام شافعی نے "کتاب الأم" میں فرمایا: مسافر نوافل کے معاملہ میں مقیم کی طرح ہے۔ اسلاف میں سے بعض اہل علم نے کہا کہ قصر کرنے والے کے لیے نفل پڑھنا مکروہ ہے کیونکہ جب اس نے فرض کا بعض حصہ ساقط کر دیا تو نفل نماز نہیں پڑھے گا، اور حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سفر میں نماز سے پہلے اور نماز کے بعد نفل نہیں پڑھتے تھے۔ یہ غلط ہے، کیونکہ حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں: ((صحبت رسول الله صلى الله عليه وسلم ثمانية عشر سفراً فما رأيته ترك الركعتين إذا زاغت الشمس قبل الظهر)) ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اٹھارہ سفروں میں صحبت پائی تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ظہر سے پہلے زوالِ شمس کے وقت دو رکعتوں کو ترک فرماتے نہ دیکھا۔

عطیہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا، فرماتے ہیں: ((صليت مع النبي صلى الله عليه وسلم في السفر ركعتين وبعدها ركعتين)) ترجمہ: میں نے سفر میں نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ دو رکعتیں پڑھیں اور اس کے بعد دو رکعتیں پڑھیں۔

اور مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سفر میں سواری پر نفل نماز ادا فرماتے تھے۔

اور مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مکہ میں فتحِ مکہ کے سال ہوازن کے ساتھ جنگ والے ایام میں ظہر سے پہلے دو رکعتیں ادا فرمائیں۔ اور ایک روایت میں چار رکعتیں ادا فرمائیں۔"

(بحر المذہب للرویانی، باب صلاۃ المسافر، ج2، ص342، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

حنابلہ کا مؤقف

علامہ عبد الرحمٰن بن محمد بن احمد ابن قدامہ مقدسی حنبلی (متوفی 682ھ) فرماتے ہیں:

"سفر میں نفل نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں چاہے ٹھہرا ہوا ہو یا سواری پر اس کا سفر جاری ہو کیونکہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ:((عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یسبح علی ظھر راحلتہ حیث کان وجھہ یومء برأسہ)) ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جانور کی پیٹھ پر نفل نماز پڑھتے تھے جدھر بھی چہرہ ہوتا تھا اور سر مبارک سے اشارہ فرماتے تھے۔

اسی طرح کا حضرت جابر اور حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی مروی ہے۔ متفق علیہ۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے:((ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کان یتطوع فی السفر)) ترجمہ: نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سفر میں نفل نماز پڑھا کرتے تھے۔ رواہ سعید۔"

(الشرح الکبیر علی متن المقنع، ولا بأس بالتطوع فی السفر الخ، ج2، ص112، دار الکتاب العربی للنشر التوزیع)

مزید فرماتے ہیں:

"سفر میں فرائض سے پہلے اور بعد کے نوافل اور سنن ادا کرنے کے بارے میں، امام احمد نے فرمایا کہ مجھے امید ہے کہ سفر میں نوافل پڑھنے میں کوئی حرج نہیں، یہی بات حضرت عمر، حضرت علی، حضرت ابن مسعود، حضرت جابر، حضرت ابن عباس، حضرت ابوذر اور تابعین کی ایک جماعت سے مروی ہے اور یہی امام مالک، شافعی، اسحاق اور ابن المنذر کا قول ہے......

ہماری دلیل حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے، فرماتے ہیں:((فرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلاۃ الحضر فکنا نصلی قبلھا وبعدھا وکنا نصلی فی السفر قبلھا وبعدھا)) ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اقامت کی نماز فرض فرمائی تو ہم فرض نماز سے پہلے اور بعد میں نماز پڑھتے تھے اور ہم سفر میں (بھی) فرض نماز سے پہلے اور بعد میں نماز پڑھتے تھے۔ اسے ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔

حضرت حسن نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اصحاب سفر کرتے تھے اور فرض نماز سے پہلے اور بعد میں نوافل پڑھتے تھے۔ اور حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں:((صحبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثمانیۃ عشر سفراً فما رأیتہ ترک رکعتین إذا زاغت الشمس قبل الظھر)) ترجمہ: میں نے

اٹھارہ (18) سفروں میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صحبت پائی ہے، میں نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نمازِ ظہر سے پہلے زوالِ شمس کے وقت دو رکعتیں ترک کرتے نہیں دیکھا۔ اسے امام ابوداؤد نے روایت کیا ہے۔ یہ روایات دلالت اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ سفر میں سنن و نوافل پڑھنے میں حرج نہیں۔"

(الشرح الکبیر علی متن المقنع، ولا بأس بالتطوع فی السفر الخ، ج2، ص112، دار الکتاب العربی للنشر التوزیع)

مالکیہ کا مؤقف

علامہ ابوبکر بن محمد بن عبداللہ تمیمی مالکی (متوفی 451ھ) فرماتے ہیں:

"امام مالک نے فرمایا: مسافر کو اجازت ہے کہ وہ دن یا رات میں جانور پر نفل پڑھے جبکہ سفر ایسا ہو جس میں قصر نماز پڑھی جاتی ہو اور روزہ افطار کرنے کی اجازت ہوتی ہے، اور مسافر کو اس بات کی بھی اجازت ہے کہ دن اور رات میں زمین پر نفل نماز پڑھے اس سفر میں جس کی مثل میں نماز قصر کی جاتی ہے۔

امام مالک نے اس مؤقف کو اختیار نہیں کیا جو حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ وہ دورانِ سفر دن میں زمین پر نفل نہیں پڑھتے تھے اور فرماتے: اگر میں نفل پڑھتا تو فرض نماز ہی کو مکمل کر لیتا اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صحبت پائی ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سفر میں دو رکعتوں سے زیادہ نماز ادا نہیں فرمائی یہاں تک کہ وصال فرمایا۔

امام مالک کے قول کی وجہ یہ ہے کہ نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سفر میں نفل نماز کو ترک کرنا مسافر پر سفر کی مشقت سے تخفیف کے طور پر تھا جیسا کہ مسافر کے لیے روزہ چھوڑنے کی تخفیف۔ لہٰذا جب اس نے نفل نماز کا ارادہ کیا تو اسے اس کی اجازت ہے، جیسا کہ مسافر کو روزہ رکھنے کی اجازت ہوتی ہے۔"

(الجامع لمسائل المدونۃ، فی صلاۃ المریض الخ، ج2، ص535، دار الفکر للطباعۃ والنشر والتوزیع)

باب نمبر 388

مَا جَاءَ فِی الْجَمْعِ بَیْنَ الصَّلَاتَیْنِ

دونمازوں کو جمع کرنا

553۔حَدَّثَنَا قُتَیْبَةُ قَالَ:حَدَّثَنَا اللَّیْثُ بْنُ سَعْدٍ، عَنْ یَزِیدَ بْنِ أَبِی حَبِیبٍ، عَنْ أَبِی الطُّفَیْلِ، عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ، أَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ كَانَ فِی غَزْوَةِ تَبُوكَ، إِذَا ارْتَحَلَ قَبْلَ زَیْغِ الشَّمْسِ أَخَّرَ الظُّهْرَ إِلَى أَنْ یَجْمَعَهَا إِلَى الْعَصْرِ فَیُصَلِّیَهُمَا جَمِیعًا، وَإِذَا ارْتَحَلَ بَعْدَ زَیْغِ الشَّمْسِ عَجَّلَ الْعَصْرَ إِلَى الظُّهْرِ وَصَلَّى الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ جَمِیعًا ثُمَّ سَارَ، وَكَانَ إِذَا ارْتَحَلَ قَبْلَ الْمَغْرِبِ أَخَّرَ الْمَغْرِبَ حَتَّى یُصَلِّیَهَا مَعَ الْعِشَاءِ، وَإِذَا ارْتَحَلَ بَعْدَ الْمَغْرِبِ عَجَّلَ الْعِشَاءَ فَصَلَّاهَا مَعَ الْمَغْرِبِ وَفِی الْبَابِ عَنْ عَلِیٍّ، وَابْنِ عُمَرَ، وَأَنَسٍ، وَعَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو، وَعَائِشَةَ، وَابْنِ عَبَّاسٍ، وَأُسَامَةَ بْنِ زَیْدٍ، وَجَابِرٍ، وَرَوَى عَلِیُّ بْنُ الْمَدِینِیِّ، عَنْ أَحْمَدَ بْنِ حَنْبَلٍ، عَنْ قُتَیْبَةَ، ہٰذَا الْحَدِیثَ

حدیث: حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ”بے شک نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ تبوک میں تھے تو جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورج کے زوال سے قبل کوچ کرتے تو ظہر کو مؤخر کرتے حتیٰ کہ اسے عصر کے ساتھ جمع کر کے دونوں کو اکٹھا ادا فرماتے اور جب زوال شمس کے بعد کوچ کرتے تو عصر کی نماز کی جانب ظہر تعجیل فرماتے اور ظہر وعصر کو اکٹھا ادا فرماتے پھر سفر فرماتے اور جب مغرب سے قبل کوچ فرماتے تو مغرب کو مؤخر فرماتے حتیٰ کہ اسے عشاء کے ساتھ ادا فرماتے اور جب مغرب کے بعد کوچ فرماتے تو عشاء میں جلدی کرتے تو اسے مغرب کے ساتھ ادا فرماتے۔

اور اس باب میں حضرت علی، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت انس، حضرت عبداللہ بن عمرو، حضرت عائشہ، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت اسامہ بن زید اور حضرت جابر رضی اللہ عنہم سے بھی روایات مروی ہیں۔

اور علی بن مدینی نے احمد بن حنبل سے انہوں نے قتیبہ سے اس حدیث کو روایت کیا۔

554۔حَدَّثَنَا عَبْدُ الصَّمَدِ بْنُ سُلَیْمَانَ قَالَ:حَدَّثَنَا زَكَرِیَّا اللُّؤْلُؤِیُّ قَالَ:حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرٍ الْأَعْیَنُ قَالَ:حَدَّثَنَا عَلِیُّ بْنُ الْمَدِینِیِّ قَالَ:حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ قَالَ:حَدَّثَنَا قُتَیْبَةُ بِہٰذَا

حدیث: عبدالصمد بن سلیمان نے اس حدیث کو قتیبہ سے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں: حضرت معاذ رضی

قال ابوعیسیٰ: وَحَدِيثُ مُعَاذٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ، تَفَرَّدَ بِهِ قُتَيْبَةُ لَا نَعْرِفُ أَحَدًا رَوَاهُ عَنِ اللَّيْثِ غَيْرَهُ وَحَدِيثُ اللَّيْثِ، عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي حَبِيبٍ، عَنْ أَبِي الطُّفَيْلِ، عَنْ مُعَاذٍ حَدِيثٌ غَرِيبٌ وَالمَعْرُوفُ عِنْدَ أَهْلِ العِلْمِ حَدِيثُ مُعَاذٍ، مِنْ حَدِيثِ أَبِي الزُّبَيْرِ، عَنْ أَبِي الطُّفَيْلِ، عَنْ مُعَاذٍ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَمَعَ فِي غَزْوَةِ تَبُوكَ بَيْنَ الظُّهْرِ وَالعَصْرِ، وَبَيْنَ المَغْرِبِ وَالعِشَاءِ، رَوَاهُ قُرَّةُ بْنُ خَالِدٍ، وَسُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ، وَمَالِكٌ، وَغَيْرُ وَاحِدٍ، عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ المَكِّيِّ، وَبِهَذَا الحَدِيثِ يَقُولُ الشَّافِعِيُّ، وَأَحْمَدُ، وَإِسْحَاقُ، يَقُولَانِ: لَا بَأْسَ أَنْ يَجْمَعَ بَيْنَ الصَّلَاتَيْنِ فِي السَّفَرِ فِي وَقْتِ إِحْدَاهُمَا

اللہ عنہ کی حدیث حسن غریب ہے۔قتیبہ اس حدیث میں متفرد ہیں ہم کسی کو بھی نہیں جانتے کہ جنہوں نے ان کے علاوہ لیث سے اس حدیث کو روایت کیا ہو۔اور لیث کی حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے بواسطہ یزید بن ابو حبیب، ابوالطفیل روایت کردہ حدیث غریب ہے اور اہلِ علم کے ہاں ابو الزبیر کی حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے بواسطہ ابو الطفیل روایت کردہ حدیث معروف ہے کہ ”بے شک نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ تبوک میں ظہر اور عصر اور مغرب اور عشاء کو جمع فرمایا۔“

اس حدیث کو قرۃ بن خالد، سفیان ثوری، مالک اور بہت سے محدثین نے ابوالزبیر مکی سے روایت کیا ہے اور امام شافعی اسی حدیث کے قائل ہیں اور امام احمد اور اسحٰق دونوں حضرات فرماتے ہیں: سفر میں دو نمازوں کو ان میں سے ایک وقت میں جمع کرنے میں کوئی مسئلہ نہیں ہے۔

555- حَدَّثَنَا هَنَّادٌ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدَةُ بْنُ سُلَيْمَانَ، عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، أَنَّهُ اسْتُغِيثَ عَلَى بَعْضِ أَهْلِهِ، فَجَدَّ بِهِ السَّيْرُ، فَأَخَّرَ المَغْرِبَ حَتَّى غَابَ الشَّفَقُ، ثُمَّ نَزَلَ فَجَمَعَ بَيْنَهُمَا، ثُمَّ أَخْبَرَهُمْ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَفْعَلُ ذَلِكَ إِذَا جَدَّ بِهِ السَّيْرُ

حدیث: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ان سے ان کے بعض اہل کے حوالے سے مدد مانگی گئی تو انہوں نے سفر میں جلدی کی تو مغرب کو مؤخر کیا حتی کہ شفق غروب ہوگئی پھر اترے تو ان دونوں نمازوں کو جمع فرمایا، پھر خبر دی کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب سفر میں جلدی ہوتی تو یوں کیا کرتے تھے۔

قال ابوعیسیٰ: وَهَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

شرح حدیث

احناف کے نزدیک سفر کی وجہ سے دو نمازوں کو ایک وقت میں جمع کرنا جائز نہیں، اور جو احادیث میں دو نمازوں کو جمع کرنے کا ذکر ہے اس سے مراد جمع فعلی ہے جسے جمع صوری بھی کہتے ہیں کہ ہر نماز اپنے وقت میں واقع ہو مگر ادا میں مل جائیں جیسے ظہر اپنے آخر وقت میں پڑھی کہ اس کے ختم پر وقتِ عصر آ گیا اب فوراً عصر اوّل وقت پڑھ لی، ہوئیں تو دونوں اپنے اپنے وقت میں اور فعلاً وصورۃً مل گئیں۔ اسی طرح مغرب میں دیر کی یہاں تک کہ شفق ڈوبنے پر آئی اُس وقت پڑھی ادھر فارغ ہوئے کہ شفق ڈوب گئی عشاء کا وقت ہو گیا وہ پڑھ لی۔ ایسا ملانا مرض کے عذر اور سفر کی ضرورت کی وجہ سے بلاشبہہ جائز ہے۔

سفر میں دو نمازوں کو جمع کرنے کے بارے میں مذاہب اربعہ

شوافع کا مؤقف

علامہ احمد بن محمد ابن المحاملی شافعی (متوفی 415ھ) فرماتے ہیں:

حالت سفر میں دو نمازوں کو جمع کر سکتے ہیں، اگر چاہے تو ظہر کے وقت میں عصر کو مقدم کر کے پڑھ لے اور عشاء کو مغرب کے وقت میں، اور اگر چاہے تو ظہر کو مؤخر کر کے عصر کے وقت ادا کرے اور مغرب کو مؤخر کر کے عشاء کے وقت ادا کرے۔

حنابلہ کا مؤقف

علامہ ابن قدامہ مقدسی حنبلی (متوفی 620ھ) فرماتے ہیں:

وہ سفر جو قصر کو مباح کر دے اس کی وجہ سے دو نمازوں کو جمع کر سکتے ہیں کیونکہ حضرت سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب سفر میں جلدی ہوتی تو ظہر کو وقتِ عصر تک مؤخر فرماتے تھے، تو ان دونوں کو ایک وقت میں جمع فرماتے اور مغرب کو مؤخر فرماتے یہاں تک اسے اور عشاء کو جمع کرتے جب شفق غائب

ہوجاتی (متفق علیہ) خرقی نے جمع بین صلاتین کو اسی حالت کے ساتھ خاص کیا ہے کہ جب کوئی شخص پہلی نماز کا وقت شروع ہونے سے پہلے سفر شروع کر دے تو وہ اس کو مؤخر کرے اس کو دوسری نماز کے وقت میں اس کے ساتھ جمع کرکے ادا کرے، اسی کی مثل امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے۔

(الکافی فی فقہ الامام احمد، باب الجمع بین الصلاتین، ج1، ص311، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

مالکیہ کا مؤقف

علامہ ابو الولید محمد بن احمد بن رشد قرطبی مالکی (متوفی 520ھ) فرماتے ہیں:

یہ فصل دو مشترک نمازوں کو ایک وقت میں جمع کرنے کے متعلق ہے، جو دو نمازیں ایک وقت میں مشترک ہیں وہ ظہر و عصر اور مغرب و عشاء ہیں، ان کو حالت سفر، مرض اور بارش میں جمع کرنے میں رخصت اور وسعت ہے۔ اور اس کے جواز میں اصل وہ ہے جو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے سفر تبوک میں ظہر و عصر اور مغرب و عشاء کو جمع کیا اور آپ نے ایک دن نماز کو مؤخر کیا، پھر نکلے تو ظہر و عصر کو ایک وقت میں جمع کیا پھر داخل ہوئے اور نکلے اور مغرب اور عشاء کو جمع کیا جب آپ کسی دن میں چلنے کا ارادہ فرماتے تو ظہر و عصر کو جمع کرتے، اور جب رات میں چلنے کا ارادہ فرماتے تو مغرب اور عشاء کو جمع کرتے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرمایا: ((كان رسول الله صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إذا جد به السير يجمع بين الظهر والعصر)) ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب چلنے کا ارادہ فرماتے تو ظہر و عصر کو جمع فرماتے تھے۔ اور جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، فرماتے ہیں: ((قال صلى رسول الله صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الظهر والعصر جميعا والمغرب والعشاء جميعا في غير خوف ولا سفر)) حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بغیر کسی خوف اور سفر کے ظہر و عصر اور مغرب و عشاء کو جمع فرمایا۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: میری اس بارے رائے یہ ہے کہ یہ بارش میں ہے حالانکہ روایت بغیر خوف اور بغیر بارش کی ہے۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ اور اس طرح کے دیگر کام اس سبب سے کئے کہ آپ کی امت مشقت میں نہ پڑے۔

(المقدمات الممہدات، فصل فی الجمع بین الصلاتین المشترکتین، ج1، ص185، دار الغرب الاسلامی، بیروت)

احناف کا مؤقف

شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی حنفی (متوفی 483ھ) فرماتے ہیں:

(دو نمازوں کو ان میں سے کسی ایک کے وقت میں سفر و حضر کسی حالت میں جمع نہیں کیا جائے گا) سوائے عرفہ اور مزدلفہ کے، کہ حاجی ظہر و عصر عرفات میں جمع کرے گا کہ وہ ان دونوں نمازوں کو وقت ظہر میں ادا کرے گا۔ اور حاجی مغرب اور عشاء کو مقام مزدلفہ میں جمع کرے گا اور ان دونوں نمازوں کو وقت عشاء میں ادا کرے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حج کے راویوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایسا ہی کیا، اور ہمارے نزدیک ان دو جگہوں کے علاوہ کسی وقت میں دو نمازوں کو جمع نہیں کر سکتے.......

دو نمازوں کو ایک وقت میں جمع کرنے کی ممانعت پر ہمارے دلائل یہ ہیں:

اللہ جل جلالہ کا فرمان ہے: ﴿حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطَى﴾ اور نگہبانی کرو سب نمازوں کی اور بیچ کی نماز کی۔ (البقرۃ 238) یعنی ان کو وقت پر ادا کرو۔

اور اللہ عزوجل فرماتا ہے: ﴿إِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتٰبًا مَّوْقُوتًا﴾ بے شک نماز مسلمانوں پر وقت باندھا ہوا فرض ہے۔ (النساء 103) یعنی وقت پر فرض ہے۔

اور حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ((من جمع بين صلاتين في وقت واحد فقد أتى بابا من الكبائر)) ترجمہ: جس نے ایک وقت میں دو نمازوں کو جمع کیا تو یہ کبیرہ گناہوں میں سے ایک باب پر آیا۔ اسے ابن ابی شیبہ نے روایت کیا ہے

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ((إن من أكبر الكبائر الجمع بين الصلاتين)) ترجمہ: کبائر میں سے بہت بڑا گناہ دو نمازوں کو ایک وقت میں جمع کرنا ہے۔ اسے بھی ابن ابی شیبہ نے روایت کیا ہے۔

جس طرح عشاء و فجر اور فجر و ظہر کو جمع نہیں کیا جا سکتا کیونکہ ان میں سے ہر ایک شرعی طور پر ذکر کیے ہوئے اپنے وقت کے ساتھ خاص ہے، اسی طرح ظہر کو عصر کے ساتھ اور مغرب کو عشاء کے ساتھ جمع نہیں کیا جائے گا۔

جمع بین الصلاتین والی احادیث میں تاویل یہ ہے کہ یہاں جمع سے مراد فعلاً جمع کرنا ہے نہ کہ ایک وقت میں جمع

کرنا اور اس کے ہم قائل ہیں۔ جمع بین صلاتین فعلاً کا مطلب یہ ہے کہ مسافر ظہر کو اس کے آخری وقت تک مؤخر کرے پھر کسی منزل میں اترے اور نماز ظہر کو ادا کرلے پھر کچھ وقت ٹھہر جائے یہاں تک کہ عصر کا وقت شروع ہو جائے تو وہ اس کو اول وقت میں ادا کرلے، اسی طرح مغرب کو موخر کرے اس کے آخری وقت تک پھر آخری وقت میں ادا کرلے اور عشاء کو اس کے اول وقت میں ادا کرلے یوں یہ فعلاً دو نمازوں کو جمع کرنے والا ہو جائے گا۔ اس پر درج ذیل دلائل ہیں:

حضرت نافع رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ((خرجنا مع ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہما من مکة فاستصرخ بامرأته فجعل يسير حتى غربت الشمس فنادى الركب الصلاة فلم يلتفت إليهم حتى إذا دنا غيبوبة الشفق نزل فصلى المغرب ثم مكث حتى غاب الشفق ثم صلى العشاء ثم قال هكذا كان يفعل رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا جد به السير)) ترجمہ: ہم حضرت سیدنا عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ مکہ سے نکلے تو ایک عورت کی چیخ و پکار سنی تو آپ نے سواری کو تیز کیا یہاں تک سورج غروب ہو گیا تو ایک سوار نے نماز کے لیے پکارا آپ نے اس کی طرف توجہ نہیں فرمائی یہاں تک جب شفق غائب ہونے کے قریب ہو گئی تو اتر کر مغرب ادا کی اور پھر کچھ دیر ٹھہرے یہاں تک شفق غائب ہو گئی اور پھر آپ نے نماز عشاء ادا فرمائی پھر فرمایا: نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جب سفر میں جلدی ہوا کرتی تو اسی طرح کرتے۔

حضرت علی کرم اللہ تعالی وجہہ الکریم سے مروی ہے کہ: ((أنه فعل مثل ذلك في بعض أسفاره صلى المغرب في آخر الوقت والعشاء في أوله وتعشى بينهما)) آپ نے بعض اسفار میں اسی طرح کیا کہ مغرب کی نماز کو اس کے آخری وقت تک مؤخر کیا اور عشاء کو اس کے ابتدائی وقت میں ادا کیا اور ان دونوں کے درمیان رات کا کھانا کھایا۔

حقیقت میں ان مسائل کی بنیاد اس بات پر ہے کہ ان کے نزدیک ظہر و عصر کے وقت میں تداخل ہے یہاں تک جب نابالغ بالغ ہو جائے، کافر اسلام لے آئے وقت عصر میں تو ان پر ظہر کی قضا کرنا لازم ہے اور اسی طرح مغرب اور عشاء کا معاملہ ہے اور ہمارے نزدیک نمازوں (ظہر و عصر اور مغرب و عشاء) کے اوقات میں تداخل نہیں بلکہ ہر نماز اپنے وقت کے ساتھ خاص ہے اور ہمارے مذہب کی دلیل وہ ہے جس کو ہم نے روایت کیا کہ کسی نماز کا وقت شروع

نہیں ہوتا جب تک اس سے پچھلی نماز کا وقت نکل نہ جائے۔ (المبسوط للسرخسی، باب مواقیت الصلاۃ، ج1،ص149، دارالمعرفہ، بیروت)

ملک العلماء علامہ ابوبکر بن مسعود کاسانی حنفی فرماتے ہیں:

"نمازیں اپنے اوقات کے ساتھ معین ہیں یہ بات قرآن کریم، سنت متواترہ اور اجماع کے قطعی دلائل سے ثابت ہے، تو اس کو کسی خبر واحد یا استدلال کے ذریعے ان کے اوقات سے متغیر کرنا جائز نہیں، علاوہ ازیں استدلال بھی فاسد ہو کیونکہ سفر اور بارش کے بارے کوئی اثر موجود نہیں کہ ان دونوں میں سے کسی کے سبب نماز کو اس کے وقت سے فوت کر دینا جائز ہو۔ کیا تو نے ملاحظہ نہیں کیا کہ تم نے جو اعذار بیان کیے ان کے سبب فجر وظہر کو جمع کرنا جائز نہیں؟ اور عرفات میں جمع صلوتین وقوف اور نماز کو جمع کرنے کے متعذر ہونے کی وجہ سے نہیں ہے کیونکہ نماز اور وقوف عرفہ میں تضاد نہیں ہے بلکہ یہ خلاف قیاس اجماع اور حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے نقل متواتر سے ثابت ہے۔ تو یہ دلیل قطعی کے معارض بننے کی صلاحیت رکھتی ہے۔

اسی طرح مزدلفہ میں جمع بین صلاتین چلنے کے ساتھ معلول نہیں، کیا تو نے دیکھا نہیں کہ یہ فجر وظہر کے جمع کو مباح کرنے میں مفید نہیں اور جو اخبار احاد میں حدیث مروی ہے تو اس کو دلیل قطعی کے معارض قبول نہیں کیا جائے گا باوجود اس کے وہ غریب ہے جو ایسے واقعہ کے بارے میں ہے جس میں عموم بلوی ہے، اور اس طرح کے دلائل ہمارے نزدیک غیر مقبول ہیں، پھر وہ مؤول ہے اور اس کی تاویل یہ ہے کہ احادیث میں جمع بین صلاتین سے مراد فعلاً جمع کرنا ہے نہ کہ وقت کے اعتبار سے، اس طرح کہ دونوں میں سے پہلی نماز کو اس کے آخری وقت تک مؤخر کرے اور دوسری نماز کو اس کے ابتدائی وقت میں ادا کر لے جبکہ دونوں کے درمیان کوئی واسطہ نہ ہو تو وہ دونوں نمازیں فعلاً جمع ہو گئیں۔ جیسا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے سفر میں ایسا ہی کیا اور فرمایا: ((هٰكَذَا كَانَ يَفْعَلُ بِنَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ)) ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی ہمارے ساتھ اسی طرح کرتے تھے۔ اسی پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت بھی دلیل ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بغیر بارش وسفر کے دو نمازوں کو جمع کیا اور اس طرح کرنا جائز نہیں سوائے یہ کہ فعلاً اس طرح کیا جائے۔ حضرت مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے مروی ہے کہ آپ نے دونوں نمازوں کو فعلاً جمع کیا اور فرمایا: ((هٰكَذَا فَعَلَ بِنَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ)) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بھی

ہمارے ساتھ اسی طرح کیا۔اسی طرح حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فعلاً دونمازوں کو جمع کیا اور فرمایا:((ھٰکَذَا فَعَلَ بِنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ)) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بھی ہمارے ساتھ اسی طرح فرمایا۔" (بدائع الصنائع،فصل شرائط ارکان الصلاۃ،ج1،ص126,127،دار الکتب العلمیہ،بیروت)

اعلیٰ حضرت کا محققانہ کلام

جمع بین الصلوتین کے عدمِ جواز پر امام اہل سنت مجدد دین وملت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن کا ایک محققانہ رسالہ ہے،جس کا نام"حاجز البحرین الواقی عن جمع الصلوتین" ہے۔غیر مقلدین کے شیخ الکل میاں نذیر حسین دہلوی نے اپنی رسالہ"معیار الحق" میں احناف کی متدل احادیث پر جو تنقیدیں کی تھیں اس رسالہ میں ان کا رد بلیغ بھی ہے۔

امام اہل سنت رحمۃ اللہ علیہ اس رسالہ میں فرماتے ہیں:

اللہ عزوجل نے اپنے نبی کریم علیہ افضل الصلاۃ والتسلیم کے ارشادات سے نماز فرض کا ایک خاص وقت جداگانہ مقرر فرمایا ہے کہ نہ اُس سے پہلے نماز کی صحت نہ اس کے بعد تاخیر کی اجازت،ظہرین عرفہ وعشائین مزدلفہ کے سوا دونمازوں کا قصداً ایک وقت میں جمع کرنا سفراً حضراً ہرگز کسی طرح جائز نہیں،قرآن عظیم واحادیث صحاح سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اُس کی ممانعت پر شاہد عدل ہیں۔

یہی مذہب ہے(۱) حضرت ناطق بالحق والصواب موافق الرائے بالوحی والکتاب امیر المومنین عمر فاروق اعظم (۲) وحضرت سیدنا سعد بن ابی وقاص احد العشرۃ المبشرۃ (۳) وحضرت سیدنا عبداللہ بن مسعود من اجل فقہاء الصحابۃ البررۃ (۴) وحضرت سیدنا وابن سیدنا عبداللہ بن عمر فاروق (۵) وحضرت سیدتنا امّ المؤمنین صدیقہ بنت الصدیق اعاظم صحابہ کرام (۶) وخلیفہ راشد امیر المومنین عمر بن عبدالعزیز (۷) وامام سالم بن عبداللہ بن عمر (۸) وامام علقمہ بن قیس (۹) وامام اسود بن یزید نخعی (۱۰) وامام حسن بصری (۱۱) وامام ابن سیرین (۱۲) وامام ابراہیم نخعی (۱۳) وامام مکحول شامی (۱۴) وامام جابر بن زید (۱۵) وامام عمرو بن دینار (۱۶) وامام حماد بن ابی سلیمان (۱۷) وامام اجل ابوحنیفہ اجلہ ائمہ تابعین (۱۸) وامام سفین ثوری (۱۹) وامام لیث بن سعد (۲۰) وامام قاضی الشرق والغرب ابویوسف (۲۲) وامام

ابوعبداللہ محمد الشیبانی (۲۳) وامام زفر بن الہذیل (۲۴) وامام حسن بن زیاد (۲۵) وامام دارالہجرۃ عالم المدینۃ مالک بن انس فی روایۃ ابن قاسم اکابر تبع تابعین (۲۶) وامام عبدالرحمٰن بن قاسم عتقی تلمیذ امام مالک (۲۷) وامام عیسٰی بن ابان (۲۸) وامام ابوجعفر احمد بن سلامہ مصری وغیرہم ائمہ دین کا، رحمۃ اللہ تعالٰی علیہم اجمعین۔

(فتاوی رضویہ، ج5، ص160، رضافاؤنڈیشن، لاہور)

مزید فرماتے ہیں:

تحقیق مقام یہ ہے کہ جمع بین الصلاتین یعنی دونمازیں ملا کر پڑھنا دوقسم ہے:

جمع فعلی جسے جمع صوری بھی کہتے ہیں کہ واقع میں ہرنماز اپنے وقت میں واقع مگر ادا میں مل جائیں جیسے ظہر اپنے آخر وقت میں پڑھی کہ اس کے ختم پر وقتِ عصر آ گیا اب فوراً عصر اوّل وقت پڑھ لی، ہوئیں تو دونوں اپنے اپنے وقت اور فعلاً وصورۃً مل گئیں۔ اسی طرح مغرب میں دیر کی یہاں تک کہ شفق ڈوبنے پر آئی اُس وقت پڑھی ادھر فارغ ہُوئے کہ شفق ڈُوب گئی عشاء کا وقت ہوگیا وہ پڑھ لی، ایسا ملانا بعذر مرض وضرورت سفر بلاشبہہ جائز ہے۔ ہمارے علمائے کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم بھی اس کی رخصت دیتے ہیں۔

دوسری قسم جمع وقتی ہے جسے جمع حقیقی بھی کہتے ہیں۔۔۔۔اس جمع کے یہ معنی ہیں کہ ایک نماز دوسری کے وقت میں پڑھی جائے جس کی دوصورتیں ہیں:

جمع تقدیم کہ وقت کی نماز مثلاً ظہر یا مغرب پڑھ کر اُس کے ساتھ ہی متصلاً بلافصل پچھلے وقت کی نماز مثلاً عصر یا عشاء پیشگی پڑھ لیں۔

اور جمع تاخیر کہ پہلی نماز مثلاً ظہر یا مغرب کو باوصف قدرت واختیار قصداً اٹھا رکھیں کہ جب اس کا وقت نکل جائے گا پچھلی نماز مثلاً عصر یا عشاء کے وقت میں پڑھ کر اس کے بعد متصلاً خواہ منفصلاً اُس وقت کی نماز ادا کریں گے۔

یہ دونوں صورتیں بحالتِ اختیار صرف حجاج کو صرف حج میں صرف عصر عرفہ ومغرب مزدلفہ میں جائز ہیں اول میں جمع تقدیم اور دوم میں جمع تاخیر عام ازیں کہ وہ مسافر ہوں یا خاص ساکنانِ مکّہ ومنٰی وغیرہما مواضع قریبہ کے وہ بوجہ نسک (حج) ہے نہ بوجہ سفر۔

اور بحالت اضطرار و عدمِ قدرت سفر حضر یا ظہر عصر وغیرہا کسی شے کی تخصیص نہیں جتنی نمازوں تک مشغولی جہاد یا شدّتِ مرض یا غشی وغیرہا کے سبب قدرت نہ ملے ناچار سب موخر رہیں گی اور وقت قدرت بحالت عدم سقوط ادا کی جائیں گی جس طرح حضور پُرنور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وصحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے غزوہ خندق میں ظہر وعصر اور مغرب وعشا، عشا کے وقت پڑھیں۔

ان کے سوا کبھی کسی شخص کو کسی حالت میں کسی صورت جمع وقتی کی اصلاً اجازت نہیں اگر جمع تقدیم کرے گا نماز اخیر محض باطل ونا کارہ جائے گی جب اُس کا وقت آئیگا فرض ہوگی نہ پڑھے گا ذمے پر رہے گی اور جمع تاخیر کرے گا تو گنہ گار ہوگا عمداً نماز قضا کر دینے والا ٹھہرے گا اگرچہ دوسرے وقت میں پڑھنے سے فرض سر سے اُتر جائے گا۔

یہ تفصیل مذہب مہذب ہے اور اسی پر دلائل قرآن وحدیث ناطق بلکہ توقیت صلاۃ کا مسئلہ متفق علیہا ہے، ہر مسلمان جانتا ہے کہ نماز کو دانستہ قضا کر دینا بلاشبہ حرام تو جس طرح صبح یا عشا قصداً نہ پڑھنی کہ ظہر یا فجر کے وقت پڑھ لیں گے حرام قطعی ہے یوں ہی ظہر یا مغرب عمداً نہ پڑھنی کہ عصر یا عشا کے وقت ادا کرلیں گے حرام ہونا لازم اور وقت سے پہلے تو حرمت درکنار نماز ہی بیکار جیسے کوئی آدھی رات سے صبح کی نماز یا پہر دن چڑھے سے ظہر پڑھ رکھے قطعاً نہ ہوگی، یونہی جو ظُہر کے وقت عصر یا مغرب کے وقت عشاء نبٹا لے اس کا بھی نہ ہونا واجب۔

احادیث میں کہ حضور پُرنور صلوات اللہ تعالیٰ وسلامہ علیہ سے جمع منقول اُس میں صراحۃً وہی جمع صوری مذکور یا مجمل ومحتمل اُسی صریح مفصل پر محمول، جمع حقیقی کے باب میں اصلاً کوئی حدیث صحیح صریح مفسر وارد نہیں جمع تقدیم تو اس قابل بھی نہیں کہ اُس پر کسی حدیث صحیح کا نام لیا جائے جمع تاخیر میں احادیث کثیرہ کے خلاف دو حدیثیں ایسی آئی ہیں جن سے بادی النظر میں دھوکا ہو مگر عند التحقیق جب احادیث متنوعہ کو جمع کر کے نظرِ انصاف کی جائے فوراً حق ظاہر ہو جاتا ہے کہ یہ بھی وجوباً یا امکاناً اُسی جمع صوری کی خبر دے رہی ہیں غرض جمع وقتی پر شرع مطہر سے کوئی دلیل واجب القبول اصلاً قائم نہیں بلکہ بکثرت صحیح حدیثیں اور قرآن عظیم کی متعدد آیتیں اور اصول شرع کی واضح دلیلیں اُس کی نفی پر حجت مبین، یہ اجمال کلام ودلائل مذہب ہے۔ (فتاویٰ رضویہ، ج5، ص160 تا 163، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

اس کے بعد امام اہل سنت نے متعدد احادیث جمع صوری کے ثبوت پر پیش فرمائیں پھر ارشاد فرماتے ہیں:

الحمدللہ جمع صوری کا طریقہ حضور پُرنور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وحضرت مولی علی وعبداللہ بن مسعود وسعد بن مالک وعبداللہ بن عمرو غیرہم صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روشن وجہ پر ثابت ہوا اور امام لامذہباں کا وہ جبروتی ادعا کہ اس میں کوئی حدیث صحیح نہیں، اوراس سے بڑھ کر یہ بانگ بے معنی کہ یہ روایات جن سے جمع صوری کرنی ابن عمر کی واضح ہوتا ہے سب واہیات اور مردود اور شاذ اور مناکیر ہیں اور بشدت حیا یہ خاص جو دوافترا کہ ابن عمر نے اس کیفیت سے ہرگز نمازیں جمع نہیں کیں جیسا کہ ان روایتوں سے معلوم ہوتا ہے اپنی سزائے کردار کو پہنچا۔

(فتاوی رضویہ، ج5،ص174، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

جمع صوری کا ثبوت جن روایات سے ہوتا ہے ان کی اسناد پر غیر مقلدین کے شیخ الکل میاں نذیر حسین دہلوی نے تنقیدیں کی تھیں، پھر امام اہلسنت نے ان کے جوابات دیئے ہیں:

تنقید نمبر(1) اوراس کا جواب

جمع صوری پر احناف کی ایک دلیل یہ حدیث پاک ہے:

((حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عُبَيْدٍ الْمُحَارِبِيُّ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ فُضَيْلٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ نَافِعٍ، وَعَبْدِ اللَّهِ بْنِ وَاقِدٍ، أَنَّ مُؤَذِّنَ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ:الصَّلَاةُ قَالَ:سِرْ سِرْ، حَتَّى إِذَا كَانَ قَبْلَ غُيُوبِ الشَّفَقِ نَزَلَ فَصَلَّى الْمَغْرِبَ ثُمَّ انْتَظَرَ حَتَّى غَابَ الشَّفَقُ وَصَلَّى الْعِشَاءَ، ثُمَّ قَالَ:إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا عَجِلَ بِهِ أَمْرٌ، صَنَعَ مِثْلَ الَّذِي صَنَعْتُ، فَسَارَ فِي ذَلِكَ الْيَوْمِ وَاللَّيْلَةِ مَسِيرَةَ ثَلَاثٍ)) ترجمہ: نافع وعبداللہ بن واقد (دونوں تلامذہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما) فرماتے ہیں: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے مؤذن نے نماز کا تقاضا کیا، فرمایا: چلو چلو، یہاں تک کہ شفق ڈوبنے سے پہلے اُتر کر مغرب پڑھی پھر انتظار فرمایا یہاں تک کہ شفق ڈوب گئی اُس وقت عشا پڑھی پھر فرمایا: حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جب کوئی جلدی ہوتی تو ایسا ہی کرتے جیسا میں نے کیا۔ ابن عمر نے اس دن رات میں تین رات دن کی راہ قطع کی۔

(سنن ابی داؤد، باب الجمع بین الصلوتین، ج2،ص6، المکتبۃ العصریہ، بیروت)

غیر مقلدین کے شیخ الکل نے اس حدیث پاک پر یہ اعتراض کیا کہ اس میں محمد بن فضل راوی ضعیف ہے اور یہ اس کی طرف رافضی ہونے کی نسبت ہے، اس پر اعلیحضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اولاً: یہ بھی شرم نہ آئی کہ یہ محمد بن فضیل صحیح بخاری وصحیح مسلم کے رجال سے ہے۔

ثانیاً: امام ابن معین جیسے شخص نے ابن فضیل کو ثقہ، امام احمد نے حسن الحدیث، امام نسائی نے لا بأس به (اس میں کوئی نقص نہیں) کہا، امام احمد نے اُس سے روایت کی اور وہ جسے ثقہ نہیں جانتے اُس سے روایت نہیں فرماتے میزان میں اصلاً کوئی جرح مفسّر اُس کے حق میں ذکر نہ کی۔

ثالثاً: یہ بکف چراغی قابل تماشا کہ ابن فضیل کے منسوب برفض ہونے کا دعوٰی کیا اور ثبوت میں عبارت تقریب رمی بالتشیع ملاّ جی کو بایں سالخوری ودعوٰی محدثی آج تک اتنی خبر نہیں کہ محاوراتِ سلف واصطلاح محدثین میں تشیع ورفض میں کتنا فرق ہے۔

زبان متاخرین میں شیعہ روافض کو کہتے ہیں خذلهم الله تعالی جمیعا بلکہ آج کل کے بیہودہ مہذبین روافض کو رافضی کہنا خلافِ تہذیب جانتے اور انہیں شیعہ ہی کے لقب سے یاد کرنا ضروری مانتے ہیں خود مُلاّ جی کے خیال میں اپنی مُلاّئی کے باعث یہی تازہ محاورہ تھا یا عوام کو دھوکا دینے کیلئے متشیع کو رافضی بنایا حالانکہ سلف میں جو تمام خلفائے کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کے ساتھ حُسنِ عقیدت رکھتا اور حضرت امیر المومنین مولی علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم کو اُن میں افضل جانتا شیعی کہا جاتا بلکہ جو صرف امیر المومنین عثمانِ غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ پر تفضیل دیتا اُسے بھی شیعی کہتے ہیں حالانکہ یہ مسلک بعض علمائے اہلسنّت کا تھا اسی بناء پر متعدد ائمہ کوفہ کو شیعہ کہا گیا بلکہ کبھی محض غلبہ محبت اہل بیت کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کو شیعیت سے تعبیر کرتے حالانکہ یہ محض سنیت ہے امام ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں خود انہیں محمد بن فضیل کی نسبت تصریح کی کہ ان کا تشیع صرف موالات تھا وبس۔ لکھتے ہیں: ''محمد بن فضيل بن غزوان، المحدث الحافظ، كان من علماء هذا الشان، وثقه يحيى بن مَعين، وقال احمد: حسن الحديث، شيعي۔ قلت: كان متواليا فقط ''ترجمہ: محمد ابن غزوان، جو کہ محدّث اور حافظ ہے، حدیث کے علماء میں سے تھا یحیٰی ابن معین نے اس کو ثقہ قرار دیا ہے اور احمد نے کہا ہے کہ اچھی حدیثیں بیان کرتا ہے مگر شیعہ ہے۔ میں نے کہا: صرف اہلِ بیت سے محبت رکھتا تھا۔

(تذکرۃ الحفاظ، فی ترجمۃ محمد بن فضیل، ج 1، ص 290، مطبوعہ دائرۃ المعارف، حیدر آباد دکن)

رابعاً: ذرا رواۃ صحیحین دیکھ کر شیعی کو رافضی بنا کر تضعیف کی ہوتی، کیا بخاری ومسلم سے بھی ہاتھ دھونا ہے ان

کے رواۃ میں تیس (30) سے زیادہ ایسے لوگ ہیں جنہیں اصطلاحِ قدماء پر بلفظ تشیع ذکر کیا جاتا ہے۔

(پھر امام اہلسنت نے حاشیہ میں ان کا ذکر کیا: مثلاً ابان بن تغلب، اسمٰعیل بن ابان وراق، اسمٰعیل بن زکریا، اسمٰعیل بن عبدالرحمٰن سُدی صدوق یھم، بکیر بن عبداللہ، جریر بن عبدالحمید، جعفر بن سلیمٰن، حسن بن صالح، خالد بن مخلد قطوانی، ربیع بن انس صدوق لہ اوھام، زاذان کندی، سعید بن فیروز، سعید بن عمرو ھمدانی، عباد بن یعقوب رواجنی، عباد بن عوام کلابی، عبداللہ بن عمر مشکدانہ، عبداللہ بن عیسٰی کوفی، عبدالرزاق، صاحبِ مصنّف، عبدالملک بن اعین، عبیداللہ بن موسٰی، عدی بن ثابت، علی بن الجعد، علی بن ھاشم بن البرید، فضل بن دُکین ابونعیم، فضیل بن مرزوق، فطر بن خلیفۃ، مالک بن اسمٰعیل نھدی، محمد بن اسحٰق صاحبِ مغازی، محمد بن جحادہ اور یہی محمد بن فضیل، ھشام بن سعد، یحیٰی بن الجزار وغیرہم)

یہاں تک کہ تدریب میں حاکم سے نقل کیا: کتاب مسلم ملاٰن من الشیعۃ۔ مسلم کی کتاب شیعوں سے بھری ہوئی ہے۔

دُور کیوں جائیے خود یہی ابن فضیل کہ واقع کے شیعی صرف بمعنی محبّ اہل بیت کرام اور آپ کے زعم میں معاذاللہ رافضی صحیحین کے راوی ہیں۔

خامساً: اُس کے ساتھ ہی حدیث کی متابعتین دو ثقات عدول ابن جابر وعبداللہ بن العلا سے ابوداود نے ذکر کردیں اور سنن نسائی وغیرہ میں بھی موجود تھیں پھر ابن فضیل پر مدار کب رہا ولکن الجھلۃ لایعلمون (لیکن جاہل جانتے نہیں ہیں) اور یہ تو ادنٰی نزاکت ہے کہ تقریب میں ابن فضیل کی نسبت صدوق عارف لکھا تھا ملاّ جی نے نقل میں عارف اُڑا دیا کہ جو کلمہ مدح کم ہو وہی سہی۔

تنقید نمبر (2) اور اس کا جواب

احناف کی مؤید ایک اور حدیث پاک جسے امام طحاوی وغیرہ نے روایت کیا، وہ سند سمیت درج ذیل ہے:

((حدثنا بشر بن بکر، قَالَ :حَدَّثَنِي ابْنُ جَابِرٍ، قَالَ :حَدَّثَنِي نَافِعٌ، قَالَ:خَرَجْتُ مَعَ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا, وَهُوَ يُرِيدُ أَرْضًا لَهُ ,قَالَ :فَنَزَلْنَا مَنْزِلًا ,فَأَتَاهُ رَجُلٌ فَقَالَ لَهُ :إِنَّ صَفِيَّةَ بِنْتَ أَبِي عُبَيْدٍ

لِمَا بِهَا ، وَلَا أَظُنُّ أَنْ تُدْرِكَهَا. فَخَرَجَ مُسْرِعًا وَمَعَهُ رَجُلٌ مِنْ قُرَيْشٍ، فَسِرْنَا حَتَّى إِذَا غَابَتِ الشَّمْسُ لَمْ يُصَلِّ الصَّلَاةَ ، وَكَانَ عَهْدِي بِصَاحِبِي وَهُوَ مُحَافِظٌ عَلَى الصَّلَاةِ . فَلَمَّا أَبْطَأَ قُلْتُ الصَّلَاةَ رَحِمَكَ اللهُ، فَلَمَّا الْتَفَتَ إِلَيَّ وَمَضَى كَمَا هُوَ ، حَتَّى إِذَا كَانَ فِي آخِرِ الشَّفَقِ، نَزَلَ فَصَلَّى الْمَغْرِبَ ثُمَّ الْعِشَاءَ وَقَدْ تَوَارَتْ ، ثُمَّ أَقْبَلَ عَلَيْنَا فَقَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا عَجَّلَ بِهِ أَمْرٌ ، صَنَعَ هَكَذَا)) ترجمہ: نافع فرماتے ہیں عبداللہ بن عمر اپنی ایک زمین کو تشریف لیے جاتے تھے کسی نے آ کر کہا آپ کی زوجہ صفیہ بنت ابی عبید اپنے حال میں مشغول ہیں شاید ہی آپ انہیں زندہ پائیں۔ یہ سُن کر بہ سُرعت چلے اور اُن کے ساتھ ایک مرد قریشی تھا سُورج ڈوب گیا اور نماز نہ پڑھی اور میں نے ہمیشہ اُن کی عادت یہی پائی تھی کہ نماز کی محافظت فرماتے تھے جب دیر لگائی میں نے کہا: نماز، خدا آپ پر رحم فرمائے، میری طرف پھر کر دیکھا اور آگے روانہ ہُوئے جب شفق کا اخیر حصّہ رہا اُتر کر مغرب پڑھی پھر عشا کی تکبیر اس حال میں کہی کہ شفق ڈوب چکی اُس وقت عشا پڑھی پھر ہماری طرف منہ کر کے کہا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جب سفر میں جلدی ہوتی ایسا ہی کرتے۔ (شرح معانی الآثار، باب الجمع بین صلوتین کیف ھو؟، ج1، ص163، عالم کتب)

اس حدیث پاک پر طعن کرتے ہوئے غیر مقلدین کے شیخ الکل نے بشر بن بکر کے بارے میں لکھا:

وہ غریب الحدیث ہے ایسی روایتیں لاتا ہے کہ سب کے خلاف قالہ الحافظ فی التقریب۔

اس پر اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اوّلاً: ذرا شرم کی ہوتی کہ یہ بشر بن بکر رجال صحیح بخاری سے ہیں صحیح حدیثیں رَد کرنے بیٹھے تو اب بخاری بھی بالائے طاق ہے۔

ثانیاً: اس صریح خیانت کو دیکھئے کہ تقریب میں صاف صاف بشر کو ثقہ فرمایا تھا وہ ہضم کر گئے۔

ثالثاً: محدث جی! تقریب میں "ثقة یغرب" ہے، کسی ذی علم سے سیکھو کہ فلان یغرب اور فلان غریب الحدیث میں کتنا فرق ہے۔

رابعاً: اغراب کی یہ تفسیر کہ ایسی روایتیں لاتا ہے کہ سب کے خلاف محدث جی! غریب و منکر کا فرق کسی طالب علم سے پڑھو۔

خامسا: باوصف ثقہ ہونے کے مجرد اغراب باعث رد ہو تو صحیحین سے ہاتھ دھو لیجئے، یہ اپنی مبلغ علم تقریب ہی دیکھی کہ بخاری ومسلم کے رجال میں کتنوں کی نسبت یہی لفظ کہا ہے اور وہاں یہ بشر خود ہی جو رجال بخاری سے ہیں۔

(پھر امام اہلسنت نے حاشیہ میں بخاری ومسلم کے ان رجال کا ذکر کیا، فرماتے ہیں: مثلاً ابرھیم بن طھمان، بشر بن خالد، ابرھیم بن سوید بن حبان، بشیر بن سلمان، حسن بن احمد بن ابی شبیب، محمد بن عبدالرحمٰن بن حکیم وغیرہم کہ سب ثقہ یغرب ہیں۔ احمد بن صباح حکام بن مسلم وغیرھما ثقہ لہ غرائب خصوصا ازھر بن جمیل، خالد بن قیس، ابراھیم بن اسحٰق وغیرھم کہ صدوق یغرب یہ تینوں بشر بن بکر سے بھی گئے درجے کے ہوئے کہ ثقہ سے اتر کر طرف صدوق ہیں)

سادسا: ذرا میزان تو دیکھئے کہا: ما بشر بن بکر التنیسی فصدوق ثقة لاطعن فیه (یعنی بشر بن بکر تنیسی خوب راست گو ثقہ ہیں جن میں اصلاً کسی وجہ سے طعن نہیں)۔

(میزان الاعتدال فی ترجمۃ بشر بن بکر، ج 1، ص 314، مطبوعہ دار المعرفت بیروت، لبنان)

کیوں شرمائے تو نہ ہو گے ایسی ہی اندھیری ڈال کر جاہلوں کو بہکا دیا کرتے ہو کہ حنفیہ کی حدیثیں ضعیف ہیں۔

تنقید نمبر (3) اور اس کا جواب

نسائی کی ایک روایت جس میں جمع صوری کی صراحت ہے، اس کی سند یہ ہے: أَخْبَرَنَا مَحْمُودُ بْنُ خَالِدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ جَابِرٍ قَالَ: حَدَّثَنِي نَافِعٌ قَالَ: خَرَجْتُ مَعَ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ۔

(سنن نسائی، الوقت الذی یجمع فیہ المسافر الخ، ج 1، ص 287، مکتب المطبوعات الاسلامیہ، حلب)

اس پر غیر مقلدین کے شیخ الکل نے ولید بن قاسم سے رد کیا کہ روایت میں اُس سے خطا ہوتی تھی، کہا: تقریب میں ہے کہ صدوق یخطی۔

اس پر اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اولاً: مسلمانو! اس تحریفِ شدید کو دیکھنا اسنادِ نسائی میں یہاں نام ولید غیر منسوب واقع تھا کہا أَخْبَرَنَا مَحْمُودُ بْنُ خَالِدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ جَابِرٍ قَالَ: حَدَّثَنِي نَافِعٌ قَالَ: خَرَجْتُ مَعَ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ۔

ملاّ جی کو چالاکی کا موقع ملا کہ تقریب میں اسی طبقہ کا ایک شخص رواۃ نسائی سے کہ نام کا ولید اور قدرے متکلم فیہ

ہے چھانٹ کر اپنے دل سے ولید بن قاسم تراش لیا حالانکہ یہ ولید بن قاسم نہیں، ولید بن مسلم ہیں رجال صحیح مسلم وائمہ ثقات وحفاظ اعلام سے اسی تقریب میں ان کے ثقہ ہونے کی شہادت موجود، ہاں تدلیس کرتے ہیں مگر بحمد اللہ اُس کا احتمال یہاں مفقود کہ وہ صراحۃً حدثنا ابن جابر قال حدثنی نافع فرمارہے ہیں۔

مُلّا جی! تم نے جانا کہ آپ کے کید (فریب) پر کوئی آگاہ نہ ہوگا ذرا بتایئے کہ آپ نے ولید کا ولید بن قاسم کس دلیل سے متعین کرلیا، کیا اس طبقہ میں اس نام کا رواۃ نسائی میں کوئی اور نہ تھا اگر اب عاجز آکر ہم سے پوچھتا ہو کہ تم نے ولید بن مسلم کیسے جانا اوّل تو بقانون مناظرہ جب آپ غاصب منصب ہیں ہم سے سوال کا محل نہیں اور استفادۃً پوچھو تو پہلے اپنی جزاف کا صاف صاف اعتراف کرو پھر شاگردی کیجئے تو ایک یہی کیا بعونہٖ تعالٰی بہت کچھ سکھادیں وہ قواعد بتادیں جس سے اسمائے مشترکہ میں اکثر جگہ تعین نکال سکو۔

ثانیاً: بفرضِ غلط ابن قاسم ہی سہی پھر وہ بھی کب مستحقِ رَد ہیں امام احمد نے اُن کی توثیق فرمائی، اُن سے روایت کی، محدثین کو حکم دیا کہ اُن سے حدیث لکھو۔ ابنِ عدی نے کہا: اذاروی عن ثقۃ فلاباس بہ (وہ جب کسی ثقہ سے روایت کریں تو اُن میں کوئی عیب نہیں) اور ابن جابر کا ثقہ ہونا خود ظاہر۔

ثالثاً: ذرا رواۃ صحیح بخاری ومسلم پر نظر ڈالے ہُوئے کہ اُن میں کتنوں کی نسبت تقریب میں یہی صدوق یخطی بلکہ اس سے زائد کہا ہے کیا قسم کھائے بیٹھے ہو کہ صحیحین کا رَد ہی کردو گے!

(پھر امام اہلسنت نے صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے ان رجال کا ذکر کیا ہے، فرماتے ہیں: مثلاً اسمٰعیل بن مجالد، اشھل بن حاتم، بشر بن عبیس، حارث بن عبید، حبیب بن ابی حبیب، حجاج بن ابی زینب، حسان بن ابرھیم، حسان بن حسان بصری، حسان بن عبداللہ کندی، حسن بن بشر بن سلم، حسن بن ذکوان ورمی بالقدر، خالد بن خداش، خالد بن عبدالرحمٰن السلمی، شریک بن عبداللہ بن ابی بر، عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن دینار، عبدالمجید بن عبدالعزیز، مسکین بن بکیر، معقل بن عبیداللہ وغیرھم ان سب پر وہی حکم صدوق یخطی لگایا ہے خلیفہ بن خیاط، عبداللہ بن عمر نمیری، عبدالرحمٰن بن حرملہ اسلمی، عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن عبید، یحیٰی بن ابی اسحٰق حضرمی وغیرھم صدوق ربما اخطاً ہیں، اب زیادہ کی بعض مثالیں لیجئے حجاج بن ارطاۃ صدوق کثیر الخطاء والتدلیس، شریک بن عبداللہ نخعی صدوق یخطی کثیرا تغیر حفظہ، صالح بن رستم المزنی

صدوق کثیر الخطاء، عبداللہ بن صالح صدوق کثیر الغلط ثبت فی کتابہ وکانت فیہ غفلۃ، فلیح بن سلیمان صدوق کثیر الخطاء، مطر الوراق صدوق کثیر الخطاء وحدیثہ عن عطاء ضعیف، نعیم بن حماد صدوق یخطی کثیراً)

رابعاً: صحیح بخاری میں حسان بن حسان بصری سے روایت کی تقریب میں انہیں صدوق یخطی۔ پھر حسان بن حسان واسطی کی نسبت لکھا: خلطہ ابن مندۃ بالذی قبل فوھم، وھذا ضعیف (ابن مندہ نے اسے پہلے کے ساتھ ملا دیا ہے یہ اس کی غلطی ہے کیونکہ یہ ضعیف ہے۔) دیکھو صاف بتادیا کہ جسے صدوق یخطی کہا وہ ضعیف نہیں، مُلّا جی اپنی جہالت سے مردود واہیات گا رہے ہیں۔

تنقید نمبر (4) اور اس کا جواب

امام نسائی اور امام طحاوی کی حدیث صحیح کو ''عطاف'' سے معلول کیا اور کہا کہ وہ وہمی ہے، اور کہا کہ تقریب میں اس کے بارے میں ''صدوق یھم'' ہے۔

اوّلاً: عطاف کو امام احمد و امام ابن معین نے ثقہ کہا وکفی بھما قدوۃ (اور ان دونوں کا راہنما ہونا کافی ہے) میزان میں ان کی نسبت کوئی جرح مفسّر منقول نہیں۔

ثانیاً: کسی سے پڑھو کہ وہمی اور صدوق یھم میں کتنا فرق ہے۔

ثالثاً: صحیحین سے عداوت کہاں تک بڑھے گی تقریب ملاحظہ ہو کہ آپ کے وہم کے ایسے وہمی اُن میں کس قدر ہیں۔

(پھر اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حاشیہ میں صحیحین کے اس طرح کے رواۃ کا ذکر کیا ہے، فرماتے ہیں: مثل ابرھیم بن یوسف بن اسحاق، اسامہ بن زید اللیثی، اسمٰعیل بن عبدالرحمن السدی، ایمن بن نابل، جابر بن عمرو، جبر بن نوف، حاتم بن اسمٰعیل، حرب بن ابی العالیہ، حرمی بن عمارہ، حزم بن ابی حزم، حسن بن الصباح، حسن بن فرات، حمید بن زیاد، ربیعہ بن کلثوم، عبداللہ بن عبداللہ بن اویس وغیرھم سب صدوق یھم ہیں احوص بن جواب، حمزہ بن حبیب زیات امام قراءت، معاذ بن ھشام، عاصم بن علی بن عاصم وغیرھم سب صدوق ربما وھم بلکہ عطاء بن ابی مسلم صدوق یھم کثیرا)

رابعاً: بالفرض یہ سب رواۃ مطعون ہی سہی مگر جب بالیقین اُن میں کوئی بھی درجہ سقوط میں نہیں تو تعدد طرق سے پھر حدیث حجت تامہ ہے ولکن الوھابیۃ قوم یجھلون۔

تنقید نمبر (5) اور اس کا جواب

احناف کی مؤید حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ایک روایت جسے امام طحاوی، امام احمد اور امام ابن ابی شیبہ نے روایت کیا، اس کے رد کو پھر وہی شگوفہ چھوڑا کہ

ایک راوی اس کا مغیرہ بن زیادہ موصلی ہے اور یہ مجروح ہے کہ وہمی تھا قالہ الحافظ التقریب۔

اوّلاً: تقریب میں صدوق کہا تھا وہ صندوق میں رہا۔

ثانیاً: وہی اپنی وہمی نزاکت کہ لہ اوھام کو وہمی کہنا سمجھ لیا۔

ثالثاً: وہی صحیحین سے پُرانی عداوت تقریب دُور نہیں دیکھئے تو کتنے رجال بخاری و مسلم کو یہی صدوق لہ اوھام (سچا ہے، اس کے اوہام ہیں) کہا ہے۔

(اس کے حاشیہ میں امام اہل سنت فرماتے ہیں: صدوق یھم وصدوق ربما وھم کی بکثرت مثالیں اوپر گزر چکیں مگر باتباع لفظ خاص امثلہ سُنیے احمد بن بشیر، حسن بن خلف، خالد بن یزید بن زیاد، رباح بن ابی معروف، ربیع بن انس ورمی بالتشیع، ربیع بن یحییٰ، ربیعہ بن عثمان، زکریا بن یحییٰ بن عمر، سعید بن زید بن درھم، سعید بن عبدالرحمٰن جمحی، شجاع بن الولید، مسلمہ بن علقمہ، مصعب بن المقدام، معاویہ بن صالح، معاویہ بن ھشام، ھشام بن حجیر، ھشام بن سعد ورمی بالتشیع اور ان کے سوا اور کہ سب صدوق لہ اوھام ہیں احمد بن ابی الطیب وغیرہ صدوق لہ اغلاط۔)

رابعاً: مغیرہ رجال سنن اربعہ سے ہے امام ابن معین و امام نسائی دونوں صاحبوں نے باآں تشدد شدید فرمایا: لیس بہ باس (اس میں کوئی بُرائی نہیں) زاد یحییٰ لہ حدیث واحد منکر (یحییٰ نے اتنا زیادہ کیا کہ اُس کی صرف ایک حدیث منکر ہے) لاجرم وکیع نے ثقہ، ابوداؤد نے صالح، ابن عدی نے عندی لاباس بہ (میرے نزدیک اس میں کوئی نقص نہیں ہے۔) کہا تو اس کی حدیث حسن ہونے میں کلام نہیں اگرچہ درجہ صحاح پر بالغ نہ ہو جس کے سبب نسائی نے لیس بالقوی (اُس درجے کا قوی نہیں ہے۔) ابواحمد حاکم نے لیس بمتین عندھم (اس درجے کا متین نہیں ہے ان کے

نزدیک۔) کہالا انہ لیس بقوی لیس بمتین و شتان مابین العبارتین (نہ یہ کہ سرے سے قوی اور متین نہیں ہے، ان دو عبارتوں میں بہت فرق ہے۔) حافظ نے ثقہ سے درجہ صدوق میں رکھا اس قسم کے رجال اسانید صحیحین میں صدہا ہیں۔

تنقید نمبر (6) اور اس کا جواب

احناف کی مؤید روایت جو حضرت مولا علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے مروی ہے، سنن ابی داؤد میں اس کی سند یوں ہے: ((أَخْبَرَنِي عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ عُمَرَ بْنِ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ أَنَّ عَلِيًّا رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ كَانَ إِذَا سَافَرَ الحديث)) (سنن ابی داود، باب متی یتم المسافر، ج2، ص10، المکتبۃ العصریہ، بیروت)

جس کا صاف صریح حاصل یہ تھا کہ عبداللہ بن محمد بن عمر بن علی اپنے والد محمد سے راوی ہیں اور وہ ان کے دادا یعنی اپنے والد عمر سے کہ ان کے والد ماجد مولی علی نے جمع صوری خود بھی کی اور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بھی روایت فرمائی۔

ابیہ اور جدّہ دونوں ضمیریں عبداللہ کی طرف تھیں حضرت نے بزور زبان ایک ضمیر عبداللہ دوسری محمد کی طرف قرار دے کر یہ معنی ٹھہرائے کہ عبداللہ روایت کرتے ہیں اپنے باپ محمد سے اور وہ محمد اپنے دادا علی سے۔ اور اب اس پر اعتراض جڑ دیا کہ محمد کو اپنے دادا علی سے ملاقات نہیں تو مرسل ہوئی اور مرسل حجت نہیں۔ قطع نظر اس سے کہ مرسل ہمارے اور جمہور ائمہ کے نزدیک حجت ہے، ایمان سے کہنا کہ ان ڈھٹائیوں سے صحیح و ثابت حدیثوں کو رد کرنا کون سی دیانت ہے۔

میں کہتا ہوں آپ نے ناحق اتنی محنت بھی کی اور حدیث متصل کو صرف مرسل بنایا حیا و دیانت کی ایک ادنیٰ جھلک میں بھی باطل و موضوع ہوئی جاتی تھی اور بات بھی مدلل ہوتی کہ ضمیر اقرب کی طرف پھرتی ہے اور ابیہ سے اقرب ابوطالب اور جدّہ سے اقرب ابیہ تو معنی یوں کہے ہوتے کہ عبداللہ نے روایت کی ابوطالب کے باپ حضرت عبدالمطلب سے اور عبدالمطلب نے اپنے دادا عبد مناف سے کہ مولا علی نے جمع صوری کی، اب ارسال بھی دیکھئے کتنا بڑھ گیا کہ مولا علی کے پر پوتے مولا علی کے دادا سے روایت کریں اور حدیث صراحۃً موضوع بھی ہوگئی کہ کہاں عبدالمطلب و عبد مناف اور کہاں مولی علی سے روایت حدیث مفید احناف ولا حول و لا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

مسلمانو! دیکھا یہ عمل بالحدیث کا جھوٹا دعویٰ کرنے والے جب صحیح حدیثوں کے رد کرنے پر آتے ہیں تو ایسی

ایسی بددیانتیوں بے غیرتیوں بیبا کیوں چالاکیوں سے صحیح بخاری کو بھی پسِ پشت ڈال کر ایک ہانک بولتے ہیں کہ سب واہیات اور مردود ہیں انّاللّٰہ و انّا الیہ راجعون۔ (فتاوی رضویہ، ج5، ص167 تا186، رضافاؤنڈیشن، لاہور)

نوٹ: امام اہلسنت مجدد دین وملت اعلیحضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ کا یہ رسالہ ''حاجز البحرین الواقی عن جمع الصلوتین'' کافی طویل ہے، ہم نے اس میں سے اختصار کے ساتھ چند اقتباس ذکر کئے ہیں، امام اہل سنت نے اس کے بعد جمعِ تقدیم کا ابطال پھر جمع تاخیر کا ابطال اور اس کے بعد ہر نماز کو اپنے وقت پر پڑھنے کے بارے میں قرآن وحدیث سے دلائل ذکر کیے ہیں۔

باب نمبر 389

مَا جَاءَ فِي صَلَاةِ الِاسْتِسْقَاءِ

نمازِ استسقاء کا بیان

556۔حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ مُوسَى قَالَ:حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ قَالَ :أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ، عَنْ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عَبَّادِ بْنِ تَمِيمٍ، عَنْ عَمِّهِ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ بِالنَّاسِ يَسْتَسْقِي، فَصَلَّى بِهِمْ رَكْعَتَيْنِ جَهَرَ بِالْقِرَاءَةِ فِيهِمَا، وَحَوَّلَ رِدَاءَهُ، وَرَفَعَ يَدَيْهِ وَاسْتَسْقَى، وَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ وَفِي الْبَابِ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ، وَأَبِي هُرَيْرَةَ، وَأَنَسٍ، وَآبِي اللَّحْمِ،قَالَ ابوعيسىٰ:حَدِيثُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ زَيْدٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ،وَعَلَى هَذَا الْعَمَلُ عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ،وَبِهِ يَقُولُ الشَّافِعِيُّ، وَأَحْمَدُ، وَإِسْحَاقُ،وَعَمُّ عَبَّادِ بْنِ تَمِيمٍ هُوَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ زَيْدِ بْنِ عَاصِمٍ الْمَازِنِيُّ

حدیث: عباد بن تمیم اپنے چچا سے روایت کرتے ہیں : نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لوگوں کے ساتھ استسقاء کے لئے نکلے تو انہیں دو رکعات پڑھائیں جن میں جہری قراءت فرمائی اور اپنی چادر مبارک الٹ دی اور اپنے ہاتھوں کو اٹھایا اور بارش طلب کی اور قبلہ کی جانب رخ کیا۔

اور اس باب میں حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت ابو ہریرہ، حضرت انس اور حضرت ابو اللحم رضی اللہ عنہم سے بھی روایات مروی ہیں۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں: حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کی حدیث حسن صحیح ہے۔اور اسی پر اہلِ علم کا عمل ہے اور امام شافعی، امام احمد اور امام اسحٰق اسی بات کے قائل ہیں ۔اور عباد بن تمیم کے چچا وہ حضرت عبد اللہ بن زید بن عاصم المازنی رضی اللہ عنہ ہیں۔

557۔حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ قَالَ:حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ خَالِدِ بْنِ يَزِيدَ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي هِلَالٍ، عَنْ يَزِيدَ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، عَنْ عُمَيْرٍ مَوْلَى آبِي اللَّحْمِ، عَنْ آبِي اللَّحْمِ، أَنَّهُ رَأَى رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِنْدَ أَحْجَارِ الزَّيْتِ يَسْتَسْقِي،وَهُوَ مُقْنِعٌ بِكَفَّيْهِ يَدْعُو، كَذَا قَالَ

حدیث: حضرت ابو اللحم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم زیت کے پتھروں کے پاس اپنے ہاتھوں کو اٹھائے دعائے استسقا فرما رہے تھے۔

اسی طرح حضرت ابو اللحم سے روایت کردہ اس حدیث میں قتیبہ نے کہا اور ہم نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کردہ ان کی یہ ایک حدیث ہی جانتے ہیں اور عمیر ابو اللحم

قُتَيْبَةُ فِي هٰذَا الْحَدِيثِ، عَنْ آبِي اللُّحْمِ وَلَا نَعْرِفُ لَهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَّا هٰذَا الْحَدِيثَ الْوَاحِدَ، وَعُمَيْرٌ مَوْلَى آبِي اللُّحْمِ قَدْ رَوَى عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحَادِيثَ وَلَهُ صُحْبَةٌ

کے غلام ہیں جنہوں نے نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کچھ احادیث روایت کی ہیں اور انہیں نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صحبت بھی حاصل ہے۔

558۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ قَالَ: حَدَّثَنَا حَاتِمُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ، عَنْ هِشَامِ بْنِ إِسْحَاقَ وَهُوَ ابْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ كِنَانَةَ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: أَرْسَلَنِي الْوَلِيدُ بْنُ عُقْبَةَ وَهُوَ أَمِيرُ الْمَدِينَةِ إِلَى ابْنِ عَبَّاسٍ أَسْأَلُهُ عَنِ اسْتِسْقَاءِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ فَأَتَيْتُهُ، فَقَالَ: إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ مُتَبَذِّلًا مُتَوَاضِعًا مُتَضَرِّعًا، حَتَّى أَتَى الْمُصَلَّى، فَلَمْ يَخْطُبْ خُطْبَتَكُمْ هٰذِهِ، وَلٰكِنْ لَمْ يَزَلْ فِي الدُّعَاءِ وَالتَّضَرُّعِ وَالتَّكْبِيرِ، وَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ كَمَا كَانَ يُصَلِّي فِي الْعِيدِ، قال ابوعيسى: هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

حدیث: ہشام بن اسحٰق اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ میں مجھے ولید بن عقبہ امیر مدینہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس بھیجا کہ میں نے ان سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دعائے استسقاء کے متعلق سوال کروں؟ تو میں ان کے پاس پوچھنے آیا تو انہوں نے ارشاد فرمایا: بے شک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پرانے کپڑوں میں، عاجزی وگریہ وزاری کرتے ہوئے نکلے حتیٰ کہ نماز کی جگہ آئے تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خطبہ ارشاد نہیں فرمایا لیکن دعا و عاجزی اور اللہ عزوجل کی بڑائی بیان کرنے میں مشغول رہے اور دو رکعات ادا فرمائیں جیسا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عید کی نماز پڑھا کرتے تھے۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

559۔ حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ قَالَ: حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ هِشَامِ بْنِ إِسْحَاقَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ كِنَانَةَ، عَنْ أَبِيهِ، فَذَكَرَ نَحْوَهُ، وَزَادَ فِيهِ: مُتَخَشِّعًا،

حدیث: ہشام بن عبداللہ بن کنانہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں تو انہوں نے اسی کی مثل حدیث ذکر کی اور اس میں "متخشعا" کا لفظ زائد کیا۔

قال ابوعيسى: هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ قَالَ: يُصَلِّي

امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں: یہ حدیث حسن صحیح ہے اور یہی امام شافعی رحمہ اللہ کا قول ہے فرمایا: وہ نماز استسقاء عیدین کی نماز کی مانند پڑھے پہلی رکعت میں سات بار تکبیر کہے اور دوسری میں پانچ بار اور انہوں نے حضرت عبداللہ بن عباس

صَلَاةَ الِاسْتِسْقَاء نَحْوَ صَلَاةِ العِيدَيْنِ يُكَبِّرُ فِي الرَّكْعَةِ الْأُولَى سَبْعًا، وَفِي الثَّانِيَةِ خَمْسًا، وَاحْتَجَّ بِحَدِيثِ ابْنِ عَبَّاسٍ، وَرُوِيَ عَنْ مَالِكِ بْنِ أَنَسٍ، أَنَّهُ قَالَ: لَا يُكَبِّرُ فِي صَلَاةِ الِاسْتِسْقَاءِ كَمَا يُكَبِّرُ فِي صَلَاةِ العِيدَيْنِ

رضی اللہ عنہما کی حدیث سے استدلال کیا ہے۔

اور مالک بن انس سے مروی ہے کہ انہوں نے ارشاد فرمایا: نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نماز استسقاء میں تکبیر نہیں فرماتے تھے جیسا کہ عیدین کی نماز میں فرماتے تھے۔

شرح حدیث

علامہ علی بن سلطان محمد القاری حنفی فرماتے ہیں:

"لغت میں استسقاء کا مطلب پانی طلب کرنا ہے اور شرع میں اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے کم بارش ہونے یا نہروں کے جاری نہ ہونے کے سبب لوگوں کی پانی کی طرف حاجت کی وجہ سے ان کے لیے پانی و بارش طلب کرنا ہے۔

علامہ ابن ہمام نے فرمایا کہ لوگ استسقاء کے لیے تین دن نکلیں گے اس سے زیادہ منقول نہیں، تواضع اور خشوع کے ساتھ پرانے کپڑوں میں ننگے پاؤں نکلیں گے، ہر دن نکلنے سے پہلے توبہ کے بعد صدقہ دیں، میدان کی طرف نکلنا مکہ اور بیت المقدس کے علاوہ ہے کیونکہ ان دو جگہوں پر مسجد میں جمع ہوں گے۔

علامہ ابن حجر نے کہا کہ استسقاء کی تین صورتیں احادیث صحیحہ سے ثابت ہیں، اس کی ادنیٰ صورت صرف دعا ہے چاہے اکیلے ہو یا اجتماعی طور پر، ابو عوانہ نے اپنی صحیح میں روایت کیا:((ان قوما شکوا إلى النبي صلى الله تعالیٰ علیہ وسلم قحط المطر فقال:اجثوا على الرکب ثم قولوا:یا رب یا رب. ففعلوا فسقوا، وسیأتي أنه علیه الصلاة والسلام استسقى عند أحجار الزیت بالدعاء بلا صلاة))ترجمہ:ایک قوم نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بارش کی قحط کی شکایت کی، تو فرمایا: سواریوں پر سوار ہو جاؤ اور پھر کہو: اے ہمارے رب! اے ہمارے رب۔

حدیث پاک میں ہے:((أنه علیه الصلاة والسلام استسقى عند أحجار الزیت بالدعاء بلا صلاة))ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے زیت کے پتھروں کے پاس اپنے ہاتھوں کو اٹھا کر دعائے استسقاء فرمائی، بغیر نماز کے۔

امام شافعی نے فرمایا کہ یہ صورت ان لوگوں کے لیے احسن ہے جو اہل صلاح میں سے ہیں اور استسقاء کی درمیانی صورت نمازوں کے بعد دعا ہے اگرچہ نوافل کے بعد ہو اور ہر خطبہ مشروعہ میں۔

اور اس کی اعلیٰ صورت یہ ہے کہ نماز اور خطبہ کے ساتھ ہو جیسا کہ ابھی آئے گا اور استسقاء کی تکرار مندوب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کو دعا میں تکرار کرنے والے پسند ہیں، واللہ تعالیٰ اعلم"

(مرقاۃ المفاتیح، باب الاستسقاء، ج3، ص1105، دار الفکر، بیروت)

تحویل چادر کی وجہ

((چادر کو الٹ دیا)) مظہر نے کہا: یہاں تحویل چادر سے غرض تحویلِ حال کا نیک شگون ہے یعنی ہم نے چادر پھیر دی اس امید پر کہ اللہ تعالیٰ ہماری تنگی کو کشادگی سے اور قحط زدہ زمین کو زرخیز زمین سے بدل دے۔

(مرقاۃ المفاتیح، باب الاستسقاء، ج3، ص1106، دارالفکر، بیروت)

نماز استسقاء کے بارے میں مذاہب ائمہ

احناف کا موقف

"استسقاء دُعا و استغفار کا نام ہے۔ استسقاء کی نماز جماعت سے جائز ہے، مگر جماعت اس کے لیے سنت نہیں، چاہیں جماعت سے پڑھیں یا تنہا تنہا دونوں طرح اختیار ہے۔" (درمختار، کتاب الصلاۃ، باب الاستسقاء، ج3، ص81 تا 83)

"استسقاء کے لیے پرانے یا پیوند لگے کپڑے پہن کر تذلّل و خشوع و خضوع و تواضع کے ساتھ سَر برہنہ پیدل جائیں اور پا برہنہ ہوں تو بہتر اور جانے سے پیشتر خیرات کریں۔ کفّار کو اپنے ساتھ نہ لے جائیں کہ جاتے ہیں رحمت کے لیے اور کافر پر لعنت اترتی ہے۔ تین دن پیشتر سے روزے رکھیں اور توبہ و استغفار کریں پھر میدان میں جائیں اور وہاں توبہ کریں اور زبانی توبہ کافی نہیں بلکہ دل سے کریں اور جن کے حقوق اس کے ذمہ ہیں سب ادا کرے یا معاف کرائے، کمزوروں، بوڑھوں، بوڑھیوں اور بچوں کے توسّل سے دُعا کرے اور سب آمین کہیں، کہ صحیح بخاری شریف میں ہے، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "تمھیں روزی اور مدد کمزوروں کے ذریعہ سے ملتی ہے۔"

اور ایک روایت میں ہے، "اگر جوان خشوع کرنے والے اور چوپائے چرنے والے اور بوڑھے رکوع کرنے والے اور بچے دودھ پینے والے نہ ہوتے تو تم پر شدّت سے عذاب کی بارش ہوتی۔"

اس وقت بچے اپنی ماؤں سے جدا رکھے جائیں اور مویشی بھی ساتھ لے جائیں۔ غرض یہ کہ توجہ رحمت کے تمام اسباب مہیّا کریں اور تین دن متواتر جنگل کو جائیں اور دُعا کریں اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ امام دو رکعت جہر کے ساتھ نماز پڑھائے اور بہتر یہ ہے کہ پہلی میں سَبِّحِ اسْمَ اور دوسری میں هَلْ اَتٰكَ پڑھے اور نماز کے بعد زمین پر کھڑا ہو کر خطبہ پڑھے اور دونوں خطبوں کے درمیان جلسہ کرے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ایک ہی خطبہ پڑھے اور خطبہ میں دُعا و تسبیح و استغفار کرے

اور اثنائے خطبہ میں چادر لوٹ دے یعنی اوپر کا کنارہ نیچے اور نیچے کا اوپر کر دے کہ حال بدلنے کی فال ہو، خطبہ سے فارغ ہو کر لوگوں کی طرف پیٹھ اور قبلہ کو موبھ کر کے دُعا کرے۔ بہتر وہ دُعائیں ہیں جو احادیث میں وارد ہیں اور دُعا میں ہاتھوں کو خوب بلند کرے اور پشتِ دست جانب آسمان رکھے۔"

(بہار شریعت، بحوالہ عالمگیری، غنیۃ، درمختار، جوہرہ وغیرہا، ج 1، حصہ 4، ص 794، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

حنابلہ کا مؤقف

علامہ ابو القاسم عمر بن حسین بن عبد اللہ الخرقی (متوفی 334ھ) فرماتے ہیں:

"جب زمین خشک ہو جائے، بارش نہ ہو رہی ہو تو لوگ امام کے ساتھ نکلیں، اور ان کے نکلنے میں یہ حالت ہو جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((انه كان إذا أراد الاستسقاء خرج متواضعا متبذلا متخشعا متذللا متضرعا)) (ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب استسقاء کا ارادہ فرماتے تو تواضع کرتے ہوئے، پرانے کپڑوں میں خشوع کے ساتھ، عاجزی و گریہ وزاری کرتے ہوئے نکلتے)

امام لوگوں کو دو رکعتیں پڑھائے، پھر خطبہ دے، قبلہ کی طرف منہ کرے اور اپنی چادر الٹ دے اور اس کا دایاں بائیں طرف کر دے اور بایاں دائیں طرف کر دے اور لوگ بھی ایسے ہی کریں اور امام دعا مانگے اور لوگ بھی دعا مانگیں، اور اپنی دعاؤں میں کثرت کے ساتھ استغفار کریں، پس اگر بارش ہو جائے تو ٹھیک ہے ورنہ دوسرے اور تیسرے دن بھی اسی طرح نکلیں۔

اور اگر ان کے ساتھ اہل ذمہ نکلیں تو انہیں منع نہ کریں اور انہیں حکم کریں کہ وہ مسلمانوں سے الگ رہیں واللہ تعالیٰ اعلم۔"

(مختصر الخرقی، باب صلاۃ الاستسقاء، ج 1، ص 35، مطبوعہ دار الصحابہ للتراث)

شوافع کا مؤقف

علامہ احمد بن محمد ابن المحاملی شافعی (متوفی 415ھ) فرماتے ہیں:

"نماز استسقاء نماز عید کی مثل دو رکعتیں ہیں، مگر یہ کہ امام نماز استسقاء کے خطبہ میں استغفار کی کثرت کرے گا اور اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی قراءت کرے گا: ﴿فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ۝ يُّرْسِلِ السَّمَآءَ

عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا○ وَّ يُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّ بَنِيْنَ وَ يَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّ يَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا○﴾ (ترجمہ: تو میں نے کہا اپنے رب سے معافی مانگو، بے شک وہ بڑا معاف فرمانے والا ہے، تم پر موسلا دھار بارش برسائے گا، اور مال اور بیٹوں سے تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے لئے باغ بنادے گا اور تمہارے لئے نہریں بنائے گا۔) اور چادر کو پھیر دے گا۔"

(اللباب فی الفقہ الشافعی، کتاب الصلاۃ، ج1، ص134، دار البخاری، المدینۃ المنورۃ)

مالکیہ کا موقف

علامہ ابو محمد عبداللہ بن عبد الرحمٰن القیر وانی مالکی (متوفی 386ھ) فرماتے ہیں:

"نماز استسقاء ایسی سنت ہے جسے قائم کیا جائے گا، اس کے لیے امام نکلے گا جیسا کہ عیدین کے لیے چاشت کے وقت نکلتا ہے اور لوگوں کو دو رکعتیں پڑھائے گا جن میں جہر کے ساتھ قراءت کرے گا، پہلی رکعت میں سورۃ ﴿سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى﴾ اور دوسری رکعت میں سورۃ ﴿وَالشَّمْس﴾ پڑھے گا، ہر رکعت میں دو سجدے ہوں گے اور ایک رکوع، اور تشہد پڑھے گا اور سلام پھیرے گا پھر لوگوں کی طرف چہرے کے ساتھ متوجہ ہوگا، پھر بیٹھ جائے گا، پس جب لوگ اطمینان کے ساتھ بیٹھ جائیں گے تو کمان یا عصا کے سہارے کھڑا ہوگا اور خطبہ دے گا پھر بیٹھے گا پھر کھڑا ہوگا اور خطبہ دے گا، پس جب فارغ ہوگا تو قبلہ کی طرف منہ کرلے گا اور اپنی چادر کو پھیر لے گا کہ جو دائیں کندھے پر ہے اسے بائیں پر کرلے گا اور جو بائیں کندھے پر ہے اسے دائیں پر کرلے گا اور اسے الٹا نہیں کرے گا، اور لوگوں کو چاہیے کہ وہ بھی امام کی مثل کریں اور امام کھڑا ہوگا جبکہ لوگ بیٹھے ہوں گے اور پھر اسی طرح دعا مانگے گا، پھر پلٹ آئے گا اور لوگ بھی پلٹ آئیں گے اور امام اس میں کوئی تکبیر نہیں کہے گا اور نہ ہی نماز خسوف میں سوائے تکبیر تحریمہ اور نیچے جانے اور اوپر آنے کی تکبیرات کے، اس میں نہ اذان ہے اور نہ ہی اقامت۔" (الرسالۃ للقیر وانی، باب فی صلاۃ الاستسقاء، ج1، ص51,52، دار الفکر، بیروت)

امام اعظم کے نزدیک نمازِ استسقا اور اس کی جماعت کے سنت نہ ہونے کی وجہ

علامہ علی بن سلطان محمد القاری حنفی فرماتے ہیں:

مظہر نے کہا: امام ابو حنیفہ استسقاء میں نماز کے قائل نہیں بلکہ ان کے نزدیک استسقاء میں فقط بارش کے لیے دعا ہے، امام شافعی عید کی نماز کی مثل نماز کے قائل ہیں اور امام مالک تمام نمازوں کی طرح دو رکعتیں پڑھتے ہیں۔

اور جو علامہ ابن حجر نے یہ نقل کیا کہ امام ابوحنیفہ نے نمازِ استسقاء کو بدعت قرار دیا ہے تو یہ خطاء فاحش ہے کیونکہ اس کو سنت نہ قرار دینے سے "اس وجہ سے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کبھی کیا اور کبھی نہ کیا" یہ لازم نہیں آتا کہ انہوں نے اسے بدعت قرار دیا ہو۔ پھر علامہ ابن حجر نے مجتہدین کے مرتبہ سے عدمِ اطلاع اور قلتِ معرفت کی وجہ سے بالخصوص امام اعظم ہمام اقدم جن کے بارے میں امام شافعی نے فرمایا کہ تمام فقہ امام ابوحنیفہ کی عیال ہیں کے مرتبہ سے ناواقفی کی وجہ سے کہا: گویا کہ یہ احادیث اپنی کثرت کے باجود امام ابوحنیفہ تک نہ پہنچیں۔۔۔۔

ابن ملک نے کہا کہ سنت یہ ہے کہ نمازِ استسقاء باجماعت پڑھے، اور یہی قول امام ابویوسف اور امام محمد کا ہے، ہدایہ میں فرمایا: ہم نے کہا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کبھی یہ فعل کیا ہے اور کبھی ترک کیا ہے تو یہ سنت نہیں ہے، امام ابن ہمام نے فرمایا: نمازِ استسقاء جماعت سے پڑھنا سنت تب قرار پاتا جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس پر مواظبت فرماتے۔ اسی وجہ سے شیخ الاسلام نے فرمایا: اس میں دلیل ہے کہ ہمارے نزدیک یہ جائز ہے یعنی لوگ اگر نماز استسقاء جماعت سے پڑھیں تو جائز لیکن سنت نہیں ہے۔

کافی جو کہ امام محمد کے کلام کا مجموعہ ہے اس میں ہے: استسقاء میں نماز نہیں ہے صرف دعا ہے، ہم تک پہنچا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم استسقاء کے لیے نکلے اور دعا کی۔ اور ہم تک پہنچا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ منبر پر تشریف فرما ہوئے تو دعا کی اور بارش طلب کی۔ اور ہم تک اس نماز کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کچھ نہیں پہنچا مگر ایک شاذ حدیث جس سے استدلال نہیں ہوسکتا، اھ۔

امام ابن ہمام نے فرمایا: اس کے شذوذ کی وجہ یہ ہے کہ اگر نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے یہ نماز پڑھنا ثابت ہوتا تو اس کی نقل بہت وسیع پیمانے پر مشتہر ہوتی اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ طلبِ بارش کے وقت اسے کرتے یعنی نماز پڑھتے اور جب انہوں نے نہیں کیا تو دیگر صحابہ کرام ان پر انکار کرتے، کیونکہ اگر یہ نماز ہوتی تو تمام صحابہ کرام علیہم الرضوان کی موجودگی میں ہوتی کہ تمام صحابہ نمازِ استسقاء کے لیے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ نکلنے کی پوری کوشش کرتے۔ پس جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نہیں کیا اور صحابہ کرام نے نہ کرنے پر انکار نہ کیا اور صدر اول میں یہ روایت مشتہر نہ ہوئی، بلکہ حضرت ابن عباس اور حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے یہ اس کی کیفیت کے اضطراب کے ساتھ مروی ہوا، تو یہ

اس معاملہ میں شذوذ ہے کہ جس میں خاص وعام، چھوٹے بڑے سب شریک ہوں۔ یہ بات یاد رہے کہ شذوذ ان کی طرف طرق کے اعتبار سے ہے، کیونکہ اگر مذکورہ صحابہ سے رفع کا یقین ہوتا تو اشکال ہی باقی نہ رہتا، اھ۔

(مرقاۃ المفاتیح، باب الاستسقاء، ج3،ص1106، دار الفکر، بیروت)

باب نمبر 390

فِي صَلَاةِ الْكُسُوفِ

سورج گہن کی نماز

560- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ، عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ حَبِيبِ بْنِ أَبِي ثَابِتٍ، عَنْ طَاوُسٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ صَلَّى فِي كُسُوفٍ، فَقَرَأَ ثُمَّ رَكَعَ، ثُمَّ قَرَأَ ثُمَّ رَكَعَ ثُمَّ قَرَأَ، ثُمَّ رَكَعَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ، ثُمَّ سَجَدَ سَجْدَتَيْنِ، وَالْأُخْرَى مِثْلُهَا وَفِي الْبَابِ عَنْ عَلِيٍّ، وَعَائِشَةَ، وَعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو، وَالنُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ، وَالْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ، وَأَبِي مَسْعُودٍ، وَأَبِي بَكْرَةَ، وَسَمُرَةَ، وَأَبِي مُوسَى، وَابْنِ مَسْعُودٍ، وَأَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِي بَكْرٍ، وَابْنِ عُمَرَ، وَقَبِيصَةَ الْهِلَالِيِّ، وَجَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ، وَعَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ سَمُرَةَ، وَأُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ، قَالَ ابوعيسى: حَدِيثُ ابْنِ عَبَّاسٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

وَقَدْ رُوِيَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَنَّهُ صَلَّى فِي كُسُوفٍ أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ فِي أَرْبَعِ سَجَدَاتٍ وَبِهِ يَقُولُ الشَّافِعِيُّ، وَأَحْمَدُ، وَإِسْحَاقُ . وَاخْتَلَفَ أَهْلُ

حدیث: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں: آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سورج گہن کی نماز ادا فرمائی تو اس میں قراءت فرمائی پھر رکوع کیا، پھر قراءت فرمائی پھر رکوع کیا، پھر قراءت فرمائی پھر رکوع کیا، تین مرتبہ، پھر دو سجدے فرمائے اور دوسری رکعت بھی اسی کی مثل پڑھی۔

اور اس باب میں حضرت علی، حضرت عائشہ، حضرت عبداللہ بن عمرو، حضرت نعمان بن بشیر، حضرت مغیرہ بن شعبہ، حضرت ابومسعود، حضرت ابوبکر، حضرت سمرہ، حضرت ابوموسیٰ، حضرت ابن مسعود، حضرت اسماء بنت ابوبکر، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت قبیصہ ہلالی، حضرت جابر بن عبداللہ، حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے بھی روایات مروی ہیں۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث حسن صحیح ہے۔

اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے وہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ "آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورج گہن میں چار رکوع چار سجدوں کے ساتھ ادا فرمائے۔"

الْعِلْمِ فِي الْقِرَاءَةِ فِي صَلَاةِ الْكُسُوفِ، فَرَأَى بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ: أَنْ يُسِرَّ بِالْقِرَاءَةِ فِيهَا بِالنَّهَارِ، وَرَأَى بَعْضُهُمْ: أَنْ يَجْهَرَ بِالْقِرَاءَةِ فِيهَا، كَنَحْوِ صَلَاةِ الْعِيدَيْنِ وَالْجُمُعَةِ، وَبِهِ يَقُولُ مَالِكٌ، وَأَحْمَدُ، وَإِسْحَاقُ: يَرَوْنَ الْجَهْرَ فِيهَا قَالَ الشَّافِعِيُّ: لَا يَجْهَرُ فِيهَا وَقَدْ صَحَّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كِلْتَا الرِّوَايَتَيْنِ: صَحَّ عَنْهُ أَنَّهُ صَلَّى أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ فِي أَرْبَعِ سَجَدَاتٍ، وَصَحَّ عَنْهُ أَنَّهُ صَلَّى سِتَّ رَكَعَاتٍ فِي أَرْبَعِ سَجَدَاتٍ وَهَذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ جَائِزٌ عَلَى قَدْرِ الْكُسُوفِ، إِنْ تَطَاوَلَ الْكُسُوفُ فَصَلَّى سِتَّ رَكَعَاتٍ فِي أَرْبَعِ سَجَدَاتٍ، فَهُوَ جَائِزٌ، وَإِنْ صَلَّى أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ فِي أَرْبَعِ سَجَدَاتٍ وَأَطَالَ الْقِرَاءَةَ فَهُوَ جَائِزٌ، وَيَرَى أَصْحَابُنَا، أَنْ تُصَلَّى صَلَاةُ الْكُسُوفِ فِي جَمَاعَةٍ فِي كُسُوفِ الشَّمْسِ وَالْقَمَرِ

561- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ أَبِي الشَّوَارِبِ قَالَ: حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ قَالَ: حَدَّثَنَا مَعْمَرٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّهَا قَالَتْ: خَسَفَتِ الشَّمْسُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَصَلَّى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالنَّاسِ، فَأَطَالَ الْقِرَاءَةَ، ثُمَّ رَكَعَ فَأَطَالَ الرُّكُوعَ، ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ

اورامام شافعی، امام احمد اورامام اسحٰق رحمۃ اللہ علیہم اسی بات کے قائل ہیں، اور اہلِ علم کا سورج گہن کی نماز میں قراءت کے حوالے سے اختلاف ہے تو بعض اہلِ علم کی رائے یہ ہے کہ وہ دن میں سری قراءت کرے اور بعض کی رائے یہ ہے کہ وہ ان میں جہری قراءت کرے جیسا کہ عیدین اور جمعہ کی نماز میں اور امام مالک، احمد اور اسحٰق رحمہم اللہ بھی اسی کے قائل ہیں یہ حضرات اس میں جہر کے قائل ہیں۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وہ ان میں جہر نہ کرے۔ اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے دونوں روایتیں صحیح ثابت ہیں: آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چار رکعات چار سجدوں کے ساتھ ادا فرمائیں۔ اور یہ بھی صحیح ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چھ رکوع چار سجدوں کے ساتھ ادا فرمائے تو یہ اہلِ علم کے ہاں سورج گہن کی مقدار کے مطابق جائز ہے تو اگر سورج گرہن طویل ہو جائے تو وہ چھ رکوع، چار سجدوں کے ساتھ ادا کرے تو یہ جائز ہے۔ اور اگر چار رکوع، چار سجدوں کے ساتھ ادا کرے اور قراءت طویل کرے تو یہ جائز ہے اور ہمارے اصحاب کی رائے یہ ہے کہ تم سورج گہن کی نماز جماعت سے پڑھو سورج اور چاند دونوں کو گہن لگنے کی صورت میں جماعت سے نماز ادا کی جائے۔

حدیث: حضرت سیدتنا عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے فرمایا: نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارکہ میں سورج کو گہن لگ گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو نماز پڑھائی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قراءت کو طویل فرمایا، پھر

فَأَطَالَ الْقِرَاءَةَ، وَهِيَ دُونَ الْأُولَى، ثُمَّ رَكَعَ فَأَطَالَ الرُّكُوعَ، وَهُوَ دُونَ الْأَوَّلِ، ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ فَسَجَدَ، ثُمَّ فَعَلَ مِثْلَ ذَلِكَ فِي الرَّكْعَةِ الثَّانِيَةِ ،قال ابوعيسى: وَهَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ، وَبِهَذَا الْحَدِيثِ يَقُولُ الشَّافِعِيُّ، وَأَحْمَدُ، وَإِسْحَاقُ، يَرَوْنَ صَلَاةَ الْكُسُوفِ أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ فِي أَرْبَعِ سَجَدَاتٍ قَالَ الشَّافِعِيُّ: يَقْرَأُ فِي الرَّكْعَةِ الْأُولَى بِأُمِّ الْقُرْآنِ، وَنَحْوًا مِنْ سُورَةِ الْبَقَرَةِ سِرًّا إِنْ كَانَ بِالنَّهَارِ، ثُمَّ رَكَعَ رُكُوعًا طَوِيلًا نَحْوًا مِنْ قِرَاءَتِهِ، ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ بِتَكْبِيرٍ وَثَبَتَ قَائِمًا كَمَا هُوَ، وَقَرَأَ أَيْضًا بِأُمِّ الْقُرْآنِ وَنَحْوًا مِنْ آلِ عِمْرَانَ، ثُمَّ رَكَعَ رُكُوعًا طَوِيلًا نَحْوًا مِنْ قِرَاءَتِهِ، ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ، ثُمَّ قَالَ: سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ، ثُمَّ سَجَدَ سَجْدَتَيْنِ تَامَّتَيْنِ، وَيُقِيمُ فِي كُلِّ سَجْدَةٍ نَحْوًا مِمَّا أَقَامَ فِي رُكُوعِهِ، ثُمَّ قَامَ فَقَرَأَ بِأُمِّ الْقُرْآنِ، وَنَحْوًا مِنْ سُورَةِ النِّسَاءِ، ثُمَّ رَكَعَ رُكُوعًا طَوِيلًا نَحْوًا مِنْ قِرَاءَتِهِ، ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ بِتَكْبِيرٍ وَثَبَتَ قَائِمًا، ثُمَّ قَرَأَ نَحْوًا مِنْ سُورَةِ الْمَائِدَةِ، ثُمَّ رَكَعَ رُكُوعًا طَوِيلًا نَحْوًا مِنْ قِرَاءَتِهِ، ثُمَّ رَفَعَ، فَقَالَ: سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ، ثُمَّ سَجَدَ سَجْدَتَيْنِ، ثُمَّ تَشَهَّدَ وَسَلَّمَ

رکوع فرمایا تو رکوع طویل کیا پھر اپنا سر اٹھایا تو قراءت کو طویل کیا اور وہ پہلی سے کم تھی، پھر رکوع کیا تو رکوع کو طویل فرمایا اور وہ پہلے سے کم تھا، پھر اپنا سر اٹھایا تو سجدہ فرمایا، پھر دوسری رکعت میں اسی کی مثل کیا۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ حدیث حسن صحیح ہے اور امام شافعی، احمد اور اسحٰق رحمہم اللہ اسی بات کے قائل ہیں کہ نماز کسوف چار رکوع اور چار سجدوں کے ساتھ ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وہ پہلی رکعت میں سورہ فاتحہ اور سورہ بقرہ کی مثل سورت سری قراءت سے پڑھے اگر دن میں ہو، پھر اپنی قراءت کی مثل رکوع کرے، پھر تکبیر کہہ کر اپنا سر اٹھائے اور اسی طرح کھڑا رہے اور سورہ فاتحہ اور سورہ آل عمران کی مثل قراءت کرے، پھر اپنی قراءت کی مثل طویل رکوع کرے، پھر اپنا سر اٹھائے، پھر "سمع اللہ لمن حمدہ" کہے، پھر کامل دو سجدے کرے اور ہر سجدہ میں اتنی دیر رہے جتنا رکوع میں رہا، پھر قیام کرے تو اس میں سورہ فاتحہ پڑھے اور "سورہ نساء" کی مثل قراءت کرے، پھر اپنی قراءت کی مثل طویل رکوع کرے، پھر تکبیر کہہ کر اپنا سر اٹھائے اور کھڑا رہے، پھر "سورہ مائدہ" کی مثل قراءت کرے، پھر اپنی قراءت کی مثل طویل رکوع کرے پھر اپنا سر اٹھائے تو "سمع اللہ لمن حمدہ" کہے، پھر دو سجدے کرے، پھر تشہد پڑھے اور سلام پھیرے۔

شرح حدیث

کسوف اور خسوف میں فرق

ایک جماعت نے روایت کیا کہ کسوف سورج اور چاند دونوں میں ہوتا ہے، اور ایک جماعت نے دونوں کے لیے خسوف کا لفظ استعمال کیا ہے، اور ایک جماعت نے سورج میں کسوف اور چاند میں خسوف استعمال کیا ہے، لغت میں کثیر نے اسی فرق کے ساتھ روایت کیا ہے اور یہی فراء نے اختیار کیا ہے کہ کسوف سورج کے لیے ہے اور خسوف چاند کے لیے، کہا جاتا ہے کہ سورج کو کسف (گہن) لگ گیا، اللہ تعالیٰ نے اسے کسف لگا دیا اور پھر منکشف ہو گیا اور کہا جاتا ہے کہ چاند کو خسف (گہن) لگ گیا اور اللہ تعالیٰ نے اسے خسف لگا دیا۔

(شرح ابی داؤد للعینی، باب صلاۃ الکسوف، ج5، ص26، مکتبۃ الرشد، ریاض)

"حلیہ میں فرمایا کہ فقہاء کی زبانوں پر زیادہ مشہور یہ ہے کہ کسوف کو سورج کے ساتھ خاص کیا جائے اور خسوف کو چاند کے ساتھ، اور جوہری نے دعوی کیا کہ یہی زیادہ فصیح ہے۔ اور کہا گیا کہ دونوں برابر ہیں، اھ۔ قہستانی میں ہے: ابن اثیر نے فرمایا کہ اول ہی لغت میں زیادہ معروف ہے۔ اور جو حدیث پاک میں دونوں کے بارے میں اکٹھا فرمایا گیا کہ سورج اور چاند میں کسوف یا سورج اور چاند میں خسوف تو وہ تغلیب کے طور پر ہے۔"

(ردالمحتار، باب الکسوف، ج2، ص181، دارالفکر، بیروت)

نمازِ کسوف اور نمازِ خسوف کا حکم، مذاہب ائمہ

نمازِ کسوف (سورج گہن کی نماز) چاروں مذاہب (احناف، مالکیہ، شوافع اور حنابلہ) کے نزدیک سنت مؤکدہ ہے، جبکہ نمازِ خسوف (چاند گہن کی نماز) مذاہب ثلاثہ (حنابلہ، شوافع، مالکیہ) کے نزدیک سنت مؤکدہ ہے جبکہ احناف کے نزدیک مستحب ہے، جزئیات درج ذیل ہیں:

حنابلہ کا مؤقف

علامہ موفق الدین ابن قدامہ حنبلی فرماتے ہیں:

کسوف (سورج گہن) اور خسوف (چاند گہن) کے وقت نماز سنت مؤکدہ ہے۔

(الکافی فی فقہ الامام احمد، باب صلاۃ الکسوف، ج1، ص344، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

شوافع کا مؤقف

علامہ یحیی بن شرف النووی شافعی فرماتے ہیں:

سورج گہن اور چاند گہن کی نماز بالاجماع سنت مؤکدہ ہے۔

(المجموع شرح المہذب، باب صلاۃ الکسوف، ج5، ص44، دار الفکر، بیروت)

مالکیہ کا مؤقف

علامہ ابو محمد عبد الوہاب بغدادی مالکی (متوفی 422ھ) فرماتے ہیں:

نمازِ کسوف سنت مؤکدہ ہے۔ (التلقین فی الفقہ المالکی، باب صلاۃ الکسوف، ج1، ص54، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

علامہ رُعینی مالکی فرماتے ہیں:

"نوادر میں ہے کہ ابن حبیب نے کہا کہ نمازِ خسوف مردوں، عورتوں، نماز کی سمجھ رکھنے والے بچوں، مسافروں اور غلاموں کے لیے سنت ہے۔" (مواہب الجلیل، فصل صلاۃ الکسوف، ج2، ص199، دار الفکر، بیروت)

احناف کا مؤقف

علامہ ابو المعالی محمود بن احمد حنفی (متوفی 616ھ) فرماتے ہیں:

"نماز کسوف (سورج گہن کی نماز) واجب نہیں کیونکہ یہ شعائر اسلام میں سے نہیں ہے، مگر یہ سنت ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس پر مواظبت فرمائی ہے۔"

(محیط برہانی، الفصل التاسع والعشرون فی صلاۃ الکسوف، ج2، ص134، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

مواظبت کی دلیل سے معلوم ہوا کہ یہ سنت مؤکدہ ہے۔

علامہ ابوبکر بن مسعود کاسانی حنفی فرماتے ہیں:

"خسوفِ قمر (چاند گہن) کے وقت نماز پڑھنا حسن و مستحب ہے...... اور ہمارے نزدیک جماعت سے نہیں پڑھی جائے گی..... کہ خسوفِ قمر کے وقت باجماعت نماز نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے منقول نہیں حالانکہ خسوفِ قمر کا وقوع کسوفِ شمس سے زیادہ ہوتا ہے...... اور چونکہ غیر فرض میں اصل یہ ہے کہ باجماعت ادا نہ کی جائے کہ نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ آدمی کا گھر نماز پڑھنا افضل ہے سوائے فرض نماز کے۔ البتہ جس کا جماعت سے پڑھنا دلیل سے ثابت ہو جیسے نمازِ عیدین، نمازِ تراویح اور نمازِ کسوفِ شمس...... اور اس وجہ سے کہ رات میں اجتماع متعذر ہے یا وقوعِ فتنہ کا سبب ہے...... اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث غیر ماخوذ بہ ہے کیونکہ یہ محل شہرت میں خبر احاد ہے۔" (بدائع الصنائع، باب صلاۃ الکسوف، ج1، ص282، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

سورج گہن کی نماز کی ادائیگی کے بارے میں مذاہب ائمہ

احناف کے نزدیک نمازِ کسوف میں دیگر نمازوں کی طرح ایک رکعت میں ایک ہی قیام اور ایک ہی رکوع ہے جبکہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک نمازِ کسوف کی ایک رکعت میں دو قیام اور دو رکوع ہوتے ہیں، اس کے جزئیات درج ذیل ہیں:

احناف کا موقف

محرر مذہب حنفیہ امام محمد بن حسن شیبانی حنفی (متوفی 189ھ) فرماتے ہیں:

"امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صلاۃ الکسوف یعنی سورج گہن کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ امام دو رکعتیں نماز اس طرح پڑھائے گا کہ پہلی رکعت میں ایک رکوع اور دو سجدے کرے گا اور قراءت طویل کرے گا اور دوسری رکعت میں ایک رکوع اور دو سجدے کرے گا جس طرح کے باقی نمازوں میں ہوتا ہے اور نماز کا یہ طریقہ امام ابوحنیفہ نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے۔

اور اہل مدینہ کہتے ہیں کہ امام کھڑا ہو کر لوگوں کو اس طرح نماز پڑھائے گا کہ اس میں قیام طویل کرے گا اور طویل رکوع کرے گا پھر کھڑا ہوگا اور طویل قیام کرے گا، یہ پہلے قیام کے علاوہ ہوگا پھر طویل رکوع کرے گا، یہ رکوع پہلے رکوع کے علاوہ ہوگا، پھر کھڑا ہوگا و رسجدہ کرے گا، پھر دوسری رکعت میں پہلی کی مثل پڑھے گا پھر پلٹ آئے گا۔

امام ابوحنیفہ کے قول میں آثار وارد ہوئے ہیں اور اہل مدینہ کے قول میں بھی ان کے بقول آثار وارد ہوئے ہیں

اور نمازِ کسوف کے علاوہ میں سنت معروفہ ہر رکعت میں ایک رکوع اور دو سجدے ہیں، نہ کہ ہر رکعت میں دو رکوع اور دو سجدے، نماز کسوف تمام نمازوں سے ہٹ کر کیسے ہوگئی، یہ صرف اس لیے ہے کہ اس سے اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل ہو، پس نماز ایک ہے اور اس کی ہر رکعت میں قراءت ہے، ایک رکوع اور دو سجدے ہیں۔

بہر حال دو رکوع ایک رکعت میں تو یہ ایسی چیز ہے جو کسی اور نماز میں نہیں، نہ ہی نماز عید میں، نہ نماز جمعہ میں، نہ نفل میں اور نہ ہی فرض نماز میں، تو نمازِ کسوف میں یہ کیسے ہوگا۔

اور جو اہل مدینہ کی بیان کردہ روایت ہے اس کا جواب یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے طویل قیام کیا، پھر طویل رکوع کیا تو کسی آدمی نے اپنے سر اٹھایا تو اس نے اپنے آگے والوں کو دیکھا کہ وہ رکوع میں ہیں تو وہ لوٹ آیا اور اس نے رکوع کر دیا تو اس کے پیچھے والوں نے یہ معاملہ دیکھا تو انہوں نے گمان کیا کہ یہ دو رکوع ہیں حالانکہ یہ ایک ہی رکوع تھا۔" (الحجۃ علی اہل المدینہ، باب صلاۃ الکسوف، ج 1، ص 318 تا 320، عالم الکتب، بیروت)

"اس طرح کا اشتباہ ان کے لیے واقع ہوا جو پچھلی صفوں میں تھے، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا عورتوں کی صف میں تھیں اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اس وقت بچوں کی صف میں تھے، لہذا ان دونوں نے وہی نقل کیا جو ان کے نزدیک واقع ہوا، اور اگر یہ صحیح ہوتا اور تھا یہ خلاف معہود تو کبار صحابہ کرام جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بالکل قریب کھڑے ہوتے تھے وہ اسے ضرور نقل کرتے، جب ان میں سے کسی نے نقل نہیں کیا تو معاملہ اسی طرح ہے جس طرح ہم نے بیان کیا۔" (المبسوط للسرخسی، باب صلاۃ الکسوف، ج 2، ص 75، دار المعرفہ، بیروت)

حنابلہ کا موقف

علامہ ابوالقاسم عمر بن حسین الخرقی (متوفی 334ھ) فرماتے ہیں:

"جب سورج یا چاند کو گہن لگ جائے تو لوگ نماز پڑھیں چاہیں تو جماعت سے پڑھیں چاہیں تو الگ الگ پڑھیں، اذان و اقامت کے بغیر، امام پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد طویل سورت پڑھے اور اس میں جہری قراءت کرے پھر طویل رکوع کرے پھر اٹھ کر طویل قراءت کرے، اور پہلے قیام کے علاوہ قیام ہوگا، پھر طویل رکوع کرے اور یہ پہلے رکوع کے علاوہ رکوع ہوگا پھر اٹھے پھر دو طویل سجدے کرے، پھر کھڑے ہو کر پہلی رکعت کی مثل کرے، تو یہ

دو رکعتوں میں چار رکوع اور چار سجدے ہو جائیں گے پھر تشہد پڑھے اور سلام پھیر دے۔

اور اگر سورج گہن اس وقت میں ہو جس میں نماز نہیں پڑھتے تو نماز کی جگہ تسبیح پڑھے گا، واللہ تعالیٰ اعلم۔"

(مختصر الخرقی، باب صلاۃ الکسوف، ج 1 ص 34,35، دار الصحابۃ للتراث)

شوافع کا مؤقف

علامہ احمد بن محمد ابن المحاملی شافعی (متوفی 415ھ) فرماتے ہیں:

"نمازِ کسوف (سورج گہن کی نماز) دو رکعتیں ہیں، جماعت سے بھی جائز ہے اور اکیلے اکیلے بھی، اور ہر رکعت میں دو قیام ہیں، دو قراءتیں ہیں، دو رکوع ہیں اور دو سجدے ہیں، پھر امام اس کے بعد دو خطبے دے گا اور اس نماز میں سری قراءت کرے گا کیونکہ یہ دن کی نماز ہے۔

اور نمازِ خسوف (چاند گہن کی نماز) نمازِ کسوف کی مثل ہے مگر یہ کہ اس میں قراءت جہری کرے گا کیونکہ یہ رات کی نماز ہے۔"

(اللباب فی الفقہ الشافعی، کتاب الصلاۃ، ج 1 ص 133، دار البخاری، المدینۃ المنورہ)

مالکیہ کا مؤقف

علامہ ابو محمد عبد الوہاب بغدادی مالکی (متوفی 422ھ) فرماتے ہیں:

نمازِ کسوفِ شمس سنت مؤکدہ ہے اور اس کہ طریقہ یہ ہے کہ بغیر اذان و اقامت کے مسجد میں داخل ہو، تکبیر تحریمہ کہے پھر سری طور پر سورۂ فاتحہ اور اس کے علاوہ سورت کی قراءت کرے، اور اس میں اطالت مستحب ہے جب تک پیچھے والوں کو ضرر نہ دے اگر یہ امام ہے، پھر رکوع کرے اور رکوع کو اپنی قراءت جتنا طویل کرے، پھر سمع اللہ لمن حمدہ کہتے ہوئے اپنا سر اٹھائے، پھر سورۂ فاتحہ پڑھے اور طویل سورت کی قراءت کرے مگر اس کی طوالت پہلی رکعت کی طوالت سے کم ہو پھر اپنی قراءت کی مقدار رکوع کرے، پھر سمع اللہ لمن حمدہ کہتے ہوئے سر اٹھائے، پھر دو سجدے کرے جیسا کہ باقی نمازوں میں کرتا ہے، پھر پہلی رکعت ہی کی طرح دوسری رکعت بھی پڑھے، پھر تشہد پڑھے اور سلام پھیر دے، لوگوں کو وعظ و نصیحت کرے، اور انہیں خوف دلائے مرتب خطبہ کے بغیر۔

اور نمازِ خسوف قمر کے لیے اجتماع نہیں ہے، اور اس میں لوگوں کو تمام نوافل کی طرح دو رکعتیں پڑھائے گا۔

(التلقین فی الفقہ المالکی، باب صلاۃ الکسوف، ج1، ص54، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

سورج گہن اور چاند گہن کی نماز کے مزید مسائل

سورج گہن کی نماز سنت مؤکدہ ہے اور چاند گہن کی مستحب۔ سورج گہن کی نماز جماعت سے پڑھنی مستحب ہے اور تنہا تنہا بھی ہوسکتی ہے اور جماعت سے پڑھی جائے تو خطبہ کے سوا تمام شرائط جمعہ اس کے لیے شرط ہیں، وہی شخص اس کی جماعت قائم کرسکتا ہے جو جمعہ کی کرسکتا ہے، وہ نہ ہو تو تنہا تنہا پڑھیں، گھر میں یا مسجد میں۔

(الدر المختار ورد المحتار، کتاب الصلاۃ، باب الکسوف، ج3، ص77 تا 80)

گہن کی نماز اسی وقت پڑھیں جب آفتاب گہنا ہو، گہن چھوٹنے کے بعد نہیں اور گہن چھوٹنا شروع ہوگیا مگر ابھی باقی ہے اس وقت بھی شروع کرسکتے ہیں اور گہن کی حالت میں اس پر ابر آجائے جب بھی نماز پڑھیں۔

(الجوہرۃ النیرۃ، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ الکسوف، ص124)

ایسے وقت گہن لگا کہ اس وقت نماز ممنوع ہے تو نماز نہ پڑھیں، بلکہ دُعا میں مشغول رہیں اور اسی حالت میں ڈوب جائے تو دُعا ختم کردیں اور مغرب کی نماز پڑھیں۔

(الجوہرۃ النیرۃ، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ الکسوف، ص124 ☆ رد المحتار، کتاب الصلاۃ، باب الکسوف، ج3، ص78)

یہ نماز اور نوافل کی طرح دو رکعت پڑھیں یعنی ہر رکعت میں ایک رکوع اور دو سجدے کریں نہ اس میں اذان ہے، نہ اقامت، نہ بلند آواز سے قراءت اور نماز کے بعد دُعا کریں یہاں تک کہ آفتاب کھل جائے اور دو رکعت سے زیادہ بھی پڑھ سکتے ہیں، خواہ دو دو رکعت پر سلام پھیریں یا چار پر۔ (الدر المختار ورد المحتار، کتاب الصلاۃ، باب الکسوف، ج3، ص78)

اگر لوگ جمع نہ ہوئے تو ان لفظوں سے پکاریں اَلصَّلٰوۃُ جَامِعَۃٌ۔ (الدر المختار، کتاب الصلاۃ، باب الکسوف، ج3، ص79)

افضل یہ ہے کہ عیدگاہ یا جامع مسجد میں اس کی جماعت قائم کی جائے اور اگر دوسری جگہ قائم کریں جب بھی حرج نہیں۔

(فتاوی ہندیہ، کتاب الصلاۃ، الباب الثامن عشر فی صلاۃ الکسوف، ج1، ص153)

اگر یاد ہو تو سورہ بقرہ اور آل عمران کی مثل بڑی بڑی سورتیں پڑھیں اور رکوع و سجود میں بھی طول دیں اور بعدِ نماز دُعا میں مشغول رہیں یہاں تک کہ پورا آفتاب کھل جائے اور یہ بھی جائز ہے کہ نماز میں تخفیف کریں اور دُعا میں طول، خواہ

امام قبلہ رُو دُعا کرے یا مقتدیوں کی طرف مونھ کر کے کھڑا ہو اور یہ بہتر ہے اور سب مقتدی آمین کہیں، اگر دُعا کے وقت عصا یا کمان پر ٹیک لگا کر کھڑا ہو تو یہ بھی اچھا ہے، دُعا کے لیے منبر پر نہ جائے۔ (درمختار، کتاب الصلاۃ، باب الکسوف، ج3، ص79)

چاند گہن کی نماز میں جماعت نہیں، امام موجود ہو یا نہ ہو بہر حال تنہا تنہا پڑھیں۔

("الدرالمختار" و"ردالمحتار"، کتاب الصلاۃ، باب الکسوف، ج3، ص80)

تیز آندھی آئے یا دن میں سخت تاریکی چھا جائے یا رات میں خوفناک روشنی ہو یا لگا تار کثرت سے مینھ برسے یا بکثرت اولے پڑیں یا آسمان سُرخ ہو جائے یا بجلیاں گریں یا بکثرت تارے ٹوٹیں یا طاعون وغیرہ وبا پھیلے یا زلزلے آئیں یا دشمن کا خوف ہو یا اور کوئی دہشت ناک امر پایا جائے ان سب کے لیے دو رکعت نماز مستحب ہے۔

(فتاوی ہندیہ، کتاب الصلاۃ، الباب الثامن عشر فی صلاۃ الکسوف، ج1، ص153)

باب نمبر 391

كَيْفَ الْقِرَاءَةُ فِي الْكُسُوفِ

نمازِ کسوف میں قراءت کس طرح کرنی ہے

662۔حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ قَالَ: حَدَّثَنَا وَكِيعٌ قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنِ الْأَسْوَدِ بْنِ قَيْسٍ، عَنْ ثَعْلَبَةَ بْنِ عِبَادٍ، عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدَبٍ، قَالَ: صَلَّى بِنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي كُسُوفٍ لَا نَسْمَعُ لَهُ صَوْتًا وَفِي الْبَابِ عَنْ عَائِشَةَ، قال ابوعيسىٰ: حَدِيثُ سَمُرَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ، وَقَدْ ذَهَبَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ إِلَى هَذَا، وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ

حدیث: حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے فرمایا: ہمیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نمازِ کسوف پڑھائی تو ہم آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قراءت سن نہیں پاتے تھے۔

اور اس باب میں حضرت سیدتنا عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی حدیث مروی ہے۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث حسن صحیح ہے اور بعض اہلِ علم اسی جانب گئے ہیں اور یہی امام شافعی رحمہ اللہ کا قول ہے۔

663۔حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرٍ مُحَمَّدُ بْنُ أَبَانَ قَالَ: حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ صَدَقَةَ، عَنْ سُفْيَانَ بْنِ حُسَيْنٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى صَلَاةَ الْكُسُوفِ وَجَهَرَ بِالْقِرَاءَةِ فِيهَا، قال ابوعيسىٰ: هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ، وَرَوَى أَبُو إِسْحَاقَ الْفَزَارِيُّ، عَنْ سُفْيَانَ بْنِ حُسَيْنٍ، نَحْوَهُ وَبِهَذَا الْحَدِيثِ، يَقُولُ مَالِكٌ، وَأَحْمَدُ، وَإِسْحَاقُ

حضرت سیدتنا عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے: بے شک نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے کسوف کی نماز ادا فرمائی اور اس میں جہری قراءت فرمائی۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں: یہ حدیث حسن صحیح ہے اور ابواسحٰق الفزاری نے سفیان بن حسین سے اس کی مثل روایت کیا اور امام مالک، احمد اور اسحٰق رحمہم اللہ تعالیٰ بھی اسی کے قائل ہیں۔

شرح حدیث

علامہ علی بن سلطان محمد القاری حنفی فرماتے ہیں:

"((حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے فرمایا: ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازِ کسوف پڑھائی تو ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قراءت نہیں سنتے تھے۔)) یہ حدیث پاک اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ سورج گہن کی نماز میں امام جہری قراءت نہیں کرے گا، یہی امام اعظم کا قول ہے، اور امام شافعی وغیرہ نے انہی کی اتباع کی ہے۔ امام ابن ہمام نے فرمایا: اس پر حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث بھی دلالت کرتی ہے کہ امام احمد اور امام ابویعلی نے ان سے روایت کیا ہے: ((صليت مع النبي صلى الله عليه وسلم فلم أسمع حرفا من القراءة)) (ترجمہ: میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھی تو قراءت کا ایک حرف بھی نہ سنا) اور ابونعیم نے حلیہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہی سے روایت کیا، فرماتے ہیں: ((صليت إلى جنب رسول الله صلى الله عليه وسلم يوم كسفت الشمس، فلم أسمع له قراءة)) (ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں سورج گہن والے دن نماز پڑھی تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قراءت نہ سنی)

اور جہاں تک حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت کا معاملہ ہے تو اولاً تو وہ چاند گہن کے بارے میں ہے، جیسا کہ صحیحین میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت یوں ہے، فرماتی ہیں: ((جهر النبي صلى الله عليه وسلم صلاة الخسوف بقراءته)) ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازِ خسوف یعنی چاند گہن میں اپنی قراءت میں جہر فرمایا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت میں سورج گہن بھی آیا ہے، جیسا کہ ابوداؤد اور ترمذی نے روایت کیا: ((صلى صلاة الكسوف فجهر فيها بالقراءة)) ترجمہ: نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے سورج گہن کی نماز پڑھائی اور اس میں جہری (بلند آواز سے) قراءت فرمائی۔

اس کے بارے میں امام ابن ہمام فرماتے ہیں: جب تعارض آجائے تو ترجیح واجب ہے، وہ اس طرح کہ اصل یہ ہے کہ دن کی نماز میں اخفا (آہستہ قراءت کرنا) ہے اور سورج گہن کی نماز دن میں ہوتی ہے۔"

(مرقاۃ المفاتیح، باب صلاۃ الخسوف، ج3، ص1100، دار الفکر، بیروت)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت جس میں جہراً قراءت کرنے کا ذکر ہے بخاری و مسلم میں بھی ہے مگر اس میں کسوف کے بجائے خسوف کے الفاظ ہیں، علامہ علی بن سلطان محمد القاری حنفی اس روایت کے تحت فرماتے ہیں:

" کہا گیا کہ یہاں خسوف سے مراد چاند گہن ہے اور چونکہ یہ رات میں ہوتا ہے لہذا اس میں قراءت جہری فرمائی جیسا کہ اسے ابن ملک نے ذکر کیا ہے۔ اور خسوف جب مطلق ذکر کیا جائے تو اس سے متبادر ہی چاند گہن ہوتا ہے بلکہ اس پر اسے محمول کرنا متعین ہے جیسا کہ ابھی آئے گا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سورج گہن کی نماز پڑھائی تو ان کی آواز نہ سنی گئی۔

ابن حبان کی روایت سے اعتراض کیا گیا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سورج گہن میں جہر فرمائی ہے تو علامہ ابن عربی نے اس کا یہ جواب دیا کہ یہ بیان جواز پر محمول ہے۔ میں (علامہ علی قاری) یہ کہتا ہوں کہ اگر واقعات مختلف ہونے کا ثبوت مل بھی جائے تو اس حدیث پاک کی صحت میں توقف ہوگا، اس کے جواب میں درست بات یہ ہے کہ جب دو روایات میں تعارض ہوگا تو خسوفِ قمر میں جہر کو ترجیح دی جائے گی کیونکہ وہ رات کی نماز ہے جبکہ کسوفِ شمس میں سر کو ترجیح دی جائے گی کیونکہ یہ دن کی نماز ہے۔" (مرقاۃ المفاتیح، باب صلاۃ الخسوف، ج3، ص1092، دار الفکر، بیروت)

نمازِ کسوف میں قراءت سری یا جہری کرنے کے بارے میں مذاہب ائمہ

احناف کے نزدیک مختار یہ ہے کہ امام نمازِ کسوف میں قراءت سری (آہستہ) کرے گا کہ یہی امام اعظم کا قول ہے، اسی طرح مالکیہ اور شوافع کے نزدیک بھی نمازِ کسوف میں سری قراءت کرے گا، جبکہ حنابلہ کے نزدیک جہری (بلند آواز سے) قراءت کرے گا۔

احناف کا مؤقف

علامہ محمد بن احمد سرخسی حنفی فرماتے ہیں:

"امام سورج گہن کی باجماعت نماز میں قراءت جہری نہیں کرے گا امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول میں، اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے قول میں جہری قراءت کرے گا، اور امام محمد کا قول اس میں مضطرب ہے، امام ابو یوسف رحمۃ اللہ

علیہ کے قول کی دلیل حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے انہوں نے نماز کسوف میں جہری قراءت کی ہے اور کیونکہ یہ ایک مخصوص نماز ہے جو عظیم مجمع کے ساتھ قائم کی جاتی ہے لہٰذا اس میں جہر کی جائے گی جیسا کہ جمعہ وعیدین میں۔

امام اعظم امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول کی دلیل حضرت ابن عباس اور حضرت سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی حدیث پاک ہے، فرماتے ہیں: ((انَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يُسْمَعْ مِنْهُ حَرْفٌ مِنْ قِرَاءَتِهِ فِي صَلَاةِ الْكُسُوفِ)) ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے نمازِ کسوف کی قراءت سے ایک حرف بھی نہیں سنا گیا۔

اور چونکہ یہ دن کی نماز ہے اور حدیث پاک میں فرمایا: ((صَلَاةُ النَّهَارِ عَجْمَاءُ)) ترجمہ: دن کی نماز گونگی ہے یعنی اس میں قراءت سنائی نہیں دیتی۔

اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کی تاویل یہ ہے کہ یہ اتفاقاً واقع ہوا یا لوگوں کی تعلیم کے لیے کہ اس نماز میں بھی قراءت مشروع ہے۔" (مبسوط للسرخسی، باب صلاۃ الکسوف، ج2، ص76، دار المعرفہ، بیروت)

حنابلہ کا مؤقف

علامہ ابو القاسم عمر بن حسین الخرقی (متوفی 334ھ) فرماتے ہیں:

"جب سورج یا چاند کو گہن لگ جائے تو لوگ نماز پڑھیں چاہیں تو جماعت سے پڑھیں چاہیں تو الگ الگ پڑھیں، اذان و اقامت کے بغیر، امام پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد طویل سورت پڑھے اور اس میں جہری قراءت کرے۔" (مختصر الخرقی، باب صلاۃ الکسوف، ج1، ص34,35، دار الصحابۃ للتراث)

شوافع کا مؤقف

علامہ احمد بن محمد ابن المحاملی شافعی (متوفی 415ھ) فرماتے ہیں:

"نمازِ کسوف (سورج گہن کی نماز) دو رکعتیں ہیں، جماعت سے بھی جائز ہے اور اکیلے اکیلے بھی، اور ہر رکعت میں دو قیام ہیں، دو قراءتیں ہیں، دو رکوع ہیں اور دو سجدے ہیں، پھر امام اس کے بعد دو خطبے دے گا اور اس نماز میں سری قراءت کرے گا کیونکہ یہ دن کی نماز ہے۔

اور نمازِ خسوف (چاند گہن کی نماز) نمازِ کسوف کی مثل ہے مگر یہ کہ اس میں قراءت جہری کرے گا کیونکہ یہ رات

کی نماز ہے۔"

(اللباب فی الفقہ الشافعی، کتاب الصلاۃ، ج1، ص133، دار البخاری، المدینۃ المنورہ)

مالکیہ کا مؤقف

علامہ ابو محمد عبد الوہاب بغدادی مالکی (متوفی 422ھ) فرماتے ہیں:

نمازِ کسوفِ شمس سنت مؤکدہ ہے اور اس کہ طریقہ یہ ہے کہ بغیر اذان و اقامت کے مسجد میں داخل ہو، تکبیر تحریمہ کہے پھر سری طور پر سورۂ فاتحہ اور اس کے علاوہ سورت کی قراءت کرے۔

(التلقین فی الفقہ المالکی، باب صلاۃ الکسوف، ج1، ص54، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

باب نمبر 392

مَا جَاءَ فِي صَلَاةِ الخَوْفِ

نمازِ خوف کا بیان

564۔حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ المَلِكِ بْنِ أَبِي الشَّوَارِبِ قَالَ :حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ قَالَ: حَدَّثَنَا مَعْمَرٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ سَالِمٍ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى صَلَاةَ الخَوْفِ بِإِحْدَى الطَّائِفَتَيْنِ رَكْعَةً، وَالطَّائِفَةُ الأُخْرَى مُوَاجِهَةُ العَدُوِّ، ثُمَّ انْصَرَفُوا، فَقَامُوا فِي مَقَامِ أُولَئِكَ، وَجَاءَ أُولَئِكَ فَصَلَّى بِهِمْ رَكْعَةً أُخْرَى، ثُمَّ سَلَّمَ عَلَيْهِمْ، فَقَامَ هَؤُلَاءِ فَقَضَوْا رَكْعَتَهُمْ، وَقَامَ هَؤُلَاءِ فَقَضَوْا رَكْعَتَهُمْ ،قَالَ أَبُو عِيسَى: هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ ، وَقَدْ رَوَى مُوسَى بْنُ عُقْبَةَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ ابْنِ عُمَرَ، مِثْلَ هَذَا، وَفِي البَابِ عَنْ جَابِرٍ، وَحُذَيْفَةَ، وَزَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ، وَابْنِ عَبَّاسٍ، وَأَبِي هُرَيْرَةَ، وَابْنِ مَسْعُودٍ، وَسَهْلِ بْنِ أَبِي حَثْمَةَ، وَأَبِي عَيَّاشٍ الزُّرَقِيِّ وَاسْمُهُ زَيْدُ بْنُ صَامِتٍ، وَأَبِي بَكْرَةَ: وَقَدْ ذَهَبَ مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ فِي صَلَاةِ الخَوْفِ إِلَى حَدِيثِ سَهْلِ بْنِ أَبِي حَثْمَةَ، وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ ، وقَالَ أَحْمَدُ :قَدْ رُوِيَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاةُ الخَوْفِ عَلَى أَوْجُهٍ، وَمَا

حدیث:حضرت سالم اپنے والد سے روایت کرتے ہیں: کہ بے شک نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے دو گروہوں میں ایک کو صلاۃ الخوف ایک رکعت پڑھائی اور دوسرا گروہ دشمن کے سامنے موجود تھا پھر یہ پھرے تو ان کی جگہ جا کر کھڑے ہو گئے اور دوسرا گروہ آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ایک رکعت پڑھائی پھر سلام پھیر دیا تو یہ کھڑے ہوئے تو انہوں نے اپنی رکعت پڑھی اور پہلے گروہ والے کھڑے ہوئے تو انہوں نے بھی اپنی رکعت پڑھی۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔اور موسیٰ بن عقبہ نے نافع سے،انہوں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اس کی مثل حدیث روایت کی۔

اور اس باب میں حضرت جابر ،حضرت حذیفہ ،حضرت زید بن ثابت ،حضرت ابن عباس ،حضرت ابو ہریرہ ،حضرت عبداللہ بن مسعود،حضرت سہل بن ابوحثمہ،حضرت ابو عیاش الزرقی (اور ان کا نام زید بن صامت ہے) اور حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہم سے بھی روایات مروی ہیں۔

اور امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ نے صلاۃ الخوف کے حوالے سے حضرت سہل بن ابوحثمہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کو

أَعْلَمُ فِي هٰذَا الْبَابِ إِلَّا حَدِيثًا صَحِيحًا، وَأَخْتَارُ حَدِيثَ سَهْلِ بْنِ أَبِي حَثْمَةَ وَهٰكَذَا قَالَ إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: ثَبَتَتِ الرِّوَايَاتُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي صَلَاةِ الْخَوْفِ، وَرَأَى أَنَّ كُلَّ مَا رُوِيَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي صَلَاةِ الْخَوْفِ فَهُوَ جَائِزٌ، وَهٰذَا عَلَى قَدْرِ الْخَوْفِ قَالَ إِسْحَاقُ: وَلَسْنَا نَخْتَارُ حَدِيثَ سَهْلِ بْنِ أَبِي حَثْمَةَ عَلَى غَيْرِهِ مِنَ الرِّوَايَاتِ

اختیار کیا ہے اور یہی امام شافعی رحمہ اللہ کا قول ہے اور امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے صلاۃ الخوف مختلف انداز پر مروی ہے اور میں اس باب میں حدیث صحیح کو ہی جانتا ہوں اور میں حضرت سہل بن ابوحثمہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کو اختیار کرتا ہوں۔ اور اسی طرح اسحٰق بن ابراہیم کا قول ہے وہ فرماتے ہیں: نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے صلاۃ الخوف کے حوالے سے تمام روایات ثابت ہیں اور ان کی رائے یہ ہے کہ ہر وہ روایت جو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے صلاۃ الخوف کے حوالے سے مروی ہے تو وہ جائز ہے اور یہ خوف کی مقدار کے مطابق ہے۔ اسحٰق رحمہ اللہ کہتے ہیں: اور ہم حضرت سہل بن ابوحثمہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کو اس کے علاوہ روایات پر ترجیح دیتے ہیں۔

565- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ الْقَطَّانُ قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ الْأَنْصَارِيُّ، عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ، عَنْ صَالِحِ بْنِ خَوَّاتِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنْ سَهْلِ بْنِ أَبِي حَثْمَةَ، أَنَّهُ قَالَ فِي صَلَاةِ الْخَوْفِ، قَالَ: يَقُومُ الْإِمَامُ مُسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةِ، وَتَقُومُ طَائِفَةٌ مِنْهُمْ مَعَهُ، وَطَائِفَةٌ مِنْ قِبَلِ الْعَدُوِّ، وَوُجُوهُهُمْ إِلَى الْعَدُوِّ، فَيَرْكَعُ بِهِمْ رَكْعَةً، وَيَرْكَعُونَ لِأَنْفُسِهِمْ، وَيَسْجُدُونَ لِأَنْفُسِهِمْ سَجْدَتَيْنِ فِي مَكَانِهِمْ، ثُمَّ يَذْهَبُونَ إِلَى مَقَامِ أُولَئِكَ، وَيَجِيءُ أُولَئِكَ، فَيَرْكَعُ بِهِمْ رَكْعَةً وَيَسْجُدُ بِهِمْ سَجْدَتَيْنِ، فَهِيَ لَهُ ثِنْتَانِ وَلَهُمْ وَاحِدَةٌ، ثُمَّ يَرْكَعُونَ رَكْعَةً وَيَسْجُدُونَ سَجْدَتَيْنِ

حدیث: حضرت سہل بن ابوحثمہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے صلاۃ الخوف کے بارے میں ارشاد فرمایا: امام قبلہ کی جانب منہ کئے کھڑا ہو اور ایک گروہ اس کے ساتھ کھڑا ہو اور ایک گروہ دشمن کی جانب ہو اور ان کے چہرے دشمن کی جانب ہوں تو وہ (امام ان کو) ایک رکعت پڑھائے اور ایک رکعت وہ خود پڑھیں اور وہ اپنی جگہ پر خود دو سجدے کریں، پھر یہ دوسرے لوگوں کی جگہ پر چلے جائیں اور دوسرے آجائیں تو امام انہیں ایک رکعت پڑھائے اور ان کے ساتھ دو سجدے کرے تو امام کی دو رکعتیں ہو گئیں اور ان کی ایک رکعت، پھر وہ دوسرے حضرات بھی ایک رکعت پڑھیں اور دو سجدے کریں۔

566- قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ: سَأَلْتُ

يَحْيَى بْنَ سَعِيدٍ عَنْ هٰذَا الْحَدِيثِ؟ فَحَدَّثَنِي عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الْقَاسِمِ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ صَالِحِ بْنِ خَوَّاتٍ، عَنْ سَهْلِ بْنِ أَبِي حَثْمَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِثْلِ حَدِيثِ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ الْأَنْصَارِيِّ، وَقَالَ لِي يَحْيَى :اكْتُبْهُ إِلَى جَنْبِهِ، وَلَسْتُ أَحْفَظُ الْحَدِيثَ، وَلَكِنَّهُ مِثْلُ حَدِيثِ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ الْأَنْصَارِيِّ،قال ابوعيسى: وَهٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ لَمْ يَرْفَعْهُ يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ الْأَنْصَارِيُّ، عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ، وَهٰكَذَا رَوَى أَصْحَابُ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ الْأَنْصَارِيِّ مَوْقُوفًا، وَرَفَعَهُ شُعْبَةُ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ

حدیث: محمد بن بشار نے کہا میں نے یحییٰ بن سعید سے اس حوالے سے سوال کیا؟ تو مجھے شعبہ نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے بواسطہ عبدالرحمٰن بن القاسم، وہ اپنے والد سے، صالح بن خوات، سہل بن خثمہ، یحییٰ بن سعید کی حدیث کی مثل روایت کیا۔ اور مجھے یحییٰ نے کہا: "اس کو دوسری حدیث کے ساتھ لکھ لو" اور میں نے حدیث کو یاد نہیں کیا تھا لیکن وہ یحییٰ بن سعید انصاری رضی اللہ عنہ کی حدیث کی مثل ہے۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ حدیث حسن صحیح ہے اسے یحییٰ بن سعید انصاری رضی اللہ عنہ نے قاسم بن محمد کے حوالے سے مرفوع بیان نہیں کیا اور اسی طرح یحییٰ بن سعید انصاری رضی اللہ عنہ نے اسے موقوف روایت کیا اور شعبہ نے اسے عبدالرحمٰن بن قاسم بن محمد کے حوالے سے مرفوع بیان کیا۔

567۔وَرَوَى مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ، عَنْ يَزِيدَ بْنِ رُومَانَ، عَنْ صَالِحِ بْنِ خَوَّاتٍ، عَنْ مَنْ صَلَّى مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاةَ الْخَوْفِ، فَذَكَرَ نَحْوَهُ،قال ابوعيسى:هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ، وَبِهِ يَقُولُ مَالِكٌ، وَالشَّافِعِيُّ، وَأَحْمَدُ، وَإِسْحَاقُ وَرُوِيَ عَنْ غَيْرِ وَاحِدٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى بِإِحْدَى الطَّائِفَتَيْنِ رَكْعَةً رَكْعَةً ، فَكَانَتْ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَكْعَتَانِ، وَلَهُمْ رَكْعَةٌ رَكْعَةٌ :أَبُو عَيَّاشٍ الزُّرَقِيُّ اسْمُهُ زَيْدُ بْنُ صَامِتٍ

حدیث: صالح بن خوات رضی اللہ عنہ اس سے روایت کرتے ہیں کہ جس نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صلاۃ الخوف ادا کی تو انہوں نے اس کی مثل ذکر کیا۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ حدیث حسن صحیح ہے اور امام مالک، شافعی، احمد اور اسحٰق رضی اللہ عنہم بھی اسی کے قائل ہیں۔ اور اسی طرح بہت سے حضرات نے روایت کیا کہ بے شک نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں گروہوں میں ہر ایک کو ایک ایک رکعت پڑھائی تو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی دو رکعتیں تھیں اور ان حضرات کی ایک ایک رکعت تھی: ابوعیاش الزرقی کا نام زید بن صامت ہے۔

شرح حدیث

علامہ علی بن سلطان محمد القاری حنفی فرماتے ہیں:

"اس بات پر فقہاء کا اجماع ہے کہ نمازِ خوف نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پردہ فرمانے کے بعد بھی ثابت ہے، صرف امام مزنی سے یہ حکایت کیا گیا کہ یہ منسوخ ہے اور اور امام ابو یوسف سے مروی ہے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ مختص ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وإذا كنت فيهم﴾ (اور جب آپ ان میں ہو) (النساء102) اس کا جواب دیا گیا کہ یہ قیدِ واقعی ہے جیسا مسافر کی نماز سے متعلق اللہ تعالیٰ کے اس فرمان ﴿إن خفتم﴾ (اگر تمہیں خوف ہو) (النساء101) میں قید واقعی ہے، نہ کہ احترازی۔

پھر فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے نمازِ خوف میں مروی جمیع صفات معتد بہا ہیں، ان کے درمیان اختلاف ترجیح میں ہے، کہا گیا کہ احادیث میں سولہ (16) انواع آئی ہیں اور کہا گیا کہ اس سے کم ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ اس سے بھی زیادہ ہیں، علماء نے ان میں سے ہر روایت کو لیا ہے، اور کتنا اچھا قول ہے امام احمد بن حنبل کا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے صحت کے ساتھ ثابت شدہ کسی بھی طریقہ پر کوئی عمل کر لے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ علامہ ابن حجر نے فرمایا کہ جمہور علماء اس بات پر ہیں کہ حالتِ خوف عدد رکعات کو متغیر نہیں کرتی، اور خبر سابق کہ جس میں ہے کہ نمازِ خوف میں ایک رکعت ہے تو اس سے مراد یہ ہے کہ مقتدی نمازِ خوف میں ایک رکعت کے ساتھ منفرد ہوگا یہ تاویل اس لیے کی گئی تا کہ یہ بقیہ ان احادیث کے موافق ہو جائے جن میں اس بات کی صراحت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور ان کے اصحاب نے خوف کی حالت میں دو رکعتوں سے کم نماز ادا نہیں فرمائی۔"

(مرقاۃ المفاتیح، باب صلاۃ الخوف، ج3، ص1051، دار الفکر، بیروت)

فوائد حدیث

(1) نماز خوف کی احادیث تعددِ جماعت کی کراہت پر دلالت کرتی ہیں بالخصوص جبکہ تمام قوم حاضر ہو۔

(2) ان احادیث میں اس بات کی طرف اشعار ہے کہ نفل پڑھنے والے کے پیچھے فرض کی اقتدا جائز نہیں ورنہ

تو یہ ہوتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دوگروہوں کو دومرتبہ پڑھا دیتے، پہلے گروہ کی امامت کرتے وقت فرض ادا فرماتے اور دوسرے گروہ کی امامت کے وقت نفل ادا فرماتے۔

(3) یہ احادیث وجوبِ جماعت پر قوی ترین دلیل ہیں کہ اس حالت میں بھی جماعت کو ترک نہیں فرمایا۔

(4) امام ابن ہمام نے فرمایا: جان لو کہ نمازِ خوف صفتِ مذکورہ پر اس وقت لازم ہے جب قوم ایک امام کے پیچھے نماز پڑھنے پر تنازع کرے، بہر حال جب وہ تنازع نہ کریں تو افضل یہ ہے کہ امام ایک گروہ کو مکمل نماز پڑھائے اور دوسرے گروہ کو دوسرا امام مکمل نماز پڑھائے۔ (مرقاۃ، باب صلاۃ الخوف، ج3، ص1050، دار الفکر، بیروت)

نمازِ خوف کا ثبوت

اللہ عزوجل فرماتا ہے: ﴿فَاِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا اَوْ رُكْبَانًا فَاِذَآ اَمِنْتُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَمَا عَلَّمَكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ﴾ ترجمہ: اگر تمھیں خوف ہو تو پیدل یا سواری پر نماز پڑھو پھر جب خوف جاتا رہے تو اللہ عزوجل کو اس طرح یاد کرو جیسا اُس نے سکھایا وہ کہ تم نہیں جانتے تھے۔ (پ2، سورۃ البقرۃ، آیت239)

اور فرماتا ہے: ﴿وَ اِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ فَلْتَقُمْ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ مَّعَكَ وَلْيَاْخُذُوْٓا اَسْلِحَتَهُمْ فَاِذَا سَجَدُوْا فَلْيَكُوْنُوْا مِنْ وَّرَآئِكُمْ وَلْتَاْتِ طَآئِفَةٌ اُخْرٰى لَمْ يُصَلُّوْا فَلْيُصَلُّوْا مَعَكَ وَلْيَاْخُذُوْا حِذْرَهُمْ وَاَسْلِحَتَهُمْ وَدَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ تَغْفُلُوْنَ عَنْ اَسْلِحَتِكُمْ وَاَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيْلُوْنَ عَلَيْكُمْ مَّيْلَةً وَّاحِدَةً وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ كَانَ بِكُمْ اَذًى مِّنْ مَّطَرٍ اَوْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَنْ تَضَعُوْٓا اَسْلِحَتَكُمْ وَخُذُوْا حِذْرَكُمْ اِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۝ فَاِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِكُمْ فَاِذَا اطْمَاْنَنْتُمْ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ۝﴾ ترجمہ: اور جب تم ان میں ہو اور نماز قائم کرو تو ان میں کا ایک گروہ تمھارے ساتھ کھڑا ہو اور انھیں چاہیے کہ اپنے ہتھیار لیے ہوں پھر جب ایک رکعت کا سجدہ کرلیں تو وہ تمھارے پیچھے ہوں اور اب دوسرا گروہ آئے، جس نے تمھارے ساتھ نہ پڑھی تھی، وہ تمھارے ساتھ پڑھے اور اپنی پناہ اور اپنے ہتھیار لیے رہیں، کافروں کی تمنا ہے کہ کہیں تم اپنے ہتھیاروں اور اپنے اسباب سے غافل ہو جاؤ، تو ایک ساتھ تم پر جھک پڑیں اور تم پر کچھ گناہ نہیں، اگر تمھیں مینھ سے

تکلیف ہو یا بیمار ہو کہ اپنے ہتھیار رکھ دو، مگر پناہ کی چیز لیے رہو، بیشک اللہ عزوجل نے کافروں کے لیے ذلّت کا عذاب تیار کر رکھا ہے، پھر جب نماز پوری کر چکو تو اللہ عزوجل کو یاد کرو، کھڑے اور بیٹھے اور کروٹوں پر لیٹے، پھر جب اطمینان سے ہو جاؤ تو نماز حسبِ دستور قائم کرو، بیشک نماز مسلمانوں پر وقت باندھا ہوا فرض ہے۔ (پ5، سورۃ النساء، آیت 102،103)

ترمذی ونسائی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے: ((انَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَزَلَ بَيْنَ ضَجْنَانَ وَعُسْفَانَ، فَقَالَ الْمُشْرِكُونَ: إِنَّ لِهٰؤُلَاءِ صَلَاةً هِيَ أَحَبُّ إِلَيْهِمْ مِنْ آبَائِهِمْ وَأَبْنَائِهِمْ وَهِيَ الْعَصْرُ، فَأَجْمِعُوا أَمْرَكُمْ فَمِيلُوا عَلَيْهِمْ مَيْلَةً وَاحِدَةً وَأَنَّ جِبْرِيلَ أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَمَرَهُ أَنْ يَقْسِمَ أَصْحَابَهُ شَطْرَيْنِ فَيُصَلِّيَ بِهِمْ، وَتَقُومَ طَائِفَةٌ أُخْرَى وَرَاءَهُمْ، وَلْيَأْخُذُوا حِذْرَهُمْ وَأَسْلِحَتَهُمْ، ثُمَّ يَأْتِي الْآخَرُونَ وَيُصَلُّونَ مَعَهُ رَكْعَةً وَاحِدَةً ثُمَّ يَأْخُذُ هٰؤُلَاءِ حِذْرَهُمْ وَأَسْلِحَتَهُمْ، فَتَكُونُ لَهُمْ رَكْعَةٌ رَكْعَةٌ وَلِرَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَكْعَتَانِ)) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عسفان وضجنان کے درمیان اترے، مشرکین نے کہا ان کے لیے ایک نماز ہے جو ان کو باپ اور بیٹوں سے بھی زیادہ پیاری ہے اور وہ نماز عصر ہے، لہٰذا سب کام ٹھیک رکھو، جب نماز کو کھڑے ہوں ایک دم حملہ کرو، جبریل علیہ الصلوۃ والسلام نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے اصحاب کے دو حصے کریں ایک گروہ کے ساتھ نماز پڑھیں اور دوسرا گروہ ان کے پیچھے سپر اور اسلحہ لیے کھڑا رہے، پھر دوسرا گروہ آئے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ ایک رکعت پڑھیں پھر وہ ان کے پیچھے سپر اور اسلحہ لیے کھڑا رہے تو ان کی ایک ایک رکعت ہوگی (یعنی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ) اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دو رکعتیں۔ (جامع ترمذی، ومن سورۃ النساء، ج5، ص243، مصطفی البابی، مصر)

صحیح بخاری وصحیح مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، کہتے ہیں: ((أَقْبَلْنَا مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى إِذَا كُنَّا بِذَاتِ الرِّقَاعِ، قَالَ: كُنَّا إِذَا أَتَيْنَا عَلَى شَجَرَةٍ ظَلِيلَةٍ تَرَكْنَاهَا لِرَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: فَجَاءَ رَجُلٌ مِنَ الْمُشْرِكِينَ وَسَيْفُ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُعَلَّقٌ بِشَجَرَةٍ فَأَخَذَ سَيْفَ نَبِيِّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاخْتَرَطَهُ فَقَالَ لِرَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَتَخَافُنِي؟ قَالَ: لَا، قَالَ: فَمَنْ يَمْنَعُكَ مِنِّي؟ قَالَ: اللّٰهُ يَمْنَعُنِي مِنْكَ، قَالَ: فَتَهَدَّدَهُ أَصْحَابُ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَغْمَدَ السَّيْفَ وَعَلَّقَهُ قَالَ: فَنُودِيَ

بِالصَّلَاةِ فَصَلَّى بِطَائِفَةٍ رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ تَأَخَّرُوا، وَصَلَّى بِالطَّائِفَةِ الْأُخْرَى رَكْعَتَيْنِ، قَالَ: فَكَانَتْ لِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَرْبَعُ رَكَعَاتٍ، وَلِلْقَوْمِ رَكْعَتَانِ)) ترجمہ: ہم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ گئے یہاں تک کہ جب ذات الرقاع میں پہنچے، ایک سایہ دار درخت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے چھوڑ دیا، ایک مشرک آیا اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تلوار درخت سے لٹکی ہوئی تھی، اس نے تلوار لے لی اور کھینچ کر کہنے لگا، آپ مجھ سے ڈرتے ہیں فرمایا" : نہ"، اس نے کہا تو آپ کو کون مجھ سے بچائے گا، فرمایا: اللہ عزوجل، صحابہ کرام نے جب دیکھا تو اسے ڈرایا، اس نے میان میں تلوار رکھ کر لٹکا دی، اس کے بعد اذان ہوئی، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک گروہ کے ساتھ دو رکعت نماز پڑھی پھر یہ پیچھے ہٹا اور دوسرے گروہ کے ساتھ دو رکعت پڑھی تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی چار ہوئیں اور لوگوں کی دو دو یعنی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ۔

(صحیح بخاری، باب غزوۃ ذات الرقاع، ج5، ص115، دار طوق النجاۃ ☆ صحیح مسلم، باب صلاۃ الخوف، ج1، ص576، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

نماز خوف کے طریقہ کے بارے میں مذاہب ائمہ

احناف کا مؤقف

امام محمد بن حسن شیبانی حنفی (متوفی 189ھ) فرماتے ہیں:

"لوگوں کا ایک گروہ دشمن کے سامنے کھڑا ہوگا، امام نماز شروع کرے گا اور ایک گروہ اس کے ساتھ نماز پڑھے گا، امام اس گروہ کو ایک رکعت پڑھائے گا، جب یہ سجدوں سے فارغ ہو جائیں گے تو یہ یعنی امام کے ساتھ والا گروہ بغیر سلام پھیرے اور کلام کیے دشمن کے سامنے جا کر کھڑے ہو جائیں گے، اور دوسرا گروہ جو پہلے دشمن کے سامنے تھا وہ امام کے ساتھ نماز میں داخل ہو جائے گا، امام ان کو دوسری رکعت پڑھائے گا، دو سجدے کرے گا، تشہد پڑھے گا اور امام نماز سے فارغ ہو کر سلام پھیر دے گا پھر یہ والا گروہ جو اب امام کے ساتھ تھا بغیر کلام کیے اور سلام پھیرے دشمن کے سامنے چلا جائے گا، اب وہ گروہ جو دشمن کے سامنے تھا جس نے پہلی رکعت امام کے ساتھ پڑھی تھی وہ آ کر ایک رکعت اکیلے ادا کریں گے بغیر امام کے اور بغیر قراءت کے اور قعدہ کریں اور سلام پھیر دیں گے پھر کھڑے ہوں گے اور اپنے مقام پر چلے جائیں گے پھر وہ گروہ جس نے امام کے ساتھ دوسری رکعت پڑھی تھی وہ ایک رکعت ادا کریں گے بغیر قراءت اور بغیر امام

کے، تشہد پڑھیں گے اور سلام پھیر دیں گے، پھر کھڑے ہوں گے اور اپنے اصحاب کی طرف آئیں گے اور ان کے ساتھ کھڑے ہو جائیں گے۔" (الاصل المعروف بالمبسوط للشیبانی، باب صلاۃ الخوف، ج1، ص390، ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ، کراچی)

مالکیہ کے طریقہ میں یہ ہے کہ پہلے ایک گروہ امام کے پیچھے ایک رکعت پڑھنے کے فوراً بعد ادھر ہی دوسری رکعت خود ادا کرے گا جبکہ امام ایک رکعت پڑھ کر کھڑا رہے گا اور پھر یہ گروہ دشمن کے سامنے جائے گا اور دوسرا گروہ جو دشمن کے سامنے ہے وہ آ کر ایک رکعت امام کے پیچھے اور ایک رکعت خود ادا کرے گا، امام محمد بن حسن رحمۃ اللہ علیہ مالکیہ کا طریقہ بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

"یہ طریقہ کیسے درست ہو سکتا ہے کہ امام تو صرف اس لیے بنایا جاتا ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے، اصول رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عطا فرمایا ہے اور اس میں اختلاف نہیں ہے، پس جب پہلے گروہ نے دوسری رکعت امام کے پڑھنے سے پہلے پڑھ لی تو انہوں نے امام کی اقتداء نہ کی کیونکہ جس نے اپنے امام سے پہلے نماز پڑھ لی تو اس نے اپنے امام کی اقتداء نہ کی کہ اقتداء تو یہ ہے کہ امام کے ساتھ نماز پڑھی جائے یا امام کے پیچھے کیونکہ امام متبوع ہے نہ کہ تابع۔"

(الحجۃ علی اہل المدینہ، باب صلاۃ الخوف، ج1، ص341، عالم الکتب، بیروت)

مالکیہ کا مؤقف

علامہ عبد اللہ بن عبد الرحمٰن النفزی القیروانی مالکی (متوفی 386ھ) فرماتے ہیں:

"نمازِ خوف سفر میں جب انہیں دشمن کا خوف ہو تو امام ایک گروہ کو نماز پڑھائے گا اور ایک گروہ دشمن کے سامنے چھوڑ دے گا، پس امام اپنی اقتداء کرنے والے گروہ کو ایک رکعت پڑھائے گا پھر کھڑا رہے گا اور یہ گروہ خود ایک رکعت ادا کر کے نماز مکمل کر کے سلام پھیر دیں گے اور اپنے ساتھیوں کی جگہ چلے جائیں گے پھر دوسرا گروہ آئے گا وہ امام کے پیچھے تکبیر تحریمہ کہہ کر کھڑے ہو جائیں گے، پس امام ان کو دوسری رکعت پڑھائے گا پھر تشہد پڑھے گا اور سلام پھیر دے گا اور پھر اس کے پیچھے والے اپنی فوت شدہ رکعت پڑھیں گے اور دشمن کے سامنے آ جائیں گے، ایسے ہی امام تمام فرائض میں کرے گا سوائے مغرب کے، کہ اس میں پہلے گروہ کو دو رکعتیں پڑھائے گا اور دوسرے گروہ کو ایک رکعت۔ اور اگر اقامت میں خوف کی شدت ہو تو ظہر، عصر اور عشاء میں ہر گروہ کو دو رکعتیں پڑھائے گا۔"

(الرسالۃ للقیروانی، باب فی صلاۃ المغرب، ج1، ص48، دار الفکر، بیروت)

شوافع کا موقف

علامہ احمد بن محمد ابن المحاملی شافعی (متوفی 415ھ) فرماتے ہیں:

نمازِ خوف کی دو قسمیں ہیں: سفر میں اور اقامت میں۔ اگر سفر میں ہو تو امام پہلے گروہ کو ایک رکعت پڑھائے گا، پس جب امام ایک رکعت سے فارغ ہو جائے گا تو یہ گروہ خود اپنی نماز مکمل کرے گا، اور پھر دشمن کے سامنے آ جائے گا، اور دوسرا گروہ جو دشمن کے مقابلے میں تھا، وہ امام کے پیچھے آئے گا تو امام انہیں دوسری رکعت پڑھائے گا اور دوسری رکعت سے فارغ ہو کر امام بیٹھا رہے گا اور دوسرا گروہ اپنی نماز مکمل کرے گا، پس جب یہ فارغ ہو جائیں گے تو امام انہیں سلام پھیروائے گا۔

اور اگر اقامت میں ہیں تو امام ہر گروہ کو دو رکعتیں اسی طریقہ پر پڑھائے گا اور اگر نمازِ مغرب ہے تو امام پہلے گروہ کو دو رکعتیں پڑھائے گا اور دوسرے گروہ کو ایک رکعت۔

اور درندے، اژدھے، آگ، ڈوبنے اور سانپ کا خوف دشمن کے خوف کی طرح ہے، اور مال پر خوف روح پر خوف کی طرح ہے۔ (اللباب فی الفقہ الشافعی، کتاب الصلاۃ، ج1، ص124، دار البخاری، المدینۃ المنورۃ)

حنابلہ کا موقف

علامہ عمر بن حسین بن عبد اللہ خرقی حنبلی فرماتے ہیں:

"نماز خوف جبکہ وہ دشمن کے سامنے ہوں اور ہوں سفر میں تو امام ایک گروہ کو ایک رکعت پڑھائے گا اور پھر امام کھڑا رہے گا اور یہ گروہ دوسری رکعت خود سورۂ فاتحہ اور اس کے علاوہ سورت کے ساتھ مکمل کرے گا پھر یہ گروہ دشمن کے سامنے جا کر حفاظت کرے گا اور دوسرا گروہ جو کہ دشمن کے سامنے تھا وہ نماز پڑھنے آ جائے گا اور امام اسے ایک رکعت پڑھائے گا اور وہ دوسری رکعت خود سورۂ فاتحہ اور سورت کے ساتھ مکمل کرے گا، اور امام تشہد طویل کرے گا یہاں تک کہ وہ تشہد مکمل کر لیں اور امام ان کو سلام پھیروائے گا۔

اور جب مغرب کی نماز ہو تو امام پہلے گروہ کو دو رکعتیں پڑھائے گا اور ایک رکعت وہ خود مکمل کریں گے اور اس

میں سورۂ فاتحہ پڑھیں گے اور امام دوسرے گروہ کو ایک رکعت پڑھائے گا اور وہ گروہ خود دو رکعتیں پڑھے گا اور ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ اور سورت پڑھے گا۔

اور اگر حالت اقامت میں خوف ہو تو امام ہر گروہ کو دو رکعتیں پڑھائے گا اور پہلا گروہ دو رکعتیں جو خود مکمل کرے گا اس میں ہر رکعت میں صرف سورۂ فاتحہ پڑھے گا اور دوسرا گروہ جو دو رکعتیں خود ادا کرے گا اس میں ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ کے ساتھ اور سورت بھی ملائے گا۔

اور اگر حالت اقامت میں مغرب کی نماز ہو تو امام پہلے گروہ کو ایک رکعت پڑھائے گا اور وہ گروہ دو رکعتیں خود مکمل کرے گا اور ان دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ پڑھے گا اور امام دوسرے گروہ کو بھی ایک رکعت پڑھائے گا اور وہ گروہ خود دو رکعتیں مکمل کرے گا اور ان میں سورۂ فاتحہ اور اس کے علاوہ سورت پڑھے گا۔"

(مختصر الخرقی، باب صلاۃ الخوف، ج 1، ص 33،34، دار الصحابۃ للتراث)

عند الاحناف نماز خوف کے مزید مسائل

نمازِ خوف جائز ہے، جبکہ دشمنوں کا قریب میں ہونا یقین کے ساتھ معلوم ہو، لہٰذا اگر دشمن دور ہوں تو یہ نماز جائز نہیں یعنی مقتدی کی نہ ہوگی اور امام کی ہو جائے گی اور اگر یہ گمان تھا کہ دشمن قریب میں ہیں اور نماز خوف پڑھی، بعد کو گمان کی غلطی ظاہر ہوئی تو مقتدی نماز کا اعادہ کریں۔

جب دشمن سامنے ہوں اور یہ اندیشہ ہو کہ سب ایک ساتھ نماز پڑھیں گے تو حملہ کر دیں گے، ایسے وقت امام جماعت کے دو حصے کرے، اگر کوئی اس پر راضی ہو کہ ہم بعد کو پڑھ لیں گے تو اسے دشمن کے مقابل کرے اور دوسرے گروہ کے ساتھ پوری نماز پڑھ لے، پھر جس گروہ نے نماز نہیں پڑھی اس میں کوئی امام ہو جائے اور یہ لوگ اس کے ساتھ باجماعت پڑھ لیں۔

اور اگر دونوں میں سے بعد کو پڑھنے پر کوئی راضی نہ ہو تو امام ایک گروہ کو دشمن کے مقابل کرے اور دوسرا امام کے پیچھے نماز پڑھے، جب امام اس گروہ کے ساتھ ایک رکعت پڑھ چکے یعنی پہلی رکعت کے دوسرے سجدے سے سر اٹھائے تو یہ لوگ دشمن کے مقابل چلے جائیں اور جو لوگ وہاں تھے وہ چلے آئیں اب ان کے ساتھ امام ایک رکعت پڑھے اور تشہد

پڑھ کر سلام پھیر دے، مگر مقتدی سلام نہ پھیریں بلکہ یہ لوگ دشمن کے مقابل چلے جائیں یا یہیں اپنی نماز پوری کر کے جائیں اور وہ لوگ آئیں اور ایک رکعت بغیر قراءت پڑھ کر تشہد کے بعد سلام پھیریں اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ گروہ یہاں نہ آئے بلکہ وہیں اپنی نماز پوری کر لے اور دوسرا گروہ اگر نماز پوری کر چکا ہے، فبہا، ورنہ اب پوری کرے، خواہ وہیں یا یہاں آکر اور یہ لوگ قراءت کے ساتھ اپنی ایک رکعت پڑھیں اور تشہد کے بعد سلام پھیریں۔ یہ طریقہ دو رکعت والی نماز کا ہے خواہ نماز ہی دو رکعت کی ہو، جیسے فجر و عید و جمعہ یا سفر کی وجہ سے چار کی دو ہو گئیں اور چار رکعت والی نماز ہو تو ہر گروہ کے ساتھ امام دو دو رکعت پڑھے اور مغرب میں پہلے گروہ کے ساتھ دو اور دوسرے گروہ کے ساتھ ایک پڑھے، اگر پہلے کے ساتھ ایک پڑھی اور دوسرے کے ساتھ دو تو نماز جاتی رہی۔

(الدرالمختار، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ الخوف، ج3، ص86 تا 88 ☆ فتاوی ہندیہ، کتاب الصلاۃ، الباب العشرون فی صلاۃ الخوف، ج1، ص155، 154)

یہ سب احکام اس صورت میں ہیں جب امام و مقتدی سب مقیم ہوں یا سب مسافر یا امام مقیم ہے اور مقتدی مسافر اور اگر امام مسافر ہو اور مقتدی مقیم تو امام ایک گروہ کے ساتھ ایک رکعت پڑھے اور دوسرے کے ساتھ ایک پڑھ کر سلام پھیر دے، پھر پہلا گروہ آئے اور تین رکعتیں بغیر قراءت کے پڑھے پھر دوسرا گروہ آئے اور تین پڑھے، پہلی میں فاتحہ و سورت پڑھے اور اگر امام مسافر ہے اور مقتدی بعض مقیم ہیں بعض مسافر تو مقیم مقیم کے طریقہ پر عمل کریں اور مسافر مسافر کے۔ (فتاوی ہندیہ، کتاب الصلاۃ، الباب العشرون فی صلاۃ الخوف، ج1، ص155، 154)

ایک رکعت کے بعد دشمن کے مقابل جانے سے مراد پیدل جانا ہے، سواری پر جائیں گے تو نماز جاتی رہے گی۔

(ردالمحتار، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ الخوف، ج3 ص87)

اگر خوف بہت زیادہ ہو کہ سواری سے اتر نہ سکیں تو سواری پر تنہا تنہا اشارہ سے، جس طرف بھی منہ کر سکیں اسی طرف نماز پڑھیں، سواری پر جماعت سے نہیں پڑھ سکتے، ہاں اگر ایک گھوڑے پر دو سوار ہوں تو پچھلا اگلے کی اقتدا کر سکتا ہے اور سواری پر فرض نماز اسی وقت جائز ہوگی کہ دشمن ان کا تعاقب کر رہے ہوں اور اگر یہ دشمن کے تعاقب میں ہوں تو سواری پر نماز نہیں ہوگی۔ ("الجوہرۃ النیرۃ"، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ الخوف، ص130 ☆ "الدرالمختار"، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ الخوف، ج3، ص88)

نمازخوف میں صرف دشمن کے مقابل جانا اور وہاں سے امام کے پاس صف میں آنا یا وضو جاتا رہا تو وضو کے لیے چلنا معاف ہے، اس کے علاوہ چلنا نماز کو فاسد کردے گا، اگر دشمن نے اسے دوڑایا یا اس نے دشمن کو بھگایا تو نماز جاتی رہی، البتہ پہلی صورت میں اگر سواری پر ہوتو معاف ہے۔ (الدرالمختار ورد المحتار، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ الخوف، ج3، ص88)

سواری پر نہیں تھا اثنائے نماز میں سوار ہوگیا نماز جاتی رہی، خواہ کسی غرض سے سوار ہوا ہو اور لڑنا بھی نماز کو فاسد کر دیتا ہے، مگر ایک تیر پھینکنے کی اجازت ہے۔ (درمختار، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ الخوف، ج3، ص88)

یوہیں آج کل بندوق کا ایک فیر کرنے کی اجازت ہے۔ (بہارشریعت، ج1، حصہ4، ص798، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

جنگ میں مشغول ہے، مثلاً تلوار چلا رہا ہے اور وقت نماز ختم ہونا چاہتا ہے تو نماز کو مؤخر کرے، لڑائی سے فارغ ہو کر نماز پڑھے۔ (ردالمحتار، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ الخوف، ج3، ص89)

باغیوں اور اس شخص کے لیے جس کا سفر کسی معصیت کے لیے ہو صلاۃ الخوف جائز نہیں۔

(درمختار، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ الخوف، ج3، ص89)

نمازخوف ہورہی تھی، اثنائے نماز میں خوف جاتا رہا یعنی دشمن چلے گئے تو جو باقی ہے وہ امن کی سی پڑھیں، اب خوف کی پڑھنا جائز نہیں۔ (فتاوی ہندیہ، کتاب الصلاۃ، الباب العشرون فی صلاۃ الخوف، ج1، ص156)

نمازِ خوف میں ہتھیار لیے رہنا مستحب ہے اور خوف کا اثر صرف اتنا ہے کہ ضرورت کے لیے چلنا جائز ہے، باقی محض خوف سے نماز میں قصر نہ ہوگا۔

(فتاوی ہندیہ، کتاب الصلاۃ، الباب العشرون فی صلاۃ الخوف، ج1، ص156 ☆ درمختار، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ الخوف، ج3، ص88)

نمازِ خوف جس طرح دشمن سے ڈر کے وقت جائز ہے۔ یوہیں درندہ اور بڑے سانپ وغیرہ سے خوف ہو جب بھی جائز ہے۔ (درمختار، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ الخوف، ج3، ص86)

باب نمبر 393

مَا جَاءَ فِي سُجُودِ الْقُرْآنِ

قرآن کے سجود کا بیان

568- حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ وَكِيعٍ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ وَهْبٍ، عَنْ عَمْرِو بْنِ الْحَارِثِ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي هِلَالٍ، عَنْ عُمَرَ الدِّمَشْقِيِّ، عَنْ أُمِّ الدَّرْدَاءِ، عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ، قَالَ: سَجَدْتُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِحْدَى عَشْرَةَ سَجْدَةً مِنْهَا الَّتِي فِي النَّجْمِ

حدیث: حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا: میں نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گیارہ سجدے کئے، ایک سجدہ ان میں سے سورہ نجم میں ہے۔

569- حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ صَالِحٍ قَالَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ بْنُ سَعْدٍ، عَنْ خَالِدِ بْنِ يَزِيدَ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي هِلَالٍ، عَنْ عُمَرَ وَهُوَ ابْنُ حَيَّانَ الدِّمَشْقِيُّ، قَالَ: سَمِعْتُ مُخْبِرًا يُخْبِرُ، عَنْ أُمِّ الدَّرْدَاءِ، عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَهُ بِلَفْظِهِ، وَهَذَا أَصَحُّ مِنْ حَدِيثِ سُفْيَانَ بْنِ وَكِيعٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ وَهْبٍ .

• حدیث: عبداللہ بن عبدالرحمٰن نے حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے وہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے اس حدیث کی مثل اپنے الفاظ سے روایت کرتے ہیں۔ اور یہ سفیان بن وکیع کی حدیث عبداللہ بن وہب رضی اللہ عنہ کی حدیث سے زیادہ صحیح ہے۔

قَالَ أَبُو عِيسَى: حَدِيثُ أَبِي الدَّرْدَاءِ. حَدِيثٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ سَعِيدِ بْنِ أَبِي هِلَالٍ، عَنْ عُمَرَ الدِّمَشْقِيِّ. وَفِي الْبَابِ عَنْ عَلِيٍّ، وَابْنِ عَبَّاسٍ، وَأَبِي هُرَيْرَةَ، وَابْنِ مَسْعُودٍ، وَزَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ، وَعَمْرِو بْنِ الْعَاصِ

امام ابو عیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں: حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ کی حدیث غریب ہے جسے ہم سعید بن ابو ہلال کی عمر دمشقی کی روایت کردہ حدیث سے ہی جانتے ہیں۔

اور اس باب میں حضرت علی، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت ابو ہریرہ، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت زید بن ثابت اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہم سے بھی روایات مروی ہیں۔

شرح حدیث

تلاوت کے سجدوں کی وجوہات

علامہ علی بن سلطان محمد القاری حنفی نے علامہ ابن حجر کے حوالے سے بیان کیا ہے:

قرآن مجید میں جو چودہ سجدے ہیں ان کے اسباب یہ ہیں:

(1) بعض جگہوں پر ساجدین کی مدح کی گئی ہے۔

(2) بعض جگہوں پر سجود سے انکار کرنے والوں کی مذمت کی گئی ہے۔

(3) بعض جگہوں پر سجدوں کا امر کیا گیا۔

(4) بعض جگہوں پر سجدے پر ابھارا گیا۔ (مرقاۃ المفاتیح، باب سجود القرآن، ج2، ص809، دار الفکر، بیروت)

انہی اسباب کو علامہ ابو بکر بن مسعود کاسانی حنفی نے کچھ تفصیل سے بیان کیا ہے:

"قرآن مجید میں سجدوں کی جگہیں منقسم ہیں، بعض جگہوں پر سجود کا حکم ہے اور امر وجوب کو لازم کرتا ہے جیسا کہ سورۂ قلم کے آخر میں (اور سورۂ نجم میں) اور بعض جگہوں پر اس بات کی خبر دینا ہے کہ کفار نے سجدے سے تکبر کرتے ہوئے انکار کیا پس ہم پر سجدہ کرتے ہوئے ان کی مخالفت واجب ہے، اور بعض جگہوں پر طاعت گزاروں کے خشوع کی خبر دینا ہے، پس ہم پر ان کی اتباع واجب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿أُولَـٰئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ﴾ (ترجمہ: یہ وہ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت کی تو تم انہیں کی راہ چلو) (الانعام90)

(بدائع الصنائع، فصل سجدۃ التلاوۃ، ج1، ص180، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

سجدۂ تلاوت کے حکم کے بارے میں مذاہب ائمہ

مالکیہ، شوافع اور حنابلہ کے نزدیک سجدۂ تلاوت سنت ہے، جبکہ احناف کے نزدیک واجب ہے، تفصیل کے لیے جزئیات درج ذیل ہیں:

حنابلہ کا موقف

علامہ منصور بن یونس البہوتی حنبلی (متوفی 1051ھ) فرماتے ہیں:

"سجدۂ تلاوت سنت مؤکدہ ہے، واجب نہیں ہے، اس میں امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب کا اختلاف ہے، واجب نہ ہونے کی دلیل یہ روایت ہے کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے سورۂ نجم کی قراءت کی تو نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس میں سجدہ نہیں فرمایا۔"

(کشاف القناع، فصل سجدۃ التلاوۃ، ج1، ص445، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

شوافع کا موقف

علامہ زکریا بن محمد زکریا انصاری شافعی (متوفی 926ھ) فرماتے ہیں:

"سجدہ تلاوت سنت مؤکدہ ہے، حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی اس روایت کی وجہ سے، فرماتے ہیں: ((انَّ النَّبِی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یَقْرَأُ عَلَیْنَا الْقُرْآنَ فَإِذَا مَرَّ بِالسَّجْدَۃِ کَبَّرَ وَسَجَدَ وَسَجَدْنَا مَعَہُ)) (ترجمہ: نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہم پر قرآن پڑھتے تھے، جب آیتِ سجدہ پر گزرتے تو تکبیر کہتے، سجدہ کرتے اور ہم بھی ان کے ساتھ سجدہ کرتے۔)

اسے ابوداؤد اور حاکم نے روایت کیا ہے۔ سجدہ تلاوت واجب نہیں کیونکہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے سورۂ نجم کی قراءت کی تو نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس میں سجدہ نہیں فرمایا۔"

(اسنی المطالب، الثانیۃ سجدۃ التلاوۃ، ج1، ص196، دار الکتاب الاسلامی، بیروت)

مالکیہ کا موقف

علامہ ابو عمر یوسف ابن عبد البر مالکی (متوفی 463ھ) فرماتے ہیں:

"سجدۂ تلاوت قاری کے لیے سنت ہے اور سامع کے لیے اس وقت سنت ہے جب اس کے لیے بیٹھا ہو، ان دونوں میں سے کسی کے لیے واجب نہیں ہے، لیکن سنت ہے جیسا کہ ہم نے ذکر کیا۔ اور قاری پر سامع سے زیادہ مؤکدہ ہے مگر یہ کہ قاری نماز میں امامت کر رہا ہو تو دونوں اس میں مشترک ہوں گے۔"

(الکافی فی فقہ اہل المدینہ، باب سجود القرآن، ج 1، ص 262، مکتبۃ الریاض الحدیثۃ، ریاض)

احناف کا موقف

علامہ ابوبکر بن مسعود کاسانی حنفی فرماتے ہیں:

"ہمارے اصحاب نے فرمایا کہ سجدۂ تلاوت واجب ہے۔

(بدائع الصنائع، فصل سجدۃ التلاوۃ، ج 1، ص 180، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

سجدۂ تلاوت کے وجوب پر احناف کے دلائل

ہمارے دلائل درج ذیل ہیں:

(1) صحیح مسلم میں موجود حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((إِذَا قَرَأَ ابْنُ آدَمَ السَّجْدَةَ فَسَجَدَ اعْتَزَلَ الشَّيْطَانُ يَبْكِي، يَقُولُ: يَا وَيْلَهُ أُمِرَ ابْنُ آدَمَ بِالسُّجُودِ فَسَجَدَ فَلَهُ الْجَنَّةُ وَأُمِرْتُ بِالسُّجُودِ فَأَبَيْتُ فَلِيَ النَّارُ)) ترجمہ: جب ابن آدم آیت سجدہ پڑھ کر سجدہ کرتا ہے، شیطان ہٹ جاتا ہے اور رو کر کہتا ہے، ہائے بربادی میری! ابن آدم کو سجدہ کا حکم ہوا، اس نے سجدہ کیا، اس کے لیے جنت ہے اور مجھے حکم ہوا میں نے انکار کیا، میرے لیے دوزخ ہے۔

(صحیح مسلم، باب بیان اطلاق اسم الکفر علی من ترک الصلاۃ، ج 1، ص 87، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

اور اصل یہ ہے کہ حکیم جب غیر حکیم سے حکایت کرتا ہے اور اس کا انکار نہیں کرتا تو اس بات پر دلالت ہوتی ہے کہ یہ بات درست ہے، پس حدیث میں اس بات پر دلیل ہے کہ ابن آدم سجود کا مامور ہے اور مطلق امر وجوب کے لیے ہوتا ہے۔

(بدائع الصنائع، فصل سجدۃ التلاوۃ، ج 1، ص 180، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

(2) اللہ تعالیٰ نے سجدہ نہ کرنے پر قوموں کی مذمت بیان کرتے ہوئے فرمایا: ﴿وَإِذَا قُرِئَ عَلَيْهِمُ الْقُرْآنُ لَا يَسْجُدُونَ﴾ ترجمہ: جب ان پر قرآن پڑھا جاتا تو سجدہ نہیں کرتے۔

(الانشقاق، آیت 21)

اور مذمت کا استحقاق ترکِ واجب ہی سے ہوتا ہے۔

(بدائع الصنائع، فصل سجدۃ التلاوۃ، ج 1، ص 180، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

(3) اللہ تعالیٰ نے سجدہ کرنے کا حکم دیا ہے، اور امر وجوب کے لیے آتا ہے۔ ارشاد فرمایا: ﴿فَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ وَ اعْبُدُوْا﴾ ترجمہ: تو اللہ کے لئے سجدہ اور اس کی بندگی کرو۔
(سورۃ النجم، آیت 62)

(4) قرآن مجید میں سجدوں کی جگہیں منقسم ہیں، بعض جگہوں پر سجود کا حکم ہے اور امر وجوب کو لازم کرتا ہے جیسا کہ سورۂ قلم کے آخر میں (اور سورۂ نجم میں) اور بعض جگہوں پر اس بات کی خبر دینا ہے کہ کفار نے سجدے سے تکبر کرتے ہوئے انکار کیا پس ہم پر سجدہ کرتے ہوئے ان کی مخالفت واجب ہے، اور بعض جگہوں پر طاعت گزاروں کے خشوع کی خبر دینا ہے، پس ہم پر ان کی اتباع واجب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿أُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ﴾ (ترجمہ: یہ وہ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت کی تو تم انہیں کی راہ چلو)
(الأنعام 90)

(بدائع الصنائع، فصل سجدۃ التلاوۃ، ج 1، ص 180، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

(5) حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں: ((إِنَّمَا السَّجْدَةُ عَلَى مَنْ سَمِعَهَا)) ترجمہ: سجدہ اس پر لازم ہے جس نے آیتِ سجدہ کو سنا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ، من قال السجدۃ علی من جلس لہا و من سمعہا، ج 1، ص 368، مکتبۃ الرشد، ریاض)

اور کلمہ علیٰ وجوب ولزوم کے لیے آتا ہے۔

(6) بلکہ علامہ ابوبکر بن مسعود کاسانی حنفی نے ارشاد فرمایا:

"حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت عبد اللہ بن مسعود، حضرت عبد اللہ بن عباس اور حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے فرمایا: ((السَّجْدَةُ عَلَى مَنْ تَلَاهَا وَعَلَى مَنْ سَمِعَهَا وَعَلَى مَنْ جَلَسَ لَهَا)) (ترجمہ: سجدہ اس پر ہے جس نے تلاوت کی اور اس پر جس نے سنا اور اس پر جو اس کے لیے بیٹھا) ان صحابہ کرام کا یہ فرمان مختلف الفاظ کے ساتھ ہے اور واجب کرنے والے کلمہ کے ساتھ ہے۔" (بدائع الصنائع، فصل سجدۃ التلاوۃ، ج 1، ص 180، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

ائمہ ثلاثہ کے دلائل اور ان کے جوابات

(1) ایک دلیل حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے، آپ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے سورۂ نجم کی قراءت کی تو نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس میں سجدہ نہیں فرمایا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس روایت سے فقط اتنا ثابت ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے علی الفور سجدہ نہیں

فرمایا، اور ہمارے نزدیک علی الفور سجدہ کرنا واجب نہیں ۔ اور علی الفور نہ کرنا بیانِ جواز کے لیے بھی ہوسکتا ہے اور کسی حاجت کی وجہ سے بھی ہوسکتا ہے جیسا کہ باوضو نہ ہونا یا وقت کا مکروہ ہونا۔

(2) ایک دلیل حدیثِ اعرابی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسے شرائع کی تعلیم دی تو اس نے عرض کیا کہ کیا اس کے علاوہ مجھ پر کچھ ہے، تو ارشاد فرمایا: نہیں، مگر یہ کہ تم اپنی طرف سے نفلی عبادت کرو۔ پس اگر سجدۂ تلاوت واجب ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سوال کے بعد بیان کو ترک نہ فرماتے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں ان چیزوں کا بیان ہے جو ابتداء فرض اور واجب ہوتی ہیں، نہ کہ وہ جو بندے کی طرف سے کسی سبب سے واجب ہوتی ہیں، کیا تو نہیں دیکھتا کہ اس میں منذور (جو نذر کی وجہ سے واجب ہو) کا ذکر نہیں کیا گیا حالانکہ وہ واجب ہے۔ (بدائع الصنائع، فصل سجدۃ التلاوۃ، ج1، ص180، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

قرآن میں سجدوں کی تعداد کے بارے میں مذاہب ائمہ

احناف کے نزدیک قران کریم میں چودہ (14) سجدے ہیں، اسی طرح شوافع اور حنابلہ کے راجح مذہب میں بھی چودہ (14) سجدے ہیں، جبکہ مالکیہ کے مختار مذہب پر گیارہ (11) سجدے ہیں۔

احناف اور شوافع وحنابلہ کے اگرچہ چودہ چودہ سجدے ہیں، مگر فرق یہ ہے کہ احناف کے نزدیک سورۂ حج میں ایک سجدہ ہے اور سورۂ ص میں بھی سجدہ ہے جبکہ شوافع اور حنابلہ کے نزدیک سورۂ حج میں دو سجدے ہیں اور سورۂ ص میں سجدہ نہیں۔

مالکیہ کے باقی سب وہی ہیں جو احناف کے ہیں، صرف مفصل (سورۂ حجرات سے لے کر آخر قرآن تک سورتوں کو مفصل کہتے ہیں) کی تین سورتوں (نجم، انشقاق، اقرأ) میں سجود نہیں۔ تفصیل درج ذیل ہے:

احناف کا مؤقف

علامہ ابو بکر بن مسعود کاسانی حنفی فرماتے ہیں:

"ہم یہ کہتے ہیں کہ سجدے قرآن مجید میں چودہ (14) مقامات پر ہیں: چار پہلے پندرہ پاروں میں ہیں، اور وہ یہ ہیں: (1) سورۃ الاعراف کے آخر میں (2) سورۃ الرعد میں (3) سورۃ النحل میں (4) سورۂ بنی اسرائیل میں۔ دس آخری

پندرہ پاروں میں ہیں، اور وہ یہ ہیں: (5) سورۂ مریم میں (6) سورۃ الحج کے صرف پہلا مقام میں (7) سورۃ الفرقان میں (8) سورۃ النمل میں (9) سورۂ الم تنزیل السجدۃ میں (10) سورۂ ص میں (11) حم السجدۃ میں (12) سورۃ النجم میں (13) سورۂ اذا السماء انشقت میں (14) سورۂ اقرأ میں۔"

(بدائع الصنائع، فصل بیان مواضع السجدۃ فی القرآن، ج 1، ص 193، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

حنابلہ کا موقف

علامہ منصور بن یونس البہوتی حنبلی (متوفی 1051ھ) فرماتے ہیں:

سجدۂ تلاوت چودہ (14) ہیں: (1) سورۂ اعراف میں (2) سورۂ رعد میں (3) سورہ نحل میں (4) سورہ اسراء میں (5) سورۂ مریم میں (6,7) دو سورۂ حج میں (8) سورۂ فرقان میں (9) سورہ نمل میں (10) سورۂ الم تنزیل میں (11) سورۂ حم السجدۃ میں۔ مفصل میں تین ہیں یعنی (12) سورۃ النجم میں (13) سورۃ الانشقاق میں (14) سورۂ اقرأ میں۔ (کشاف القناع، فصل سجدۃ التلاوۃ، ج 1، ص 447، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

علامہ ابن قدامہ حنبلی نے بھی حنابلہ کے نزدیک چودہ سجدے ہونا ہی بیان کیا ہے، ہاں امام احمد سے ایک روایت پندرہ کی بھی نقل کی ہے۔ (المغنی لابن قدامہ، مسئلہ سجود القرآن اربع عشرۃ سجدۃ، ج 1، ص 441، مکتبۃ القاہرہ)

شوافع کا موقف

علامہ زکریا بن محمد زکریا انصاری شافعی (متوفی 926ھ) فرماتے ہیں:

سجدۂ تلاوت چودہ مواضع پر سنت ہے:

(1,2) دو سورۂ حج میں (3) سورۂ اعراف میں (4) سورۃ الرعد میں (5) سورۃ النحل میں (6) سورۃ الاسراء میں (7) سورۂ مریم میں (8) سورۃ الفرقان میں (9) سورۃ النمل میں (10) سورۂ الم تنزیل میں (11) سورۂ حم السجدۃ میں (12) سورۃ النجم میں (13) سورۃ الانشقاق میں (14) سورۃ العلق میں...... سورۂ ص میں موجود سجدہ سجداتِ تلاوت میں سے نہیں، یہ سجدۂ شکر ہے۔ (اسنی المطالب، الثانیۃ سجدۃ التلاوۃ، ج 1، ص 196، دار الکتاب الاسلامی، بیروت)

مالکیہ کا موقف

مالکیہ کی مشہور کتاب "مدونہ" میں ہے:

"امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: قرآن میں سجدے گیارہ (11) ہیں، ان میں سے مفصل سورتوں میں ایک بھی نہیں ہے، یہ گیارہ درج ذیل سورتوں میں ہیں: (1) سورۃ الاعراف میں (2) سورۃ الرعد میں (3) سورۃ النحل میں (4) سورۂ بنی اسرائیل یعنی سورۃ الاسراء میں (5) سورۂ مریم میں (6) سورۃ الحج کے پہلے مقام میں (7) سورۃ الفرقان (8) سورہ ہدہد یعنی سورۂ نمل میں (9) سورۂ الم تنزیل السجدۃ میں (10) سورۂ ص میں (11) سورۂ حم تنزیل میں۔" (المدونہ، سجود القرآن، ج1، ص199، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

علامہ احمد بن غانم النفراوی مالکی (1126ھ) فرماتے ہیں:

"راجح مذہب پر سورۃ الحجرات سے لے کر آخر قرآن تک سورتیں مفصل کہلاتی ہیں، لہذا سورۃ النجم، سورۃ الانشقاق اور سورۃ القلم میں سجدہ تلاوت نہیں ہے۔" (الفواکہ الدوانی، باب فی سجود القرآن، ج1، ص249، دار الفکر، بیروت)

سجود القرآن میں اختلافی مقامات پر بحث ونظر

علامہ ابوبکر بن مسعود کاسانی حنفی فرماتے ہیں:

قرآن مجید میں موجود تلاوت کے سجدوں میں تین مقامات میں علماء کا اختلاف ہے، جو درج ذیل ہیں:

پہلا مقام:

سورۃ الحج میں ہمارے نزدیک ایک سجدہ ہے اور امام شافعی کے نزدیک دو سجدے ہیں، ان میں ایک اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے وقت ہے: ﴿ارْكَعُوا وَاسْجُدُوا﴾ ترجمہ: رکوع اور سجدہ کرو۔ (الحج 77)

انہوں نے حضرت عقبہ بن عامر جہنی کی اس روایت کو دلیل بنایا ہے کہ حضرت عقبہ بن عامر فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ کیا سورۂ حج میں دو سجدے ہیں؟ تو ارشاد فرمایا: جی ہاں یا ارشاد فرمایا: سورۂ حج کو دو سجدوں کے ساتھ فضیلت دی گئی ہے جس نے ان دونوں میں سجدہ نہیں کیا اس نے اسے پڑھا ہی نہیں۔

اور ایسے ہی حضرت عمر، حضرت علی، حضرت ابن عمر اور حضرت ابو الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی ہے، ان سب نے فرمایا: ((فُضِّلَتْ سُورَةُ الْحَجِّ بِسَجْدَتَيْنِ)) ترجمہ: سورۃ الحج کو دو سجدوں کے ساتھ فضیلت دی گئی ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت اُبّی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے سجدوں کی تعداد شمار کی جو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنی تھی، تو اس میں سورۃ الحج میں صرف ایک ہی سجدہ شمار کیا۔

اور حضرت عبداللہ ابن عباس اور حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے ارشاد فرمایا: سورۃ الحج میں سجدۂ تلاوت صرف پہلا ہی ہے اور دوسرا سجدہ نماز کا ہے۔

اور یہی تاویل حدیث پاک کی (اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ صحابہ کے فرمان کی بھی) ہے، کیونکہ جب سجدہ رکوع کے ساتھ ملایا جائے تو یہ نماز کے سجدے کی تعبیر ہوتی ہے جیسا اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَاسْجُدِیْ وَارْکَعِیْ﴾ سجدہ کر اور رکوع کر۔ (آل عمران 43)

دوسرا مقام:

سورۂ ص میں ہمارے (مالکیہ کے) نزدیک سجدۂ تلاوت ہے اور امام شافعی (اور امام احمد) کے نزدیک یہ سجدہ شکر ہے۔ اختلاف کا فائدہ اس صورت میں ہوگا کہ اگر کسی نے نماز میں تلاوت کیا تو ہمارے نزدیک سجدہ کرے گا، اور امام شافعی (اور امام احمد) کے نزدیک سجدہ نہیں کرے گا۔ اُن کی دلیل یہ روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سورۂ ص میں آیت سجدہ پڑھی اور سجدہ کیا اور فرمایا: ((سَجَدَهَا دَاوُدُ تَوْبَةً وَنَحْنُ نَسْجُدُهَا شُکْرًا)) حضرت داؤد علیہ السلام نے توبہ کے طور پر سجدہ کیا اور ہم اسے شکر کے طور پر کرتے ہیں۔

اور حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں: ((قَرَأَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْمِنْبَرِ سُوْرَةَ ص فَنَزَلَ وَسَجَدَ وَسَجَدَ النَّاسُ مَعَهُ، فَلَمَّا كَانَ فِي الْجُمُعَةِ الثَّانِيَةِ قَرَأَهَا فَتَشَوَّفَ النَّاسُ لِلسُّجُوْدِ فَنَزَلَ وَسَجَدَ وَسَجَدَ النَّاسُ مَعَهُ وَقَالَ: لَمْ أُرِدْ أَنْ أَسْجُدَهَا فَإِنَّهَا تَوْبَةُ نَبِيٍّ مِنَ الْأَنْبِيَاءِ وَإِنَّمَا سَجَدْتُ، لِأَنِّي رَأَيْتُكُمْ تَشَوَّفْتُمْ لِلسُّجُوْدِ)) ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے منبر پر سورۂ ص پڑھی، پھر نیچے تشریف لائے اور سجدہ کیا اور لوگوں نے بھی آپ کے ساتھ سجدہ کیا، جب اگلا جمعہ آیا تو پھر اس کی تلاوت کی، تو لوگ سجدے کے لیے تیار ہو گئے، تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نیچے تشریف لائے اور سجدہ کیا اور لوگوں نے بھی آپ کے ساتھ سجدہ کیا اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میرا ارادہ نہیں تھا کہ میں سجدہ کروں کہ یہ انبیاء علیہم السلام میں سے ایک نبی کی توبہ ہے، میں نے سجدہ

اس وجہ سے کیا کہ میں نے دیکھا کہ تم سجدے کے لیے تیار ہو گئے ہو۔

ہماری دلیل یہ روایت ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نماز میں سورۂ ص کی قراءت کی، آپ نے سجدہ کیا اور لوگوں نے آپ کے ساتھ سجدہ کیا اور یہ صحابہ کرام علیہم الرضوان کی موجودگی میں ہوا اور اس پر کسی نے انکار نہیں کیا اور اگر یہ واجب نہ ہوتا تو اس کا نماز میں داخل کرنا جائز نہ ہوتا۔

دوسری دلیل یہ روایت ہے کہ صحابہ کرام میں سے ایک آدمی نے عرض کیا: ((يَا رَسُولَ اللّٰهِ رَأَيْتُ كَمَا يَرَى النَّائِمُ كَأَنِّي أَكْتُبُ سُورَةَ ص فَلَمَّا انْتَهَيْتُ إِلَى مَوْضِعِ السَّجْدَةِ سَجَدَتِ الدَّوَاةُ وَالْقَلَمُ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْنُ أَحَقُّ بِهَا مِنَ الدَّوَاةِ وَالْقَلَمِ فَأَمَرَ حَتَّى تُلِيَتْ فِي مَجْلِسِهِ وَسَجَدَهَا مَعَ أَصْحَابِهِ)) ترجمہ: یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! میں نے دیکھا جیسا کہ سونے والا شخص دیکھتا ہے کہ میں سورۂ ص لکھ رہا ہوں، جب میں آیت سجدہ والی جگہ پہنچا تو دوات اور قلم نے سجدہ کیا تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہم قلم دوات سے زیادہ اس کے حق دار ہیں، پس آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حکم دیا یہاں تک کہ اسی مجلس میں تلاوت کی گئی اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کے ساتھ سجدہ کیا۔

اور امام شافعی نے جو دلیل دی ہے وہ تو ہماری دلیل ہے، ہم کہتے ہیں کہ ہم یہ سجدہ اس کے شکر کے طور پر کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام پر مغفرت، قربت کے اور اچھے ٹھکانے کے وعدہ کے انعام کے ساتھ فرمایا، اور یہ ہمارے حق میں نعمت عظیمہ ہے کہ یہ ہمیں طمع دلاتا ہے کہ ہماری لغزشوں کو ختم کیا جائے، اور ہماری خطاؤں کو معاف کیا جائے لہذا یہ سجدۂ تلاوت ہے کیونکہ سجدۂ تلاوت کا سبب تلاوت ہے، اور اس سجدہ کے وجوب کا سبب اس آیت کی تلاوت ہے جس میں حضرت داؤد علیہ السلام پر ان نعمتوں کی خبر دی گئی ہے اور ہمیں اس کی مثل پانے میں طمع دلائی گئی ہے۔

اور ایسے ہی نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا پہلے جمعہ کو سجدہ کرنا اور خطبہ کو اس کی وجہ سے ترک کر دینا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ سجدۂ تلاوت ہی ہے اور دوسرے جمعہ کو اس کا ترک اس بات پر دلالت نہیں کرتا کہ یہ سجدۂ تلاوت نہیں ہے بلکہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے تاخیر سے کرنے کا ارادہ فرمایا، اور یہ ہمارے نزدیک علی الفور واجب نہیں، پس نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارادہ فرمایا کہ علی الفور سجدہ نہیں کریں گے۔

تیسرا مقام:

مفصل کی سورتوں میں سے (تین سورتوں یعنی سورۃ النجم، سورۃ الانشقاق اور سورۃ القلم میں) ہمارے نزدیک تین سجدے ہیں، امام مالک کے نزدیک مفصل میں کوئی سجدہ نہیں ہے، اور انہوں نے اس روایت سے دلیل لی ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے، فرماتے ہیں: ((انَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ تعالیٰ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَمْ یَسْجُدْ فِی الْمُفَصَّلِ بَعْدَمَا ھَاجَرَ إِلَی الْمَدِینَۃِ)) نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ کی طرف سے ہجرت کرنے کے بعد مفصل میں سجدہ نہیں کیا۔

ہماری دلائل درج ذیل ہیں:

(۱) حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ((أَقْرَأَنِی رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خَمْسَ عَشْرَۃَ سَجْدَۃً ثَلَاثٌ مِنْھَا فِی الْمُفَصَّلِ)) ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ پر پندرہ سجدوں کی قراءت کی ،تین ان میں سے مفصل میں ہیں۔ (یعنی ان میں سورۂ حج کا دوسرا سجدہ تو ہے مگر سجدۂ تلاوت نہیں۔)

(۲) حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، ارشاد فرماتے ہیں: ((عَزَائِمُ السُّجُودِ فِی الْقُرْآنِ أَرْبَعَۃٌ: الم تَنْزِیلُ السَّجْدَۃِ وحم السَّجْدَۃِ وَالنَّجْمُ، وَاقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّکَ)) ترجمہ: قرآن میں عزائم السجود چار ہیں: الم تنزیل السجدۃ، حم السجدۃ، النجم، اور اقرأ باسم ربک۔ (چار کے بیان سے زیادت کی نفی نہیں)

(۳) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں: ((رَأَیْتُ رَسُولَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَرَأَ سُورَۃَ النَّجْمِ بِمَکَّۃَ فَسَجَدَ وَسَجَدَ مَعَہُ الْمُسْلِمُونَ وَالْمُشْرِکُونَ إِلَّا شَیْخًا وَضَعَ کَفًّا مِنْ تُرَابٍ عَلَی جَبْھَتِہِ وَقَالَ ھَذَا یَکْفِینِی فَلَقِیتُہُ قُتِلَ کَافِرًا)) ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مکہ میں دیکھا کہ آپ نے سورۂ نجم کی تلاوت فرمائی، پس سجدہ کیا اور آپ کے ساتھ تمام مسلمانوں اور مشرکوں نے سجدہ کیا سوائے ایک شیخ کے کہ اس نے ہتھیلی میں مٹی لے کر اپنی پیشانی پر رکھی اور کہا کہ یہ مجھے کافی ہے، تو میں نے اسے کفر کی حالت میں قتل ہوتے پایا۔

(۴) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے: ((انَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ تعالیٰ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَرَأَ إِذَا السَّمَاءُ انْشَقَّتْ فَسَجَدَ وَسَجَدَ مَعَہُ أَصْحَابُہُ)) ترجمہ: نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سورۂ اذا السماء انشقت کی قراءت کی تو سجدہ

کیااوران کے ساتھ ان کے اصحاب نے سجدہ کیا۔

(۵) سورۃ النجم اور سورۂ اقرأ باسم ربک میں سجود کا حکم دیا گیا ہے اور امر وجوب کے لیے ہوتا ہے۔

(٦) اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث پاک اس پر محمول ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تلاوت کے فوراً بعد سجدہ نہ فرمایا جبکہ اس سے پہلے فوراً کیا کرتے تھے، ہم نے اس کو اس پر محمول اس دلیل سے کیا جو ہم نے روایت کیا

تنبیہ:

پھر سورۂ حم السجدۃ میں ہمارے نزدیک سجدہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان ﴿وَهُمْ لَا يَسْأَمُونَ﴾ کے وقت ہے، اور یہی حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت وائل بن حُجر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا مذہب ہے۔ اور امام شافعی کے نزدیک اللہ تعالیٰ کے اس فرمان ﴿إِنْ كُنْتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ﴾ کے وقت ہے۔ اور یہی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مذہب ہے۔ اور ان کی دلیل وہ ہے جو حضرت ابن مسعود اور حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اسی طرح مروی ہے۔ اور ایک دلیل یہ ہے کہ سجدے کا امر یہاں کیا گیا ہے لہذا سجدہ بھی اسی وقت ہوگا۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ سجدۂ تلاوت کبھی امر بالسجود کی وجہ سے ہوتا ہے، اور کبھی کفار کے سجدہ سے تکبر کرنے کی وجہ سے ہوتا ہے پس ہم پر اُن کی مخالفت واجب ہے، اور کبھی طاعت گزاروں کے خشوع کے ذکر کے وقت ہوتا ہے، پس ہم پر ان کی متابعت واجب ہے اور یہ معانی اس فرمان ﴿وَهُمْ لَا يَسْأَمُونَ﴾ کے وقت مکمل ہوتے ہیں تو اس وقت سجدہ کرنا اولیٰ ہے۔

اور ہمارے اصحاب نے اختلافِ صحابہ کے وقت احتیاط کا پہلو اپناتے ہوئے یہ مؤقف اپنایا ہے کہ سجدہ اگر ﴿تَعْبُدُونَ﴾ پر واجب ہو تو بھی ﴿وَهُمْ لَا يَسْأَمُونَ﴾ تک تاخیر نقصان نہیں پہنچائے گی اور وہ واجب سے بری الذمہ ہو جائے گا۔

اور اگر ﴿لَا يَسْأَمُونَ﴾ کے وقت واجب ہو تو جو سجدہ اس کی قراءت سے پہلے ادا کرلیا وہ تو اس کے وجوب اور اس کے وجوب کے سبب سے پہلے حاصل ہوا تو یہ نماز میں نقصان کرے گا اور دوبارہ اس کی قراءت کے بعد وہ ادا بھی

نہیں کرے گا تو نمازی اس چیز کا تارک ہوگا جو نماز میں واجب ہے، لہذا نماز میں دو وجھوں سے نقص آئے گا اور جو ہمارا قول ہے اس کے مطابق عمل کریں گے تو بالکل کسی قسم کا نقص نہیں آئے گا۔ یہ ہے تبحر فی الفقہ کی علامت، واللہ الموفق۔

(بدائع الصنائع، فصل بیان مواضع السجدۃ فی القرآن، ج1، ص193,194، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

گیارہ سجدوں والی روایت کے جوابات

اولاً تو یہ روایت قابلِ استدلال نہیں۔

علامہ ابو عمر یوسف ابن عبد البر مالکی فرماتے ہیں:

"حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث جس میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے گیارہ سجدے مروی ہیں، اس کی سند کمزور وضعیف ہے، اسے عمر دِمشقی مجہول نے حضرت ابو درداء سے حضرت ام درداء کے واسطہ سے روایت کیا ہے۔"

(التمہید، حدیث ثان لعبد اللہ بن یزید، ج19، ص120، مطبوعہ وزارۃ عموم الاوقاف والشئون الاسلامیہ)

علامہ بدر الدین عینی حنفی نے بھی لکھا کہ اس کی سند واھی اور کمزور ہے۔

(شرح ابی داؤد للعینی، باب تفریع ابواب سجود القرآن، ج5، ص308، مکتبۃ الرشد، ریاض)

ثانیاً نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ گیارہ سجدے کرنا یہ زیادت کے منافی نہیں، اس کی غایت یہ ہے کہ حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ گیارہ سجدے کیے ہوں اور اس کے علاوہ میں حاضر نہ ہو۔

(انجاح الحاجۃ شرح سنن ابن ماجہ، باب سجود القرآن الخ، ص74، قدیمی کتب خانہ کراچی)

باب نمبر 394

فی خُرُوجِ النِّسَاءِ إِلَی الْمَسَاجِدِ

عورتوں کا مساجد کی جانب نکلنا

570- حَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ قَالَ: حَدَّثَنَا عِيسَى بْنُ يُونُسَ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ مُجَاهِدٍ، قَالَ: كُنَّا عِنْدَ ابْنِ عُمَرَ، فَقَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ائْذَنُوا لِلنِّسَاءِ بِاللَّيْلِ إِلَى الْمَسَاجِدِ، فَقَالَ ابْنُهُ: وَاللَّهِ لَا نَأْذَنُ لَهُنَّ يَتَّخِذْنَهُ دَغَلًا فَقَالَ: فَعَلَ اللَّهُ بِكَ وَفَعَلَ، أَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَتَقُولُ: لَا نَأْذَنُ لَهُنَّ وَفِي الْبَابِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، وَزَيْنَبَ امْرَأَةِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ، وَزَيْدِ بْنِ خَالِدٍ، حَدِيثُ ابْنِ عُمَرَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

حدیث: حضرت مجاہد سے مروی ہے فرمایا ہم حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی بارگاہ میں حاضر تھے تو انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''مسجد میں رات کو عورتوں کو آنے کی اجازت دو۔'' تو ان کے بیٹے نے کہا: اللہ عزوجل کی قسم! ہم انہیں اجازت نہیں دیں گے انہوں نے خرابی وفساد کو اپنا لیا ہے۔ تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اللہ تیرے ساتھ یہ کرے اور وہ کرے، میں کہتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور تو کہتا ہے ''ہم انہیں اذن نہیں دیں گے۔''

اور اس باب میں حضرت ابو ہریرہ، حضرت زینب (حضرت عبداللہ بن مسعود کی زوجہ) اور حضرت زید بن خالد رضی اللہ عنہم سے بھی روایات مروی ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث حسن صحیح ہے۔

شرح حدیث

رات میں اجازت سے مراد:

علامہ محمود بدر الدین عینی حنفی فرماتے ہیں:

((مسجد میں رات کو عورتوں کو آنے کی اجازت دو)) اس سے مراد یہ ہے کہ مغرب، عشاء اور فجر کی نماز میں آنے کی اجازت دو جیسا کہ امام ابوحنیفہ کا مذہب ہے۔ (شرح ابی داؤد للعینی، باب فی خروج النساء الی المسجد، ج3، ص53، مکتبۃ الرشد، ریاض)

فسادِ زمانہ کی وجہ سے مطلقاً ممانعت

عندالاحناف اب فتوی اس پر ہے عورتوں کے لیے نماز کے لیے مسجد حاضر ہونا مطلقاً منع ہے۔ درمختار میں ہے: عورتوں کی جماعت میں حاضری مطلقاً مکروہ ہے، اگر چہ جمعہ و عید یا وعظ ہو، اگر چہ عورت بوڑھی ہو، اگر چہ رات کو ہو، یہ وہ مذہب ہے جس پر فسادِ زمانہ کی وجہ سے فتوی ہے۔ (درمختار مع ردالمحتار، ج1، ص566، دارالفکر، بیروت)

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ارشاد فرمایا ((لَوْ أَدْرَكَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا أَحْدَثَ النِّسَاءُ لَمَنَعَهُنَّ كَمَا مُنِعَتْ نِسَاءُ بَنِي إِسْرَائِيلَ)) اگر نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ملاحظہ فرماتے جو باتیں عورتوں نے اب پیدا کی ہیں تو ضرور انھیں مسجد سے منع فرما دیتے جیسے بنی اسرائیل کی عورتیں منع کر دی گئیں۔

(صحیح بخاری، ج1، ص173، مطبوعہ دار طوق النجاۃ ☆ صحیح مسلم، باب خروج النساء الی المساجد، ج1، ص183، نور محمد اصح المطابع، کراچی)

بلکہ عنایہ امام اکمل الدین بابرتی میں ہے کہ امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عورتوں کو مسجد سے منع فرمایا، وہ ام المومنین حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس شکایت لے گئیں، فرمایا: اگر زمانہ اقدس میں حالت یہ ہوتی حضور عورتوں کو مسجد میں آنے کی اجازت نہ دیتے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں: ولقد نهى عمر رضي الله تعالى عنه النساء عن الخروج الى المساجد فشكون الى عائشة رضي الله تعالى عنها فقالت لو علم النبي صلى الله تعالى عليه وسلم ما علم عمر ما اذن لكن في الخروج۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عورتوں کو مسجد جانے سے روک دیا، وہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس شکایت لے کر گئیں، انھوں نے فرمایا: اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ دیکھتے جو حضرت عمر نے دیکھا تو وہ بھی

مسجد جانے کی اجازت نہ دیتے۔ (العنایہ علی ھامش فتح القدیر، باب الامامۃ، ج1، ص317، نوریہ رضویہ، سکھر)

پھر فرمایا: فاجتمع به علماؤ ناو منعوا الشواب عن الخروج مطلقا اما العجائز فمنهن ابو حنيفة رضی الله تعالى عنه عن الخروج فى الظهر والعصر دون الفجر والمغرب والعشاء والفتوى اليوم على كراهة حضورهن فى الصلوات كلها الظهور الفساد۔ اسی سے ہمارے علماء نے استدلال کیا، اور جوان عورتوں کو جانے سے مطلقاً منع فرمایا۔ رہ گئیں بوڑھی عورتیں، ان کے لیے امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ظہر و عصر میں جانے سے ممانعت اور فجر، مغرب اور عشاء میں اجازت رکھی، اور آج فتوی اس پر ہے کہ تمام نمازوں میں ان کی بھی حاضری منع ہے اس لیے کہ خرابیاں پیدا ہو چکی ہیں۔ (العنایہ علی ھامش فتح القدیر، باب الامامۃ، ج1، ص317، نوریہ رضویہ، سکھر)

عمدۃ القاری میں ہے: ((وَقَالَ ابْنُ مَسْعُود :الْمَرْأَةُ عَوْرَةٌ وَأقرب مَا تكون إِلَى الله فِي قَعْر بَيتهَا فَإِذا خرجت استشرفها الشَّيْطَان .وَكَانَ ابْن عمر، رَضِي الله تَعَالَى عَنْهُمَا يقوم يحصب النِّسَاء يَوْم الْجُمُعَة يخرجهن من الْمَسْجِد......وَكَانَ إِبْرَاهِيم يمْنَع نِسَاءَهُ الْجُمُعَة وَالْجَمَاعَة)) ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: عورت سراپا شرم کی چیز ہے۔ سب سے زیادہ اللہ عزوجل سے قریب اپنے گھر کی تہ میں ہوتی ہے اور جب باہر نکلے شیطان اس پر نگاہ ڈالتا ہے۔ اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما جمعہ کے دن کھڑے ہو کر کنکریاں مار کر عورتوں کو مسجد سے نکالتے۔ اور امام ابراہیم نخعی تابعی استاذ الاستاذ امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی مستورات کو جمعہ و جماعات میں نہ جانے دیتے۔ (عمدۃ القاری شرح البخاری، باب خروج النساء الی المساجد، ج6، ص157، ادارۃ الطباعۃ المنیریہ، بیروت)

حضرت عبداللہ بن عمر کے بیٹے کون

علامہ عینی فرماتے ہیں:

((اُن کے بیٹے نے کہا)) یعنی حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے بیٹے نے، اُن کا نام بلال بن عبداللہ بن عمر ہے، اس کا ثبوت صحیح مسلم وغیرہ میں ہے۔ کہا گیا کہ ان کے اس بیٹے کا نام واقد بن عبداللہ تھا، اس کو بھی امام مسلم نے اپنی صحیح میں ذکر کیا ہے۔

بہر حال جو بلال ہیں وہ اپنے والد حضرت عبداللہ سے روایت کرتے ہیں اور بلال سے ہبیرہ، کعب بن علقمہ اور

عبدالملک بن فارغ روایت کرتے ہیں۔ابوزرعہ نے بلال کے بارے میں کہا: یہ مدنی ہیں،ثقہ ہیں اوران سے امام مسلم نے روایت کیا ہے۔

اورواقد نے اپنے والد حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے اور آگے ان سے ان کے بیٹے محمد بن واقد نے روایت کیا ہے۔ (شرح ابی داؤد للعینی ، باب فی خروج النساء الی المسجد، ج3،ص53،مکتبۃ الرشد،ریاض)

حضرت عبداللہ ابن عمر کے غضب ناک ہونے کی وجہ

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے غضبناک ہونے کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان سنایا کہ مسجد میں رات کو عورتوں کو آنے کی اجازت دو،تو جواباً بیٹے نے کہا کہ اللہ کی قسم ہم انہیں اجازت نہیں دیں گے،تو اس میں ظاہراً حدیث پاک کی مخالفت کی صورت پیدا ہورہی تھی،فتنہ وفساد کی وجہ سے عورتوں کو روکنے کی صحیح تعبیر وہ ہے جو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت میں ہے،آپ فرماتی ہیں:((لَوْ أَدْرَكَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا أَحْدَثَ النِّسَاءُ لَمَنَعَهُنَّ كَمَا مُنِعَتْ نِسَاءُ بَنِي إِسْرَائِيلَ)) ترجمہ:اگر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وہ دیکھتے جو عورتوں نے نئی باتیں اپنائیں ہیں تو ان کو منع کردیتے جیسا کہ بنی اسرائیل کی عورتوں کو منع کردیا گیا۔

(صحیح بخاری، باب خروج النساء الی المساجد الخ، ج1،ص173، مطبوعہ دار طوق النجاۃ)

فوائد حدیث

(1) اس روایت میں سنت پر معترض کی تعزیر کرنے کا بیان ہے۔

(2) اور اس میں والد کا اپنے بیٹے کو تعزیر کرنے کا جواز ہے اگرچہ بیٹا بڑا ہو۔

(شرح ابی داؤد للعینی ، باب فی خروج النساء الی المسجد، ج3،ص53، مکتبۃ الرشد، ریاض)

باب نمبر395

فی کَرَاهِیَةِ الْبُزَاقِ فی الْمَسْجِد

مسجد میں تھوکنے کا مکروہ ہونا

571۔حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ قَالَ : حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ، عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ مَنْصُورٍ، عَنْ رِبْعِيِّ بْنِ حِرَاشٍ، عَنْ طَارِقِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ الْمُحَارِبِيِّ، قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :إِذَا كُنْتَ فِي الصَّلَاةِ فَلَا تَبْزُقْ عَنْ يَمِينِكَ، وَلَكِنْ خَلْفَكَ، أَوْ تِلْقَاءَ شِمَالِكَ، أَوْ تَحْتَ قَدَمِكَ الْيُسْرَى وَفِي الْبَابِ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ، وَابْنِ عُمَرَ، وَأَنَسٍ، وَأَبِي هُرَيْرَةَ .قال ابوعيسى:حَدِيثُ طَارِقٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ، وَالعَمَلُ عَلَى هَذَا عِنْدَ أَهْلِ العِلْمِ، وَسَمِعْتُ الجَارُودَ يَقُولُ:سَمِعْتُ وَكِيعًا يَقُولُ :لَمْ يَكْذِبْ رِبْعِيُّ بْنُ حِرَاشٍ فِي الإِسْلَامِ كَذْبَةً ، وقَالَ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ مَهْدِيٍّ :أَثْبَتُ أَهْلِ الكُوفَةِ مَنْصُورُ بْنُ المُعْتَمِرِ

حدیث:حضرت طارق بن عبداللہ المحاربی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:''جب تم نماز میں ہوتو اپنے دائیں جانب نہ تھوکو لیکن اپنے پیچھے یابائیں جانب یااپنے قدم کے نیچے۔''

اوراس باب میں حضرت ابوسعید،حضرت عبداللہ بن عمر،حضرت انس اورحضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی روایات مروی ہیں۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں:حضرت طارق رضی اللہ عنہ کی حدیث حسن صحیح ہےاوراسی پراہلِ علم کے ہاں عمل ہے۔اورمیں نے جارود سے سناوہ کہتے ہیں میں نے وکیع سے سنا وہ کہتے ہیں:ربعی بن حراش نے اسلام میں کبھی جھوٹ نہیں بولا۔اورعبدالرحمٰن بن مہدی کہتے ہیں:اہلِ کوفہ میں سب سےزیادہ کامل شخصیت منصوربن المعتمر ہیں۔

572۔حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ:قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم :البُزَاقُ فِي المَسْجِدِ خَطِيئَةٌ، وَكَفَّارَتُهَا دَفْنُهَا ،قال ابوعيسى:هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

حدیث:حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہےفرمایا:رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشادفرماتے ہیں:مسجد میں تھوکنا خطاہےاوراس کا کفارہ اس کودفن کردینا ہے۔امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

شرحِ حدیث

تھوکنے کی اجازت صرف خارجِ مسجد میں ہے

علامہ محمود بدرالدین عینی حنفی فرماتے ہیں:

((جب تم نماز میں ہو تو اپنے دائیں جانب نہ تھوکو لیکن اپنے پیچھے یا بائیں جانب یا اپنے قدم کے نیچے)) یہ حدیث پاک اس نمازی کے بارے میں ہے جو مسجد سے خارج ہو، بہرحال جو مسجد کے اندر ہو تو وہ مسجد میں نہیں تھوکے گا ،البتہ اگر ضرورت ہو تو اپنے کپڑے میں ڈال دے، کیونکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: "مسجد میں تھوکنا خطاء ہے۔" تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مسجد میں تھوکنے کی اجازت کیسے دے سکتے ہیں۔

(شرح ابی داؤد للعینی، باب فی کراھیۃ البزاق فی المسجد، ج2، ص391، مکتبۃ الرشد، ریاض)

سامنے اور دائیں طرف تھوکنے کی ممانعت کی وجہ

علامہ عینی مزید فرماتے ہیں:

نماز میں سامنے تھوکنے کی ممانعت قبلہ کی تکریم و تشریف کے لیے ہے، اسی طرح دائیں طرف تھوکنے کی ممانعت دائیں طرف کی تکریم کے لیے ہے۔ صحیح بخاری کی روایت میں دائیں طرف ممانعت کی وجہ یہ بیان ہوئی ہے: ((فَاِنَّ عَنْ يَمِينِهِ مَلَكًا

)) نمازی کے دائیں طرف فرشتہ ہوتا ہے۔

اس حدیث پاک سے مستفاد ہوتا ہے کہ تھوکنے سے نماز باطل نہیں ہوتی۔

(شرح ابی داؤد للعینی، باب فی کراھیۃ البزاق فی المسجد، ج2، ص391، مکتبۃ الرشد، ریاض)

مسجد میں تھوکنا خطا ہے

علامہ محمود بدرالدین عینی حنفی فرماتے ہیں:

((مسجد میں تھوکنا خطا ہے)) جان لو کہ مسجد میں تھوکنا مطلقاً خطا ہے چاہے تھوک کی طرف احتیاج ہو یا نہ ہو، بلکہ اگر حاجت ہو تو کپڑے میں تھوک دے۔ پس جس نے مسجد میں تھوکا اس نے خطا کا ارتکاب کیا، اور اس پر لازم ہے کہ اس خطا کا کفارہ اسے دفن کرنے کے ساتھ دے۔ اور جو قاضی عیاض نے کہا کہ تھوکنا خطا نہیں ہے مگر اس کے لیے جو اسے دفن نہ کرے، اور جو اسے دفن کرنے کا ارادہ رکھتا ہو اس کے لیے خطا نہیں۔ یہ باطل ہے، حق وہ ہے جو ہم نے ذکر کیا ہے۔

(شرح ابی داؤد للعینی، باب فی کراھیۃ البزاق فی المسجد، ج2، ص387، مکتبۃ الرشد، ریاض)

خطا کے معنی

علامہ علی بن سلطان محمد القاری حنفی فرماتے ہیں:

"یہاں خطا کے معنی "گناہ" کے ہیں، امام احمد کی روایت میں خطیئۃ کی جگہ سیئۃ کے الفاظ ہیں..... ابن عماد نے کہا: اس میں کسی کا اختلاف نہیں کہ اگر کسی نے مسجد کی توہین کرتے ہوئے مسجد میں تھوکا تو اس کی تکفیر کی جائے گی۔"

(مرقاۃ المفاتیح، باب المساجد ومواضع الصلاۃ، ج2، ص599، دار الفکر، بیروت)

تھوک کو دفن کرنے سے مراد

علامہ محمود بدر الدین عینی حنفی فرماتے ہیں:

"**((اس کا کفارہ دفن کر دینا ہے))** تھوک کے دفن کرنے سے مراد کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے، جمہور کا مؤقف یہ ہے کہ مسجد کی مٹی، ریت اور کنکریوں میں دفن کر دے اگر یہ اشیاء مسجد میں موجود ہوں اور اگر یہ اشیاء موجود نہ ہوں تو پھر تھوک باہر نکال دے یعنی صفائی کر دے۔ اصحابِ شافعی کے اس میں دو قول ہیں: ایک یہ ہے کہ مطلقاً تھوک کو باہر نکالے گا (اور دوسرا قول جمہور کے مطابق ہے)۔"

(شرح ابی داؤد للعینی، باب فی کراھیۃ البزاق فی المسجد، ج2، ص388، مکتبۃ الرشد، ریاض)

باب نمبر 396

فِی السَّجْدَۃِ فِی (اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِی خَلَقَ) وَ (إِذَا السَّمَاءُ انْشَقَّتْ)

سورۂ "اقرأ" اور سورۂ "انشقاق" میں سجدہ کا بیان

573۔ حَدَّثَنَا قُتَیْبَةُ بْنُ سَعِیدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْیَانُ بْنُ عُیَیْنَةَ، عَنْ أَیُّوبَ بْنِ مُوسَی، عَنْ عَطَاءِ بْنِ مِینَاءٍ، عَنْ أَبِی هُرَیْرَةَ، قَالَ: سَجَدْنَا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّی اللَّهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِی اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ، وَإِذَا السَّمَاءُ انْشَقَّتْ

حدیث: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرمایا: ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سورہ "اقرأ" اور "انشقاق" میں سجدہ کیا۔

574۔ حَدَّثَنَا قُتَیْبَةُ قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْیَانُ بْنُ عُیَیْنَةَ، عَنْ یَحْیَی بْنِ سَعِیدٍ، عَنْ أَبِی بَکْرِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ، عَنْ عُمَرَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِیزِ، عَنْ أَبِی بَکْرِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ هِشَامٍ، عَنْ أَبِی هُرَیْرَةَ، عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللَّهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مِثْلَهُ، قال ابوعیسی: حَدِیثُ أَبِی هُرَیْرَةَ حَدِیثٌ حَسَنٌ صَحِیحٌ، وَالْعَمَلُ عَلَی هَذَا عِنْدَ أَکْثَرِ أَهْلِ الْعِلْمِ: یَرَوْنَ السُّجُودَ فِی: إِذَا السَّمَاءُ انْشَقَّتْ وَاقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ وَفِی الْحَدِیثِ أَرْبَعَةٌ مِنَ التَّابِعِینَ بَعْضُهُمْ عَنْ بَعْضٍ

حدیث: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی مثل روایت کرتے ہیں۔

امام ابوعیسی ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث حسن صحیح ہے اور اسی پر اکثر اہلِ علم کے ہاں عمل ہے۔ وہ سورۂ "انشقاق" اور سورۂ "اقرأ" میں سجدہ تلاوت کی رائے رکھتے ہیں اور حدیث میں چار تابعی ہیں جو بعض دوسرے بعض سے روایت کرتے ہیں۔

شرح حدیث

علامہ علی بن سلطان محمد القاری حنفی فرماتے ہیں:

"یہ دونوں سورتیں یعنی سورۂ اقرأ اور سورۂ انشقاق مفصل میں سے ہیں، تو اس میں امام مالک کے خلاف حجت ہے کہ امام مالک مفصل میں سجدۂ تلاوت نہیں مانتے۔" (مرقاۃ المفاتیح، باب سجود القرآن، ج2، ص810، دارالفکر، بیروت)

باب نمبر 397

مَا جَاءَ فِي السَّجْدَةِ فِي النَّجْمِ

سورہ نجم میں سجدہ کرنا

575۔ حَدَّثَنَا هَارُونُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ الْبَزَّازُ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الصَّمَدِ بْنُ عَبْدِ الْوَارِثِ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبِي، عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: سَجَدَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيهَا - يَعْنِي النَّجْمَ - وَالْمُسْلِمُونَ وَالْمُشْرِكُونَ وَالْجِنُّ وَالْإِنْسُ وَفِي الْبَابِ عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ، وَأَبِي هُرَيْرَةَ،

قَالَ أبوعيسى: حَدِيثُ ابْنِ عَبَّاسٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ، "وَالْعَمَلُ عَلَى هَذَا عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ: يَرَوْنَ السُّجُودَ فِي سُورَةِ النَّجْمِ، وقَالَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ: لَيْسَ فِي الْمُفَصَّلِ سَجْدَةٌ، وَهُوَ قَوْلُ مَالِكِ بْنِ أَنَسٍ، وَالْقَوْلُ الْأَوَّلُ أَصَحُّ، وَبِهِ يَقُولُ الثَّوْرِيُّ، وَابْنُ الْمُبَارَكِ، وَالشَّافِعِيُّ، وَأَحْمَدُ، وَإِسْحَاقُ

حدیث: حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں سجدہ فرمایا یعنی سورہ نجم میں اور مسلمانوں اور مشرکوں اور جن وانس نے۔

اور اس باب میں حضرت عبد اللہ بن مسعود اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے بھی روایات مروی ہیں۔

امام ابوعیسی ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث حسن صحیح ہے اور اسی پر بعض اہل علم کے ہاں عمل ہے کہ وہ سورۂ نجم میں سجدہ تلاوت کی رائے رکھتے ہیں۔ اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے بعض اہل علم وغیرہ کہتے ہیں: "مفصل" میں سجدہ نہیں ہے اور یہی مالک بن انس رضی اللہ عنہ کا قول ہے اور پہلا قول زیادہ صحیح ہے او امام ثوری، عبد اللہ بن مبارک، شافعی، احمد اور اسحق رضی اللہ عنہم اسی بات کے قائل ہیں۔

شرح حدیث

یہ حدیث پاک احناف، شوافع اور حنابلہ کی دلیل ہے کہ مفصل (سورۃ الحجرات سے آخر قرآن تک سورتوں کو مفصل کہتے ہیں) میں بھی تلاوت کے سجدے ہیں کیونکہ سورۂ نجم بھی مفصل میں سے ہے جبکہ حدیث پاک امام مالک کے خلاف حجت ہے کیونکہ وہ کہتے ہیں مفصل میں کوئی سجدۂ تلاوت نہیں۔ علامہ علی بن سلطان محمد القاری حنفی فرماتے ہیں:

"اس حدیث پاک میں امام مالک کے خلاف مفصل کے سجدوں کے وجوب پر دلیل ہے کیونکہ سورۃ النجم مفصل میں سے ہے۔" (مرقاۃ المفاتیح، باب سجود القرآن، ج2، ص809، دار الفکر، بیروت)

مزید فرماتے ہیں:

"((نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ تمام مسلمانوں، مشرکوں، جنوں اور انسانوں نے سجدہ کیا)) یہاں تخصیص کے بعد تعمیم ہے، ان چاروں الفاظ (المسلمون، المشرکون، الجن، الانس) میں الف لام عہد کا ہے یعنی جو اس وقت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس موجود تھے۔ یہ معاملہ مکہ میں مسجد الحرام میں پیش آیا، جنات کی انسانوں پر ذکر میں تقدیم کا سبب یہ ہے کہ ان کے سجدہ کرنے میں غرابت ہے۔" (مرقاۃ المفاتیح، باب سجود القرآن، ج2، ص809، دار الفکر، بیروت)

مشرکین کے سجدہ کرنے کی وجہ

علامہ شرف الدین حسین بن عبد اللہ طیبی (متوفی 743ھ) فرماتے ہیں:

"نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب سورۂ نجم کی ان دو آیتوں کی تلاوت کی: ﴿اَفَرَءَیْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰی 0 وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰی 0﴾ ترجمہ: تو کیا تم نے دیکھا لات اور عُزّٰی اور اس تیسری منات کو۔ (سورۃ النجم، آیت 19,20)

تو مشرکین نے جب اپنے بتوں کے نام سنے (خوش ہوئے کہ ان کے بتوں کا قرآن مجید نے ذکر کیا ہے) تو انہوں نے بھی نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ سجدہ کیا۔

اصل وجہ سجدہ کرنے کی یہ تھی، یہ جو کہا گیا کہ مشرکین نے سجدہ کرنے کی وجہ یہ تھی کہ نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے بتوں کی اس طرح تعریف کی تھی: تلك الغرانيق العلى وإن شفاعتهن لترتجى (یہ بلند بالا پرندان کی

شفاعت کی امید کی جاتی ہے) تو یہ قول باطل ومردود ہے، اس کا تصور کیسے کیا جا سکتا ہے۔"

(شرح الطیبی علی المشکاۃ، باب سجود القرآن، ج4، ص1111، مکتبہ نزار مصطفی الباز، مکہ مکرمہ)

"تلک الغرانیق العلی" والی روایت

علامہ طیبی نے "تلک الغرانیق العلی" جس روایت کا رد کیا ہے، اس روایت کا خلاصہ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جب: ﴿وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰی 0﴾ کی تلاوت کی تو شیطان نے خود یہ الفاظ ملا دیئے یا (معاذ اللہ) آپ کی زبان سے جاری کرا دیئے: تلك الغرانيق العلى وإن شفاعتهن لترتجى (یہ بلند بالا پرندان کی شفاعت کی امید کی جاتی ہے)، یہ سن کر مشرکین خوش ہوئے اور سجدہ کر لیا، بعد میں جبرئیل علیہ السلام نے آکر عرض کیا کہ آپ نے وہ چیز تلاوت کی جس کو نہ میں لے کر آیا اور نہ اللہ تعالیٰ نے اس کو نازل کیا، آپ کے پوچھنے پر بتایا کہ آپ نے یہ کلمات پڑھے ہیں، آپ رنجیدہ ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی تسلی کے لیے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْٓ اُمْنِيَّتِهٖ فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ﴾ ترجمہ: اور ہم نے تم سے پہلے جتنے رسول یا نبی بھیجے سب پر کبھی یہ واقعہ گزرا ہے کہ جب انہوں نے پڑھا تو شیطان نے ان کے پڑھنے میں لوگوں پر کچھ اپنی طرف سے ملا دیا تو مٹا دیتا ہے اللہ اس شیطان کے ڈالے ہوئے کو پھر اللہ اپنی آیتیں پکی کر دیتا ہے اور اللہ علم وحکمت والا ہے۔ (سورۃ الحج، آیت 52)

"تلک الغرانیق العلی" والی روایت کی تفصیل

تفصیل اس کی یہ ہے کہ مذکورہ بالا آیت کے تحت شیطان کے القاء والی جو روایت ذکر کی جاتی ہے اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ شیطان نے معاذ اللہ حضور علیہ السلام کی طرف القاء کیا۔ اس معنی کے اعتبار سے تو یہ روایت تمام محققین علماء کرام کے نزدیک باطل، من گھڑت، موضوع و ناقابل ذکر ہے کیونکہ شیطان کے القاء کی وجہ سے حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی زبان اقدس سے کسی بات کا ادا ہونا وہ بھی بوقت تبلیغ وحی محال ہے۔ اگر ایسا ہو تو شریعت پر سے اعتماد ہی اٹھ جائے گا جیسا کہ امام فخر الدین رازی، علامہ طیبی، علامہ ابن عربی، امام بیہقی، قاضی عیاض مالکی، شیخ محقق وغیرہم نے اپنی کتب میں بیان کیا ہے۔

بعض علماء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم ارشاد فرماتے ہیں کہ اگر یہ روایت از روئے نقل صحیح ثابت ہو بھی جائے تو اس کا مطلب یہی لیا جائے گا کہ چونکہ حضور علیہ السلام ہر آیت کے بعد وقفہ کیا کرتے تھے تو جب آپ علیہ السلام نے وقفہ کیا تو شیطان نے کفار کی طرف القاء کرتے ہوئے چند کلمات اس طرح کہہ دیئے کہ جس سے ان کو لگا کہ یہ حضور نے کہے ہیں۔ یعنی روایت میں موجود لفظ علی لسانہ کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ یہ لفظ حضور کی زبان سے ادا ہوئے بلکہ اس کا مطلب ہے کہ حضور کی زبان سے جس طرز پر کلمات ادا ہوتے تھے کفار کو دھوکہ دینے کے لئے اس طرح شیطان نے کہے، اور یہ الفاظ بھی صرف کفار نے سنے تھے۔ اور جن علماء نے اس روایت کو بیان کیا ہے ان کے نزدیک بھی اس روایت کا یہی مطلب ہے۔ حضرت علامہ ابوالفضل قاضی عیاض بن موسیٰ رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 544ھ) تحریر فرماتے ہیں: "ان هذا حديث لم يخرجه أحد من أهل الصحة، ولا رواه ثقة بسند سليم متصل وإنما أولع به وبمثله المفسرون والمؤرخون المولعون بكل غريب المتلقفون من الصحف كل صحيح وسقيم" ترجمہ: اس روایت کو مصنفین کتب صحاح میں سے کسی نے ذکر نہیں کیا، نہ ہی کسی ثقہ راوی نے سند سلیم متصل سے اسے ذکر کیا ہے۔ اس روایت کو بعض مفسرین اور مؤرخین نے ذکر کیا ہے جو عجیب وغریب باتوں کو جمع کرنے کے شوق میں ہر قسم کی رطب ویابس اور صحیح غلط باتیں بیان کر دیتے ہیں۔ (الشفا بتعریف حقوق المصطفیٰ، جلد 2، صفحہ 289، دار الفیحاء، عمان)

یہ بات ذکر کرنے کے بعد قاضی عیاض مالکی رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کے راویوں پر کلام فرمایا اور ان کی فنی کمزوریوں پر بحث کی، پھر کثیر دلائل سے ثابت فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زبان مبارک پر شیطان کا تسلط ہونا محال ہے اور یہ ممکن نہیں کہ قرآن مجید پہنچاتے ہوئے آپ علیہ السلام کی زبان سے وہ بات نکلے جو اللہ عزوجل نے نہ فرمائی ہو۔ اس تفصیل کے بعد قاضی عیاض مالکی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں "ولو كان ذلك لوجدت قريش بها على المسلمين الصولة ولأقامت بها اليهود عليهم الحجة، كما فعلوا مكابرة في قصة الإسراء، حتى كانت في ذلك لبعض الضعفاء ردة۔۔۔ولا شك في إدخال بعض شياطين الإنس أو الجن هذا الحديث على بعض مغفلي المحدثين ليلبس به على ضعفاء المسلمين" اور اگر کوئی ایسا واقعہ ہوتا تو قریش کفار مسلمانوں پر تسلط پالیتے اور یہود اس بات کو مسلمانوں کے خلاف دلیل بنالیتے جیسا کہ انہوں نے واقعہ معراج میں مکابرہ کیا یہاں

تک بعض کمزور ایمان لوگ ایمان سے پھر کر مرتد ہو گئے۔ اور اس بات میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ شیاطین جن وانس میں سے بعض نے اس حدیث کو بعض غافل محدثین کے دلوں میں القاء کیا ہے تا کہ وہ اس سبب سے کمزور مسلمانوں پر تلبیس کر سکیں۔ (الشفا بتعریف حقوق المصطفی ،جلد2،صفحہ 289،دار الفیحاء،عمان)

حضرت علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد حنفی عینی (متوفی 855ھ) عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری میں تحریر فرماتے ہیں:''وَقَالَ عِيَاض:هَذَا حَدِيث لم يُخرجهُ أحد من أهل الصِّحَّة .وَلَا رَوَاهُ ثِقَة بِسَنَد سليم مُتَّصِل، وَإِنَّمَا أولع بِهِ وبمثله الْمُفَسِّرُونَ، والمؤرخون المولعون بِكُل غَرِيب، المتلقنون من الصُّحُف كل صَحِيح وَسَقِيم ..... وَكَيف يُقَال مثل هَذَا وَالْإِجْمَاع مُنْعَقد على عصمَة النَّبِي صلى الله عَلَيْهِ وَسلم ونزاهته عَن مثل هَذِه الرذيلة؟ وَلَو وَقعت هَذِه الْقِصَّة لوجدت قُرَيْش على الْمُسلمين بهَا الصولة، ولأقامت عَلَيْهِم الْيَهُود بهَا الْحجَّة، كَمَا علم من عَادَة الْمُنَافِقين وعناد الْمُشْركين، كَمَا وَقع فِي قصَّة الْإِسْرَاء حَتَّى كَانَت فِي ذَلِك لبَعض الضُّعَفَاء ردة .''ترجمہ: قاضی عیاض مالکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اس روایت کو مصنفین کتب صحاح میں سے کسی نے نقل نہیں کیا، اور نہ ہی یہ کسی صحیح متصل سند سے مروی ہے، اس روایت کو بعض ان مفسرین اور مؤرخین نے ذکر کیا ہے جو عجیب وغریب باتوں کو جمع کرنے کے شوق میں ہر قسم کا رطب ویابس اکٹھا کر دیتے ہیں..... اس واقعہ کو کیسے درست مانا جا سکتا ہے حالانکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عصمت اور آپ علیہ السلام کی اس طرح کی رذیل باتوں سے پاکی وتنزیہ پر اجماع منعقد ہے اور اگر حقیقتاً اس طرح کا کوئی واقعہ رونما ہوتا تو قریش اس واقعہ سے مسلمانوں پر تسلط پاتے اور یہود اس کو مسلمانوں کے خلاف بطور حجت ودلیل استعمال کرتے، جیسا کہ منافقین کی عادت اور مشرکین کا عناد معلوم ہے جیسا کہ انہوں معراج کے واقعہ کے بارے کیا یہاں تک بعض کمزور ایمان والے مرتد ہو گئے۔ (عمدۃ القاری ،جلد7،صفحہ 101،دار إحياء التراث العربي،بيروت)

حضرت علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد حنفی عینی (المتوفی :855ھ) عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری میں قاضی عیاض مالکی اور امام ابن عربی نے اس روایت کا جو رد کیا اس کو بیان کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں'' قلت:الذی ذکراہ هو اللائق بجلالة قدر النبی صلی الله علیه وسلم فإنه قد قامت الحجة واجتمعت الأمة علی عصمته صلی الله

علیه وسلم ونزاهته عن مثل هذه الرذیلة، وحاشاه عن أن یجری علی قلبه أو لسانه شیء من ذلك لا عمدا ولا سهوا .أو یکون للشیطان علیه سبیل أو أن یتقول علی الله عز وجل لا عمدا ولا سهوا .والنظر والعرف أیضا یحیلان ذلك ولو وقع لارتد کثیر ممن أسلم، ولم ینقل ذلك ولا کان یخفی علی من کان بحضرته من المسلمین ''ترجمہ: میں کہتا ہوں: امام ابن عربی اور امام قاضی عیاض نے جو باتیں ذکر کیں ہیں وہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جلالت قدر اور عظمت شان کے لائق ہے۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عصمت اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اس طرح کی رذیل وگھٹیا باتوں سے پاک ہونے پر اجماع امت اور کثیر بینہ قائم ہیں، اور حضور علیہ السلام اس سے پاک ہیں کہ آپ کے دل اور زبان مبارک پر کوئی شے قصدا یا سہوا جاری ہو یا شیطان کو آپ علیہ السلام پر تسلط ہو، یا آپ اللہ عزوجل کی طرف غلط بات قصدا یا سہوا نسبت کریں۔ اور یہ بات دلائل عقلیہ ونقلیہ سے محال ہے، اور بالفرض اگر ایسا ہوتا تو بہت سے مسلمان مرتد ہو جاتے اور منقول نہیں، نیز اگر ایسا ہوتا تو مسلمانوں میں سے جو صحابہ کرام علیہم الرضوان وہاں موجود تھے ان پر یہ امر مخفی نہ رہتا۔

(عمدۃ القاری، کتاب تفسیر القرآن، سورۃ الحج، جلد 19، صفحہ 66، دار إحیاء التراث العربی، بیروت)

حضرت علامہ حافظ الدین أبو البرکات عبد اللہ بن أحمد النسفی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 710ھ) تحریر فرماتے ہیں: ''إما أن یتکلم النبی علیه السلام بها عمدا ولا یجوز لأنه کفر ولأنه بعث طاعناً للاصنام لا مادحالها أو أجری الشیطان ذلك علی لسان النبی علیه الصلاة والسلام جبراً بحیث لا یقدر علی الامتناع منه وهو ممتنع لأن الشیطان لا یقدر علی ذلك علی لسانه سهوا وغلفة وهو مردود أیضاً لأنه لا یجوز مثل هذه الغفلة علیه فی حال تبلیغ الوحی ولو جاز ذلك لبطل الاعتماد علی قوله ولأنه تعالی قال فی صفة المنزل علیه،لا یأتیه الباطل من بین یدیه ولا من خلفه،وقال:إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذکر وَإِنَّا لَهُ لحافظون ''ترجمہ: اس تلک الغرانیق والی روایت کے مطابق اگر نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عمدا یہ الفاظ کہے تو یہ باطل روایت ہے اور اس کا جواز نہیں کیونکہ یہ کفر پر مشتمل ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تو بتوں پر لعنت کے لیے مبعوث کیا گیا ہے نہ کہ ان کی تعریف کے لیے، اور اگر شیطان نے یہ کلمات نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی لسان مبارک پر زبردستی جاری کر دیئے، اس طور پر کہ نبی کریم

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس کو روکنے پر قادر نہیں تھے تو یہ بات بھی محال ہے کیونکہ شیطان نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زبان مبارک پر سہوایا غفلت کسی طرح تسلط نہیں رکھتالہذا یہ صورت بھی باطل ومردود ہے کیونکہ وحی کی تبلیغ میں اس طرح کی غفلت آپ پر جائز نہیں کہ اگر اس طرح ہوسکتا تو ان کے فرمان پر سے اعتماد ختم ہوجاتا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے منزل علیہ کی صفت بیان کرتے ہوئے فرمایا: باطل کو اس کی طرف راہ نہیں نہ اس کے آگے سے نہ اس کے پیچھے سے اتارا ہوا ہے حکمت والے سب خوبیوں سراہے کا، اور اللہ عزوجل فرماتا ہے: بیشک ہم نے اتارا ہے یہ قرآن اور بیشک ہم خود اس کے نگہبان ہیں۔ (تفسیر مدارک التنزیل ،نسفی ،جلد2،صفحہ 448،دارالکلم الطیب ،بیروت)

علامہ اثیر الدین ابوحیان محمد بن یوسف الأندلسی (متوفی 745ھ) تحریر فرماتے ہیں "وذكر المفسرون في كتبهم ابن عطية والزمخشري فمن قبلهما ومن بعدهما ما لا يجوز وقوعه من آحاد المؤمنين منسوبا إلى المعصوم صلوات الله عليه، وأطالوا في ذلك وفي تقريره سؤالا وجوابا وهي قصة سئل عنها الإمام محمد بن إسحاق جامع السيرة النبوية، فقال :هذا من وضع الزنادقة، وصنف في ذلك كتابا .وقال الإمام الحافظ أبو بكر أحمد بن الحسين البيهقي :هذه القصة غير ثابتة من جهة النقل، وقال ما معناه :إن رواتها مطعون عليهم وليس في الصحاح ولا في التصانيف الحديثة شيء مما ذكروه فوجب اطراحه ولذلك نزهت كتابي عن ذكره فيه .والعجب من نقل هذا وهم يتلون في كتاب الله تعالى والنجم إذا هوى ما ضل صاحبكم وما غوى وما ينطق عن الهوى إن هو إلا وحي يوحى،وقال الله تعالى آمرا لنبيه،قل ما يكون لي أن أبدله من تلقاء نفسي إن أتبع إلا ما يوحى إلي،وقال تعالى ولو تقول علينا بعض الأقاويل لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ،الآية وقال تعالى ولولا أن ثبتناك لقد كدت تركن إليهم،وقال تعالى كذلك لنثبت به فؤادك وقال تعالى:سنقرئك فلا تنسى،وهذه نصوص تشهد بعصمته، وأما من جهة المعقول فلا يمكن ذلك" ترجمہ:بعض مفسرین جیسے ابن عطیہ، زمخشری، اور بعض ان سے پہلے وبعد والوں نے اپنی کتب میں (تلک الغرانیق والے قصے کے حوالے سے) ایسی باتیں نقل کی ہیں کہ ان کی نسبت عام مؤمنین میں سے بھی کسی کی طرف کرنا، ناجائز وحرام ہے چہ جائیکہ اس کی نسبت ان کی طرف کی جائے جو معصوم عن الخطاء ہیں، ان پر ان کے رب کی رحمتیں

ہوں۔بعض مفسرین نے اس واقعہ کو طوالت سے نقل کیا اور اس کو سوال و جواب کی شکل میں بیان کیا ہے۔۔اس قصے کے متعلق امام محمد بن اسحاق صاحب جامع السیر ۃ النبویہ سے سوال ہوا،تو آپ نے فرمایا: یہ واقعہ زنادقہ کا گھڑا ہوا ہے۔ اور اس پر انہوں نے ایک مستقل کتاب تحریر فرمائی۔اور امام حافظ ابو بکر احمد بن حسین بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: از روئے روایت یہ واقعہ درست نہیں۔اس کا معنی بیان کرتے ہوئے فرمایا: اس کے تمام راوی مطعون ہیں اور صحاح اور حدیث کی معتبر کتب میں یہ واقعہ نہیں ہے۔لہذا اس قصے کو پھینک دینا لازم ہے،اسی سبب میں نے اپنی کتاب میں اسے ذکر نہیں کیا۔جن لوگوں نے اس واقعہ کو نقل کیا ان پر تعجب ہے کہ ایک طرف تو قرآن عظیم میں یہ آیات تلاوت کرتے ہیں،اور وہ کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں کرتے ،وہ تو نہیں کہتے مگر وحی جو انہیں کی جاتی ہے۔اور اللہ عزوجل نے اپنے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم فرمایا:تم فرماؤ مجھے نہیں پہنچتا کہ میں اسے اپنی طرف سے بدل دوں میں تو اسی کا تابع ہوں جو میری طرف وحی ہوتی ہے۔اور اللہ عزوجل فرماتا ہے:اور اگر وہ ہم پر ایک بات بھی بنا کر کہتے ضرور ہم ان سے بقوّت بدلہ لیتے ۔اور اللہ تعالی فرماتا ہے:اور اگر ہم تمہیں ثابت قدم نہ رکھتے تو قریب تھا کہ تم ان کی طرف کچھ تھوڑا سا جھکتے ۔اور اللہ عزوجل فرماتا ہے:اور سب کچھ ہم تمہیں رسولوں کی خبریں سناتے ہیں جس سے تمہارا دل ٹھہرائیں۔اور اللہ عزوجل فرماتا ہے:اب ہم تمہیں پڑھائیں گے کہ تم نہ بھولو گے۔(اور دوسری طرف نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف یہ واقعہ منسوب کرتے ہیں حالانکہ) یہ تمام نصوص نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عصمت پر گواہ ہیں۔اور اگر عقل کی جہت سے اس واقعہ کو دیکھا جائے تو اس طرح ہونا،ناممکن ہے۔ (البحر المحیط فی التفسیر،جلد 7،صفحہ 526،دار الفکر،بیروت)

مشہور محدث وفقیہ حضرت علامہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں: ومعنى قوله :ألقى الشيطان على لسانه، أى:ألقى الشيطان تلك الكلمات على منوال لسانه وحكاية صوته -عليه السلام -فإن الشيطان ليس له قوة الإلقاء ، ولا قدرة الإغواء على سيد الأنبياء وسند الأصفياء .....ثم اعلم أن هذه القصة ردها غير واحد، منهم الطيبي، والبيضاوى لكن الشيخ ابن حجر فى شرح البخارى أطال فى ثبوتها، ثم قال : وأحسن ما قيل فى التأويل أن الشيطان ألقى ذلك فى سكتة من سكتاته، ولم يفطن لها -عليه السلام - وسمعها غيره فأشاعها، قلت :الظاهر أن الكافرين هم السامعون ....قال صاحب المدارك :إجراء

الشیطان ذلك علی لسانه -علیه السلام -جبرا بحیث لم یقدر علی الامتناع عنه ممتنع ;لأن الشیطان لا یقدر علی ذلك فی حق غیره لقوله تعالیٰ :(إن عبادی لیس لك علیهم سلطان) (الحجر42) ففی حقه بالأولی؛ والقول بأنه جری ذلك علی لسانه سهوا أو غفلة مردود أیضا ;لأنه لا یجوز مثل هذه الغفلة علیه، سیما فی حال تبلیغ الوحی، ولو جاز لبطل الاعتماد علی قوله، ثم اختار التأویل الذی ذکره الشیخ ابن حجر ثم قال کان الشیطان یتکلم فی زمن النبی -صلی الله علیه وسلم -ویسمع کلامه، فقد روی أنه نادی یوم أحد :ألا إن محمدا قد قتل، وقال یوم بدر :(لا غالب لکم الیوم من الناس) (الأنفال:48) (رواه البخاری)

''ترجمہ:"القی الشیطان علی لسانہ" کا مطلب ہے کہ شیطان نے وہ کلمات حضور علیہ السلام کی زبان اقدس کی طرز پر اور آپ کی آواز کی حکایت کرتے ہوئے بولے کیونکہ شیطان کو سید الانبیا وسند الاصفیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف القاء کرنے اور حضور کو معاذ اللہ گمراہ کرنے کی قوت واستطاعت ہی نہیں ہے۔ اور اس قصے کو کئی علماء مثلاً طیبی، بیضاوی وغیرہ نے رد کیا ہے لیکن شیخ ابن حجر نے اس کے ثبوت میں لمبا کلام کیا ہے اور پھر کہا ہے کہ اس روایت کا سب سے بہترین مطلب یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام تلاوت کے دوران جب خاموش ہوئے تو اس وقت شیطان نے یہ کلمات کہے جس کی خبر آپ علیہ السلام کو نہ ہوئی اور آپ کے علاوہ دیگر نے یہ بات سنی اور مشہور کر دی۔ (ملا علی قاری مزید فرماتے ہیں) ظاہر یہ ہے کہ جنہوں نے یہ بات سنی وہ کفار تھے۔ صاحب مدارک فرماتے ہیں: شیطان کا حضور علیہ السلام کی زبان سے جبراً یہ الفاظ جاری کروا دینا یوں کہ حضور اس سے رکنے پر قادر ہی نہ ہوں یہ محال ہے کیونکہ شیطان کو ایسی قدرت حضور کے علاوہ کسی اور پر بھی حاصل نہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''میرے بندوں پر تیرا کچھ قابو نہیں۔ (سورۃ الحجر:42)'' تو حضور پر بدرجہ اولیٰ حاصل نہیں۔ اور یہ بات کہ یہ کلمات حضور کی زبان پر بطور سہو یا غفلت سے جاری ہو گئے تھے تو یہ بھی مردود ہے کیونکہ اس طرح کی غفلت وہ بھی خاص تبلیغِ وحی کی حالت میں کبھی بھی جائز نہیں ہو سکتی اگر یہ جائز ہو جائے تو پھر تو (معاذ اللہ) حضور کی باتوں سے اعتماد ہی اٹھ جائے۔ اس کے بعد صاحب مدارک نے اس تاویل کو اختیار فرمایا جو شیخ ابن حجر نے ذکر کی تھی اور پھر فرمایا: شیطان حضور علیہ السلام کے زمانے میں کلام کیا کرتا تھا اور اس کا کلام سنائی بھی دیتا تھا جیسا کہ مروی ہے کہ جنگ احد کے دن اس نے یہ پکارا تھا کہ ''خبردار! محمد شہید ہو گئے ہیں۔'' (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) اور جنگ بد

ر کے دن اس نے پکارا تھا کہ ''آج لوگوں میں سے کوئی بھی تم پر غالب نہ آئے گا۔'' (سورۃ انفال:48) اس کو بخاری نے روایت کیا ہے۔ (مرقاۃ، کتاب الصلوۃ، باب تجوید القرآن، جلد 2، صفحہ 810، دار الفکر، بیروت)

حضرت علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں'' وقیل کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یرتل القرآن فارتصده الشیطان فی سکتة من السکتات ونطق بتلك الكلمات محاكيا نغمته بحيث سمعه من دنا إليه فظنها من قوله وأشاعها قال وهذا أحسن الوجوه ويؤيده ما تقدم في صدر الكلام عن بن عباس من تفسير تمنى بتلا وكذا استحسن بن العربي هذا التأويل وقال قبله إن هذه الآية نص في مذهبنا في براءة النبي صلی اللہ علیہ وسلم مما نسب إليه قال ومعنى قوله في أمنيته أي في تلاوته فأخبر تعالى في هذه الآية أن سنته في رسله إذا قالوا قولا زاد الشيطان فيه من قبل نفسه فهذا نص في أن الشيطان زاده في قول النبي صلی اللہ علیہ وسلم لا أن النبي صلی اللہ علیہ وسلم قاله قال وقد سبق إلى ذلك الطبري لجلالة قدره وسعة علمه وشدة ساعده في النظر فصوب على هذا المعنى ''یعنی بیان کیا گیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ترتیل کے ساتھ (یعنی ٹھہر ٹھہر کر) تلاوت کیا کرتے تھے۔ شیطان نے ایک سکتہ کے وقت موقع پا کر یہ کلمات حضور کی آواز کی حکایت کرتے ہوئے یوں کہہ دیئے کہ قریب بیٹھے ہوئے لوگوں نے اسے سنا اور یہ سمجھا کہ یہ کلمات حضور علیہ السلام نے کہے ہیں پھر اس کو مشہور کر دیا۔ روایت کے جتنے معنی بیان کئے گئے ہیں ان میں سے سب سے احسن یہی ہے۔ اور اس کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے جو شروع کلام میں حضرت ابن عباس کے حوالے سے بیان ہوئی جس میں انہوں نے لفظ تمنی کی تفسیر لفظ تلا (انہوں پڑھا یا تلاوت کی) سے کی ہے۔ یونہی اس تاویل کو ابن عربی نے مستحسن قرار دیا ہے اور اس سے پہلے کہا ہے کہ یہ آیت ہمارے موقف کے بارے میں نص (واضح دلیل) ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف جو (شیطان کے القاء والی غلط) بات منسوب کی گئی ہے حضور اس سے منزہ و پاک ہیں۔ اور اللہ عزوجل کے فرمان فی أمنيته کا مطلب في تلاوته ہے۔ تو اس آیت میں اللہ عزوجل نے بیان کیا ہے کہ اپنے رسولوں کے بارے میں اس کی سنت رہی ہے کہ جب انہوں کوئی بات کہی تو شیطان نے اس میں اپنی طرف سے کچھ ملا دیا تو یہ چیز اس بات میں واضح کرتی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بات میں وہ کلمات شیطان نے اضافہ کر دیئے تھے حضور نے وہ الفاظ ہرگز ادا

نہیں کیے تھے۔ اور ابن عربی مزید فرماتے ہیں سب سے پہلے اس بات کو امام طبری نے بیان کیا ہے حالانکہ ان کی قدر و منزلت، وسعت علمی اور غور و فکر میں ان کی پختگی مسلمہ ہونے کے باوجود انہوں نے اس کو معنی کے اعتبار سے درست قرار دیا ہے۔ (فتح الباری، جلد 8، صفحہ 440، دار المعرفۃ، بیروت)

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ اسی مذکورہ بالا کلام سے کچھ قبل ارشاد فرماتے ہیں کہ اس روایت کو (1) ابن ابی حاتم (2) صاحب مسند بزار (3) طبرانی (4) ابن منذر (5) ابن مردویہ (6) ابن اسحاق نے اپنی سیرت کی کتاب میں (7) موسیٰ بن عقبہ نے اپنی مغازی میں (8) ابو معشر نے اپنی سیرت کی کتاب میں (9) امام طبری نے اپنی تفسیر میں ذکر کیا ہے۔ (فتح الباری ملخصاً، جلد 8، صفحہ 439، دار المعرفۃ، بیروت)

صدر الافاضل سید نعیم الدین مراد آبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس آیت کے تحت خزائن العرفان میں لکھتے ہیں ''شانِ نُزول: جب سورہ والنجم نازل ہوئی تو سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مسجدِ حرام میں اس کی تلاوت فرمائی اور بہت آہستہ آہستہ آیتوں کے درمیان وقفہ فرماتے ہوئے جس سے سُننے والے غور بھی کرسکیں اور یاد کرنے والوں کو یاد کرنے میں مدد بھی ملے جب آپ نے آیت وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰی پڑھ کر حسبِ دستور وقفہ فرمایا تو شیطان نے مشرکین کے کان میں اس سے ملا کر دو کلمے ایسے کہہ دیئے جن سے بُتوں کی تعریف نکلتی تھی، جبریلِ امین نے سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر یہ حال عرض کیا اس سے حضور کو رنج ہوا، اللہ تعالیٰ نے آپ کی تسلّی کے لئے یہ آیت نازل فرمائی۔''

(خزائن العرفان، تحت الآیۃ المذکورہ)

بعض علما نے اس تاویل کے اعتبار سے بھی اس روایت کا رد کیا کہ شیطان نے یہ الفاظ کہے اور کفار نے یہ سمجھا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ الفاظ کہے ہیں کیونکہ اس سے یہ لازم آیا کہ شیطان نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آواز کے مشابہ آواز نکال کر کفار کو اشتباہ میں ڈال دیا، اور شیطان جب اس بات کی استطاعت نہیں رکھتا کہ خواب میں حضور کی مشابہت اختیار کرسکے جیسا کہ حدیث صحیح میں آیا ہے تو وہ آپ کی آواز کی مشابہت بھی اختیار نہیں کرسکتا جیسا کہ علامہ عینی فرماتے ہیں: ''وَكَذَلِكَ كَون إِبْلِيس قَالَهَا وَشبه صَوته بِصَوْت النَّبِي صلى الله عَلَيْهِ وَسلم بَاطِل أَيْضا، وَإِذا كَانَ لَا يَسْتَطِيع أَن يتشبه بِهِ فِي النّوم كَمَا أخبر النَّبِي صلى الله عَلَيْهِ وَسلم بذلك فِي الحَدِيث الصَّحِيح، وَهُوَ قَوْله:

(مـن رَآنِي فِي الْمَنَام فقد رَآنِي فَإِن الشَّيُطَان لَا يتشبه بِي وَلَا يتَمَثَّل بِي) . فَإِذا كَانَ لَا يقدر على التَّشَبُّه بِهِ فِـي الْـمَـنَـام من الرَّائِي لَهُ، والنائم لَيْسَ فِي مَحل التَّكْلِيف والضبط، فَكيف يتشبه بِهِ فِي حَالَة إستيقاظ من يسـمـع قِرَاءَته؟ هَذَا من الْمحَال الَّذِي لَا يقبله قلب مُؤمن ''ترجمہ: ایسے ہی یہ بھی باطل ہے کہ ابلیس نے ایسے کہا ہو اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آواز کی طرح آواز نکالی ہو، کہ جب ابلیس اس بات کی استطاعت نہیں رکھتا کہ نیند میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مشابہت اختیار کر سکے جیسا کہ حدیث صحیح میں ہے: ((مـن رَآنِـي فِـي الْـمَـنَام فقد رَآنِي فَإِن الشَّيُـطَـان لَا يتشبـه بِي وَلَا يتَمَثَّل بِي)) جس نے مجھے خواب کے اندر دیکھا اس نے مجھ ہی کو دیکھا کہ شیطان میری مشابہت نہیں اختیار کرسکتا، نہ ہی میری صورت اختیار کرسکتا ہے۔ پس جب شیطان اس بات پر قدرت نہیں رکھتا کہ خواب دیکھنے والے پر نیند میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صورت میں آ کر اشتباہ پیدا کر دے حالانکہ نیند محل تکلیف وضبط نہیں تو جاگنے کی حالت میں جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قراءت سن رہا ہو اس پر کیسے اشتباہ پیدا کرسکتا ہے، یہ محال ہے مومن کا دل اسے قبول نہیں کرے گا۔ (عمدۃ القاری، جلد 7، صفحہ 100، دار إحياء التراث العربی، بیروت)

باب نمبر 398

مَا جَاءَ مَنْ لَمْ يَسْجُدْ فِيهِ

سورۂ نجم میں سجدہ نہ کرنا

576- حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ مُوسَى قَالَ: حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، عَنِ ابْنِ أَبِي ذِئْبٍ، عَنْ يَزِيدَ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ قُسَيْطٍ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ، قَالَ: قَرَأْتُ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ النَّجْمَ، فَلَمْ يَسْجُدْ فِيهَا، قال ابوعيسى: حَدِيثُ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَتَأَوَّلَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ هَذَا الْحَدِيثَ، فَقَالَ: إِنَّمَا تَرَكَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ السُّجُودَ لِأَنَّ زَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ حِينَ قَرَأَ، فَلَمْ يَسْجُدْ لَمْ يَسْجُدِ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَقَالُوا: السَّجْدَةُ وَاجِبَةٌ عَلَى مَنْ سَمِعَهَا، فَلَمْ يُرَخِّصُوا فِي تَرْكِهَا، وَقَالُوا: إِنْ سَمِعَ الرَّجُلُ وَهُوَ عَلَى غَيْرِ وُضُوءٍ فَإِذَا تَوَضَّأَ سَجَدَ، وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ، وَأَهْلِ الْكُوفَةِ، وَبِهِ يَقُولُ إِسْحَاقُ، وَقَالَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ: إِنَّمَا السَّجْدَةُ عَلَى مَنْ أَرَادَ أَنْ يَسْجُدَ فِيهَا، وَالْتَمَسَ فَضْلَهَا، وَرَخَّصُوا فِي تَرْكِهَا إِنْ أَرَادَ ذَلِكَ، وَاحْتَجُّوا بِالْحَدِيثِ الْمَرْفُوعِ حَدِيثِ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ، قَالَ: قَرَأْتُ عَلَى

حدیث: حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں سورۂ نجم کی قراءت فرمائی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں سجدہ نہ فرمایا۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں: حضرت زید بن ثابت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث حسن صحیح ہے۔

بعض اہلِ علم نے اس حدیث کی تاویل کی ہے تو انہوں نے یہ فرمایا: نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ صرف اس لئے ترک فرمایا کیونکہ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے جب قراءت کی تو سجدہ نہ فرمایا تو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی سجدہ نہ فرمایا اور ان حضرات نے ارشاد فرمایا: سجدہ اس پر واجب ہے کہ جو اسے سنے تو انہوں نے اس کے ترک کرنے کے حوالے سے رخصت نہ دی اور فرمایا: اگر کوئی شخص آیتِ سجدہ سنے اور وہ بے وضو ہو تو جب وہ وضو کرے تو سجدہ کرے اور یہ امام سفیان ثوری اور اہلِ کوفہ کا قول ہے اور امام اسحٰق بھی اسی بات کے قائل ہیں۔ اور بعض اہلِ علم حضرات نے فرمایا: سجدہ اس پر ہے کہ جو اس میں سجدہ کا ارادہ رکھے اور اس کی فضیلت کو طلب کرے اور اگر وہ ترک کا ارادہ رکھے تو ان حضرات نے اس میں رخصت دی ہے اور انہوں نے زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی

النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ النَّجْمَ، فَلَمْ يَسْجُدْ فِيهَا، فَقَالُوا: لَوْ كَانَتِ السَّجْدَةُ وَاجِبَةً لَمْ يَتْرُكِ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَيْدًا حَتَّى كَانَ يَسْجُدَ، وَيَسْجُدَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَاحْتَجُّوا بِحَدِيثِ عُمَرَ أَنَّهُ قَرَأَ سَجْدَةً عَلَى الْمِنْبَرِ، فَنَزَلَ فَسَجَدَ، ثُمَّ قَرَأَهَا فِي الْجُمُعَةِ الثَّانِيَةِ، فَتَهَيَّأَ النَّاسُ لِلسُّجُودِ، فَقَالَ: إِنَّهَا لَمْ تُكْتَبْ عَلَيْنَا إِلَّا أَنْ نَشَاءَ، فَلَمْ يَسْجُدْ، وَلَمْ يَسْجُدُوا، فَذَهَبَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ إِلَى هَذَا وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ، وَأَحْمَدَ

حدیث مرفوع سے استدلال کیا ہے جس میں آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''میں نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر سورہ نجم کی قراءت کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں سجدہ نہ فرمایا۔'' تو انہوں نے ارشاد فرمایا: اگر سجدہ واجب ہوتا تو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم زید رضی اللہ عنہ کو نہ چھوڑتے حتیٰ وہ سجدہ کریں اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ کریں۔ اور انہوں نے حدیث عمر رضی اللہ عنہ سے استدلال کیا کہ'' آپ رضی اللہ عنہ نے منبر پر آیتِ سجدہ تلاوت فرمائی تو اترے اور سجدہ فرمایا پھر دوسرے جمعہ کو اسے پڑھا تو لوگ سجدہ کے تیار ہوئے تو آپ رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ یہ ہم پر لازم نہیں ہے مگر یہ کہ ہم پڑھنا چاہیں تو آپ رضی اللہ عنہ نے سجدہ نہیں فرمایا اور نہ لوگوں نے سجدہ کیا۔'' تو بعض اہلِ علم نے اسی کو اختیار کیا ہے اور یہی امام شافعی اور احمد رحمہما اللہ کا قول ہے۔

شرح حدیث

مالکیہ کے نزدیک سورۃ النجم میں سجدۂ تلاوت نہیں ہے، یہ ان کی دلیل ہے، جبکہ ائمہ ثلاثہ (احناف، شوافع اور حنابلہ) کے نزدیک سورۃ النجم میں سجدہ ہے، جیسا کہ اس سے ماقبل باب کی حدیث پاک اور دیگر احادیث وآثار سے ثابت ہے، اس روایت کے بارے میں علامہ علی سلطان محمد القاری حنفی فرماتے ہیں:

(1) یہاں فوراً سجدہ نہ کرنے کی وجہ یہ تھی کہ باوضو نہ تھے۔

(2) مکروہ وقت ہونے کی وجہ سے فوراً نہ کیا۔

(3) کبھی کیا اور کبھی نہ کیا، تاکہ سجدۂ تلاوت کے فرض کا توہم نہ ہو۔

(4) ویسے بھی اس کا وجوب علی الفور نہیں، اس وقت نہ کیا، بعد میں کرلیا ہوگا۔

(مرقاۃ المفاتیح، باب سجود القرآن، ج2، ص811، دار الفکر، بیروت)

باب نمبر 399

مَا جَاءَ فِي السَّجْدَةِ فِي ص

سورہ ص میں سجدہ

577۔ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ :رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْجُدُ فِي ص ، قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: وَلَيْسَتْ مِنْ عَزَائِمِ السُّجُودِ، قال ابوعيسىٰ :هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ، وَاخْتَلَفَ أَهْلُ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ فِي هَذَا، فَرَأَى بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ أَنْ يَسْجُدَ فِيهَا، وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ، وَابْنِ الْمُبَارَكِ، وَالشَّافِعِيِّ، وَأَحْمَدَ، وَإِسْحَاقَ، وقَالَ بَعْضُهُمْ :إِنَّهَا تَوْبَةُ نَبِيٍّ، وَلَمْ يَرَوْا السُّجُودَ فِيهَا "

حدیث: عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سورۂ ''ص'' میں سجدہ فرمایا کرتے تھے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ارشاد فرمایا کہ یہ عزائم السجود میں سے نہیں۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے اہلِ علم کا اس بارے میں اختلاف ہے تو بعض اہلِ علم کی رائے یہ ہے کہ اس میں سجدہ کرے اور یہی امام سفیان ثوری، عبداللہ بن مبارک، شافعی، احمد اور اسحٰق رضی اللہ عنہم کا قول ہے۔اور بعض کا قول ہے کہ یہ نبی کی توبہ ہے اور ان حضرات نے اس میں سجدہ کا قول نہیں کیا۔

شرح حدیث

اس باب کی حدیث پاک احناف اور مالکیہ کی دلیل ہے، جبکہ شوافع اور حنابلہ کے خلاف حجت ہے کیونکہ سورۂ ص میں احناف اور مالکیہ کے نزدیک سجدۂ تلاوت ہے جبکہ امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک یہ سجدہ شکر ہے۔اختلاف کا فائدہ اس صورت میں ہوگا کہ اگر کسی نے نماز میں سورۂ ص کی آیت سجدہ کی تلاوت کی تو ہمارے نزدیک سجدہ کرے گا، اور امام شافعی کے نزدیک سجدہ نہیں کرے گا۔

عزائم السجود سے مراد

علامہ علی بن سلطان محمد القاری حنفی فرماتے ہیں:

عزیمت کا معنی ہے: عقد القلب علی امضاء الشی، یعنی کسی شے کے کرنے پر دل کا جم جانا۔اصطلاح فقہاء میں اس کا معنی ہے: الحکم الثابت بالاصالۃ، یعنی ایسا حکم جو بالاصالۃ ثابت ہو، جیسے پانچ نمازوں کا فرض ہونا، زنا کا حرام ہونا، اس کا استعمال فرض میں سنت سے زیادہ ہے، تو امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک اس کے معنی ہوں گے کہ یہ فرائض میں سے نہیں بلکہ واجبات میں سے ہے، اور امام شافعی کے نزدیک سجود التلاوۃ سنت ہیں، ان کے مذہب پر اس فرمان کا معنی ہوگا کہ یہ تلاوت کے سجدوں میں سے نہیں بلکہ سجدۂ شکر ہے۔

(مرقاۃ المفاتیح، باب سجود القرآن، ج2، ص813، دار الفکر، بیروت)

باب نمبر 400

فِي السَّجْدَةِ فِي الْحَجِّ

سورہ حج میں سجدہ

578۔حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ قَالَ:حَدَّثَنَا ابْنُ لَهِيعَةَ، عَنْ مِشْرَحِ بْنِ هَاعَانَ،عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ، قَالَ :قُلْتُ:يَا رَسُولَ اللَّهِ، فُضِّلَتْ سُورَةُ الحَجِّ بِأَنَّ فِيهَا سَجْدَتَيْنِ؟ قَالَ :نَعَمْ، وَمَنْ لَمْ يَسْجُدْهُمَا فَلَا يَقْرَأْهُمَا،قَالَ ابوعيسى:هٰذَا حَدِيثٌ لَيْسَ إِسْنَادُهُ بِذَاكَ القَوِيِّ،وَاخْتَلَفَ أَهْلُ العِلْمِ فِي هٰذَا ، فَرُوِيَ عَنْ عُمَرَ بْنِ الخَطَّابِ، وَابْنِ عُمَرَ، أَنَّهُمَا قَالَا: فُضِّلَتْ سُورَةُ الحَجِّ بِأَنَّ فِيهَا سَجْدَتَيْنِ ، وَبِهِ يَقُولُ ابْنُ المُبَارَكِ، وَالشَّافِعِيُّ، وَأَحْمَدُ، وَإِسْحَاقُ ، وَرَأَى بَعْضُهُمْ فِيهَا سَجْدَةً وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ، وَمَالِكٍ، وَأَهْلِ الكُوفَةِ

حدیث:حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا: میں نے عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم !سورہ ''حج'' میں دو سجدے ہونے کی بنا پر اس کی فضیلت زیادہ ہے؟ تو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جی ہاں۔اور جو ان دونوں سجدوں کو بجانہ لائے تو وہ انہیں نہ پڑھے۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں :اس حدیث کی اسناد قوی نہیں ہے اور اہلِ علم کا اس بارے میں اختلاف ہے،پس حضرت عمر بن خطاب اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ان دونوں حضرات نے فرمایا کہ سورۂ حج کی فضیلت زیادہ ہے کہ اس میں دو سجدے ہیں اور امام ابن مبارک،شافعی،احمد اور اسحٰق رضی اللہ عنہم اسی بات کے قائل ہیں ۔اور بعض کی رائے اس میں ایک سجدہ کی ہے اور یہی امام سفیان ثوری، مالک اور اہلِ کوفہ رضی اللہ عنہم کا قول ہے۔

شرح حدیث

دوسجدوں کے ساتھ فضیلت کا مطلب

سورۂ حج کو دوسجدوں کے ساتھ فضیلت دی گئی ہے، اس سے شوافع، حنابلہ دلیل پکڑتے ہیں جبکہ احناف اور مالکیہ کے نزدیک سورۂ حج میں صرف پہلے مقام پر سجدۂ تلاوت ہے، جبکہ دوسرے مقام پر نماز کا سجدہ ہے، تو احناف اور مالکیہ کے نزدیک حدیث کا معنی یہ ہوا کہ اگر چہ سورۂ حج کو دوسجدوں کے ذکر کے ساتھ فضیلت دی گئی ہے مگر ان میں سے ایک سجدۂ تلاوت ہے اور دوسرا نماز کا سجدہ ہے۔ علامہ علی بن سلطان محمد القاری حنفی فرماتے ہیں:

علامہ ابن ہمام نے فرمایا: سورۂ حج کا سجدہ ثانیہ ہمارے نزدیک نماز کا سجدہ ہے، کیونکہ یہ رکوع کے حکم کے ساتھ ملا ہوا ہے، اور استقرا کے ساتھ یہ بات معلوم ہے کہ قرآن مجید میں جہاں بھی اس طرح آیا ہے اس سے مراد وہی سجدہ ہے جو نماز کا رکن ہے جیسا کہ سورۂ ال عمران میں ہے: ﴿واسجدی وارکعی مع الراکعین﴾ اور سجدہ کرو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔ (مرقاۃ المفاتیح، باب سجود القرآن، ج2، ص814، دار الفکر، بیروت)

جو ان سجدوں کو بجانہ لائے تو ان کی تلاوت نہ کرے

اس جملے کے مختلف معانی بیان کیے گئے:

(1) یہ زجر و توبیخ پر مشتمل ہے یعنی جو اس سورت کی تلاوت کرے تو وہ پہلے مقام پر سجدہ تلاوت بھی کرے اور نماز کی پابندی بھی کرے۔

(2) جو ان سجود کو بجانہ لائے تو اسے اس سورت کی قراءت کا کامل ثواب نہیں ملے گا تو گویا ایسا ہو گیا کہ اس نے اس سورت کی مکمل قراءت نہ کی، بعض پڑھی اور بعض نہ پڑھی۔

(الفاتیح شرح المصابیح، باب سجود القرآن، ج2، ص205، دار النوادر، وزارۃ الاوقاف الکویتیہ)

(3) سجود نہ کرنے کی صورت میں ان آیات کی قراءت سے اس لیے منع کیا گیا کیونکہ اس پر عمل بجالانا یہ حقِ تلاوت کی تمامیت سے ہے۔ (شرح المصابیح لابن الملک، باب سجود القرآن، ج2، ص79، ادارۃ الثقافۃ الاسلامیہ)

(4)اس میں یہ الفاظ بھی آئے ہیں: لم یقرأهما (جوان سجود کو بجانہ لایا اس نے ان آیات کی تلاوت ہی نہ کی۔) یعنی جب ان پر عمل نہ کیا تو گویا کہ ان کی تلاوت ہی نہ کی۔ (مرقاۃ المفاتیح، باب سجود القرآن، ج2، ص814، دار الفکر، بیروت)

حدیث الباب کی سند پر کلام

علامہ علی بن سلطان محمد القاری حنفی فرماتے ہیں:

((اس حدیث کی اِسناد قوی نہیں ہے)) میرک نے کہا: امام ترمذی کی مراد یہ ہے کہ اس کی سند میں عبد اللہ بن لہیعہ اور مشرح بن ہاعان ہیں اور ان دونوں میں کلام ہے۔ مگر وہ حدیث صحیح ہے جس کی تخریج امام حاکم نے اپنی مستدرک میں اس سند کے علاوہ ذکر کی ہے، اور امام ذہبی نے ان کی تصحیح کو برقرار رکھا ہے، اسے شیخ جزری نے ذکر کیا ہے۔ اور امام ابن ہمام فرماتے ہیں: جو امام ترمذی نے فرمایا کہ اس کی سند قوی نہیں گویا کہ انہوں نے یہ ابن لہیعہ کی وجہ سے کہا ہے۔

امام ابوداؤد نے مراسیل میں روایت کیا اور کہا کہ اس حدیث کو مسند بیان کیا گیا ہے اور یہ صحیح نہیں ہے۔ جس کی تخریج امام ترمذی نے کی ہے اس کی تخریج امام حاکم نے کی اور فرمایا: عبد اللہ لہیعہ ائمہ میں سے ایک ہیں مگر ان کی آخر عمر میں اختلاط ہو گیا، اور مخفی نہیں کہ اس حدیث کے ضعیف ہونے کی یہی وجہ ہے۔

اور امام طحاوی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے سورۂ حج کے سجود کے بارے میں نقل کیا، وہ فرماتے ہیں: پہلا سجدہ عزیمت ہے اور دوسرا تعلیم ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: اسی کو ہم لیتے ہیں۔

(مرقاۃ المفاتیح، باب سجود القرآن، ج2، ص814، دار الفکر، بیروت)

باب نمبر 401

مَا يَقُولُ فِي سُجُودِ الْقُرْآنِ

سجدہ تلاوت میں کیا پڑھے

579-حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ قَالَ :حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَزِيدَ بْنِ خُنَيْسٍ قَالَ :حَدَّثَنَا الحَسَنُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي يَزِيدَ، قَالَ :قَالَ لِي ابْنُ جُرَيْجٍ :يَا حَسَنُ، أَخْبَرَنِي عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ أَبِي يَزِيدَ، عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ :جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ :يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِنِّي رَأَيْتُنِي اللَّيْلَةَ وَأَنَا نَائِمٌ كَأَنِّي أُصَلِّي خَلْفَ شَجَرَةٍ، فَسَجَدْتُ، فَسَجَدَتِ الشَّجَرَةُ لِسُجُودِي، فَسَمِعْتُهَا وَهِيَ تَقُولُ :اللَّهُمَّ اكْتُبْ لِي بِهَا عِنْدَكَ أَجْرًا، وَضَعْ عَنِّي بِهَا وِزْرًا، وَاجْعَلْهَا لِي عِنْدَكَ ذُخْرًا، وَتَقَبَّلْهَا مِنِّي كَمَا تَقَبَّلْتَهَا مِنْ عَبْدِكَ دَاوُدَ، قَالَ الحَسَنُ : قَالَ لِيَ ابْنُ جُرَيْجٍ :قَالَ لِي جَدُّكَ :قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ :فَقَرَأَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَجْدَةً، ثُمَّ سَجَدَ، فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ :فَسَمِعْتُهُ وَهُوَ يَقُولُ مِثْلَ مَا أَخْبَرَهُ الرَّجُلُ عَنْ قَوْلِ الشَّجَرَةِ وَفِي البَابِ عَنْ أَبِي سَعِيدقال ابوعيسى:هٰذَا

حدیث: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ ایک شخص نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا تو اس نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں نے رات خواب میں دیکھا کہ میں درخت کے پیچھے نماز پڑھا رہا ہوں تو میں نے سجدہ کیا تو درخت نے بھی میرے ساتھ سجدہ کیا تو میں نے اس کو یہ کہتے سنا: اَللّٰهُمَّ اكْتُبْ لِي بِهَا عِنْدَكَ أَجْرًا، وَضَعْ عَنِّي بِهَا وِزْرًا، وَاجْعَلْهَا لِي عِنْدَكَ ذُخْرًا، وَتَقَبَّلْهَا مِنِّي كَمَا تَقَبَّلْتَهَا مِنْ عَبْدِكَ دَاوُدَ (ترجمہ: اے اللہ میرے لئے اپنی جناب میں اس کا اجر تحریر فرما اور اس کے صدقے میرے گناہ دور فرما اور اسے میرے لئے اپنے پاس ذخیرہ فرما اور اسے مجھ سے قبول فرما جیسا کہ تو نے اسے اپنے بندے داؤد علیہ السلام سے قبول فرمایا۔) حسن کہتے ہیں کہ مجھے ابن جریج نے کہا کہ مجھے تمہارے دادا نے کہا کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ''تو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت سجدہ تلاوت فرمائی پھر سجدہ فرمایا۔'' حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: تو میں نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سنا کہ آپ اسی طرح

حَدِيثٌ غَرِيبٌ مِنْ حَدِيثِ ابْنِ عَبَّاسٍ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ هَذَا الْوَجْهِ

580- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ الثَّقَفِيُّ قَالَ: حَدَّثَنَا خَالِدٌ الْحَذَّاءُ، عَنْ أَبِي الْعَالِيَةِ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ فِي سُجُودِ الْقُرْآنِ بِاللَّيْلِ :سَجَدَ وَجْهِي لِلَّذِي خَلَقَهُ وَشَقَّ سَمْعَهُ وَبَصَرَهُ بِحَوْلِهِ وَقُوَّتِهِ ،قال ابوعيسى:هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

فرمار ہے تھے جیسا کہ درختوں کے حوالے سے اس شخص نے خبر دی تھی۔

اور اس باب میں حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے بھی روایت مروی ہے۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ حدیث عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی جہت سے غریب ہے اسے ہم صرف اسی سند سے جانتے ہیں۔

حدیث : حضرت سیدتنا عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات میں سجدہ تلاوت کرتے ہوئے فرماتے: (سَجَدَ وَجْهِي لِلَّذِي خَلَقَهُ وَشَقَّ سَمْعَهُ وَبَصَرَهُ بِحَوْلِهِ وَقُوَّتِهِ) ترجمہ: میرے چہرے نے سجدہ کیا اس ہستی کو کہ جسے اس نے تخلیق کیا اور اس کی سماعت و بصارت کو اپنی طاقت و قوت سے شق کیا۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

شرح حدیث

آنے والا شخص کون تھا

علامہ علی بن سلطان محمد القاری حنفی فرماتے ہیں

((ایک شخص حاضر ہوا)) میرک نے کہا کہ وہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں جیسا کہ ایک روایت میں اُن کی صراحت ہے، یہ قول بعید ہے کہ وہ فرشتہ تھا اسے شیخ جزری نے تصحیح المصابیح میں ذکر کیا ہے۔

(مرقاۃ المفاتیح، باب سجود القرآن، ج2، ص817، دار الفکر، بیروت)

یہ سورۂ ص کا سجدہ تھا اور یہ سجدۂ تلاوت ہے

((میں نے سجدہ کیا)) اس میں اس بات کا بھی احتمال ہے کہ یہ نماز کا سجدہ ہو، اظہر یہ ہے کہ یہ سجدۂ تلاوت تھا کہ سورۂ ص کی آیت تھی۔ (مرقاۃ المفاتیح، باب سجود القرآن، ج2، ص817، دار الفکر، بیروت)

((جیسا کہ تو نے اسے اپنے بندے داؤد علیہ السلام سے قبول فرمایا)) اس میں اشارہ ہے کہ سورۂ ص کا سجدہ سجدۂ تلاوت ہے۔ علامہ ابن حجر نے جو یہ فرمایا کہ اس کا سجدہ تلاوت ہونا مسلم ہے اگر اس کے معارض صریح موجود نہ ہوتا کہ یہ سجدۂ شکر ہے۔ علامہ ابن حجر کی یہ بات قابلِ رد ہے کیونکہ سجدۂ تلاوت اور سجدۂ شکر میں تنافی نہیں ہے۔

(مرقاۃ المفاتیح، باب سجود القرآن، ج2، ص817، دار الفکر، بیروت)

خواب میں نظر آنے درخت کون تھا اور اس میں سے آنے والی آواز کیا تھی

علامہ ابن ملک نے کہا کہ یہ بھی ہوسکتا کہ وہ کوئی فرشتہ ہو اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے درخت میں نطق پیدا فرمادیا ہو، جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام کے درخت میں۔ میں (علامہ علی قاری) کہتا ہوں کہ حالت رویت خیالی ہوتی ہے اور تعبیر کی محتاج ہوتی ہے، محقق نہیں ہوتی کہ تاویل کی محتاج ہو۔ (مرقاۃ المفاتیح، باب سجود القرآن، ج2، ص817، دار الفکر، بیروت)

نماز میں اور خارج نماز میں سجدۂ تلاوت میں کیا پڑھے

اگر سجدۂ تلاوت نماز میں ہے اور نماز فرض ہے تو اس میں سُبْحٰنَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی پڑھے اور اگر نفل نماز میں سجدہ

کیا تو چاہے یہ پڑھے یا چاہے تو اور دُعائیں جو احادیث میں وارد ہیں وہ پڑھے۔ مثلاً

سَجَدَ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ خَلَقَه وَصَوَّرَه وَشَقَّ سَمْعَه وَبَصَرَه بِحَوْلِهٖ وَقُوَّتِهٖ فَتَبَارَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِیْنَ

یا اَللّٰهُمَّ اكْتُبْ لِیْ عِنْدَكَ بِهَا اَجْرًا وَّ ضَعْ عَنِّیْ بِهَا وِزْرًا وَّاجْعَلْهَا لِیْ عِنْدَكَ ذُخْرًا وَّ تَقَبَّلْهَا مِنِّیْ كَمَا تَقَبَّلْتَهَا مِنْ عَبْدِكَ دَاوٗدَ

یا یہ کہے: سُبْحٰنَ رَبِّنَا اِنْ كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُوْلًا۔

اور اگر بیرونِ نماز ہو تو چاہے یہ پڑھے یا صحابہ و تابعین سے جو آثار مروی ہیں وہ پڑھے، مثلاً حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے، وہ کہتے تھے: اَللّٰهُمَّ لَكَ سَجَدَ سَوَادِیْ وَبِكَ اٰمَنَ فُؤَادِیْ اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنِیْ عِلْمًا یَّنْفَعُنِیْ وَعَمَلًا یَّرْفَعُنِیْ۔ (غنیۃ المتملی، سجدۃ التلاوۃ، ص502 ☆ ردالمحتار، کتاب الصلاۃ، باب سجود التلاوۃ، ج2، ص107، دارالفکر، بیروت)

سجدہ تلاوت کے کچھ مسائل فقہ حنفی کی روشنی میں

☆ سجدہ کی چودہ آیتیں ہیں وہ یہ ہیں:

(1) سورہ اعراف کی آخر آیت

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ عِنْدَ رَبِّكَ لَا یَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَ یُسَبِّحُوْنَهٗ وَلَهٗ یَسْجُدُوْنَ﴾

(سورۃ الاعراف، آیت206)

(2) سورہ رعد میں یہ آیت

﴿وَ لِلّٰهِ یَسْجُدُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّ كَرْهًا وَّظِلٰلُهُمْ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ﴾

(سورۃ الرعد، آیت15)

(3) سورہ نحل میں یہ آیت

﴿وَ لِلّٰهِ یَسْجُدُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ مِنْ دَآبَّةٍ وَّالْمَلٰٓئِكَةُ وَهُمْ لَا یَسْتَكْبِرُوْنَ﴾

(سورۃ النحل، آیت49)

(4) سورہ بنی اسرائیل میں یہ آیت

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِہٖۤ اِذَا یُتْلٰی عَلَیْہِمْ یَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ سُجَّدًا ۝ وَّ یَقُوْلُوْنَ سُبْحٰنَ رَبِّنَاۤ اِنْ کَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُوْلًا ۝ وَیَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ یَبْکُوْنَ وَیَزِیْدُھُمْ خُشُوْعًا﴾

(سورۂ بنی اسرائیل، آیات 107 تا 109)

(5) سورہ مریم میں یہ آیت

﴿اِذَا تُتْلٰی عَلَیْہِمْ اٰیٰتُ الرَّحْمٰنِ خَرُّوْا سُجَّدًا وَّ بُکِیًّا﴾ (سورۂ مریم، آیت 58)

(6) سورہ حج میں پہلی جگہ جہاں سجدہ کا ذکر ہے یعنی یہ آیت

﴿اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰہَ یَسْجُدُ لَہٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ وَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَآبُّ وَکَثِیْرٌ مِّنَ النَّاسِ وَکَثِیْرٌ حَقَّ عَلَیْہِ الْعَذَابُ وَمَنْ یُّہِنِ اللّٰہُ فَمَا لَہٗ مِنْ مُّکْرِمٍ اِنَّ اللّٰہَ یَفْعَلُ مَا یَشَآءُ﴾ (سورۃ الحج، آیت 18)

(7) سورہ فرقان میں یہ آیت

﴿وَ اِذَا قِیْلَ لَہُمُ اسْجُدُوْا لِلرَّحْمٰنِ قَالُوْا وَ مَا الرَّحْمٰنُ ۝ اَنَسْجُدُ لِمَا تَاْمُرُنَا وَ زَادَھُمْ نُفُوْرًا﴾

(سورۂ فرقان، آیت 60)

(8) سورہ نمل میں یہ آیت

﴿اَلَّا یَسْجُدُوْا لِلّٰہِ الَّذِیْ یُخْرِجُ الْخَبْءَ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ یَعْلَمُ مَا تُخْفُوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ۝ اَللّٰہُ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ﴾ (سورۂ نمل، آیات 25,26)

(9) سورہ الم تنزیل میں یہ آیت

﴿اِنَّمَا یُؤْمِنُ بِاٰیٰتِنَا الَّذِیْنَ اِذَا ذُکِّرُوْا بِہَا خَرُّوْا سُجَّدًا وَّسَبَّحُوْا بِحَمْدِ رَبِّہِمْ وَ ھُمْ لَا یَسْتَکْبِرُوْنَ﴾ (سورۃ السجدۃ، آیت 15)

(10) سورہ ص میں یہ آیت

﴿فَاسْتَغْفَرَ رَبَّہ وَ خَرَّ رَاکِعًا وَّ اَنَابَ۝فَغَفَرْنَا لَہ ذٰلِکَ وَ اِنَّ لَہ عِنْدَنَا لَزُلْفٰی وَ حُسْنَ مَاٰبٍ﴾

(سورۂ ص، آیات 24,25)

(11) سورہ حم السجدۃ میں آیت

﴿وَمِنْ اٰیٰتِہِ الَّیْلُ وَ النَّھَارُ وَ الشَّمْسُ وَ الْقَمَرُ لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَ لَا لِلْقَمَرِ وَ اسْجُدُوْا لِلّٰہِ الَّذِیْ خَلَقَھُنَّ اِنْ کُنْتُمْ اِیَّاہُ تَعْبُدُوْنَ۝فَاِنِ اسْتَکْبَرُوْا فَالَّذِیْنَ عِنْدَ رَبِّکَ یُسَبِّحُوْنَ لَہ بِالَّیْلِ وَ النَّھَارِ وَھُمْ لَا یَسْئَمُوْنَ﴾

(سورۂ حم السجدۃ، آیات 37,38)

(12) سورہ نجم میں

﴿ فَاسْجُدُوْا لِلّٰہِ وَ اعْبُدُوْا ﴾ (سورۂ نجم، آیت 62)

(13) سورہ انشقاق میں آیت

﴿ فَمَا لَھُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ۝وَ اِذَا قُرِیءَ عَلَیْھِمُ الْقُرْاٰنُ لَا یَسْجُدُوْنَ ﴾ (سورۂ انشقاق، آیات 20,21)

(14) سورہ اقراء میں آیت

﴿وَاسْجُدْ وَ اقْتَرِبْ﴾ (سورۃ العلق، آیت 19)

☆ آیت سجدہ پڑھنے یا سننے سے سجدہ واجب ہو جاتا ہے پڑھنے میں یہ شرط ہے کہ اتنی آواز سے ہو کہ اگر کوئی عذر نہ ہو تو خود سُن سکے، سننے والے کے لیے یہ ضرور نہیں کہ بالقصد سنی ہو بلا قصد سُننے سے بھی سجدہ واجب ہو جاتا ہے۔

("الھدایۃ"، کتاب الصلاۃ، باب سجود التلاوۃ، ج1، ص78)

☆ سجدہ واجب ہونے کے لیے پوری آیت پڑھنا ضروری نہیں بلکہ وہ لفظ جس میں سجدہ کا مادہ پایا جاتا ہے اور اس کے ساتھ قبل یا بعد کا کوئی لفظ ملا کر پڑھنا کافی ہے۔ (ردالمحتار"، کتاب الصلاۃ، باب سجود التلاوۃ، ج2، ص694)

اعلیٰ حضرت، امامِ احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن فرماتے ہیں:

سجدہ واجب ہونے کے لئے پوری آیت پڑھنا ضروری ہے لیکن بعض علمائے متأخرین کے نزدیک وہ لفظ جس میں سجدہ کا مادّہ پایا جاتا ہے اس کے ساتھ قبل یا بعد کا کوئی لفظ ملا کر پڑھا تو سجدہ تلاوت واجب ہو جاتا ہے لہٰذا احتیاط یہی

ہے کہ دونوں صورتوں میں سجدہ تلاوت کیا جائے۔ (فتاوی رضویہ ملخصا، ج8، ص223 تا 233، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

☆ اگر اتنی آواز سے آیت پڑھی کہ سن سکتا تھا مگر شور وغل یا بہرے ہونے کی وجہ سے نہ سنی تو سجدہ واجب ہو گیا اور اگر محض ہونٹ ہلے آواز پیدا نہ ہوئی تو واجب نہ ہوا۔ ("الفتاوی الھندیۃ"، کتاب الصلاۃ، الباب الثالث عشر فی سجود التلاوۃ، ج1، ص132)

☆ قاری نے آیت پڑھی مگر دوسرے نے نہ سُنی تو اگرچہ اسی مجلس میں ہو اس پر سجدہ واجب نہ ہوا، البتہ نماز میں امام نے آیت پڑھی تو مقتدیوں پر واجب ہو گیا، اگرچہ نہ سنی ہو بلکہ اگرچہ آیت پڑھتے وقت وہ موجود بھی نہ تھا، بعد پڑھنے کے سجدہ سے پیشتر شامل ہوا اور اگر امام سے آیت سنی مگر امام کے سجدہ کرنے کے بعد اسی رکعت میں شامل ہوا تو امام کا سجدہ اس کے لیے بھی ہے اور دوسری رکعت میں شامل ہوا تو نماز کے بعد سجدہ کرے۔ یو ہیں اگر شامل ہی نہ ہوا جب بھی سجدہ کرے۔ ("الفتاوی الھندیۃ"، کتاب الصلاۃ، الباب الثالث عشر فی سجود التلاوۃ، ج1، ص133)

☆ سورہ حج کی آخر آیت جس میں سجدہ کا ذکر ہے اس کے پڑھنے یا سننے سے سجدہ واجب نہیں کہ اس میں سجدے سے مراد نماز کا سجدہ ہے، البتہ اگر شافعی المذہب امام کی اقتدا کی اور اس نے اس موقع پر سجدہ کیا تو اس کی متابعت میں مقتدی پر بھی واجب ہے۔ (ردالمحتار"، کتاب الصلاۃ، باب سجود التلاوۃ، ج2، ص695 تا 697)

☆ امام نے آیت سجدہ پڑھی اور سجدہ نہ کیا تو مقتدی بھی اس کی متابعت میں سجدہ نہ کریگا، اگرچہ آیت سُنی ہو۔

(غنیۃ المتملی"، سجدۃ التلاوۃ، ص500)

☆ مقتدی نے آیت سجدہ پڑھی تو نہ خود اس پر سجدہ واجب ہے نہ امام پر نہ اور مقتدیوں پر نہ نماز میں نہ بعد میں، البتہ اگر دوسرے نمازی نے کہ اس کے ساتھ نماز میں شریک نہ تھا آیت سُنی خواہ وہ منفرد ہو یا دوسرے امام کا مقتدی یا دوسرا امام ان پر بعد نماز سجدہ واجب ہے۔ یو ہیں اس پر واجب ہے جو نماز میں نہ ہو۔

("الفتاوی الھندیۃ"، کتاب الصلاۃ، الباب الثالث عشر فی سجود التلاوۃ، ج1، ص133)

☆ جو شخص نماز میں نہیں اور آیت سجدہ پڑھی اور نمازی نے سُنی تو بعد نماز سجدہ کرے نماز میں نہ کرے اور نماز ہی میں کرلیا تو کافی نہ ہوگا، بعد نماز پھر کرنا ہوگا مگر نماز فاسد نہ ہوگی ہاں اگر تلاوت کرنے والے کے ساتھ سجدہ کیا اور اتباع کا قصد بھی کیا تو نماز جاتی رہی۔ (غنیۃ المتملی"، سجدۃ التلاوۃ، ص500)

☆ جو شخص نماز میں نہ تھا آیت سجدہ پڑھ کر نماز میں شامل ہو گیا تو سجدہ ساقط ہو گیا۔

(الدر المختار "، کتاب الصلاۃ، باب سجود التلاوۃ، ج2، ص698)

☆ رکوع یا سجود میں آیت سجدہ پڑھی تو سجدہ واجب ہو گیا اور اسی رکوع یا سجود سے ادا بھی ہو گیا اور تشہد میں پڑھی تو سجدہ واجب ہو گیا لہٰذا سجدہ کرے۔ (ردالمحتار، کتاب الصلاۃ، باب سجود التلاوۃ، ج2، ص698)

☆ آیت سجدہ پڑھنے والے پر اس وقت سجدہ واجب ہوتا ہے کہ وہ وجوب نماز کا اہل ہو یعنی ادا یا قضا کا اسے حکم ہو، لہٰذا اگر کافر یا مجنون یا نابالغ یا حیض ونفاس والی عورت نے آیت پڑھی تو ان پر سجدہ واجب نہیں اور مسلمان عاقل بالغ اہل نماز نے ان سے سُنی تو اس پر واجب ہو گیا اور جنون اگر ایک دن رات سے زیادہ نہ ہو تو مجنون پر پڑھنے یا سننے سے واجب ہے، بے وضو یا جنب نے آیت پڑھی یا سنی تو سجدہ واجب ہے، نشہ والے نے آیت پڑھی یا سنی تو سجدہ واجب ہے۔ یو ہیں سوتے میں آیت پڑھی بعد بیداری اسے کسی نے خبر دی تو سجدہ کرے، نشہ والے یا سونے والے نے آیت پڑھی تو سننے والے پر سجدہ واجب ہو گیا۔ ("الفتاوی الھندیۃ"، کتاب الصلاۃ، الباب الثالث عشر فی سجود التلاوۃ، ج1، ص132)

☆ عورت نے نماز میں آیت سجدہ پڑھی اور سجدہ نہ کیا یہاں تک کہ حیض آ گیا تو سجدہ ساقط ہو گیا۔

("الفتاوی الھندیۃ"، کتاب الصلاۃ، الباب الثالث عشر فی سجود التلاوۃ، ج1، ص132)

☆ نفل پڑھنے والے نے آیت پڑھی اور سجدہ بھی کر لیا پھر نماز فاسد ہو گئی تو اس کی قضا میں سجدہ کا اعادہ نہیں اور نہ کیا تھا تو بیرونِ نماز کرے۔ ("الفتاوی الھندیۃ"، کتاب الصلاۃ، الباب الثالث عشر فی سجود التلاوۃ، ج1، ص132)

☆ فارسی یا کسی اور زبان میں آیت کا ترجمہ پڑھا تو پڑھنے والے اور سننے والے پر سجدہ واجب ہو گیا، سننے والے نے یہ سمجھا ہو یا نہیں کہ آیت سجدہ کا ترجمہ ہے، البتہ یہ ضرور ہے کہ اسے نا معلوم ہو تو بتا دیا گیا ہو کہ یہ آیت سجدہ کا ترجمہ تھا اور آیت پڑھی گئی ہو تو اس کی ضرورت نہیں کہ سننے والے کو آیت سجدہ ہونا بتایا گیا ہو۔

("الفتاوی الھندیۃ"، کتاب الصلاۃ، الباب الثالث عشر فی سجود التلاوۃ، ج1، ص133)

☆ چند شخصوں نے ایک ایک حرف پڑھا کہ سب کا مجموعہ آیت سجدہ ہو گیا تو کسی پر سجدہ واجب نہ ہوا۔ یو ہیں آیت کے ہجے کرنے یا ہجے سننے سے بھی واجب نہ ہو گا۔ یو ہیں پرند سے آیت سجدہ سُنی یا جنگل اور پہاڑ وغیرہ میں آواز

گونگی اور بجنسہ آیت کی آواز کان میں آئی تو سجدہ واجب نہیں۔

("الفتاوی الهندیة"، کتاب الصلاۃ، الباب الثالث عشر فی سجود التلاوۃ، ج1، ص132,133)

☆ آیت سجدہ پڑھنے کے بعد معاذ اللہ مرتد ہو گیا پھر مسلمان ہوا تو وہ سجدہ واجب نہ رہا۔

("الفتاوی الهندیة"، کتاب الصلاۃ، الباب الثالث عشر فی سجود التلاوۃ، ج1، ص133)

☆ آیت سجدہ لکھنے یا اس کی طرف دیکھنے سے سجدہ واجب نہیں۔

("الفتاوی الهندیة"، کتاب الصلاۃ، الباب الثالث عشر فی سجود التلاوۃ، ج1، ص133)

☆ سجدہ تلاوت کے لیے تحریمہ کے سوا تمام وہ شرائط ہیں جو نماز کے لیے ہیں مثلاً طہارت، استقبال قبلہ، نیت، وقت اس معنی پر کہ آگے آتا ہے ستر عورت، لہٰذا اگر پانی پر قادر ہے تیمّم کر کے سجدہ کرنا جائز نہیں۔

("الدر المختار"، کتاب الصلاۃ، باب سجود التلاوۃ، ج2، ص699)

☆ اس کی نیت میں یہ شرط نہیں کہ فلاں آیت کا سجدہ ہے بلکہ مطلقاً سجدہ تلاوت کی نیت کافی ہے۔

("الدر المختار"، کتاب الصلاۃ، باب سجود التلاوۃ، ج2، ص699)

☆ جو چیزیں نماز کو فاسد کرتی ہیں ان سے سجدہ بھی فاسد ہو جائے گا مثلاً حدث عمد و کلام وقہقہہ۔

("الدر المختار"، کتاب الصلاۃ، باب سجود التلاوۃ، ج2، ص699)

☆ سجدہ کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ کھڑا ہو کر اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہتا ہوا سجدہ میں جائے اور کم سے کم تین بار سُبْحٰنَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی کہے، پھر اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہتا ہوا کھڑا ہو جائے، پہلے پیچھے دونوں بار اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہنا سنت ہے اور کھڑے ہو کر سجدہ میں جانا اور سجدہ کے بعد کھڑا ہونا یہ دونوں قیام مستحب۔ ("الدر المختار"، کتاب الصلاۃ، باب سجود التلاوۃ، ج2، ص699)

☆ مستحب یہ ہے کہ تلاوت کرنے والا آگے اور سننے والے اس کے پیچھے صف باندھ کر سجدہ کریں اور یہ بھی مستحب ہے کہ سامعین اس سے پہلے سر نہ اوٹھائیں اور اگر اس کے خلاف کیا مثلاً اپنی اپنی جگہ پر سجدہ کیا اگرچہ تلاوت کرنے والے کے آگے یا اس سے پہلے سجدہ کیا یا سر اٹھا لیا یا تلاوت کرنے والے نے اس وقت سجدہ نہ کیا اور سامعین نے کر لیا تو حرج نہیں اور تلاوت کرنے والے کا سجدہ فاسد ہو جائے تو ان کے سجدوں پر اس کا کچھ اثر نہیں کہ یہ حقیقۃً اقتدا

نہیں، لہٰذا عورت نے اگر تلاوت کی تو مردوں کی امام یعنی سجدہ میں آگے ہوسکتی ہے اور عورت مرد کے محاذی ہوجائے تو فاسد نہ ہوگا۔ ("الفتاوی الھندیۃ"، کتاب الصلاۃ، الباب الثالث عشرفی سجود التلاوۃ، ج1،ص134)

☆ اگر سجدہ سے پہلے یا بعد میں کھڑا نہ ہوا یا اَللهُ اَکْبَرُ نہ کہا یا سُبْحٰن نہ پڑھا تو ہوجائے گا مگر تکبیر چھوڑنا نہ چاہیے کہ سلف کے خلاف ہے۔ ("الفتاوی الھندیۃ"، کتاب الصلاۃ، الباب الثالث عشرفی سجود التلاوۃ، ج1،ص135)

☆ اگر تنہا سجدہ کرے تو سنت یہ ہے کہ تکبیر اتنی آواز سے کہے کہ خود سُن لے اور دوسرے لوگ بھی اس کے ساتھ ہوں تو مستحب یہ ہے کہ اتنی آواز سے کہے کہ دوسرے بھی سنیں۔ (ردالمحتار، کتاب الصلاۃ، باب سجود التلاوت، ج2،ص700)

☆ سجدہ تلاوت کے لیے اَللهُ اَکْبَرُ کہتے وقت نہ ہاتھ اٹھانا ہے اور نہ اس میں تشہد ہے نہ سلام۔

(تنویر الابصار، باب سجود التلاوت، ج2،ص700)

☆ آیت سجدہ بیرون نماز پڑھی تو فوراً سجدہ کرلینا واجب نہیں ہاں بہتر ہے کہ فوراً کرلے اور وضو ہو تو تاخیر مکروہِ تنزیہی۔ (درمختار، کتاب الصلاۃ، باب سجود التلاوت، ج2،ص703)

☆ اُس وقت اگر کسی وجہ سے سجدہ نہ کرسکے تو تلاوت کرنے والے اور سامع کو یہ کہہ لینا مستحب ہے سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ (ردالمحتار، کتاب الصلاۃ، باب سجود التلاوت، ج2،ص703)

☆ سجدہ تلاوت نماز میں فوراً کرنا واجب ہے تاخیر کریگا گنہگار ہوگا اور سجدہ کرنا بھول گیا تو جب تک حرمت نماز میں ہے کرلے، اگرچہ سلام پھیر چکا ہو اور سجدہ سہو کرے۔ (درمختار، کتاب الصلاۃ، باب سجود التلاوت، ج2،ص704)

تاخیر سے مراد تین آیت سے زیادہ پڑھ لینا ہے کم میں تاخیر نہیں مگر آخر سورت میں اگر سجدہ واقع ہے، مثلاً اِنْشَقَّتْ تو سورت پوری کرکے سجدہ کرے گا جب بھی حرج نہیں۔ (ردالمحتار، کتاب الصلاۃ، باب سجود التلاوت، ج2،ص706,707)

☆ نماز میں آیت سجدہ پڑھی تو اس کا سجدہ نماز ہی میں واجب ہے بیرون نماز نہیں ہوسکتا۔ اور قصداً نہ کیا تو گنہگار رہوا تو بہ لازم ہے بشرطیکہ آیت سجدہ کے بعد فوراً رکوع و سجود نہ کیا ہو، نماز میں آیت سجدہ پڑھی اور سجدہ نہ کیا پھر وہ نماز فاسد ہوگئی یا قصداً فاسد کی تو بیرونِ نماز سجدہ کرلے اور سجدہ کرلیا تھا تو حاجت نہیں۔

(درمختار، کتاب الصلاۃ، باب سجود التلاوت، ج2،ص705)

☆اگر آیت پڑھنے کے بعد فوراً نماز کا سجدہ کرلیا یعنی آیت سجدہ کے بعد تین آیت سے زیادہ نہ پڑھا اور رکوع کر کے سجدہ کیا تو اگرچہ سجدہ تلاوت کی نیت نہ ہو ادا ہو جائے گا۔ (درمختار، کتاب الصلاۃ، باب سجود التلاوت، ج2، ص708)

☆نماز کا سجدہ تلاوت سجدہ سے بھی ادا ہو جاتا ہے اور رکوع سے بھی، مگر رکوع سے جب ادا ہوگا کہ فوراً کرے فوراً نہ کیا تو سجدہ کرنا ضروری ہے اور جس رکوع سے سجدہ تلاوت ادا کیا خواہ وہ رکوع رکوعِ نماز ہو یا اس کے علاوہ۔ اگر رکوعِ نماز ہے تو اس میں ادائے سجدہ کی نیت کرلے اور اگر خاص سجدہ ہی کے لیے یہ رکوع کیا تو اس رکوع سے اٹھنے کے بعد مستحب یہ ہے کہ دو تین آیتیں یا زیادہ پڑھ کر رکوعِ نماز کرے فوراً نہ کرے۔ اور اگر آیت سجدہ پر سورت ختم ہے اور سجدہ کے لیے رکوع کیا تو دوسری سورت کی آیتیں پڑھ کر رکوع کرے۔

("الفتاوی الھندیۃ"، کتاب الصلاۃ، الباب الثالث عشر فی سجود التلاوۃ، ج1، ص133)

☆آیت سجدہ بیچ سورت میں ہے تو افضل یہ ہے کہ اسے پڑھ کر سجدہ کرے پھر کچھ اور آیتیں پڑھ کر رکوع کرے اور اگر سجدہ نہ کیا اور رکوع کرلیا اور اس رکوع میں ادائے سجدہ کی بھی نیت کرلی تو کافی ہے اور اگر نہ سجدہ کیا نہ رکوع کیا بلکہ سورت ختم کر کے رکوع کیا تو اگرچہ نیت کرے، ناکافی ہے اور جب تک نماز میں ہے سجدہ کی قضا کرسکتا ہے۔

("الفتاوی الھندیۃ"، کتاب الصلاۃ، الباب الثالث عشر فی سجود التلاوۃ، ج1، ص133)

☆سجدہ پر سورت ختم ہے اور آیت سجدہ پڑھ کر سجدہ کیا تو سجدہ سے اٹھنے کے بعد دوسری سورت کی کچھ آیتیں پڑھ کر رکوع کرے اور بغیر پڑھے رکوع کردیا تو بھی جائز ہے۔

("الفتاوی الھندیۃ"، کتاب الصلاۃ، الباب الثالث عشر فی سجود التلاوۃ، ج1، ص133)

☆اگر آیت سجدہ کے بعد ختم سورت میں دو تین آیتیں باقی ہیں تو چاہے فوراً رکوع کردے یا سورت ختم کرنے کے بعد یا فوراً سجدہ کرلے پھر باقی آیتیں پڑھ کر رکوع میں جائے یا سورت ختم کر کے سجدہ میں جائے سب طرح اختیار ہے مگر اس صورت اخیرہ میں سجدہ سے اٹھ کر کچھ آیتیں دوسری سورت کی پڑھ کر رکوع کرے۔

("الفتاوی الھندیۃ"، کتاب الصلاۃ، الباب الثالث عشر فی سجود التلاوۃ، ج1، ص133)

☆رکوع جاتے وقت سجدہ کی نیت نہیں کی بلکہ رکوع میں یا اٹھنے کے بعد کی تو یہ نیت کافی نہیں۔

("الفتاوی الھندیۃ"، کتاب الصلاۃ، الباب الثالث عشر فی سجود التلاوۃ، ج1، ص133)

☆ تلاوت کے بعد امام رکوع میں گیا اور نیت سجدہ کر لی مگر مقتدیوں نے نہ کی تو ان کا سجدہ ادا نہ ہوا لہٰذا امام جب سلام پھیرے تو مقتدی سجدہ کر کے قعدہ کریں اور سلام پھیریں اور اس قعدہ میں تشہد واجب ہے اگر قعدہ نہ کیا تو نماز فاسد ہوگئی کہ قعدہ جاتا رہا یہ حکم جہری نماز کا ہے، سری میں چونکہ مقتدی کو علم نہیں لہٰذا معذور ہے اور اگر امام نے رکوع سے سجدہ تلاوت کی نیت نہ کی تو اسی سجدہ نماز سے مقتدیوں کا بھی سجدہ تلاوت ادا ہو گیا اگرچہ نیت نہ ہو، لہٰذا امام کو چاہیے کہ رکوع میں سجدہ کی نیت نہ کرے کہ مقتدیوں نے اگر نیت نہ کی تو ان کا سجدہ ادا نہ ہوگا اور رکوع کے بعد جب امام سجدہ کریگا تو اس سے سجدہ تلاوت بہرحال ادا ہو جائے گا نیت کرے یا نہ کرے پھر نیت کی کیا حاجت۔

("الفتاوی الھندیۃ"، کتاب الصلاۃ، الباب الثالث عشر فی سجود التلاوۃ، ج1، ص133)

☆ جہری نماز میں امام نے آیت سجدہ پڑھی تو سجدہ کرنا اولیٰ ہے اور سری میں رکوع کرنا کہ مقتدیوں کو دھوکا نہ لگے۔

(ردالمحتار، کتاب الصلاۃ، باب سجود التلاوت، ج2، ص708)

☆ امام نے سجدہ تلاوت کیا مقتدیوں کو رکوع کا گمان ہوا اور رکوع میں گئے تو رکوع توڑ کر سجدہ کریں اور جس نے رکوع اور ایک سجدہ کیا جب بھی ہو گیا اور اگر رکوع کر کے دو سجدے کر لیے تو اس کی نماز گئی۔

(درمختار، کتاب الصلاۃ، باب سجود التلاوت، ج2، ص709)

☆ مصلّی سجدہ تلاوت بھول گیا رکوع یا سجدہ یا قعدہ میں یاد آیا تو اسی وقت سجدہ کرلے پھر جس رکن میں تھا اس کی طرف عود کرے یعنی رکوع میں تھا تو سجدہ کر کے رکوع میں واپس ہو وعلی ھذا لقیاس اور اگر اس رکن کا اعادہ نہ کیا جب بھی نماز ہوگئی۔

("الفتاوی الھندیۃ"، کتاب الصلاۃ، الباب الثالث عشر فی سجود التلاوۃ، ج1، ص134)

مگر قعدہ اخیرہ کا اعادہ فرض ہے کہ سجدہ سے قعدہ باطل ہو جاتا ہے۔

☆ ایک مجلس میں سجدہ کی ایک آیت کو بار بار پڑھا یا سنا تو ایک ہی سجدہ واجب ہوگا، اگرچہ چند شخصوں سے سنا ہو۔ یوہیں اگر آیت پڑھی اور وہی آیت دوسرے سے سنی جب بھی ایک ہی سجدہ واجب ہوگا۔

(درمختار وردالمحتار، کتاب الصلاۃ، باب سجود التلاوت، ج2، ص712)

☆پڑھنے والے نے کئی مجلسوں میں ایک آیت بار بار پڑھی اور سننے والے کی مجلس نہ بدلی تو پڑھنے والا جتنی مجلسوں میں پڑھے گا اس پر اتنے ہی سجدے واجب ہوں گے اور سننے والے پر ایک اور اگر اس کا عکس ہے یعنی پڑھنے والا ایک مجلس میں بار بار پڑھتا رہا اور سننے والے کی مجلس بدلتی رہی تو پڑھنے والے پر ایک سجدہ واجب ہوگا اور سننے والے پر اتنے جتنی مجلسوں میں سُنا۔ ("الفتاوی الھندیۃ"، کتاب الصلاۃ، الباب الثالث عشر فی سجود التلاوۃ، ج1، ص134)

☆مجلس میں آیت پڑھی یا سُنی اور سجدہ کر لیا پھر اسی مجلس میں وہی آیت پڑھی یا سُنی تو وہی پہلا سجدہ کافی ہے۔

(درمختار، کتاب الصلاۃ، باب سجود التلاوت، ج2، ص712)

☆ایک مجلس میں چند بار آیت پڑھی یا سُنی اور آخر میں اتنی ہی بار سجدہ کرنا چاہے تو یہ بھی خلاف مستحب ہے بلکہ ایک ہی بار کرے، بخلاف دُرود شریف کے کہ نام اقدس لیا یا سنا تو ایک بار دُرود شریف واجب اور ہر بار مستحب۔

(ردالمحتار، کتاب الصلاۃ، باب سجود التلاوت، ج2، ص712,717)

☆دو ایک لقمہ کھانے، دو ایک گھونٹ پینے، کھڑے ہو جانے، دو ایک قدم چلنے، سلام کا جواب دینے، دو ایک بات کرنے، مکان کے ایک گوشہ سے دوسرے کی طرف چلے جانے سے مجلس نہ بدلے گی، ہاں اگر مکان بڑا ہے جیسے شاہی محل تو ایسے مکان میں ایک گوشہ سے دوسرے میں جانے سے مجلس بدل جائے گی۔ کشتی میں ہے اور کشتی چل رہی ہے، مجلس نہ بدلے گی۔ ریل کا بھی یہی حکم ہونا چاہیے، جانور پر سوار ہے اور وہ چل رہا ہے تو مجلس بدل رہی ہے ہاں اگر سواری پر نماز پڑھ رہا ہے تو نہ بدلے گی، تین لقمے کھانے، تین گھونٹ پینے، تین کلمے بولنے، تین قدم میدان میں چلنے، نکاح یا خرید و فروخت کرنے، لیٹ کر سو جانے سے مجلس بدل جائے گی۔

("الفتاوی الھندیۃ"، کتاب الصلاۃ، الباب الثالث عشر فی سجود التلاوۃ، ج1، ص134)

☆سواری پر نماز پڑھتا ہے اور کوئی شخص ساتھ چل رہا ہے یا وہ بھی سوار ہے مگر نماز میں نہیں، ایسی حالت میں اگر آیت بار بار پڑھی تو اس پر ایک سجدہ واجب ہے اور ساتھ والے پر اتنے جتنی بار سُنا۔

(درمختار و ردالمحتار، کتاب الصلاۃ، باب سجود التلاوت، ج2، ص716)

☆تانا تننا، نہر یا حوض میں تیرنا، درخت کی ایک شاخ سے دوسری پر جانا، ہل جوتنا، دائیں چلانا، چکی کے بیل

کے پیچھے پھرنا، عورت کا بچہ کو دُودھ پلانا، ان سب صورتوں میں مجلس بدل جاتی ہے جتنی بار پڑھے گا یا سُنے گا اتنے سجدے واجب ہوں گے۔ (درمختار ورد المحتار، کتاب الصلاۃ، باب سجود التلاوت، ج2،ص714)

یہی حکم کولو کے بیل کے پیچھے چلنے کا ہونا چاہیے۔

☆ایک جگہ بیٹھے بیٹھے تانا تن رہا ہے تو مجلس بدل رہی ہے اگر چہ فتح القدیر میں اس کے خلاف لکھا، اس لیے کہ یہ عملِ کثیر ہے۔ (ردالمحتار، کتاب الصلاۃ، باب سجود التلاوت، ج2،ص716)

☆کسی مجلس میں دیر تک بیٹھنا قراءت، تسبیح، تہلیل، درس وعظ میں مشغول ہونا مجلس کو نہیں بدلے گا اور اگر دونوں بار پڑھنے کے درمیان کوئی دنیا کا کام کیا مثلاً کپڑا سینا وغیرہ تو مجلس بدل گئی۔

(ردالمحتار، کتاب الصلاۃ، باب سجود التلاوت، ج2،ص716)

☆آیت سجدہ بیرونِ نماز تلاوت کی اور سجدہ کر کے پھر نماز شروع کی اور نماز میں پھر وہی آیت پڑھی تو اس کے لیے دوبارہ سجدہ کرے اور اگر پہلے نہ کیا تھا تو یہی اس کے بھی قائم مقام ہو گیا بشرطیکہ آیت پڑھنے اور نماز کے درمیان کوئی اجنبی فعل فاصل نہ ہو اور اگر نہ پہلے سجدہ کیا نہ نماز میں تو دونوں ساقط ہو گئے اور گنہگار رہا توبہ کرے۔

(درمختار ورد المحتار، کتاب الصلاۃ، باب سجود التلاوت، ج2،ص711)

☆ایک رکعت میں بار بار وہی آیت پڑھی تو ایک ہی سجدہ کافی ہے، خواہ چند بار پڑھ کر سجدہ کیا یا ایک بار پڑھ کر سجدہ کیا پھر دوبارہ سہ بارہ آیت پڑھی۔ یو ہیں اگر ایک نماز کی سب رکعتوں میں یا دو تین میں وہی آیت پڑھی تو سب کے لیے ایک سجدہ کافی ہے۔ ("الفتاوی الھندیۃ"، کتاب الصلاۃ، الباب الثالث عشر فی سجود التلاوۃ، ج1،ص135)

☆نماز میں آیت سجدہ پڑھی اور سجدہ کر لیا پھر سلام کے بعد اسی مجلس میں وہی آیت پڑھی تو اگر کلام نہ کیا تھا تو وہی نماز والا سجدہ اس کے قائم مقام بھی ہے اور کلام کر لیا تھا تو دوبارہ سجدہ کرے اور اگر نماز میں سجدہ نہ کیا تھا پھر سلام پھیرنے کے بعد وہی آیت پڑھی تو ایک سجدہ کرے، نماز والا ساقط ہو گیا۔

("الفتاوی الھندیۃ"، کتاب الصلاۃ، الباب الثالث عشر فی سجود التلاوۃ، ج1،ص135)

☆نماز میں آیت سجدہ پڑھی اور سجدہ کیا پھر بے وضو ہوا اور وضو کر کے بنا کی پھر وہی آیت پڑھی تو دوسرا سجدہ

واجب نہ ہوا اور اگر بنا کے بعد دوسرے سے وہی آیت سُنی تو دوسرا واجب ہے اور یہ دوسرا سجدہ نماز کے بعد کرے۔

("الفتاوی الھندیۃ"، کتاب الصلاۃ، الباب الثالث عشر فی سجود التلاوۃ، ج1، ص135)

☆ ایک مجلس میں سجدہ کی چند آیتیں پڑھیں تو اتنے ہی سجدے کرے ایک کافی نہیں۔

(شرح الوقایۃ، کتاب الصلاۃ، باب سجود التلاوۃ، ج1، ص232)

☆ پوری سورت پڑھنا اور آیت سجدہ چھوڑ دینا مکروہِ تحریمی ہے اور صرف آیت سجدہ کے پڑھنے میں کراہت نہیں، مگر بہتر یہ ہے کہ دو ایک آیت پہلے یا بعد کی ملا لے۔ (درمختار، کتاب الصلاۃ، باب سجود التلاوت، ج2، ص717)

☆ سامعین نے سجدہ کا تہیّہ کیا ہو اور سجدہ ان پر بار نہ ہو تو آیت بلند آواز سے پڑھنا اولیٰ ہے ورنہ آہستہ اور سامعین کا حال معلوم نہ ہو کہ آمادہ ہیں یا نہیں جب بھی آہستہ پڑھنا بہتر ہونا چاہیے۔

(ردالمحتار، کتاب الصلاۃ، باب سجود التلاوت، ج2، ص718)

☆ آیت سجدہ پڑھی گئی مگر کام میں مشغولی کے سبب نہ سنی تو اصح یہ ہے کہ سجدہ واجب نہیں، مگر بہت سے علما کہتے ہیں کہ اگرچہ نہ سُنی سجدہ واجب ہو گیا۔ (درمختار و ردالمحتار، کتاب الصلاۃ، باب سجود التلاوت، ج2، ص718)

اہم فائدہ

جس مقصد کے لیے ایک مجلس میں سجدہ کی سب آیتیں پڑھ کر سجدے کرے اللہ عزوجل اس کا مقصد پورا فرمادے گا۔ خواہ ایک ایک آیت پڑھ کر اس کا سجدہ کرتا جائے یا سب کو پڑھ کر آخر میں چودہ سجدے کرلے۔

(درمختار، کتاب الصلاۃ، باب سجود التلاوت، ج2، ص719)

☆ زمین پر آیت سجدہ پڑھی تو یہ سجدہ سواری پر نہیں کر سکتا مگر خوف کی حالت ہو تو ہو سکتا ہے اور سواری پر آیت پڑھی تو سفر کی حالت میں سواری پر سجدہ کر سکتا ہے۔ ("الفتاوی الھندیۃ"، کتاب الصلاۃ، الباب الثالث عشر فی سجود التلاوۃ، ج1، ص135)

☆ مرض کی حالت میں اشارہ سے بھی سجدہ ادا ہو جائے گا۔ یوہیں سفر میں سواری پر اشارہ سے ہو جائے گا۔

("الفتاوی الھندیۃ"، کتاب الصلاۃ، الباب الثالث عشر فی سجود التلاوۃ، ج1، ص135)

☆ جمعہ و عیدین اور سرّی نمازوں میں اور جس نماز میں جماعتِ عظیم ہو آیت سجدہ امام کو پڑھنا مکروہ ہے۔ ہاں

اگر آیت کے بعد فوراً رکوع وسجود کر دے اور رکوع میں نیت نہ کرے تو کراہت نہیں۔

(درمختار وردالمحتار، کتاب الصلاۃ، باب سجود التلاوت، مطلب فی سجدۃ الشکر، ج2، ص720)

☆منبر پر آیت سجدہ پڑھی تو خود اُس پر اور سننے والوں پر سجدہ واجب ہے اور جنھوں نے نہ سُنی ان پر نہیں۔

(درمختار وردالمحتار، کتاب الصلاۃ، باب سجود التلاوت، مطلب فی سجدۃ الشکر، ج2، ص720)

☆سجدہ شکر مثلاً اولاد پیدا ہوئی یا مال پایا یا گمی ہوئی چیز مل گئی یا مریض نے شفا پائی یا مُسافر واپس آیا غرض کسی نعمت پر سجدہ کرنا مستحب ہے اور اس کا طریقہ وہی ہے جو سجدہ تلاوت کا ہے۔

(درمختار وردالمحتار، کتاب الصلاۃ، باب سجود التلاوت، مطلب فی سجدۃ الشکر، ج2، ص720)

☆سجدہ بے سبب جیسا اکثر عوام کرتے ہیں نہ ثواب ہے، نہ مکروہ۔

("الفتاوی الھندیۃ"، کتاب الصلاۃ، الباب الثالث عشر فی سجود التلاوۃ، ج1، ص136)

باب نمبر402

مَا ذُكِرَ فِيمَنْ فَاتَهُ حِزْبُهُ مِنَ اللَّيْلِ فَقَضَاهُ بِالنَّهَارِ

جس کا رات میں قراءت کوکوئی حصہ فوت ہو جائے تو وہ اسے دن میں قضا کر لے

581- حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو صَفْوَانَ، عَنْ يُونُسَ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، أَنَّ السَّائِبَ بْنَ يَزِيدَ، وَعُبَيْدَ اللَّهِ بْنَ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُتْبَةَ بْنِ مَسْعُودٍ، أَخْبَرَاهُ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَبْدٍ القَارِيِّ، قَالَ: سَمِعْتُ عُمَرَ بْنَ الخَطَّابِ، يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ نَامَ عَنْ حِزْبِهِ، أَوْ عَنْ شَيْءٍ مِنْهُ، فَقَرَأَهُ مَا بَيْنَ صَلَاةِ الفَجْرِ وَصَلَاةِ الظُّهْرِ، كُتِبَ لَهُ كَأَنَّمَا قَرَأَهُ مِنَ اللَّيْلِ، قَالَ ابوعيسى: هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَأَبُو صَفْوَانَ اسْمُهُ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ سَعِيدٍ المَكِّيُّ، وَرَوَى عَنْهُ الحُمَيْدِيُّ وَكِبَارُ النَّاسِ

حدیث: حضرت عبد الرحمٰن بن عبد قاری سے روایت ہے فرمایا: میں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: جو رات میں قراءتِ قرآن کے وظیفے سے سو جائے یا اس میں سے کچھ نہ پڑھ سکے تو وہ اسے فجر اور ظہر کے درمیان پڑھ لے تو اس کے لئے ایسا ہی اجر لکھا جائے گا گویا کہ اس نے اسے رات میں پڑھا ہے۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ ابوصفوان کا نام عبد اللہ بن سعید المکی ہے اور ان سے حمیدی اور بڑے لوگوں نے روایت کیا ہے۔

شرح حدیث

حزب القرآن سے مراد

حزب القرآن سے مراد قراءتِ قرآن میں سے وہ ورد اور وظیفہ ہے جو انسان خود اپنے اوپر مقرر کر لیتا ہے کہ وہ اسے ہر روز پڑھے گا۔ (کشف المشکل، کشف المشکل من مسند ابی حفص عمر بن خطاب، ج1 ص143، دار الوطن، ریاض)

اس حدیث پاک میں اوراد و وظائف کی محافظت کرنے پر دلالت ہے۔

(دلیل الفالحین، باب فی المحافظۃ علی الاعمال الصالحۃ، ج2 ص411، دار المعرفۃ، بیروت)

فجر اور ظہر کے درمیانی وقت میں پڑھنے کی وجہ

(1) کیونکہ یہ سب سے زیادہ قریبی ایسا وقت ہے جس میں اس کا پڑھنا ممکن ہے۔

(المنتقی شرح الموطا، ما جاء فی تحزیب القرآن، ج1 ص346، مطبعۃ السعادۃ، مصر)

(2) اہل عرب کے نزدیک فجر سے ظہر تک کا وقت رات کی طرف مضاف ہوتا ہے، اہل عرب زوال کے وقت تک کہتے ہیں: تم آج رات کیسے تھے۔ اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب صبح کی نماز پڑھتے تو بعض دنوں میں فرماتے: کیا تم میں سے کسی نے آج رات خواب دیکھا۔ اور امام ابو حنیفہ نے اسی پر بنا کرتے ہوئے فرمایا کہ جب کوئی شخص زوال سے پہلے فرض روزے کی نیت کر لے تو اس کا روزہ صحیح ہے، پس گویا کہ اس نے رات کے آخری حصے میں نیت کی۔

(کشف المشکل، کشف المشکل من مسند ابی حفص عمر بن خطاب، ج1 ص143، دار الوطن، ریاض)

(3) روزے کی نیت والی بات کا علامہ علی قاری نے انکار کیا ہے فرماتے ہیں کہ زوال تک نیت کرنے کی اجازت کی وجہ یہ نہیں کہ یہ رات کا حصہ ہے بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ نیت دن کے اکثر اجزاء میں واقع ہوئی ہے، بلکہ جو حدیث پاک میں وارد ہوا اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنْ اَرَادَ اَنْ یَّذَّكَّرَ اَوْ اَرَادَ شُكُوْرًا﴾ (اور وہی ہے جس نے رات اور دن کی بدلی رکھی اس کے لئے جو دھیان کرنا چاہے یا شکر کا ارادہ کرے) (سورۃ الفرقان، آیت 62) قاضی فرماتے ہیں کہ ایک کو دوسرے کا بدل و خلیفہ بنایا کہ اگر ایک میں

عمل فوت ہو جائے تو دوسرے میں کر لے، یہی کثیر سلف سے منقول ہے جیسا کہ حضرت ابن عباس، حضرت قتادہ، حضرت حسن اور حضرت سلمان جیسا کہ علامہ سیوطی نے ذکر کیا۔ حسن فرماتے ہیں کہ جو رات کو عمل سے عاجز آ گیا تو اس کے لیے دن کا اول حصہ اس کا بدل ہے اور جو دن میں عمل سے عاجز آ گیا تو اس کے لیے رات کا اول حصہ بدل ہے۔

زوال سے پہلے تک اس کی تخصیص کرنا حالانکہ آیت تو پورے دن کو شامل ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں فوت شدہ کی قضا کرنے کی طرف جلدی کرنے کا اشارہ ہے موت کے آنے سے پہلے، کہ تاخیر میں آفات ہیں خصوصاً طاعات اور عبادات کے حق میں، یا اس وجہ سے کہ وقتِ قضا اولی ہے کہ اسے قضا کی طرف پھیرا جائے، یا یہ کہ جو کسی شے کے قریب ہوتا ہے تو اسے اس کا حکم دیا جاتا ہے۔ (مرقاۃ المفاتیح، باب القصد فی العمل، ج3، ص935، دار الفکر، بیروت)

یہ فضیلت کس کے لیے ہے

علامہ جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں:

((اس کے لئے ایسا ہی اجر لکھا جائے گا گویا کہ اس نے اسے رات میں پڑھا ہے)) یہ فضل اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، یہ فضیلت اس کے لیے ہے جس پر رات میں نیند نے غلبہ پالیا یا کوئی ایسا عذر پایا گیا جس نے اسے رات میں قیام سے روک دیا حالانکہ اس کی نیت قیام کی تھی۔ اس کا ظاہر یہ ہے کہ اس کے لیے مکمل اجر ہوگا، یہ سب اس کے حسن نیت اور رات میں قیام چھوٹنے کے سچے تأسف و افسوس کی وجہ سے ہے۔ اور مکمل اجر ملنے کا قول ہمارے بعض مشائخ کا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ یہ بھی احتمال ہے کہ اس کا اجر مکمل نہیں ہوگا، کیونکہ اگر وہ اسے رات میں پڑھتا تو مکمل و افضل ہوتا، اور ظاہر اول قول ہے۔ (حاشیۃ السیوطی علی النسائی، کتاب قیام اللیل الخ، ج3، ص259 تا 262، مکتب المطبوعات الاسلامیہ، حلب)

اس باب کی حدیث پاک کا مرفوع یا موقوف ہونا

علامہ محمود بدر الدین عینی حنفی فرماتے ہیں:

اس حدیث پاک کی وجہ سے امام دار قطنی نے امام مسلم پر استدراک کیا ہے اور گمان کیا کہ یہ معلل ہے اس وجہ سے کہ ایک جماعت نے اسے اسی طرح مرفوع روایت کیا ہے اور ایک جماعت نے موقوف روایت کیا ہے، شیخ محیی الدین نے فرمایا کہ یہ تعلیل فاسد ہے اور حدیث پاک صحیح ہے اور اس کی سند صحیح ہے، کیونکہ جس بات پر فقہاء، اصولی، محقق

محدثین ہیں وہ یہ ہے کہ جب یہ حدیث پاک مرفوع اور موقوف یا موصول اور مرسل مروی ہو تو رفع اور وصل کا حکم لگائیں گے کیونکہ یہ ثقہ کی زیادت ہے۔ اور اس میں برابر ہے کہ رفع اور وصل بیان کرنے والے حفظ اور عدد میں اکثر ہوں یا اقل۔ (سنن ابی داؤد للعینی، باب من نام عن حزبہ، ج5، ص220، مکتبۃ الرشد، ریاض)

باب نمبر 403

مَا جَاءَ فِی التَّشْدِیدِ فِی الَّذِی یَرْفَعُ رَأْسَهُ قَبْلَ الإِمَامِ

اس شخص کے بارے میں شدت کہ جو امام سے پہلے اپنے سر کو اٹھاتا ہے

582۔حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ قَالَ :حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ زِيَادٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ :قَالَ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :أَمَا يَخْشَى الَّذِي يَرْفَعُ رَأْسَهُ قَبْلَ الإِمَامِ أَنْ يُحَوِّلَ اللَّهُ رَأْسَهُ رَأْسَ حِمَارٍ ، قَالَ قُتَيْبَةُ :قَالَ حَمَّادٌ :قَالَ لِي مُحَمَّدُ بْنُ زِيَادٍ :إِنَّمَا قَالَ :أَمَا يَخْشَى ، قال ابوعيسى:هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ، وَمُحَمَّدُ بْنُ زِيَادٍ هُوَ بَصْرِيٌّ ثِقَةٌ، وَيُكْنَى أَبَا الحَارِثِ

حدیث: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ”کیا امام سے پہلے اپنا سر اٹھانے والا اس بات سے نہیں ڈرتا کہ اللہ عزوجل اس کا سر گدھے کے سر کی طرح کردے۔“

قتیبہ کہتے ہیں: حماد نے کہا کہ مجھے محمد بن زیاد نے کہا کہ انہوں نے صرف یہ فرمایا کہ ”کیا وہ خوف نہیں رکھتا۔“

امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔اور محمد بن زیاد بصری ہیں اور ثقہ ہیں اور ان کی کنیت ابوالحارث ہے۔

شرح حدیث

علامہ احمد بن علی بن حجر عسقلانی فرماتے ہیں:

حدیث کا ظاہر امام سے پہلے سر اٹھانے کی تحریم کا تقاضا کرتا ہے کیونکہ اس پر مسخ کی وعید ہے اور وہ عقوبات میں سے اشد ہے، اسی پر علامہ نووی نے شرح المہذب میں جزم کیا ہے، تحریم کے قول کے ساتھ جمہور اس پر ہیں کہ اس کا مرتکب گناہگار ہوگا اور اس کی نماز ہو جائے گی۔ (فتح الباری، باب اثم من رفع رأسہ قبل الامام، ج2، ص183، دار المعرفہ، بیروت)

سر گدھے کی طرح کرنے سے مراد

علامہ علی بن سلطان محمد القاری حنفی فرماتے ہیں:

(1) اس کا سر گدھے کی طرح کرنے سے مراد یہ ہے کہ اسے بے وقوف اور کند ذہن بنا دے گا جیسا کہ گدھا سب جانوروں سے بڑھ کر بے وقوف ہے، تو یہ معناً اور مجازاً مسخ ہوگا، لیکن حدیث پاک میں سر کی تخصیص اس تأویل کا انکار کرتی ہے۔

(2) اور جائز ہے کہ اسے حقیقت پر محمول کیا جائے کہ اس امت میں مسخ جائز ہے جیسا کہ علامات قیامت میں اسے ذکر کیا گیا ہے اور اس کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے جس میں یہ ہے کہ ((أن یحول اللہ صورتہ صورۃ حمار)) اللہ تعالیٰ اس کی صورت گدھے کی صورت کی طرح کر دے گا۔ اشرف نے کہا کہ اس حدیث پاک کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے بے وقوف بنا دے گا ورنہ مسخ اس امت میں جائز نہیں۔ اور علامہ خطابی کے حوالے سے گزر چکا کہ اس امت میں مسخ جائز ہے تو اسے حقیقت پر محمول کرنا بھی جائز ہے علامہ طیبی نے ایسے ہی ذکر کیا ہے۔

علامہ ابن حجر نے کہا: یہ بھی احتمال ہے کہ یہاں حقیقت مراد ہو، پس اس صورت میں یہ مسخ خاص ہوگا اور ممتنع مسخِ عام ہے جیسا کہ احادیث صحیحہ میں اس کی صراحت موجود ہے، اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہاں بے وقوفی سے مجاز ہو اور پہلے معنیٰ کی تائید اس واقعہ سے بھی ہوتی ہے جو بعض محدثین سے منقول ہے کہ ایک محدث کا اس حدیث پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے چہرہ گدھے کی طرح ہو گیا، اھ۔

(3) اور اظہر یہ ہے کہ یہ شدید زجر اور مؤکد وعید ہے اور اس کی حقیقت کا وقوع برزخ میں ہوگا یا جہنم میں۔

(4) اور یہ کہنا بھی ممکن ہے کہ مسخ معلق ہے اس صورت کے ساتھ جب عدمِ خشیت مخالفت کے ساتھ ملی ہوئی ہو، صرف عدمِ متابعت نہ ہو، اس سے علامہ ابن دقیق العید کا قول مندفع ہوگیا کہ مجاز کی تاویل راجح ہوگی کیونکہ امام سے پہلے کثیر مقتدیوں کے سر اٹھانے کے باوجود اس کی حقیقت کا وقوع نہیں ہوتا۔

(مرقاۃ المفاتیح ملخصا، باب ماعلی المأموم من المتابعۃ الخ، ج3، ص879، دارالفکر، بیروت)

امام سے قصداً سبقت کرنے والے کا انجام

اس حدیث پاک کے تحت علامہ علی بن سلطان محمد القاری حنفی فرماتے ہیں:

بعض محدثین سے منقول ہے کہ امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ حدیث لینے کے لیے ایک بڑے مشہور شخص کے پاس دمشق میں گئے اور ان کے پاس بہت کچھ پڑھا، مگر وہ پردہ ڈال کر پڑھاتے، مدتوں تک ان کے پاس بہت کچھ پڑھا، مگر ان کا منہ نہ دیکھا، جب زمانہ دراز گزرا اور انہوں نے دیکھا کہ ان کو حدیث کی بہت خواہش ہے تو ایک روز پردہ ہٹادیا، دیکھتے کیا ہیں کہ اُن کا منہ گدھے کا سا ہے، انہوں نے کہا، "صاحب زادے! امام پر سبقت کرنے سے ڈرو کہ یہ حدیث جب مجھ کو پہنچی میں نے اسے مستبعد جانا اور میں نے امام پر قصداً سبقت کی، تو میرا منہ ایسا ہوگیا جو تم دیکھ رہے ہو۔

(مرقاۃ المفاتیح، باب ماعلی المأموم من المتابعۃ الخ، ج3، ص879، دارالفکر، بیروت)

مرقاۃ میں علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ کا نام مذکور نہیں، صدر الشریعہ مفتی امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ نے علامہ نووی کے نام کے ساتھ اسے بیان فرمایا ہے۔ (بہارشریعت، امامت کا بیان، حصہ 3، ص560، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

یہاں مخالفت سے مراد عام ہے، سجدے کے ساتھ خاص نہیں

علامہ محمود بدرالدین عینی حنفی فرماتے ہیں:

"منع مذکور ظاہر حدیث کی وجہ سے سجدے سے سر اٹھانے میں امام سے سبقت کرنے کے ساتھ خاص ہے یا عام ہے؟ میں کہوں گا کہ یہ عام ہے لیکن حدث پاک میں سجدے کو خاص اس وجہ سے کیا گیا کہ اس حالت میں مقتدیوں کی طرف سے امام کی مخالفت کثرت سے پائی جاتی ہے۔"

(شرح ابی داؤد للعینی، باب التشدید فیمن یرفع قبل الامام الخ، ج3، ص150,151، مکتبۃ الرشد، ریاض)

باب نمبر 404

ما جاء فی الذی یصلی الفریضة ثم یؤم الناس بعد ذلک

جو شخص فرض پڑھ لے پھر اس کے بعد وہ لوگوں کی امامت کروائے

583۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، أَنَّ مُعَاذَ بْنَ جَبَلٍ، كَانَ يُصَلِّي مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَغْرِبَ، ثُمَّ يَرْجِعُ إِلَى قَوْمِهِ فَيَؤُمُّهُمْ، قال ابوعیسیٰ: هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ، "وَالعَمَلُ عَلَى هَذَا عِنْدَ أَصْحَابِنَا الشَّافِعِيِّ، وَأَحْمَدَ، وَإِسْحَاقَ، قَالُوا: إِذَا أَمَّ الرَّجُلُ القَوْمَ فِي المَكْتُوبَةِ وَقَدْ كَانَ صَلَّاهَا قَبْلَ ذَلِكَ أَنَّ صَلَاةَ مَنْ ائْتَمَّ بِهِ جَائِزَةٌ، وَاحْتَجُّوا بِحَدِيثِ جَابِرٍ فِي قِصَّةِ مُعَاذٍ، وَهُوَ حَدِيثٌ صَحِيحٌ وَقَدْ رُوِيَ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ عَنْ جَابِرٍ "وَرُوِيَ عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ، أَنَّهُ سُئِلَ عَنْ رَجُلٍ دَخَلَ الْمَسْجِدَ، وَالقَوْمُ فِي صَلَاةِ العَصْرِ وَهُوَ يَحْسِبُ أَنَّهَا صَلَاةُ الظُّهْرِ، فَائْتَمَّ بِهِمْ، قَالَ: صَلَاتُهُ جَائِزَةٌ،" وَقَدْ قَالَ قَوْمٌ مِنْ أَهْلِ الْكُوفَةِ: إِذَا ائْتَمَّ قَوْمٌ بِإِمَامٍ وَهُوَ يُصَلِّي العَصْرَ وَهُمْ يَحْسِبُونَ أَنَّهَا

حدیث: حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مغرب کی نماز ادا کیا کرتے تھے پھر وہ اپنی قوم کی طرف لوٹ کر ان کی امامت کرواتے تھے۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

اور اسی پر ہمارے اصحاب شافعی، احمد اور اسحٰق رحمہم اللہ کا عمل ہے یہ حضرات فرماتے ہیں: جب کوئی شخص فرض نماز میں قوم کی امامت کرے اور اس نے اس سے قبل نماز پڑھ لی ہو تو جس نے اس کی اقتداء کی تو اس کی نماز جائز ہے اور انہوں نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے قصہ میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے استدلال کیا اور وہ حدیث صحیح ہے اور یہ بہت سی سندوں سے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ اور حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ان سے اس شخص کے متعلق سوال ہوا کہ جو مسجد میں داخل ہوا اور قوم عصر کی نماز پڑھ رہی تھی اور وہ اسے ظہر کی نماز گمان کرتا ہے لہٰذا ان کی اقتدا کر لیتا ہے تو انہوں نے فرمایا کہ "اس کی نماز جائز ہے"

الظُّهْرُ فَصَلّٰی بِهِمْ، وَاقْتَدَوْا بِهِ فَإِنَّ صَلَاةَ الْمُقْتَدِي فَاسِدَةٌ إِذَا اخْتَلَفَ نِيَّةُ الْإِمَامِ وَنِيَّةُ الْمَأْمُومِ

اور اہلِ کوفہ کی ایک قوم کہتی ہے: جو کوئی قوم کسی امام کی اقتداء کرے اور وہ عصر کی نماز پڑھا رہا تھا اور وہ اسے ظہر کی نماز گمان کر رہے تھے تو اس نے ان کو نماز پڑھا دی اور انہوں نے اس کی اقتداء کی تو بے شک مقتدی کی نماز فاسد ہے کیونکہ امام ومقتدی کی نیت میں اختلاف ہے۔

شرح حدیث

علامہ علی بن سلطان محمد القاری حنفی فرماتے ہیں:

"((پس وہ اپنی قوم کی امامت کرواتے)) قاضی نے کہا کہ حدیث پاک اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ فرض پڑھنے والا نفل پڑھنے والے کی اقتداء کرسکتا ہے کیونکہ جس نے فرض ادا کرلیے پھران کا اعادہ کیا تو دوبارہ پڑھے جانے والی نماز نفل ہوگی، ابن ملک نے کہا کہ یہی امام شافعی کا مؤقف ہے۔(علامہ علی قاری فرماتے ہیں) نیت ایسا معاملہ ہے کہ اس پر مطلع نہیں ہوسکتے مگر نیت کرنے والے کے خبر دینے سے، ہوسکتا ہے کہ حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ نفل کی نیت سے نماز پڑھتے ہوں تاکہ سنت طریقہ پر نماز سیکھیں، اقتداء سے برکتیں حاصل کریں اور اپنے آپ سے نفاق کی تہمت کو دور کریں، پھر اپنی قوم کے پاس آکر انہیں فرض نماز پڑھائیں تاکہ دونوں فضیلتیں پالیں، اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی کہ عشاء میں تاخیر اصح مذہب پر افضل ہے۔اس پر محمول کرنا اولی ہے کیونکہ اس (یعنی متنفل کا متفرض کی اقتداء کرنے) کا جواز متفق علیہ ہے۔"

(مرقاۃ المفاتیح، باب القراءۃ فی الصلاۃ، ج2، ص690، دار الفکر، بیروت)

یہ اس صورت میں ہے کہ یہاں مغرب کی نماز سے مراد عشاء کی نماز ہو جیسا کہ بعض روایات میں ہے اور اگر یہاں مغرب کی نماز ہی مراد ہو تو یہ بھی ہوسکتا ہے کہ حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مغرب کی نماز رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اقتداء میں ادا کرتے اور عشاء کی نماز میں اپنی قوم کی امامت کرتے۔

نفل پڑھنے والے کے پیچھے فرض نماز پڑھنے کے بارے میں مذاہب ائمہ

احناف اور مالکیہ کا مؤقف یہ ہے کہ نفل پڑھنے والے کے پیچھے فرض نماز پڑھنے والے کی نماز صحیح نہیں، حنابلہ کی اس بارے میں دو روایتیں ہیں، ایک قول پر درست نہیں اور ایک پر درست ہے۔ان کے اکثر اصحاب کے نزدیک نماز درست نہیں۔جبکہ شوافع کے نزدیک نفل پڑھنے کے پیچھے فرض پڑھنے والے کی اقتداء درست ہے۔

احناف کا مؤقف

علامہ محمد بن احمد سرخسی حنفی (متوفی 483ھ) فرماتے ہیں:

"ہمارے نزدیک مفترض (فرض پڑھنے والا) متنفل (نفل پڑھنے والے) کے پیچھے نماز پڑھے تو اس کی اقتداء درست نہیں ہوگی۔ جبکہ امام شافعی کے نزدیک درست ہوگی اور ان کی دلیل حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث پاک ہے۔

ہماری ایک دلیل یہ حدیث پاک ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((اَلْاِمَامُ ضَامِنٌ)) (ترجمہ: امام ضامن ہے)، اس کا معنی یہ ہے کہ اس کی نماز قوم کی نماز کو متضمن ہے، اور مافوق چیز ہی دوسری چیز کو اپنے اندر شامل کر سکتی ہے، جو کم ہو وہ نہیں کر سکتی۔" (المبسوط للسرخسی، اذان المرأۃ، ج1، ص136,137، دار المعرفہ، بیروت)

علامہ ابو بکر بن مسعود کاسانی حنفی فرماتے ہیں:

ہماری ایک دلیل یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے لوگوں کو نمازِ خوف پڑھائی اور ان کے دو گروہ بنائے اور ہر گروہ کو نماز کا ایک حصہ پڑھایا تاکہ ہر گروہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھنے کی فضیلت کو پالے، اگر مفترض کی متنفل کے پیچھے اقتداء جائز ہوتی تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پہلے گروہ کو مکمل نماز پڑھا دیتے اور پھر نفل کی نیت فرما لیتے اور دوسرا گروہ آپ کے پیچھے اپنی فرض نماز ادا کر لیتا، اس طرح ہر گروہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھنے کی فضیلت کو پالیتا اور نماز میں چلنے اور افعال کثیرہ کرنے کی حاجت نہ پیش آتی۔

(بدائع الصنائع، فصل شرائط ارکان الصلاۃ، ج1، ص143، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

علامہ سرخسی فرماتے ہیں:

حدیثِ معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تاویل یہ ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ نفل کی نیت سے نماز پڑھتے تاکہ قراءت کی سنت سیکھیں پھر قوم کے پاس آئیں اور انہیں فرض نماز پڑھائیں۔

(المبسوط للسرخسی، اذان المرأۃ، ج1، ص137، دار المعرفہ، بیروت)

مالکیہ کا موقف

علامہ احمد بن غانم النفراوی مالکی (متوفی 1126ھ) فرماتے ہیں:

فرض پڑھنے والے کی نفل پڑھنے والے کی اقتداء کرنا صحیح نہیں۔

(الفواکہ الدوانی، بیان حکم المأموم فی الصلاۃ، ج1 ص 206، دار الفکر، بیروت)

شوافع کا مؤقف

علامہ ابو الحسین یحیی بن ابی الخیر یمنی شافعی (متوفی 558ھ) فرماتے ہیں:

فرض پڑھنے والے کے لیے جائز ہے کہ وہ نفل پڑھنے والے کی اقتداء کرنے...... ہماری دلیل حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث پاک ہے۔ (البیان فی مذہب الامام الشافعی، فرع صلاۃ الفریضۃ خلف المتنفل، ج2، ص410، دار المنہاج، جدہ)

حنابلہ کا مؤقف

علامہ ابن قدامہ حنبلی فرماتے ہیں:

"مفترض کے متنفل کے پیچھے نماز پڑھنے کے بارے میں دو روایتیں ہیں، ایک یہ کہ یہ صحیح نہیں، امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر نص فرمائی ہے ابو الحارث اور حنبل کی روایت میں، اور اسے ہمارے اکثر اصحاب نے اختیار کیا ہے اور یہی امام زہری، امام مالک اور اصحاب رائے کا قول ہے، کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((إِنَّمَا جُعِلَ الْإِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهِ فَلَا تَخْتَلِفُوا عَلَيْهِ)) (ترجمہ: امام اس لیے بنایا جاتا ہے کہ اس کی پیروی کی جائے تو اس پر مختلف نہ ہو)، اسے بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے۔

اور دوسری روایت یہ ہے کہ مفترض کی نماز متنفل کے پیچھے ہو جاتی ہے، اسے اسماعیل بن سعید نے نقل کیا ہے، اس قول کی دلیل حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث پاک ہے۔"

(المغنی لابن قدامہ، فصل صلاۃ المفترض خلف المتنفل، ج2، ص166، مکتبۃ القاہرہ)

باب نمبر 405

مَا ذُكِرَ مِنَ الرُّخْصَةِ فِي السُّجُودِ عَلَى الثَّوْبِ فِي الْحَرِّ وَالْبَرْدِ

سردی اور گرمی میں کپڑے پر سجدہ کرنے کے حوالے سے رخصت

584- حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ الْمُبَارَكِ قَالَ :أَخْبَرَنَا خَالِدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، قَالَ :حَدَّثَنِي غَالِبٌ الْقَطَّانُ، عَنْ بَكْرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ الْمُزَنِيِّ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: كُنَّا إِذَا صَلَّيْنَا خَلْفَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالظَّهَائِرِ سَجَدْنَا عَلَى ثِيَابِنَا اتِّقَاءَ الْحَرِّ، قَالَ ابوعيسىٰ: هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَفِي الْبَابِ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، وَابْنِ عَبَّاسٍ، وَقَدْ رَوَى وَكِيعٌ هٰذَا الْحَدِيثَ، عَنْ خَالِدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ

حدیث: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرمایا: ''جب ہم نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے گرمی کی نمازیں پڑھا کرتے تو ہم گرمی سے بچنے کے لئے اپنے کپڑوں پر سجدہ کیا کرتے تھے۔''

امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

اور اس باب میں حضرت جابر بن عبداللہ اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم سے بھی روایات مروی ہیں اور تحقیق وکیع نے اس حدیث کو خالد بن عبدالرحمٰن سے روایت کیا۔

شرح حدیث

علامہ علی بن سلطان محمد القاری حنفی فرماتے ہیں:

"((اپنے کپڑوں پر سجدہ کیا کرتے تھے))اکثر فقہاء کے نزدیک یہاں کپڑوں سے مراد پہنے ہوئے کپڑے ہیں، اس کی تاویل امام شافعی نے یہ کی ہے کہ یہاں وہ کپڑا مراد ہے جو نماز کے لیے بچھایا ہو کیونکہ ان کے نزدیک پہنے ہوئے کپڑے پر نماز جائز نہیں..... عمامہ کے شملے وغیرہ پہنے ہوئے کپڑے پر سجدہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک مکروہ ہے مگر ضرورت کے وقت کراہت مندفع ہو جائے گی، ہر تقدیر پر یہ حدیث پاک شوافع کے خلاف حجت ہے۔

(مرقاۃ المفاتیح، باب تعجیل الصلوات، ج2،ص526، دار الفکر، بیروت)

علامہ محمد بن عبد الہادی سندی (متوفی 1138ھ) فرماتے ہیں:

"ظاہر یہ ہے کہ یہ وہ کپڑے ہوتے تھے جو انہوں نے پہنے ہوتے تھے کیونکہ اس وقت کپڑے قلیل ہوتے تھے تو ان کے پاس فاضل کپڑے کہاں سے ہوں گے، تو یہ حدیث پاک اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ نمازی اپنے پہنے ہوئے کپڑے پر سجدہ کر سکتا ہے جیسا کہ جمہور کا مؤقف ہے۔"

(حاشیۃ السندی علی سنن النسائی، کتاب الافتتاح، ج2،ص216,217، مکتب المطبوعات الاسلامیہ، حلب)

فوائد حدیث

علامہ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں:

(1) اس حدیث پاک میں کپڑوں کے استعمال کے جواز کا بیان ہے۔

(2) اسی طرح اس حدیث پاک میں گرمی اور سردی سے بچنے کے لیے زمین اور نمازی کے درمیان کپڑے وغیرہ حائل کرنے کے جواز کا بیان ہے۔

(3) اور اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ سجدے کے لیے زمین کا استعمال اصل ہے کہ یہاں کپڑا بچھانے کو عدمِ استطاعت کے ساتھ معلق کیا گیا ہے۔

(4)اس حدیث پاک سے استدلال کیا گیا ہے کہ ایسے کپڑے پر (بھی) نماز جائز ہے جو نمازی سے متصل ہو ،علامہ نووی نے فرمایا: اسی کے قائل امام ابوحنیفہ اور جمہور علماء ہیں اور امام شافعی نے اسے منفصل یعنی نمازی سے جدا کپڑے پر محمول کیا ہے۔ (فتح الباری لابن حجر، باب السجود علی الثوب فی شدۃ الحر، ج 1 ص 493، دار المعرفہ، بیروت)

پہنے ہوئے کپڑے پر سجدہ کرنے کے بارے میں مذاہب ائمہ اور دلائل پر بحث ونظر

احناف، مالکیہ اور حنابلہ کا مؤقف یہ ہے کہ پہنے ہوئے کپڑے پر بھی سجدہ کر سکتے ہیں، البتہ احناف کے نزدیک بلاضرورت مکروہ تنزیہی ہے اور اگر گرمی یا سردی کی وجہ سے ضرورت ہو تو مکروہ تنزیہی بھی نہیں جبکہ شوافع کے نزدیک یہ ہے کہ صرف اسی کپڑے کو سجدے کے لیے بچھا سکتے ہیں جو جسم سے متصل نہ ہو، پہنا ہوا نہ ہو۔

علامہ شرنبلالی فرماتے ہیں:

شملہ پر سجدہ کرنا مکروہ تنزیہی ہے کیونکہ مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب عمامہ کے شملے پر سجدہ کیا کرتے تھے جواز کی تعلیم کے طور پر، لہذا یہ مکروہ تحریمی نہیں، اور یہ بات مخفی نہیں کہ یہ کراہت تنزیہی بھی عدمِ عذر کی صورت میں ہے۔ (حاشیہ شرنبلالی علی درر الحکام، ج 1 ص 72، دار احیاء الکتب العربیہ، بیروت)

اس باب کی حدیث پاک صحیح بخاری میں اس طرح ہے کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ((كُنَّا نُصَلِّي مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ تعالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي شِدَّةِ الحَرِّ، فَإِذَا لَمْ يَسْتَطِعْ أَحَدُنَا أَنْ يُمَكِّنَ وَجْهَهُ مِنَ الأَرْضِ بَسَطَ ثَوْبَهُ فَسَجَدَ عَلَيْهِ)) ترجمہ: ہم نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ شدید گرمی میں نماز پڑھا کرتے تھے تو جب ہم میں سے کسی کے لیے زمین پر اپنا چہرہ رکھنا ممکن نہ ہوتا تو وہ اپنا کپڑا بچھا دیتا اور اس پر سجدہ کرتا۔

(صحیح بخاری، باب بسط الثوب فی الصلاۃ للسجود، ج 2 ص 64، دار طوق النجاۃ)

اس حدیث پاک کو بیان کرنے کے بعد علامہ محمود بدر الدین عینی حنفی فرماتے ہیں:

اس حدیث پاک کی ائمہ ستہ نے تخریج کی ہے، امام نسائی کے الفاظ یہ ہیں: ((كنا إذا صلينا خلف رسول الله عليه السلام بالظهائر سجدنا على ثيابنا اتقاء الحر)) (ترجمہ: ہم دوپہر میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھتے تھے، ہم گرمی سے بچنے کے لیے اپنے کپڑوں پر سجدہ کرتے تھے)

اور امام ابن ابی شیبہ کے الفاظ یہ ہیں:((كنا نصلي مع النبي عليه السلام في شدة الحر والبَرْد فيَسجُد على ثوبه))(ہم گرمی اور سردی کی شدت میں نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھتے تھے تو ہر شخص اپنے کپڑے پر سجدہ کرتا تھا)

امام ابن ابی شیبہ نے مزید حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا کہ((أن النبي عليه السلام صلى في ثوب واحدٍ يتقي بفضوله حر الأرض وبَرْدها))(نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک کپڑے میں نماز فرمائی اور اس کے زائد حصے سے زمین کی گرمی اور سردی سے بچاؤ کیا)

حضرت ابراہیم نخعی سے روایت ہے، فرماتے ہیں:((صلى عمر ذات يوم بالناس الجمعةَ في يوم شديد الحر، فطرح طرف ثوبه بالأرض فجعل يسجد عليه، ثم قال: يا أيها الناسُ، إذا وجد أحدكم الحر فليَسْجد على طرف ثوبه))(ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک دن لوگوں کو شدید گرمی میں نمازِ جمعہ پڑھائی، پس انہوں نے اپنے کپڑے کی ایک طرف زمین پر ڈال دی اور اس پر سجدہ کیا پھر(سلام پھیرنے کے بعد) فرمایا: اے لوگو! جب تم میں سے کوئی گرمی پائے تو اپنے کپڑے کی ایک طرف پر سجدہ کر لے۔)

حضرت زید بن وہب نے بھی اسے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بیان کیا ہے۔

حضرت ابراہیم نخعی اور حضرت عطا نے اس کا حکم دیا، حضرت مجاہد نے اسے خود کیا، حضرت حسن بصری فرماتے ہیں کہ ایسا کرنے میں حرج نہیں، اور یہی امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام احمد، امام اسحاق، امام شعبی، طاؤس اور اوزاعی کا موقف ہے۔

اور امام شافعی فرماتے ہیں کہ ایسا کرنا جائز نہیں۔ اور مذکورہ بالا احادیث امام شافعی کے خلاف حجت ہیں۔ علامہ خطابی نے کہا کہ امام شافعی کے نزدیک حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث کی تاویل یہ ہے کہ وہ ایسا کپڑا بچھائے جو اس نے پہنا ہوا نہ ہو۔ میں(علامہ عینی) یہ کہتا ہوں کہ مذکورہ بالا احادیث اس تاویل کا رد کرتی ہیں اور اس تاویل کو مخدوش قرار دیتی ہیں۔

(شرح ابی داؤد للعینی، باب الرجل یسجد علی ثوبہ، ج3، ص207,208، مکتبۃ الرشد، ریاض)

باب نمبر 406

ذِكْرِ مَا يُسْتَحَبُّ مِنَ الْجُلُوسِ فِي الْمَسْجِدِ بَعْدَ صَلَاةِ الصُّبْحِ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ

صبح کی نماز کے بعد سورج طلوع ہونے تک بیٹھنا مستحب ہے

585-حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ قَالَ :حَدَّثَنَا أَبُو الْأَحْوَصِ، عَنْ سِمَاكٍ، عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ، قَالَ :كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا صَلَّى الْفَجْرَ قَعَدَ فِي مُصَلَّاهُ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ ،قال ابوعيسىٰ: هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

حدیث: جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا: نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم جب فجر کی نماز پڑھتے تو اپنی جگہ تشریف فرمارہتے حتیٰ کہ سورج طلوع ہو جاتا۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

586-حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُعَاوِيَةَ الْجُمَحِيُّ الْبَصْرِيُّ قَالَ :حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ مُسْلِمٍ قَالَ :حَدَّثَنَا أَبُو ظِلَالٍ، عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :مَنْ صَلَّى الْغَدَاةَ فِي جَمَاعَةٍ ثُمَّ قَعَدَ يَذْكُرُ اللَّهَ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ، ثُمَّ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ كَانَتْ لَهُ كَأَجْرِ حَجَّةٍ وَعُمْرَةٍ ، قَالَ:قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:تَامَّةٍ تَامَّةٍ تَامَّةٍ،قال ابوعيسىٰ: هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ "وَسَأَلْتُ مُحَمَّدَ بْنَ إِسْمَاعِيلَ:عَنْ أَبِي ظِلَالٍ؟ فَقَالَ:هُوَ مُقَارِبُ الْحَدِيثِ، قَالَ مُحَمَّدٌ:وَاسْمُهُ هِلَالٌ

حدیث: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: ''جو صبح کی نماز جماعت سے پڑھے، پھر اللہ عزوجل کا ذکر کرنے کے لئے بیٹھے حتیٰ کہ سورج طلوع کر آئے پھر دو رکعتیں پڑھے تو اس کے لئے ایک حج اور عمرہ کا اجر ہے۔'' کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: پورا ہے، پورا ہے، پورا ہے۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ حدیث حسن غریب ہے۔ میں نے امام محمد بن اسماعیل سے ابوظلال کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے ارشاد فرمایا: وہ مقارب الحدیث ہیں۔ امام محمد بخاری کہتے ہیں: ان کا نام ہلال ہے۔

شرح حدیث

علامہ علی بن سلطان محمد القاری حنفی فرماتے ہیں:

((پھر اللہ عزوجل کا ذکر کرنے کے لئے بیٹھے)) یعنی اپنے اس مکان میں رہے اور اس مسجد میں رہے جس میں نماز پڑھی ہے، لہذا یہ مسجد ہی میں طواف کے لیے، طلب علم کے لیے اور مجلسِ وعظ کے لیے قیام کے منافی نہیں۔ بلکہ اگر وہ اپنے گھر کی طرف لوٹ آتا ہے اور لگاتار ذکر کرتا رہتا ہے تو اس کے لیے بھی یہی فضیلت ہے۔

((حتی کہ سورج طلوع کر آئے پھر دو رکعتیں پڑھے)) علامہ طیبی نے کہا: یعنی سورج کے ایک نیزہ بلند ہونے کے بعد نماز پڑھے یہاں تک کہ مکروہ وقت نکل جائے اور اس نماز کو نماز اشراق کہتے ہیں اور یہ چاشت کی نماز سے پہلے ہوتی ہے۔

((اس)) یعنی ثواب، علامہ ابن حجر نے اسے بعید قرار دیا اور فرمایا: اس سے مراد ہے: یہ حالت جو کہ ان تمام صفات سے مرکب ہو۔

((کے لیے حج اور عمرہ کا اجر ہے، حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: پورا ہے، پورا ہے، پورا ہے)) یہ حج وعمرہ کی صفت ہے، اس کی تکرار تین مرتبہ کرنا مبالغہ کے لیے ہے۔ اور کہا گیا کہ یہاں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول کا اعادہ کیا گیا تاکہ یہ وہم نہ ہو کہ تاکید وتکرار حضرت انس کا قول ہے۔

علامہ طیبی نے فرمایا: یہ تشبیہ ناقص کو کامل کے ساتھ ملانے کی قبیل سے ہے ترغیب دلانے کے لیے، یا یہ اس طور پر تشبیہ دی گئی ہے کہ نمازی کو نماز کی طرف نسبت کرتے ہوئے مکمل اجر دیا جائے گا جیسا کہ حج وعمرہ کرنے والوں کو حج وعمرہ کی طرف نسبت کرتے ہوئے مکمل اجر دیا جاتا ہے۔ بہر حال حج وعمرہ کا وصف تمامیت کے ساتھ بیان کرنے میں مبالغہ کی طرف اشارہ ہے۔

(مرقاۃ المفاتیح، باب الذکر بعد الصلاۃ، ج2، ص770، دار الفکر، بیروت)

باب نمبر 407

مَا ذُكِرَ فِي الِالْتِفَاتِ فِي الصَّلَاةِ

نماز میں التفات کرنا

587۔حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ، وَغَيْرُ وَاحِدٍ، قَالُوا :حَدَّثَنَا الفَضْلُ بْنُ مُوسَى، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ سَعِيدِ بْنِ أَبِي هِنْدٍ، عَنْ ثَوْرِ بْنِ زَيْدٍ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَلْحَظُ فِي الصَّلَاةِ يَمِينًا وَشِمَالًا، وَلَا يَلْوِي عُنُقَهُ خَلْفَ ظَهْرِهِ ،قال ابوعيسى:هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ، وَقَدْ خَالَفَ وَكِيعٌ الفَضْلَ بْنَ مُوسَى فِي رِوَايَتِهِ

حدیث:حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے: بے شک رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نماز میں دائیں بائیں ملاحظہ فرمایا کرتے تھے اور اپنی گردن کو اپنی پیٹھ پیچھے نہیں پھیرا کرتے تھے۔

امام ابوعیسی ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ حدیث غریب ہے اور وکیع نے فضل بن موسی کی اس کی روایت میں مخالفت کی ہے۔

588۔حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ قَالَ : حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ سَعِيدِ بْنِ أَبِي هِنْدٍ، عَنْ بَعْضِ أَصْحَابِ عِكْرِمَةَ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَلْحَظُ فِي الصَّلَاةِ، فَذَكَرَ نَحْوَهُ .وَفِي البَابِ عَنْ أَنَسٍ، وَعَائِشَةَ

حدیث:عبداللہ بن سعید بن ابو ہند بعض اصحابِ عکرمہ سے روایت کرتے ہیں کہ "بے شک نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں گوشہ چشم سے دیکھا کرتے تھے۔" تو انہوں نے اس کی مثل ذکر فرمایا۔

اور اس باب میں حضرت انس اور عائشہ رضی اللہ عنہما سے بھی روایات مروی ہیں۔

589۔حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ حَاتِمٍ البَصْرِيُّ قَالَ :حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ الأَنْصَارِيُّ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ زَيْدٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ المُسَيِّبِ، عَنْ أَنَسٍ قَالَ :قَالَ لِي رَسُولُ اللَّهِ

حدیث :حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرمایا :مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے میرے بیٹے! نماز میں اِدھر اُدھر التفات کرنے سے بچو کیونکہ نماز میں التفات کرنا ہلاکت ہے تو اگر ضروری ہو تو نفل میں

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :يَا بُنَيَّ، إِيَّاكَ وَالِالْتِفَاتَ فِي الصَّلَاةِ، فَإِنَّ الِالْتِفَاتَ فِي الصَّلَاةِ هَلَكَةٌ، فَإِنْ كَانَ لَا بُدَّ فَفِي التَّطَوُّعِ لَا فِي الفَرِيضَةِ ،قال ابوعيسیٰ :هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ

کرلونہ کہ فرض میں۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ حدیث حسن غریب ہے۔

590- حَدَّثَنَا صَالِحُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ : حَدَّثَنَا أَبُو الأَحْوَصِ، عَنْ أَشْعَثَ بْنِ أَبِي الشَّعْثَاءِ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ مَسْرُوقٍ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ :سَأَلْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الِالْتِفَاتِ فِي الصَّلَاةِ، قَالَ :هُوَ اخْتِلَاسٌ يَخْتَلِسُهُ الشَّيْطَانُ مِنْ صَلَاةِ الرَّجُلِ ،قال ابوعيسیٰ: هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ

حدیث: حضرت سیدتنا عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز میں التفات کرنے کے بارے میں سوال کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: یہ شیطان کا جھپٹا مارنا ہے جو وہ آدمی کی نماز میں اس پر جھپٹتا ہے۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ حدیث حسن غریب ہے۔

شرح حدیث

علامہ محمود بدرالدین عینی حنفی فرماتے ہیں:

((یہ شیطان کا جھپٹا مارنا جو وہ آدمی کی نماز میں اس پر جھپٹتا ہے)) حدیث پاک کا معنی یہ ہے کہ نمازی جب دائیں یا بائیں التفات کرتا ہے تو اس وقت شیطان اس پر کامیاب ہو جاتا ہے اور اسے عبادت سے غافل کر دیتا ہے، اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ غیر مقصود میں اشتغال کے سبب عدمِ حضورِ قلب کی وجہ سے سہو ہو جاتا ہے یا غلطی ہو جاتی ہے، اور جب یہ فعل ناپسندیدہ ہے تو اسے شیطان کی منسوب کیا گیا۔ اسی وجہ سے علماء نے نماز میں التفات کو مکروہ قرار دیا ہے۔ مصنف ابن ابی شیبہ میں حَکَم سے ہے کہ نماز کی تمامیت سے یہ ہے کہ تو نہ جانے کہ تیرے دئیں جانب کون ہے اور تیرے بائیں جانب کون ہے۔ اور اس میں یہ روایت بھی ہے کہ حضرت عطا کہتے ہیں:((سمعت أبا هريرة يقولُ:إذا صليت فإن ربك أمامك وأنت مُناجيه فلا تلتفت))(ترجمہ: میں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرماتے سنا کہ جب تو نماز پڑھتا ہے تو تیرا رب تیرے سامنے ہوتا ہے اور تو اس سے مناجات کر رہا ہوتا ہے لہذا اِدھر اُدھر توجہ مت کرو۔) حضرت عطا فرماتے ہیں:((وبلغني أن الرب يقول" :يا ابن آدم، إلى من تلتفتُ؟ أنا خير لك ممن تلتفت إليه)) ترجمہ: مجھ تک یہ بات پہنچی ہے کہ رب عزوجل فرماتا ہے: اے ابن آدم! میری طرف توجہ کرو، میں تیرے لیے اس سے بہتر ہوں جس کی جانب تم التفات کر رہے ہو۔

(شرح ابی داؤد للعینی، باب الالتفات فی الصلاۃ، ج4،ص135,136،مکتبۃ الرشد، ریاض)

نماز میں التفات کرنے کی مختلف صورتیں اور ان کے احکام

اِدھر اُدھر منہ پھیر کر دیکھنا مکروہ تحریمی ہے، کل چہرہ پھر گیا ہو یا بعض اور اگر منہ نہ پھیرے، صرف کنکھیوں سے اِدھر اُدھر بلا حاجت دیکھے، تو کراہت تنزیہی ہے اور نادراً کسی غرض صحیح سے ہو تو اصلاً حرج نہیں، نگاہ آسمان کی طرف اٹھانا بھی مکروہ تحریمی ہے۔

(فتاوی شامی ملخصاً، باب مایفسد الصلاۃ وما یکرہ، ج1 ص643، دارالفکر، بیروت ☆ بہار شریعت، حصہ 3، ص626، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

سینہ کو قبلہ سے پھیرنا مفسد نماز ہے، جب کہ کوئی عذر نہ ہو یعنی جب کہ اتنا پھیرے کہ سینہ خاص جہت کعبہ سے پینتالیس درجے ہٹ جائے اور اگر عذر سے ہو تو مفسد نہیں، مثلاً حدث کا گمان ہوا اور منہ پھیرا ہی تھا کہ گمان کی غلطی ظاہر ہوئی تو مسجد سے اگر خارج نہ ہوا ہو، نماز فاسد نہ ہوگی۔ (درمختار، باب مایفسد الصلاۃ الخ، ج1 ص626,627، دار الفکر، بیروت)

علامہ علی بن سلطان محمد القاری حنفی فرماتے ہیں:

"((نماز میں التفات کے بارے میں سوال کیا)) یعنی چہرے کی ایک طرف سے، یہ مکروہ (تحریمی) ہے، جبکہ آنکھ کے ایک گوشے سے التفات کیا تو اس میں کوئی حرج نہیں اگرچہ یہ خلاف اولی (یعنی مکروہ تنزیہی) ہے۔ بہر حال اگر کسی نے نماز میں اس طرح التفات کیا کہ اس کا سینہ قبلہ سے پھر گیا تو اس کی نماز بالاتفاق باطل ہے اور کہا گیا کہ جس نے دائیں بائیں التفات کیا (توجہ کی) تو اس کا وہ خشوع چلا گیا جس پر نماز کا کمال موقوف ہے اکثر علماء کے نزدیک اور جس پر نماز کی صحت موقوف ہے بعض کے نزدیک۔ حدیث پاک میں ہے: ((لا یزال اللہ مقبلا علی العبد فی صلاتہ ما لم یلتفت فإذا التفت انصرف عنہ)) ترجمہ: اللہ تعالیٰ نماز میں بندے پر متوجہ رہتا ہے جب تک وہ التفات (اِدھر اُدھر توجہ) نہ کرے اور جب وہ التفات کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے پھر جاتا ہے........ مظہر نے کہا: جس نے دائیں بائیں التفات کیا اور اپنا سینہ قبلہ سے نہ پھیرا تو اس کی نماز باطل نہیں ہوگی لیکن شیطان اس کی نماز کا کمال سلب کر لیتا ہے اور اگر سینہ قبلہ سے پھیر دیا تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی۔ علامہ ابن حجر نے کہا: اس معنی میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ فرمان نص ہے: ((لا یزال اللہ مقبلا علی العبد فی صلاتہ ما لم یلتفت فإذا التفت انصرف عنہ)) (ترجمہ: اللہ تعالیٰ نماز میں بندے پر متوجہ رہتا ہے جب تک وہ التفات (اِدھر اُدھر توجہ) نہ کرے اور جب وہ التفات کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے پھر جاتا ہے) اور یہ رحمت کے عدم مواجہت سے کنایہ ہے۔ اور کہا گیا کہ حرام ہے اگر بغیر حاجت کے جان بوجھ کر کرتا ہے باوجود اس کے کہ اسے حدیث پاک کے بارے میں بھی علم ہے۔ اور صحیح مسلم کی حدیث میں ہے: ((أنہ علیہ السلام لما اشتکی وصلوا وراءہ وھو قاعد التفت إلیھم فرآھم قیاما فأشار إلیھم)) (ترجمہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب بیمار ہوئے اور لوگوں نے آپ کے پیچھے نماز پڑھی اس حال میں کہ آپ بیٹھے ہوئے تھے اور اُن کی طرف التفات فرما رہے تھے، پس آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قیام کی حالت میں دیکھا تو ان کی طرف اشارہ

فرمایا۔اور صحیح حدیث میں یہ بھی ہے:((أنه علیه الصلاۃ والسلام جعل یلتفت وهو یصلی الصبح إلی الشعب لإرساله فارسا إلیه من أجل الحرس))(ترجمہ:آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صبح کی نماز پڑھتے ہوئے گھاٹی کی طرف التفات فرماتے رہے کیونکہ آپ نے ایک گھوڑسوار کو اس کی طرف حفاظت کے لیے بھیجا تھا۔

اور آنکھ کے گوشے کے ساتھ دیکھنے میں حرج نہیں بغیر چہرہ پھیرے اس خبر صحیح کی وجہ سے کہ:((أنه علیه الصلاۃ والسلام کان یلتفت یمینا وشمالا ولا یلوی عنقه خلف ظهره))(آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دائیں بائیں التفات فرمایا کرتے اور اپنی گردن کو پیٹھ پیچھے نہ پھیرتے۔)ہاں اس کا ترک اولی ہے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ایسا کرنا بیانِ جواز کے لیے تھا۔ (مرقاۃ المفاتیح، باب ما لا یجوز العمل فی الصلاۃ الخ، ج2،ص781، دار الفکر، بیروت)

باب نمبر408

مَا ذُكِرَ فِي الرَّجُلِ يُدْرِكُ الإِمَامَ وَهُوَ سَاجِدٌ كَيْفَ يَصْنَعُ

وہ شخص جو امام کو سجدہ کی حالت میں پائے وہ کیا کرے

591- حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ يُونُسَ الْكُوفِيُّ قَالَ: حَدَّثَنَا الْمُحَارِبِيُّ، عَنِ الْحَجَّاجِ بْنِ أَرْطَاةَ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنْ هُبَيْرَةَ، عَنْ عَلِيٍّ، وَعَنْ عَمْرِو بْنِ مُرَّةَ، عَنِ ابْنِ أَبِي لَيْلَى، عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ، قَالَا: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِذَا أَتَى أَحَدُكُمُ الصَّلَاةَ وَالإِمَامُ عَلَى حَالٍ فَلْيَصْنَعْ كَمَا يَصْنَعُ الإِمَامُ، قَالَ ابوعيسى: هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ، لَا نَعْلَمُ أَحَدًا أَسْنَدَهُ إِلَّا مَا رُوِيَ مِنْ هَذَا الْوَجْهِ، "وَالْعَمَلُ عَلَى هَذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ قَالُوا: إِذَا جَاءَ الرَّجُلُ وَالإِمَامُ سَاجِدٌ فَلْيَسْجُدْ وَلَا تُجْزِئُهُ تِلْكَ الرَّكْعَةُ إِذَا فَاتَهُ الرُّكُوعُ مَعَ الإِمَامِ، وَاخْتَارَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ الْمُبَارَكِ أَنْ يَسْجُدَ مَعَ الإِمَامِ، وَذَكَرَ عَنْ بَعْضِهِمْ فَقَالَ: لَعَلَّهُ لَا يَرْفَعُ رَأْسَهُ فِي تِلْكَ السَّجْدَةِ حَتَّى يُغْفَرَ لَهُ"

حدیث: حضرت معاذ بن جبل اور حضرت علی رضی اللہ عنہما سے مروی ہے دونوں حضرات فرماتے ہیں: نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تم میں کوئی نماز میں آئے اور امام کسی بھی حالت پر ہو تو وہ وہی کرے جو امام کر رہا ہے۔

امام ابو عیسیٰ ترمذی رحمہ اللہ نے فرمایا: یہ حدیث غریب ہے ہم اس حدیث کا اس سند کے علاوہ مسند ہونا نہیں جانتے۔ اور اسی پر اہلِ علم کا عمل ہے یہ حضرات فرماتے ہیں: جب کوئی شخص آئے اور امام سجدہ میں ہو تو وہ سجدہ کرے اور اسے یہ رکعت کفایت نہیں کرے گی جب اس کا رکوع امام کے ساتھ فوت ہو جائے اور حضرت عبد اللہ بن مبارک رضی اللہ عنہ نے اس کے امام کے ساتھ سجدہ کرنے کو اختیار کیا ہے اور انہوں نے بعض کے حوالے سے ذکر کیا کہ انہوں نے کہا: شاید کہ وہ اس سجدہ سے سر نہ اٹھائے حتی کہ اس کی بخشش کر دی جائے۔

شرح حدیث

اس حدیث پاک سے دو باتیں معلوم ہوئیں:

ایک یہ کہ جس کی امام سے ایک رکعت یا کچھ رکعتیں رہ جائیں تو وہ پہلے رہ جانے والی رکعتیں پڑھنے کے بجائے امام کے ساتھ مل جائے، اور جب امام سلام پھیرے تو پھر رہ جانے والی رکعتیں پڑھے۔

دوسری بات یہ کہ امام کو جس رکن میں پائے چاہے امام قیام میں ہو، رکوع میں ہو، سجدے میں ہو یا قعدہ میں ہو امام کے ساتھ مل جائے البتہ قیام یا رکوع میں ملے گا تو اس کی وہ رکعت شمار ہوگی اور امام کے رکوع کے بعد ملے گا تو اس کی وہ رکعت شمار نہ ہوگی۔ علامہ حسین بن محمود شیرازی مُظہری حنفی (متوفی 727ھ) اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں:

"مقتدی جب نیت کر کے تکبیر تحریمہ کہے تو امام کی پیروی کرے چاہے امام قیام میں ہو یا رکوع میں ہو یا اس کے علاوہ کسی جگہ ہو، پھر اگر رکوع میں امام کو پالیا تو وہ رکعت شمار ہوگی اور اگر رکوع کے بعد امام کو پایا تو (بھی) امام کی موافقت کرے مگر وہ رکعت شمار نہ ہوگی۔" (المفاتیح فی شرح المصابیح، باب ما علی الماموم الخ، ج2، ص245، دار النوادر، وزارۃ الاوقاف الکویتیہ)

علامہ علی بن سلطان محمد القاری حنفی فرماتے ہیں:

"((جب تم میں کوئی نماز میں آئے اور امام کسی بھی حالت پر ہو)) یعنی قیام میں ہو، رکوع میں ہو، سجدے میں ہو یا قعود میں ہو ((تو وہ وہی کرے جو امام کر رہا ہے)) یعنی امام کے ان افعال میں اس کی اقتداء کرے، نہ اس سے متقدم ہو نہ متاخر ہو۔ ابن ملک نے کہا کہ امام قیام یا رکوع وغیرہ جس میں ہو اس کی موافقت کرے یعنی امام کے قیام کی طرف لوٹنے کا انتظار نہ کرے جیسا کہ عوام کرتی ہے۔" (مرقاۃ المفاتیح، باب ما علی الماموم من المتابعۃ الخ، ج3، ص879، دار الفکر، بیروت)

ورودِ حدیث کا سبب

علامہ عبد الرحمٰن بن ابی بکر جلال الدین سیوطی شافعی فرماتے ہیں:

"اس حدیث پاک کا سببِ ورود امام طبرانی نے حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے تخریج کیا ہے، کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عہد میں جب کوئی نماز میں مسبوق ہو جاتا یعنی جماعت سے کچھ رکعتیں رہ جاتیں تو وہ نماز میں موجود لوگوں

سے سوال کرتا تو لوگ اسے اشارے سے بتایا دیتے کہ اس کی کتنی رکعتیں ہوگئی ہیں، پس وہ پہلے رہنے والی رکعتیں پڑھتا پھر نماز کی جماعت میں شامل ہو جاتا، اور (جب ایک مرتبہ) حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ آئے اور قوم قعدے میں بیٹھی ہوئی تھی تو آپ ان کے ساتھ بیٹھ گئے، جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سلام پھیرا تو یہ کھڑے ہوئے تو رہ جانے والی نماز پڑھی۔ تو اس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((اصنعوا ما صنع معاذ)) ترجمہ: تم لوگ اس طرح کرو جس طرح معاذ نے کیا ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ میں، امام اور قوم کو جس حال میں پاتا ہوں تو اسی میں شامل ہو جاتا ہوں تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((قد سن لکم معاذ فاقتدوا بہ إذا جاء أحدکم وقت سبق بشیء من الصلاۃ فلیصل مع الامام بصلاتہ فإذا فرغ الامام فلیقض ما سبق بہ)) ترجمہ: معاذ نے تمارے لیے ایک سنت قائم کی ہے تو اس کی اقتداء کرو، جب تم میں سے کسی کی نماز میں سے کچھ رہ جائے تو وہ امام کی نماز کے ساتھ مل جائے، پس جب امام فارغ ہو تو رہ جانے والی نماز پڑھے۔"

(اللمع فی اسباب ورود الحدیث، باب الصلاۃ، ص 40، مکتب البحوث والدراسات فی دار الفکر للطباعۃ والنشر والتوزیع)

حدیث الباب کی سند کلام

علامہ علی بن سلطان محمد القاری حنفی فرماتے ہیں:

((امام ابو عیسی ترمذی نے فرمایا: یہ حدیث غریب ہے ہم اس حدیث کا اس سند کے علاوہ مسند ہونا نہیں جانتے۔ اور اسی پر اہلِ علم کا عمل ہے)) علامہ نووی نے فرمایا: اس کی سند ضعیف ہے، اسے میرک نے نقل کیا، تو گویا کہ امام ترمذی اہل علم کے عمل سے حدیث کی تقویت کا ارادہ کر رہے ہیں، اور علم اللہ تعالیٰ کے پاس ہے جیسا کہ شیخ محی الدین ابن عربی نے فرمایا: مجھ تک نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی یہ حدیث پاک پہنچی: ((من قال: لا إلہ إلا اللہ سبعین ألفا غفر لہ ومن قیل لہ غفر لہ أیضا)) (جس نے ستر ہزار مرتبہ لا الہ الا اللہ کہا تو اس کی بخشش کردی جائے گی اور جس کے لیے پڑھا گیا اس کی بھی بخشش کردی جاتی ہے) تو میں نے اتنی تعداد میں کلمہ مبارک پڑھ لیا اور کسی مخصوص فرد کے لیے نیت نہ کی، ایک مرتبہ بعض اصحاب کے ساتھ کسی کھانے میں حاضر ہو، اس محفل میں ایک نوجوان تھا جس کا کشف کافی مشہور تھا، پس وہ کھانے کے دوران رونے لگا، تو میں نے اس سے رونے کا سبب پوچھا تو اس نے جواب دیا کہ میں اپنی ماں کو عذاب

میں دیکھ رہا ہوں، تو میں نے دل ہی دل میں کلمہ کا مذکورہ ثواب اس کی والدہ کو ایصال کر دیا تو وہ نوجوان ہنسنے لگا اور اس نے بتایا کہ اب میں اپنی ماں کو اچھے ٹھکانے میں دیکھ رہا ہوں۔ شیخ کہتے ہیں کہ میں نے حدیث کی صحت اس نوجوان کے کشف سے پہچان لی اور اس کے کشف کی صحت حدیث پاک سے جان لی۔

(مرقاۃ المفاتیح، باب ما علی الماموم من المتابعۃ الخ، ج3، ص879، دار الفکر، بیروت)

باب نمبر 409

كَرَاهِيَةِ أَنْ يَنْتَظِرَ النَّاسُ الإِمَامَ وَهُمْ قِيَامٌ عِنْدَ افْتِتَاحِ الصَّلَاةِ

لوگوں کا نماز شروع کرتے ہوئے کھڑے ہونے کی حالت میں امام کا انتظار کرنا مکروہ ہے

592- حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ الْمُبَارَكِ قَالَ: أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ، عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي قَتَادَةَ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِذَا أُقِيمَتِ الصَّلَاةُ فَلَا تَقُومُوا حَتَّى تَرَوْنِي خَرَجْتُ وَفِي الْبَابِ عَنْ أَنَسٍ وَحَدِيثُ أَنَسٍ غَيْرُ مَحْفُوظٍ، قال ابوعيسى: حَدِيثُ أَبِي قَتَادَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ، وَقَدْ كَرِهَ قَوْمٌ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ أَنْ يَنْتَظِرَ النَّاسُ الإِمَامَ وَهُمْ قِيَامٌ وَقَالَ بَعْضُهُمْ: إِذَا كَانَ الإِمَامُ فِي الْمَسْجِدِ فَأُقِيمَتِ الصَّلَاةُ فَإِنَّمَا يَقُومُونَ إِذَا قَالَ الْمُؤَذِّنُ: قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ، قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ، وَهُوَ قَوْلُ ابْنِ الْمُبَارَكِ

حدیث: عبداللہ بن ابوقتادہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب اقامت کہی جائے تو تم کھڑے نہ ہوا کرو حتیٰ کہ مجھے نکلتے ہوئے دیکھ لو۔

اور اس باب میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بھی روایت مروی ہے اور حدیثِ انس رضی اللہ عنہ غیر محفوظ ہے۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کی حدیث حسن صحیح ہے۔ اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب وغیرہ میں سے اہلِ علم کی ایک قوم نے کھڑے ہونے کی حالت میں لوگوں کے امام کا انتظار کرنے کو مکروہ قرار دیا ہے۔ اور بعض نے کہا: جب امام مسجد میں ہو اور اقامت کہی گئی تو لوگ اس وقت کھڑے ہوں جب مؤذن "قد قامت الصلاة، قد قامت الصلاة" کہے، اور یہ حضرت عبداللہ بن مبارک رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔

شرح حدیث

((وَلَا تَقُوْمُوْا حَتّٰی تَرَوْنِی)) کی شرح

علامہ عبدالرحمٰن ابن جوزی (متوفی 597ھ) فرماتے ہیں:

((جب اقامت کہی جائے تو تم کھڑے نہ ہو یہاں تک کہ تم مجھ کو دیکھ لو)) جب اقامت کہی جائے اور امام موجود نہ ہو تو مقتدی کا کھڑا ہونا مسنون نہیں ہے، کیونکہ قیام فی نفسہ مقصود نہیں بلکہ نماز شروع کرنے کے لئے ہے، تو جب اقامت کہی اور نماز شروع نہیں کی تو اُس کا فعل لغو ٹھہرے گا، البتہ جب امام موجود ہو (اور اقامت کہی جائے) تو کس وقت مقتدیوں کا کھڑا ہونا مسنون ہے؟ ہمارا مؤقف یہ ہے کہ "قد قَامَتِ الصَّلَاۃ" کے وقت کھڑے ہوں اور نماز کے لئے تکبیر کہیں جب مؤذن اقامت کہہ چکے۔ اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک "حی علی الصلاۃ" کے وقت کھڑے ہوں اور اقامت کے ذکر یعنی "قدقامت الصلوۃ" پر نماز کی تکبیر کہیں۔ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اقامت کے اختتام پر ہی کھڑے ہونے کا حکم ہے۔ (کشف المشکل من حدیث الصحیحین، کشف المشکل من مسند ابی قتادہ، ج2، ص141، دار الوطن، ریاض)

علامہ علی بن سلطان القاری حنفی (متوفی 1014ھ) فرماتے ہیں:

((اور نہ کھڑے ہو)) نماز کے لئے جب مؤذن اقامت کہے **((یہاں تک کہ تم مجھے دیکھ لو))** مسجد میں، کیونکہ امام کے آنے سے پہلے ہی کھڑا ہو جانا بلا فائدہ اپنے کو تھکانا ہے، ایسا ہی بعض علما نے فرمایا ہے۔ اور غالباً حضور علیہ الصلوۃ والسلام مؤذن کے اقامت شروع کرنے کے بعد حجرے سے باہر تشریف لاتے اور جب مؤذن "حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ" کہتا آپ مسجد کے محراب میں داخل ہو جاتے۔ اسی لئے ہمارے علما فرماتے ہیں: امام اور مقتدی "حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ" کے وقت کھڑے ہوں اور "قَدْ قَامَتِ الصَّلَاۃ" کے وقت نماز شروع کریں۔ اور علامہ ابن حجر کہتے ہیں: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اقامت ختم ہونے پر باہر تشریف لاتے اور اُس وقت صحابہ کو کھڑے ہونے کا حکم فرماتے کیونکہ اس کی طرف ضرورت کا وقت ہے۔ اور اسی وجہ سے ہمارے علما نے فرمایا سنت یہ ہے کہ مقتدی نہ کھڑے ہوں یہاں تک کہ اقامت کہنے والا پوری اقامت کہہ لے، علامہ ابن حجر کا کلام ختم ہوا اور یہ بات (کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

اقامت کے اختتام پر تشریف لاتے) جب ہی درست ہوسکتی ہے جب یہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ثابت ہو، اور یہ بھی ممکن ہے کہ ممانعت مؤذنوں کے لئے ہو یعنی (اے مؤذنوں!) اقامت کے لئے تم کھڑے نہ ہو جب تک مجھے حجرہ اقدس سے باہر تشریف لاتے نہ دیکھ لو۔ (مرقاۃ المفاتیح، باب الاذان، ج2، ص552، دارالفکر، بیروت)

دورانِ اقامت کھڑے ہونے وقت کے بارے میں دیگر ائمہ کے مذاہب

شوافع کا مؤقف

علامہ یحیی بن شرف النووی شافعی (متوفی 676ھ) فرماتے ہیں:

حکم مسئلہ میں شوافع کا مذہب یہ ہے کہ امام اور مقتدی کے لئے مستحب ہے کہ جب تک مؤذن، اقامت سے فارغ نہ ہو جائے، نہ کھڑے ہوں، اور جب فارغ ہو جائے تو فوراً کھڑے ہو جائیں۔

(المجموع شرح المہذب، باب صفۃ الصلوۃ، ج3، ص253، دارالفکر، بیروت)

حنابلہ کا مؤقف

علامہ ابن قدامہ حنبلی فرماتے ہیں:

فرض نماز کے لئے اُس وقت کھڑا ہونا مستحب کہ جب مؤذن "قد قامت الصلاۃ" کہے۔ کیونکہ یہ قیام کی طرف بلانا ہے لہذا اس کی طرف سبقت کرنا مستحب ہے۔ (الکافی فی فقہ الامام احمد، باب صفۃ الصلوۃ، ج1، ص242، دارالکتب العلمیہ، بیروت)

مالکیہ کا مؤقف

علامہ شہاب الدین احمد بن ادریس مالکی (متوفی 684ھ) فرماتے ہیں:

امام مالک نے کتاب میں فرمایا: جب تکبیر کہی جائے تو نمازیوں کے کھڑے ہونے کا کوئی وقت مقرر نہیں ہے کیونکہ ان میں تندرست اور کمزور ہر طرح کے افراد ہوتے ہیں۔ امام ابوحنیفہ نے فرمایا: جب مؤذن "حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ" کہے تو امام کھڑا ہو جائے کیونکہ یہ (بھلائی کی طرف) سبقت کا حکم ہے لہذا اس کی پیروی کرے۔ اور امام زُفر نے فرمایا: "قَدْ قَامَتِ الصَّلَاۃُ" کے وقت کھڑا ہو۔ اور امام مالک نے مجموعہ میں فرمایا: اس وقت کھڑے ہوں کہ اِدھر اقامت ختم ہو اُدھر صفیں سیدھی ہو جائیں۔ (الذخیرہ للقرافی، الفصل الخامس فی الاقامۃ، ج2، ص78، دارالغرب الاسلامی، بیروت)

احناف کا مؤقف

فقہ حنفی میں اس مسئلہ کی تفصیل درج ذیل ہے:

(1) اگر امام و مقتدی مسجد میں موجود ہوں تو حی علی الفلاح کے وقت کھڑے ہونا مستحب ہے، اور ہمارے ہاں عمومی طور پر یہی صورت پیش آتی ہے۔

(2) اگر امام دوران اقامت پیچھے سے آئے تو جس صف کے پاس امام پہنچے وہ کھڑی ہو جائے۔

(3) اگر دوران اقامت امام آگے سے آئے تو اسے دیکھتے ہی مقتدی کھڑے ہو جائیں۔

(4) اوپر تمام صورتیں اس وقت ہیں جب امام اقامت نہ کہہ رہا ہو، اگر امام ہی اقامت کہے اور وہ مسجد میں ہو تو جب وہ اقامت سے فارغ ہو تو اس وقت مقتدی کھڑے ہوں گے اور اگر وہ مسجد سے باہر اقامت کہے تو مقتدی اس وقت کھڑے ہوں جب امام مسجد میں داخل ہو۔

فتاوی ہندیہ میں ہے:

''إِنْ كَانَ الْمُؤَذِّنُ غَيْرَ الْإِمَامِ وَكَانَ الْقَوْمُ مَعَ الْإِمَامِ فِي الْمَسْجِدِ فَإِنَّهُ يَقُومُ الْإِمَامُ وَالْقَوْمُ إِذَا قَالَ الْمُؤَذِّنُ: حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ عِنْدَ عُلَمَائِنَا الثَّلَاثَةِ وَهُوَ الصَّحِيحُ فَأَمَّا إِذَا كَانَ الْإِمَامُ خَارِجَ الْمَسْجِدِ فَإِنْ دَخَلَ الْمَسْجِدَ مِنْ قِبَلِ الصُّفُوفِ فَكُلَّمَا جَاوَزَ صَفًّا قَامَ ذَلِكَ الصَّفُّ وَإِلَيْهِ مَالَ شَمْسُ الْأَئِمَّةِ الْحَلْوَانِيُّ وَالسَّرَخْسِيُّ وَشَيْخُ الْإِسْلَامِ خُوَاهَرْ زَادَهْ وَإِنْ كَانَ الْإِمَامُ دَخَلَ الْمَسْجِدَ مِنْ قُدَّامِهِمْ يَقُومُونَ كَمَا رَأَى الْإِمَامَ وَإِنْ كَانَ الْمُؤَذِّنُ وَالْإِمَامُ وَاحِدٌ فَإِنْ أَقَامَ فِي الْمَسْجِدِ فَالْقَوْمُ لَا يَقُومُونَ مَا لَمْ يَفْرُغْ مِنَ الْإِقَامَةِ وَإِنْ أَقَامَ خَارِجَ الْمَسْجِدِ فَمَشَايِخُنَا اتَّفَقُوا عَلَى أَنَّهُمْ لَا يَقُومُونَ مَا لَمْ يَدْخُلِ الْإِمَامُ الْمَسْجِدَ'' ترجمہ: اگر مؤذن اور امام الگ الگ ہوں، اور مقتدی امام کے ساتھ مسجد میں موجود ہوں تو ہمارے علمائے ثلاثہ (امام ابو حنیفہ، امام ابو یوسف، امام محمد) کے نزدیک امام اور مقتدی اُس وقت کھڑے ہوں جب مؤذن ''حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ'' کہے۔ اور یہ ہی صحیح ہے۔ البتہ اگر امام مسجد سے باہر ہو تو اگر صفوں کی طرف سے مسجد میں داخل ہوا تو جس صف سے گزرتا جائے وہی صف کھڑی ہوتی جائے۔ شمس الائمہ حلوانی، امام سرخسی اور شیخ الاسلام خواہرزادہ کا میلان اسی طرف ہے۔ اور اگر امام سامنے

سے مسجد میں آئے تو اُسے دیکھتے ہی سب کھڑے ہو جائیں۔ اور اگر امام اور مؤذن ایک ہی شخص ہو(یعنی خود امام ہی تکبیر کہے) اگر مسجد میں اقامت کہی تو جب تک پوری تکبیر سے فارغ نہ جائے مقتدی کھڑے نہ ہوں۔ اور اگر اُس نے تکبیر مسجد سے باہر کہی تو ہمارے مشائخ کا اس پر اتفاق ہے کہ اُس وقت تک کھڑے نہ ہوں جب تک امام مسجد میں داخل ہو۔ (فتاوی ہندیہ، الفصل الثانی فی کلمات الاذان والاقامۃ، ج 1، ص 57، دار الفکر، بیروت)

اقامت بیٹھ کر سننے کے بارے میں فقہ حنفی کی نصوص

ہمارے زمانے میں کچھ حنفی کہلانے والے بھی اقامت کی ابتدا ہی میں کھڑے ہو جاتے ہیں اور اس پر اصرار کرتے ہیں، حالانکہ فقہ حنفی میں بوقتِ اقامت اگر امام اور مقتدی مسجد میں موجود ہوں تو حی علی الفلاح پر کھڑے ہونا مستحب ہے بلکہ کھڑے ہو کر اقامت سننے کو فقہاء احناف نے مکروہ لکھا ہے۔

عموی طور پر بوقتِ اقامت امام مقتدیوں کے ساتھ مسجد میں موجود ہوتا ہے، اس صورت میں بیٹھ کر اقامت سننے کے بارے میں فقہ حنفی کی نصوص درج ذیل ہیں:

(1) امام محمد شیبانی (متوفی 189ھ) فرماتے ہیں:

"إِذا كَانَ الإِمَام مَعَهم فِي الْمَسْجِد فإني أحب لَهم أن يقومُوا فِي الصَّفّ إِذا قَالَ الْمُؤَذّن حَيّ على الْفَلاح" ترجمہ: جب مسجد میں امام مقتدیوں کے ساتھ ہو تو مجھے یہ محبوب ہے کہ مقتدی صف میں اُس وقت کھڑے ہوں جب مؤذن "حَيّ على الْفَلاح" کہے۔

(الأصل المعروف بالمبسوط للشیبانی، باب افتتاح الصلوۃ وما یصنع الامام، ج 1، ص 18، ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ، کراچی)

(2) علامہ محمد بن احمد سرخسی (متوفی 483ھ) فرماتے ہیں:

"فإن كان الإمام مع القوم في المسجد، فإني أحب لهم أن يقوموا في الصف إذا قال المؤذن حي على الفلاح" ترجمہ: اگر امام مسجد میں مقتدیوں کے ساتھ ہو تو مجھے پسند ہے کہ صف میں اُس وقت کھڑے ہوں جب مؤذن "حَيّ على الْفَلاح" کہے۔ (مبسوط للسرخسی، باب افتتاح الصلوۃ، ج 1، ص 39، دار المعرفہ، بیروت)

(3) علامہ ابو بکر بن مسعود کاسانی حنفی (متوفی 587ھ) فرماتے ہیں:

''وَالْجُمْلَةُ فِيهِ أَنَّ الْمُؤَذِّنَ إِذَا قَالَ: حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ فَإِنْ كَانَ الْإِمَامُ مَعَهُمْ فِي الْمَسْجِدِ يُسْتَحَبُّ لِلْقَوْمِ أَنْ يَقُومُوا فِي الصَّفِّ، وَعِنْدَ زُفَرَ وَالْحَسَنِ بْنِ زِيَادٍ يَقُومُونَ عِنْدَ قَوْلِهِ: قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ ''ترجمہ: اس کا محصل یہ ہے کہ مؤذن جب ''حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ'' کہے، اگر امام مسجد میں مقتدیوں کے ساتھ ہو تو مقتدیوں کے لئے مستحب ہے کہ صف میں کھڑے ہو جائیں۔ امام زفر اور حسن بن زیاد کا موقف یہ ہے کہ مقتدی اُس وقت کھڑے ہوں جب مؤذن ''قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ'' کہے۔ (بدائع الصنائع، فصل فی سنن حکم التکبیر الخ، ج1، ص200، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

(4) علامہ ابو المعالی برہان الدین محمود بن احمد (616ھ) فرماتے ہیں:

''فإن كان غير الإمام وكان الإمام مع القوم في المسجد، فإنه يقوم الإمام والقوم إذا قال المؤذن: حيّ على الفلاح عند علمائنا الثلاثة رحمهم الله ''ترجمہ: اگر مؤذن امام نہ ہو اور امام مسجد میں مقتدیوں کے ہمراہ ہو تو ہمارے علمائے ثلاثہ کے نزدیک امام اور مقتدی اُس وقت قیام کریں گے جب مؤذن "حیَّ علی الفلاح" کہے۔ (المحیط البرہانی، الفصل السادس عشر فی التغنی والالحان، ج1، ص353، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

(5) علامہ زین الدین ابو عبد اللہ محمد بن ابی بکر حنفی (متوفی 666ھ) فرماتے ہیں

''وَالسّنة قيام الإِمَام وَالْقَوْم عِنْد قَول الْمُؤَذّن حَيّ على الْفَلاح ''ترجمہ: مؤذن کے ''حیَّ علی الفلاح'' کہتے وقت امام اور مقتدیوں کا کھڑا ہونا سنت ہے۔ (تحفۃ الملوک، السادس تکبیرۃ الامام، ج1 ص68، دار البشائر الاسلامیہ، بیروت)

(6) علامہ عبد اللہ بن محمود موصلی حنفی (متوفی 683ھ) فرماتے ہیں:

''(وَإِذَا قَالَ: حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ قَامَ الْإِمَامُ وَالْجَمَاعَةُ) إِجَابَةً لِلدُّعَاءِ ''ترجمہ: (مؤذن جب ''حیَّ علی الصَّلاۃِ'' کہے تو امام اور سب لوگ کھڑے ہو جائیں) دعوت کو قبول کرتے ہوئے۔

(الاختیار لتعلیل المختار، باب الاذان والاقامۃ، ج1، ص44، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

(7) علامہ عثمان بن علی زیلعی حنفی (متوفی 743ھ) فرماتے ہیں:

''(وَالْقِيَامُ حِينَ قِيلَ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ) لِأَنَّهُ أَمَرَ بِهِ فَيُسْتَحَبُّ الْمُسَارَعَةُ إِلَيْهِ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ الْإِمَامُ حَاضِرًا لَا يَقُومُونَ حَتَّى يَصِلَ إِلَيْهِمْ وَيَقِفَ مَكَانَهُ فِي رِوَايَةٍ وَفِي أُخْرَى يَقُومُونَ إِذَا اخْتَلَطَ بِهِمْ وَقِيلَ يَقُومُ

كُلُّ صَفٍّ يَنْتَهِي إِلَيْهِ الْإِمَامُ وَهُوَ الْأَظْهَرُ وَإِنْ دَخَلَ مِنْ قُدَّامَ وَقَفُوا حِينَ يَقَعُ بَصَرُهُمْ عَلَيْهِ ''ترجمہ: ('' حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ '' کے وقت کھڑا ہونا مستحب ہے) کیونکہ مؤذن نے اس کا حکم دیا تو اس حکم کو جلدی عمل میں لانا مستحب ہے۔ اور اگر امام موجود نہ ہو تو ایک روایت کے مطابق مقتدی نہ کھڑے ہوں جب تک وہ اُن تک پہنچ کر اپنی جگہ کھڑا نہ ہو جائے۔ اور دوسری روایت میں ہے، مقتدی سب اُس وقت کھڑے ہوں جب امام مقتدیوں کے ساتھ مل جائے۔ اور بعض نے کہا: ہر وہ صف کھڑی ہو جائے جس تک امام پہنچ جائے۔ اور یہ ہی زیادہ صحیح ہے۔ اور اگر امام سامنے سے آئے تو جیسے ہی مقتدیوں کی نظر امام پر پڑے، کھڑے ہو جائیں۔ (تبیین الحقائق، آداب الصلوۃ، ج 1، ص 108، المطبعۃ الکبری الامیریہ، القاہرہ)

(8) علامہ محمد بن فرامرز بن علی الشہیر بملا خسرو (متوفی 885ھ) فرماتے ہیں:

'' (وَالْقِيَامُ عِنْدَ الْحَيْعَلَةِ الْأُولَى) يَعْنِي حِينَ يُقَالُ حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ؛ لِأَنَّهُ أُمِرَ بِهِ إِذْ مَعْنَاهُ هَلُمَّ وَأَقْبِلْ فَيُسْتَحَبُّ الْمُسَارَعَةُ إِلَيْهِ ''ترجمہ: (پہلی حیعلہ کے وقت کھڑے ہونا) یعنی جب '' حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ '' کہا جائے۔ کیونکہ اس کا حکم ہوا ہے۔ وہ یوں کہ اس کا معنی ہے '' هَلُمَّ وَأَقْبِلْ '' یعنی آؤ (نماز کی جانب) لہذا اس حکم کی طرف سبقت کرنا مستحب ہے۔

(درر الحکام فی شرح غرر الاحکام، فصل فی الامامۃ، ج 1، ص 80، دار احیاء الکتب العربیہ، بیروت)

اس کے تحت علامہ شرنبلالی فرماتے ہیں:

'' (قَوْلُهُ وَالْقِيَامُ عِنْدَ الْحَيْعَلَةِ الْأُولَى) أَطْلَقَهُ فَشَمِلَ الْإِمَامَ وَالْمَأْمُومَ وَهَذَا إِذَا كَانَ الْإِمَامُ وَالْمَأْمُومُ حَاضِرًا بِقُرْبٍ مِنَ الْمِحْرَابِ وَإِلَّا فَيَقُومُ كُلُّ صَفٍّ حِينَ يَنْتَهِي إِلَيْهِ الْإِمَامُ عَلَى الْأَظْهَرِ، وَإِنْ دَخَلَ مِنْ قُدَّامَ وَقَفُوا حِينَ يَقَعُ بَصَرُهُمْ عَلَيْهِ كَمَا فِي التَّبْيِينِ ''ترجمہ: ((''حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ'' کے وقت کھڑے ہونا)) مصنف نے اس حکم کو مطلق رکھا تو امام اور مقتدی سب کو شامل ہے۔ یہ حکم اُس وقت ہے کہ جب امام اور مقتدی محراب سے قریب موجود ہوں، اگر ایسا نہ ہو تو اصح قول یہ ہے کہ ہر وہ صف کھڑی ہو جائے جس تک امام پہنچ جائے۔ اور اگر امام آگے سے آئے تو جیسے ہی مقتدی امام کو دیکھیں، کھڑے ہو جائیں۔ جیسا کہ تبیین الحقائق میں ہے۔

(حاشیہ شرنبلالی علی درر الحکام فی شرح غرر الاحکام، فصل فی الامامۃ، ج 1، ص 80، دار احیاء الکتب العربیہ، بیروت)

(9) علامہ ابراہیم بن محمد بن ابراہیم حلبی حنفی (متوفی 956ھ) فرماتے ہیں:

''وَالْقِيَام عِنْد حَيّ على الصَّلَاة وَقيل عِنْد حَيّ على الْفَلَاح ''ترجمہ:''حَيّ على الصَّلَاة ''کے وقت کھڑے ہوں، اور بعض نے کہا''حَيّ على الْفَلَاح ''کے وقت کھڑے ہوں۔

(ملتقی الابحر، باب صفۃ الصلوۃ، ج1، ص136، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

(10) اس کے تحت علامہ عبد الرحمٰن بن محمد بن سلیمان شیخی زادہ (متوفی 1078ھ) فرماتے ہیں:

''(وَالْقِيَامُ) أَيْ قِيَامُ الْإِمَامِ وَالْقَوْمِ إلَى الصَّلَاةِ (عِنْدَ حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ وَقِيلَ عِنْدَ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ) أَيْ حِينَ يَقُولُ الْمُؤَذِّنُ ذَلِكَ؛ لِأَنَّهُ أَمَرَ بِهِ فَتُسْتَحَبُّ الْمُسَارَعَةُ إلَيْهِ إنْ كَانَ الْإِمَامُ بِقُرْبِ الْمِحْرَابِ، وَإِلَّا فَيَقُومُ كُلُّ صَفٍّ يَنْتَهِي إلَيْهِ الْإِمَامُ عَلَى الْأَظْهَرِ ''ترجمہ: (اور کھڑا ہونا) یعنی نماز کے لئے امام اور مقتدیوں کا کھڑا ہونا (''حَيّ على الصَّلَاة ''کے وقت، اور کہا گیا ''حَيّ على الْفَلَاح ''کے وقت) یعنی جب مؤذن یہ الفاظ کہے۔ کیونکہ مؤذن نے اس کا حکم دیا ہے لہذا اس حکم کی طرف جلدی کرنا مستحب ہے اگر امام محراب کے قریب ہو ورنہ اصح قول کے مطابق ہر وہ صف کھڑی ہو جائے جس تک امام پہنچ جائے۔

(مجمع الانہر فی شرح ملتقی الابحر، فصل صفۃ الشروع فی الصلوۃ، ج1، ص91، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

(11) علامہ زین الدین ابن نجیم مصری حنفی (متوفی 970ھ) فرماتے ہیں:

''(قَوْلُهُ وَالْقِيَامُ حِينَ قِيلَ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ)؛ لِأَنَّهُ أَمْرٌ بِهِ فَيُسْتَحَبُّ الْمُسَارَعَةُ إلَيْهِ، أَطْلَقَهُ، فَشَمِلَ الْإِمَامَ وَالْمَأْمُومَ إنْ كَانَ الْإِمَامُ بِقُرْبِ الْمِحْرَابِ وَإِلَّا فَيَقُومُ كُلُّ صَفٍّ يَنْتَهِي إلَيْهِ الْإِمَامُ، وَهُوَ الْأَظْهَرُ، وَإِنْ دَخَلَ مِنْ قُدَّامٍ وَقَفُوا حِينَ يَقَعُ بَصَرُهُمْ عَلَيْهِ، وَهَذَا كُلُّهُ إذَا كَانَ الْمُؤَذِّنُ غَيْرَ الْإِمَامِ، فَإِنْ كَانَ وَاحِدًا أَوْ أَقَامَ فِي الْمَسْجِدِ فَالْقَوْمُ لَا يَقُومُونَ حَتَّى يَفْرُغَ مِنْ إقَامَتِهِ كَذَا فِي الظَّهِيرِيَّةِ ''ترجمہ: (''حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ ''کے وقت کھڑا ہونا) کیونکہ اس کا حکم ہے لہذا اس کی طرف سبقت کرنا مستحب ہے۔ مصنف نے یہ حکم مطلق رکھا لہذا امام اور مقتدی سب کو شامل ہے بشرطیکہ امام محراب سے قریب ہو بصورت دیگر ظاہر تر یہ ہے کہ ہر وہ صف کھڑی ہو جائے جس تک امام پہنچ جائے۔ اور اگر امام سامنے سے آئے تو اُسے دیکھتے ہی سب کھڑے ہو جائیں۔ اور یہ سارے احکام اُس صورت میں ہیں کہ جب امام خود تکبیر نہ کہہ رہا ہو، اگر امام ہی تکبیر کہہ رہا ہو تو مقتدی نہ کھڑے ہوں جب تک امام اقامت

سے فارغ ہونہ ہوجائے۔ ظہیریہ میں ایسا ہی مذکور ہے۔
(البحر الرائق شرح کنز الدقائق، سنن الصلوۃ، ج1، ص321، دار الکتاب الاسلامی، بیروت)

(12) علامہ احمد بن محمد شلبی حنفی (متوفی 1021ھ) فرماتے ہیں:

”قَالَ فِی الْوَجِیزِ وَالسُّنَّۃُ أَنْ یَقُومَ الْإِمَامُ وَالْقَوْمُ إذَا قَالَ الْمُؤَذِّنُ حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ.اہ وَمِثْلُہُ فِی الْمُبْتَغَی “ترجمہ:”الوجیز“ میں فرمایا: سنت یہ ہے کہ امام اور مقتدی حضرات اُس وقت کھڑے ہوں جب مؤذن ” حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ “ کہے۔اور اس کی مثل ”المبتغی“ میں ہے۔(حاشیہ تبیین الحقائق، آداب الصلوۃ، ج1، ص108، المطبعۃ الکبری الامیریہ، القاہرہ)

(13) علامہ حسن بن عمار شرنبلالی حنفی (متوفی 1069ھ) فرماتے ہیں:

”والقیام حین قیل:حی علی الفلاح “ترجمہ:اور کھڑا ہونا جب کہا جائے” حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ “
(نور الایضاح، فصل فی آداب الصلوۃ، ج1، ص59، المکتبۃ العصریہ، بیروت)

اس عبارت کے تحت خود ہی مراقی الفلاح میں فرماتے ہیں:”من الأدب القیام أی قیام القوم والإمام إن کان حاضرا بقرب المحراب حین قیل أی:وقت قول المقیم حی علی الفلاح أنہ أمر بہ فیجاب وإن لم یکن حاضرا یقوم کل صف حین ینتھی إلیہ الإمام فی الأظھر “ترجمہ: مستحبات میں سے امام اور مقتدیوں کا اس وقت کھڑا ہونا ہے اگر امام محراب کے قریب ہوا قامت کہنے والا جب” حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ “کہے۔کیونکہ اُس نے کھڑے ہونے کا حکم دیا ہے لہذا اس کی اجابت کی جائے۔اور اگر امام موجود نہ ہو تو اصح قول کے مطابق ہر وہ صف کھڑی ہوجائے جس تک امام پہنچ جائے۔
(مراقی الفلاح، فصل فی آدابہا، ج1، ص103,104، المکتبۃ العصریہ، بیروت)

(14) فتاوی ہندیہ میں ہے:

”إنْ کَانَ الْمُؤَذِّنُ غَیْرَ الْإِمَامِ وَکَانَ الْقَوْمُ مَعَ الْإِمَامِ فِی الْمَسْجِدِ فَإِنَّہُ یَقُومُ الْإِمَامُ وَالْقَوْمُ إذَا قَالَ الْمُؤَذِّنُ:حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ عِنْدَ عُلَمَائِنَا الثَّلَاثَۃِ وَھُوَ الصَّحِیحُ فَأَمَّا إذَا کَانَ الْإِمَامُ خَارِجَ الْمَسْجِدِ فَإِنْ دَخَلَ الْمَسْجِدَ مِنْ قِبَلِ الصُّفُوفِ فَکُلَّمَا جَاوَزَ صَفًّا قَامَ ذَلِکَ الصَّفُّ وَإِلَیْہِ مَالَ شَمْسُ الْأَئِمَّۃِ الْحَلْوَانِیُّ وَالسَّرَخْسِیُّ وَشَیْخُ الْإِسْلَامِ خُوَاھَرْ زَادَہْ وَإِنْ کَانَ الْإِمَامُ دَخَلَ الْمَسْجِدَ مِنْ قُدَّامِھِمْ یَقُومُونَ کَمَا رَأَی الْإِمَامَ وَإِنْ کَانَ الْمُؤَذِّنُ وَالْإِمَامُ وَاحِدٌ فَإِنْ أَقَامَ فِی الْمَسْجِدِ فَالْقَوْمُ لَا یَقُومُونَ مَا لَمْ یَفْرُغْ مِنْ الْإِقَامَۃِ وَإِنْ

أَقَامَ خَارِجَ الْمَسْجِدِ فَمَشَايِخُنَا اتَّفَقُوا عَلَى أَنَّهُمْ لَا يَقُومُونَ مَا لَمْ يَدْخُلِ الْإِمَامُ الْمَسْجِدَ ''ترجمہ: اگر مؤذن اور امام علیحدہ علیحدہ ہوں (یعنی تکبیر امام نہ کہہ رہا ہو)، اور مقتدی امام کے ساتھ مسجد میں موجود ہوں تو ہمارے علمائے ثلاثہ (امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف، امام محمد) کے نزدیک امام اور مقتدی اُس وقت کھڑے ہوں جب مؤذن ''حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ'' کہے۔ اور یہی صحیح ہے۔ البتہ اگر امام مسجد سے باہر ہو تو اگر صفوں کی طرف سے مسجد میں داخل ہوا تو جس صف سے گزرتا جائے وہی صف کھڑی ہوتی جائے۔ شمس الائمہ حلوانی، امام سرخسی اور شیخ خواہرزادہ کا میلان اسی طرف ہے۔ اور اگر امام سامنے سے مسجد میں آئے تو اُسے دیکھتے ہی سب کھڑے ہو جائیں۔ اور اگر امام اور مؤذن ایک ہی شخص ہو (یعنی خود امام ہی تکبیر کہے) اگر مسجد میں اقامت کہی تو جب تک پوری تکبیر سے فارغ نہ جائے مقتدی کھڑے نہ ہوں۔ اور اگر اُس نے تکبیر مسجد سے باہر کہی تو ہمارے مشائخ کا اس پر اتفاق ہے کہ اُس وقت کھڑے نہ ہوں جب تک امام مسجد میں داخل ہو۔ (فتاوی ہندیہ، الفصل الثانی فی کلمات الاذان والاقامۃ، ج1، ص57، دار الفکر، بیروت)

(15) اسی فتاوی ہندیہ میں ہے:

''إِذَا دَخَلَ الرَّجُلُ عِنْدَ الْإِقَامَةِ يُكْرَهُ لَهُ الِانْتِظَارُ قَائِمًا وَلَكِنْ يَقْعُدُ ثُمَّ يَقُومُ إِذَا بَلَغَ الْمُؤَذِّنُ قَوْلَهُ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ. كَذَا فِي الْمُضْمَرَاتِ ''ترجمہ: جب دورانِ اقامت کوئی شخص آئے تو کھڑے کھڑے انتظار کرنا مکروہ ہے بلکہ بیٹھ جائے پھر اُس وقت کھڑا ہو جب مؤذن '' حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ'' تک پہنچے۔ المضمرات میں ایسا ہی ہے۔

(فتاوی ہندیہ، الفصل الثانی فی کلمات الاذان والاقامۃ، ج1، ص57، دار الفکر، بیروت)

(16) علامہ احمد بن محمد بن اسماعیل طحطاوی حنفی (متوفی 1231ھ) فرماتے ہیں:

''وإذا أخذ المؤذن في الإقامة ودخل رجل المسجد فإنه يقعد ولا ينتظر قائما فإنه مكروه كما في المضمرات قهستاني ويفهم منه كراهة القيام إبتداء الإقامة والناس عنه غافلون ''ترجمہ: جب مؤذن نے اقامت شروع کی اور کوئی شخص داخل مسجد ہوا تو بیٹھ جائے، کھڑے رہ کر انتظار نہ کرے کہ یہ مکروہ ہے۔ جیسا کہ المضمرات میں ہے۔ قہستانی۔ اور اس سے معلوم ہوا کہ اقامت کے شروع میں کھڑا ہونا مکروہ ہے اور لوگ اس مسئلہ سے غافل ہیں۔ (حاشیۃ الطحطاوی علی المراقی الفلاح، فصل فی آدابہا، ج1، ص278، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

(17) عمدۃ المتأخرین علامہ علاء الدین حصکفی فرماتے ہیں:

"(وَالْقِيَامُ) لِإِمَامٍ وَمُؤْتَمٍّ (حِينَ قِيلَ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ) خِلَافًا لِزُفَرَ؛ فَعِنْدَهُ عِنْدَ حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ ابْنُ كَمَالٍ (إِنْ كَانَ الْإِمَامُ بِقُرْبِ الْمِحْرَابِ وَإِلَّا فَيَقُومُ كُلُّ صَفٍّ يَنْتَهِي إِلَيْهِ الْإِمَامُ عَلَى الْأَظْهَرِ وَإِنْ) دَخَلَ مِنْ قُدَّامٍ حِينَ يَقَعُ بَصَرُهُمْ عَلَيْهِ إِلَّا إِذَا أَقَامَ الْإِمَامُ بِنَفْسِهِ فِي مَسْجِدٍ فَلَا يَقِفُوا حَتَّى يُتِمَّ إِقَامَتَهُ ظَهِيرِيَّةٌ" ترجمہ: (اور کھڑا ہونا) امام اور مقتدی کا (جب "حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ" کہا جائے) برخلاف امام زُفر کے۔ پس اُن کے نزدیک "حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ" کے وقت کھڑا ہو۔ ابن کمال (اگر امام محراب کے قریب ہو ورنہ ظاہر تر یہ ہے کہ جس جس صف تک امام پہنچتا جائے اس صف کے لوگ کھڑے ہوتے جائیں اور اگر) امام سامنے سے آئے تو جیسے ہی لوگوں کی نگاہ امام پر پڑے لوگ کھڑے ہو جائیں مگر جب امام نے خود مسجد میں اقامت کہی تو نہ کھڑے ہوں جب تک تکبیر مکمل نہ ہو جائے، ظہیر یہ۔ (درمختار مع ردالمحتار، فصل فی بیان تالیف الصلوۃ الخ، ج 1، ص 479، دار الفکر، بیروت)

(18) اس کے تحت خاتم المحققین علامہ ابن عابدین شامی فرماتے ہیں:

"(قَوْلُهُ حِينَ قِيلَ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ) كَذَا فِي الْكَنْزِ وَنُورِ الْإِيضَاحِ وَالْإِصْلَاحِ وَالظَّهِيرِيَّةِ وَالْبَدَائِعِ وَغَيْرِهَا. وَالَّذِي فِي الدُّرَرِ مَتْنًا وَشَرْحًا عِنْدَ الْحَيْعَلَةِ الْأُولَى، يَعْنِي حِينَ يُقَالُ حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ اهـ وَعَزَاهُ الشَّيْخُ إِسْمَاعِيلُ فِي شَرْحِهِ إِلَى عُيُونِ الْمَذَاهِبِ وَالْفَيْضِ وَالْوِقَايَةِ وَالنُّقَايَةِ وَالْحَاوِي وَالْمُخْتَارِ اهـ.

قُلْتُ: وَاعْتَمَدَهُ فِي مَتْنِ الْمُلْتَقَى، وَحَكَى الْأَوَّلَ بِ قِيلَ، لَكِنْ نَقَلَ ابْنُ الْكَمَالِ تَصْحِيحَ الْأَوَّلِ. وَنَصُّ عِبَارَتِهِ قَالَ فِي الذَّخِيرَةِ: يَقُومُ الْإِمَامُ وَالْقَوْمُ إِذَا قَالَ الْمُؤَذِّنُ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ عِنْدَ عُلَمَائِنَا الثَّلَاثَةِ" ترجمہ: ماتن کا یہ قول ("حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ" پر کھڑے ہوں) ایسا ہی کنز، نور الایضاح، اصلاح اور ظہیریہ اور بدائع وغیرہ میں ہے۔ غرر اور اُس کی شرح دُرر میں ہے کہ امام اور مقتدی "حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ" کہنے کے وقت کھڑے ہوں، اور شیخ الاسلام نے اس کو اپنی شرح میں اسے عیون المذاہب، فیض، وقایہ، نقایہ، حاوی اور مختار کی طرف منسوب کیا ہے۔ میں (علامہ شامی) کہتا ہوں: اور اسی پر متن "ملتقی" میں اعتماد کیا، اور پہلا قول "قِيلَ" سے تعبیر کیا۔ لیکن علامہ ابن کمال نے پہلے قول کی تصحیح نقل کی اور ان کی عبارت یہ ہے کہ ذخیرہ میں کہا: امام اور قوم اُس وقت کھڑے ہوں

جب مؤذن " حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ " کہے ہمارے تینوں اماموں (امام اعظم، امام ابو یوسف، امام محمد) کے نزدیک۔

(ردالمحتار، فصل فی بیان تالیف الصلوۃ الخ، ج1، ص479، دارالفکر، بیروت)

(19) علامہ شامی ایک مقام پر فرماتے ہیں:

" وَيُكْرَهُ لَهُ الِانْتِظَارُ قَائِمًا، وَلَكِنْ يَقْعُدُ ثُمَّ يَقُومُ إذَا بَلَغَ الْمُؤَذِّنُ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ " ترجمہ: کھڑے ہوکر انتظار کرنا مکروہ ہے بلکہ بیٹھ جائے پھر تب کھڑا ہو جب مؤذن "حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ" پر پہنچے۔

(ردالمحتار، فائدہ التسلیم بعد الاذان، ج1، ص400، دارالفکر، بیروت)

(20) امام اہل سنت امام احمد رضا خان فرماتے ہیں:

کھڑے ہوکر تکبیر سُننا مکروہ ہے، یہاں تک کہ علماء حکم فرماتے ہیں کہ جو شخص مسجد میں آیا اور تکبیر ہو رہی ہے وہ اس کے تمام تک کھڑا نہ رہے بلکہ بیٹھ جائے یہاں تک کہ مکبّر "حی علی الفلاح" تک پہنچے اُس وقت کھڑا ہو۔

(فتاوی رضویہ، ج5، ص380، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

مزید فرماتے ہیں:

یہ اُس صورت میں ہے کہ امام بھی وقتِ تکبیر مسجد میں ہو، اور اگر وہ حاضر نہیں تو مؤذن جب تک اُسے آتا نہ دیکھتے تکبیر نہ کہے نہ اُس وقت تک کوئی کھڑا ہو لقوله صلى الله تعالى عليه وسلم لاتقوموا حتى تروني (کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: تم نہ کھڑے ہوا کرو یہاں تک کہ مجھے دیکھ لو۔ت) پھر جب امام آئے اور تکبیر شروع ہو اس وقت دو صورتیں ہیں اگر امام صفوں کی طرف سے داخل مسجد ہو تو جس صفت سے گزرتا جائے وہی صف کھڑی ہوتی جائے اور اگر سامنے سے آئے تو اُسے دیکھتے ہی سب کھڑے ہو جائیں اور اگر خود امام ہی تکبیر کہے تو جب تک پُوری تکبیر سے فارغ نہ ہولے مقتدی اصلاً کھڑے نہ ہوں بلکہ اگر اس نے تکبیر مسجد سے باہر کہی تو فراغ پر بھی کھڑے نہ ہوں جب وہ مسجد میں قدم رکھے اُس وقت قیام کریں۔

(فتاوی رضویہ، ج5، ص381، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

بعض جزئیات میں " حی علی الصلوۃ " پر کھڑے ہونے کا ہے اور بعض میں " حی علی الفلاح " پر، امام اہل سنت ان جزئیات میں تطبیق دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

" اقول ولا تعارض عندی بین قول الوقایۃ واتباعھا یقومون عند "حی الصلاۃ" والمحیط

والمضمرات ومن معهما عند "حی علی الفلاح "فانا اذاحملنا الاول علی الانتهاء والآخر علی الابتداء اتحد القولان، ای یقومون حین یتم المؤذن حی علی الصلاۃ ویأتی علی الفلاح وھذا مایعطیہ قول المضمرات یقوم اذابلغ المؤذن حی علی الفلاح ولعل ھذا اولی ممافی مجمع الانھر من قولہ وفی الوقایۃ ویقوم الامام والقوم عند حی علی الصلاۃ ای قبیلہ ''ترجمہ: میں کہتا ہوں: صاحبِ وقایہ اوران کے متبعین "حی علی الصلاۃ "کے موقع پر کھڑا ہونے کا قول کرتے ہیں اور صاحبِ محیط، مضمرات اور ان کی جماعت ''حی علی الفلاح'' کے وقت کھڑا ہونے کا قول کرتے ہیں میرے نزدیک ان میں کوئی تعارض نہیں اس لئے کہ جب ہم پہلے قول کو انتہا اور دوسرے کو ابتدا پر محمول کریں تو دونوں قولوں میں اتحاد حاصل ہوجاتا ہے یعنی جب مؤذن حی علی الصلاۃ "پُورا کرکے حی علی الفلاح کہے تو کھڑے ہوں اوراس کی تائید مضمرات کے ان الفاظ سے ہوتی ہے "اس وقت کھڑا ہو جب مؤذن "حی علی الفلاح "پر پہنچے اور یہ اس سے بہتر ہے جو مجمع الانہر میں اس قول کے بارے میں ہے: وقایہ میں ہے کہ امام اور نمازی "حی علی الصلاۃ "کے وقت کھڑے ہوں یعنی اس سے تھوڑا سا پہلے۔

(فتاوی رضویہ، ج5،ص380 تا 381، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

(21) صدرالشریعہ مفتی امجد علی اعظمی فرماتے ہیں:

اِقامت کے وقت کوئی شخص آیا تو اسے کھڑے ہوکر انتظار کرنا مکروہ ہے، بلکہ بیٹھ جائے جب حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ پر پہنچے اس وقت کھڑا ہو۔ یوہیں جو لوگ مسجد میں موجود ہیں، وہ بھی بیٹھے رہیں، اس وقت اٹھیں، جب مکبّر حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ پر پہنچے، یہی حکم امام کے لیے ہے۔ آج کل اکثر جگہ رواج پڑ گیا ہے کہ وقت اِقامت سب لوگ کھڑے رہتے ہیں بلکہ اکثر جگہ تو یہاں تک ہے کہ جب تک امام مُصلّے پر کھڑا نہ ہو، اس وقت تک تکبیر نہیں کہی جاتی، یہ خلاف سنت ہے۔

(بہارِ شریعت، ج1، حصہ 3، ص471، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

اقامت بیٹھ کر سننے کے بارے میں حدیث پاک اور صحابہ وتابعین کے آثار

(1) مسند بزار، سنن کبری للبیہقی، مجمع الزوائد، المطالب العالیہ لابن حجر، کنز العمال بحوالہ طبرانی اور جامع صغیر لسیوطی حدیث کی ان تمام کتابوں میں سیدنا عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں: ((کَانَ اِذَا

قَالَ بِلَالٌ:قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ نَهَضَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فَكَبَّرَ)) ترجمہ: بلال جب اقامت میں ''قد قامت الصلوۃ'' کہنے لگتے تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اٹھ کھڑے ہوتے، پھر اس کے بعد ''اللہ اکبر'' کہتے۔

(مسند البزار، مسند عبد اللہ بن ابی اوفی عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، ج8، ص298، مکتبۃ العلوم والحکم، مدینہ منورہ☆السنن الکبیر للبیہقی، باب من زعم انہ یکبر الخ، ج2، ص35، دار الکتب العلمیہ، بیروت☆مجمع الزوائد، باب اذا اقیمت الصلوۃ فلا یصلی غیرہا، ج2، ص5، مکتبۃ القدسی، القاہرہ☆المطالب العالیہ بزوائد المسانید لابن حجر، باب متی یقام الی الصلوۃ، ج3، ص847، دار العاصمہ، عرب☆الجامع الصغیر للسیوطی، باب کان وھی الشمائل الشریفہ، ج2، ص340، دار الفکر، بیروت☆کنز العمال بحوالہ طبرانی، الفصل الثانی فی الصلوۃ وآدابہا وسننہا ج7 ص54، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت)

(2) مصنف عبد الرزاق میں ہے: ((عَنْ عَطِيَّةَ قَالَ:كُنَّا جُلُوسًا عِنْدَ ابْنِ عُمَرَ فَلَمَّا أَخَذَ الْمُؤَذِّنُ فِي الْإِقَامَةِ قُمْنَا، فَقَالَ ابْنُ عُمَرَ:اجْلِسُوا فَإِذَا قَالَ:قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ فَقُومُوا)) ترجمہ: حضرت عطیہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ ہم لوگ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس بیٹھے ہوئے تھے تو جوں ہی مؤذن نے اقامت شروع کی ہم کھڑے ہوئے تو حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: بیٹھ جاؤ، جب مؤذن ''قد قامت الصلوۃ'' کہنے لگے اس وقت کھڑے ہونا۔ (مصنف عبد الرزاق، باب قیام الناس عند الاقامۃ، ج1، ص506، المکتب الاسلامی، بیروت)

(3) حضرت قتادہ فرماتے ہیں: ((انَّ عُثْمَانَ، كَانَ إِذَا سَمِعَ الْمُؤَذِّنَ يَقُولُ كَمَا يَقُولُ فِي التَّشَهُّدِ وَالتَّكْبِيرِ كُلِّهِ، فَإِذَا قَالَ:حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ قَالَ:مَا شَاءَ اللَّهُ، وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ، وَإِذَا قَالَ:قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ قَالَ:مَرْحَبًا بِالْقَائِلِينَ عَدْلًا، وَبِالصَّلَاةِ مَرْحَبًا وَأَهْلًا، ثُمَّ يَنْهَضُ إِلَى الصَّلَاةِ)) ترجمہ: حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب مؤذن کو تشہد اور تمام تکبیرات کہتے سنتے تو ویسا ہی کہتے جیسا مؤذن کہتا، جب مؤذن ''حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ'' کہتا تو آپ کہتے ''مَا شَاءَ اللَّهُ، وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ'' اور جب مؤذن ''قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ'' کہتا تو آپ کہتے ''مَرْحَبًا بِالْقَائِلِينَ عَدْلًا، وَبِالصَّلَاةِ مَرْحَبًا وَأَهْلًا'' پھر نماز کے لئے کھڑے ہو جاتے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ، مایقول الرجل اذا سمع الاذان، ج1، ص206، مکتبۃ الرشد، ریاض☆فتح الباری لابن رجب، باب مایقول اذا سمع المنادی، ج5، ص254، مکتبۃ الغرباء الاثریہ، مدینہ منورہ)

(4) حضرت عبد اللہ بن ابی یزید امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں فرماتے ہیں:

((رَأَيْتُهُ فِي حَوْضِ زَمْزَمَ الَّذِي يُسْقَى فِيهِ الْحَاجُّ، وَالْحَوْضُ يَوْمَئِذٍ بَيْنَ الرُّكْنِ وَزَمْزَمَ، فَأَقَامَ

الْمُؤَذِّنُ الصَّلَاةَ فَلَمَّا قَالَ الْمُؤَذِّنُ :قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ قَامَ حُسَيْنٌ حِينَ قَالَ الْمُؤَذِّنُ :قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ)) ترجمہ: میں نے آپ کو زمزم کے حوض میں دیکھا جس سے حاجیوں کو پانی پلایا جاتا ہے۔ اور اُس روز حوض رکن اور زمزم کے درمیان تھا۔ مؤذن نے نماز کے لئے اقامت کہی، جب مؤذن نے ''قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ'' کہا تو امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہو گئے۔ (اخبار مکۃ للفاکھی، ذکر ما کان علیہ حوض الخ، ج2، ص70، دار خضر، بیروت)

(5) امام بیہقی فرماتے ہیں: ((عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّهُ إِذَا قِيلَ:قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ وَثَبَ فَقَامَ وَعَنِ الْحُسَيْنِ بْنِ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا أَنَّهُ كَانَ يَفْعَلُ ذٰلِكَ، وَهُوَ قَوْلُ عَطَاءٍ وَالْحَسَنِ)) ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں منقول ہے کہ جب ''قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ'' کہا گیا تو آپ فوراً کھڑے ہو گئے۔ اور حضرت حسین بن علی بن ابی طالب کے بارے میں آتا ہے کہ آپ بھی ایسا ہی کرتے تھے۔ اور یہ عطا اور حسن کا قول ہے۔ (السنن الکبری للبیہقی، باب متی یقوم المأموم، ج2، ص32، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

(6) حضرت معاویہ بن قرہ (تابعی) فرماتے ہیں: ((كَانُوا يَكْرَهُونَ أَنْ يَنْهَضَ، الرَّجُلُ إِلَى الصَّلَاةِ حِينَ يَأْخُذُ الْمُؤَذِّنُ فِي إِقَامَتِهِ)) ترجمہ: (صحابہ و تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم) اسے مکروہ جانتے کہ جیسے ہی مؤذن اقامت شروع کرے کوئی شخص نماز کے لئے اٹھ کھڑا ہو۔ (مصنف عبد الرزاق، باب قیام الناس عند الاقامۃ، ج1، ص506، المکتب الاسلامی، بیروت)

(7) امام ترمذی فرماتے ہیں:

((وَقَدْ كَرِهَ قَوْمٌ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ أَنْ يَنْتَظِرَ النَّاسُ الْإِمَامَ وَهُمْ قِيَامٌ وَقَالَ بَعْضُهُمْ :إِذَا كَانَ الْإِمَامُ فِي الْمَسْجِدِ فَأُقِيمَتِ الصَّلَاةُ فَإِنَّمَا يَقُومُونَ إِذَا قَالَ الْمُؤَذِّنُ:قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ وَهُوَ قَوْلُ ابْنِ الْمُبَارَكِ)) ترجمہ: صحابۂ کرام اور تابعین کی ایک جماعت نے کھڑے ہو کر امام کے انتظار کو مکروہ کہا، بعض علما فرماتے ہیں: جب امام مسجد ہی میں ہو اور تکبیر کہی جائے تو لوگ اُس وقت کھڑے ہوں جب مؤذن کہے ''قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ'' یہ عبد اللہ ابن مبارک کا قول ہے۔ (جامع ترمذی، باب کراھیۃ ان ینتظر الناس الامام وھم الخ، ج2، ص487، مطبعہ مصطفی البابی، مصر)

(8) ابن جُرَیج کہتے ہیں: ((قُلْتُ لِعَطَاءٍ إِنَّهُ يُقَالُ:إِذَا قَالَ الْمُؤَذِّنُ قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ فَلْيَقُمِ النَّاسُ

حِينَئِذٍ قَالَ: نَعَمْ)) ترجمہ: میں نے عطاء سے پوچھا کہ کہا جاتا ہے جب مؤذن "قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ" کہے تو لوگوں کو چاہیے کہ اُس وقت کھڑے ہوجائیں، آپ نے فرمایا: جی ہاں۔

(مصنف عبدالرزاق، باب قیام الناس عند الاقامۃ، ج1، ص505، المکتب الاسلامی، بیروت)

(9) ہشام کہتے ہیں: ((عَنِ الْحَسَنِ، كَرِهَ إِنْ يَقُومَ الْإِمَامُ حَتَّى يَقُولَ الْمُؤَذِّنُ قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ)) ترجمہ: حضرت حسن کے بارے میں منقول ہے کہ آپ نے امام کا کھڑا ہونا ناپسند کیا جب تک مؤذن "قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ" نہ کہے۔

(مصنف ابن شیبہ، فی الامام متی یکبر اذا قال المؤذن: قد قامت، ج1، ص356، مکتبۃ الرشد، ریاض)

(10) علامہ ابن عبدالبر نقل کرتے ہیں: ((عن الحسن وبن سِيرِينِ أَنَّهُمَا كَانَا يَكْرَهَانِ أَنْ يَقُومَا حَتَّى يَقُولَ الْمُؤَذِّنُ قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ)) ترجمہ: حضرت حسن بصری اور امام ابن سیرین کھڑا ہونا ناپسند کرتے یہاں تک کہ مؤذن "قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ" کہے۔

(الاستذکار، باب ماجاء فی النداء للصلاۃ، ج1، ص391، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

(11) حضرت ابراہیم نخعی فرماتے ہیں: ((كَانَ إِذَا قَالَ الْمُؤَذِّنُ حيَّ عَلَى الصَّلَاةِ قَامَ)) ترجمہ: جب مؤذن "حيَّ عَلَى الصَّلَاةِ" کہے تو امام کھڑے ہوجائے۔

(مصنف ابن شیبہ، فی الامام متی یکبر اذا قال المؤذن: قد قامت، ج1، ص356، مکتبۃ الرشد، ریاض)

(12) ابوعُبَید کہتے ہیں: ((سمعتُ عُمَرَبْنَ عَبْدِ الْعَزِيزِ، بِخَنَاصِرَةَ يَقُولُ: حِينَ يَقُولُ الْمُؤَذِّنُ قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ قُومُوا قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ)) ترجمہ: میں نے حضرت عمر بن عبدالعزیز کو خناصرہ میں یہ فرماتے ہوئے سُنا: جب مؤذن "قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ" کہے تو تم کھڑے ہوجاؤ۔

(مصنف ابن شیبہ، فی الامام متی یکبر اذا قال المؤذن: قد قامت، ج1، ص356، مکتبۃ الرشد، ریاض)

(13) امام ابو یوسف فرماتے ہیں: ((عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ، عَنْ طَلْحَةَ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ النَّخَعِيِّ، أَنَّهُ قَالَ: إِذَا قَالَ الْمُؤَذِّنُ: حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ قَامَ الْقَوْمُ فِي الصُّفُوفِ)) ترجمہ: امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے وہ حضرت طلحہ سے اور وہ حضرت ابراہیم نخعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی ہیں، آپ نے فرمایا: جب مؤذن "حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ" کہے تو مقتدی صفوں میں کھڑے ہوجائیں۔

(الآثار لابی یوسف، باب الاذان، ج1، ص19، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

(14) امام محمد شیبانی فرماتے ہیں: ((أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ،قَالَ حَدَّثَنَا طَلْحَةُ بْنُ مُصَرِّفٍ،عَنْ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ إِذَا قَالَ الْمُؤَذِّنُ:حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ فَإِنَّهُ يَنْبَغِي لِلْقَوْمِ أَنْ يَقُومُوا فَيَصُفُّوا، فَإِذَا قَالَ الْمُؤَذِّنُ قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ كَبَّرَ الْإِمَامُ قَالَ مُحَمَّدٌ:وَبِهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ وَإِنْ كَفَّ الْإِمَامُ حَتَّى يَفْرُغَ الْمُؤَذِّنُ مِنْ إِقَامَتِهِ ثُمَّ كَبَّرَ، فَلَا بَأْسَ بِهِ أَيْضًا كُلُّ ذَلِكَ حَسَنٌ)) ترجمہ: ہمیں امام ابوحنیفہ نے بتایا، وہ کہتے ہیں ہمیں طلحہ بن مصرف نے ابراہیم نخعی کے حوالہ سے بیان کیا، آپ فرماتے ہیں: جب مؤذن ''حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ'' کہے تو لوگوں کو چاہیے کہ کھڑے ہو جائیں اور صف بنائیں، پھر جب مؤذن ''قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ'' کہے تو امام تکبیر کہے۔ امام محمد فرماتے ہیں: ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں۔ یہ امام ابوحنیفہ کا قول ہے۔ اور اگر امام مؤذن کے اقامت سے فارغ ہونے تک انتظار کرے پھر تکبیر تحریمہ کہے تو اس میں بھی کوئی مضائقہ نہیں۔ یہ سارے طریقہ اچھے ہیں۔

(الآثار لمحمد بن الحسن، باب الاذان، ج 1، ص 107، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

(15) مؤطا امام محمد میں ہے:

((قَالَ مُحَمَّدٌ:يَنْبَغِي لِلْقَوْمِ إِذَا قَالَ الْمُؤَذِّنُ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ أَنْ يَقُومُوا إِلَى الصَّلَاةِ فَيَصُفُّوا)) ترجمہ: امام محمد نے فرمایا: جب مؤذن ''حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ'' کہے تو مقتدیوں کو چاہیے کہ نماز کے لئے کھڑے ہو کر صف باندھیں۔

(مؤطا امام محمد، باب تسویۃ الصفوف، ج 1، ص 56، المکتبۃ العلمیہ، بیروت)

اقامت کے بعد صفیں سیدھی کروانا

حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اقامت کے بعد صفوں کو درست فرمایا کرتے:

امام بیہقی روایت کرتے ہیں: ((عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ أَنْ أُقِيمَتِ الصَّلَاةُ قَبْلَ أَنْ يُكَبِّرَ أَقْبَلَ بِوَجْهِهِ عَلَى أَصْحَابِهِ فَقَالَ:أَقِيمُوا صُفُوفَكُمْ وَتَرَاصُّوا فَإِنِّي أَرَاكُمْ مِنْ وَرَاءِ ظَهْرِي)) ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اقامت ہو جانے کے بعد اور تکبیر تحریمہ سے پہلے چہرۂ انور کے ساتھ اپنے صحابہ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: صفیں سیدھی کروا اور مل کر کھڑے ہو کہ میں تمہیں پس پشت بھی دیکھتا ہوں۔

(السنن الکبری للبیہقی، باب لا یکبر الإمام حتی یأمر بتسویۃ الصفوف خلفہ، ج2، ص33، دارالکتب العلمیہ، بیروت)

یہی حدیث پاک صحیح بخاری میں ان الفاظ کے ساتھ ہے: حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں: ((أُقِيمَتِ الصَّلَاةُ فَأَقْبَلَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِوَجْهِهِ، فَقَالَ: أَقِيمُوا صُفُوفَكُمْ، وَتَرَاصُّوا، فَإِنِّي أَرَاكُمْ مِنْ وَرَاءِ ظَهْرِي)) ترجمہ: نماز کی اقامت کہی گئی تو رسول اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم اپنے رُخ انور سے ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: تم اپنی صفوں کو سیدھا کرو اور مل کر کھڑے ہو، پس بلاشبہ میں تم کو پس پشت بھی دیکھتا ہوں۔ (صحیح بخاری، باب اقبال الامام الی الناس عند تسویۃ، ج1، ص145، مطبوعہ دارطوق النجاۃ)

باب نمبر410

مَا ذُكِرَ فِي الثَّنَاءِ عَلَى اللَّهِ، وَالصَّلَاةِ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَبْلَ الدُّعَاءِ

دعا سے قبل اللہ عزوجل کی ثناء اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنا

حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ آدَمَ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ عَيَّاشٍ، عَنْ عَاصِمٍ، عَنْ زِرٍّ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ، قَالَ: كُنْتُ أُصَلِّي وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَأَبُو بَكْرٍ، وَعُمَرُ مَعَهُ، فَلَمَّا جَلَسْتُ بَدَأْتُ بِالثَّنَاءِ عَلَى اللَّهِ، ثُمَّ الصَّلَاةِ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، ثُمَّ دَعَوْتُ لِنَفْسِي، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: سَلْ تُعْطَهُ، سَلْ تُعْطَهُ وَفِي الْبَابِ عَنْ فَضَالَةَ بْنِ عُبَيْدٍ، قال ابوعيسى: حَدِيثُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ، هٰذَا الْحَدِيثُ رَوَاهُ أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ آدَمَ مُخْتَصَرًا

حدیث: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا: میں نماز پڑھ رہا تھا اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما ان کے ساتھ موجود تھے تو جب میں بیٹھا تو میں نے اللہ عزوجل کی ثنا سے ابتداء کی، پھر نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھا، پھر میں نے اپنے لئے دعا کی تو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرمایا: سوال کرتو دیا جائے گا، سوال کرتو دیا جائے گا۔

اور اس باب میں حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ سے بھی روایت مروی ہے۔

امام ابوعیسی ترمذی فرماتے ہیں: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث حسن صحیح ہے۔ اس حدیث کو احمد بن حنبل نے یحیی بن آدم سے مختصراروایت کیا ہے۔

شرح حدیث

علامہ ابن رجب حنبلی فرماتے ہیں:

"اس حدیث پاک میں دعا سے پہلے ثنا کرنے اور درود پاک پڑھنے کے استحباب کا بیان ہے۔ اور یہ بات نماز میں تشہد اور درود پاک کے بعد دعا پر بھی صادق آتی ہے۔"

(فتح الباری لابن رجب، باب ما یتخیر من الدعاء بعد التشہد الخ، ج7،ص351،مکتبۃ الغرباء الاثریہ، المدینۃ المنورہ)

علامہ علی بن سلطان محمد القاری حنفی فرماتے ہیں:

"((سوال کر تو دیا جائے گا، سوال کر تو دیا جائے گا)) تکرار تاکید اور تکثیر کے لیے ہے یا اس کا مطلب یہ ہے کہ دنیا اور آخرت مانگ، اللہ تعالیٰ تمہیں یہ دونوں عطا فرمائے گا۔"

(مرقاۃ المفاتیح، باب الصلاۃ علی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، ج2،ص748، دار الفکر، بیروت)

دعا سے پہلے درود پاک پڑھنے کے بارے میں احادیث و آثار

(1) حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((لَا تَجْعَلُونِی کَقَدَحِ الرَّاکِبِ، فَإِنَّ الرَّاکِبَ إِذَا أَرَادَ أَنْ یَنْطَلِقَ عَلَّقَ مَعَالِقَهُ وَمَلَأَ قَدَحًا مَاءً، فَإِنْ کَانَتْ لَهُ حَاجَةٌ فِی أَنْ یَتَوَضَّأَ تَوَضَّأَ، وَأَنْ یَشْرَبَ شَرِبَهُ وَإِلَّا أَهْرَاقَ، فَاجْعَلُونِی فِی وَسَطِ الدُّعَاءِ وَفِی أَوَّلِهِ وَفِی آخِرِهِ)) ترجمہ: تم مجھے سوار شخص کے پیالے کی طرح نہ بناؤ (یعنی مجھے آخر میں نہ بناؤ کیونکہ سوار شخص تمام اسباب میں سے پیالے کو سب سے آخر میں رکھتا ہے)، سوار شخص جب چلنے کا ارادہ کرتا ہے تو اپنے برتنوں کو لٹکا لیتا ہے اور پیالہ پانی سے بھرتا ہے، پس اگر اسے وضو کی حاجت ہوتی ہے تو وضو کرتا ہے اور پینے کی حاجت ہوتی ہے تو پیتا ہے ورنہ پانی بہا دیتا ہے، پس تم مجھ پر اپنے دعا کے وسط میں درود بھیجو، اول میں درود بھیجو اور آخر میں درود بھیجو۔

(مصنف عبد الرزاق، باب الصلاۃ علی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، ج2،ص215، المکتب الاسلامی، بیروت ☆ شعب الایمان، تعظیم النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم واجلالہ، ج3،ص137، مکتبۃ الرشد للنشر والتوزیع، ریاض ☆ کشف الاستار عن زوائد البزار، باب الصلوۃ علی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، ج4،ص45، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت)

(2) حضرت فضالہ بن عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((إذا دعا أحدكم فليبدأ بحمد الله والثناء عليه ثم ليصل على النبي صلى الله عليه وسلم ثم ليدع بما شاء)) ترجمہ: جب تم میں سے کوئی دعا مانگے تو اسے چاہیے کہ پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کرے پھر نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر درود پاک بھیجے پھر جو چاہے دعا کرے۔ (القول البدیع، الصلاۃ علیہ اول الدعاء واوسطہ وآخرہ، ج1، ص222، دار الریان للتراث)

(3) حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں: ((إِذَا أَرَادَ أَحَدُكُمْ أَنْ يَسْأَلَ فَلْيَبْدَأْ بِالْمِدْحَةِ، وَالثَّنَاءِ عَلَى اللهِ بِمَا هُوَ أَهْلُهُ، ثُمَّ لِيُصَلِّ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، ثُمَّ لِيَسْأَلْ بَعْدُ فَإِنَّهُ أَجْدَرُ أَنْ يَنْجَحَ)) ترجمہ: جب تم میں سے کوئی دعا کرنے کا ارادہ کرے تو اسے چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق اس کی مدح وثنا کرے پھر نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں درود بھیجے پھر اس کے بعد دعا کرے کہ یہ دعا کی قبولیت کے زیادہ لائق ہے۔ (المعجم الکبیر للطبرانی، حدیث 8780، ج9، ص155، مکتبہ ابن تیمیہ، القاہرہ)

(4) حضرت زید بن خارجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((صَلُّوا عَلَيَّ وَاجْتَهِدُوا فِي الدُّعَاءِ، وَقُولُوا: اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ)) ترجمہ: مجھ پر درود پاک بھیجو اور دعا میں خوب کوشش کرو اور کہو: اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ۔

(سنن نسائی، حدیث 1292، ج3، ص48، مکتب المطبوعات الاسلامیہ، حلب)

(5) حضرت عبد اللہ بن بسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((الدعاء كله محجوب حتى يكون أوله ثناء على الله -عز وجل- وصلاة على النبي صلى الله عليه وسلم ثم يدعو فيستجاب لجعائه)) ترجمہ: تمام دعائیں حجاب میں ہوتی ہیں یہاں تک کہ ان کے شروع میں اللہ تعالیٰ کی ثنا بیان کی جائے اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر درود پاک بھیجا جائے پھر دعا کی جائے تو دعا کرنے والے کی دعا قبول کی جاتی ہے۔

(القول البدیع، الصلاۃ علیہ اول الدعاء واوسطہ وآخرہ، ج1، ص222، دار الریان للتراث)

(6) حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((كل دُعَاءٍ مَحْجُوب حَتَّى يصلي على النَّبِي صلى الله عَلَيْهِ وَسلم)) ترجمہ: ہر دعا حجاب میں رہتی ہے یہاں تک کہ نبی

کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر درود پاک بھیجا جائے۔ (الفردوس بماثور الخطاب، باب الکاف، ج3، ص255، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

(7) حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((صلاتکم علی محرزۃ لدعائکم ومرضاۃ لربکم وزکاۃ لأعمالکم)) ترجمہ: تمہارا مجھ پر درود پاک پڑھنا تمہاری دعاؤں کا محافظ ہے، تمہارے رب عزوجل کی رضا کا باعث ہے اور تمہارے اعمال کی زکوۃ ہے۔

(القول البدیع، الباب الثانی فی ثواب الصلاۃ علی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، ص133، دار الریان للتراث)

(8) حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں: ((إِنَّ الدُّعَاءَ مَوْقُوفٌ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لَا يَصْعَدُ مِنْهُ شَيْءٌ حَتَّى تُصَلِّيَ عَلَى نَبِيِّكَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ)) ترجمہ: دعا زمین و آسمان کے درمیان موقوف رہتی ہے اس میں سے کچھ بھی بلند نہیں ہوتا یہاں تک کہ تم اپنے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں درود پاک پیش کرو۔ (جامع ترمذی، باب ماجاء فی فضل الصلاۃ علی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، ج2، ص356، مطبعہ مصطفیٰ البابی، مصر)

علامہ شمس الدین سخاوی (متوفی 902ھ) اس روایت کو بیان کر کے فرماتے ہیں:

"میں کہتا ہوں کہ ظاہر یہ ہے کہ یہ مرفوع کے حکم میں ہے کیونکہ اس کی مثل رائے سے نہیں کہا جا سکتا جیسا کہ ائمہ حدیث کی ایک جماعت نے اس کی تصریح کی ہے۔ علاوہ ازیں حضرت فضالہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث پاک (جو اوپر مذکور ہوئی) اس کے مرفوع ہونے پر دلالت کرتی ہے کیونکہ وہ بلفظہ یہی ہے۔

امام دیلمی نے اسے ان الفاظ کے ساتھ تخریج کیا ہے: ((الدعاء یحجب عن السماء و لا یصعد إلی السماء من الدعاء شیء حتی یصلی علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فإذا صلی علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم صعد إلی السماء)) ترجمہ: دعا آسمان سے حجاب میں رہتی ہے، اور دعا میں سے آسمان کی طرف کچھ بھی بلند نہیں ہوتا یہاں تک کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں درود پاک نہ بھیجا جائے، پس جب نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں درود پاک بھیجا جاتا ہے تو دعا آسمان کی طرف بلند ہوتی ہے۔

اور شفا شریف میں یہ الفاظ ہیں: ((الدعاء و الصلاۃ معلق بین السماء و الأرض و لا یصعد إلی اللہ منہ شیء حتی یصلی علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم)) ترجمہ: دعا اور نماز آسمان اور زمین کے درمیان معلق رہتی ہے اور

اس میں سے کچھ بھی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مقبول نہیں ہوتا یہاں تک کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں درود پاک پڑھا جائے۔"
(القول البدیع، الصلاۃ علیہ اول الدعاء واوسطہ وآخرہ، ج1، ص223، دار الریان للتراث)

(9) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے، فرماتے ہیں: ((إذا دعوت الله فاجعل فی دعائك الصلاة علی النبی صلی الله علیه وسلم فإن الصلاة علیه مقبولة والله أکرم من أن یقبل بعضاً ویرد بعضاً)) ترجمہ: جب تم اللہ تعالیٰ سے دعا مانگو تو اپنی دعا میں نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر درود پڑھو کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر درود پاک تو مقبول ہی مقبول ہے اور اللہ تعالیٰ اس سے بڑھ کر کریم ہے کہ بعض کو قبول کرے اور بعض کو رد کر دے۔

(القول البدیع، الصلاۃ علیہ اول الدعاء واوسطہ وآخرہ، ج1، ص223، دار الریان للتراث)

(10) حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((كُلُّ دُعَاءٍ مَحْجُوبٌ حَتَّى يُصَلِّيَ عَلَى مُحَمَّدٍ وَآلِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ)) ترجمہ: ہر دعا حجاب میں ہوتی ہے یہاں تک کہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور ان کی آل پر درود پڑھا جائے۔

(المعجم الاوسط للطبرانی، من اسمہ احمد، ج1، ص220، دار الحرمین، القاہرہ ☆ شعب الایمان، تعظیم النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم واجلالہ، ج3، ص135، مکتبۃ الرشد للنشر والتوزیع، ریاض)

(11) حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((مَا من دُعَاء إِلَّا بَيْنه وَبَين السَّمَاء حجاب حَتَّى يُصَلِّي على النَّبِي صلی الله عَلَيْهِ وَسلم فَإِذا فعل ذَلِك انخرق ذَلِك الْحجاب وَدخل الدُّعَاء وَإِذا لم يفعل ذَلِك رَجَعَ الدُّعَاء)) ترجمہ: ہر دعا اور آسمان کے درمیان پردہ ہوتا ہے یہاں تک کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر درود پاک بھیجا جائے، پس جب درود پاک پڑھا جائے تو وہ پردہ پھٹ جاتا ہے اور دعا داخل ہو جاتی ہے اور اگر درود پاک نہ پڑھا جائے تو دعا واپس لوٹ جاتی ہے۔ (الفردوس بماثور الخطاب، باب المیم، ج4، ص47، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

(12) حضرت سعید بن مسیّب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ((ما من دعوی لا یصلی علی النبی صلی الله علیه وسلم فیها إلا وکانت معلقة بین السماء والأرض)) ترجمہ: جس دعا میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں درود پاک نہیں بھیجا جاتا وہ آسمان و زمین کے درمیان معلق رہتی ہے۔

(القول البدیع، الصلاۃ علیہ اول الدعاء واوسطہ وآخرہ، ج1، ص223، دار الریان للتراث)

فضائل درود وسلام

احادیث مبارکہ

(1) حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کوفرماتے سنا: ((إِذَا سَمِعْتُمُ الْمُؤَذِّنَ فَقُولُوا مِثْلَ مَا يَقُولُ، ثُمَّ صَلُّوا عَلَيَّ، فَإِنَّهُ مَنْ صَلَّى عَلَيَّ صَلَاةً صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ بِهَا عَشْرًا، ثُمَّ سَلُوا لِيَ الْوَسِيلَةَ فَإِنَّهَا مَنْزِلَةٌ فِي الْجَنَّةِ لَا تَنْبَغِي إِلَّا لِعَبْدٍ مِنْ عِبَادِ اللهِ وَأَرْجُو أَنْ أَكُونَ أَنَا هُوَ، وَمَنْ سَأَلَ لِيَ الْوَسِيلَةَ حَلَّتْ عَلَيْهِ الشَّفَاعَةُ)) ترجمہ: جب تم مؤذن سے اذان سنوتو جومؤذن نے کہاہے اس کی مثل کہو، پھر مجھ پر درود بھیجوکہ جو مجھ پرایک بار درود بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے سبب اس پر دس بار درود بھیجتا ہے (یعنی اس پر دس رحمتیں نازل فرماتا ہے)، پھر میرے لیے وسیلہ کی دعا کرو، یہ جنت میں ایک مقام ہے، اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے صرف ایک ہی کو ملے گا اور میں امید کرتا ہوں کہ وہ میں ہوں اور جس نے میرے لیے وسیلہ کا سوال کیا اس کے لیے شفاعت حلال ہوگئی۔

(صحیح مسلم، باب القول مثل قول المؤذن لمن سمعہ، ج1، ص288، داراحیاء التراث العربی، بیروت) ☆ (جامع ترمذی، بابٌ فی فضلِ النَّبیِّ صَلَّی اللّٰہُ علیہ وَسَلَّم، 6، ص13، دارالغرب الاسلامی، بیروت) ☆ (السنن الکبری للنسائی، الصلوۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم، ج2، ص252، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت)

(2) حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں: ((بَيْنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَاعِدٌ إِذْ دَخَلَ رَجُلٌ فَصَلَّى فَقَالَ: اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي وَارْحَمْنِي، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: عَجِلْتَ أَيُّهَا الْمُصَلِّي، إِذَا صَلَّيْتَ فَقَعَدْتَ فَاحْمَدِ اللَّهَ بِمَا هُوَ أَهْلُهُ وَصَلِّ عَلَيَّ ثُمَّ ادْعُهُ. قَالَ: ثُمَّ صَلَّى رَجُلٌ آخَرُ بَعْدَ ذَلِكَ فَحَمِدَ اللَّهَ وَصَلَّى عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَيُّهَا الْمُصَلِّي ادْعُ تُجَبْ)) ترجمہ: ہم رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی مجلس میں حاضر تھے کہ ایک شخص آیا، اس نے نماز پڑھی اور اپنے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اے اللہ مجھے بخش دے اور مجھ پر رحم فرماتو رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اسے فرمایا: اے نمازی تو نے دعا کرنے میں جلدی کی ہے (تجھے چاہئے کہ) تو جب نماز پڑھ لے تو بیٹھ کر اللہ تعالیٰ کی ایسی حمد کر جو اس کی شان کے لائق ہے اور مجھ پر درود پڑھ پھر اللہ تعالیٰ سے دعا کر۔ راوی کہتے ہیں کہ اس کے بعد پھر ایک دوسرے شخص نے نماز پڑھی نماز

کے بعد اللہ تعالیٰ کی حمد کی اور نبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم پر درود پاک پڑھا تو رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اس سے ارشاد فرمایا: اے نمازی تو دعا مانگ تیری دعا قبول کی جائے گی۔

(جامع الترمذی، ج5،ص393،دارالغرب الاسلامی، بیروت☆سنن ابی داؤد، باب الدعاء، ج2،ص77،المکتبۃ العصریہ، بیروت☆سنن نسائی، باب التمجید والصلوۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم، ج3،ص44،مکتب المطبوعات الاسلامیہ، بیروت☆مشکوۃ المصابیح، الفصل الاول، ج1،ص291،المکتب الاسلامی، بیروت)

(3) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں: ((كُنْتُ أُصَلِّي وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَأَبُو بَكْرٍ، وَعُمَرُ مَعَهُ، فَلَمَّا جَلَسْتُ بَدَأْتُ بِالثَّنَاءِ عَلَى اللَّهِ، ثُمَّ الصَّلَاةِ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، ثُمَّ دَعَوْتُ لِنَفْسِي، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: سَلْ تُعْطَهْ، سَلْ تُعْطَهْ)) ترجمہ: میں نماز پڑھ رہا تھا، نبی اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم، ابوبکر صدیق اور عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما (اس وقت) تشریف فرما تھے، جب میں (نماز سے فارغ ہو کر) بیٹھ گیا تو میں نے (دعا کے لیے ہاتھ اٹھانے کے بعد) سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کی پھر نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی بارگاہ میں درود پاک پیش کیا پھر اپنے لیے دعا مانگی، نبی پاک صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے (جب یہ ملاحظہ فرمایا تو) ارشاد فرمایا: تو سوال کر تجھے عطا کیا جائے گا، تو مانگ تجھے دیا جائے گا۔ (جامع ترمذی، باب ماذکر فی ثناء علی اللہ، ج1،ص732،دارالغرب الاسلامی، بیروت)

(4) حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں: ((كُنْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَكَّةَ فَخَرَجْنَا فِي بَعْضِ نَوَاحِيهَا فَمَا اسْتَقْبَلَهُ جَبَلٌ وَلَا شَجَرٌ إِلَّا وَهُوَ يَقُولُ: السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ)) ترجمہ: میں مکۃ المکرمہ میں نبی پاک صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے ساتھ تھا، ہم مکہ پاک کے بعض مضافات کی طرف نکلے تو (راستے میں) جو بھی پہاڑ اور درخت ملتا تو وہ (نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی بارگاہ میں) **یوں عرض کرتا: السلام علیک یارسول اللہ۔**

(جامع ترمذی، باب ماذکر فی ثناء علی اللہ، ج6،ص25،دارالغرب الاسلامی، بیروت)

(5) حضرت اُبَیّ بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں: ((قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنِّي أُكْثِرُ الصَّلَاةَ عَلَيْكَ فَكَمْ أَجْعَلُ لَكَ مِنْ صَلَاتِي؟ فَقَالَ: مَا شِئْتَ. قَالَ: قُلْتُ: الرُّبُعَ، قَالَ: مَا شِئْتَ فَإِنْ زِدْتَ فَهُوَ خَيْرٌ لَكَ، قُلْتُ: النِّصْفَ، قَالَ: مَا شِئْتَ، فَإِنْ زِدْتَ فَهُوَ خَيْرٌ لَكَ، قَالَ: قُلْتُ: فَالثُّلُثَيْنِ، قَالَ: مَا شِئْتَ، فَإِنْ زِدْتَ فَهُوَ خَيْرٌ لَكَ، قُلْتُ: أَجْعَلُ لَكَ صَلَاتِي كُلَّهَا قَالَ: إِذًا تُكْفَى هَمَّكَ، وَيُغْفَرُ لَكَ ذَنْبُكَ)) ترجمہ: میں نے عرض کیا: یارسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم! میں آپ کی بارگاہ میں کثرت کے ساتھ درود پاک بھیجنا چاہتا ہوں، تو میں کتنا درود پاک آپ کی بارگاہ

میں بھیجوں؟ارشادفرمایا: جتناتم چاہو،میں نے عرض کیا: (وظائف کے لیے جتنا وقت ہے اس کا) چوتھائی حصہ درود پاک کے لیے مختص کردوں؟فرمایا: جتنا تم چاہو،اگر (اس سے) زیادہ کروگے تو تمہارے لیے بہتر ہوگا،میں نے عرض کیا: آدھاوقت درود پاک کے لیے مختص کردوں؟فرمایا: جتناتم چاہو،اگر (اس سے) زیادہ کروگے تو تمہارے لیے بہتر ہوگا،میں نے عرض کیا: دوتہائی وقت درود پاک کے لیے مختص کردوں؟ارشادفرمایا: جتناتم چاہو،اگر (اس سے) زیادہ کروگے تو تمہارے لیے بہتر ہوگا،میں نے عرض کیا: (وظائف کے لیے مختص وقت) ساراکاسارادرود پاک کے لیے مختص کردوں؟ارشادفرمایا: تب تو یہ تمہارے دکھوں کودورکرے گااور تمہارے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔

(جامع ترمذی،ج4،ص218،دارالغرب الاسلامی،بیروت ☆ المستدرک علی الصحیحین تفسیر سورۃ الاحزاب،ج2،ص457،دارالکتب العلمیہ،بیروت)

امام حاکم نے فرمایا''هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحُ الْإِسْنَادِ''ترجمہ: یہ حدیث اسناد کے اعتبار سے صحیح ہے۔

(المستدرک علی الصحیحین تفسیر سورۃ الاحزاب،ج2،ص457،دارالکتب العلمیہ،بیروت)

امام ذہبی نے لکھا''صحیح''

(المستدرک علی الصحیحین تفسیر سورۃ الاحزاب،ج2،ص457،دارالکتب العلمیہ،بیروت)

(6) عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے،رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا: ((أَوْلَى النَّاسِ بِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَكْثَرُهُمْ عَلَيَّ صَلَاةً)) ترجمہ: قیامت کے دن میرے زیادہ قریب وہ شخص ہوگا جس نے مجھ پر کثرت کے ساتھ درود پاک پڑھاہوگا۔

(جامع الترمذی،باب ماجاء فی فضل الصلوۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم،ج1،ص612،دارالغرب الاسلامی،بیروت)

(7) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا: ((مَنْ صَلَّى عَلَيَّ صَلَاةً صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ بِهَا عَشْرًا وَكَتَبَ لَهُ عَشْرَ حَسَنَاتٍ)) ترجمہ: جومجھ پرایک بار درود پاک بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے سبب اس پر دس بار درود پاک بھیجتا ہے اوراس کے لیے دس نیکیاں لکھ دیتا ہے۔

(جامع الترمذی،باب ماجاء فی فضل الصلوۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم،ج1،ص612،دارالغرب الاسلامی،بیروت)

(8) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے،رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا: ((رَغِمَ أَنْفُ رَجُلٍ ذُكِرْتُ عِنْدَهُ فَلَمْ يُصَلِّ عَلَيَّ،وَرَغِمَ أَنْفُ رَجُلٍ دَخَلَ عَلَيْهِ رَمَضَانُ ثُمَّ انْسَلَخَ قَبْلَ أَنْ يُغْفَرَ لَهُ،وَرَغِمَ أَنْفُ رَجُلٍ أَدْرَكَ عِنْدَهُ أَبَوَاهُ الْكِبَرَ فَلَمْ يُدْخِلَاهُ الْجَنَّةَ)) ترجمہ: اس شخص کی ناک خاک آلود ہوجس کے سامنے میرا

ذکر ہو اور مجھ پر درود نہ بھیجے، اور اس شخص کی ناک خاک آلود ہو جس پر رمضان آئے پھر چلا جائے اور اس کی بخشش نہ ہو، اور اس شخص کی ناک خاک آلود ہو جس نے والدین کو بڑھاپے کی حالت میں پایا اور ان دونوں نے اسے جنت میں داخل نہ کیا (یعنی اس نے ان کی خدمت کر کے جنت حاصل نہ کی)۔ (جامع الترمذی، ج5، ص442، دار الغرب الاسلامی، بیروت)

(9) امیر المؤمنین حضرت علی المرتضی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: ((اَلْبَخِیلُ الَّذِی مَنْ ذُکِرْتُ عِنْدَہُ فَلَمْ یُصَلِّ عَلَیَّ)) ترجمہ: بخیل ہے وہ شخص جس کے سامنے میرا ذکر ہو اور وہ میری بارگاہ میں درود نہ بھیجے۔

(جامع الترمذی، ج5، ص443، دار الغرب الاسلامی، بیروت ☆ مسند احمد بن حنبل، عن حسین بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما، ج3، ص258، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت)

(10) حضرت ابو الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: ((أَکْثِرُوا الصَّلَاۃَ عَلَیَّ یَوْمَ الْجُمُعَۃِ؛ فَإِنَّہُ مَشْهُودٌ تَشْهَدُہُ الْمَلَائِکَۃُ، وَإِنَّ أَحَدًا لَنْ یُصَلِّیَ عَلَیَّ، إِلَّا عُرِضَتْ عَلَیَّ صَلَاتُہُ حَتَّی یَفْرُغَ مِنْهَا قَالَ: قُلْتُ: وَبَعْدَ الْمَوْتِ؟ قَالَ: وَبَعْدَ الْمَوْتِ، إِنَّ اللّٰہَ حَرَّمَ عَلَی الْأَرْضِ أَنْ تَأْکُلَ أَجْسَادَ الْأَنْبِیَاءِ، فَنَبِیُّ اللّٰہِ حَیٌّ یُرْزَقُ)) ترجمہ: جمعہ کے دن میری بارگاہ میں کثرت کے ساتھ درود بھیجو، کہ یہ یومِ مشہود ہے اس دن ملائکہ حاضر ہوتے ہیں اور بے شک جو شخص بھی مجھ پر درود پاک بھیجتا ہے اس کا درود پاک میری بارگاہ میں پیش کیا جاتا ہے اس کے فارغ ہونے سے پہلے، حضرت ابو الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: وفات کے بعد (بھی)، فرمایا: (ہاں) وفات کے بعد بھی، کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا کہ انبیاء علیہم السلام کے اجسام کو کھائے، اللہ تعالیٰ کا نبی زندہ ہوتا ہے رزق دیا جاتا ہے۔ (سنن ابن ماجہ، باب ذکر وفاتہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، ج1، ص524، دار احیاء الکتب العربیہ، الحلب)

(11) حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: ((مَنْ صَلَّی عَلَیَّ صَلَاۃً وَاحِدَۃً صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ عَشْرَ صَلَوَاتٍ، وَحُطَّتْ عَنْہُ عَشْرُ خَطِیئَاتٍ، وَرُفِعَتْ لَہُ عَشْرُ دَرَجَاتٍ)) ترجمہ: جو میری بارگاہ میں ایک بار درود بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل فرماتا ہے، اس کے دس گناہ مٹا دیئے جاتے ہیں اور اس کے لیے دس درجے بلند کر دیئے جاتے ہیں۔

(سنن نسائی، باب فضل الصلوۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم، ج3، ص50، مکتب المطبوعات الاسلامیہ، حلب)

(12) حضرت ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں: ((جَاءَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَوْمًا وَھُوَ یُرَی الْبِشْرُ فِی وَجْھِہِ فَقِیلَ: یَا رَسُولَ اللّٰہِ، إِنَّا نَرَی فِی وَجْھِکَ بِشْرًا لَمْ نَکُنْ نَرَاہُ؟ قَالَ: أَجَلْ، إِنَّ مَلَکًا أَتَانِی فَقَالَ لِی: یَا مُحَمَّدُ إِنَّ رَبَّکَ یَقُولُ لَکَ: أَمَا یُرْضِیکَ أَنْ لَا یُصَلِّیَ عَلَیْکَ أَحَدٌ مِنْ أُمَّتِکَ إِلَّا صَلَّیْتُ عَلَیْہِ عَشْرًا، وَلَا یُسَلِّمَ عَلَیْکَ إِلَّا سَلَّمْتُ عَلَیْہِ عَشْرًا؟ قَالَ: قُلْتُ: بَلَی)) ترجمہ: ایک دن نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم تشریف لائے، آپ کے چہرۂ اقدس پر خوشی کے آثار نظر آ رہے تھے، عرض کیا گیا: یارسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم! آپ کے چہرۂ اقدس میں ایسی خوشی دیکھ رہے ہیں جو اس سے پہلے ہم نے نہیں دیکھی، فرمایا: جی ہاں، (اس کی وجہ یہ ہے کہ) ایک فرشتہ میرے پاس آیا اور مجھ سے کہا کہ یارسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم! بے شک آپ کا رب عزوجل آپ سے فرماتا ہے کہ کیا آپ راضی نہیں کہ آپ کا کوئی امتی آپ پر درود بھیجتا ہے تو میں اس پر دس بار درود بھیجتا ہوں، آپ کا کوئی امتی آپ پر سلام بھیجتا ہے تو میں اس پر دس بار سلام بھیجتا ہوں؟ میں نے عرض کیا: کیوں نہیں! (میرے رب میں راضی ہوں)۔

(سنن دارمی، باب فی فضل الصلوۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم، ج3، ص1825، دار المغنی للنشر والتوزیع، عرب)

(13) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: ((مَنْ نَسِیَ الصَّلَاۃَ عَلَیَّ خُطِیءَ بِہِ طَرِیقُ الْجَنَّۃِ)) ترجمہ: جو مجھ پر درود پاک بھیجنا بھول گیا اس سے جنت کا راستہ گم ہو گیا۔

(شعب الایمان للبیہقی، تعظیم النبی صلی اللہ علیہ وسلم، ج3، ص135، مکتبۃ الرشد للنشر والتوزیع، ریاض)

(14) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: ((مَنْ قَرَأَ الْقُرْآنَ وَحَمِدَ الرَّبَّ وَصَلَّی عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ، وَاسْتَغْفَرَ رَبَّہُ فَقَدْ طَلَبَ الْخَیْرَ مَکَانَہُ)) ترجمہ: جس نے قرآن پڑھا، رب عزوجل کی حمد کی، نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی بارگاہ میں درود پاک پیش کیا اور اپنے رب عزوجل سے بخشش چاہی (استغفار کیا) تو اس نے خیر کو اس کی جگہ سے تلاش کر لیا۔

(شعب الایمان، فصل فی استحباب التکبیر عند الختم، ج3، ص432، مکتبۃ الرشد للنشر والتوزیع، ریاض)

(15) رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: ((وَصَلُّوا عَلَیَّ فَإِنَّ صَلَاتَکُمْ تبلغنی حَیْثُ کُنْتُمْ)) ترجمہ: میری بارگاہ میں درود پاک بھیجو، تم جہاں بھی ہو بے شک تمہارا درود پاک میری بارگاہ میں پہنچتا ہے۔

(مشکوۃ المصابیح بحوالہ نسائی، الفصل الاول، ج1، ص291، المکتب الاسلامی، بیروت)

(16) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: ((مَنْ صَلَّى عَلَيَّ كُنْتُ شَفِيعَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ)) ترجمہ: جس نے میری بارگاہ میں درود بھیجا میں قیامت کے دن اس کی شفاعت کروں گا۔

(الترغیب لابن شاہین، باب مختصر من الصلوۃ علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ج1، ص12، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

(17) حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، حضور نبی کریم صلّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: ((مَا جَلَسَ قَوْمٌ مَجْلِسًا لَمْ يُصَلُّوا فِيهِ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَّا كَانَ حَسْرَةً عَلَيْهِمْ، وَإِنْ دَخَلُوا الْجَنَّةَ لِمَا يَرَوْنَ مِنَ الثَّوَابِ)) ترجمہ: جو قوم کسی مجلس میں بیٹھے اور مجھ پر درود پاک نہ پڑھے تو انہیں اس کا اجر دیکھ کر اپنے اوپر حسرت ہوگی اگرچہ وہ جنت میں داخل ہو جائیں۔

(الترغیب لابن شاہین، باب مختصر من الصلوۃ علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ج1، ص13، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

(18) حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: ((مَنْ صَلَّى عَلَيَّ فِي يَوْمٍ أَلْفَ مَرَّةٍ لَمْ يَمُتْ حَتَّى يَرَى مَقْعَدَهُ مِنَ الْجَنَّةِ)) ترجمہ: جو شخص مجھ پر ایک دن میں ہزار مرتبہ درود پڑھے گا وہ اس وقت تک نہیں مرے گا جب تک جنت میں اپنا ٹھکانہ نہ دیکھ لے۔

(الترغیب لابن شاہین، باب مختصر من الصلوۃ علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ج1، ص14، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

(19) حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، حضور نبی کریم صلّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: ((مَنْ صَلَّى عَلَيَّ صَلَاةً تَعْظِيمًا لِحَقِّي جَعَلَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ مِنْ تِلْكَ الْكَلِمَةِ مَلَكًا، جَنَاحٌ لَهُ بِالْمَشْرِقِ وَجَنَاحٌ لَهُ بِالْمَغْرِبِ، وَرِجْلَاهُ فِي تُخُومِ الْأَرْضِ، وَعُنُقُهُ مَلْوِيٌّ تَحْتَ الْعَرْشِ، يَقُولُ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ لَهُ: صَلِّ عَلَى عَبْدِي كَمَا صَلَّى عَلَى نَبِيِّي، فَيُصَلِّي عَلَيْهِ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ)) ترجمہ: جو میرے حق کی تعظیم کرتے ہوئے مجھ پر درودِ پاک بھیجتا ہے اللہ عزّ وجلّ اس سے ایک فرشتہ پیدا فرماتا ہے جس کا ایک پَر مشرق میں، دوسرا مغرب میں، اس کی دونوں ٹانگیں ساتویں زمین میں اور گردن عرش کے نیچے ہوتی ہے۔ اللہ عزّ وجلّ اُسے فرماتا ہے: تم میرے بندے پر اسی طرح درودِ پاک بھیجو جس طرح اس نے میرے نبی پر بھیجا۔ پس وہ فرشتہ تا قیامت اس بندے پر درود بھیجتا رہے گا۔

(الترغیب لابن شاہین، باب مختصر من الصلوۃ علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ج1، ص14، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

(20) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: ((اَلصَّلَاۃُ عَلَیَّ نُورٌ عَلَی الصِّرَاطِ فَمَنْ صَلّٰی عَلَیَّ یَوْمَ الْجُمُعَۃِ ثَمَانِینَ مَرَّۃً غُفِرَتْ لَہُ ذُنُوبُ ثَمَانِینَ عَامًا)) ترجمہ: مجھ پر درود بھیجنا پل صراط پر نور ہے، جو شخص جمعہ کے دن مجھ پر اسی (80) مرتبہ درود بھیجے گا اس کے اسی سال کے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔

(الترغیب لابن شاہین، باب مختصر من الصلوۃ علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ج1، ص14، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

(21) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے، رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: ((مَنْ سَرَّہُ أَنْ یَلْقَی اللّٰہَ وَھو عَلَیْہِ رَاضٍ فَلْیُکْثِرِ الصَّلَاۃَ عَلَیَّ)) ترجمہ: جسے یہ بات پسند ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس حال میں پیش ہو کہ وہ اس سے راضی ہو تو اسے چاہیے کہ مجھ پر کثرت سے درود پاک پڑھے۔

(الکامل لابن عدی، عمر بن راشد مولیٰ مروان بن ابان، ج6، ص32، الکتب العلمیہ، بیروت)

(22) حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: ((مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ صَلَاۃً وَاحِدَۃً صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ عَشْرًا، وَمَنْ صَلّٰی عَلَیَّ عَشْرًا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ مِائَۃً، وَمَنْ صَلّٰی عَلَیَّ مِائَۃً کَتَبَ اللّٰہُ بَیْنَ عَیْنَیْہِ بَرَاءَۃً مِنَ النِّفَاقِ، وَبَرَاءَۃً مِنَ النَّارِ، وَأَسْکَنَہُ اللّٰہُ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ مَعَ الشُّھَدَاءِ)) ترجمہ: جو شخص مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر دس بار درود بھیجتا ہے اور جو مجھ پر دس بار درود بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر سو بار درود بھیجتا ہے اور جو مجھ پر سو بار درود بھیجتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان لکھ دیتا ہے کہ اس بندے کے لیے نفاق اور جہنم کی آگ سے آزادی ہے اور قیامت کے دن اسے شہدا کے ساتھ رکھے گا۔

(المعجم الاوسط للطبرانی، من اسمہ محمد، ج7، ص187، دار الحرمین، القاہرہ)

(23) رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: ((إِنَّ أَنْجَاکُمْ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ مِنْ أَھْوَالِھَا وَمَوَاطِنِھَا أَکْثَرُکُمْ عَلَیَّ صَلَاۃً)) ترجمہ: قیامت کی ہولناکیوں اور دشوار گزار گھاٹیوں سے تم میں سے جلدی نجات پانے والا وہ شخص ہوگا جس نے کثرت سے درود پاک پڑھا ہوگا۔

(الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم، الفصل الخامس فضیلۃ الصلوۃ والسلام علیہ، ج2، ص176، دار الفیحاء، عمان)

(24) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: ((مَنْ صَلَّی عَلَیَّ فِی کِتَابٍ لَمْ تَزَلِ الْمَلَائِکَةُ تَسْتَغْفِرُ لَهُ مَا بَقِیَ اسْمِی فِی ذٰلِکَ الْکِتَابِ)) ترجمہ: جس نے کسی کتاب میں مجھ پر درود پاک لکھ دیا تو فرشتے اس کے لیے اس وقت تک استغفار کرتے رہیں گے جب تک میرا نام اس کتاب میں رہے گا۔ (الشفاء بتعریف حقوق المصطفی صلی اللہ علیہ وسلم، الفصل الخامس فضیلۃ الصلوۃ والسلام علیہ، ج2، ص173، دار الفیحاء، عمان)

درود پاک کی جگہ صلعم وغیرہ لکھنے کا حکم:

اکثر لوگ آج کل درود شریف کے بدلے صلعم، عم، ص، ع لکھتے ہیں وہ اس برکت اور ثواب سے محروم ہوتے ہیں بلکہ الٹا گناہ کا وبال اپنے سر لیتے ہیں۔ امام اہلسنت مجدد دین وملت امام احمد رضا خان علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

"حرف ص لکھنا جائز نہیں، نہ لوگوں کے نام پر نہ حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے اسمِ کریم پر، لوگوں کے نام پر تو یوں نہیں کہ وہ اشارہ درود کا ہے اور غیر انبیاو ملائکہ علیہم الصلوۃ والسلام پر بالاستقلال درود جائز نہیں اور نام اقدس پر یوں نہیں کہ وہاں پورے درود شریف کا حکم ہے صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم لکھے فقط ص یا صلم یا صلعم جو لوگ لکھتے ہیں سخت شنیع وممنوع ہے یہاں تک کہ تاتارخانیہ میں اس کو تخفیفِ شانِ اقدس ٹھہرایا والعیاذ باللہ تعالیٰ۔" (فتاوی رضویہ، ج23، ص387، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

صدر الشریعہ بدر الطریقہ مفتی امجد علی اعظمی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

"اکثر لوگ آج کل درود شریف کے بدلے صلعم، عم، ص، ع لکھتے ہیں یہ سخت ناجائز وسخت حرام ہے۔ یوہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جگہ رض، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی جگہ رح لکھتے ہیں یہ بھی نہ چاہیے، جن کے نام محمد، احمد، علی حسن، حسین وغیرہ ہوتے ہیں ان ناموں پر ؐ بناتے ہیں یہ بھی ممنوع ہے کہ اس جگہ تو یہ شخص مراد ہے، اِس پر دُرود کا اشارہ کیا معنی۔"

(بہار شریعت، حصہ 3، ص534، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

(25) رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: ((مَنْ سَلَّمَ عَلَیَّ عَشْرًا فَکَأَنَّمَا أَعْتَقَ رَقَبَةً)) ترجمہ: جس نے مجھ پر دس بار درود پاک پڑھا گویا کہ اس نے ایک گردن (غلام یا باندی) کو آزاد کیا۔

(الشفاء بتعریف حقوق المصطفی صلی اللہ علیہ وسلم، الفصل الخامس لفضیلۃ الصلوۃ والسلام علیہ، ج2، ص176، دار الفیحاء، عمان)

(26) حدیث پاک میں ہے: ((اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ صَعِدَ الْمِنْبَرَ فَقَالَ: آمِینَ ثُمَّ صَعِدَ فَقَالَ:

آمِینَ، ثُمَّ صَعِدَ فَقَالَ: آمِینَ، فَسَأَلَهُ مُعَاذٌ عَنْ ذٰلِکَ فَقَالَ: إِنَّ جِبْرِیلَ أَتَانِی فَقَالَ: یَا مُحَمَّدُ مَنْ سُمِّیتَ بَیْنَ یَدَیْهِ فَلَمْ یُصَلِّ عَلَیْکَ فَمَاتَ فَدَخَلَ النَّارَ، فَأَبْعَدَهُ اللّٰهُ قُلْ: آمِینَ فَقُلْتُ: آمِینَ وَقَالَ فِیمَنْ أَدْرَکَ رَمَضَانَ فَلَمْ یُقْبَلْ مِنْهُ فَمَاتَ مِثْلَ ذٰلِکَ. وَمَنْ أَدْرَکَ أَبَوَیْهِ أَوْ أَحَدَهُمَا فَلَمْ یَبَرَّهُمَا فَمَاتَ مِثْلَهُ)) ترجمہ: نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم منبر اقدس (کے پہلے زینے) پر تشریف فرما ہوئے تو کہا: آمین، پھر (دوسرے زینے پر) تشریف فرما ہوئے تو کہا: آمین، پھر (تیسرے زینے پر) تشریف فرما ہوئے تو کہا: آمین، معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس بارے میں سوال کیا تو فرمایا کہ جبریل علیہ السلام میرے پاس آئے اور کہا: یارسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم! جس کے سامنے آپ کا ذکر ہو اور وہ آپ پر درود نہ بھیجے ایسا شخص مرے تو جہنم میں داخل ہو اور اللہ تعالیٰ اُسے دور فرمادے، آپ کہئے: آمین، تو میں نے کہا: آمین، اور جبریل علیہ السلام نے مجھے اس شخص کے بارے میں کہا کہ جس نے رمضان کو پایا اور اس سے (رمضان کی عبادت) قبول نہ کی گئی (یعنی اس کی مغفرت کا سبب نہ بنی)، تو وہ بھی اسی کی مثل مرے (یعنی مرکر جہنم میں جائے)، اور جو والدین یا والدین میں کوئی ایک پائے اور ان کے ساتھ بھلائی نہ کرے تو وہ بھی اسی کی مثل مرے۔

(الشفاء بعریف حقوق المصطفی صلی اللہ علیہ وسلم، الفصل الخامس فضیلۃ الصلوۃ والسلام علیہ، ج2، ص178، دار الفیحاء، عمان)

(27) حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: ((مِنَ الْجَفَاءِ أَنْ أُذْکَرَ عِنْدَ الرَّجُلِ فَلَا یُصَلِّی عَلَیَّ)) ترجمہ: جس شخص کے سامنے میرا ذکر ہو اور وہ مجھ پر درود نہ بھیجے تو یہ (مجھ پر) جفا ہے۔

(الشفاء بعریف حقوق المصطفی صلی اللہ علیہ وسلم، الفصل الخامس فضیلۃ الصلوۃ والسلام علیہ، ج2، ص180، دار الفیحاء، عمان)

(28) حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: ((مَا جَلَسَ قَوْمٌ مَجْلِسًا ثُمَّ تَفَرَّقُوا عَلَی غَیْرِ صَلَاةٍ عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ إِلَّا تَفَرَّقُوا عَلَی أَنْتَنَ مِنْ رِیحِ الْجِیفَةِ)) ترجمہ: کوئی قوم کسی جگہ بیٹھی اور نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم پر درود بھیجے بغیر اٹھ کر متفرق گئی تو وہ مردار سے بھی زیادہ بدبودار چیز سے اٹھی۔

(الشفاء بعریف حقوق المصطفی صلی اللہ علیہ وسلم، الفصل الخامس فضیلۃ الصلوۃ والسلام علیہ، ج2، ص180، دار الفیحاء، عمان)

(29) ابن قیم (المتوفی 751ھ) نے جلاء الافہام میں روایت نقل کی ہے: ((عَنْ أَبِی الدَّرْدَاءِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ أَکْثِرُوا الصَّلَاةَ عَلَیَّ یَوْمَ الْجُمُعَةِ فَإِنَّهُ یَوْمٌ مَشْهُودٌ تَشْهَدُهُ الْمَلَائِکَةُ لَیْسَ مِنْ

عبد يُصَلِّي عَلَيَّ إِلَّا بَلَغنِي صَوته حَيْثُ كَانَ قُلْنَا وَبعد وفاتك قَالَ وَبعد وفاتي إِن الله حرم على الْأَرْض أَن تَأْكُل أجساد الْأَنْبِيَاء)) ترجمہ: حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مجھ پر جمعہ والے دن کثرت کے درود پڑھا کرو کہ یہ یوم مشہود ہے، اس دن ملائکہ حاضر ہوتے ہیں، کوئی آدمی بھی مجھ پر درود بھیجتا ہے وہ جہاں بھی ہو اس کی آواز مجھ تک پہنچتی ہے، ہم (صحابہ) نے عرض کیا: اور وصال فرمانے کے بعد بھی (درود کی آواز آپ تک پہنچے گی)؟ ارشاد فرمایا: جی ہاں! اپنے وصال کے بعد بھی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا کہ وہ انبیاء علیہم السلام کے اجسام کو کھائے۔ (جلاء الافہام، واما حدیث ابی الدرداء رضی اللہ عنہ، ج1، ص127، دار العروبہ، الکویت)

اس حدیث پاک سے چند باتیں معلوم ہوئیں:

(الف) درود پاک کی کثرت عام دنوں میں بھی کرنی چاہیے مگر جمعہ والے دن خصوصی طور پر کثرت کرنی چاہیے، کیونکہ اس کی ترغیب غمخوار امت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے خود دلائی ہے کہ اس دن ملائکہ حاضر ہوتے ہیں۔

(ب) یہ بھی معلوم ہوا کہ ہم جہاں سے بھی درود پڑھیں ہماری آواز حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم تک پہنچتی ہے۔

ہم یہاں سے پکاریں وہ مدینے سنیں ان کی اعلیٰ سماعت پہ لاکھوں سلام
دور و نزدیک سے سننے والے وہ کان کانِ لعلِ کرامت پہ لاکھوں سلام

(ج) یہ بھی معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام زندہ ہیں، حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم فرماتے ہیں: ((إِنَّ اللَّـهَ حَرَّمَ عَلَى الْأَرْضِ أَنْ تَأْكُلَ أَجْسَادَ الْأَنْبِيَاءِ، فَنَبِيُّ اللَّهِ حَيٌّ يُرْزَقُ)) ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا کہ انبیاء علیہم السلام کے اجسام کو کھائے، اللہ تعالیٰ کا نبی زندہ ہوتا ہے رزق دیا جاتا ہے۔

(سنن ابن ماجہ، باب ماذکر وفاتہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، ج1، ص524، دار احیاء الکتب العربیہ، الحلب)

تو زندہ ہے واللہ تو زندہ ہے واللہ
میری چشمِ عالم سے چھپ جانے والے

(30) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: ((أن لله سيارة من الملائكة إذا مروا بحلق الذكر قال بعضهم لبعض اقعدوا فإذا دعا القوم فأمنوا على دعائهم فإذا

صلوا علی النبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ صلوا معهم حتی تفرقوا ثم یقول بعضهم لبعض طوبی لهؤلاء یرجعون مغفور لهم)) ترجمہ: بیشک اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے سیر کرتے رہتے ہیں جب ان کا گزر ذکر اللہ والے کسی حلقہ کے پاس سے ہوتا ہے تو وہ ایک دوسرے کو کہتے ہیں کہ یہیں بیٹھ جاؤ، جب یہ قوم دعا کرے تو تم ان کی دعا پر آمین کہنا اور جب یہ نبی کریم علیہ الصوۃ والسلام پر درودِ پاک بھیجیں تو تم بھی ان کے ساتھ نبی کریم صلّی اللہُ علیہ وسلّم پر درودِ پاک بھیجنا یہاں تک کہ تم جدا ہو جاؤ، تو وہ ایک دوسرے کو کہتے ہیں: ان لوگوں کے لئے خوشخبری ہو کہ ان کی بخشش کر دی گئی ہے۔

(القول البدیع فی الصلوۃ علی الحبیب، الباب الثانی، ج1، ص123، دار الریان للتراث)

(31) حضرت سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں: ((جاء رجل إلی النبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فشکا إلیه الفقر وضیق العیش والمعاش فقال له رسول الله صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ إذا دخلت منزلك فیسلم إن کان فیه أحد أو لم یکن فیه أحد ثم سلم علی واقرأ قل هو الله أحد مرة واحدة ففعل الرجل فأدر الله علیه الرزق حتی أفاض علی جیرانه وقراباته)) ترجمہ: ایک شخص نبی کریم صلّی اللہُ علیہ وسلّم کی بارگاہ میں حاضر ہوا، اس نے فقر و فاقہ اور تنگی معاش کی شکایت کی، رسول اللہ صلّی اللہُ علیہ وسلّم نے اسے (برکتِ رزق کا وظیفہ بتاتے ہوئے) ارشاد فرمایا: جب تم گھر میں داخل ہو تو سلام کرو چاہے گھر میں کوئی ہو یا نہ ہو، پھر میری بارگاہ میں سلام پیش کرو اور (پھر) سورۂ اخلاص ایک مرتبہ پڑھ لو۔ اس شخص نے اس پر عمل کیا تو اللہ تعالیٰ نے (اس کی برکت سے) اس شخص پر رزق کے دروازے کھول دیئے، یہاں تک کہ اس نے اپنے رزق سے اپنے پڑوسیوں اور رشتہ داروں کو بھی فائدہ پہنچایا۔

(القول البدیع فی الصلوۃ علی الحبیب، الباب الثانی، ج1، ص135، دار الریان للتراث)

(32) امام شمس الدین محمد بن عبد الرحمٰن سخاوی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی 902ھ) ''القول البدیع'' میں ایک روایت نقل فرماتے ہیں: ((إن الله سبحانه وتعالی أوحی إلی موسی علیه السلام أننی جعلت فیك عشرة آلاف سمع حتی سمعت کلامی وعشرة آلاف لسان حتی أجبتنی، وأحب ما تکون إلی وأقرب ما تکون أنت منی إذا ذکرتنی وصلیت علی محمد صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ)) ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی کہ میں نے تجھ میں دس ہزار سماعتیں رکھیں یہاں تک کہ تم نے میرا کلام سنا اور دس ہزار زبانیں پیدا کیں یہاں تک تم نے مجھے

جواب دیا اور میرے نزدیک اس سے زیادہ محبوب اور اس سے زیادہ مقرب اس وقت بنو گے جب میرا ذکر کرو گے اور محمد مصطفیٰ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم پر درود بھیجو گے۔ (القول البدیع فی الصلوۃ علی الحبیب، الباب الثانی، ج1، ص137، دار الریان للتراث)

(33) القول البدیع میں حلیۃ الاولیا لابی نعیم کے حوالے سے حدیث پاک ہے: ((أن رجلاً مر بالنبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ومعه ظبی قد اصطاده فأنطق اللہ سبحانه الذی لأنطق کل شیء الظبی فقالت یارسول اللہ أن لی أولاداً وأنا أرضعهم وأنهم الآن جیاع فأمر هذا أن یخلینی حتی أذهب فأرضع أولادی وأعود قال فإن لم تعودی قالت إن لم أعد فلعننی اللہ کمن تذکر بین یدیه فلا یصل علیك أو کنت کمن صلی ولم یدع فقال النبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ أطلقها وأنا ضامنها فذهبت الظبیة ثم عادت فنزل جبریل علیه السلام وقال یا محمد اللہ یقرئك السلام ویقول لك وعزتی وجلالی أنا أرحم بامتك من هذه الظبیة بأولادها وأنا أردهم إلیك کما رجعت الظبیة إلیك صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ)) ترجمہ: ایک آدمی کا گزر نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے پاس سے ہوا، اس کے پاس ہرنی تھی جو اس نے ابھی ابھی شکار کی تھی، جس اللہ سبحانہ نے ہر چیز کو قوتِ گویائی عطا فرمائی ہے اس نے اس ہرنی کو بولنے کی طاقت عطا فرمادی، ہرنی نے عرض کیا: میرے بچے ہیں، میں انہیں دودھ پلاتی ہوں اور ابھی وہ بھوکے ہیں، آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اس شکاری کو ارشاد فرمائیں کہ یہ مجھے چھوڑ دے، یہاں تک کہ میں جاؤں اور بچوں کو دودھ پلا کر واپس آ جاؤں، سرورِ دو عالم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اس ہرنی سے ارشاد فرمایا: اگر تو لوٹ کر نہ آئی تو؟، اس نے عرض کیا: اگر میں لوٹ کر نہ آؤں تو مجھ پر اس طرح لعنت برسے جیسا کہ اس شخص پر برستی ہے جس کے سامنے آپ کا ذکر ہوا اور وہ آپ پر درود پاک نہ پڑھے یا میں اس کی طرح ہو جاؤں جو نماز پڑھے اور دعا نہ مانگے، نبی پاک صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے شکاری سے ارشاد فرمایا: اسے چھوڑ دے، میں اس کا ضامن ہوں یعنی میں ضمانت دیتا ہوں کہ یہ بچوں کو دودھ پلا کر واپس آ جائے گی۔ ہرنی گئی اور (بچوں کو دودھ پلا کر) واپس آ گئی، جبریل علیہ السلام حاضر خدمت ہوئے اور عرض کی: یا رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم! اللہ تعالیٰ آپ کو سلام ارشاد فرماتا ہے اور فرماتا ہے: مجھے میری عزت و جلال کی قسم، میں آپ کی امت پر اس سے بڑھ کر مہربان ہوں جتنی یہ ہرنی اپنے بچوں پر مہربان ہے، اور میں (قیامت کے دن) انہیں آپ کی طرف لوٹا دوں گا جیسا کہ یہ ہرنی آپ کے پاس لوٹ کر آئی ہے۔

(القول البدیع فی الصلوۃ علی الحبیب، الباب الثانی، ج1، ص153، دارالریان للتراث)

(34) رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: ((أَتَانِی آتٍ مِنْ عِنْدِ رَبِّی عَزَّ وجَلَّ فَقَالَ مَنْ صَلَّى عَلَيْكَ مِنْ أُمَّتِكَ صَلاَةً كَتَبَ الله لَهُ بِهَا عَشْرَ حَسَنَاتٍ ومَحَا عَنْهُ عَشْرَ سَيِّئَاتٍ ورَفَعَ لَهُ عَشْرَ دَرَجَاتٍ وَرَدَّ عَلَيْهِ مِثْلَهَا)) ترجمہ: میرے پاس رب عزوجل کی طرف سے ایک آنے والا (فرشتہ) آیا اور مجھے کہا کہ آپ کی امت میں سے جو آپ پر ایک بار درود بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے سبب اس کے لیے دس نیکیاں لکھتا ہے، اس کے دس گناہ مٹاتا ہے اور اس کے دس درجات بلند کرتا ہے اور اس کی مثل درود اس پر بھیجتا ہے۔ (الجامع الصغیر، حرف الہمزہ، ج1، ص23، دارالفکر، بیروت)

(35) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: ((صلوا علی فإن الصلاة علی كفارة لكم وزكاة فمن صلى علی صلاة صلى الله عليه عشراً)) ترجمہ: مجھ پر درود بھیجو کہ یہ تمہارے گناہوں کے لیے کفارہ اور تمہارے اعمال کے لیے پاکی ہے، جو مجھ پر ایک بار درود بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر دس بار درود بھیجتا ہے۔ (القول البدیع فی الصلوۃ علی الحبیب، الباب الثانی، ج1، ص111، دارالریان للتراث)

(36) حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے، رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: ((زَيِّنُوا مَجَالِسَكُمْ بِالصَّلاَةِ عَلَيَّ فَإِنَّ صَلاَتَكُمْ عَلَيَّ نُورٌ لَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ)) ترجمہ: اپنی محافل کو درود پاک پڑھ کر آراستہ کرو، بے شک تمہارا مجھ پر درود بھیجنا قیامت کے دن تمہارے لیے نور ہوگا۔

(الجامع الصغیر، حرف الزای، ج2، ص138، دارالفکر، بیروت)

(37) حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، حضور نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: ((من صلی عَلَيَّ مرّۃ كتب الله لَهُ عشر حَسَنَات ومحا عَنهُ عشر سيئات وَرَفعه بهَا عشر دَرَجَات وَكَانَ لَهُ عدل عشر رِقَاب)) ترجمہ: جو مجھ پر ایک مرتبہ درودِ پاک پڑھے گا اللہ عزوجل اس کے لئے دس نیکیاں لکھے گا، اس کے دس گناہ مٹا دے گا، اس کے دس درجات بلند فرمائے گا، وہ کلمات اس کے لئے دس غلام آزاد کرنے کے برابر ہوں گے۔

(الترغیب والترہیب، کتاب الذکر والدعاء، الترغیب فی اکثار الصلوۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم، ج2، ص324، دارالکتب العلمیہ، بیروت)

(38) حضرت ابو کاہل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں: ((قَالَ لِی رَسُول الله صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

یَا اَبَا كَاهِل من صلى عَلَيّ كل يَوْم ثَلَاث مَرَّات وكل لَيْلَة ثَلَاث مَرَّات حبا وشوقا اِلَيّ كَانَ حَقًا على الله أَن يغفر لَهُ ذنُوبه تِلْكَ اللَّيْلَة وَذَلِكَ الْيَوْم)) ترجمہ: رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے مجھے ارشاد فرمایا: اے ابو کاہل جو شوق اور محبت کے ساتھ مجھ پر ہر دن اور ہر رات تین تین مرتبہ درودِ پاک پڑھے تو اللہ تعالی پر حق ہے کہ اس کے اس رات اور اس دن کے گناہ بخش دے۔

(المعجم الکبیر للطبرانی، قیس بن عائذ ابو کاہل، ج18، ص362، مکتبہ ابن تیمیہ، القاہرہ ☆ الترغیب الترہیب، کتاب الذکر والدعاء، الترغیب فی اکثار الصلوۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم، ج2، ص328، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

(39) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: ((مَا مِنْ عَبْدَيْنِ مُتَحَابَّيْنِ فِي اللَّهِ يَسْتَقْبِلُ أَحَدُهُمَا صَاحِبَهُ فَيُصَافِحُهُ وَيُصَلِّيَانِ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَّا لَمْ يَفْتَرِقَا حَتَّى تُغْفَرَ ذُنُوبُهُمَا مَا تَقَدَّمَ مِنْهُمَا وَمَا تَأَخَّرَ)) ترجمہ: جب آپس میں اللہ کے لیے محبت کرنے والے دو دوست ملاقات کرتے ہیں اور نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم پر درود پاک پڑھتے ہیں تو ان دونوں کے جدا ہونے سے پہلے ہی ان دونوں کے اگلے پچھلے گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔

(مسند ابی یعلی الموصلی، قتادہ عن انس، ج5، ص334، دار المأمون للتراث، دمشق)

(40) حضرت عبد الرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں: ((خرج علينا رسول الله صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فقال إني رأيت البارحة عجباً رأيت رجلاً من امتي يزحف على الصراط مرةً ويحبو مرةً ويتعلق مرةً فجاء ته صلاته على فاخذت بيده فاقامته على الصراط حتى جاوزه أخرجه الطبراني في الكبير والديلمي في مسند الفردوس)) ترجمہ: رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ گزشتہ شب میں نے ایک عجیب منظر دیکھا، میں نے اپنی امت میں سے ایک شخص کو دھیرے دھیرے پل صراط سے گزرتے دیکھا کہ وہ کبھی گھسٹتے ہوئے چلتا ہے اور کبھی ادھر پھنس جاتا ہے، اتنے میں اس کا مجھ پر پڑھا ہوا درودِ پاک اس کے پاس آ گیا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر اس کو پل صراط پر کھڑا کر دیا یہاں تک کہ وہ اس سے گزر گیا۔ اس حدیثِ پاک کو طبرانی نے کبیر میں اور دیلمی نے مسند الفردوس میں نقل کیا ہے۔

(القول البدیع، الباب الثانی، ج1، ص130، دار الریان للتراث)

مشکل جو سر پہ آ پڑی تیرے ہی نام سے ٹلی

مشکل کشا ہے تیرا نام ،تجھ پہ درود اور سلام

(41)رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارشادفرمایا:((من صلی علی فی یوم خمسین مرة صافحته یوم القیامة)) ترجمہ: جوشخص ہرروز مجھ پر پچاس مرتبہ درودِ پاک پڑھے گا کل بروزِ قیامت میں اس سے مصافحہ فرماؤں گا۔

(القول البدیع ،الباب الثانی ،ج1،ص141 ،دارالریان للتراث)

(42)رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارشادفرمایا:((وَمَنْ صَلَّی عَلَیَّ صَلَاۃً کَتَبَ اللّٰہُ لَہُ قِیرَاطًا وَالْقِیرَاطُ مِثْلُ أُحُدٍ)) ترجمہ: جو مجھ پرایک مرتبہ درودِ پاک پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لئے ایک قیراط اجر لکھتا ہے اور ایک قیراط احد پہاڑ کے برابر ہے۔ (مصنفِ عبدالرزاق ،مایذہب الوضوء من الخطایا ،ج1،ص51 ،المکتب الاسلامی ،بیروت)

(43)حدیث پاک میں ہے:((یروی عنه صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ أنه قال ثلاثة تحت ظل عرش الله یوم القیامة یوم لا ظل إلی ظله قیل من هم یا رسول الله قال من فرج عن مکروب من امتی وأحیا سنتی وأکثر الصلاۃ علی)) ترجمہ: جس دن سایہ عرش کے سوا کوئی سایہ نہ ہوگا اس دن تین قسم کے لوگ عرشِ الٰہی عَزَّ وَجَلَّ کے سائے میں ہوں گے۔عرض کی گئی: یارسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم !وہ کون ہیں؟ارشادفرمایا:(1)جس نے میرے کسی امتی کی پریشانی دور کی (2)اور جس نے میری سنت کو زندہ کیا(3)اور جس نے مجھ پر کثرت سے درود پڑھا۔

(القول البدیع ،الباب الثانی ،ج1،ص128 ،دارالریان للتراث)

(44)رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارشادفرمایا:((أکثرکم علی صلاۃ أکثرکم أزواجاً فی الجنة)) ترجمہ:تم میں سے زیادہ درودِ پاک پڑھنے والے کے لئے جنت میں زیادہ بیویاں ہوں گی۔

(القول البدیع ،الباب الثانی ،ج1،ص132 ،دارالریان للتراث)

(45)رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے ارشادفرمایا:((إنّ لله تَعَالَی مَلَکاً أعْطَاہُ سَمْعَ العِبادِ فَلَیْسَ مِنْ أحَدٍ یُصَلِّی عَلَیَّ إلَّا أبْلَغَنِیها وإنّی سَألْتُ رَبِّی أنْ لَا یُصَلِّی عَلَیَّ عَبْدٌ صَلاۃً إلاّ صَلَّی عَلَیْہِ عَشْرَ أمْثالِها)) ترجمہ: بیشک اللہ تعالیٰ کا ایک فرشتہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے تمام بندوں کی آواز سننے کی قوت عطا فرمائی ہے،کوئی بندہ مجھ پر درودِ پاک نہیں پڑھتا مگر وہ اس کا درودِ پاک مجھے پہنچا دیتا ہے۔اور میں نے اپنے رب سے سوال کیا کہ کوئی بندہ مجھ پر درودِ

پاک نہ پڑھے مگر یہ کہ اللہ اس پر اُس کی دس مثل رحمت نازل فرمائے۔ (الجامع الصغیر، حرف الہمزہ، ج1، ص381، دار الفکر، بیروت)

(46) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے، رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: ((لا یری وجھی ثلاثة أنفس العاق لوالديه وتارك سنتي ومن لم يصل علي إذا ذكرت بين يديه)) ترجمہ: تین قسم کے آدمی (بروزِ قیامت) میرے چہرہ انور کی زیارت سے محروم رہیں گے، والدین کا نافرمان، اور میری سنت کا تارک اور وہ شخص کہ جب اس کے سامنے میرا ذکر کیا جائے تو وہ مجھ پر درودِ پاک نہ پڑھے۔

(القول البدیع، الباب الثالث فی تحذیر من ترک الصلوۃ، ج1، ص156، دار الریان للتراث)

(47) حدیث پاک میں ہے: ((أن عائشة رضي الله عنها كانت تخيط شيئاً في وقت السحر فضلت الابرة وطفي السراج فدخل عليها النبي صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فأضاء البيت بضوءه صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ووجدت الابرة فقالت ما أوضء وجهك يا رسول الله قال ويل لمن لا يراني يوم القيامة قالت ومن لا يراك قال البخيل قالت ومن البخيل؟ قال الذي لا يصلي علي إذا سمع باسمي)) ترجمہ: ام المؤمنین حضرتِ سیِّدَتُنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا وقت سحر کچھ سی رہی تھی کہ آپ کے ہاتھ سے سوئی گر گئی اور چراغ بجھ گیا۔ اتنے میں حضورنبیِ کریم، رءُوف رحیم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم تشریف لے آئے، آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے چہرہ اقدس کے نور سے سارا کمرہ جگمگا اٹھا اور سوئی مل گئی۔ تو آپ نے عرض کی: یارسول اللہ عَزَّ وَجَلَّ وصلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم! آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا چہرہ انور کتنا روشن ہے؟ تو آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: اے عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا! ہلاکت ہے اس کے لئے جو بروزِ قیامت مجھے نہ دیکھے گا۔ آپ نے عرض کی: بروزِ قیامت آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی زیارت سے کون محروم رہے گا؟ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا "بخیل" آپ نے پوچھا: یارسول اللہ عَزَّ وَجَلَّ وصلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم! بخیل کون ہے؟ ارشاد فرمایا: وہ ہے جس کے پاس میرا ذکر ہو اور وہ مجھ پر درودِ پاک نہ بھیجے۔

(القول البدیع، الباب الثالث فی تحذیر من ترک الصلوۃ، ج1، ص153، دار الریان للتراث)

(48) حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: ((مَا مِنْ مُسْلِمٍ يُصَلِّي عَلَيَّ، إِلَّا صَلَّتْ عَلَيْهِ الْمَلَائِكَةُ مَا صَلَّى عَلَيَّ، فَلْيُقِلَّ الْعَبْدُ مِنْ ذَلِكَ أَوْ لِيُكْثِرْ)) ترجمہ: جو مسلمان

مجھ پر درود پاک پڑھے تو فرشتے اُسی قدر اُس کے لئے دُعاے استغفار کرتے ہیں جس قدر اُس نے مجھ پر درود پاک پڑھا(اب بندہ کی مرضی) کم پڑھے یا زیادہ۔

(سنن ابن ماجہ، باب الصلاۃ علی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، ج1،ص294، دار احیاء الکتب العربیہ، بیروت)

(49) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے، رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: ((مَنْ نَسِيَ الصَّلَاةَ عَلَيَّ، خَطِيءَ طَرِيقَ الْجَنَّةِ)) ترجمہ: جو مجھ پر درود پاک پڑھنا بھول گیا وہ جنت کا راستہ بھول گیا۔

(سنن ابن ماجہ، باب الصلاۃ علی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، ج1،ص294، دار احیاء الکتب العربیہ، بیروت)

(50) حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں: ((دَخَلْتُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا فَوَجَدْتُهُ مَسْرُورًا، فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ مَا أَدْرِي مَتَى رَأَيْتُكَ أَحْسَنَ بِشْرًا وَأَطْيَبَ نَفْسًا مِنَ الْيَوْمِ؟ قَالَ: وَمَا يَمْنَعُنِي وَجِبْرِيلُ خَرَجَ مِنْ عِنْدِي السَّاعَةَ فَبَشَّرَنِي أَنَّ لِكُلِّ عَبْدٍ صَلَّى عَلَيَّ صَلَاةً يُكْتَبُ لَهُ بِهَا عَشْرُ حَسَنَاتٍ وَيُمْحَى عَنْهُ عَشْرُ سَيِّئَاتٍ وَيُرْفَعُ لَهُ عَشْرُ دَرَجَاتٍ وَتُعْرَضُ عَلَيَّ كَمَا قَالَهَا، وَيُرَدُّ عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا دَعَا)) ترجمہ: میں ایک دن حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور آپ کو خوشی کی حالت میں پایا تو عرض کیا: یارسول اللہ (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم) آج سے زیادہ خوشی میں مَیں نے کبھی آپ کو نہ دیکھا (آج اتنی زیادہ خوشی کی کیا وجہ ہے؟) فرمایا: میرے خوش ہونے میں کون سی چیز مانع ہے جبکہ جبرائیل علیہ السلام ابھی میرے پاس سے گئے اور مجھے خوشخبری دی کہ جو شخص مجھ پر ایک بار درود پڑھے اُس کے لئے دس نیکیاں لکھ دی جاتی ہیں، اُس کے دس گناہ مٹا دیئے جاتے ہیں، اور اُس کے دس درجات بلند کیے جاتے ہیں۔ اور اُس کا درود میری بارگاہ میں پیش کیا جاتا ہے مزید یہ کہ وہ شخص جو مانگے اُسے اسی کی مثل لوٹا دیا جاتا ہے۔

(مصنف عبدالرزاق، باب الصلاۃ علی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، ج2،ص214، المکتب الاسلامی، بیروت)

(51) رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: ((مَنْ صَلَّى عَلَيَّ صَلَاةً صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ فَأَكْثِرُوا أَوْ أَقِلُّوا)) ترجمہ: جو مجھ پر درود پاک بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر رحمت نازل فرماتا ہے، اب تمہاری مرضی کم درود پاک بھیجو یا زیادہ۔

(مصنف عبدالرزاق، باب الصلاۃ علی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، ج2،ص215، المکتب الاسلامی، بیروت)

(52) رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: ((مِنَ الْجَفَاءِ أَنْ أُذْكَرَ عِنْدَ الرَّجُلِ فَلَا يُصَلِّي عَلَيَّ)) ترجمہ: ظلم میں سے یہ بھی ہے کہ کسی کے سامنے میرا ذکر ہوتا ہے اور وہ مجھ پر درود نہیں پڑھتا۔

(مصنف عبدالرزاق، باب الصلاۃ علی النبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم، ج2، ص216، المکتب الاسلامی، بیروت)

(53) حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: ((إِنَّ أَوْلَى النَّاسِ بِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَكْثَرُهُمْ عَلَيَّ صَلَاةً)) ترجمہ: قیامت کے دن لوگوں میں سے میرے زیادہ قریب وہ شخص ہوگا جس نے دنیا میں مجھ پر کثرت سے درود پاک پڑھے ہوں گے۔

(شعب الایمان، تعظیم النبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم، ج3، ص122، مکتبۃ الرشد للنشر والتوزیع، ریاض)

ارشادات صحابہ وائمہ رضی اللہ عنہم اجمعین

(1) امیر المؤمنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں: ((الصَّلَاةُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمْحَقُ لِلذُّنُوبِ مِنَ الْمَاءِ الْبَارِدِ لِلنَّارِ، السلام عليه أفضل من عتق الرقاب)) ترجمہ: نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی بارگاہ میں درود پاک بھیجنا گناہوں کو اس سے بڑھ کر مٹاتا ہے جس طرح ٹھنڈا پانی آگ کو بجھاتا ہے، اور ان پر سلام بھیجنا غلام آزاد کرنے سے افضل ہے۔

(الشفاء بتعریف حقوق المصطفی صلی اللہ علیہ وسلم، الفصل الخامس فضیلۃ الصلوۃ والسلام علیہ، ج2، ص176، دار الفیحاء، عمان)

(2) امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا: ((إِنَّ الدُّعَاءَ مَوْقُوفٌ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لَا يَصْعَدُ مِنْهُ شَيْءٌ حَتَّى تُصَلِّيَ عَلَى نَبِيِّكَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ)) ترجمہ: بے شک دعا زمین وآسمان کے درمیان موقوف رہتی ہے، اس میں سے کچھ بھی اوپر نہیں اٹھتا اس وقت تک جب تک تو اپنے نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم پر درود پاک نہیں بھیجتا۔

(جامع الترمذی، باب ما جاء فی فضل الصلوۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم، ج1، ص614، دار الغرب الاسلامی، بیروت)

(3) امیر المؤمنین حضرت علی المرتضی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ((كُلُّ دُعَاءٍ مَحْجُوبٌ عَنِ السَّمَاءِ حَتَّى يُصَلَّى عَلَى مُحَمَّدٍ، وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ)) ترجمہ: بیشک دعا آسمانوں پر جانے سے روک دی جاتی ہے جب تک محمد صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اور ان کے اہل بیت پر درود نہ بھیجا جائے۔

(المعجم الاوسط للطبرانی،من اسمہ احمد،ج1،ص220،دارالحرمین،القاہرہ☆شعب الایمان للبیہقی تعظیم النبی صلی اللہ علیہ وسلم،ج3،ص135،مکتبۃ الرشد للنشر والتوزیع،ریاض)

(4)حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے، فرماتے ہیں:((مَنْ صَلّٰی عَلٰی رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاةً صَلَّى الله عَلَيْهِ، وَمَلَائِكَتُهُ سَبْعِينَ صَلَاةً فَلْيُقِلَّ عَبْدٌ مِنْ ذَلِكَ أَوْ لِيُكْثِرْ)) ترجمہ: جس نے رسول اللہ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی بارگاہ میں ایک بار درود پاک بھیجا اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے اس پر ستر(70) بار درود بھیجتے ہیں،اب(بندے کی مرضی ہے کہ)بندہ کم درود پاک بھیجے یا زیادہ۔

(مسند احمد بن حنبل،مسند عبداللہ بن عمرو بن العاص،ج11،ص178،مؤسسۃ الرسالہ،بیروت)

(5)حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے زید بن وہب سے فرمایا:((یا زید ألا تدع إذا كان يوم الجمعة أن تصلي على النبي صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ألف مرة)) ترجمہ: اے زید! تو جمعہ کے دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ہزار مرتبہ درودِ پاک پڑھنا کبھی نہ چھوڑنا۔ (القول البدیع،الصلوۃ علیہ فی یوم الجمعۃ ولیلتہا،ج1،ص197،دارالریان للتراث)

(6)حضرت علی بن حسین ابن علی رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں"علامة أهل السنة كثرة الصلاة على رسول الله صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ" ترجمہ:اہلِ سنت کی نشانی رسول اللہ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ پر درودِ پاک کی کثرت ہے۔

(القول البدیع،ج1،ص60،دارالریان للتراث)

(7)جامع الترمذی میں ہے:"وَيُرْوَى عَنْ بَعْضِ أَهْلِ العِلْمِ قَالَ:إِذَا صَلَّى الرَّجُلُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّةً فِي الْمَجْلِسِ أَجْزَأَ عَنْهُ مَا كَانَ فِي ذَلِكَ الْمَجْلِسِ" ترجمہ:بعض علما سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا:جب آدمی مجلس میں ایک مرتبہ نبی کریم صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی بارگاہ میں درود پاک بھیجتا ہے تو جو کچھ اس مجلس میں ہوا ہے اس کی طرف سے کفایت کرتا ہے۔ (جامع الترمذی،ج5،ص443،دارالغرب الاسلامی،بیروت)

حکایات وواقعات

(1)علامہ شمس الدین قرطبی رحمۃ اللہ علیہ(المتوفی 671ھ)فرماتے ہیں:"وقد حكى أن امرأة جاءت إلى الحسن البصري رحمه الله فقالت:إن ابنتي ماتت وقد أحببت أن أراها في المنام، فعلمني صلاة أصليها لعلي

أراها فعلمها صلاة فرأت ابنتها وعليها لباس القطران والغل في عنقها والقيد في رجلها فارتاعت لذلك فأعلمت الحسن فاغتم عليها، فلم تمض مدة حتى رآها الحسن في المنام وهي في الجنة على سرير وعلى رأسها تاج. فقالت له يا شيخ:أما تعرفني؟ قال:لا، قالتي له:أنا تلك المرأة التي علمت أمي الصلاة فرأتني في المنام، قال لها:فما سبب أمرك؟ قالت:مر بمقبرتنا رجل فصلى على النبي صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وكان في المقبرة خمسمائة وستون إنساناً في العذاب فنودي:ارفعوا العذاب عنهم ببركة صلاة هذا الرجل عن النبي صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ'' ترجمہ: حکایت بیان کی گئی ہے کہ ایک عورت حضرتِ حسن بصری علیہ الرحمہ کے پاس آئی اور کہنے لگی کہ میری بیٹی فوت ہوگئی ہے، میں اسے خواب میں دیکھنا چاہتی ہوں تو آپ مجھے ایک نماز سکھائیں کہ اسے پڑھوں، شاید کہ میں اس کو خواب میں دیکھ سکوں، چنانچہ آپ نے وہ نماز سکھا دی تو اس نے خواب میں اپنی بیٹی کو اس حال میں دیکھا کہ اس پر تارکول کا لباس ہے اور اس کی گردن میں طوق پڑا ہوا ہے اور اس کے پاؤں میں زنجیر ہے، وہ یہ دیکھ کر بہت خوف زدہ ہوگئی اور اس نے یہ سارا ماجرہ حسن بصری علیہ الرحمہ کی بارگاہ میں عرض کیا تو آپ بھی سن کر اس پر بہت غمگین ہوئے، ابھی کچھ زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ آپ نے خواب میں دیکھا کہ ایک عورت جنت میں ایک تخت پر بیٹھی ہوئی ہے اور اس کے سر پر تاج ہے، اس نے آپ سے کہا: اے شیخ کیا آپ مجھے پہچانتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: نہیں۔ اس نے کہا: میں وہی عورت ہوں جس کی ماں کو آپ نے نماز سکھائی تھی تو اس نے مجھے خواب میں دیکھا تھا۔ آپ نے اس سے پوچھا: تو تیری بخشش کا کیا سبب بنا؟ اس نے کہا کہ ایک شخص ہمارے قبرستان کے پاس سے گزرا اور اس نے نبی کریم صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم پر درودِ پاک پڑھا، اور اس وقت اس قبرستان میں پانچ سو ساٹھ 560 مردے دفن تھے، پس ندا دی گئی: اس شخص کے نبیِ کریم صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم پر درودِ پاک پڑھنے کی برکت سے ان سے عذاب اٹھا دو۔

(التذکرۃ باحوال الموتی وامور الآخرۃ، ج 1، ص 280، مکتبۃ دار المنہاج للنشر والتوزیع، ریاض)

(2) شمس الدین محمد بن عبد الرحمٰن السخاوی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی 902ھ) ''القول البدیع'' میں فرماتے ہیں

''يحكى أن أبا العباس أحمد بن منصور لما مات رآه رجل من أهل شيراز وهو واقف في المحراب بجامع شيراز وعليه حلة وعلى رأسه تاج مكلل بالجواهر فقال له ما فعلَ الله بك قال غفر لي وأكرمني وتوجني

وادخلني الجنة فقال له بماذا قال بكثرة صلاتي على رسول الله صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ''ترجمہ: حکایت کی گئی ہے کہ جب ابوالعباس احمد بن منصور فوت ہو گئے تو اہلِ شیراز میں سے ایک شخص نے آپ کو دیکھا کہ آپ جامع مسجد شیراز کے محراب میں ایک نیا جوڑا زیبِ تن کئے ہوئے کھڑے ہیں اور آپ کے سر پر جواہرات سے جڑا ہوا تاج ہے، اس نے ان سے کہا کہ اللہ تعالی نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ فرمایا؟ تو آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالی نے میری بخشش فرما دی اور مجھے عزت کے تاج سے نواز کر مجھے جنت کا داخلہ عطا فرمایا۔ اس نے پوچھا، کس سبب سے؟ فرمایا: میرے نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ پر کثرت سے درودِ پاک پڑھنے کی برکت سے۔ (القول البدیع فی الصلوۃ علی الحبیب، الباب الثانی، ج1، ص123، دار الریان للتراث)

(3) علامہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی 902) فرماتے ہیں: ''يروى في بعض الخبار أنه كان في بني إسرائيل عبد مسرف على نفيه فلما مات رموا به فأوحى الله إلى نبيه موسى عليه السلام أن غسله وصل عليه فاني قد غفرت له، قال يارب وبم ذلك قال أنه فتح التوارة يوماً فوجد فيها اسم محمد صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فصلى عليه وقد غفرت له بذلك ''ترجمہ: بعض مؤرخین سے مروی ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص تھا جو اللہ تعالی کی نافرمانی والے کاموں میں حد سے گزرا ہوا تھا، جب اس کا انتقال ہوا تو لوگوں نے اسے (ویسے ہی) پھینک دیا، اللہ تعالی نے اپنے نبی موسی کلیم اللہ علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کی طرف وحی فرمائی کہ اسے غسل دے کر اس پر نمازِ جنازہ بھی پڑھیں اس لئے کہ میں نے اس کی بخشش فرما دی ہے۔ موسی علیہ الصلوۃ والسلام نے عرض کی اے میرے رب یہ کس سبب سے؟ تو اللہ تعالی نے فرمایا کہ اس نے ایک دن توریت شریف کھولی تو اس میں اسمِ محمد صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم پا کر آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم پر درودِ پاک پڑھا، میں نے اسی کے سبب اس کی بخشش فرما دی۔

(القول البدیع، الباب الثانی فی ثواب الصلوۃ علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ج1، ص124، دار الریان للتراث)

(4) علامہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی 902) فرماتے ہیں ''رأى بعض الصالحين صورة قبيحة في المنام، فقال لها من أنت قالت انا عملك القبيح قال لها فبم النجاة منك قالت بكثرة الصلاة على المصطفى محمد صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ''ترجمہ: بعض صالحین نے خواب میں ایک قبیح صورت کو دیکھا، اس سے پوچھا: تو کون ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میں تیرا برا عمل ہوں، پوچھا: تجھ سے نجات کیسے ہو سکتی ہے؟ جواب دیا: محمد مصطفی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم پر کثرت

سے درود پاک بھیجنے سے۔ (القول البدیع، الباب الثانی فی ثواب الصلوٰۃ علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ج 1 ص 124، دار الریان للتراث)

(5) حضرت شبلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں "مات رجل من جيراني فرأيته في المنام فقلت ما فعل الله بك فقال يا شبلي مرت بي أهوال عظيمة وذلك أنه أرتج علي عند السؤال فقلت في نفسي من أين أتى علي ألم أمت على الإسلام؟ فنوديت هذه عقوبة اهمالك للسانك في الدنيا فلما هم بي المكان حال بيني وبينهما رجل جميل الشخص طيب الرائحة فذكرني بحجتي فذكرتها فقلت من أنت يرحمك الله قال انا شخص خلقت من كثرة صلاتك على النبي صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ،وأمرت أن أنصرك في كل كرب" ترجمہ: میں نے اپنے مرحوم پڑوسی کو خواب میں دیکھ کر پوچھا: مَا فَعَلَ اللهُ بِكَ؟ یعنی اللہ عَزَّوَجَلَّ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ فرمایا؟ وہ بولا: میں سخت ہولناکیوں سے دوچار ہوا، مُنکَر نکیر کے سُوالات کے جوابات بھی مجھ سے نہیں بن پڑ رہے تھے، میں نے دل میں خیال کیا کہ شاید میرا خاتمہ ایمان پر نہیں ہوا! اتنے میں آواز آئی: دنیا میں زَبان کے غیر ضَروری استِعمال کی وجہ سے تجھے یہ سزا دی جا رہی ہے۔ اب عذاب کے فِرِشتے میری طرف بڑھے۔ اتنے میں ایک صاحِب جو حُسن و جمال کے پیکر اور مُعَطَّر مُعَطَّر تھے وہ میرے اور عذاب کے درمیان حائل ہو گئے۔ اور انہوں نے مجھے مُنکَر نکیر کے سُوالات کے جوابات یاد دلا دیئے اور میں نے اُسی طرح جوابات دے دیئے، الحمدللہ عزوجل عذاب مجھ سے دُور ہوا۔ میں نے اُن بُزُرگ سے عرض کی: اللہ عزوجل آپ پر رحم فرمائے آپ کون ہیں؟ فرمایا: تیرے کثرت کے ساتھ دُرود شریف پڑھنے کی بَرَکت سے میں پیدا ہوا ہوں اور مجھے ہر مصیبت کے وقت تیری امداد پر مامور کیا گیا ہے۔

(القول البدیع، الباب الثانی فی ثواب الصلوٰۃ علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ج 1 ص 127، دار الریان للتراث)

(6) حضرتِ سیِّدُنا شیخ ابوبکر شبلی علیہ رَحمۃُ اللہِ الوَلی ایک روز بغدادِ مُعلّٰی کے جَیِّد عالم حضرتِ سیِّدُنا ابوبکر بن مُجاہِد علیہ رَحمۃُ اللہِ الواحِد کے پاس تشریف لائے۔ انہوں نے فوراً کھڑے ہو کر اُن کو گلے لگا لیا اور پیشانی چوم کر بڑی تعظیم کے ساتھ اپنے پاس بٹھایا۔ حاضِرین نے عرض کیا: یا سیِّدی! آپ اور اہلِ بغداد آج تک اِنہیں دیوانہ کہتے رہے ہیں مگر آج ان کی اِس قَدَر تعظیم کیوں؟ جواب دیا: میں نے یوں ہی ایسا نہیں کیا، اَلْحَمْدُ لِلّٰہ آج رات میں نے خواب میں یہ ایمان افروز منظر دیکھا کہ حضرتِ سیِّدُنا ابوبکر شبلی علیہ رَحمۃُ اللہِ الوَلی بارگاہِ رسالت میں حاضِر ہوئے تو سرکارِ دو عالم، نورِ مجسَّم، شاہِ بنی

آدم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے کھڑے ہوکران کو سینے سے لگالیا اور پیشانی کو بوسہ دے کراپنے پہلو میں بٹھالیا۔ میں نے عرض کی: یارسولَ اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم! شبلی پر اِس قدر شفقت کی وجہ؟ اللہ عَزَّ وَجَلَّ کے محبوب، دانائے غُیُوب، مُنَزَّہٌ عَنِ الْعُیُوب صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے (غیب کی خبر دیتے ہوئے) فرمایا کہ یہ ہر نماز کے بعد یہ آیت پڑھتا ہے: ﴿لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَاعَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ﴾ اوراس کے بعد مجھ پر دُرُود پڑھتا ہے۔ (اَلْقَولُ الْبدِیع ص346، مؤسسۃ الریان، بیروت)

درود پاک کے بارے میں اہم فتوی

امام اہل سنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ سے سوال ہوا "کلمہ طیبہ شریف جب ورد کرکے پڑھا جائے تو اس میں کلمہ پر جب نام نامی حضور اقدس صلعم (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم) کا آئے تو ہر بار درود پڑھنا چاہئے یا ایک مرتبہ جبکہ جلسہ ختم کرے؟"

آپ رحمۃ اللہ علیہ نے جواباً ارشاد فرمایا:

جوابِ مسئلہ سے پہلے ایک بہت ضروری مسئلہ معلوم کیجئے سوال میں نامِ پاک حضور اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے ساتھ بجائے صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم (صلعم) لکھا ہے۔ یہ جہالت آج کل بہت جلد بازوں میں رائج ہے۔ کوئی صلعم لکھتا ہے کوئی عم کوئی ص، اور یہ سب بیہودہ ومکروہ وسخت ناپسند وموجب محرومی شدید ہے اس سے بہت سخت احتراز چاہیے، اگر تحریر میں ہزار جگہ نامِ پاک حضور اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم آئے ہر جگہ پورا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم لکھا جائے ہرگز ہرگز کہیں صلعم وغیرہ نہ ہو علما نے اس سے سخت ممانعت فرمائی ہے یہاں تک کہ بعض کتابوں میں تو بہت اشد حکم لکھ دیا ہے۔ علامہ طحطاوی حاشیہ دُرمختار میں فرماتے ہیں: ویکرہ الرمز بالصلوٰۃ والترضی بالکتابة بل یکتب ذلك کله بکماله وفی بعض المواضع من التتار خانیة من کتب علیه السلام بالهمزة والمیم یکفر لانه تخفیف و تخفیف الانبیاء کفربلاشك ولعله ان صح النقل فهو مقید بقصد والافالظاهر انه لیس بکفر و کون لازم الکفر کفرابعد تسلیم کونه مذهباً مختارا محله اذاکان اللزوم بیّناً نعم الاحتیاط فی الاحتراز عن الایهام و الشبهة۔ ترجمہ: صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی جگہ (ص) وغیرہ اور رضی اللہ تعالی عنہ کی جگہ (رض) لکھنا مکروہ ہے بلکہ اسے کامل طور پر لکھا پڑھا جائے تا تارخانیہ

میں بعض جگہ پر ہے جس نے درود وسلام ہمزہ (ء) اور میم (م) کے ساتھ لکھا اس نے کفر کیا کیونکہ یہ عمل تخفیف (شان گھٹانا) ہے اور انبیا علیہم السلام کی بارگاہ میں یہ عمل بلا شبہ کفر ہے۔ اگر یہ قول صحت کے ساتھ منقول ہو تو یہ مقید ہوگا اس بات کے ساتھ کہ ایسا کرنے والا قصداً ایسا کرے، ورنہ ظاہر یہ ہے کہ وہ کافر نہیں، باقی لزومِ کفر سے کفر اس وقت ثابت ہوگا جب اسے مذہب مختار تسلیم کیا جائے اور اس کا محل وُہ ہوتا ہے جہاں لزوم بیان شدہ اور ظاہر ہو، البتہ احتیاط اس میں ہے کہ ایہام اور شبہ سے احتراز کیا جائے۔ (حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار، مقدمۃ الکتاب ج 1، ص 6، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)

اب جوابِ مسئلہ لیجئے نامِ پاک حضور پُر نور سیّد دو عالم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم مختلف جلسوں میں جتنی بار لے یا سنے ہر بار درود شریف پڑھنا واجب ہے اگر نہ پڑھے گا گنہگار ہوگا اور سخت وعیدوں میں گرفتار، ہاں اس میں اختلاف ہے کہ اگر ایک ہی جلسہ میں چند بار نامِ پاک لیا یا سُنا تو ہر بار واجب ہے یا ایک بار کافی اور ہر بار مستحب ہے، بہت علما قولِ اول کی طرف گئے ہیں ان کے نزدیک ایک جلسہ میں ہزار بار کلمہ شریف پڑھے تو ہر بار درود شریف بھی پڑھتا جائے اگر ایک بار بھی چھوڑا، گنہگار ہُوا، مجتبٰی و دُرمختار وغیرہما میں اس قول کو مختار و واضح کہا۔ فی الدرالمختار اختلف فی وجوبها علی السامع والذاکر کلما ذکر صلی اللّٰہ تعالٰی علیه وسلم والمختار تکرار الوجوب کلماذکر ولو اتحد المجلس فی الاصح اھ بتلخیص ۔ ترجمہ: دُرمختار میں ہے، اس بارے میں اختلاف ہے کہ جب بھی حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا اسم گرامی ذکر کیا جائے تو سامع اور ذاکر دونوں پر ہر بار درود وسلام عرض کرنا واجب ہے یا نہیں، اصح مذہب پر مختار قول یہی ہے کہ ہر بار درود وسلام واجب ہے اگرچہ مجلس ایک ہی ہو اھ خلاصۃً۔

(درمختار، فصل واذا اراد الشروع الخ، ج 1، ص 78، مطبوعہ مجتبائی دہلی)

دیگر علما نے بنظر آسانیِ امت قولِ دوم اختیار کیا ان کے نزدیک ایک جلسہ میں ایک بار درود ادائے واجب کے لئے کفایت کرے گا زیادہ کے ترک سے گنہگار نہ ہوگا مگر ثوابِ عظیم و فضلِ جسیم سے بیشک محروم رہا، کافی و قنیہ وغیرہما میں اسی قول کی تصحیح کی۔ فی ردالمحتار صححه الزاهدی فی المجتبٰی لکن صحح فی الکافی وجوب الصلٰوة مرة فی کل مجلس کسجود التلاوة للحرج الا انه یندب تکرار الصلٰوة فی المجلس الواحد بخلاف السجود وفی القنیة قیل یکفی المجلس مرة کسجدة التلاوة و به یفتی وقد جزم بهذا القول المحقق ابن

نهمام فی زادالفقیر اہ ملتقطات رجمہ: ردالمحتار میں ہے کہ اسے زاہدی نے المجتبیٰ میں صحیح قرار دیا ہے لیکن کافی میں ہر مجلس میں ایک ہی دفعہ درود کے وجوب کو صحیح کہا ہے جیسا کہ سجدہ تلاوت کا حکم ہے تاکہ مشکل اور تنگی لازم نہ آئے، البتہ مجلس واحد میں تکرارِ درود مستحب ومندوب ہے بخلاف سجدہ تلاوت کے۔ قنیہ میں ہے ایک مجلس میں ایک ہی دفعہ درود پڑھنا کافی ہے جیسا کہ سجدہ تلاوت کا حکم ہے اور اسی پر فتوی ہے۔ ابن ہمام نے زادالفقیر میں اسی قول پر جزم کیا ہے اھ ملتقطا۔

(ردالمحتار، فصل واذا اراد الشروع الخ، ج1، ص381، مطبوعہ مصطفی البابی مصر)

بہرحال مناسب یہی ہے کہ ہر بار صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کہتا جائے کہ ایسی چیز جس کے کرنے میں بالاتفاق بڑی بڑی رحمتیں، برکتیں اور نہ کرنے میں بلاشبہ بڑے فضل سے محرومی اور ایک مذہب قوی پر گناہ ومعصیت عاقل کا کام نہیں کہ اُسے ترک کرے۔ وباللہ التوفیق۔

(فتاوی رضویہ، ج6، ص221 تا 223، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

باب نمبر 411

مَا ذُكِرَ فِي تَطْيِيبِ الْمَسَاجِدِ

مساجد کو خوشبودار رکھنا

594- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ حَاتِمٍ الْمُؤَدِّبُ الْبَغْدَادِيُّ قَالَ: حَدَّثَنَا عَامِرُ بْنُ صَالِحٍ الزُّبَيْرِيُّ قَالَ: حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: أَمَرَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِبِنَاءِ الْمَسَاجِدِ فِي الدُّورِ، وَأَنْ تُنَظَّفَ، وَتُطَيَّبَ

حدیث: حضرت سیدتنا عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے محلوں میں مساجد بنانے کا حکم دیا اور یہ کہ انہیں صاف ستھرا اور خوشبودار رکھا جائے۔

595- حَدَّثَنَا هَنَّادٌ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدَةُ، وَوَكِيعٌ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَ، فَذَكَرَ نَحْوَهُ،

حدیث: ہشام بن عروہ سے مروی ہے وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ بے شک نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حکم فرمایا تو انہوں نے اسی کی مثل ذکر فرمایا۔

قَالَ ابوعيسىٰ: وَهٰذَا أَصَحُّ مِنَ الْحَدِيثِ الْأَوَّلِ

امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں: اور یہ پہلی حدیث سے زیادہ صحیح ہے۔

596- حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَ، فَذَكَرَ نَحْوَهُ، وقَالَ سُفْيَانُ: قَوْلُهُ بِبِنَاءِ الْمَسَاجِدِ فِي الدُّورِ يَعْنِي الْقَبَائِلَ

حدیث: ہشام بن عروہ ایک اور سند سے اپنے والد سے روایت کرتے ہیں: کہ بے شک نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حکم فرمایا تو اسی کی مثل حدیث کو ذکر کیا اور سفیان کہتے ہیں: ان کو قول کہ "محلوں میں مساجد کے بنانے کا حکم دیا اس سے مراد قبائل ہیں۔"

شرح حدیث

علامہ علی بن سلطان محمد القاری حنفی فرماتے ہیں:

ڈور دار کی جمع ہے (دار کا معنی گھر ہے)، یہاں اس سے مراد محلے ہیں، محلے کو ڈور اس لیے کہتے ہیں کہ اس میں ایک قبیلے کے گھر مجتمع ہوتے ہیں یا اس حدیث پاک سے مراد یہ ہے کہ گھر میں ایک کمرہ نماز پڑھنے کے بناؤ مسجد کی طرح، تا کہ اس میں گھر والے نماز پڑھیں، یہ بات ابن ملک نے کی ہے، اول قول ہی معتمد ہے اور اسی پر عمل ہے۔ پھر میں نے علامہ ابن حجر کو دیکھا انہوں نے ذکر کیا کہ یہاں مراد محلے اور قبیلے ہیں۔

(مرقاۃ المفاتیح، باب المساجد ومواضع الصلاۃ، ج 2، ص 603، دار الفکر، بیروت)

ہر محلے میں مسجد بنانے کا حکم دینے کی حکمت

ہر محلے میں اہل محلّہ کے لیے مسجد بنانے کا حکم دینے کی حکمت یہ ہے کہ کبھی اہل محلّہ پر دوسرے محلے میں جا کر نماز پڑھنا متعذر اور شاق ہو جاتا ہے تو اس طرح وہ مسجد کے اجر اور اس میں اقامتِ جماعت کے فضل سے محروم ہو جاتے ہیں تو انہیں اس کا حکم دیا گیا تا کہ ہر محلّہ کے لوگوں کو اپنی مسجد میں بغیر مشقت کے عبادت کرنا میسر آئے۔

علامہ بغوی نے کہا کہ حضرت عطا فرماتے ہیں: جب اللہ تعالیٰ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہروں پر فتح عطا فرمائی تو انہوں نے مسلمانوں کو مساجد بنانے کا حکم دیا اور انہوں نے حکم دیا کہ اس طرح دو مسجدیں نہ بناؤ کہ ایک سے دوسری کو ضرر ہو، اور یہ بھی ضرر میں سے ہے کہ جماعت متفرق ہو جبکہ وہ مسجد ایسی ہو کہ تمام نمازی اس میں بآسانی آ جاتے ہوں، اور اگر مسجد تنگ ہے تو سنت ہے کہ اس کی توسیع کی جائے یا ایسی مسجد بنائی جائے جو ان کی ضرورت کو پورا کرے۔

(مرقاۃ المفاتیح، باب المساجد ومواضع الصلاۃ، ج 2، ص 603,604، دار الفکر، بیروت)

مسجدوں کو صاف ستھرا اور خوشبودار رکھنا

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ مسجدوں کو صاف ستھرا رکھا جائے یعنی ان سے بدبو، گندگی اور مٹی کو دور کرنے کا حکم دیا اور حکم دیا کہ مسجدوں کو خوشبودار رکھا جائے یعنی خوشبو کا چھڑکاؤ کیا جائے، عطر لگایا جائے۔ علامہ ابن حجر

نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مسجدیں بنانے کے ساتھ جو دوسری شے کا حکم دیا وہ بھی مسجد ہی سے متعلق ہے، اوراس کی حفاظت کے لیے متعین ہے وہ یہ کہ مساجد کو صاف ستھرا اور خوشبودار رکھا جائے.........

علامہ ابن حجر نے فرمایا: اس حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ مسجد کو بخور سے دھونی دینا مستحب ہے، برخلاف امام مالک کے کہ انہوں نے اسے مکروہ قرار دیا ہے، تحقیق حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس وقت مسجد میں دھونی دی جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ منبر پر تشریف فرما ہوئے اور بعض سلف نے زعفران کے ساتھ مسجد کو خوشبودار کرنے کی اجازت دی ہے اور ایسا کرنا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مروی ہے، امام شعبی نے کہا کہ یہ سنت ہے۔ اور امام ابن ابی شیبہ نے تخریج کیا کہ حضرت ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب کعبہ کی تعمیر کی تو اس کی دیواروں کو مشک سے ملا، اور مسجد میں جھاڑ و دینا اور اس کی صفائی کرنا مستحب ہے، اور مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کھجور کی شاخ سے مسجد کا غبار نکالتے تھے۔ (مرقاۃ المفاتیح، باب المساجد ومواضع الصلاۃ، ج2، ص604، دارالفکر، بیروت)

بدبو کی حالت میں مسجد میں جانے کے احکام

اگر منہ سے بدبو آ رہی ہو تو جب تک یہ زائل نہ ہو جائے مسجد میں جانا ناجائز و گناہ ہے لہذا منہ سے سخت بدبو آ رہی ہو اور اس کے زائل ہونے کی فی الحال کوئی صورت نہ ہو تو مسجد میں باجماعت نماز پڑھنے نہ جائے بلکہ بو زائل ہونے کا انتظار کرے اور جب بو زائل ہو جائے تو پھر گھر یا مسجد کہیں بھی نماز پڑھ لے اور اگر انتظار کرنے سے بھی بو زائل نہ ہو تو اسی حالت میں نماز پڑھ لے۔

اسی طرح کچّی مُولی، کچّی پیاز، کچّا لہسن اور ہر وہ چیز کہ جس کی بُو ناپسند ہو اسے کھا کر مسجِد میں اُس وقت تک جانا جائز نہیں جب تک کہ ہاتھ مُنہ وغیرہ میں بُو باقی ہو کہ فِرِشتوں کو اس سے تکلیف ہوتی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: ((جنبوا مساجدكم صبيانكم ومجانينكم وشراءكم وبيعكم وخصوماتكم ورفع أصواتكم وإقامة حدودكم وسل سيوفكم واتخذوا على أبوابها المطاهر وجمروها في الجمع)) بچوں، پاگلوں، خرید و فروخت، لڑائی جھگڑوں، چیخ و پکار، قیام حدود، تلواروں کے شور سے اپنی مساجد کو بچاؤ اور وضو خانہ و غسل خانہ و لیٹرین وغیرہ دروازے کے قریب بناؤ (تاکہ ان کی وجہ سے مسجد میں بد

بو نہ آئے اور مسجد کی صفائی ستھرائی متأثر نہ ہو) اور جمعہ کے دن مساجد کو خوشبودار کیا کرو۔

(سنن ابن ماجہ، ما یکرہ فی المساجد، صفحہ 54، کراچی)

حدیث شریف میں ہے، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس نے پیاز لہسن یا گندنا (لہسن سے مشابہ ایک ترکاری) کھائی وہ ہماری مسجد کے قریب ہرگز نہ آئے۔ "اور فرمایا: اگر کھانا ہی چاہتے ہو تو پکا کر اس کی بُو دُور کرلو۔"

(صحیح مسلم، ص 282، دار ابن حزم، بیروت)

صدرُ الشّریعہ مفتی محمد امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"مسجد میں کچّا لہسن اور کچّی پیاز کھانا یا کھا کر جانا جائز نہیں جب تک کہ بُو باقی ہو۔ اور یہی حکم ہر اُس چیز کا ہے جس میں بُو ہو جیسے گندنا (یہ لہسن سے ملتی جُلتی ترکاری ہے) مُولی، کچّا گوشت اور مٹّی کا تیل، وہ دِیا سلائی جس کے رگڑنے میں بُو اُڑتی ہو، رِیاح خارِج کرنا وغیرہ وغیرہ۔ جس کو گندہ دہنی کا عارِضہ (یعنی منہ سے بدبُو آنے کی بیماری) یا کوئی بدبودار زَخم ہو یا کوئی بدبُو دار دوا لگائی ہو تو جب تک بُو مُنقطع (یعنی ختم) نہ ہو اُس کو مسجِد میں آنے کی مُمانعت ہے۔"

(بہارِ شریعت، حصہ 3، ص 154، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

" کچّا لہسن پیاز کھانا کہ بلاشُبہ حلال ہے اور اُسے کھا کر جب تک بُو زائل نہ ہو مسجِد میں جانا ممنوع مگر جو حقّہ ایسا کثِیف (گاڑھا) و بے اِہتمام ہو کہ مَعَاذَ اللہ تغَیُّر باقی (یعنی دیر پا بدبُو) پیدا کرے کہ وقتِ جماعت تک کُلّی سے بھی بِکُلّی (یعنی مکمّل طور پر) زائل نہ ہو تو قُربِ جماعت میں اس کا پینا شرعاً ناجائز کہ اب وہ تَرکِ جماعت و تَرکِ سجدہ یا بدبُو کے ساتھ دُخولِ مسجِد کا مُوجِب (سبب) ہوگا اور یہ دونوں ممنوع و ناجائز ہیں اور (یہ شرعی اصول ہے کہ) ہر مُباح فی نَفسِہٖ (یعنی ہر وہ کام جو حقیقت میں جائز ہو مگر) امرِ ممنوع کی طرف مُؤدّی (یعنی ممنوع کام کی طرف لے جانے والا) ہو ممنوع و ناروا (یعنی ناجائز) ہے۔"

(فتاوٰی رضویہ، ج 25، ص 94، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

فتاویٰ رضویہ میں ہے:

"مُنہ میں بدبُو ہونے کی حالت میں (گھر میں پڑھی جانے والی) نماز بھی مکروہ ہے اور ایسی حالت میں مسجِد جانا

حرام ہے جب تک مُنہ صاف نہ کر لے۔ اور دوسرے نمازی کو ایذا پہنچنی حرام ہے، اور دوسرا نمازی نہ بھی ہو تو بھی بد بُو سے ملائکہ کو ایذا پہنچتی ہے۔، حدیث میں ہے: "جس چیز سے انسان تکلیف محسوس کرتے ہیں فرشتے بھی ان سے تکلیف محسوس کرتے ہیں۔" (فتاوی رضویہ، ج7، ص384، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

"جس کے بدن میں بدبُو ہو کہ اُس سے نمازیوں کو ایذا ہو مثلاً معاذ اللہ گندہ دہن (یعنی جس کو مُنہ سے بدبُو آنے کی بیماری ہو) گندہ بغل (یعنی جس کو بغل سے بدبُو آنے کا مرض ہو) یا جس نے خارش وغیرہ کے باعث گندھک ملی (یا کوئی سا بدبُو دار مرہم یا لوشن لگایا) ہو اُسے بھی مسجد میں نہ آنے دیا جائے۔"

(فتاوی رضویہ، ج8، ص72، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

منہ کی بدبو معلوم کرنے کا طریقہ

فتاوی رضویہ میں ہے:

"اگر مُنہ میں کوئی تغیّرِ رائحہ (یعنی بدبُو) ہو تو جتنی بار مسواک اور کلّیوں سے اس (بدبُو) کا اِزالہ (یعنی دُور کرنا ممکن) ہو (اُتنی بار کلیاں وغیرہ کرنا) لازِم ہے، اِس کے لیے کوئی حد مقرّر نہیں۔ بدبُو دار کثیف (گاڑھا) بے احتیاطی کا حُقّہ پینے والوں کو اس کا خیال (رکھنا) سخت ضَروری ہے اور اُن سے زیادہ سگرٹ والے کو کہ اس کی بدبُو مُرکّب تمباکو سے سخت تر اور زیادہ دیرپا ہے اور ان سب سے زائد اَشد ضرورت تمباکو کھانے والوں کو ہے جن کے منہ میں اُس کا جرم (یعنی دھوئیں کے بجائے خود تمباکو ہی) دبا رہتا ہے اور منہ اپنی بدبُو سے بسا دیتا ہے۔ یہ سب لوگ وہاں تک مِسواک اور کُلّیاں کریں کہ مُنہ بالکل صاف ہو جائے اور بُو کا اصلاً نشان نہ رہے اور اس کا امتحان یوں ہے کہ ہاتھ اپنے مُنہ کے قریب لے جا کر منہ کھول کر زور سے تین بار حَلْق سے پوری سانس ہاتھ پر لیں اور معاً (فوراً) سونگھیں۔ بغیر اس کے اندر کی بدبُو خود کم محسوس ہوتی ہے اور جب مُنہ میں بدبُو ہو تو مسجِد میں جانا حرام، نماز میں داخل ہونا منع۔ واللہ الھادی۔"

(فتاوی رضویہ تخریج شدہ، ج1، ص623، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

استنجا خانے مسجد سے کتنی دور ہونے چاہئیں

امام اہلسنت امام احمد رضا خان سے سُوال ہوا کہ نمازیوں کیلئے اِستنجاء خانے مسجِد سے کتنی دُور بنانے چاہئیں؟ اِس پر جواباً ارشاد فرمایا: مسجِد کو بُو سے بچانا واجِب ہے وَلہٰذا مسجِد میں مٹّی کا تیل جلانا حرام، مسجِد میں دِیا سَلائی (یعنی بد بودار بارُود والی ماچس کی تیلی) سُلگانا حرام، حتّٰی کہ حدیث میں ارشاد ہوا: مسجِد میں کچّا گوشت لے جانا جائز نہیں۔ (ابنِ ماجہ، ج، ص، دارالمعرفۃ بیروت) حالانکہ کچّے گوشت کی بُو بہُت خفیف (یعنی ہلکی) ہے۔ تو جہاں سے مسجِد میں بُو پہنچے وہاں تک (اِستنجاء خانے بنانے کی) مُمانَعت کی جائے گی۔ (فتاویٰ رضویہ، ج16 ص232، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

مسجد میں ناپاکی لے کر جانے کے احکام

فُقہائے کرام رَحِمَہُم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: مسجِد میں نَجاست لے کر جانا اگرچِہ اس سے مسجِد آلودہ نہ ہو یا جس کے بدن پر نجاست لگی ہو اس کو مسجِد میں جانا منع ہے۔ (رَدُّالمُحتار، ج2، ص517)

مسجِد میں کسی برتن کے اندر پیشاب کرنا یا فصد کا خون لینا (مثلاً ٹیسٹ کیلیے سرنج کے ذریعے خون نکالنا) بھی جائز نہیں۔" (دُرِّمختار، ج2، ص517)

مسجد میں بچوں کو لانے کا حکم

ایسا بچّہ جس سے نَجاست (یعنی پیشاب وغیرہ کر دینے) کا خطرہ ہو اور پاگل کو مسجِد کے اندر لے جانا حرام ہے اگر نَجاست کا خطرہ نہ ہو تو مکروہ۔ جو لوگ جُوتیاں مسجِد کے اندر لے جاتے ہیں ان کو اِس کا خیال رکھنا چاہئے کہ اگر نَجاست لگی ہو تو صاف کرلیں اور جوتا پہنے مسجد میں چلے جانا بے اَدَبی ہے (ردالمحتار، ج2، ص518)

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: ((جنبوا مساجدكم صبيانكم ومجانينكم وشراءكم وبيعكم وخصوماتكم ورفع أصواتكم وإقامة حدودكم وسل سيوفكم واتخذوا على أبوابها المطاهر وجمروها في الجمع)) بچوں، پاگلوں، خرید و فروخت، لڑائی جھگڑوں، چیخ و پکار، قیامِ حدود، تلواروں کے شور سے اپنی مساجد کو بچاؤ اور وضوخانہ و غسل خانہ و لیٹرین وغیرہ دروازے کے قریب بناؤ (تاکہ ان کی وجہ سے مسجد میں بدبو نہ آئے اور مسجد کی صفائی ستھرائی متاثر نہ ہو) اور جمعہ کے دن مساجد کو خوشبودار کیا کرو۔ (سنن ابن ماجہ، ما یکرہ فی المساجد، صفحہ 54، کراچی)

الاشباہ والنظائر میں احکامِ مساجد کے باب میں لکھا ہے "حرمة إدخال الصبيان والمجانين حيث غلب

تنجیسهم وإلا فیکره ''ترجمہ: بچوں اور پاگلوں سے اگر نجاست کا غالب گمان ہو تو ان کو مسجد میں داخل کرنا حرام ورنہ مکروہ ہے۔
(الاشباہ والنظائر، القول فی احکام المساجد، جلد 01، صفحہ 320، دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن فرماتے ہیں:

اگر نجاست کا ظن غالب ہو تو انہیں مسجد میں آنے دینا حرام اور حالت محتمل و مشکوک ہو تو مکروہ...... یونہی اگر بچے بلکہ بوڑھے بھی بے تمیز، نامہذب ہوں، غل مچائیں، بے حرمتی کریں مسجد میں نہ آنے دیئے جائیں۔

(فتاوی رضویہ، ج16، ص458، مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

نابالغ بچوں کو مسجد میں تعلیم دینے کے متعلق امام اہلسنت رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں: ''لو کانوا غیر مامونین علی المسجد لم یجز مطلقا والا جاز حسبة لا باجر والدلیل علیه استدلاله بالحدیث وقد قرنوا فیه بالمجانین فالمراد فی الحدیث من لا یعقل او لا یؤمن علیه ''اگر مسجد کی (طہارت واحترام) کے سلسلہ میں ان پر بھروسہ نہیں تو مطلقا ناجائز ہے ورنہ بنیت اجر و ثواب جائز اور اجرت پر ناجائز ہے، اور اس پر دلیل اس حدیث سے استدلال ہے کہ اس میں بچوں کے ذکر کے ساتھ پاگلوں کا ذکر ہے، لہذا حدیث میں بچوں سے مراد وہ ہیں جو بے عقل ہوں یا ان پر آداب مسجد کے سلسلہ میں بھروسہ نہ کیا جا سکتا ہو۔''

(فتاوی رضویہ، ج16، ص460، مطبوعہ: رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

مفتی امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

بچے اور پاگل کو جن سے نجاست کا گمان ہو مسجد میں لے کر جانا حرام ہے ورنہ مکروہ، جو لوگ جوتیاں مسجد کے اندر لے جاتے ہیں ان کو اس کا خیال کرنا چاہیے کہ اگر نجاست لگی ہو تو صاف کر لیں اور جوتا پہنے مسجد میں چلے جانا سوء ادب ہے۔
(بہار شریعت، حصہ 3، جلد 1، صفحہ 645، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

باب نمبر 412

انَّ صَلَاةَ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ مَثْنَى مَثْنَى

دن اور رات کی نماز دو دو رکعتیں ہیں

597- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ مَهْدِيٍّ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ يَعْلَى بْنِ عَطَاءٍ، عَنْ عَلِيٍّ الْأَزْدِيِّ، عَنْ ابْنِ عُمَرَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: صَلَاةُ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ مَثْنَى مَثْنَى، اخْتَلَفَ أَصْحَابُ شُعْبَةَ فِي حَدِيثِ ابْنِ عُمَرَ فَرَفَعَهُ بَعْضُهُمْ، وَأَوْقَفَهُ بَعْضُهُمْ وَرُوِيَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ الْعُمَرِيِّ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ ابْنِ عُمَرَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، نَحْوُ هَذَا، وَالصَّحِيحُ مَا رُوِيَ عَنْ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: صَلَاةُ اللَّيْلِ مَثْنَى مَثْنَى، وَرَوَى الثِّقَاتُ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَمْ يَذْكُرُوا فِيهِ صَلَاةَ النَّهَارِ، وَقَدْ رُوِيَ عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ ابْنِ عُمَرَ، أَنَّهُ كَانَ يُصَلِّي بِاللَّيْلِ مَثْنَى مَثْنَى، وَبِالنَّهَارِ أَرْبَعًا، " وَقَدْ اخْتَلَفَ أَهْلُ الْعِلْمِ فِي ذَلِكَ، فَرَأَى بَعْضُهُمْ: أَنَّ صَلَاةَ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ مَثْنَى مَثْنَى، وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ، وَأَحْمَدَ، وَقَالَ بَعْضُهُمْ: صَلَاةُ اللَّيْلِ مَثْنَى مَثْنَى، وَرَأَوْا

حدیث: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے وہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں فرمایا: ''دن اور رات کی نماز دو دو رکعت ہیں۔''

شعبہ کے اصحاب نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث میں اختلاف کیا، تو بعض نے اسے مرفوع روایت کیا اور بعض نے موقوف روایت کیا۔

اور عبداللہ العمری نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے بواسطہ نافع، عبداللہ بن عمر اسی کی مثل روایت کرتے ہیں اور صحیح وہی ہے جو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ بے شک نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''دن اور رات کی نماز دو دو رکعت ہیں۔'' اور ثقات نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے وہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں اور انہوں نے اس میں دن کی نماز کا ذکر نہیں کیا اور عبیداللہ، نافع سے وہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ ''بے شک وہ رات میں دو دو اور دن میں چار چار رکعات پڑھا کرتے تھے۔'' اور اہلِ علم کا اس بارے میں اختلاف ہے تو بعض کی رائے یہ ہے کہ دن اور رات کی نماز دو دو رکعتیں ہیں اور یہی امام شافعی اور احمد رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ اور بعض نے کہا: رات کی نماز دو دو رکعات ہیں اور ان کی رائے دن میں

صَلَاةَ التَّطَوُّعِ بِالنَّهَارِ أَرْبَعًا، مِثْلَ الأَرْبَعِ قَبْلَ الظُّهْرِ، وَغَيْرِهَا مِنْ صَلَاةِ التَّطَوُّعِ، وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ، وَابْنِ المُبَارَكِ، وَإِسْحَاقَ "

چار رکعت نفل نماز کی ہے جیسا کہ ظہر سے قبل کی چار رکعتیں اور دیگر نوافل ہیں اور یہی سفیان ثوری، عبد اللہ بن مبارک اور اسحق رضی اللہ عنہم کا قول ہے۔

تنبیہ: اس حدیث پاک کی شرح ماقبل میں تفصیل سے ہو چکی ہے۔

باب نمبر 413

كَيْفَ كَانَ تَطَوُّعُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالنَّهَارِ

دن میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نوافل کس طرح پڑھتے تھے

598- حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ قَالَ: حَدَّثَنَا وَهْبُ بْنُ جَرِيرٍ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنْ عَاصِمِ بْنِ ضَمْرَةَ، قَالَ: سَأَلْنَا عَلِيًّا عَنْ صَلَاةِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ النَّهَارِ؟ فَقَالَ: إِنَّكُمْ لَا تُطِيقُونَ ذَاكَ، فَقُلْنَا: مَنْ أَطَاقَ ذَاكَ مِنَّا، فَقَالَ: كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا كَانَتِ الشَّمْسُ مِنْ هَاهُنَا كَهَيْئَتِهَا مِنْ هَاهُنَا عِنْدَ الْعَصْرِ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ، وَإِذَا كَانَتِ الشَّمْسُ مِنْ هَاهُنَا كَهَيْئَتِهَا مِنْ هَاهُنَا عِنْدَ الظُّهْرِ صَلَّى أَرْبَعًا، وَصَلَّى أَرْبَعًا قَبْلَ الظُّهْرِ وَبَعْدَهَا رَكْعَتَيْنِ، وَقَبْلَ الْعَصْرِ أَرْبَعًا، يَفْصِلُ بَيْنَ كُلِّ رَكْعَتَيْنِ بِالتَّسْلِيمِ عَلَى الْمَلَائِكَةِ الْمُقَرَّبِينَ، وَالنَّبِيِّينَ، وَالْمُرْسَلِينَ، وَمَنْ تَبِعَهُمْ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ، وَالْمُسْلِمِينَ

حدیث: عاصم بن ضمرہ سے روایت ہے فرمایا: ہم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دن کی نماز کے متعلق سوال کیا؟ تو آپ رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا: تم اس کی طاقت نہیں رکھتے تو ہم نے عرض کی ہم میں سے کون اس کی طاقت رکھتا ہے تو انہوں نے فرمایا: جب سورج یہاں ایسا ہو جیسا کہ عصر کے وقت ایسا ہوتا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم دو رکعات ادا فرماتے اور جب سورج مشرق میں ایسا ہوتا جیسا کہ مغرب کی جانب ظہر کے وقت ہوتا ہے تو چار رکعت پڑھتے اور چار رکعت ظہر سے قبل پڑھتے اور دو اس کے بعد اور چار عصر سے قبل ہر دو رکعت کے درمیان ملائکہ مقربین، نبیوں، مرسلین اور جو ان کے تابع مؤمنین و مسلمین ہیں ان پر سلام بھیج کر فاصلہ کرتے۔

599- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى قَالَ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنْ عَاصِمِ بْنِ ضَمْرَةَ، عَنْ عَلِيٍّ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَهُ،

حدیث: حضرت علی رضی اللہ عنہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی کی مثل روایت کرتے ہیں۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں: یہ حدیث حسن ہے۔ اسحٰق بن ابراہیم کہتے ہیں سب سے بہتر بات جو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے دن کے نوافل کے حوالے سے مروی ہے وہ یہی ہے اور امام عبداللہ بن مبارک کے حوالے سے مروی ہے کہ وہ اس حدیث کی تضعیف کیا کرتے تھے۔ اور ہمارے نزدیک"

قَالَ ابوعيسى: هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ وقَالَ إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ: أَحْسَنُ شَيْءٍ رُوِيَ فِي تَطَوُّعِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي النَّهَارِ هٰذَا وَرُوِيَ عَنِ ابْنِ الْمُبَارَكِ، أَنَّهُ كَانَ يُضَعِّفُ هٰذَا الْحَدِيثَ، وَإِنَّمَا ضَعَّفَهُ عِنْدَنَا وَاللّٰهُ أَعْلَمُ لِأَنَّهُ لَا يُرْوَى مِثْلُ هٰذَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَّا مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ، عَنْ عَاصِمِ بْنِ ضَمْرَةَ، عَنْ عَلِيٍّ، وَعَاصِمُ بْنُ ضَمْرَةَ هُوَ ثِقَةٌ عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْحَدِيثِ قَالَ عَلِيُّ بْنُ الْمَدِينِيِّ: قَالَ يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ الْقَطَّانُ قَالَ سُفْيَانُ: كُنَّا نَعْرِفُ فَضْلَ حَدِيثِ عَاصِمِ بْنِ ضَمْرَةَ عَلَى حَدِيثِ الْحَارِثِ

واللہ اعلم'' ان کے اس حدیث کی تضعیف کرنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ حدیث نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے صرف عاصم کی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کردہ سند سے مروی ہے اور عاصم بن ضمرہ وہ بعض محدثین کے نزدیک ثقہ ہیں۔ علی بن مدینی کہتے ہیں کہ یحیی بن سعید القطان نے کہا کہ سفیان کہتے ہیں: ہم حدیث عاصم بن ضمرہ کی حدیثِ حارث پر فضیلت کو جانتے ہیں۔

شرح حدیث

((جب سورج یہاں ایسا ہوتا جیسا کہ عصر کے وقت ایسا ہوتا ہے تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دو رکعات ادا فرماتے))اس سے مراد یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اشراق کی دو رکعتیں ادا فرماتے، کیونکہ اشراق کے وقت مشرق میں سورج کے بلند ہونے کی مقدار وہی ہوتی ہے جو عصر کے وقت مغرب میں سورج بلند ہونے کی مقدار ہوتی ہے۔

((اور جب سورج یہاں ایسا ہوتا جیسا کہ مغرب کی جانب ظہر کے وقت ہوتا ہے تو چار رکعت پڑھتے))یعنی جب مشرق سے سورج کی دوری کی مقدار اتنی ہوتی جتنی ظہر کے وقت سورج کی مغرب سے دوری کی مقدار ہوتی ہے تو اس وقت چاشت کی چار رکعتیں ادا فرماتے۔

((اور چار رکعت ظہر سے قبل پڑھتے اور دو اس کے بعد))یہاں ظہر سے قبل کی چار رکعتیں اور ظہر کے بعد کی دو رکعتیں سنت مؤکدہ مراد ہیں۔

((اور چار عصر سے قبل ادا فرماتے))یعنی عصر سے پہلے کی چار سنت غیر مؤکدہ ادا فرماتے۔

((ہر دو رکعت کے درمیان ملائکہ مقربین، نبیوں، مرسلین اور جو ان کے تابع مؤمنین و مسلمین ہیں ان پر سلام بھیج کر فاصلہ کرتے))اس سے مراد تشہد ہے، یعنی ہر دو رکعت کے بعد تشہد کے لیے بیٹھتے اور تشہد پڑھتے۔ جیسا کہ علامہ علی بن سلطان محمد القاری حنفی فرماتے ہیں:

ظاہر یہ ہے کہ اس حدیث پاک میں موجود سلام سے مراد تشہد کا سلام ہے کہ اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام صالحین پر سلام بھیجا جاتا ہے کیونکہ اس پر علما کا اتفاق ہے کہ نماز سے نکلتے وقت سلام سے انبیاء کی نیت نہیں کی جاتی۔

(مرقاۃ المفاتیح، باب الدعاء فی التشہد، ج2، ص759، دار الفکر، بیروت)

علامہ شرف الدین طیبی (متوفی 743ھ) فرماتے ہیں:

یہاں تسلیم سے مراد تشہد ہے اور تشہد کو تسلیم سے تعبیر اس لیے کیا کہ اس میں سلام موجود ہے۔

(شرح المشکاۃ للطیبی، باب السنن وفضائلہا، ج4، ص1175، مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز، مکہ مکرمہ)

باب نمبر 414

فِی کَرَاهِیَةِ الصَّلَاةِ فِی لُحُفِ النِّسَاء

عورتوں کے لحاف میں نماز کا مکروہ ہونا

600- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الْأَعْلَى قَالَ: حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ الْحَارِثِ، عَنْ أَشْعَثَ وَهُوَ ابْنُ عَبْدِ الْمَلِكِ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِيرِينَ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ شَقِيقٍ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُصَلِّي فِي لُحُفِ نِسَائِهِ

قال ابوعيسى: هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ، وَقَدْ رُوِيَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رُخْصَةٌ فِي ذَلِكَ

حدیث: حضرت سیدتنا عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا مروی ہے فرماتی ہیں: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی ازواج کے لحاف میں نماز نہ پڑھا کرتے تھے۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں رخصت بھی مروی ہے۔

شرح حدیث

علامہ محمود بدر الدین عینی حنفی فرماتے ہیں:

"لُحُف لحاف کی جمع ہے، لحاف ہر اس کپڑے کو کہتے ہیں جسے اوڑھا جائے، اور ہر اس چیز کو کہتے ہیں جس سے ڈھانپا جائے..... نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عورتوں کے لحاف یعنی اوڑھنے کے کپڑے میں نماز پڑھنے سے اس لیے بچتے تھے کہ کہیں اس میں کوئی ناپاکی جیسے حیض کا خون وغیرہ نہ لگا ہو۔"

(شرح ابی داؤد للعینی، باب الصلاۃ فی شعر النساء، ج2، ص192,193، مکتبۃ الرشد، ریاض)

علامہ عبدالرحمٰن بن ابی بکر جلال الدین سیوطی شافعی فرماتے ہیں:

"لحاف وہ لباس ہے جو تمام لباسوں کے اوپر لپیٹا جائے جیسے سردی وغیرہ کے کپڑے۔"

(قوت المغتذی، ابواب الصلاۃ، ج1، ص234، جامعہ ام القری، مکۃ المکرمۃ)

ایک اشکال اور اس کا جواب

اگر کوئی یہ کہے کہ اس باب کی حدیث پاک اُس حدیث پاک کے معارض ہے جسے امام ابوداؤد نے تخریج کیا: ((عن معاوية بن أبي سفيان، أنه سأل أم حبيبة، زوج النبيّ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم هل كَانَ رسول الله صلى الله عليه وسلم يصلي فِي الثوب الذي كَانَ يجامع فيه؟ قالت:نعم،إذا لم ير فيه أذى)) (حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ام المؤمنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے عرض کیا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس کپڑے میں نماز پڑھ لیتے تھے جس میں مجامعت کی گئی ہوتی؟ انہوں نے جواب دیا: جی ہاں، جب اس میں نجاست نہ دیکھتے۔)

یہ حدیث پاک اس بات میں صریح ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عورتوں کے اوڑھنے کے کپڑوں میں نماز پڑھ لیتے تھے، تو ان دونوں احادیث میں تطبیق کیسے ہوگی۔

تو اس کے جواب میں مَیں کہوں گا کہ اس باب میں مروی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث پاک کہ نبی

کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عورتوں کے اوڑھنے کے کپڑوں میں نماز ادا نہیں کرتے تھے استحباب پر محمول ہے اور حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث پاک بیانِ جواز کے لیے ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

نوٹ: یہاں وہی کپڑا یا چادر مراد ہے جو عورتوں کے ساتھ خاص نہ ہو، ورنہ عورتوں سے مشابہت کی وجہ سے منع کیا جائے گا۔

باب نمبر 415

مَا يَجُوزُ مِنَ الْمَشْيِ وَالْعَمَلِ فِي صَلَاةِ التَّطَوُّعِ

نفل نماز میں چلنا اور کوئی عمل کرنا

601- حَدَّثَنَا أَبُو سَلَمَةَ يَحْيَى بْنُ خَلَفٍ قَالَ: حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ الْمُفَضَّلِ، عَنْ بُرْدِ بْنِ سِنَانٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: جِئْتُ وَرَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي فِي الْبَيْتِ، وَالْبَابُ عَلَيْهِ مُغْلَقٌ، فَمَشَى حَتَّى فَتَحَ لِي، ثُمَّ رَجَعَ إِلَى مَكَانِهِ، وَوَصَفَتِ الْبَابَ فِي الْقِبْلَةِ، قال ابوعيسى: هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ

حدیث: حضرت سیدتنا عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، فرماتی ہیں: میں آئی اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم گھر میں نماز ادا فرمارہے تھے اور دروازہ بند تھا تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم چلے حتی کہ میرے لئے دروازہ کھول دیا پھر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی جگہ پر تشریف لے گئے اور آپ رضی اللہ عنہا نے دروازہ کا قبلہ کی جانب ہونا بیان کیا۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ حدیث حسن غریب ہے۔

شرح حدیث

علامہ محمود بدرالدین عینی حنفی فرماتے ہیں:

"((آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم چلے)) اس کا محمل یہ ہے کہ یہ چلنا تین قدم سے کم تھا کیونکہ دروازہ قریب تھا (یاد رہے کہ تین قدم لگاتار چلنے سے نماز فاسد ہوجاتی ہے)۔

((اور دروازہ کھول دیا)) اس کا محمل یہ ہے کہ یہ کھولنا ایک ہاتھ سے تھا، کیونکہ دو ہاتھوں سے دروازہ کھولنا عملِ کثیر ہے جس سے نماز فاسد ہوجاتی ہے۔"

(عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری، باب ہل یلتفت لامر ینزل بہ، ج6،ص3، داراحیاء التراث العربی، بیروت)

علامہ علی بن سلطان محمد القاری حنفی فرماتے ہیں:

"((حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے دروازہ کا قبلہ کی جانب ہونا بیان کیا)) یعنی دروازے کی طرف آنے میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قبلہ سے پھرے نہیں، اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب واپس نماز والی جگہ پر گئے تو ایڑیوں کے بل پیچھے کی طرف گئے، اشرف نے کہا: یہ اس شخص کے وہم کو قطع کرنا ہے جس نے یہ وہم کیا کہ یہ فعل ترکِ استقبالِ قبلہ کو مستلزم ہے۔

اور شاید یہ قدم لگاتار نہیں تھے کیونکہ عملِ کثیر میں جب فاصلہ آجائے اور وہ پے در پے یعنی لگاتار نہ ہو تو نماز باطل نہیں ہوتی۔ مظہر نے کہا کہ ہوسکتا ہے کہ یہ چلنا دو قدموں سے زیادہ نہ ہو۔ میں (ملا علی قاری) یہ کہتا ہوں کہ اس صورت میں اشکال باقی رہے گا کیونکہ دو قدم چلنا دروازہ کھولنے اور واپس لوٹنے کے ساتھ عملِ کثیر ہے تو اولیٰ یہ ہے کہ یہی کہا جائے کہ یہ افعال پے در پے نہیں تھے۔" (مرقاۃ المفاتیح، باب مالا یجوز من العمل فی الصلاۃ وما یباح منہ، ج2،ص793، دارالفکر، بیروت)

علامہ ابن عبدالبر مالکی اس باب کی حدیث پاک اور بعض دیگر احادیث ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

"یہ تمام احادیث اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ نماز میں عملِ قلیل معاف ہے۔"

(الاستذکار، باب جامع الصلاۃ، ج2،ص350، دارالکتب العلمیہ، بیروت)

مزید فرماتے ہیں:

"علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ عملِ خفیف نماز میں جائز ہے، اور عمل کثیر جس سے ظاہر ہو کہ اس نے نماز کو ترک کر دیا ہے جائز نہیں، اور ایسے ہی وہ نماز کو فاسد کر دیتا ہے۔"

(الاستذکار، باب جامع الصلاۃ، ج2، ص349، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

علامہ ابن رجب بھی اس باب کی حدیث پاک اور بعض دیگر احادیث نقل کر کے فرماتے ہیں:

"یہ تمام احادیث اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ نماز میں تھوڑا چلنے سے نماز باطل نہیں ہوتی، اور یہ جمہور سلف کا قول ہے۔" (فتح الباری لابن رجب، باب من رجع القہقری فی الصلاۃ الخ، ج9، ص314، مکتبۃ الغرباء الاثریہ، المدینۃ النبویہ)

علامہ ابن حجر عسقلانی شافعی اس حدیث پاک کی شرح میں فرماتے ہیں:

"یہ ایک مقرر شدہ اصول ہے کہ احوال فعلیہ کے واقعات میں احتمال موجود ہو تو استدلال ساقط ہو جاتا ہے، یہاں یہ احتمال موجود ہے کہ یہ عمل لگاتار نہیں فرمایا اور مزید یہ کہ اس کی سند مختلف فیہ ہے۔"

(مرقاۃ المفاتیح، باب مالا یجوز من العمل فی الصلاۃ وما یباح منہ، ج2، ص793، دار الفکر، بیروت)

بعض روایات میں نفل پڑھنے کی صراحت بھی ہے، اسی وجہ سے امام ترمذی نے یہ عنوان قائم کیا ہے: "نفل نماز میں چلنا اور کوئی عمل کرنا"، جس روایت میں نفل کی صراحت ہے اس کی شرح کرتے ہوئے علامہ شرف الدین طیبی فرماتے ہیں: ((رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نفل نماز پڑھ رہے ہوتے)) اس قید میں اس طرف اشارہ ہے کہ نوافل کا معاملہ (فرائض کی بنسبت) زیادہ آسان ہے۔ (شرح المشکاۃ للطیبی، باب مالا یجوز من العمل فی الصلاۃ الخ، ج3، ص1077، مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز، مکہ مکرمہ)

بہر حال یہ ایک واضح بات ہے کہ فرائض اور نوافل دونوں میں عملِ کثیر سے نماز فاسد ہو جاتی ہے جبکہ عمل قلیل سے فاسد نہیں ہوتی، اور اس حدیث پاک میں موجود افعال افعالِ قلیلہ ہی پر محمول ہیں۔

حدیث الباب کی سند

علامہ ابن رجب حنبلی نے فرمایا:

"((امام ترمذی نے فرمایا: یہ حدیث پاک حسن غریب ہے)) ابو حاتم رازی اور جوزجانی نے اسے منکر قرار دیا

ہے کیونکہ اس میں بُرد بن سنان متفرد ہیں اور بُرد شامی قدری ہے۔ اور ابن معین نے اسے ثقہ قرار دیا ہے، امام احمد نے فرمایا کہ وہ صالح الحدیث ہے، ابوزرعہ نے کہا کہ اس میں کوئی حرج نہیں اور ابو حاتم نے کہا کہ وہ صدوق ہے۔"

(فتح الباری لابن رجب، باب من رجع القہقری فی الصلاۃ الخ، ج9، ص313,314، مکتبۃ الغرباء الاثریہ، المدینۃ النبویہ)

باب نمبر416

مَا ذُكِرَ فِي قِرَاءَةِ سُورَتَيْنِ فِي رَكْعَةٍ

دوسورتوں کا ایک رکعت میں قراءت کرنا

602- حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ قَالَ:حَدَّثَنَا أَبُو دَاوُدَ، قَالَ:أَنْبَأَنَا شُعْبَةُ، عَنْ الْأَعْمَشِ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا وَائِلٍ، قَالَ:سَأَلَ رَجُلٌ عَبْدَ اللَّهِ، عَنْ هٰذَا الْحَرْفِ (غَيْرِ آسِنٍ)(محمد15)أَوْ يَاسِنٍ ؟ قَالَ:كُلَّ الْقُرْآنِ قَرَأْتَ غَيْرَ هٰذَا؟ قَالَ :نَعَمْ، قَالَ :إِنَّ قَوْمًا يَقْرَءُ وْنَهُ يَنْثُرُونَهُ نَثْرَ الدَّقَلِ، لَا يُجَاوِزُ تَرَاقِيَهُمْ، إِنِّي لَأَعْرِفُ السُّوَرَ النَّظَائِرَ الَّتِي كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرُنُ بَيْنَهُنَّ، قَالَ :فَأَمَرْنَا عَلْقَمَةَ فَسَأَلَهُ، فَقَالَ:عِشْرُونَ سُورَةً مِنَ الْمُفَصَّلِ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرُنُ بَيْنَ كُلِّ سُورَتَيْنِ فِي رَكْعَةٍ ،قال ابوعيسىٰ:هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

حدیث:اعمش سے روایت ہے فرمایا: میں نے ابو وائل کو فرماتے سنا کہ ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے اس حرف (غیر اسن) یا (یاسن) کے متعلق سوال کیا؟ تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا تو نے اس کے علاوہ سارا قرآن پڑھ لیا ہے؟ اس نے کہا: جی ہاں تو آپ رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا: بعض لوگ اس طرح قرآن پڑھتے ہیں کہ اسے کھجوروں کی طرح گراتے ہیں تو وہ ان کے حلق سے تجاوز نہیں کرتا بے شک میں ان ایک دوسرے سے مشابہ سورتوں کو جانتا ہوں کہ جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپس میں ملاتے تھے تو ابو وائل کہتے ہیں تو ہم نے علقمہ رضی اللہ عنہ کو کہا تو انہوں نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے پوچھا تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مفصل کی بیس سورتوں میں ہر دو سورتوں کو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم ایک رکعت میں ملایا کرتے تھے۔

امام ابوعیسی ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

شرح حدیث

((حرف (غیر اسن) یا (یاسن) کے متعلق سوال کیا؟)) یعنی یہ لفظ "ہمزہ" کے ساتھ ہے یا "یاء" کے ساتھ، یہ لفظ روایت حفص کے مطابق سورۂ محمد میں اس طرح ہے: ﴿فِيْهَآ اَنْهٰرٌ مِّنْ مَّآءٍ غَيْرِ اٰسِنٍ﴾ (جنت میں ایسی پانی کی نہریں ہیں جو کبھی نہ بگڑے)

(سورۂ محمد، آیت 15)

ردی کھجوروں کی طرح گرانے کا مطلب

((بعض لوگ اس طرح قرآن پڑھتے کہ اسے ردی کھجوروں کی طرح گراتے ہیں)) یعنی قرآن پاک کے کلمات کو غور وفکر کیے بغیر پڑھتے ہیں جیسا کہ دقل یعنی ردی کھجوروں کو گرایا جاتا ہے کہ ان کی حفاظت نہیں کی جاتی، ان کو ایسے ہی بکھرا ہوا ڈال دیا جاتا ہے۔

حلق سے تجاوز نہ کرنے سے مراد

((تو وہ ان کے حلق سے تجاوز نہیں کرتا)) یہ عدم قبولیت سے کنایہ ہے، علامہ نووی نے فرمایا: اس کا معنی یہ ہے کہ ایک قوم قرآن پڑھتی ہے اور ان کا قرآن میں کوئی حصہ نہیں سوائے زبان پر سے گزارنے کے، تو وہ ان کے حلق سے تجاوز نہیں کرتا کہ ان کے دلوں تک پہنچے اور صرف زبان سے گزارنا مطلوب نہیں بلکہ مطلوب ومقصود یہ ہے کہ اسے دل میں اتارا جائے، اسے سمجھا جائے اور اس میں تدبر کیا جائے۔

دو سورتوں کی آپس میں مشابہت سے مراد

((میں ان ایک دوسرے سے مشابہ سورتوں کو جانتا ہوں)) یعنی وہ سورتیں جو معانی میں مماثل ومشابہ ہیں جیسا کہ مواعظ یا حِکَم یا قصص میں۔

بیس سورتیں کون سی ہیں

((مفصل کی بیس سورتوں میں ہر دو سورتوں کو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم ایک رکعت میں ملایا کرتے تھے)) یعنی ان

میں سے دوسورتیں ہر رکعت میں پڑھا کرتے تھے حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تالیف کے مطابق کہ انہوں نے بھی قرآن کو حضرت زید کی ترتیب کے علاوہ جمع کیا تھا۔

ان بیس سورتوں کی صراحت سنن ابی داؤد کی روایت میں ہے:

سورۃ الرحمٰن، سورۃ النجم ایک رکعت میں، سورۂ اقتربت اور سورۃ الحاقہ ایک رکعت میں، سورۃ الطّور اور سورۃ الذاریات ایک رکعت میں، سورۂ اذا وقعت اور سورۃ النون ایک رکعت میں، سورۃ المعارج اور سورۃ النازعات ایک رکعت میں، سورۂ ویل للمطففین اور سورۂ عبس ایک رکعت میں، سورۃ المدثر اور سورۃ المزمل ایک رکعت میں، سورۂ ھل اتی اور سورۂ لااقسم ایک رکعت میں، سورۂ عم اور سورۃ المرسلات ایک رکعت میں، سورۃ الدخان اور سورۂ اذا الشمس ایک رکعت میں۔ ابو داؤد نے کہا کہ یہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تالیف کے مطابق ہے۔

(سنن ابی داؤ، باب تحزیب القرآن، ج2، ص56، المکتبۃ العصریہ، بیروت)

علامہ ابن حجر عسقلانی یہ بیس سورتیں بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

اس سے ظاہر ہوا کہ حدیث الباب میں جو فرمایا کہ یہ بیس سورتیں مفصل میں سے ہیں یہ مجازاً فرمایا ہے کیونکہ سورۃ الدخان ان میں سے نہیں۔ (فتح الباری لابن حجر، باب الجمع بین السورتین فی رکعۃ، ج2، ص259، دار المعرفۃ، بیروت)

مزید فرماتے ہیں:

"یہ اس کے مخالف نہیں جو کہ کتاب التہجد میں آرہا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سورۃ البقرہ وغیرہ طویل سورتیں جمع کرتے تھے کیونکہ یہ نادر پر محمول ہے۔" (فتح الباری لابن حجر، باب الجمع بین السورتین فی رکعۃ، ج2، ص260، دار المعرفۃ، بیروت)

حدیث الباب سے مستنبط شدہ ایک مسئلہ

اس حدیث پاک میں دوسورتوں کو ایک رکعت میں جمع کرنے کا جواز ہے۔ ابوداؤد نے حضرت عبداللہ بن شقیق سے روایت کیا، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے سوال کیا: ((هَلْ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرِنُ بَيْنَ السُّورَتَيْنِ، قَالَتْ: مِنَ الْمُفَصَّلِ)) ترجمہ: کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دوسورتوں کو جمع کرتے تھے، ارشاد فرمایا: (ہاں) مفصل سے۔ (سنن ابی داؤد، باب صلاۃ الضحیٰ، ج2، ص28، المکتبۃ العصریہ، بیروت)

یہ نوافل پر محمول ہے یا فرائض میں بیانِ جواز کے لیے ہے۔

علامہ بدرالدین عینی حنفی فرماتے ہیں:

یہ مناسب نہیں کہ (فرائض میں) دوسورتوں کو ایک رکعت میں جمع کرے اور کرلیا تب بھی حرج نہیں اور خلاصہ میں ذکر کیا کہ اگر ایک رکعت میں کوئی سورت تلاوت کی پھر دوسری رکعت میں اس سورت سے اوپر والی سورت تلاوت کی یا یہ ایک رکعت میں ایسا کیا تو مکروہ ہے اور یہ تمام فرائض میں ہے جبکہ نوافل میں ہو تو مکروہ نہیں۔

(شرح ابی داود للعینی، باب من ترک القراءۃ فی صلاتہ، ج3،ص484،مکتبۃ الرشد،ریاض)

علامہ امین ابن عابدین شامی حنفی فرماتے ہیں:

فرض کی ایک رکعت میں دوسورت نہ پڑھے اور منفرد پڑھ لے تو حرج بھی نہیں، بشرطیکہ ان دونوں سورتوں میں فاصلہ نہ ہو اور اگر بیچ میں ایک یا چند سورتیں چھوڑ دیں، تو مکروہ ہے۔

(ردالمحتار، کتاب الصلاۃ، باب صفۃ الصلاۃ، فصل فی القراءۃ، ج2،ص330)

علامہ ابوبکر بن مسعود کاسانی حنفی فرماتے ہیں:

"اگر ایک رکعت میں دوسورتیں جمع کیں تو مکروہ نہیں، اور افضل ہے کہ جمع نہ کرے۔"

(بدائع الصنائع، فصل فی سنن حکم التکبیر الخ، ج1،ص206،دارالکتب العلمیہ، بیروت)

باب نمبر 417

مَا ذُكِرَ فِي فَضْلِ الْمَشْيِ إِلَى الْمَسْجِدِ وَمَا يُكْتَبُ لَهُ مِنَ الْأَجْرِ فِي خُطَاهُ

مسجد کی جانب چلنے کی فضیلت اور جو ہر قدم پر ثواب لکھا جاتا ہے

603- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو دَاوُدَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ، عَنِ الْأَعْمَشِ، سَمِعَ ذَكْوَانَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "إِذَا تَوَضَّأَ الرَّجُلُ فَأَحْسَنَ الْوُضُوءَ ثُمَّ خَرَجَ إِلَى الصَّلَاةِ لَا يُخْرِجُهُ -أَوْ قَالَ: لَا يَنْهَزُهُ- إِلَّا إِيَّاهَا، لَمْ يَخْطُ خُطْوَةً إِلَّا رَفَعَهُ اللَّهُ بِهَا دَرَجَةً، أَوْ حَطَّ عَنْهُ بِهَا خَطِيئَةً، قال ابوعيسى: هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

حدیث: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب کوئی شخص وضو کرے تو اچھا وضو کرے پھر نماز کے لئے نکلے اس کو صرف نماز نے نکالا ہو یا فرمایا اسے صرف نماز نے کھڑا کیا ہو تو وہ کوئی بھی قدم نہیں اٹھاتا مگر اللہ عزوجل اس کے بدلے اس کا ایک درجہ بلند فرما دیتا ہے یا اس کا ایک گناہ مٹا دیتا ہے۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

شرح حدیث

اچھی طرح وضو کرنے سے کیا مراد ہے

علامہ محمود بدر الدین عینی حنفی فرماتے ہیں:

"احسان فی الوضو (یعنی اچھی طرح وضو کرنے) سے مراد یہ ہے کہ سنتوں اور آداب کی رعایت کرتے ہوئے اچھی طرح پانی بہائے۔" (عمدۃ القاری، باب الصلاۃ فی مسجد السوق، ج4، ص258، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

علامہ جلال الدین سیوطی شافعی فرماتے ہیں:

"اچھی طرح وضو کرنے سے مراد یہ ہے کہ وضو کو اس طرح کرے جس طرح شریعت کی طرف سے مطلوب ہے افراط و تفریط اور کمی و زیادتی سے بچتے ہوئے۔" (قوت المغتذی، ابواب الصلاۃ، ج1، ص236، جامعہ ام القری، مکہ مکرمہ)

علامہ علی بن سلطان محمد القاری حنفی فرماتے ہیں:

"اچھی طرح وضو کرنے سے مراد یہ ہے کہ وضو کے فرائض اور سنتیں دونوں کو جمع کرے۔"

(مرقاۃ المفاتیح، باب المساجد و مواضع الصلاۃ، ج2، ص594، دار الفکر، بیروت)

ایک درجہ بلند ہونا اور ایک گناہ کا مٹنا

علامہ علی بن سلطان محمد القاری حنفی فرماتے ہیں:

"درجہ اس صورت میں بلند ہوتا ہے جب اس کے گناہ نہ ہوں اور اگر گناہ ہوں تو صرف گناہ معاف ہوتا ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ دونوں کام ہوتے ہوں کہ ہر قدم پر ایک درجہ بھی بلند ہوتا ہو اور ایک گناہ بھی مٹتا ہو اور یہی ظاہر ہے اور اللہ تعالیٰ کا فضل وسیع ہے۔" (مرقاۃ المفاتیح، باب المساجد و مواضع الصلاۃ، ج2، ص594، دار الفکر، بیروت)

فائدہ: اس حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ وضو کی جگہ کا مسجد سے زیادہ دور ہونا افضل ہے کیونکہ جتنی وضو کی جگہ دور ہوگی اتنے قدم زیادہ ہوں گے اور جتنے قدم زیادہ ہوں گے اتنے ہی درجات زیادہ بلند ہوں گے اور اتنے ہی زیادہ گناہ معاف ہوں گے۔ (التنویر شرح جامع الصغیر، حرف الصاد، ج7، ص26، مکتبہ دار السلام، ریاض)

باب نمبر418

مَا ذُكِرَ فِي الصَّلَاةِ بَعْدَ الْمَغْرِبِ أَنَّهُ فِي الْبَيْتِ أَفْضَلُ

مغرب کے بعد کی نماز گھر میں پڑھنا افضل ہے

604- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ قَالَ: حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ أَبِي الْوَزِيرِ قَالَ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُوسَى، عَنْ سَعْدِ بْنِ إِسْحَاقَ بْنِ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ، قَالَ: صَلَّى النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي مَسْجِدِ بَنِي عَبْدِ الْأَشْهَلِ الْمَغْرِبَ، فَقَامَ نَاسٌ يَتَنَفَّلُونَ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: عَلَيْكُمْ بِهَذِهِ الصَّلَاةِ فِي الْبُيُوتِ، قال عيسى: هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ، لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ هَذَا الْوَجْهِ، وَالصَّحِيحُ مَا رُوِيَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي الرَّكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْمَغْرِبِ فِي بَيْتِهِ: وَقَدْ رُوِيَ عَنْ حُذَيْفَةَ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى الْمَغْرِبَ فَمَا زَالَ يُصَلِّي فِي الْمَسْجِدِ حَتَّى صَلَّى الْعِشَاءَ الْآخِرَةَ فَفِي هَذَا الْحَدِيثِ دِلَالَةٌ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى الرَّكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْمَغْرِبِ فِي الْمَسْجِدِ

حدیث: سعد بن اسحٰق بن کعب بن عجرہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں فرمایا: نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے عبد الاشہل کی مسجد میں مغرب کی نماز ادا کی تو لوگ نفل پڑھنے کے لئے کھڑے ہوئے تو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم پر یہ نماز گھروں میں پڑھنا لازم ہے۔

امام ابو عیسیٰ ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ حدیث غریب ہے ہم اس حدیث کو صرف اسی سند سے جانتے ہیں ۔اور صحیح وہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرمایا: ''نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم مغرب کے بعد اپنے گھر میں دو رکعات پڑھا کرتے تھے۔'' اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ''بے شک آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مغرب کی نماز پڑھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں نماز پڑھتے رہے حتی کہ عشاء کی نماز ادا کی۔''

تو اس حدیث میں اس بات پر دلیل ہے کہ بے شک نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے مغرب کے بعد مسجد میں دو رکعتیں ادا کیں۔

شرح حدیث

علامہ محمود بدرالدین عینی حنفی فرماتے ہیں:

"حدیث کے ظاہر کے پیشِ نظر اپنے گھر میں مغرب کی دوسنتوں کا ادا کرنا مستحب ہے اور اسی طرح جمہور علما کے نزدیک وہ تمام نوافل جو فرائض کے تابع ہیں ان کا گھر میں ادا کرنا مستحب ہے، متفق علیہ حدیث کی وجہ سے کہ ((أفضل صَلَاةِ الْمَرْءِ فِي بَيْتِه إلاَّ الْمَكْتُوبَة)) ترجمہ: فرض کے علاوہ آدمی کی گھر میں پڑھی جانے والی نماز زیادہ افضل ہے۔"

(عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری، باب الصلاۃ بعد الجمعۃ وقبلہا، ج6، ص251، داراحیاء التراث العربی، بیروت)

علامہ علی بن ابی بکر الفرغانی المرغینانی حنفی (متوفی 593ھ) فرماتے ہیں:

"تمام سنن ونوافل کو گھر میں ادا کرنا افضل ہے اور یہ بات رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مروی ہے۔"

(ہدایہ، باب ادراک الفریضۃ، ج1، ص72، داراحیاء التراث العربی، بیروت)

علامہ کمال الدین ابن ہمام حنفی (متوفی 861ھ) فرماتے ہیں:

"اور عام علما جواب کے اطلاق پر ہیں پس کتاب کی عبارت اور اسی پر فقیہ ابو جعفر نے فتوی دیا، فرمایا: مگر یہ کہ اسے گھر لوٹنے پر اس سے غافل ہونے کا خوف ہو پس اگر خوف نہ ہو تو افضل گھر میں نماز پڑھنا ہے۔"

(فتح القدیر، باب ادراک الفریضۃ، ج1، ص477، دارالفکر، بیروت)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان حنفی فرماتے ہیں:

"اور جسے یہ وثوق نہ ہو وہ مسجد میں پڑھ لے کہ لحاظِ افضلیت میں اصلِ نماز فوت نہ ہو، اور یہ معنی عارضی افضلیت صلوۃ فی البیت کے منافی نہیں، نظیر اس کی نماز وتر ہے کہ بہتر اخیر شب تک اس کی تاخیر ہے مگر جو اپنے جاگنے پر اعتماد نہ رکھتا ہو وہ پہلے ہی پڑھ لے کما فی کتب الفقہ (جیسا کہ کتب فقہ میں ہے۔ت) مگر اب عام عملِ اہل اسلام سنن کے مساجد ہی میں پڑھنے پر ہے اور اس میں مصالح ہیں کہ ان میں وہ اطمینان کم ہوتا ہے جو مساجد میں ہے اور عادتِ قوم کی مخالفت موجب طعن وانگشت نمائی وانتشار ظنون وفتح باب غیبت ہوتی ہے اور حکم صرف استحبابی تھا تو ان مصالح کی رعایت اس

پر مرجح ہے، ائمہ دین فرماتے ہیں: الخروج عن العادۃ شھرۃ ومکروہ (معمول کے خلاف کرنا شہرت اور مکروہ ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔" (فتاوی رضویہ، ج7، ص416، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

سنتیں وغیرہ گھر میں پڑھنے کے بارے میں مذاہب ائمہ اور اس کے علاوہ تفصیلی کلام جلد نمبر 3 میں باب نمبر 315 اور باب نمبر 325 پر گزر چکا ہے۔

باب نمبر 419

فِى الاغْتِسَالِ عِنْدَمَا يُسْلِمُ الرَّجُلُ

آدمی کے اسلام قبول کرتے وقت غسل کرنا

605- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ مَهْدِيٍّ قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنِ الْأَغَرِّ بْنِ الصَّبَّاحِ، عَنْ خَلِيفَةَ بْنِ حُصَيْنٍ، عَنْ قَيْسِ بْنِ عَاصِمٍ، أَنَّهُ أَسْلَمَ فَأَمَرَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَغْتَسِلَ بِمَاءٍ وَسِدْرٍ وَفِي الْبَابِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قال ابوعيسى: هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ، لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ هَذَا الْوَجْهِ، "وَالْعَمَلُ عَلَيْهِ عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ: يَسْتَحِبُّونَ لِلرَّجُلِ إِذَا أَسْلَمَ أَنْ يَغْتَسِلَ وَيَغْسِلَ ثِيَابَهُ"

حدیث: حضرت قیس بن عاصم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے اسلام قبول کیا تو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں پانی اور بیری کے پتوں سے غسل کرنے کا حکم دیا۔

اور اس باب میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی روایت مروی ہے۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ حدیث حسن ہے اسے ہم صرف اسی سند سے جانتے ہیں اور اسی پر اہلِ علم کا عمل ہے یہ حضرات اسلام قبول کرنے والے کے لئے اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ وہ غسل کرے اور اپنے کپڑوں کو دھوئے۔

شرح حدیث

علامہ علی بن سلطان محمد القاری حنفی فرماتے ہیں:

((حضرت قیس بن عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسلام لائے)) علامہ ابن عبد البر نے لکھا کہ یہ قبیلہ تمیم کے وفد میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور اسلام لائے ، جب نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں دیکھا تو ارشاد فرمایا: ((هَذَا سَيِّدُ أَهْلِ الْوَبَرِ)) (یہ اہل دیہات کے سردار ہیں) یہ وصف حلم کے ساتھ مشہور تھے، ان کو بصریوں میں شمار کیا جاتا ہے، اِن سے ان کے بیٹے حکیم نے روایت کیا ہے، اور ان کے بیٹے کے علاوہ ایک تعداد نے روایت کیا ہے۔

((نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں پانی اور بیری کے پتوں سے غسل کرنے کا حکم دیا)) اکثر فقہاء (جن میں احناف بھی ہیں) اس طرف گئے ہیں کہ جو اسلام لائے اس کے لیے مستحب ہے کہ غسل کرے اور اپنے کپڑے دھوئے بشرطیکہ حالتِ کفر میں اس پر غسل لازم نہ ہوا ہو اور اس غسل سے غرض یہ ہے کہ اس کے اعضاء پر جو نجاست محتملہ، میل کچیل اور بدبو ہو اس سے تطہیر ہو جائے۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پانی اور بیری کے پتوں سے غسل کرنے کا حکم صفائی میں مبالغہ کے لیے ارشاد فرمایا کیونکہ بیری کے پتوں سے جوش دیا ہوا پانی جسم کو خوب صاف کرتا ہے۔ اور یہ غسل کرنا اصح قول پر کلمہ شہادت پڑھنے کے بعد ہوگا۔

اور امام مالک اور امام احمد کے نزدیک اس پر غسل واجب ہے اگرچہ جنبی نہ ہو۔ بہرحال اگر اس حال میں اسلام لایا کہ اس نے حالت کفر میں جماع کیا تھا یا اسے احتلام ہوا تھا اور اس نے حالت کفر میں غسل نہیں کیا تو اس پر غسل فرض ہے اور امام شافعی کے نزدیک اگرچہ اس نے حالت کفر میں غسل کر بھی لیا تب بھی اس پر غسل فرض ہے کیونکہ وہ نیت کا محتاج ہے اور یہ نیت ایسی عبادت ہے جو کافر سے صحیح نہیں ہوتی، اور امام اعظم کے نزدیک اگر اس نے حالت کفر میں غسل کرلیا تھا تو یہ غسل اس کے لیے کافی ہے کیونکہ احناف کے نزدیک غسل میں نیت شرط نہیں۔ اور اسلام لانے والے کے لیے مسنون ہے کہ غسل سے پہلے اپنا سر مونڈ دے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک اسلام لانے والے سے

ارشادفرمایا:((أَلْقِ عَنْكَ شَعْرَ الْكُفْرِ وَاغْتَسِلْ)) ترجمہ: کفر کے بال اپنے سے دور کرو اور غسل کرو۔

(مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح، باب غسل المسنون، ج2،ص490،دار الفکر، بیروت)

باب نمبر 420

مَا ذُكِرَ مِنَ التَّسْمِيَةِ عِنْدَ دُخُولِ الْخَلَاءِ

بیت الخلاء داخل ہوتے ہوئے تسمیہ پڑھنا

606- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ حُمَيْدٍ الرَّازِيُّ قَالَ: حَدَّثَنَا الْحَكَمُ بْنُ بَشِيرِ بْنِ سَلْمَانَ قَالَ: حَدَّثَنَا خَلَّادُ الصَّفَّارُ، عَنِ الْحَكَمِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ النَّصْرِيِّ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنْ أَبِي جُحَيْفَةَ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: سَتْرُ مَا بَيْنَ أَعْيُنِ الْجِنِّ وَعَوْرَاتِ بَنِي آدَمَ: إِذَا دَخَلَ أَحَدُهُمُ الْخَلَاءَ، أَنْ يَقُولَ: بِسْمِ اللَّهِ، قال ابوعيسى: هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ هَذَا الْوَجْهِ، وَإِسْنَادُهُ لَيْسَ بِذَاكَ الْقَوِيِّ، وَقَدْ رُوِيَ عَنْ أَنَسٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَشْيَاءُ فِي هَذَا

حدیث: حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بنی آدم اور جنات کی آنکھوں کے درمیان پردہ یہ ہے کہ جب ان میں کوئی بیت الخلاء داخل ہو تو وہ "بسم اللہ" کہے۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں: یہ حدیث غریب ہے جسے ہم صرف اسی سند سے جانتے ہیں اور اس کی اسناد قوی نہیں ہے اور نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بواسطہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس بارے میں چند اشیاء مروی ہیں۔

شرح حدیث

علامہ ابوسلیمان خطابی (متوفی 388ھ) فرماتے ہیں:

"یہاں داخل ہونے سے مراد یہ ہے کہ جب داخل ہونے کا ارادہ کرے تو یہ دعا پڑھ لے۔"

(اعلام الاحکام، حدیث النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کان اذا دخل الخلاء، ج1، ص94، مطبعۃ السنۃ المحمدیۃ)

علامہ علی بن سلطان محمد القاری حنفی فرماتے ہیں:

"ماقبل میں یہ حدیث پاک گزری جس میں بیت الخلا جانے سے پہلے یہ دعا اور تعوذ "أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الْخُبُثِ والخبائث" پڑھنے کا فرمایا گیا، یہاں "بسم اللہ" پڑھنے کا فرمایا گیا۔ لہٰذا دونوں میں سے کوئی ایک بھی پڑھ لیں تو اصل سنت ادا ہو جائے گی اور دونوں کو جمع کرنا افضل ہے۔" (مرقاۃ المفاتیح تلخیصاً وزیادۃ، باب آداب الخلاء، ج1، ص387، دار الفکر، بیروت)

مزید فرماتے ہیں:

"علامہ ابن حجر عسقلانی نے فرمایا: سنت یہ ہے کہ تعوذ اور بسم اللہ میں سے بسم اللہ کو مقدم کرے۔ اھ۔ ایسا نہ کرے جیسا کہ تلاوت میں کرتے ہیں کہ پہلے تعوذ پڑھتے ہیں اور پھر بسم اللہ۔"

(مرقاۃ المفاتیح، باب آداب الخلاء، ج1، ص387، دار الفکر، بیروت)

جنات کے بارے میں عقائد ونظریات

جنات کا وجود

علامہ محمود بدر الدین عینی حنفی (متوفی 855ھ) فرماتے ہیں:

"ابن تیمیہ نے کہا کہ مسلمانوں کے گروہوں میں سے کسی نے جنات کے وجود کا انکار نہیں کیا، اور کفار کے اکثر گروہ بھی جنات کا اثبات کرتے ہیں، اگرچہ ان میں بعض ایسے ہیں جو ان کے وجود کا انکار کرتے ہیں جیسا کہ مسلمانوں کے بعض فرقوں میں بھی ایسے لوگ پائے جاتے ہیں جو جنات کا انکار کرتے ہیں مثلاً جہمیہ اور معتزلہ، اگرچہ ان کے اکثر اور

ان کے ائمہ جنات کا اثبات کرتے ہیں، کیونکہ جنات کے وجود پر انبیا علیہم السلام کی اخبار تواتر آ آئی ہیں۔

امام الحرمین نے اپنی کتاب "الشامل" میں فرمایا: جان لو! اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرمائے، کثیر فلاسفہ، جمہور قدریہ، تمام زنادقہ شیاطین اور جنات کا بالکل ہی انکار کرتے ہیں، اس شخص سے اس کا انکار بعید نہیں جو متدین نہ ہو، شریعت کے قریب نہ ہو، تعجب تو قدریہ کے انکار سے ہے (جو قرآن وحدیث جاننے کا بھی دعویٰ بھی کرتے ہیں) حالانکہ جنات کے بارے میں نصوصِ قرآن ، اخبارِ متواترہ اور آثار مشہورہ موجود ہیں۔

ابوالقاسم انصاری نے "شرح الارشاد" میں لکھا ہے: اکثر معتزلہ نے جنات کا انکار کیا ہے، اور ان کا انکار ان کی لاپروائی و دیانت کی کمی پر دلالت کرتا ہے، جنات کے اثبات میں کوئی مستحیل عقلی نہیں اور کتاب وسنت کی نصوص ان کے اثبات پر دلالت کرتی ہیں۔

قاضی ابوبکر باقلانی نے فرمایا: کثیر قدریہ پہلے جنات کے وجود کا اثبات کرتے تھے، اور اب ان کے وجود کا انکار کرتے ہیں، ان میں سے بعض وہ ہیں جو جنات کے وجود کا اقرار کرتے ہیں اور گمان کرتے ہیں کہ انہیں ان کے اجسام کی رقت اور ان کے اجسام میں شعاع کے نفوذ کی وجہ سے نہیں دیکھا جا سکتا، ان میں سے بعض یہ کہتے ہیں: انہیں اس وجہ سے نہیں دیکھا جا سکتا کہ ان کا کوئی رنگ نہیں ہے، عبدالجبار معتزلی نے کہا: جنات کے اثبات پر صرف سمعی دلائل ہیں، عقلی دلائل نہیں کیونکہ اجسام غائبہ کے اثبات کی طرف کوئی راہ نہیں، کیونکہ کوئی شے غیر پر اس وقت تک دلالت نہیں کرتی جب تک اس کے اور غیر کے درمیان کوئی تعلق نہ ہو۔"

(عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری، باب ذکر الجن ثوابہم وعقابہم، ج15، ص182,183، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

وجودِ جنات کے انکار کا حکم

فتاوی حدیثیہ میں ہے:

"اہل سنت کا جنات کے وجود پر ایمان ہے، معتزلہ ان کے وجود کا انکار کرتے ہیں، اس انکار میں قرآن، حدیث اور اجماع کی مخالفت ہے، بلکہ ان پر اس انکار کے سبب کفر لازم آتا ہے کیونکہ اس جنات کے وجود پر موجود نصوص قطعیہ کی تکذیب ہے، اسی وجہ سے بعض مالکیہ کہتے ہیں کہ درست بات یہ ہے کہ جو جنات کے وجود کا انکار کرے اس نے کفر کیا

کیونکہ اس نے نص قرآنی، سنن متواترہ اور اجماع ضروری کا انکار کیا اور جنات قطعاً مکلّف ہیں۔" (فتاوی حدیثیہ، ص 167)

صدر الشریعہ مفتی امجد علی اعظمی فرماتے ہیں:

"اِن کے وجود کا انکار یا بدی کی قوت کا نام جن یا شیطان رکھنا کفر ہے۔"

(بہار شریعت، حصہ 1، ص 97، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

جن کو جن کہنے کی وجہ

علامہ ابن اثیر (متوفی 606ھ) فرماتے ہیں:

لغت میں جن کا معنی ہیں: ''ستر اور خفا'' اور جن کو جن اسی لیے کہتے ہیں کہ وہ عام لوگوں کی نگاہوں سے مخفی اور مستور ہوتا ہے، اسی سے جنین ہے جو اپنی ماں کے بطن میں چھپا ہوتا ہے۔

(نہایہ فی غریب الحدیث والاثر، ج 1، ص 307، المکتبۃ العلمیہ، بیروت)

علامہ محمود بدر الدین عینی حنفی (متوفی 855ھ) فرماتے ہیں:

جن کا لغوی معنی ستر ہے، اور جن کو جن اسی وجہ سے کہتے ہیں کہ وہ لوگوں کی نگاہوں سے پوشیدہ ہوتا ہے، اور زمانہ جاہلیت میں لوگ فرشتوں کو جن کہتے تھے کیونکہ وہ ان کی آنکھوں سے پوشیدہ ہوتے تھے۔

(عمدۃ القاری، باب ذکر الجن وثوابہم وعقابہم، ج 15، ص 184، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

جنات کی تخلیق آگ سے

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے: ﴿وَالْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ﴾ ترجمۂ کنز الایمان: اور جن کو اس (انسان) سے پہلے بنایا بے دھوئیں کی آگ سے۔ (سورت الحجر، آیت 27)

اللہ تعالیٰ ایک اور مقام پر فرماتا ہے: ﴿وَ خَلَقَ الْجَآنَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ﴾ ترجمۂ کنز الایمان: اور جن کو پیدا فرمایا آگ کے لو کے سے۔ (سورۃ الرحمٰن، آیت 15)

شیطان کا قول قرآن مجید میں حکایت کیا گیا: ﴿خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ﴾ ترجمۂ کنز الایمان: تو نے مجھے آگ سے بنایا۔ (سورۃ الاعراف، آیت 12)

اور شیطان جنات میں سے ہے، قرآن مجید میں ہے: ﴿فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ كَانَ مِنَ الْجِنِّ﴾ ترجمۂ کنز الایمان: تو سب نے سجدہ کیا سوا ابلیس کہ قومِ جن سے تھا۔ (سورۃ الکہف، آیت 50)

معلوم ہوا کہ جنات آگ سے پیدا کیے گئے ہیں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((خُلِقَتِ الْمَلَائِكَةُ مِنْ نُورٍ، وَخُلِقَ الْجَانُّ مِنْ مَارِجٍ مِنْ نَارٍ، وَخُلِقَ آدَمُ مِمَّا وُصِفَ لَكُمْ)) ترجمہ: فرشتوں کو نور سے، جنات کو آگ کے شعلہ سے اور آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا کیا گیا ہے۔

(صحیح مسلم، باب فی احادیث متفرقۃ، ج4، ص2294، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

مذکورہ بالا حدیث مبارکہ نقل کرنے کے بعد علامہ محمود بدر الدین عینی فرماتے ہیں:

"ثابت ہوا کہ جن کی اصل آگ ہے جیسا کہ انسان کی اصل مٹی ہے، اللہ تعالیٰ تعالیٰ نے قرآن میں شیطان کا یہ جو قول ﴿خلقتنی من نار﴾ تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا۔ حکایت کیا یہ بھی اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ جن کی اصل آگ ہے۔" (عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری، باب ذکر الجن ثوابھم وعقابھم، ج15، ص183، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

تخلیق جنات کی ابتدا

علامہ محمود بدر الدین عینی حنفی (متوفی 855ھ) فرماتے ہیں:

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام سے دو ہزار سال پہلے جن کو پیدا فرمایا۔ اور کہا گیا کہ جنات زمین پر ایک ہزار سال آباد رہے، اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ جنات زمین پر رہتے تھے اور ملائکہ آسمان پر۔

اسحاق بن بشر کہتے ہیں کہ مجھ سے جو یبر اور عثمان نے اپنی اپنی اسناد سے بیان کیا ہے: "اللہ تعالیٰ نے جنات کو پیدا فرمایا اور انھیں زمین آباد کرنے کا حکم دیا۔ وہ ایک مدت تک زمین پر اللہ کی عبادت کرتے رہے، پھر انھوں نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی اور خونریزی شروع کردی، اور یوسف نامی ایک فرشتہ کو قتل کردیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی سرکوبی کے لیے فرشتوں کا ایک لشکر بھیجا جو آسمان دنیا سے آئے ابلیس بھی انہیں میں تھا۔ یہ لشکر چار ہزار فرشتوں پر مشتمل تھا۔ انھوں نے

جنات کو سمندری جزیروں کی طرف دھکیل دیا اور زمین پر ابلیس اور اس کے ساتھی آئے ہوئے فرشتے رہنے لگے۔"

(عمدۃ القاری، ج 1، ص 183، مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ، مصر)

جنات کی ابتدا کس سے

حضرت ابن شہاب فرماتے ہیں:

((فَإِبْلِيسُ أَبُو الْجِنِّ كَمَا أَنَّ آدَمَ أَبُو الْإِنْسِ وَآدَمُ مِنَ الْإِنْسِ وَهُوَ أَبُوهُمْ، وَإِبْلِيسُ مِنَ الْجِنِّ وَهُوَ أَبُوهُمْ)) ترجمہ: ابلیس تمام جنات کا باپ ہے جس طرح آدم علیہ السلام تمام انسانوں کے باپ ہیں، آدم علیہ السلام انسانوں میں سے ہیں اور ان کے باپ ہیں، اور ابلیس جنات میں سے ہے اور ان کا باپ ہے۔

(العظمۃ لابی الشیخ الاصبھانی، ذکر الجن وخلقھن، ج 4، ص 1644، دار العاصمۃ، ریاض)

جنات کو کس دن پیدا کیا گیا

حضرت ربیع بن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ "إني جاعل في الأرض خليفة" کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو بدھ کے دن، جنات کو جمعرات کے دن اور حضرت آدم علیہ السلام کو جمعہ کے دن پیدا کیا۔

(العظمۃ لابی الشیخ الاصبھانی، صفۃ ابتداء الخلق، ج 4، ص 1364، دار العاصمۃ، ریاض ☆ تفسیر طبری، ج 1، ص 450، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت)

جنات کو انسانوں سے پہلے پیدا کیا گیا

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے: ﴿وَالْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ﴾ ترجمۂ کنز الایمان: اور جن کو اس (انسان) سے پہلے بنایا بے دھوئیں کی آگ سے۔ (سورت الحجر، آیت 27)

حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے: ((إِنَّ اللَّهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى خَلَقَ الْجَنَّةَ قَبْلَ النَّارِ، وَخَلَقَ رَحْمَتَهُ قَبْلَ غَضَبِهِ، وَخَلَقَ السَّمَاءَ قَبْلَ الْأَرْضِ، وَخَلَقَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ قَبْلَ الْكَوَاكِبِ، وَخَلَقَ النَّهَارَ قَبْلَ اللَّيْلِ، وَخَلَقَ الْبَحْرَ قَبْلَ الْبَرِّ، وَخَلَقَ الْبَرَّ وَالْأَرْضَ قَبْلَ الْجِبَالِ، وَخَلَقَ الْمَلَائِكَةَ قَبْلَ الْجِنِّ، وَخَلَقَ الْجِنَّ قَبْلَ الْإِنْسِ، وَخَلَقَ الذَّكَرَ قَبْلَ الْأُنْثَى)) ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے جنت کو جہنم سے پہلے، اپنی رحمت کی اشیا کو اپنے غضب کی چیزوں سے پہلے، آسمان کو زمین سے پہلے، سورج و چاند کو ستاروں سے پہلے، دن کو رات سے پہلے، دریا کو خشکی سے

پہلے، فرشتوں کو جنوں سے پہلے، جنوں کو انسانوں سے پہلے اور نر کو مادہ سے پہلے پیدا کیا۔

(العظمۃ لابی الشیخ الاصبہانی، صفۃ ابتداء الخلق، ج 4، ص 1372، دار العاصمۃ، ریاض)

جنات کی خصوصیات اور ان کے مختلف کام

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی لکھتے ہیں:

دوسری قسم وہ جاندار ہیں جن کی عقل، شہوت اور غضب پر وہم اور خیال غالب ہے۔ ان کا جسم ناری اور ہوائی اجزاء کا خلاصہ ہے، جس کو قرآن مجید میں کہیں "مارج من نار" اور کہیں "من نار السموم" سے تعبیر فرمایا ہے۔ ان کا یہ بدن آدمی کی ہوائی روح کا حکم رکھتا ہے جو دل میں پیدا ہوتی ہے۔ آدمی کی ہوائی روح اور ان کے بدن میں یہ فرق ہے کہ آدمی کی ہوائی روح عناصر اربعہ کا خلاصہ ہے جو آدمی کی غذا میں کام آتی ہیں جو آدمی کی غذا میں کام آتی ہیں اور ان کا بدن فقط ناری اور ہوائی اجزاء کا خلاصہ ہے، ان کے وہم اور خیال کی قوت ان کے اصلی بدنوں کو ہوائی بدن کی مانند متغیر اشکال اور متبدل الصورت کر دیتی ہے۔ جس طرح آدمی کا ہوائی جسم خوف اور دہشت اور سرور اور خوشی کی حالت میں متغیر ہوتا ہے۔ ان کا ہوائی بدن کبھی اپنے اسی بدن پر اکتفا کرتا ہے اور کبھی تصرف کر کے تنگ جگہ مثلاً انسانی جسم کے مسامات میں دَر آتا ہے اور ان سے نکل جاتا ہے اور کبھی اجسام کثیفہ میں متشکل ہو جاتا ہے اور اس سے ہولناکیاں صادر ہوتی ہیں لیکن یہ نظر نہیں آتا، جس طرح آگ ہوا اور شعاعوں سے باوجود ان کی لطافت طبع کے بڑے بڑے ہولناک کام ہو جاتے ہیں مثلاً آندھیاں درخت کو جڑ سے اکھاڑ دیتی ہیں۔ یہ کھاتے پیتے ہیں، عورتوں سے صحبت کرتے ہیں۔ ہندی میں ان کو دیوتا کہتے ہیں اور جو بُرے کاموں کے ساتھ خاص ہوں ان کو دینت کہتے ہیں اور فارسی میں بُروں کو دیو اور اچھوں کو پَری کہتے ہیں۔ عربی میں بُروں کو شیطان اور جن میں جبلی شرارت نہ ہو ان کو جن کہتے ہیں۔ احادیث میں معلوم ہوتا ہے کہ ان کی شکلوں میں بہت اختلاف ہے یعنی ان کی ایک معین شکل نہیں ہے بعض کے پر ہوتے ہیں وہ تیز ہوا کی طرح ہوا میں اڑتے ہیں۔ بعض سانپ اور کتے کی شکل بن کر پھرتے ہیں۔ بعض آدمیوں کی صورت میں ہوتے ہیں اور ان کے گھر بار بھی ہوتے ہیں یہ کوچ اور مقام بھی کرتے ہیں لیکن ان کے گھر اور ٹھہراؤ کی جگہ اکثر ویرانہ جنگل اور پہاڑ ہوتے ہیں۔ ان کی صورتوں کا مختلف ہونا ان کی صورتوں پر رغبت کے اعتبار سے ہے ورنہ ان کی اصل وہی ناری اور ہوائی اجزاء سے ترکیب

ہے اور یہ قسم عالم ملائکہ اور عالم حیوانات کے درمیان برزخ ہے۔ (تفسیر عزیزی، پ29، ص134، مطبع فاروق، دہلی)

جنات کی اقسام

حضرت ابو ثعلبہ خشنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((الْجِنُّ عَلَى ثَلَاثَةِ أَصْنَافٍ: صِنْفٌ كِلَابٌ وَحَيَّاتٌ، وَصِنْفٌ يَطِيرُونَ فِي الْهَوَاءِ، وَصِنْفٌ يَحُلُّونَ وَيَظْعَنُونَ)) ترجمہ: جنات کی تین قسمیں ہیں: (۱) کتوں اور سانپوں کی شکل میں ہوتے ہیں، (۲) وہ جو ہوا میں اڑتے ہیں، (۳) (کبھی) ٹھہرتے اور (کبھی) سفر کرتے ہیں۔

(صحیح ابن حبان، ذکر واصف اجناس الجان الخ، ج14، ص26، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت ☆ المستدرک علی الصحیحین للحاکم، تفسیر سورۃ الاحقاف، ج2، ص495، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((خَلَقَ اللَّهُ تَعَالَى عَزَّ وَجَلَّ الْجِنَّ ثَلَاثَةَ أَصْنَافٍ صِنْفٌ حَيَّاتٌ وَعَقَارِبُ وَخَشَاشُ الْأَرْضِ، وَصِنْفٌ كَالرِّيحِ فِي الْهَوَاءِ وَصِنْفٌ عَلَيْهِمُ الْحِسَابُ وَالْعِقَابُ)) ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے جن کی تین اقسام پیدا کی ہیں: (۱) پہلی قسم کے جنات سانپ، بچھو اور زمین کے کیڑے مکوڑے ہوتے ہیں (۲) دوسری قسم کے جنات ہوا میں بو کی مانند ہوتے ہیں (۳) تیسری قسم کے جنات وہ ہیں جن پر حساب اور عقاب ہوگا۔

(العظمۃ لابی الشیخ الاصبہانی، ذکر الجن وخلقھن، ج5، ص1639، دار العاصمۃ، ریاض)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں: ((سُئِلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْغِيلَانِ فَقَالَ: سَحَرَةُ الْجِنِّ)) ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے غیلان کے بارے میں سوال کیا گیا تو ارشاد فرمایا: یہ سحر کرنے والے جنات ہوتے ہیں۔ (العظمۃ لابی الشیخ الاصبہانی، ذکر الجن وخلقھن، ج5، ص1641، دار العاصمۃ، ریاض)

علامہ محمود بدر الدین عینی حنفی فرماتے ہیں:

جنات کی متعدد اقسام ہیں:

(1) **غول**: یہ بہت زبردست، خطرناک اور خبیث جن ہے۔ کسی سے مانوس نہیں ہوتا۔ جنگلات میں رہتا

ہے۔مختلف شکلیں بدلتا رہتا ہے۔عموماً ویرانوں میں مسافروں کو دکھائی دیتا ہے اور انھیں راستہ سے بھٹکاتا ہے۔

(2) **سعلاۃ**: جنگلوں میں رہتا ہے انسان کے سامنے ناچتا ہے جس طرح بلی چوہے سے کھیلتی ہے اس طرح انسان سے کھیلتا ہے۔

(3) **غدار**: مصر اور یمن کے علاقہ میں پایا جاتا ہے اسے دیکھتے ہی انسان بے ہوش ہو جاتا ہے۔

(4) **ولہان**: ویران سمندری جزیروں میں رہتا ہے اس کی شکل ایسی ہے جیسے انسان شتر مرغ پر سوار ہو جو انسان جزیروں میں جا گرتے ہیں انھیں کھالیتا ہے۔

(5) **شق**: لمبائی میں نصف انسان کے برابر ہے، سفر میں ظاہر ہوتا ہے۔

(6) جنات کی ایک قسم وہ ہے جو آدمیوں سے مانوس ہوتے ہیں اور انھیں ایذا نہیں پہنچاتے۔

(7) جنات کی ایک قسم وہ ہے جو کنواری لڑکیوں کو اٹھا کر لے جاتا ہے۔

(8) جنات کی ایک قسم وہ ہے جو چھپکلی کی شکل میں ہوتے ہیں۔

(9) ایک قسم وہ ہے جو کتے کی شکل میں ہوتے ہیں۔

(عمدۃ القاری، باب ذکر الجن وثوابہم وعقابہم، ج15، ص184-183، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

جنات کی تعداد

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے، فرماتے ہیں: ((إِنَّ عَلَى الْأَرْضِ الرَّابِعَةِ وَتَحْتَ الْأَرْضِ الثَّالِثَةِ مِنَ الْجِنِّ مَا لَوْ أَنَّهُمْ ظَهَرُوا لَكُمْ، لَمْ تَرَوْا مَعَهُمْ نُورَ الشَّمْسِ)) ترجمہ: چوتھی زمین کے اوپر اور تیسری زمین کے نیچے اتنے جنات ہیں کہ اگر وہ تمہارے سامنے ظاہر ہو جائیں تو ان کی وجہ سے تمہیں سورج کی روشنی دکھائی نہ دے۔ (العظمۃ لابی الشیخ الاصبہانی، ذکر الجن وخلقھن، ج5، ص1643، دار العاصمۃ، ریاض)

حضرت عمرو بکالی فرماتے ہیں:

((إِنَّ اللَّهَ خَلَقَ عَشَرَةَ أَجْزَاءٍ، فَجَعَلَ تِسْعَةَ أَجْزَاءٍ الْمَلَائِكَةَ، وَجُزْءًا سَائِرَ الْخَلْقِ. وَجَزَّأَ الْمَلَائِكَةَ عَشَرَةَ أَجْزَاءٍ، فَجَعَلَ تِسْعَةَ أَجْزَاءٍ يُسَبِّحُونَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُونَ، وَجُزْءًا لِرِسَالَتِهِ. وَجَزَّأَ الْخَلْقَ عَشَرَةَ

أَجْزَاءٍ فَجَعَلَ تِسْعَةَ أَجْزَاءٍ الْجِنَّ ,وَجُزْءًا سَائِرَ بَنِي آدَمَ .وَجَزَّأَ بَنِي آدَمَ عَشَرَةَ أَجْزَاءٍ فَجَعَلَ يَأْجُوجَ وَمَأْجُوجَ تِسْعَةَ أَجْزَاءٍ,وَجُزْءًا سَائِرَ بَنِي آدَمَ)) ترجمہ:اللہ تعالیٰ نے مخلوق کے دس(10)اجزا پیدا فرمائے تو ان میں سے نو(9)اجزا فرشتوں کے بنائے اور ایک جز باقی مخلوق کا۔اور پھر فرشتوں کے دس اجزا کیے تو ان میں سے نو(9)اجزا وہ بنائے جو دن رات تسبیح پڑھتے ہیں،سست نہیں پڑھتے ،اور ایک جز پیغام رسانی کے لیے ۔اور باقی مخلوق کے دس اجزا بنائے تو ان میں سے نو اجزا جنات کے بنائے اور بنی آدم کا ایک جز،اور پھر بنی آدم کے دس اجزا بنائے تو ان میں سے نو اجزا یاجوج ماجوج کے بنائے اور ایک جز باقی بنی آدم کا۔

(تفسیر طبری،القول فی تاویل قولہ تعالیٰ:یسبحون اللیل والنہار الخ،ج16،ص244،دارہجر للطباعۃ والنشر والتوزیع)

حضرت عمرو بکالی فرماتے ہیں:((لَا يُولَدُ مِنَ الْإِنْسِ وَلَدٌ إِلَّا وُلِدَ مِنَ الْجِنِّ تِسْعَةٌ)) ترجمہ:جب انسان کے یہاں ایک بچہ پیدا ہوتا ہے تو جنات کے یہاں یہاں نو بچے پیدا ہوتے ہیں۔

(تفسیر طبری،ج16،ص401،دارہجر للطباعۃ والنشر والتوزیع)

جنات کے افعال اور احوال اور ان پر دلائل

صدر الشریعہ مفتی امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"یہ آگ سے پیدا کیے گئے ہیں۔اِن میں بھی بعض کو یہ طاقت دی گئی ہے کہ جو شکل چاہیں بن جائیں،اِن کی عمریں بہت طویل ہوتی ہیں،اِن کے شریروں کو شیطان کہتے ہیں،یہ سب انسان کی طرح ذی عقل اور ارواح واجسام والے ہیں،اِن میں توالد وتناسل ہوتا ہے،کھاتے،پیتے،جیتے،مرتے ہیں۔اِن میں مسلمان بھی ہیں اور کافر بھی،مگر اِن کے کفّار انسان کی بہ نسبت بہت زیادہ ہیں،اور اِن میں کے مسلمان نیک بھی ہیں اور فاسق بھی،سُنّی بھی ہیں،بدمذہب بھی،اور اِن میں فاسقوں کی تعداد بہ نسبت انسان کے زائد ہے۔" (بہار شریعت،حصہ1،ص96,97،مکتبۃ المدینہ،کراچی)

جنات کے نکاح کرنے پر قرآن کریم کی یہ آیہ مبارکہ دلیل ہے:﴿لَمْ يَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَ لَا جَآنٌّ﴾

ترجمہ:ان حوروں کو ان سے پہلے نہ کسی انسان نے چھوا نہ جن نے۔ (سورۃ الرحمٰن،آیت74)

جنات کی اولاد پیدا ہونے اور نسل چلنے پر یہ آیہ کریمہ دلیل ہے:﴿اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَ ذُرِّيَّتَهٗۤ اَوْلِيَآءَ مِنْ

دُوْنِی﴾ کیا ابلیس کو اور اس کی ذُریت کو میرے سوا دوست بناتے ہو۔ (سورۃ الکہف، آیت 50)

علامہ محمود آلوسی (متوفی 1270ھ) اس آیت کے تحت فرماتے ہیں:

"ظاہر یہ ہے کہ ذریت سے مراد اولاد ہے، لہذا یہ آیت کریمہ اس بات پر دلیل ہے کہ شیطان کی بھی اولاد ہوتی ہے"۔ (تفسیر روح المعانی تحت الآیۃ المذکورہ، ج15، ص370)

حضرت قتادہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

"وَهُمْ أَوْلَادُه، يَتَوَالَدُونَ كَمَا يَتَوَالَدُ بَنُو آدَمَ وَهُمْ أَكْثَرُ عَدَدًا" ترجمہ: یہ ذریت شیطان کی اولاد ہے، جنات کی بھی اسی طرح اولاد پیدا ہوتی ہے جیسا کہ انسانوں کی پیدا ہوتی ہے اور جنات انسانوں کے مقابلہ میں زیادہ پیدا ہوتے ہیں۔ (العظمۃ لابی الشیخ الاصبہانی، ذکر الجن وخلقھن، ج5، ص1643، دار العاصمۃ، ریاض)

احادیث میں جنات کے کھانے پینے کا ذکر ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((إِنَّ الشَّيْطَانَ يَسْتَحِلُّ الطَّعَامَ أَنْ لَا يُذْكَرَ اسْمُ اللهِ عَلَيْهِ)) ترجمہ: شیطان اس کھانے کو حلال کر لیتا ہے جس پر اللہ تعالیٰ کا نام ذکر نہ کیا جائے۔ (صحیح مسلم، باب آداب الطعام والشراب واحکامہما، ج3، ص1597، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((لَا تَأْكُلُوا بِالشِّمَالِ، فَإِنَّ الشَّيْطَانَ يَأْكُلُ بِالشِّمَالِ)) ترجمہ: تم میں سے کوئی شخص بائیں ہاتھ سے نہ کھائے کیونکہ شیطان بائیں ہاتھ سے کھاتا ہے۔ (صحیح مسلم، باب آداب الطعام والشراب واحکامہما، ج3، ص1598، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

بعض جنات میں افعال شاقہ کرنے کی صلاحیت موجود ہوتی ہے جیسا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے قصہ میں مذکور ہے، چنانچہ قرآن مجید میں ہے:

﴿قَالَ يٰۤاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَيُّكُمْ يَاْتِيْنِيْ بِعَرْشِهَا قَبْلَ اَنْ يَّاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ ۝ قَالَ عِفْرِيْتٌ مِّنَ الْجِنِّ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِكَ وَ اِنِّيْ عَلَيْهِ لَقَوِيٌّ اَمِيْنٌ ۝ قَالَ الَّذِيْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّرْتَدَّ اِلَيْكَ طَرْفُكَ فَلَمَّا رَاٰهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهٗ قَالَ هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّيْ﴾ ترجمہ کنز الایمان: سلیمان نے فرمایا اے درباریو! تم میں کون ہے کہ وہ اس کا تخت میرے پاس لے آئے قبل اس کے کہ وہ میرے

حضور مطیع ہوکر حاضر ہوں، ایک بڑا خبیث جن بولا میں وہ تخت حضور میں حاضر کردوں گا قبل اس کے کہ حضور اجلاس برخاست کریں، اور میں بیشک اس پر قوت والا امانتدار ہوں، اس نے عرض کی جس کے پاس کتاب کا علم تھا کہ میں اسے حضور میں حاضر کردوں گا ایک پل مارنے سے پہلے پھر جب سلیمان نے تخت کو اپنے پاس رکھا دیکھا کہا یہ میرے رب کے فضل سے ہے۔ (سورۃ النمل، آیات 38,39,40)

جنات پر موت بھی طاری ہوتی ہے اور ان کی تکفین اور تدفین بھی ہوتی ہے۔ علامہ ابن حجر مکی نے ایک طویل روایت ذکر کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت سے چارسو سال پہلے ایک جن آسمانی خبریں سن کر آپ پر ایمان لے آیا تھا۔ وہ سانپ کی شکل میں تھا، دن کو روزہ رکھتا تھا اور رات کو عبادت کرتا تھا۔ اس کے فوت ہونے کے بعد جنات کی ایک قوم نے اسے کفن پہنایا اور دفن کردیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس واقعہ کی ایک حدیث کی بنا پر تصدیق کی۔ (فتاوی حدیثیہ، ص60، مطبوعہ مصطفیٰ البابی واولادہ، مصر)

ایک آدمی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے سوال کیا: ((أَتَمُوتُ الْجِنُّ؟)) ترجمہ: کیا جنوں کو بھی موت آتی ہے، ارشاد فرمایا: ((نَعَمْ غَيْرَ إِبْلِيسَ)) ترجمہ: جی ہاں، ابلیس کے علاوہ۔

(العظمۃ لابی الشیخ الاصبہانی، ذکر الجن وخلقھن، ج5، ص1691، دار العاصمۃ، ریاض)

جنات کا وضو کرنا بھی ثابت ہے۔ علامہ ابن حجر مکی نے سند حسن کے ساتھ یہ حدیث بیان کی کہ ابلیس کا پوتا ہامہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں نے ہابیل کے قتل میں شرکت کی تھی کیا میری توبہ ہوسکتی ہے؟ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وصحبہ وبارک وسلم نے چند چیزیں بتا کر فرمایا وضو کرو اور دو رکعات نماز پڑھو اس نے ایسا کیا تو اس کی توبہ نازل ہوگئی۔ (فتاوی حدیثیہ، ص60، مطبوعہ مصطفیٰ البابی واولادہ، مصر)

جنات کے کھانے کی اشیاء

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں:

((ا فَقَالَ: ابْغِنِي أَحْجَارًا أَسْتَنْفِضْ بِهَا، وَلَا تَأْتِنِي بِعَظْمٍ وَلَا بِرَوْثَةٍ. فَأَتَيْتُهُ بِأَحْجَارٍ أَحْمِلُهَا فِي طَرَفِ ثَوْبِي، حَتَّى وَضَعْتُهَا إِلَى جَنْبِهِ، ثُمَّ انْصَرَفْتُ حَتَّى إِذَا فَرَغَ مَشَيْتُ، فَقُلْتُ: مَا بَالُ الْعَظْمِ وَالرَّوْثَةِ؟ قَالَ: هُمَا

مِنْ طَعَامِ الجِنِّ، وَإِنَّهُ أَتَانِي وَفْدُ جِنِّ نَصِيبِينَ، وَنِعْمَ الجِنُّ، فَسَأَلُونِي الزَّادَ، فَدَعَوْتُ اللَّهَ لَهُمْ أَنْ لاَ يَمُرُّوا بِعَظْمٍ، وَلاَ بِرَوْثَةٍ إِلَّا وَجَدُوا عَلَيْهَا طَعَامًا)) ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھے حکم فرمایا کہ میرے لیے پتھر تلاش کروتا کہ میں اس سے استنجا کروں مگر ہڈی اور لید مت لانا، میں کپڑے کی ایک طرف میں پتھر اٹھا کر لے آیا یہاں تک کہ آپ کے پاس رکھ دیئے، پھر میں پلٹ گیا، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم فارغ ہو گئے تو میں نے عرض کیا: ہڈی اور لید سے کیوں منع فرمایا؟ ارشاد فرمایا: یہ دونوں چیزیں جنات کی خوراک ہیں، میرے پاس نصیبین کے جنوں کا ایک وفد آیا تھا، وہ اچھے جن تھے، انہوں نے مجھ سے خوراک کا سوال کیا تو میں نے اُن کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ وہ جس ہڈی اور لید پر سے گزریں اس پر اپنا کھانا موجود پائیں۔ (صحیح بخاری، باب ذکر الجن، ج5، ص46، دار طوق النجاۃ)

اس حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ ہڈی اور لید پر جنات کی خوراک ہوتی ہے، ان دونوں پر خوراک ہونے سے کیا مراد ہے، اس بارے میں درج ذیل اقوال ہیں:

(1) ہڈی خود جنات کی خوراک ہے جبکہ لید ان کے جانوروں کی خوراک ہے۔

(2) وہ ہڈی پر سے جب بھی گزرتے ہیں تو اس پر گوشت پاتے ہیں ایسا گوشت جیسا کہ کھانے سے پہلے اس پر تھا، اور وہ جب بھی لید پر سے گزرتے ہیں تو اس میں دانہ، پھل وغیرہ پاتے ہیں ایسا جیسا کہ وہ جانوروں کے پیٹ میں جانے سے پہلے تھا۔ (عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری، باب الاستنجاء بالحجارۃ، ج2، ص300، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

سنن ابی داؤد میں کوئلے کا بھی ذکر ہے، حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ((قَدِمَ وَفْدُ الْجِنِّ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالُوا: يَا مُحَمَّدُ: انْهَ أُمَّتَكَ أَنْ يَسْتَنْجُوا بِعَظْمٍ أَوْ رَوْثَةٍ أَوْ حُمَمَةٍ فَإِنَّ اللَّهَ تَعَالَى جَعَلَ لَنَا فِيهَا رِزْقًا، قَالَ: فَنَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ ذَلِكَ)) ترجمہ: جنوں کا ایک وفد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہو کر عرض گزار ہوا: یا رسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)! آپ کی امت ہڈی، لید اور کوئلے سے استنجا کرتی ہے، اور اللہ تعالیٰ نے ان میں ہمارا رزق رکھا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان چیزوں سے استنجا کرنے سے منع فرما دیا۔ (سنن ابی داؤد، باب ما نھی عنہ ان یستنجی بہ، ج1، ص10، المکتبۃ العصریہ، بیروت)

کوئلے کا جنات کی خوراک ہونے سے مراد یہ ہے کہ جنات اس سے کھانا پکاتے ہیں، گرمی اور روشنی حاصل

کرتے ہیں۔ (مرقاۃ المفاتیح،باب آداب الخلاء،ج1،ص394،دار الفکر،بیروت)

علامہ کمال الدین الدمیری شافعی (متوفی 808ھ) فرماتے ہیں:

امام شافعی اور امام بیہقی نے روایت کیا: ((رجلا من الأنصار رضی اللہ عنھم، خرج یصلي العشاء فسبته الجن وفقد أعواما، وتزوجت زوجته .ثم أتى المدينة فسأله عمر رضی اللہ عنہ، عن ذلك فقال :اختطفتني الجن، فلبثت فيهم زمانا طويلا، فغزاهم جن مؤمنون وقاتلوهم، فأظفرهم الله عليهم، وسبوا منهم سبايا وسبوني معهم، فقالوا :تراك رجلا مسلما، ولا يحل لنا سباؤك، فخيروني بين المقام عندهم والقفول إلى أهلي؟ فاخترت أهلي فأتوا بي إلى المدينة فقال له عمر رضی اللہ عنہ :ما كان طعامعهم؟ قال :الفول وكل ما لم يذكر اسم الله عليه .قال :فما كان شرابهم؟ قال:الجدف)) ترجمہ: انصار میں سے ایک آدمی عشا کی نماز کے لیے نکلا تو جنوں نے انہیں قید کرلیا، کئی سال ان کی قید میں رہے،، ان کی زوجہ نے آگے شادی بھی کرلی، پھر جب ان کی قید سے چھوٹ کر مدینہ منورہ آئے تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے اس سلسلے میں دریافت کیا تو انہوں نے بتایا کہ مجھے جنات پکڑ کر لے گئے تھے اور میں ایک زمانہ تک ان کے پاس رہا، اس کے مسلمان جنات نے ان جنات سے جہاد کیا اور ان میں سے بہت سے افراد کے ساتھ مجھے بھی قید کرلیا، وہ کہنے لگے کہ یہ مسلمان آدمی ہے اس کو قید کرنا ہمارے لیے حلال نہیں، تو انہوں نے مجھے اختیار دیا کہ چاہوں تو ان کے پاس قیام کروں اور چاہوں تو اپنے اہل وعیال کے پاس چلا جاؤں۔ میں نے گھر آنے کو اختیار کرلیا تو وہ جنات مجھے مدینہ منورہ لے آئے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس انصاری سے پوچھا: جنات کیا چیز کھاتے ہیں؟ تو اس انصاری نے بتایا کہ وہ لوبیا کھاتے ہیں اور وہ چیزیں کھاتے ہیں جن پر اللہ تعالیٰ کا نام نہیں لیا جاتا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا: ان کا پانی کیا ہے؟ جواب دیا: جَدَف۔

(حیاۃ الحیوان،ج1،ص295،دار الکتب العلمیہ،بیروت)

جدف سے مراد وہ یمنی گھاس ہے جسے کھانے کے بعد پانی کی احتیاج نہیں رہتی، یا اس سے مراد پانی کا وہ برتن ہے جسے ڈھانپ کر نہ رکھا جائے۔ ایک قول یہ ہے کہ مشروب میں سے جھاگ وغیرہ جو قطع کر کے پھینکی جاتی ہے اسے جدف کہتے ہیں۔ (النہایۃ فی غریب الحدیث والاثر،جدف،ج1،ص247،المکتبۃ العلمیہ،بیروت)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ لوبیا بھی جنات کی خوراک ہے، اسی طرح ہر وہ کھانا جس پر اللہ تعالیٰ کا نام نہ لیا گیا ہو۔

جنات کے رہنے کی جگہیں

جنات کے رہنے کی متعدد جگہیں احادیث وآثار میں وارد ہوئی ہیں جیسے بلوں یعنی سوراخوں میں، ٹیلوں وچٹانوں میں، وادیوں میں، جھاڑیوں میں، نجاست کی جگہوں میں، چکنائی والے کپڑے میں، جس گھر میں داخل ہوتے وقت اللہ تعالیٰ کا ذکر نہ کیا گیا ہو اس میں وغیرہ وغیرہ۔

سنن ابی داؤد میں ہے: ((عَنْ قَتَادَةَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ سَرْجِسَ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى أَنْ يُبَالَ فِي الْجُحْرِ، قَالُوا لِقَتَادَةَ: مَا يُكْرَهُ مِنَ الْبَوْلِ فِي الْجُحْرِ؟ قَالَ: كَانَ يُقَالُ إِنَّهَا مَسَاكِنُ الْجِنِّ)) ترجمہ: حضرت قتادہ حضرت عبداللہ بن سرجس سے روایت کرتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بل یعنی سوراخ میں پیشاب کرنے سے منع فرمایا۔ لوگوں نے حضرت قتادہ سے پوچھا: بل میں پیشاب کرنے میں کیا کراہت ہے؟ حضرت قتادہ نے جواب دیا: کہا جاتا ہے کہ یہ جنات کے رہنے کی جگہ ہے۔

(سنن ابی داؤد، باب النھی عن البول فی الجحر، ج1، ص8، المکتبۃ العصریہ، بیروت)

معجم کبیر میں حضرت بلال بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((اخْتَصَمَ عِنْدِي الْجِنُّ الْمُسْلِمُونَ وَالْجِنُّ الْمُشْرِكُونَ، سَأَلُونِي أَنْ أُسْكِنَهُمْ فَأَسْكَنْتُ الْمُسْلِمِينَ الْجَلْسَ، وَأَسْكَنْتُ الْمُشْرِكِينَ الْغَوْرَ قَالَ عَبْدُ اللهِ بْنُ كَثِيرٍ: قُلْتُ لِكَثِيرٍ: مَا الْجَلْسُ، وَمَا الْغَوْرُ؟)) ترجمہ: میرے پاس مسلم جنات اور مشرک جنات آپس میں جھگڑ رہے تھے، انہوں نے مجھ سے سوال کیا کہ میں انہیں رہنے کی جگہ دے دوں، تو میں نے مسلمان جنات کو ٹیلوں اور چٹانوں میں رہائش دے دی، اور مشرک جنات کو پست زمین یعنی وادیوں میں جگہ دے دی۔ (المعجم الکبیر للطبرانی، بلال بن حارث المزنی، ج1، ص371، مکتبہ ابن تیمیہ، القاہرہ)

صحیح مسلم میں حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((إِذَا دَخَلَ الرَّجُلُ بَيْتَهُ فَذَكَرَ اللهَ عِنْدَ دُخُولِهِ وَعِنْدَ طَعَامِهِ، قَالَ الشَّيْطَانُ: لَا مَبِيتَ لَكُمْ، وَلَا

عَشَاءَ، وَإِذَا دَخَلَ، فَلَمْ يَذْكُرِ اللهَ عِنْدَ دُخُولِهِ، قَالَ الشَّيْطَانُ :أَدْرَكْتُمُ الْمَبِيتَ، وَإِذَا لَمْ يَذْكُرِ اللهَ عِنْدَ طَعَامِهِ قَالَ:أَدْرَكْتُمُ الْمَبِيتَ وَالْعَشَاءَ)) ترجمہ: جب کوئی شخص اپنے گھر میں داخل ہو اور داخل ہوتے وقت اور کھانا کھاتے وقت اس نے اللہ تعالیٰ کا ذکر کر لیا تو شیطان (اپنی ذریت سے) کہتا ہے کہ اس گھر میں تمہیں نہ رہنا ملے گا اور نہ کھانا۔اور داخل ہوتے وقت اللہ تعالیٰ کا ذکر نہ کیا تو شیطان کہتا ہے کہ اب تمہیں رہنے کی جگہ مل گئی، اور جب کھانے کے وقت بھی اللہ تعالیٰ کا ذکر نہ کرے تو کہتا ہے کہ رہنے جگہ بھی مل گئی اور کھانا بھی مل گیا۔

(صحیح مسلم، باب آداب الطعام والشراب واحکامھما، ج3، ص1598، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:((اخرجوا منديل الغمر من بيوتكم فإنه مبيت الخبيث ومجلسه)) ترجمہ: اپنے گھروں سے چکنائی والا رومال (کپڑا) نکال دو کیونکہ یہ شریر جن کے رات گزارنے کی جگہ ہے اور اس کے بیٹھنے کی جگہ ہے۔

(الفردوس بماثور الخطاب، باب الالف، ج1، ص103، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں:((انَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى أَنْ يَتَغَوَّطَ الرَّجُلُ فِي الْقَزَعِ مِنَ الْأَرْضِ قِيلَ وَمَا الْقَزَعُ قَالَ أَنْ يَأْتِيَ أَحَدُكُمُ الْأَرْضَ قَدْ كَانَ فِيهَا النَّبَاتُ كَأَنَّمَا قُمَّتْ قِمَامَتُهُ فَذَلِكَ مَسَاكِنُ إِخْوَانِكُمْ مِنَ الْجِنِّ)) ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک شخص کو زمین میں قزع والی جگہ پر رفع حاجت کرنے سے منع فرمایا۔عرض کیا گیا: قزع کیا ہے، ارشاد فرمایا: تم میں سے کوئی جھاڑیوں والی جگہ پر جائے تو گویا اپنے مکان میں ہے حالانکہ وہ تمہارے بھائی جنات کے رہنے کی جگہیں ہیں۔

(الکامل فی ضعفاء الرجال، ج4، ص310، الکتب العلمیہ، بیروت)

علامہ جلال الدین سیوطی شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اکثر جنات نجاست کی جگہوں پر ہوتے ہیں، جیسا کہ کھجوروں کا جھنڈ، بیت الخلا، کچرے کے ڈھیر اور غسل خانہ ،اسی وجہ سے غسل خانے اور اونٹ کے بیٹھنے کی جگہ میں نماز پڑھنے سے منع کیا گیا ہے کہ یہ شیطان کی جگہ ہے۔

(لقط المرجان فی احکام الجان، مساکن الجن، ص67)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"ہاں جن اور ناپاک روحیں مرد وعورت احادیث سے ثابت ہیں اور وہ اکثر ناپاک موقعوں پر ہوتی ہیں، انھیں سے پناہ کے لئے پاخانہ جانے سے پہلے یہ دعا وارد ہوئی: اعوذ باللہ من الخبث والخبائث (میں گندی اور ناپاک چیزوں سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں۔)" (فتاوی رضویہ، ج21، ص218، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

جنات کا مکلّف ہونا

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَ الْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ﴾ ترجمہ: میں نے جنوں اور انسانوں کو صرف اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں۔ (پارہ27، سورت الذریت، آیت56)

اللہ جل شانہ جنات سے حکایت کرتے ہوئے فرماتا ہے: (وَّ اَنَّا مِنَّا الصّٰلِحُوْنَ وَ مِنَّا دُوْنَ ذٰلِكَ كُنَّا طَرَآئِقَ قِدَدًا) ترجمہ: اور ہم میں کچھ نیک ہیں اور کچھ اس کے خلاف ہم کئی گروہوں میں منقسم ہیں۔

(پارہ29، سورت الجن، آیت11)

علامہ محمود بدر الدین عینی حنفی فرماتے ہیں:

ابو عمر نے کہا کہ جنات ایک جماعت کے نزدیک مکلّف اور احکام کے مخاطب ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ انہیں اور انسانوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتا ہے: ﴿يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ﴾ ترجمہ: اے جن وانس کے گروہ!

(سورۃ الرحمٰن، آیت33)

ایک فرقہ حشویہ کہتا ہے کہ وہ اپنے افعال کی طرف مضطر ہیں لہذا مکلّف نہیں۔

(عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری، باب ذکر الجن وثوابھم وعقابھم، ج15، ص184، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

جنات ان تمام احکام کے مکلّف ہیں جن کے انسان مکلّف ہیں چنانچہ علامہ ابن حجر مکی فرماتے ہیں:

"علامہ تاج الدین سبکی نے اپنے فتاوی میں تحریر فرمایا: جنات ہر چیز میں نبی علیہ السلام کی شریعت کے مکلف ہیں، ابن مفلح حنبلی فرماتے ہیں: جنات تمام احکام کے مکلّف ہیں۔ ابن تیمیہ کا بھی یہی قول ہے۔ اخبار اور آثار میں وارد ہے کہ مومنین جن نماز پڑھتے ہیں، روزہ رکھتے ہیں، حج کرتے ہیں، قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہیں۔ علوم دینیہ اور روایت

حدیث کوانسانوں سے اس طرح حاصل کرتے ہیں کہ انہیں شعور نہیں ہوتا۔ (فتاوی حدیثیہ،ص60،مطبوعہ مصطفی البابی واولادہ،مصر)

جنات کی جزاوسزا

علامہ محمود بدرالدین عینی حنفی فرماتے ہیں:

جنات کوثواب وعذاب ہوگا یانہیں،اس میں علما کے دواقوال ہیں:

ایک قول یہ ہے کہ ان کے لیے صرف جہنم سے نجات ملنا ہی ثواب ہوگا،پھرانہیں کہا جائے کہ تم مٹی ہوجائے ،جیسا کہ جانوروں کوکہا جائے گا،یہی امام ابوحنیفہ کا قول ہے،اسے ابن حزم وغیرہ نے ان سے حکایت کیا ہے.....

دوسراقول یہ ہے کہ انہیں طاعت پرثواب دیا جائے گااور معصیت پر عقاب کیا جائے گا،اور یہ قول ابن ابی لیلیٰ ،امام مالک،امام اوزاعی،امام ابویوسف اورامام محمد کا ہے،اورامام شافعی اورامام احمد سے بھی نقل کیا گیا ہے،حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اس بارے میں سوال کیا گیا توارشادفرمایا:ہاں اُن کے لیے ثواب وعقاب ہے۔

(عمدۃ القاری،باب ذکر الجن وثوابہم وعقابہم،ج15،ص184،داراحیاء التراث العربی،بیروت)

جمہور کی ایک دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جن اورانس کا ذکر کرنے کے بعد فرماتا ہے:﴿وَ لِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا﴾ ترجمہ:ہرایک کے لیے ان کے کاموں پردرجات ہیں۔ (پ8،سورۃ الانعام،آیت132)

اسی قرآن کریم کی وہ آیات جن میں جن اورانس کی تخصیص کے بغیر بالعموم جزاءوسزا کا ذکر کیا گیا ہے،جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:﴿فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَه. وَ مَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَه﴾ ترجمہ:جوبھی ایک ذرہ کے برابر عمل خیر کرے گااس کی جزاپائے گااورجوبھی ایک ذرہ کے برابر عمل کرے گااس کی سزاپائے گا۔

(سورۃ الزلزال،آیت30)

کیا کافر جنات جہنم میں جائیں گے

علامہ عینی فرماتے ہیں:

علماء کااس پراتفاق ہے کہ کافر جنات کوآخرت میں عذابِ جہنم ہوگا،اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:﴿اَلنَّارُ مَثْوٰىكُمْ﴾

ترجمہ:آگ تمہاراٹھکانہ ہے۔ (عمدۃ القاری،باب ذکر الجن وثوابہم وعقابہم،ج15،ص184،داراحیاء التراث العربی،بیروت)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ﴾ ترجمہ: اور تمہارے رب کی بات پوری ہو چکی کہ بیشک ضرور جہنّم بھر دوں گا جنّوں اور آدمیوں کو ملا کر۔ (سورۂ ہود، آیت 119)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَ يَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ قَدِ اسْتَكْثَرْتُمْ مِّنَ الْاِنْسِ وَ قَالَ اَوْلِيٰٓؤُهُمْ مِّنَ الْاِنْسِ رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ وَّ بَلَغْنَآ اَجَلَنَا الَّذِيْٓ اَجَّلْتَ لَنَا قَالَ النَّارُ مَثْوٰىكُمْ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ﴾ ترجمہ: اے جن کے گروہ! تم نے بہت انسان گمراہ کیے۔ انسانوں میں سے ان کے دوست عرض کریں گے اے میرے رب ہم نے ایک دوسرے سے فائدہ اٹھایا اور اپنی اس معیاد کو پہنچ گئے جو تو نے ہمارے لیے مقرر فرمائی تھی اللہ تعالیٰ فرمائے گا تمہارا ٹھکانہ آگ ہے اس میں ہمیشہ رہو مگر جسے خدا چاہے۔

(پ8، سورۃ الانعام، آیت 128)

کیا مسلمان جنات جنت میں جائیں گے

علامہ بدرالدین عینی حنفی فرماتے ہیں:

کیا مومن جنات جنّت میں جائیں گے، اس بارے میں چار اقوال ہیں:

(1) جمہور کا قول یہ ہے کہ وہ جنت میں جائیں گے، اسے ابن حزم نے ملل میں امام ابن ابی لیلیٰ اور امام ابو یوسف اور جمہور سے حکایت کیا ہے، پھر اس میں اختلاف ہے کہ کیا وہ جنت میں کھائیں پئیں گے یا نہیں؟ سفیان ثوری نے جُوَیبر کے واسطہ سے ضحاک سے روایت کیا ہے کہ وہ جنت میں کھائیں پئیں گے۔ اور مجاہد سے مروی ہے کہ وہ جنت میں داخل ہوں گے مگر کھائیں پئیں گے نہیں، اور تسبیح و تقدیس سے وہ لذت پائیں گے جو اہل جنت کو کھانے پینے سے ملے گی، حارث محاسبی نے کہا کہ وہ جنت میں داخل ہوں گے اور ہم انہیں دیکھیں گے اور وہ ہمیں نہیں دیکھیں گے دنیا کے برعکس۔

(2) دوسرا قول یہ ہے کہ وہ جنت میں داخل نہیں ہوں گے بلکہ وہ جنت کے گردونواح میں ہوں گے، انسان انہیں دیکھیں گے وہ انسانوں کو نہیں دیکھیں گے، یہ قول امام مالک، شافعی، احمد بن حنبل، ابو یوسف اور محمد سے مروی ہے اور اسے ابن تیمیہ نے حکایت کیا ہے، یہ ابن حزم کے حکایت کردہ قول کے خلاف ہے۔

(3) تیسرا قول یہ ہے کہ وہ مقام اَعراف میں رہیں گے۔

(4) چوتھا قول اس بارے میں توقف کا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((إِن مؤمنی الْجِنّ لَهُم ثَوَاب وَعَلَيْهِم عِقَاب،فسألنا عَن ثوابهم، فَقَالَ :وعلى الْأَعْرَاف ولَيْسوا فِي الْجنَّة .فَقَالُوا :مَا الْأَعْرَاف؟ قَالَ :حَائِط الْجنَّة تجْرِي مِنْهُ الْأَنْهَار وتنبت فِيهِ الْأَشْجَار وَالثِّمَار)) ترجمہ: بے شک مؤمن جنات کے لیے ثواب ہے اور اُن پر عقاب (بھی) ہے۔ہم نے ثواب کے بارے میں سوال کیا تو ارشاد فرمایا: وہ اعراف میں رہیں گے اور جنت میں نہیں جائیں گے،صحابہ کرام علیہم الرضوان نے عرض کیا: اعراف کیا ہے؟ تو ارشاد فرمایا: جنت کی ایک دیوار ہے ،جس سے نہریں جاری ہوتی ہیں، اس میں درخت اور پھل اُگتے ہیں۔

علامہ ذہبی نے کہا کہ یہ حدیث بہت منکر ہے۔

اگر مومن جنات جنت میں داخل ہو گئے تو کیا وہ اللہ تعالیٰ کا دیدار کریں گے؟ القواعد الصغری میں عبد السلام کے کلام میں جو واقع ہوا ہے وہ اس بات دلالت کرتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا دیدار نہیں کریں گے کہ رؤیت انسانوں میں جو ایمان والے ہیں اُن کے ساتھ مخصوص ہے کیونکہ اس بات کی تصریح موجود ہے کہ ملائکہ جنت میں اللہ تعالیٰ کا دیدار نہیں کریں گے، اس کا مقتضی یہ ہے کہ جنات بھی دیدار نہیں کریں گے۔

(عمدۃ القاری، باب ذکر الجن وثوابہم وعقابہم، ج15، ص184، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

کیا مسلمان جنات کو جنت میں حوریں ملیں گی

علامہ محمود بن عبد اللہ آلوسی فرماتے ہیں:

میرا ظن غالب یہ ہے کہ انسانوں کو انسانی بیویاں ملیں گی اور حوریں بھی ملیں گی اور جنات کو جنیات بیویاں ملیں گی اور حوریں بھی ملیں گی اور کسی انسان کو جنیہ نہیں ملے گی اور نہ کسی جن کو اِنسیہ ملے گی اور مومن خواہ انسان ہو یا جن اس کو وہی ملے گا جو اس کی نوع کے لائق ہو اور اس کا نفس اس کی خواہش کرے۔

(روح المعانی، سورۃ الرحمٰن، تحت الآیۃ 56، ج14، ص118، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

جنات میں انبیا کا آنا

علامہ عینی فرماتے ہیں:

"جنات میں انہی کی جنس سے نبی ہوئے یا نہیں، اس مسئلہ میں علما اسلام کا اختلاف ہے، ضحاک بن مزاحم نے اس کا اثبات کیا ہے اور سلفاً خلفاً جمہور علما اس پر ہیں کہ کوئی جن کبھی نبی یا رسول نہیں ہوا، رسل وانبیا صرف انسانوں میں سے ہوئے ہیں، یہ نظریہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما، حضرت ابن جریج، مجاہد، کلبی، ابوعبید، واحدی سے منقول ہے۔

ضحاک وغیرہ کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ وَ يُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا قَالُوْا شَهِدْنَا عَلٰٓى اَنْفُسِنَا وَ غَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَ شَهِدُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ﴾ ترجمہ: اے جن اور انسان کے گروہ! کیا تمہارے پاس تم ہی میں سے رسول نہیں آئے جو تم پر میری آیات تلاوت کرتے تھے اور تم کو اس دن کی ملاقات سے ڈراتے تھے۔

(پ 8، سورت الانعام، آیت 130 ☆ عمدۃ القاری ملخصاً، باب ذکر الجن وثوابہم وعقابہم، ج 15، ص 184، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

اس آیت سے ظاہر ہوا کہ جنات کے پاس ان میں سے رسول آئے۔

جمہور اس آیت کی تاویل میں کہتے ہیں کہ منکم کا معنیٰ ہے "من احدکم" یعنی تم دونوں میں سے ایک میں رسول آئے۔

جمہور کی طرف سے ایک جواب یہ بھی دیا گیا کہ آیت کا معنی یہ ہے کہ انسانوں کے رسول تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُن کی طرف ہیں، اور جنات کے رسول (قاصد) وہ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے زمین میں پھیلایا تو انہوں نے انسانوں کے رسولوں کا کلام سنا اور پھر اپنی قوم تک پہنچا دیا، اسی لیے ان کا قائل کہتا ہے کہ ہم نے ایک کتاب سنی ہے جسے موسیٰ علیہ السلام کے بعد اُتارا گیا ہے۔ (فتح الباری لابن حجر، باب ذکر الجن وثوابہم وعقابہم، ج 6، ص 344، دار المعرفہ، بیروت)

یہ اختلاف سابقہ انبیا علیہم السلام کے حوالے سے ہے، جبکہ ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تو بالاتفاق جن وانس کے نبی ہیں، علامہ ابن عبد البر نے فرمایا کہ اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت جن وانس کی طرف ہوئی ہے، یہ بھی ان فضائل میں سے ہے کہ جن کے سبب ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیگر انبیا پر فضیلت دی گئی۔

(فتح الباری لابن حجر، باب ذکر الجن وثوابهم وعقابهم، ج6،ص345، دار المعرفہ، بیروت)

علامہ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں:

میں کہتا ہوں: اس کی تصریح حدیث میں بھی ہے: ((وَكَانَ النَّبِيُّ يُبْعَثُ إِلَى قَوْمِهِ وَبُعِثْتُ إِلَى الْإِنْسِ وَالْجِنِّ فِيمَا)) ترجمہ: ہر نبی کی بعثت اس کی قوم کی طرف ہوتی رہی اور میں جن وانس کی طرف مبعوث کیا گیا ہوں۔

اسے بزار نے تخریج کیا ہے۔ (فتح الباری لابن حجر، باب ذکر الجن وثوابهم وعقابهم، ج6،ص345، دار المعرفہ، بیروت)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((بُعِثْتُ إِلَى الْجِنِّ وَالْإِنْسِ)) ترجمہ: میں جن وانس کی طرف مبعوث کیا گیا ہوں۔

(شعب الایمان، فصل فی زہد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وصبرہ، ج3،ص68، مکتبۃ الرشد للنشر والتوزیع، ریاض)

جنات میں فرقے

علامہ محمود بدر الدین عینی حنفی فرماتے ہیں:

"اللہ جل شانہ جنات سے حکایت کرتے ہوئے فرماتا ہے: (وَّ أَنَّا مِنَّا الصّٰلِحُوْنَ وَ مِنَّا دُوْنَ ذٰلِكَ كُنَّا طَرَآئِقَ قِدَدًا) ترجمہ: اور ہم میں کچھ نیک ہیں اور کچھ اس کے خلاف ہم کئی گروہوں میں منقسم ہیں۔

(پارہ 29، سورت الجن، آیت 11)

یعنی بہت سارے مذاہب ہیں جیسے جنات میں مسلمان بھی ہیں، یہودی وغیرہ بھی ہیں، نصیبین کے جنات یہودی تھے، امام احمد نے "کتاب الناسخ والمنسوخ" میں فرمایا: مطلب بن زیاد نے سدی سے روایت کیا، وہ فرماتے ہیں: جنات میں قدریہ، مرجئہ اور شیعہ ہر طرح کے فرقے ہیں، سدی نے اپنے شیوخ سے حکایت کیا کہ جنات میں مؤمن، کافر، معتزلہ، جہمیہ، بلکہ تمام فرقے ہیں۔" (عمدۃ القاری، باب ذکر الجن وثوابهم وعقابهم، ج15،ص184، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

حضرت سلیمان علیہ السلام اور جنات

مروی ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے بیت المقدس کی بنا اس مقام پر رکھی تھی جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا خیمہ نصب کیا گیا تھا، اس عمارت کے پورا ہونے سے قبل حضرت داؤد علیہ السلام کی وفات کا وقت آ گیا تو آپ نے اپنے فرزندِ

ارجمند حضرت سلیمان علیہ السلام کو اس کی تکمیل کی وصیت فرمائی چنانچہ آپ نے شیاطین کو اس کی تکمیل کا حکم دیا جب آپ کی وفات کا وقت قریب پہنچا تو آپ نے دعا کی کہ آپ کی وفات شیاطین پر ظاہر نہ ہو، تا کہ وہ عمارت کی تکمیل تک مصروفِ عمل رہیں اور انہیں جو علمِ غیب کا دعوٰی ہے وہ باطل ہو جائے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کی عمر شریف ترپن سال کی ہوئی تیرہ سال کی عمر شریف میں آپ سریر آرائے سلطنت ہوئے چالیس سال حکمرانی فرمائی۔

قرآن مجید میں اللہ تعالٰی نے اس واقعہ کو ان لفظوں میں بیان فرمایا ہے: ﴿فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ مَا دَلَّهُمْ عَلٰى مَوْتِهٖۤ اِلَّا دَآبَّةُ الْاَرْضِ تَاْكُلُ مِنْسَاَتَهٗ فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ اَنْ لَّوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوْا فِي الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ﴾ ترجمہ کنز الایمان: پھر جب ہم نے اس پر موت کا حکم بھیجا جنوں کو اس کی موت نہ بتائی مگر زمین کی دیمک نے کہ اس کا عصا کھاتی تھی پھر جب سلیمان زمین پر آیا جنوں کی حقیقت کھل گئی اگر غیب جانتے ہوتے تو اس خواری کے عذاب میں نہ ہوتے۔ (سورۂ سبا، آیت 14)

حضرت سلیمان علیہ السلام نے بارگاہِ الٰہی میں دعا کی تھی کہ ان کی وفات کا حال جنّات پر ظاہر نہ ہو، تا کہ انسانوں کو معلوم ہو جائے کہ جن غیب نہیں جانتے پھر آپ محراب میں داخل ہوئے اور حسبِ عادت نماز کے لئے اپنے عصا پر تکیہ لگا کر کھڑے ہو گئے، جنّات حسبِ دستور اپنی خدمتوں میں مشغول رہے اور یہ سمجھتے رہے کہ حضرت زندہ ہیں اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا عرصہ دراز تک اسی حال پر رہنا ان کے لئے کچھ حیرت کا باعث نہیں ہوا کیونکہ وہ بار ہا دیکھتے تھے کہ آپ ایک ماہ، دو دو ماہ اور اس سے زیادہ عرصہ تک عبادت میں مشغول رہتے ہیں اور آپ کی نماز بہت دراز ہوتی ہے حتّٰی کہ آپ کی وفات کے پورے ایک سال بعد تک جنّات آپ کی وفات پر مطلع نہ ہوئے اور اپنی خدمتوں میں مشغول رہے یہاں تک کہ بحکمِ الٰہی دیمک نے آپ کا عصا کھا لیا اور آپ کا جسمِ مبارک جو لاٹھی کے سہارے سے قائم تھا زمین پر آیا، اس وقت جنّات کو آپ کی وفات کا علم ہوا۔ (خزائن العرفان، تحت سورۂ سبا، آیت 14)

انسان پر جن کا آنا

عام مشاہدہ کی بات ہے کہ انسان پر جن آ جاتا ہے تو انسان کے حواس قابو میں نہیں رہتے، اس پر جنون کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے، اس حالت میں وہ جو بھی افعال کرتا ہے، ہوش آنے پر وہ ان افعال سے بے خبر ہوتا ہے۔ قرآن مجید

میں ہے:﴿اَلَّذِیْنَ یَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا یَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا یَقُوْمُ الَّذِیْ یَتَخَبَّطُهُ الشَّیْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ﴾ترجمۂ کنز الایمان:وہ جو سُود کھاتے ہیں قیامت کے دن نہ کھڑے ہوں گے مگر جیسے کھڑا ہوتا ہے وہ جسے آسیب نے چھو کر مخبوط بنادیا ہو۔ (سورۃ البقرۃ،آیت275)

اس آیت مبارکہ کے تحت تفسیر خزائن العرفان میں ہے:

معنٰی یہ ہیں کہ جس طرح آسیب زدہ سیدھا کھڑا نہیں ہوسکتا گرتا پڑتا چلتا ہے،قیامت کے روز سود خوار کا ایسا ہی حال ہوگا کہ سود سے اس کا پیٹ بہت بھاری اور بوجھل ہوجائے گا اور وہ اس کے بوجھ سے گر گر پڑے گا۔

(تفسیر خزائن العرفان،تحت الایۃ المذکورہ)

انسان پر جن آنے سے متعلق احادیث

حضرت سیدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے:((اِنَّ امْرَأَةً جَاءَتْ بِوَلَدِهَا اِلَى رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَتْ:يَا رَسُوْلَ اللهِ اِنَّ بِهِ لَمَمًا وَاِنَّهُ يَاْخُذُهُ عِنْدَ طَعَامِنَا فَيُفْسِدُ عَلَيْنَا طَعَامَنَا قَالَ:فَمَسَحَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَدْرَهُ وَدَعَا لَهُ فَثَعَّ ثَعَّةً فَخَرَجَ مِنْ فِيهِ مِثْلُ الْجَرْوِ الْاَسْوَدِ فَشُفِيَ))ترجمہ:ایک عورت اپنے بیٹے کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائی اور بولی:یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم!اسے جن کا اثر ہے ،ہمارے کھانے کے وقت جن اسے پکڑ لیتا ہے اور ہمارے کھانے کو فاسد کردیتا ہے،حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں:رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے سینے پہ ہاتھ پھیرا اور اس کے لئے دعا کی تو اس نے ایک قے کی اور اس کے منہ سے سیاہ رنگ کے چھوٹے کتے کی مانند کوئی چیز نکلی،تو اسے شفا ہوگئی۔

(مسند احمد بن حنبل،مسند عبد الله بن عباس،ج4،ص37،مؤسسة الرساله،بیروت☆سنن دارمی،باب ما اکرم الله تعالیٰ به نبیه صلی الله تعالیٰ علیه وسلم،ج1،ص170،دار المغنی للنشر والتوزیع،عرب☆مشکوة المصابیح،باب المعجزات،الفصل الثانی،ج3،ص1665،المکتب الاسلامی،بیروت)

حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے،فرماتے ہیں:((شَكَوْتُ اِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُوْءَ حِفْظِي لِلْقُرْآنِ قَالَ:ذٰلِكَ شَيْطَانٌ يُقَالُ لَهُ خِنْزَبٌ اُدْنُ مِنِّي يَا عُثْمَانُ.ثُمَّ تَفَلَ فِي فَمِي فَوَضَعَ يَدَهُ عَلَى صَدْرِي فَوَجَدْتُ بَرْدَهَا بَيْنَ كَتِفَيَّ فَقَالَ:يَا شَيْطَانُ اخْرُجْ مِنْ صَدْرِ عُثْمَانَ .قَالَ:فَمَا سَمِعْتُ شَيْئًا

بَعْدَ ذٰلِكَ إِلَّا حَفِظْتُهُ)) ترجمہ: میں نے رسول اللہ علیہ الصلوۃ والسلام سے اپنے حفظ قرآن کے بھولنے کی شکایت کی تو آپ نے فرمایا یہ ایک شیطان ہے جسے خنزب کہا جاتا ہے، (اور فرمایا) اے عثمان میرے قریب آؤ، پھر حضور نے میرے منہ میں اپنا لعاب مبارک ڈالا اور میرے سینے پہ ہاتھ رکھا تو میں نے اس کی ٹھنڈک اپنے کندھوں کے درمیان پائی، پھر آپ نے فرمایا: اے شیطان عثمان کے سینے سے نکل جا، حضرت عثمان کہتے ہیں اس کے بعد میں نے جب بھی کوئی شے سنی حفظ کر لی۔

(دلائل النبوۃ لابی نعیم، باب دعاءہ بطرد الشیطان، ج1 ص466، دار النفائس، بیروت ☆ دلائل النبوۃ للبیہقی، باب تعلیم النبی صلی اللہ علیہ وسلم، ج5 ص307، دار الکتب العلمیہ، بیروت ☆ مجمع الزوائد، باب ادب الحیوانات معہ، ج9 ص3، مکتبۃ القدسی، القاہرہ ☆ الخصائص الکبری، ذکر المعجزات التی وقعت الخ، ج2 ص24، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

حضرت یعلی بن مرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں: ((أَنَّ امْرَأَةً جَاءَتْ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَعَهَا صَبِيٌّ لَهَا بِهِ لَمَمٌ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اخْرُجْ عَدُوَّ اللهِ أَنَا رَسُولُ اللهِ" قَالَ: فَبَرَأَ)) ترجمہ: ایک عورت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئی، اس کے ساتھ اس کا بچہ تھا، جسے جنون تھا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے اللہ کے دشمن نکل جا، میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں، پھر وہ بچہ ٹھیک ہو گیا۔

(مسند احمد بن حنبل، حدیث یعلی بن مرۃ الثقفی عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، ج29 ص92، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت)

حضرت ام ابان اپنے والد سے روایت کرتی ہیں: ((إِنَّ جَدَّهَا الْوَازِعَ انْطَلَقَ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَانْطَلَقَ مَعَهُ بِابْنٍ لَهُ مَجْنُونٍ، أَوِ ابْنِ أُخْتٍ لَهُ. قَالَ جَدِّي: فَلَمَّا قَدِمْنَا عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِينَةَ قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِنَّ مَعِي ابْنًا لِي أَوِ ابْنَ أُخْتٍ لِي مَجْنُونًا، آتِيكَ بِهِ فَتَدْعُو اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ لَهُ. قَالَ: ائْتِنِي بِهِ. "فَانْطَلَقْتُ إِلَيْهِ وَهُوَ فِي الرِّكَابِ، فَأَطْلَقْتُ عَنْهُ، وَأَلْقَيْتُ عَلَيْهِ ثِيَابَ السَّفَرِ، وَأَلْبَسْتُهُ ثَوْبَيْنِ حَسَنَيْنِ، وَأَخَذْتُ بِيَدِهِ حَتَّى انْتَهَيْتُ بِهِ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: ادْنُهِ مِنِّي، وَاجْعَلْ ظَهْرَهُ مِمَّا يَلِينِي. "قَالَ: فَأَخَذَ بِمَجَامِعِ ثَوْبِهِ مِنْ أَعْلَاهُ وَأَسْفَلِهِ، فَجَعَلَ يَضْرِبُ ظَهْرَهُ حَتَّى رَأَيْتُ بَيَاضَ إِبْطَيْهِ وَيَقُولُ: اخْرُجْ عَدُوَّ اللَّهِ! اخْرُجْ عَدُوَّ اللَّهِ! فَأَقْبَلَ يَنْظُرُ نَظَرَ الصَّحِيحِ لَيْسَ نَظَرَهُ الْأَوَّلَ، ثُمَّ أَقْعَدَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ يَدَيْهِ، فَدَعَا لَهُ فَمَسَحَ وَجْهَهُ، فَلَمْ يَكُنْ فِي الْوَفْدِ أَحَدٌ بَعْدَ دَعْوَةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ يُفَضَّلُ عَلَيْهِ)) ترجمہ: اُن کے دادا وازع رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، وہ اپنے ساتھ اپنے بیٹے یا اپنے بھانجے کو بھی لے گئے تھے، وہ مجنون تھا، حضرت اوزاع کہتے ہیں، جب ہم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں مدینہ پہنچے، تو میں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میرے ساتھ میرا مجنون بیٹا یا بھانجا ہے میں اس کو آپ کے پاس لاؤں گا، تاکہ آپ اس کے لیے اللہ عزوجل سے دعا کریں، آپ نے فرمایا اس کو لے آؤ، میں اس کے پاس گیا وہ اس وقت اونٹوں میں تھا، میں نے اس کے سفر کے کپڑے اتارے، اور اس کو اچھے کپڑے پہنائے، اور اس کا ہاتھ پکڑ کر اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے آیا، آپ نے فرمایا اس کو میرے قریب کرو، اور اس کی پشت میری طرف کردو، پھر آپ نے اوپر اور نیچے اس کے کپڑوں کو پکڑ کر اٹھایا حتی کہ میں نے اس کی بغل کی سفیدی دیکھی، اور آپ اس کی پشت پر مارتے رہے، اور فرمایا: اللہ کے دشمن نکل: تب وہ لڑکا تندرست آدمی کی طرح دیکھنے لگا، جب کہ پہلے اس طرح نہیں دیکھتا تھا، پھر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کو سامنے بٹھا کر دعا کی، اور اس کے چہرے پر دست شفقت پھیرا، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اس دعا کے بعد کوئی شخص خود کو اس پر فضیلت نہیں دیتا تھا۔

(مجمع الزوائد، باب منہ فی طاعتہم، ج9، ص2، مکتبۃ القدسی، القاہرہ)

حضرت عطا بن ابی رباح فرماتے ہیں: ((قَالَ لِي ابْنُ عَبَّاسٍ: أَلاَ أُرِيكَ امْرَأَةً مِنْ أَهْلِ الجَنَّةِ؟ قُلْتُ: بَلَى، قَالَ: هَذِهِ المَرْأَةُ السَّوْدَاءُ، أَتَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ: إِنِّي أُصْرَعُ، وَإِنِّي أَتَكَشَّفُ فَادْعُ اللَّهَ لِي، قَالَ: إِنْ شِئْتِ صَبَرْتِ وَلَكِ الجَنَّةُ، وَإِنْ شِئْتِ دَعَوْتُ اللَّهَ أَنْ يُعَافِيَكِ فَقَالَتْ: أَصْبِرُ، فَقَالَتْ: إِنِّي أَتَكَشَّفُ فَادْعُ اللَّهَ لِي أَنْ لاَ أَتَكَشَّفَ فَدَعَا لَهَا)) ترجمہ: عطاء بن ابی رباح بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے حضرت ابن عباس نے کہا، کیا میں تم کو ایک جنتی عورت نہ دکھاؤں؟ میں نے کہا کیوں نہیں، انہوں نے کہا یہ حبشی عورت ہے جو نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی تھی، اس نے کہا مجھ پر مرگی کا دورہ پڑتا ہے اور میرے کپڑے کھل جاتے ہیں، آپ میرے لیے دعا فرمائیں، آپ نے فرمایا اگر تم چاہو تو صبر کرلو اور تم کو جنت مل جائے گی، اور اگر تم چاہو تو میں تمہارے لیے دعا کرتا ہوں، اللہ تعالیٰ تم کو تندرست کردے گا، اس عورت نے کہا کہ میں صبر کرتی ہوں، اس عورت نے کہا کہ میرے کپڑے کھل جاتے ہیں آپ دعا فرمائیں کہ میرے کپڑے نہ کھلیں، آپ نے اس کے لیے دعا فرمائی۔

(صحیح بخاری، باب فضل من یصرع من الریح، ج 7، ص 116، دار طوق النجاۃ)

انسان پر جن آنے کے بارے میں اقوال علما

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

صرع (مرگی) وہ بیماری ہے جو اعضاء رئیسہ کو اپنا پورا کام کرنے سے روک دیتی ہے، اس کا سبب وہ غلیظ بو ہے جس سے دماغ کے منافذ بند ہو جاتے ہیں، یا وہ زہریلے بخارات ہیں جو اعضاء سے دماغ کی طرف چڑھتے ہیں اور کبھی ان بخارات کی وجہ سے تشنج پیدا ہو جاتا ہے، جس کی وجہ انسان کھڑا نہیں رہتا، بلکہ کھڑے کھڑے گر جاتا ہے، اور رطوبت کے گاڑھے ہونے کی وجہ سے اس کے منہ سے جھاگ گرنے لگتے ہیں۔

کبھی صرع (مرگی) جن کے سبب سے ہوتی ہے اور اس کا سبب خبیث جن ہوتے ہیں، اس کی وجہ یا تو یہ ہے کہ ان کو بعض انسانی صورتیں اچھی لگتی ہیں، یا ان کو کسی انسان سے اذیت پہنچتی ہے، صرع کا پہلا سبب وہ ہے جو تمام اطباء کے نزدیک ثابت ہے، اور وہ اس کا علاج بیان کرتے ہیں، اور صرع کے دوسرے سبب (جن) کا اکثر اطباء انکار کرتے ہیں اور بعض اطباء اس کے قائل ہیں، اور اس کا اسکے علاوہ علاج معلوم نہیں ہے، کہ نیک ارواح علویہ ارواح خبیثہ سفلیہ کا مقابلہ کر کے ان کے افعال کو باطل کر دیں، بقراط نے یہ کہا کہ اخلاط کے فساد کے سبب اگر مرگی ہو تو اس علاج ہے اگر مرگی جنات کے اثر سے ہو تو اس کا کوئی علاج معلوم نہیں ہے۔ (فتح الباری، ج 10، صفحہ 114، مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ، لاہور)

علامہ قسطلانی نے بھی صرع (مرگی) کے دو سبب بیان کیے ہیں، ایک سبب زہریلے بخارات، اور دوسرا سبب خبیث جنوں کا اثر ہے۔ (ارشاد الساری، ج 8، صفحہ 331، مطبوعہ مطبعہ میمنہ، مصر)

علامہ بدر الدین عینی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں:

مرگی کا سبب یہ ہے کہ کہ دماغ کے منافذ میں ہوا رک جاتی ہے یعنی بخارات رک جاتے ہیں، جو اعضاء رئیسہ کو پورا کام کرنے سے روک دیتی ہے، یا وہ بخارات ہیں جو بعض اعضاء سے دماغ کی طرف چڑھتے ہیں، صرع (مرگی) کا سبب یہی زہریے بخارات ہیں، ان کی وجہ سے دماغ کی جھلیوں اور اعصاب محرکہ کے درمیان خون میں شدت پیدا ہو جاتی ہے، اور رطوبت گاڑی ہو جاتی ہے اور منہ سے جھاگ آنے لگتے ہیں۔

کبھی صرع کا سبب جن ہوتے ہیں اور یہ خبیث جنوں کے اثر سے ہوتی ہے، شیخ ابو العباس نے کہا ہے کہ جن کے اثرات سے انسان کو جو مرگی ہوتی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ جن کو انسان پر شہوت آتی ہے، یا وہ اس پر عاشق ہو جاتا ہے، جیسے انسان، انسان پر عاشق ہوتا ہے، کبھی انسان اور جن میں مناکحت ہو جاتی ہے، اور ان کی اولاد بھی ہوتی ہے ، اور کبھی اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ جن کو کسی انسان سے بغض ہوتا ہے اور کبھی اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ کسی انسان سے جن کو ایذاء پہنچتی ہے، اور وہ اس کو سزا دینے کے لیے اس پر مرگی طاری کرتا ہے یا اس کو گرا دیتا ہے، ایذا کی تفصیل یہ ہے کہ انسان کسی جن پر پیشاب کر دیتا ہے یا اس پر گرم پانی گرا دیتا ہے، یا کسی جن کو قتل کر دیتا ہے ہر چند کہ انسان کو پتا نہیں ہوتا کہ وہ یہ ایذا جن کو پہنچا رہا ہے۔

بعض معتزلہ مثلاً جبائی، ابوبکر رازی، محمد بن زکریہ طبیب اور دوسرے علماء نے مرگی زدہ کے جسم میں جن کے دخول کا انکار کیا اور کہا کہ انسان کے جسم میں دو روحوں کا وجود محال ہے، جب کہ وہ جن کے وجود کے قائل ہیں، اور یہ قول خطاء ہے، اور امام ابو الحسن اشعری نے مقالات اہل السنۃ والجماعۃ میں یہ ذکر کیا ہے، کہ جن مصروع (مرگی زدہ انسان) کے جسم میں داخل ہوتا ہے، جیسا کہ اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا ہے (الذین یأکلون الربوا لایقومون الا کما یقوم الذی یتخبطہ الشیطن من المس ۔(البقرہ، آیت 275)، ترجمہ: جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ (قیامت کے دن) صرف اس طرح کھڑے ہوں گے جس طرح کہ جس کو شیطان (جن) نے چھو کر مخبوط الحواس کر دیا ہو۔

امام احمد بن حنبل کے بیٹے عبد اللہ نے امام احمد سے کہا کہ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ جن انسان کے بدن میں داخل نہیں ہوتا، انہوں نے کہا کہ اے بیٹے! وہ جھوٹ بولتے ہیں، جن انسان کی زبان پر کلام کرتا ہے، امام ابو داود نے حضرت ام ابان سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اے خدا کے دشمن نکل جا، کیونکہ میں اللہ کا رسول ہوں، اور عبد الجبار نے کہا کہ جنات کے اجسام ہوا کی طرح ہیں، اس لیے ان کا انسان کے بدن میں داخل ہونا ممتنع نہیں ہے، جیسا کہ ہوا اور سانس کا انسان کے جسم میں دخول ہوتا ہے۔ (عمدۃ القاری، ج 21، ص 214، مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المصریہ)

ابن قیم نے لکھا:

صرع (مرگی) کی دو قسمیں ہیں، ایک وہ ہے جو اخلاط ردیہ کی وجہ سے ہوتی ہے، اس کا علاج اطباء سے ہوتا ہے

اور دوسری قسم وہ ہے جو ارواح خبیثہ (شریر جن) کی وجہ سے ہوتی ہے، ائمہ دین اور عقلاء اس کو مانتے ہیں، اور اس کا رد نہیں کرتے، اور اس کے علاج کا طریقہ یہ ہے کہ ارواح شریفہ ارواح خبیثہ شریرہ کا مقابلہ کریں، ان کے اثر کو دور کریں اور ان کے افعال سے معارضہ کر کے ان کو باطل کر دیں، بقراط نے اپنی بعض تصانیف میں اس کی تصریح بھی کی ہے، جو مرگی طبعی سبب سے ہوتی ہے بقراط نے اس کے علاج کے بعض طریقے بھی ذکر کیے ہیں اور یہ کہا ہے کہ جو مرگی ارواح خبیثہ کے اثر کی وجہ سے ہو اس کا کوئی علاج نہیں ہے، البتہ جاہل طبیب اور بے دین لوگ ارواح خبیثہ کے اثر کی وجہ سے مرگی کا انکار کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ مرگی زدہ کے بدن میں خبیث روح کا اثر نہیں ہو سکتا، یہ ان لوگوں کی محض جہالت ہے، اور واقعہ اور مشاہدہ ان کی تکذیب کرتا ہے۔

ارواح خبیثہ کے اثر سے جو مرگی ہوتی ہے اس کے علاج کے دو طریقے ہیں، ایک طریقہ اس شخص کی جہت سے ہے، اور دوسرا طریقہ معالج کی جہت سے ہے، اس شخص کی جہت سے علاج کا طریقہ یہ ہے کہ وہ شخص اپنی روحانی طاقت قوت اور صدق نیت سے ان ارواح کے خالق کی طرف متوجہ ہو، اور دل اور زبان کے ساتھ ان ارواح خبیثہ سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگے، یہ ایک قسم کی جنگ ہے، اور جنگ میں کامیابی کے لیے ہتھیار ضروری ہے، اور ان ارواح خبیثہ سے جنگ میں کامیابی کے لیے اس کے دل میں توحید، توکل، اور توجہ الی اللہ کی ضرورت ہے، معالج کی جہت سے جو علاج ہوتا ہے، اس میں یہ بھی ضروری ہے کہ معالج کے دل میں توحید، توکل، تقویٰ اور اللہ کی طرف توجہ ہو، اور وہ ان ارواح خبیثہ کے شر سے اللہ کی پناہ چاہے، بعض معالج صرف یہ کہنے پر اکتفاء کرتے ہیں "اس سے نکل جا" یا کہتے ہیں "بسم اللہ" یا کہتے ہیں "لاحول ولا قوۃ الا باللہ" اور نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یہ فرماتے تھے "اے اللہ کے دشمن نکل جا، میں اللہ کا رسول ہوں" اور میں نے اس کا مشاہدہ کیا ہے کہ ہمارے شیخ مرگی زدہ شخص کے پاس اس آدمی کو بھیجتے تھے، جو اس روح سے مخاطب ہوتا تھا، اور یہ کہتا تھا، کہ میرے شیخ نے یہ کہا ہے کہ تم اس نکل جاؤ، تمہارے لیے یہ جائز نہیں ہے، پھر وہ شخص ٹھیک ہو جاتا تھا، اور بعض دفعہ ہمارے شیخ اس روح سے خود خطاب کرتے تھے، بعض اوقات وہ روح سرکش ہوتی تھی، تو وہ اس روح کو مار کر نکالتے تھے، اور وہ شخص ٹھیک ہو جاتا تھا، اور اس شخص کو اس مار کے درد کا احساس نہیں ہوتا تھا، اس قسم کے واقعات کا ہم نے اور دوسروں نے متعدد بار مشاہدہ کیا ہے، اور بعض اوقات اس شخص کے کان میں قرآن مجید کی یہ آیت

پڑھی جاتی تھی، ﴿افحسبتم انما خلقنکم عبثا و انکم الینا لا ترجعون﴾ ترجمہ: کیا تم نے یہ سمجھ لیا ہے کہ ہم نے تم کو بیکار پیدا کیا ہے، اور تم ہماری طرف نہیں لٹائے جاؤ گے۔ (مؤمنون، آیت 115)

مجھ کو شیخ نے یہ بتایا کہ انہوں نے مرگی زدہ شخص کے کان میں ایک سو مرتبہ یہ آیت پڑھی، (جنیہ) نے کہا ہاں: اس نے آواز کو کھینچ کر کہا، شیخ نے کہا میں نے ڈنڈا لے کر اس شخص کی گردن کی رگوں میں مارنا شروع کیا، حتی کہ مار مار کر میرے دونوں ہاتھ تھک گئے، اور حاضرین کو یہ یقین ہو گیا کہ اس مار سے یہ شخص مر جائے گا، مار کے دوران اس جنیہ نے کہا، مجھے اس شخص سے محبت ہے، میں نے اس سے کہا کہ یہ شخص تم سے محبت نہیں کرتا، اس (جنیہ) نے کہا کہ میں اس کے ساتھ حج کرنا چاہتی ہوں، میں نے کہا کہ وہ تمھارے ساتھ حج نہیں کرنا چاہتا، اس (جنیہ) نے کہا کہ میں اس شخص کو تمھاری عزت کی وجہ سے چھوڑ رہی ہوں، میں نے کہا کہ نہیں: تم اس کو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی وجہ سے چھوڑ دو، اس نے کہا کہ میں جا رہی ہوں، پھر وہ مرگی زدہ شخص اٹھ بیٹھا، اس نے دائیں بائیں دیکھ کر کہا کہ مجھے حضرت شیخ کے پاس کون لے کر آیا ہے، لوگوں نے اس کو اس مار کے نشان بتائے، اس نے کہا کہ مجھے شیخ نے کس وجہ سے مارا ہے؟ میں نے تو کوئی قصور نہیں کیا، اس شخص کو اس بات کا بالکل شعور نہیں تھا کہ شیخ نے اس کو مارا ہے۔

شیخ آیت الکرسی کے ساتھ بھی بکثرت علاج کرتے تھے، وہ کہتے تھے کہ جس شخص پر یہ دورہ پڑا ہے وہ خود اور اس کا معالج بکثرت آیت الکرسی پڑھا کرے، اور ''قل اعوذ برب الفلق'' اور ''قل اعوذ برب الناس'' پڑھے، خلاصہ یہ ہے کہ مرگی کے دوروں کی اس قسم کا وہی شخص انکار کرے گا جس کے علم، عقل اور معرفت میں کمی ہو۔

ارواح خبیثہ کا ان انسانوں پر تسلط ہوتا ہے جن کے دین میں کمی ہوتی ہے، جن کے دل اور ان کی زبانیں اللہ کے ذکر سے خالی ہوتے ہیں، اور قرآن اور حدیث میں اللہ کی حفاظت اور اس کی پناہ کے جو اوراد اور وظائف ہیں وہ ان سے محروم ہوتے ہیں (یعنی آیت الکرسی، قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس وغیرہ نہیں پڑھتے، اور نہ حدیث میں مذکور دعائیں مانگتے ہیں) تب خبیث روح اس پر مسلط ہو جاتی ہے، جو حفاظت الٰہی کے ہتھیاروں سے نہتا ہوتا ہے، بسا اوقات جن اس وقت مسلط ہوتا ہے جب انسان عریاں ہوتا ہے، اس وقت وہ اس میں تاثیر کر کے اس پر مسلط ہو جاتا ہے

(زاد المعاد، ج3، ص84,85، مطبوعہ مصطفی البابی و اولادہ، بمصر)

علامہ محمود بن عبداللہ آلوسی (متوفی 1270ھ) فرماتے ہیں:

"بعض اوقات یہ بدبو جس سے روح خبیثہ متعلق ہوتی ہے بعض اجسام میں داخل ہو جاتی ہے تو اس سے جنون بھی بدرجہ اتم پیدا ہو جاتا ہے، بسا اوقات یہ بخارات انسان کے حواس پر غالب ہو کر حواس معطل کر دیتے ہیں اور وہ خبیث روح انسان کے جسم پر تصرف کرتی ہے۔ اور اس کے اعضاء سے کلام کرتی ہے، چیزوں کو پکڑتی ہے اور دوڑتی ہے حالانکہ اس شخص کو بالکل پتا نہیں چلتا اور یہ بات عام مشاہدات سے ہے جس کا انکار کوئی ضدی شخص اور مشاہدات کا منکر ہی کر سکتا ہے۔"

(تفسیر روح المعانی، سورۃ البقرۃ، آیات 261 تا 276، ج2، ص48، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

جنات سے نکاح

مرد کا نکاح کسی جننی سے اور اسی طرح کسی جن کا نکاح عورت سے نہیں ہو سکتا۔

علامہ محمد امین ابن عابدین شامی حنفی (متوفی 1252ھ) فرماتے ہیں:

" کسی انسان کا نکاح کسی جننی سے اور کسی جن کا نکاح کسی عورت سے نہیں ہو سکتا جنس کے مختلف ہونے کی وجہ سے، صرف امام حسن بصری نے جننی سے نکاح کو گواہوں کی موجودگی میں جائز کہا ہے۔"

(رد المحتار ملخصاً، کتاب النکاح، ج3، ص5، دار الفکر، بیروت)

صدر الشریعہ مفتی امجد علی اعظمی فرماتے ہیں:

"مرد کا پری سے یا عورت کا جن سے نکاح نہیں ہو سکتا۔" (بہار شریعت، ج2، حصہ 7، ص4، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

جنات کے پیچھے نماز

جن اگر انسانی صورت میں ظاہر ہو تو اس کی اقتدا میں نماز ادا کرنا درست ہے ورنہ نہیں۔

در مختار میں ہے:

جن کی امامت میں (انسان کا نماز ادا کرنا) درست ہے۔

اس کے تحت رد المحتار میں ہے:

جن کے پیچھے نماز ادا کرنا اس صورت میں درست ہے جب وہ انسانی صورت میں ظاہر ہو۔

(الدرالمختاروردالمحتار ملخصا، باب الامامۃ، ج 1، ص 554، دارالفکر، بیروت)

بہارِ شریعت میں ہے:

"جن نے اِمامت کی، اقتدا صحیح ہے اگر انسانی صورت میں ظاہر ہوا۔"

(بہارشریعت، ج 1، حصہ 3، ص 574، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

جماع سے غسل فرض ہوگا یا نہیں؟

علامہ محمد امین ابن عابدین شامی حنفی فرماتے ہیں:

"اگر جن نے کسی عورت سے جماع کیا اور عورت نے لذت پائی تب بھی اس پر غسل فرض نہیں جیسا کہ خانیہ میں ہے، البتہ اگر اس عورت کو انزال ہو گیا تو غسل فرض ہے، اسی طرح اگر جن آدمی کی صورت میں تھا تب بھی عورت پر غسل فرض ہو گیا۔"

(ردالمحتار، باب الامامۃ، ج 1، ص 554، دارالفکر، بیروت)

صدرالشریعہ مفتی امجد علی اعظمی فرماتے ہیں:

اگر جن آدمی کی شکل بن کر آیا اور عورت سے جماع کیا تو حشفہ کے غائب ہونے ہی سے غُسل واجب ہو گیا۔ آدمی کی شکل پر نہ ہو تو جب تک عورت کو اِنزال نہ ہو غُسل واجب نہیں۔ یوہیں اگر مرد نے پری سے جماع کیا اور وہ اس وقت انسانی شکل میں نہیں، اِنزال و وجوبِ غُسل نہ ہوگا اور شکلِ انسانی میں ہے تو صرف غَیبتِ حشفہ سے واجب ہو جائے گا۔

(بہارشریعت، ج 1، حصہ 2، ص 323، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

ہمزاد کیا ہوتا ہے

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ سے سوال ہوا "ہمزاد کیا ہے؟ اس کے تسخیر کے لئے عمل کرنا کیسا ہے؟" تو جواباً ارشاد فرمایا:

ہمزاد از قسم شیاطین ہے۔ وہ شیطان کہ ہر وقت آدمی کے ساتھ رہتا ہے وہ مطلقاً کافر ملعون ابدی ہے سوا اس کے جو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں حاضر تھا وہ برکت صحبت اقدس سے مسلمان ہو گیا، صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: مامنکم من احد الا وقد وکل اللہ

قرینه من الجن وقرینه من الملئکة قالوا وایاك یارسول الله قال وایای الا ان الله اعاننی علیه فاسلم فلا یامرنی الابخیر اھ اعنی علی روایة الفتح المؤیدة بمایاتی من الاحادیث ۔لوگو! تم میں سے کوئی شخص نہیں کہ جس کے ساتھ ہمزاد جن اور ہمزاد فرشتہ نہ ہو، لوگوں نے عرض کی اے اللہ کے رسول! کیا آپ کے ساتھ بھی ہے؟ ارشاد فرمایا کہ ہاں میرے ساتھ بھی ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے میری مدد فرمائی کہ وہ مسلمان ہوگیا لہذا وہ مجھے سوائے بھلائی کے کچھ نہیں کہتا، اھ اس سے میری مراد فتح الباری کی روایت ہے کہ جس کی تائید آئندہ احادیث سے ہوتی ہے۔ (ت)

اسی طرح طبرانی نے مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی اور بزار حضرت عبداللہ بن عباس یا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: فضلت علی الانبیاء بخصلتین کان شیطانی کافرا فاعاننی الله علیه حتی اسلم الحدیث۔ دوسرے انبیاء کرام پر دو باتوں میں مجھے فضیلت بخشی گئی، ایک یہ کہ میرا شیطان کافر تھا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس پر قوت دی یہاں تک کہ وہ مسلمان ہوگیا الحدیث (ت)

بیہقی وابونعیم دلائل النبوۃ میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

فضلت علی اٰدم بخصلتین کان شیطانی کافر افاعاننی الله علیه حتی اسلم وکن ازواجی عونالی وکان شیطان اٰدم کافراوزوجته عونا له علی خطیئته ۔حضرت آدم پر مجھے دو خصلتوں میں فضیلت دی گئی، ایک یہ کہ میرا شیطان کافر تھا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس پر غلبہ دیا یہاں تک کہ وہ مسلمان ہوگیا اور میری بیویاں میری مددگار ہیں، اور حضرت آدم کا شیطان کافر رہا اور انکی بیوی نے خطا پر ان کی مدد کی۔ (ت)

اس کی تسخیر جو سفلیات سے ہو وہ تو حرام قطعی بلکہ اکثر صورتوں میں کفر ہے کہ بے ان کے خوشامد اور مدائح ومرضیات کے نہیں ہوتی، اور جو علویات سے ہو تو اگرچہ بصولت وسطوت ہے مگر اس کا ثمرہ غالبا اپنے کاموں میں شیطان سے ایک نوع استعانت سے خالی نہیں ہوتا کہ وہ غلبہ قاہرہ کہ: ومن یزغ منهم عن امرہ نذقه من عذاب السعیر۔ اور ان میں سے جو کوئی اس کے حکم سے منہ پھیرے ہم اسے بھڑکتی آگ کا عذاب چکھائیں گے۔ (ت)

جو استجابت دعا هب لی ملکا لا ینبغی لاحد من بعدی (مجھے ایسی بادشاہی دے ڈال جو میرے بعد کسی کے لائق نہ ہو۔ ت) سے تاشی ہر ایک کو کہاں نصیب اور بالفرض نہ بھی ہو تو کافر شیطان کی مخالطت ضرور مورث تغیر احوال

وحدوث ظلمت۔

حضرت سیدنا شیخ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ کم از کم وہ ضرر کہ صحبت جن سے ہوتا ہے یہ کہ آدمی متکبر ہوجاتا ہے والعیاذ باللہ، تو راہ سلامت اس سے بُعد ومجانبت ہی میں ہے، رب عزوجل تو اس دعا کا حکم دے کہ اعوذ بک رب ان یحضرون (اے میرے پرودگار! میں تیری پناہ مانگتا ہوں اس سے کہ شیطان میرے پاس حاضر ہوں۔ ت) اور یہاں یہ رٹ لگائی جائے کہ حاضر شو حاضر شو (حاضر ہوجا، حاضر ہوجا) والعیاذ باللہ تعالٰی واللہ تعالٰی اعلم۔ (فتاوی رضویہ، ج21، ص215 تا 219، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

شہیدوں کا سر پر آنا

اعلیٰ حضرت سے سوال ہوا "آسیب، چڑیل وغیرہ شہید وغیرہ جو مشہور ہیں صحیح ہے یا غلط؟" تو جواباً ارشاد فرمایا:

"ہاں جن اور ناپاک روحیں مرد وعورت احادیث سے ثابت ہیں اور وہ اکثر ناپاک موقعوں پر ہوتی ہیں، انھیں سے پناہ کے لئے پاخانہ جانے سے پہلے یہ دعا وارد ہوئی: اعوذ باللہ من الخبث والخبائث ۔ میں گندی اور ناپاک چیزوں سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں۔ (ت)

وہ سخت جھوٹے کذاب ہوتے ہیں اپنا نام کبھی شہید بتاتے ہیں اور کبھی کچھ، اس وجہ سے جاہلان بے خرد (بے عقل جاہلوں) میں شہیدوں کا سر پر آنا مشہور ہوگیا ورنہ شہداء کرام ایسی خبیث حرکات سے منزہ ومبرا ہیں، واللہ تعالٰی اعلم (فتاوی رضویہ، ج21، ص215 تا 219، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

جنات کو حاضر کرنے اور ان سے کام لینے، حالات دریافت کرنے کے احکام

جنات کو حاضر کرنے کی مختلف صورتیں کے احکام درج ذیل ہیں:

(1) گر سفلی عمل (کالا جادو) ہو یا شیاطین سے استعانت (مدد طلب کرنا ہو) تو ضرور حرام ہے بلکہ قول یا فعل کفر پر مشتمل ہو تو کفر۔

(2) اگر عمل علوی (قرآن وحدیث کے کلمات وغیرہ) سے ہو اور کوئی حاجت ہو تو جائز ہے۔

(3) عملِ علوی سے ہو مگر کوئی غرض محمود نہ ہو مثلاً صرف ان سے ربط بڑھانے کیلئے ہو اس کا نتیجہ اچھا نہیں ہوتا۔

اگر جائز طریقے سے حاضر کیا ہو تو جنات سے حالات دریافت کرنے کے احکام یہ ہیں:

(1) ایسا حال دریافت کرنا جو ان سے تعلق رکھتا ہے یا فی الحال واقع ہے جسے وہ جا کر معلوم کر سکتے ہیں غرض ایسی بات کہ ان کے حق میں غیب نہیں تو جائز ہے۔

(2) اور اگر غیب کی بات ان سے دریافت کرنی ہو جیسے بہت لوگ حاضرات کر کے مؤکلاں جن سے پوچھتے ہیں فلاں مقدمہ میں کیا ہوگا فلاں کام کا انجام کیا ہوگا یہ حرام ہے بلکہ اگر ان کی غیب دانی کا اعتقاد ہو تو کفر ہے۔ فتاوی افریقہ میں اس طرح کے سوال کے جواب میں تفصیلی فتوی موجود ہے، چنانچہ اس میں ہے ''اقول (میں کہتا ہوں) یوں ہی حاضرات اگر عمل علوی سے غرض جائز کے لیے ہو اور اس میں شیطان سے استعانت نہ ہو جائز ہے، حضرت سید حسینی شیخ محمد عطاری شطاری قدس سرہ نے کتاب الجواہر میں اس کے بہت طریقے لکھے۔

اور حضرت علامہ شیخ احمد شناوی مدنی قدس سرہ نے ضمائر السرائر الالٰہیہ میں مشرح کیے، یہ کتاب جواہر وہ ہے جس کی اجازت شاہ ولی اللہ صاحب نے اپنے اشیاخ سے لی جس کا ذکر ہمارے رسالہ انوار الانتباہ میں ہے۔

اور سب سے اجل واعظم یہ کہ امام اوحد سیدی ابوالحسن نور الملۃ والدین علی لخمی قدس سرہ نے کتاب مستطاب البہجۃ الاسرار ومعدن الانور میں ائمہ اجلہ عارفین باللہ حضرت سید تاج الملۃ والدین ابو بکر عبد الرزاق وحضرت سید سیف الملۃ والدین ابو عبد اللہ عبد الوہاب وحضرت عمر کیماتی وحضرت عمر بزار وحضرت ابو الخیر بشیر بن محفوظ قدست اسرارہم سے باسانید صحیحہ روایت کیا کہ ان سب حضرات سے حضرت ابو سعید عبد اللہ بن احمد بن علی بن محمد بغدادی ازجی نے حضور پرنور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حیات مبارک میں وصال اقدس سے سات برس پہلے 554ھ میں بیان کیا کہ 537ھ میں ان کی صاحبزادی فاطمہ نا کتخدا سولہ سال کی عمر اپنے مکان کی چھت پر گئیں وہاں سے کوئی جن اڑا لے گیا یہ بارگاہ انور سرکار غوثیت میں حاضر ہو کر نالشی ہوئے (شکایت کی) ارشاد فرمایا:

اذھب اللیلۃ الی خراب الکرخ اجلس علی التل الخامس وخط علیك دارۃ فی الارض وقل انت تخطھا بسم اللہ علی نیۃ عبد القادر۔

ترجمہ: آج رات ویرانہ کرخ میں جاؤ اور وہاں پانچویں ٹیلے پر بیٹھو اور اپنے گرد زمین پر ایک دائرہ کھینچو اور دائرہ

کھینچنے میں یہ پڑھو: بسم اللہ علی نیۃ عبد القادر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)۔ ترجمہ: اللہ کے نام سے عبد القادر کی نیت پر۔

جب رات کی پہلی اندھیری جھکے گی مختلف صورتوں کے جن گروہ گروہ تمہارے پاس آئیں گے خبردار انہیں دیکھ کر خوف نہ کرنا، پچھلے پہر ان کا بادشاہ لشکر کے ساتھ آئے گا اور تم سے کام پوچھے گا اس سے کہنا (حضور سیدنا) عبد القادر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے مجھے تمہارے پاس بھیجا ہے اور لڑکی کا واقعہ بیان کرنا حضرت ابو سعید عبد اللہ فرماتے ہیں میں گیا اور حسب ارشاد عمل کیا، مہیب (خوفناک) صورتوں کے جن آئے مگر کوئی میرے دائرے کے پاس نہ آسکا وہ گروہ گروہ گزرتے جاتے تھے یہاں تک کہ ان کا بادشاہ گھوڑے پر سوار آیا اور اسکے آگے جن کی فوجیں تھی، بادشاہ دائرنے کے سامنے آکر ٹھہرا اور کہا اے آدمی تیرا کیا کام ہے میں نے کہا: حضور سید عبد القادر نے مجھے تمہارے پاس بھیجا ہے، میرا یہ کہنا تھا کہ فوراً بادشاہ نے گھوڑے سے اتر کر زمین چومی اور دائرے کے باہر بیٹھ گیا اس کے ساتھ فوج بھی بیٹھی، بادشاہ نے مجھ سے مقصد پوچھا میں نے لڑکی کا واقعہ بیان کیا، بادشاہ نے ہمراہیوں سے کہا کس نے یہ حرکت کی، کسی کو معلوم تھا ایک شیطان لایا گیا اور لڑکی اس کے ساتھ تھی، کہا گیا کہ یہ چین کے عفریتوں سے ہے، بادشاہ نے اس سے کہا: کیا باعث ہوا کہ تو اس لڑکی کو حضرت قطب کے سایہ سے لے گیا، کہا یہ میرے دل کو بھائی۔ بادشاہ نے حکم دیا، اس عفریت کی گردن ماری گئی اور لڑکی میرے حوالے کی، میں نے کہا میں نے آج کا سا معاملہ نہ دیکھا جو تم نے حکمِ حضور کے ماننے میں کیا، کہا ہاں وہ اپنے دولت کدے سے ہم میں عفریتوں پر جو زمین کے منتہیٰ پر ہوتے ہیں نظر فرماتے ہیں تو وہ ہیبت سے اپنے مسکنوں کی طرف بھاگ جاتے ہیں اور بے شک اللہ تعالیٰ جب کسی کو قطب کرتا ہے جن و انس سب پر اسے قابو دیتا ہے انتہیٰ۔ •

ہاں اگر سفلی عمل ہو یا شیاطین سے استعانت تو ضرور حرام ہے بلکہ قول یا فعل کفر پر مشتمل ہو تو کفر، شرح فقہ اکبر میں ہے:

لا یجوز استعانت بالجن فقد ذم اللہ الکافرین علی ذالک فقال و انہ کان رجال من الانس یعوذون برجال من الجن فزادو ہم رھقا قال تعالیٰ و یوم نحشر ھم جمیعا یا معشر الجن قد استکثرتم من الانس و قال اولیائھم من الانس ربنا استمتع بعضنا ببعض الآیۃ فاستمتاع الانسی بالجنی فی قضاء حوائجہ وامتثال أوامرہ واخبارہ بشئی من المغیبات و نحو ذالک و استمتاع الجنی بالانسی تعظیمہ ایاہ

و استعانته به و اثتغاثته به و خضوعه له،انتہیٰ۔

یعنی جن سے مدد مانگنی جائز نہیں اللہ تعالیٰ نے اس پر کافروں کی مذمت فرمائی کہ کچھ آدمی کچھ جنوں کی دوہائی دیتے تھے تو انہیں اور غرور چڑھا اور فرمایا جس دن اللہ ان سب کو اکٹھا کر کے فرمائے گا اے گروہ شیاطین تم نے بہت آدمی اپنے کر لیے اور ان کے مطیع آدمی کہیں گے اے ہمارے رب ہم میں ایک نے دوسرے سے فائدہ اٹھایا۔ آدمی نے شیطانوں سے یہ فائدہ لیا کہ انہوں نے ان کی حاجتیں روا کیں ان کا کہنا مانا ان کو کچھ غیب کی خبریں دیں وعلی ہذا القیاس اور شیطانوں نے آدمیوں سے یہ فائدہ لیا کہ انہوں نے ان کی تعظیم کی ان سے مدد مانگی ان سے فریاد کی ان کیلئے جھکے انتہی۔

اور قوم جن کی خالی خوشامد بھی نہ چاہیے اللہ عزوجل نے انسان کو ان پر فضیلت بخشی ہے ولہذا فتاویٰ سراجیہ پھر فتاویٰ ہندیہ اور منیۃ المفتی پھر شرح الدرر للنابلسی پھر حدیقہ ندیہ میں (ہے):

اذا احرق الطیب او غیرہ للجن افتیٰ بعضھم با ن ھذا فعل العوام الجہاّل۔

یعنی قوم جن کیلئے خوشبو وغیرہ جلانے پر بعض فقہاء نے فتویٰ دیا کہ یہ جاہل عوام کا کام ہے۔

ہاں تعظیم آیت واسماء وضیافت ملائکہ کیلئے بخور سلگائے تو حسن ہے اس فعل سے غرض صحیح کی اعلیٰ مثال وہ ہے کہ ابھی بہجۃ الاسرار سے گذری۔

اور غرض نامحمود یہ کہ مثلاً صرف ان سے ربط بڑھانے کیلئے ہو اس کا نتیجہ اچھا نہیں ہوتا حضرت شیخ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فتوحات میں فرماتے ہیں جن کی صحبت سے آدمی متکبر ہو جاتا ہے اور متکبر کا ٹھکانہ جہنم ہے والعیاذ باللہ تعالیٰ۔

سوال میں جو غرض ذکر کی کہ دریافت احوال کیلئے اس میں جائز وناجائز دونوں احتمال ہیں اگر ایسا حال دریافت کرنا ہے جو ان سے تعلق رکھتا ہے یا خال کا واقع ہے جسے وہ جا کر معلوم کر سکتے ہیں غرض ایسی بات کہ ان کے حق میں غیب نہیں تو جائز جیسا واقع مذکورہ حضرت ابو سعید میں تھا اور اگر غیب کی بات ان سے دریافت کرنی ہو جیسے بہت لوگ حاضرات کر کے مؤکلاں جن سے پوچھتے ہیں فلاں مقدمہ میں کیا ہوگا فلاں کام کا انجام کیا ہوگا یہ حرام ہے اور کہانت کا شعبہ بلکہ اس سے بدتر۔ زمانہ کہانت میں جن آسمانوں تک جاتے اور ملائکہ کی باتیں سنا کرتے ان کو جو احکام پہنچے ہوتے اور وہ آپس میں تذکرہ کرتے یہ چوری سے سن آتے اور بیچ میں دل سے جھوٹ ملا کر کاہنوں سے کہہ دیتے، جتنی بات سچی

تھی واقع ہوتی۔ زمانہ اقدس حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اس کا دروازہ بند ہوگیا آسمانوں پر پہرے بیٹھ گئے اب جن کی طاقت نہیں کہ سننے جائیں جو جاتا ہے ملائکہ اس پر شہاب مارتے ہیں جس کا بیان سورہ جن شریف میں ہے تو اب جن غیب سے نرے جاہل ہیں ان سے آئندہ کی بات پوچھنی عقلاً حماقت اور شرعاً حرام اور ان کی غیب دانی کا اعتقاد ہو تو کفر۔ مسند احمد و سنن اربعہ میں ابوھریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے:

من اتی کاھناو صدقه بما یقول او اتی امراة حائضا او اتی امراة فی دبرھا فقد برئی مما انزل علی محمد صلی الله تعالیٰ علیه وسلم۔

جو کسی کاہن کے پاس جائے اور اس کی بات سچی سمجھے یا حالت حیض میں عورت سے قربت کرے یا دوسری طرف دخول کرے وہ بے زار ہوا اس چیز سے کہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر اتاری گئی۔

(مسند احمد بن حنبل، ج15، ص164، موسسۃ الرسالہ، بیروت)

مسند احمد و صحیح مسلم میں ام المؤمنین حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من اتی عرافا فاسئله عن شئی لم تقبل له صلوٰة اربعین لیلة۔

جو کسی غیب گو کے پاس جا کر اس سے غیب کی بات پوچھے چالیس دن اس کی نماز قبول نہ ہو۔

(صحیح مسلم، ج4، ص1751، داراحیاء التراث، بیروت)

مسند احمد و مستدرک میں بسند صحیح ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور مسند بزار میں حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

من اتیٰ عرافا اوکاھنا و صدقه بما یقول فقد کفر بما انزل علیٰ محمد صلی الله تعالیٰ علیه وسلم۔

جو کسی غیب گو (غیب بتانے والے) یا کاہن کے پاس جائے اور اس کی بات کو سچ اعتقاد کرے وہ کافر ہوا اس چیز سے جو اتاری گئی محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر۔ (مسند احمد بن حنبل، ج15، ص331، موسسۃ الرسالہ، بیروت)

معجم کبیر طبرانی میں واثلہ بن اسقع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من اتی کاھنا فأسئله عن شئی حجبت عنه التوبه اربعین لیلةفان صدقه بما قال کفر۔

جو کسی کاہن کے پاس جاکر اس سے کچھ پوچھے اسے چالیس دن توبہ نصیب نہ ہو اور اگر اس کی بات پر یقین رکھے تو کافر ہو۔ (المعجم الکبیر، ج22، ص69، مکتبہ ابن تیمیہ، قاھرہ)

جن سے سوالِ غیب بھی اسی میں داخل ہے، حدیقہ ندیہ میں زیر حدیث امام بن حصین در بارۂ کہانت ہے:

المراد هنا الاستخبار من الجن عن امر من الامور كعمل المندل فی زماننا۔

یہاں کہانت سے مراد جن سے کسی غیب کا پوچھنا ہے جیسے ہمارے زمانے میں مندل کا عمل۔

اقول پہلی دو حدیثیں حرمت سے متعلق ہیں ولہذا حدیث اول میں اسے اجماع حائض ووطی فی الدبر کے ساتھ شمار فرمایا تو وہاں تصدیق سے مراد ایک ظنی طور پر ماننا ہے اور تیسری اور چوتھی حدیث کفر سے متعلق ہیں تو یہاں تصدیق سے مراد یقین لانا اور پانچویں حدیث میں دونوں صورتیں جمع فرمائیں صورت حرمت کا وہ حکم کہ چالیس دن توبہ نصیب نہ ہو اور دوسری صورت پر حکمِ کفر۔ اس حدیث نے یہ بھی افادہ فرمایا کہ مجرد استفسار (صرف سوال کرنا) اعتقادِ علم غیب کو مستلزم نہیں کہ سوال پر وہ حکم فرمایا اور تکفیر کو مشروط بہ تصدیق اس کی تحقیق یہ کہ سوال بر بنائے ظن بھی ہوسکتا ہے اور کسی کی نسبت ظنی طور پر غیب جاننے کا اعتقاد کفر نہیں ہاں غیب کا علم یقینی بے وساطت رسول کسی کو ملنے کا اعتقاد کفر ہے قال تعالیٰ:

﴿علم الغيب فلا يظهر على غيبه احدا الا من ارتضى من رسول﴾

اللہ عالم الغیب ہے تو اپنے غیب پر کسی کو مسلط نہیں کرتا مگر اپنے پسندیدہ رسولوں کو۔ (پ29، سورۃ الجن، آیت، 26)

جامع الفصولین میں ہے:

المنفی هو المجزوم به لا المظنون۔

اور ان سے علم غیب یقینی کی نفی ہے نہ کہ ظنی کی۔

تو اس کی فرع تاتارخانیہ میں کہ:

يكفر بقوله انا اعلم المسروقات او انا اخبر باخبار الجن اياى۔

یعنی جو کہے میں گمی ہوئی چیزوں کو جان لیتا ہوں یا جن کے بتانے سے بتا دیتا ہوں وہ کافر ہے۔

یہی صورت ادعائے علم قطعی یقینی مراد ہے ورنہ کفر نہیں ہوسکتا۔ یہ ہے اس مسئلہ میں کلام مجمل اور تفصیل کیلئے اور

محل۔واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔ (فتاوی افریقہ،ص 157 تا 162،نوریہ،رضویہ،فیصل آباد)

فتاوی رضویہ میں ہے:

"حاضرات جن سے جنوں کو بلانا اوران سے صحبت وملاقات مقصود ہو محمود نہیں۔حضرت شیخ اکبر قدس سرہ فرماتے ہیں: کم سے کم وہ ضرر کہ جن کی ملاقات سے ہوتا ہے یہ کہ آدمی متکبر ہو جاتا ہے، یہ کتنا بڑا ضرر ہے جسے قرآن عظیم میں فرمایا: کیا متکبروں کا ٹھکانہ جہنم نہیں۔" (فتاوی رضویہ،جلد 26،صفحہ 606،رضا فاؤنڈیشن،لاہور)

جن کو تابع کر کے اس سے مال منگوانے کا حکم

اعلیٰ حضرت سے سوال ہوا"دست غیب اور مصلیٰ کے نیچے سے اشرفی وغیرہ کا نکلنا صحیح ہے یا نہیں؟"تو جواباً ارشاد فرمایا:

ہاں صحیح ہے مگر اس عملداری میں کمیاب بلکہ نایاب ہے۔دست غیب کے نہایت درجہ کا حاصل اب صرف فتوح ظاہرہ ووسعت رزق ہونا ہے۔پھر اگر دست غیب اس طرح ہو کہ جن کو تابع کر کے اس کے ذریعہ سے لوگوں کے مال معصوم منگوائے جائیں تو اشد سخت حرام کبیرہ ہے اور اگر سفلیات سے ہو تو قریب کفر اور علویات سے ہو تو خود یہ شخص مارا جائے گا یا کم از کم پاگل ہو جائے گا یا سخت سخت امراض وبلایا میں گرفتار ہو، اعمال علویہ کو ذریعہ حرام بنانا ہمیشہ ایسے ثمرے لاتا ہے اور اس کے حرام قطعی ہونے میں کیا شبہہ ہے۔قال اللہ تعالیٰ **ولا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل۔** اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: (لوگو!) اپنے مال آپس میں ناجائز طریقے سے نہ کھاؤ۔(ت)

اور اگر کسی دوسرے کی ملک معصوم نہ لائی جاتی ہو بلکہ خزانہ غیب سے اس کو کچھ پہنچایا جائے یا مال مباح غیر معصوم اور وہ جن کہ مسخر کیا جائے مسلمان ہو نہ کہ شیطان، اور اعمال علویہ سے ہو نہ کہ سفلیہ سے اور اسے منگا کر مصارف محمودہ یا مباحہ میں صرف کرے، نہ کہ معاذ اللہ حرام واسراف میں، تو یہ عمل جائز ہے، اور جو اس طریقے سے ملے اس کا صرف کرنا بھی جائز کہ جس طرح کسب حلال کے اور طرق ہیں اسی طرح ایک طریقہ یہ بھی ہے۔دست غیب کا، سب سے اعلیٰ عمل قطعی عمل، یقینی عمل، جس میں تخلف ممکن نہیں اور سب اعمال سے سہل تر خود قرآن عظیم میں موجود ہے، لوگ اسے چھوڑ کر دشوار دشوار ظنیات بلکہ وہمیات کے پیچھے پڑتے ہیں اور اس سہل وآسان یقینی وقطعی کی طرف توجہ نہیں کرتے۔قال

اللہ تعالیٰ ومن یتق اللہ یجعل لہ مخرجا و یرزقہ من حیث لا یحتسب ۔اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: جو اللہ سے ڈرے تقوی و پرہیز گاری کرے اللہ تعالیٰ عزوجل ہر مشکل سے اس کے لئے نجات کی راہ نکال دے گا اور اسے وہاں سے روزی دے گا جہاں سے اس کا گمان بھی نہ ہوگا۔

اور دست غیب کسے کہتے ہیں، اسی طرح لوگ عمل حُب کے پیچھے خستہ وخوار پھرتے ہیں، اور نہیں ملتا، اور حُب کا سہل ویقینی قطعی عمل قرآن عظیم میں مذکور ہے اس کی غرض نہیں کرتے۔قال اللہ تعالیٰ ان الذین اٰمنوا وعملوا الصلحت سیجعل لھم الرحمٰن ودا۔اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: بیشک جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے قریب ہے کہ یہ رحمان ان کے لئے محبت کردے گا (دلوں میں ان کی حب ڈال دے گا)

نسأل اللہ حسن التوفیق (ہم اللہ تعالیٰ سے حسن توفیق مانگتے ہیں۔ت) واللہ سبحنہ و تعالیٰ اعلم۔

(فتاوی رضویہ، ج21،ص215تا219،رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

جن کی طرف سے تحفہ

امام اہلسنت امام احمد رضا خان سے سوال ہوا"ایک عورت کے اوپر جن آتا ہے اور وہ علانیہ اُس کو دیکھتی ہے اور وہ اُس کے پاس آکر روپے وغیرہ نوٹ دے کر جاتا ہے تو آیا اُس نوٹ اور روپے کو صرف کرنا چاہئے یا نہیں؟ اور استعمال میں لانا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟" تو جواباً ارشاد فرمایا:

وہ جن جو کچھ اُس عورت کو دیتا ہے اس کا لینا حرام ہے کہ وہ زنا کی رشوت ہے۔درمختار میں ہے: مایدفعہ متعاشقان رشوۃ ۔آپس میں معاشقہ کرنے والے جو کچھ دیں وہ رشوت میں شمار ہے۔(ت)

اگر وہ لینے پر مجبور کرے لے کر فقراء پر تصدّق کردیا جائے اپنے صَرف میں لانا حرام ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(فتاوی رضویہ، ج23،ص، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

باب نمبر 421

مَا ذُكِرَ مِنْ سِيمَاءِ هَذِهِ الْأُمَّةِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ آثَارِ السُّجُودِ وَالطُّهُورِ

قیامت والے دن سجود اور طہارت کے آثار اس امت کی علامت ہوں گے

607- حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ أَحْمَدُ بْنُ بَكَّارٍ الدِّمَشْقِيُّ قَالَ: حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ بْنُ مُسْلِمٍ، قَالَ: قَالَ صَفْوَانُ بْنُ عَمْرٍو قَالَ: أَخْبَرَنِي يَزِيدُ بْنُ خُمَيْرٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ بُسْرٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: أُمَّتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ غُرٌّ مِنَ السُّجُودِ، مُحَجَّلُونَ مِنَ الْوُضُوءِ، قَالَ ابوعيسى: هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ غَرِيبٌ مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ مِنْ حَدِيثِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ بُسْرٍ

حدیث: حضرت عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں فرمایا: میری امت کی پیشانیاں قیامت کے دن سجود کی وجہ سے روشن اور وضو کی بنا پر سفید ہوں گی۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے حضرت عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ کی سند سے۔

شرح حدیث

غرۃ اور تحجیل کے معنی

علامہ شمس الدین محمد بن عمر سفیری شافعی (متوفی 956ھ) فرماتے ہیں:

"غرۃ" لغت میں اس سفیدی کو کہتے ہیں جو گھوڑے کی پیشانی میں ہوتی ہے اور تحجیل لغت میں اس سفیدی کو کہتے ہیں جو گھوڑے کے ہاتھوں اور پاؤں میں ہوتی ہے، پس اُس نور کو جو کہ قیامت کے دن اس امت کے اِن اعضا میں ہوگا غرہ اور تحجیل کہا ہے اس سے تشبیہ دیتے ہوئے۔ (البخاری للسفیری، المجلس التاسع والثلاثون، ج2، ص269، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

علامہ عبد الرؤف مناوی (متوفی 1031ھ) فرماتے ہیں:

"غر" "غرۃ" کی جمع ہے، غرہ اصل میں اس چمکدار سفیدی کو کہتے ہیں جو گھوڑے کی پیشانی میں ہوتی ہے، پھر یہ جمال، شہرت اور اچھے ذکر میں استعمال ہونے لگا، اور یہاں مراد وہ نور ہے جو اس امت کے چہرے میں قیامت کے دن موجود ہوگا۔ اور تحجیل اس سفیدی کو کہتے ہیں جو کہ گھوڑے کی چار میں سے تین ٹانگوں میں ہوتی ہے اور یہاں وہ نور مراد ہے جو امت کے ہاتھوں اور پاؤں میں ہوگا۔ (فیض القدیر ملخصا، حرف الہمزہ، ج2، ص184، المکتبۃ التجاریۃ الکبری، مصر)

غرہ اور تحجیل اس امت کا خاصہ ہے

علامہ عبد الرؤف مناوی (متوفی 1031ھ) فرماتے ہیں:

" پچھلی امتیں بھی سجدے کرتی تھیں اور طہارت حاصل کرتی تھیں مگر ان کے اعضا میں قیامت کے دن یہ نور ظاہر نہیں ہوگا یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ صرف یہی امت قیامت کے دن اس نور سے پہچانی جائے گی.......

اس سے حلیمی نے یہ تمسک کیا کہ وضو ہمارے خصائص میں ہے، مگر علامہ ابن حجر نے ان کا تعقب کیا کہ صحیح بخاری میں حضرت سارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے قصہ میں مذکور ہے کہ حضرت سارہ کھڑی ہوئیں، وضو کیا اور نماز پڑھی۔ اور جریج راہب کے قصہ میں ہے کہ وہ کھڑے ہوئے اور وضو کیا۔ علامہ ابن حجر نے مزید فرمایا کہ ظاہر یہ ہے کہ غرہ اور تحجیل ہمارے خصائص میں سے ہے، نہ کہ اصل وضو۔ (فیض القدیر، حرف الہمزہ، ج2، ص184، المکتبۃ التجاریۃ الکبری، مصر)

فرض سے زیادہ اعضا دھونے کے بارے میں مذاہب ائمہ

احناف کا موقف

فقہ حنفی کی معتبر کتب مراقی الفلاح، طحطاوی علی المراقی اور بہار شریعت وغیرہ میں ہے:

غرہ اور تحجیل وضو میں مستحب ہے، غرہ کا مطلب ہے کہ منہ دھونے میں ماتھے کے سرے پر ایسا پھیلا کر پانی ڈالنا کہ اوپر کا بھی کچھ حصہ دھل جائے۔ اور تحجیل سے مراد یہ ہے کہ ہاتھ پاؤں کی روشنی وسیع کرنا یعنی جتنی جگہ پر پانی بہانا فرض ہے اس کے اطراف میں کچھ بڑھانا مثلاً نصف بازو و نصف پنڈلی تک دھونا۔

(مراقی الفلاح وشرح الطحطاوی ملخصا، فصل من آداب الوضوء، ج1، ص79، دار الکتب العلمیہ، بیروت ☆ بہار شریعت، حصہ 2، ص298، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

شوافع کا موقف

علامہ عبد الکریم رافعی قزوینی شافعی (متوفی 623ھ) فرماتے ہیں:

امام غزالی نے فرمایا: سنت ہے کہ وضو میں روشنی بڑھائی جائے۔ رافعی کہتے ہیں: مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((أُمَّتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ غُرٌّ مُحَجَّلُونَ مِنْ آثَارِ الْوُضُوءِ)) ترجمہ: میری امت کی پیشانیاں قیامت کے دن سجود کی وجہ سے روشن اور وضو کی بنا پر سفید ہوں گی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد ہم اپنے ہاتھوں کو بغلوں تک دھوتے تھے۔

ہمارے اصحاب نے اس کی تفسیر میں اختلاف کیا ہے، بعض نے تطویل غرہ اور تطویل تحجیل میں اختلاف کیا ہے، یہ فرماتے ہیں کہ تطویل غرہ سے مراد یہ ہے کہ چہرے سمیت سر کے اگلے حصے کو دھونا اور ایسے ہی گردن کے سامنے کو دھونا۔ اور تحجیل سے مراد یہ ہے کہ ہاتھ دھوتے ہوئے بعض بازو کو بھی دھونا اور پاؤں دھوتے ہوئے بعض پنڈلی کو دھونا، اور اس کی غایت یہ ہے کہ مکمل بازو اور مکمل پنڈلی دھونا۔ اور کثیر اصحاب نے تطویل غرہ کی تفسیر یہ ہے کہ غرہ کہتے ہیں بازو اور پنڈلی میں سے کچھ دھونا اور انہوں نے چہرے کے ارد گرد کو دھونے سے اعراض کیا ہے اور پہلا قول اولی اور حدیث پاک کے زیادہ موافق ہے۔

(العزیز شرح الوجیز، القول فی سنن الوضوء، ج1، ص127,128، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

مالکیہ کا موقف

علامہ محمد بن عبداللہ الخرشی مالکی (متوفی 1101ھ) فرماتے ہیں:

(اطالتِ غرہ مستحب نہیں) اطالتِ غرہ سے مراد یہ ہے کہ جتنا عضو دھونا فرض ہے اس سے زیادہ دھونا، اور دھونے میں محلِ فرض سے زیادہ کرنا مستحب نہیں، اور یہ جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وضو میں جتنا عضو دھونا فرض ہے اس پر زیادتی فرمائی ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ منفرد ہیں، ان کے علاوہ جس جس نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وضو بیان کیا ہے ان میں سے کسی ایک نے بھی یہ بات ذکر نہیں کی۔ اور جو صحیحین میں مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((مَنْ اسْتَطَاعَ مِنْكُمْ أَنْ يُطِيلَ غُرَّتَهُ فَلْيَفْعَلْ)) (ترجمہ: تم میں سے جس میں استطاعت ہو کہ وہ غرہ کو طویل کر سکے تو ایسا ہی کرے۔) اس کا محمل یہ ہے کہ یہ روایت امام مالک تک نہ پہنچی یا امام مالک تک پہنچی مگر اہل مدینہ کا عمل اس کے برخلاف ہے یا یہاں غرہ سے مراد یہ ہے کہ ہمیشہ باوضو رہنا، اس طور پر حدیث پاک کا مطلب یہ ہوا کہ تم میں سے جس میں استطاعت ہو کہ وہ ہمیشہ باوضو رہے تو ایسا ہی کرے۔ (شرح مختصر خلیل للخرشی، فصل فرائض الوضوء، ج 1، ص 140، دار الفکر للطباعۃ، بیروت)

حنابلہ کا موقف

علامہ ابو الحسن علی بن سلیمان مرداوی حنبلی (متوفی 885ھ) فرماتے ہیں:

وضو کرنے میں فرض مقدار پر زیادہ کرنا مستحب ہے، جیسا کہ صحیح مذہب میں اطالتِ غرہ اور اطالت تحجیل، مغنی، شرح، اور ابن رزین وغیرہم نے اسی پر جزم کیا ہے، الفروع، الرعایۃ اور ابن تمیم وغیرہم میں اسی کو مقدم کیا ہے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ یہ مستحب نہیں۔

(الانصاف فی معرفۃ الراجح من الخلاف، باب فرض الوضوء وصفتہ، ج 1، ص 168، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

باب نمبر 422

مَا يُسْتَحَبُّ مِنَ التَّيَمُّنِ فِي الطُّهُورِ

دائیں طرف سے طہارت حاصل کرنا مستحب ہے

608- حَدَّثَنَا هَنَّادٌ قَالَ :حَدَّثَنَا أَبُو الأَحْوَصِ، عَنْ أَشْعَثَ بْنِ أَبِي الشَّعْثَاءِ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ مَسْرُوقٍ، عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُحِبُّ التَّيَمُّنَ فِي طُهُورِهِ إِذَا تَطَهَّرَ، وَفِي تَرَجُّلِهِ إِذَا تَرَجَّلَ، وَفِي انْتِعَالِهِ إِذَا انْتَعَلَ ،قال ابوعيسى :هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ، وَأَبُو الشَّعْثَاءِ اسْمُهُ سُلَيْمُ بْنُ أَسْوَدَ الْمُحَارِبِيُّ

حدیث: حضرت سیدتنا عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب طہارت حاصل کرتے اور جب کنگھا کرتے اور جب جوتا پہنتے تو دائیں طرف سے شروع کرنا پسند فرماتے۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں: یہ حدیث حسن صحیح ہے اور ابوالشعثاء کا نام سلیم بن اسود المحاربی ہے۔

شرح حدیث

علامہ یحیی بن شرف النّووی شافعی فرماتے ہیں:

دائیں طرف سے ابتدا کرنا شرع میں یہ قاعدہ مستمرہ ہے، اور تکریم اور تشریف کے باب سے ہے جیسا کہ کپڑے پہننا، شلوار پہننا، موزے پہننا، مسجد میں داخل ہونا، مسواک کرنا، سرمہ لگانا، ناخن کاٹنا، مونچھیں تراشنا، بالوں میں کنگی کرنا، بغلوں کے بال اکھیڑنا، سر مونڈنا، نماز میں سلام پھیرنا، اعضائے طہارت کا دھونا، بیت الخلا سے نکلنا، کھانا، پینا، مصافحہ کرنا، حجر اسود کا استلام وغیرہ وہ افعال جن میں تیامن مستحب ہے۔

اور جو ان افعال کی ضد ہیں جیسا کہ بیت الخلا میں داخل ہونا، مسجد سے نکلنا، ناک صاف کرنا، استنجا کرنا، کپڑے اتارنا، شلوار اتارنا، موزے اتارنا اور جو اس سے ملتے جلتے افعال ہیں ان میں تیاسر (یعنی بائیں طرف سے ہونا) مستحب ہے۔ اور یہ سب یمین یعنی دائیں طرف کی کرامت اور شرف کی وجہ سے ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

اور علما کا اس بات پر اجماع ہے کہ ہاتھ پاؤں دھونے میں دائیں سے ابتدا کرنا سنت ہے، اگر کوئی اس کے خلاف کرے تو فضیلت کو فوت کرے گا مگر اس کا وضو ہو جائے گا۔

(شرح النووی علی مسلم، باب الاستطابۃ، ج3، ص160، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

علامہ ابن رجب حنبلی فرماتے ہیں:

یہ حدیث پاک افعال شریفہ میں دائیں طرف کی تقدیم پر اور جو ان افعال کی ضد ہیں ان میں بائیں طرف کی تقدیم پر دلالت کرتی ہے، پس مسجد میں دخول اشرف الاعمال میں سے ہے تو مسجد میں دایاں قدم پہلے داخل کیا جائے گا جیسا کہ جوتے پہننے میں دائیں پاؤں سے ابتدا کی جائے گی اور مسجد سے خروج دخول کے برعکس ہے لہذا اس میں بائیں سے ابتدا کی جائے گی جیسا کہ جوتے اتارنے میں۔

(فتح الباری لابن رجب، باب التیمن فی دخول المسجد، ج3، ص191، مکتبۃ الغرباء الاثریہ، المدینۃ المنورہ)

طہارت سے ابتدا کرنے کی وجہ، اور سر اور پاؤں کا ذکر کرنے کی وجہ

علامہ محمود بدرالدین عینی حنفی فرماتے ہیں:

اس حدیث پاک میں طہارت سے ابتدا کرنے کی وجہ شاید یہ ہے کہ طہارت تمام عبادات کے دروازے کھولنے والی ہے اور دوسرے نمبر پر کنگی کرنے کو ذکر کیا اور اس کا تعلق سر سے ہے اور تیسرے نمبر پر جوتے پہننے کو ذکر کیا جو پاؤں کے ساتھ مختص ہے، تو سر اور پاؤں کا ذکر کیا تا کہ تمام اعضا شامل ہو جائیں۔

(عمدۃ القاری، باب التیمن فی الوضوء والغسل، ج3، ص31، داراحیاء التراث العربی، بیروت)

فوائد حدیث

(1) اس حدیث پاک میں یمین (یعنی دائیں طرف) کے شرف و فضیلت پر دلالت ہے۔

(2) اس حدیث پاک میں کنگی کرنے، دھونے اور منڈانے میں سر کے سیدھے حصے سے شروع کرنے کا استحباب ہے۔ اگر کہا جائے یہ چیزیں تو ازالہ کی قبیل سے ہیں لہٰذا ان میں بائیں طرف سے ابتدا ہونی چاہیے، تو میں اس کے جواب کہوں گا کہ نہیں بلکہ یہ تزین اور تجمل کی قبیل سے ہے۔

(3) اسی طرح اس میں جوتے اور موزے وغیرہ پہننے کو دائیں طرف سے شروع کرنے کا استحباب ہے۔

(4) اس حدیث پاک میں وضو میں دائیں طرف سے ابتدا کرنے کا استحباب بھی ہے، ابن المنذر نے کہا کہ علما کا اس بات پر اجماع ہے کہ جس نے اعضائے وضو کو بائیں طرف سے دھونا شروع کیا تو اس پر وضو کا اعادہ نہیں۔

(عمدۃ القاری، باب التیمن فی الوضوء والغسل، ج3، ص32، داراحیاء التراث العربی، بیروت)

باب نمبر 423

قَدرِ مَا يُجزِءُ مِنَ الْمَاءِ فِى الْوُضُوءِ

وضو میں کتنا پانی کفایت کرے گا

609- حَدَّثَنَا هَنَّادٌ قَالَ: حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، عَنْ شَرِيكٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عِيسَى، عَنْ ابْنِ جَبْرٍ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: يُجْزِءُ فِي الْوُضُوءِ رِطْلَانِ مِنْ مَاءٍ، قال ابوعيسىٰ: هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ، لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ شَرِيكٍ عَلَى هٰذَا اللَّفْظِ وَرَوَى شُعْبَةُ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ جَبْرٍ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَتَوَضَّأُ بِالْمَكُّوكِ، وَيَغْتَسِلُ بِخَمْسَةِ مَكَاكِيَّ وَرُوِي عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عِيسَى، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ جَبْرٍ، عَنْ أَنَسٍ: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَتَوَضَّأُ بِالْمُدِّ، وَيَغْتَسِلُ بِالصَّاعِ، قال ابوعيسىٰ: وَهٰذَا أَصَحُّ مِنْ حَدِيثِ شَرِيكٍ

حدیث: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: وضو میں دو رطل پانی کفایت کرے گا۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں: یہ حدیث غریب ہے ہم اسے حدیثِ شریک کے انہیں الفاظ کے ساتھ جانتے ہیں۔

اور شعبہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے بواسطہ عبد اللہ بن عبد اللہ بن جبر روایت کیا کہ "بے شک نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم ایک مکوک پانی سے وضو فرماتے اور پانچ مکوک پانی سے غسل فرماتے۔

اور سفیان نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بواسطہ عبد اللہ بن عیسیٰ اور عبد اللہ بن جبر روایت کی کہ بے شک نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم ایک مد سے وضو فرماتے اور ایک صاع سے غسل فرمایا کرتے۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں: اور یہ حدیث شریک سے زیادہ صحیح ہے۔

صاع اور مُد کی مقدار میں مذاہب ائمہ

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ایک مُدّ، دو(2)رطل کا ہے اور ائمہ ثلثہ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک ایک رطل اور ایک ثلث رطل ہے اور ایک صاع بالاتفاق چار مُد کا ہے، تو اس لحاظ سے امام اعظم کے نزدیک ایک صاع آٹھ(8)رطل کا ہوگا اور ائمہ ثلثہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک پانچ رطل اور ایک ثلث رطل کا ہوگا۔

علامہ علی قاری حنفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

امام اعظم کے نزدیک مدّ دو رطل اور صاع آٹھ رطل کا ہوتا ہے اس بارے میں نسائی کی روایت کی وجہ سے۔

(مرقاۃ المفاتیح، باب الغسل، ج2، ص427، دار الفکر، بیروت)

ھکذا فی ردالمحتار۔ (ردالمحتار، سنن الغسل، ج1، ص158، دار الفکر، بیروت)

علامہ ابن قدامہ حنبلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

صاع پانچ رطل اور ایک ثلث عراقی پیمانے کے لحاظ سے اور مدّ اس کا ربع یعنی ایک رطل اور ثلث اور یہ امام مالک وشافعی کا قول ہے۔ (المغنی لابن قدامہ، مسئلۃ یتوضا بالمد ویغتسل بالصاع، ج1، ص163، مکتبۃ القاہرہ)

علامہ نووی شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

صاع چار مدّ کا ہوتا ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے اور صحیح یہ ہے یہاں پر صاع سے مراد پانچ رطل اور ثلث ہے۔ (المجموع شرح المہذب، باب صفۃ الغسل، ج2، ص189، دار الفکر، بیروت)

علامہ شہاب الدین ازہری مالکی (متوفی 1126ھ) فرماتے ہیں: بے شک مدّ ایک رطل اور ثلث ہوتا ہے تو اس حساب سے صاع پانچ رطل اور ثلث ہوا۔ (الفواکہ الدوانی، باب فی طہارۃ الماء، ج1، ص126، دار الفکر، بیروت)

فتاوی رضویہ میں ہے:

صاع ایک پیمانہ ہے چار مُد کا، اور مُد ہمارے نزدیک دو(2)رطل ہے اور ایک رطل شرعی بیس(20) اِستار ہے اور اِستار ساڑھے چار مثقال اور مثقال ساڑھے چار ماشے تو رطل شرعی کہ نوے(90) مثقال ہوا تو صاع کہ ہمارے

نزدیک آٹھ رطل ہے رامپور کے سیر سے پورا تین سیر، اور مُد تین پاؤ۔

اور امام ابو یوسف وائمہ ثلثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نزدیک صاع پانچ رطل اور ایک ثلث رطل کا ہے اور اس پر اجماع ہے کہ چار مُد کا ایک صاع ہے تو اُن کے نزدیک مُد ایک رطل اور ایک ثلث رطل ہوا یعنی رامپوری سیر سے آدھ سیر اور صاع دو سیر۔ (فتاوی رضویہ ملخصا، ج1ب،775,776، رضا فاونڈیشن، لاہور)

سنن نسائی کی جس روایت کی طرف علامہ علی قاری حنفی نے اشارہ کیا، وہ یہ ہے: ((عَنْ مُوسَی الْجُهَنِيِّ قَالَ: أُتِيَ مُجَاهِدٌ بِقَدَحٍ حَزَرْتُهُ ثَمَانِيَةَ أَرْطَالٍ فَقَالَ: حَدَّثَتْنِي عَائِشَةُ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا: أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَغْتَسِلُ بِمِثْلِ هَذَا)) ترجمہ: حضرت سیدنا موسیٰ جُہنی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت مجاہد کے پاس ایک پیالہ لایا گیا۔ میرا اندازہ یہ ہے کہ وہ آٹھ رطل کا تھا۔ تو حضرت مجاہد نے کہا کہ مجھے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ حدیث بیان کی کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اتنی مقدار پانی سے غسل فرماتے۔

(سنن نسائی، باب ذِكرِ القَدرِ الَّذِي يَكْتَفِي بِهِ الرَّجُلُ مِنَ الْمَاءِ لِلْغُسْلِ، ج1، ص127، مکتب المطبوعات الاسلامیہ، حلب)

وضو میں پانی کی مقدار

اس میں تین قسم کی روایات ہیں: (1) ایک مُد (2) دو تہائی مد (3) ایک تہائی مُد۔

(1) صحیح مسلم، مسند احمد بن حنبل، جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ شرح معانی الآثار اور اس کے علاوہ دیگر کتب احادیث میں ہے، واللفظ لجامع الترمذی: ((اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَتَوَضَّأُ بِالْمُدِّ وَيَغْتَسِلُ بِالصَّاعِ)) ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک مد پانی سے وضو اور ایک صاع پانی سے غسل فرمایا کرتے تھے۔

(سنن ترمذی، باب الوضوء بالمد، ج1، ص83، مصطفیٰ البابی، مصر ☆ صحیح مسلم، باب القدر المستحب من الماء الخ، ج1، ص258، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

مکوک سے مراد

ایک روایت میں مکوک کا لفظ آیا ہے راجح قول میں اس سے مراد بھی مُد ہی ہے۔

مسلم، سنن ابی داود، نسائی اور طحاوی میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے: ((كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَغْتَسِلُ بِخَمْسِ مَكَاكِيكَ وَيَتَوَضَّأُ بِمَكُّوكٍ)) ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پانچ مکاکیک سے

غسل فرماتے تھے اور ایک مکوک سے وضوفرماتے تھے۔

(صحیح مسلم، باب القدر المستحب من الماء فی الغسل، ج1، ص257، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

امام اہل سنت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: راجح یہ ہے کہ یہاں مکوک سے مُد مراد ہے۔

(فتاوی رضویہ، ج1 ب، ص781، رضا فاونڈیشن، لاہور)

(2) **سنن ابی داود، سنن نسائی، صحیح ابن حبان، صحیح ابن خزیمہ اور مستدرک للحاکم** میں ہے، واللفظ لابی داود: ((اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ فَأُتِیَ بِإِنَاءٍ فِیہِ مَاءٌ قَدْرُ ثُلُثَیِ الْمُدِّ)) ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضوفرمانا چاہا تو ایک برتن حاضر لایا گیا جس میں دو تہائی مد کی قدر پانی تھا۔

(سنن ابی داود، باب ما یجزی من الماء فی الوضو، ج1، ص23، المکتبۃ العصریہ، بیروت)

(3) **شرح زرقانی للمواہب** میں ہے: ((وروی ابن خزیمۃ وابن حبان والحاکم عن عبد اللہ بن زید انہ رآہ صلی اللہ علیہ وسلم توضا بثلث مد)) ترجمہ: ابن خزیمہ، ابن حبان اور حاکم حضرت عبداللہ بن زید سے راوی کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک تہائی مد سے وضو کرتے دیکھا۔

(شرح زرقانی للمواہب، النوع الاول فی الطہارۃ، ج10، ص216، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

ایک ضعیف روایت میں نصف مد کا بھی ذکر آیا ہے۔

المعجم الکبیر للطبرانی میں ہے: ((عَنْ اَبِی اُمَامَۃَ اَنَّ رَسُولَ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ بِنِصْفِ مُدٍّ)) ترجمہ: حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نصف مد سے وضوفرمایا۔

(المعجم الکبیر للطبرانی، ج8، ص278، مکتبہ ابن تیمیہ، القاہرہ)

روایات میں تطبیق

ان میں تطبیق دیتے ہوئے امام اہل سنت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: احادیث سے ثابت ہے کہ وضو میں عادت کریمہ تثلیث تھی یعنی ہر عضو تین بار دھونا اور کبھی دو دو بار بھی اعضاء دھوئے اور کبھی کبھی ایک ہی ایک بار دھونے پر قناعت فرمائی۔ غالباً جب ایک ایک بار اعضائے کریمہ دھوئے تہائی مد پانی خرچ ہوا اور دو دو بار میں دو تہائی (یا

نصف) اور تین تین بار دھونے میں پورا مد خرچ ہوتا تھا بالجملہ وضو میں کم سے کم تہائی مد اور زیادہ سے زیادہ ایک مد کی حدیثیں آئی ہیں"۔ (فتاوی رضویہ ملخصاً، ج1ب، 778تا780، رضا فاونڈیشن، لاہور)

علامہ علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ سند حسن سے یہ روایت آئی ہے کہ بے شک نبی کریم علیہ السلام نے ایک ایسے برتن سے وضو فرمایا جس میں ایک مدّ کی دو تہائی کی مقدار پانی آتا ہے اور طبرانی نے روایت کیا کہ ایسے برتن سے وضو فرمایا کہ جس میں نصف مدّ کی مقدار پانی آتا ہے تو پس متفق علیہ حدیث کو اس پر محمول کیا جا سکتا ہے کہ یہ حضور علیہ السلام کے غالب احوال میں سے ہے۔ (مرقاۃ المفاتیح، باب الغسل، ج2، ص427، دار الفکر، بیروت)

غسل میں پانی کی مقدار

اس میں بھی تین قسم کی مقداریں ہیں: (1) تقریباً ڈیڑھ مُد (2) ایک صاع یعنی چار مُد (3) پانچ مُد

(1) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے، فرماتی ہیں: ((اَنَّهَا كَانَتْ تَغْتَسِلُ هِيَ وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي إِنَاءٍ وَاحِدٍ يَسَعُ ثَلَاثَةَ أَمْدَادٍ أَوْ قَرِيبًا مِنْ ذَلِكَ)) ترجمہ: کہ بے شک وہ اور نبی پاک علیہ السلام ایک ہی برتن سے غسل فرمایا کرتے تھے اور وہ برتن ایسی وسعت والا تھا کہ اس میں تین مدّ یا اس کے قریب قریب پانی آتا تھا۔

(صحیح مسلم، باب القدر المستحب من الماء فی الغسل، ج1، ص256، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

اس کے ظاہری معنی یہ ہیں کہ دونوں کا غسل اسی تین مُد سے ہو جاتا تھا تو ایک غسل کو ڈیڑھ ہی مُد رہا، مگر علماء نے اسے بعید جان کر تین توجیہیں بیان کیں:

(الف) ہر ایک کے جداگانہ غسل کا بیان ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسی ایک برتن سے جو تین مُد کی قدر تھا غسل فرما لیتے اور اسی طرح مَیں بھی۔ ذکرہ الامام القاضی عیاض۔

(ب) یہاں مُد سے مراد صاع ہے۔ ذکرہ الامام القاضی عیاض واقرہ النووی۔

(ج) حدیث میں زیادہ کا انکار نہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور ام المومنین معاً تین مُد سے نہائے ہوں اور جب پانی ختم ہو چکا ہو اور زیادہ فرما لیا ہو۔ ذکرہ الامام النووی۔

امام اہل سنت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ نے تینوں توجیہات کو نقل فرما کر پہلی کو قریب تر اور باقی دو کو بعید فرمایا

ہے، اور یہ بھی لکھا ہے کہ اگر ڈیڑھ بھی لیں تو محال نہیں، ممکن ہے۔ (فتاوی رضویہ، ج 1، جزب، ص 785، رضا فاونڈیشن، لاہور)

(2) زیادہ تر روایات ایک صاع (چار مُد) کی ہیں۔ مسند امام احمد، مصنف ابن ابی شیبہ، مستدرک للحاکم، ابن ماجہ وغیرہ کتب احادیث میں ہے، واللفظ لابن ماجہ: ((یُجْزِءُ مِنَ الْوُضُوءِ مُدٌّ وَمِنَ الْغُسْلِ صَاعٌ)) ترجمہ: وضو میں ایک مدّ اور غسل میں ایک صاع پانی کافی ہے۔ (سنن ابن ماجہ، باب ماجاء فی مقدار الماء للوضوء، ج 1، ص 99، دار احیاء الکتب العربیہ، بیروت)

(3) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں: ((کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَغْسِلُ، أَوْ کَانَ یَغْتَسِلُ، بِالصَّاعِ إِلَی خَمْسَةِ أَمْدَادٍ، وَیَتَوَضَّأُ بِالْمُدِّ)) ترجمہ: نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم غسل کیا کرتے تھے ایک صاع سے پانچ مد کی مقدار تک اور وضو ایک مدّ کے ساتھ۔

(صحیح بخاری، باب الوضوء بالمد، ج 1، ص 51، دار طوق النجاۃ ☆ صحیح مسلم، باب القدر المستحب من الماء فی الغسل، ج 1، ص 258، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

ایک حدیث پاک میں پانچ مکوک کا لفظ بھی آیا اس سے مراد بھی راجح قول پر مُد ہی ہے جیسا کہ ماقبل میں گزرا۔

اور ایک روایت میں فَرَق کا لفظ بھی آیا ہے جیسا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ((انَّ رَسُولَ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یَغْتَسِلُ مِنْ إِنَاءٍ هُوَ الْفَرَقُ، مِنَ الْجَنَابَةِ)) ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک برتن میں غسل جنابت فرماتے تھے وہ فرق تھا۔ (صحیح مسلم، باب القدر المستحب من الماء فی الغسل، ج 1، ص 255، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

فَرَق میں اختلاف ہے حضرت سفیان، امام طحاوی وغیرہما تین صاع کہتے ہیں اور علامہ عینی اور علامہ نجم الدین نسفی وغیرہما نے کہا ہے کہ یہ دو صاع ہے۔ (فتاوی رضویہ ملخصاً، ج 1 ب، ص 786، رضا فاونڈیشن، لاہور)

علامہ نووی اس حدیث کا جواب دیتے ہیں کہ پورے فَرَق سے تنہا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا غسل فرمانا مراد نہیں کہ یہی حدیث یوں بھی مروی ہے: ((کُنْتُ أَغْتَسِلُ أَنَا وَرَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِنْ إِنَاءٍ وَاحِدٍ فِیہِ قَدْرُ الْفَرَقِ)) ترجمہ: میں اور رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہی برتن سے غسل کیا کرتے تھے ایک فَرَق کی مقدار۔

امام اہل سنت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ، علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ کی توجیہ نقل کر کے فرماتے ہیں: یہ لفظ اجتماع میں نص نہیں (پھر اسے دلائل سے ثابت کر کے فرماتے ہیں:) بہرحال اس قدر ضرور ہے کہ حدیث اس معنی میں نص صریح نہیں، زیادت کی صریح نص اسی قدر ہے جو حدیث انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں گزرا کہ پانچ مُد سے غسل فرماتے اور پھر بھی

اکثر واشہر وہی وضو میں ایک مُد اور غسل میں ایک صاع اور احادیث قولیہ تو خاص اسی طرف ہیں۔

(فتاوی رضویہ، ج1ب، ص787تا789، رضافاونڈیشن، لاہور)

غسل کی روایات میں تطبیق

علامہ نووی شافعی رحمۃ اللہ علیہ غسل کی مقدار کے بارے میں مروی روایت میں تطبیق دیتے ہوئے فرماتے ہیں:
امام شافعی اور ان کے علاوہ دیگر علماء فرماتے ہیں ان روایات میں تطبیق یوں ممکن ہے کہ یہ مختلف احوال میں مختلف غسل تھے اور اس میں کبھی کم اور کبھی زیادہ پانی استعمال ہوتا تھا تو یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے طہارت حاصل کرنے میں کسی خاص مقدار کا لحاظ کرنا ضروری نہیں ہے کہ اُتنے سے ہی طہارت حاصل کرنا ضروری ہو۔

(شرح النووی علی مسلم، باب القدر المستحب من الماء الخ، ج4، ص6، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

وہ جو اکثر احادیث میں ایک صاع اور حدیثِ انس میں پانچ مُد ہے، امام طحاوی حنفی رحمۃ اللہ علیہ نے اس میں یہ تطبیق دی ہے کہ ایک مُد وضو کا اور ایک صاع بقیہ غسل کا، یوں غسل میں پانچ مُد ہوئے۔

(شرح معانی الآثار، کتاب الزکوۃ، باب وزن الصاع، ج1، ص377، ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی)

صاع اور مُد باعتبار وزن مراد ہیں یا باعتبار کیل

باعتبار کیل مراد ہے۔

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "بَابُ الْغُسْلِ بِالصَّاعِ وَنَحْوِهِ اَی: هَذَا بَاب فِي بَيَان حكم الْغُسْل بِالْمَاءِ قدر ملْء الصَّاع "ترجمہ: باب الغسل بالصاع ونحوہ یعنی اتنے پانی سے غسل جس سے صاع بھر جائے۔

(عمدۃ القاری، باب الغسل بالصاع ونحوہ، ج3، ص196، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: صاع اور مُد باعتبار وزن مراد ہیں یعنی دو اور آٹھ رطل وزن کا پانی ہو کہ رامپور کے سیر سے وضو میں تین پاؤ اور غسل میں تین سیر پانی ہو۔ اور امام ابو یوسف وائمہ ثلثہ کے طور پر وضو میں آدھ سیر اور غسل میں دو سیر اور جانب کی وضو میں پونے تین چھٹانک سے بھی کم اور غسل میں ڈیڑھ ہی سیر یا باعتبار کیل وپیمانہ یعنی اتنا پانی کہ ناج کے پیمانہ مد یا صاع کو بھر دے ظاہر ہے کہ پانی ناج سے بھاری ہے تو پیمانہ بھر پانی

اس پیمانے کے رطلوں سے وزن میں زائد ہوگا کلمات ائمہ میں معنی دوم کی تصریح ہے اور اسی طرف بعض روایات احادیث ناظر۔ (فتاوی رضویہ، ج 1 ب، ص 791,792، رضافاؤنڈیشن، لاہور)

وضو و غسل میں پانی کی کوئی مقدار ضروری نہیں

علامہ علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اس بات پر اجماع ہے کہ وضو اور غسل میں پانی کی کوئی مقدار معین نہیں ہے لیکن سنت یہ ہے کہ وضو کا پانی ایک مدّ سے کم نہ ہو اور غسل کا پانی ایک صاع کے لگ بھگ ہو جیسا کہ اس پر ان پانچ مدّ کا قول دلالت کرتا ہے اور صاع وزن کے اعتبار سے ہو، نہ کہ ماپ کے اعتبار سے۔ (مرقاۃ المفاتیح، باب الغسل، ج 2، ص 427، دار الفکر، بیروت)

علامہ امین ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

حلیہ میں ہے کہ کئی علماء نے اس بات پر اجماع نقل کیا ہے کہ وضو اور غسل میں جو پانی کافی ہو جائے اس کی کوئی مقدار معین نہیں ہے اور جو ظاہر الروایۃ میں ہے کہ پانی کی وہ مقدار جو غسل کو کافی ہو جائے ایک صاع ہے اور وضو میں ایک مدّ اس حدیث کی وجہ سے جو متفق علیہ ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم ایک مدّ سے وضو کیا کرتے تھے اور غسل ایک صاع کے ساتھ جو پانچ مدّ کی مقدار تک ہوتا تھا۔ یہ پانی کی مقدار کو لازم کرنا نہیں ہے بلکہ جو سنت کو کافی ہو جائے اس ادنی مقدار کا بیان ہے۔ بحر الرائق میں فرمایا: یہاں تک کہ اگر اس سے کم مقدار میں پانی کافی ہو جائے تو یہ جائز ہے اور اگر اس میں کفایت نہ ہو تو زیادہ کر لے اس لئے کہ لوگوں کی طبیعتیں اور حالتیں مختلف ہیں اسی طرح بدائع میں ہے اور اسی پر امداد اور دیگر کتابوں میں جزم فرمایا۔ (رد المحتار مع در مختار، سنن الغسل، ج 1 ص 158، دار الفکر، بیروت)

صدر الشریعہ مفتی امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

سب کے لیے غُسل یا وُضو میں پانی کی ایک مقدار مُعیّن نہیں، جس طرح عوام میں مشہور ہے محض باطل ہے ایک لمبا چوڑا، دوسرا دبلا پتلا، ایک کے تمام اعضا پر بال، دوسرے کا بدن صاف، ایک گھنی داڑھی والا، دوسرا بے ریش، ایک کے سر پر بڑے بڑے بال، دوسرے کا سر منڈا، وعلی ھذا القیاس سب کے لیے ایک مقدار کیسے ممکن ہے۔

(بہار شریعت، حصہ 2، ص 320، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

باب نمبر 424

مَا ذُكِرَ فِي نَضْحِ بَوْلِ الْغُلَامِ الرَّضِيعِ

دودھ پیتے بچے کے پیشاب پر پانی کے چھینٹے مارنا

610۔حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ قَالَ: حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ هِشَامٍ قَالَ: حَدَّثَنِي أَبِي، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَبِي حَرْبِ بْنِ أَبِي الأَسْوَدِ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِي بَوْلِ الغُلَامِ الرَّضِيعِ: يُنْضَحُ بَوْلُ الغُلَامِ، وَيُغْسَلُ بَوْلُ الجَارِيَةِ، قَالَ قَتَادَةُ: وَهَذَا مَا لَمْ يَطْعَمَا، فَإِذَا طَعِمَا غُسِلَا جَمِيعًا، قَالَ ابوعيسى: هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ، رَفَعَ هِشَامٌ الدَّسْتُوَائِيُّ هَذَا الحَدِيثَ، عَنْ قَتَادَةَ، وَأَوْقَفَهُ سَعِيدُ بْنُ أَبِي عَرُوبَةَ، عَنْ قَتَادَةَ وَلَمْ يَرْفَعْهُ

حدیث: حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دودھ پیتے بچے کے پیشاب کے بارے میں فرمایا: بچے کے پیشاب پر پانی چھڑکا جائے گا اور بچی کے پیشاب کو دھویا جائے گا۔

قتادہ کہتے ہیں: یہ اس وقت ہے کہ جب وہ دونوں کھانا نہ کھاتے ہوں تو جب وہ کھانے لگ جائیں تو ان دونوں کے پیشاب کو دھویا جائے گا۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں: یہ حدیث حسن ہے ۔ہشام دستوائی نے اس حدیث کو حضرت قتادہ کے حوالے سے مرفوع روایت کیا اور سعید بن ابوعروبہ نے حضرت قتادہ کے حوالے سے اس حدیث کو موقوف روایت کیا اور مرفوع روایت نہیں کیا۔

شرح حدیث

((بچے کے پیشاب پر پانی چھڑکا جائے گا)) یعنی پانی بہانے اور ملنے میں مبالغہ نہ کیا جائے۔ کیونکہ بچہ کھانا نہیں کھاتا لہذا اس کے پیشاب کی عفونت نہیں ہوتی کہ اس کے ازالہ میں مبالغہ کی طرف احتیاج ہو۔ ایسا نہیں کہ ایک مرتبہ بھی نہ دھویا جائے، بلکہ دو غسلوں (بغیر مبالغہ کے اور مبالغہ کے ساتھ) میں تفریق کا ارادہ کیا ہے، لہذا ایک مرتبہ دھونے کو غسل سے تعبیر کیا ہے اور دوسری مرتبہ نضح (چھڑکنے) سے۔ (مرقاۃ المفاتیح ملخصاً، باب تطہیر النجاسات، ج2، ص464، دار الفکر، بیروت)

بچے کا پیشاب بالاجماع ناپاک ہے

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

جس چیز پر بچے نے پیشاب کیا ہو اس کے پاک کرنے کی کیفیت میں اختلاف ہے، اس کے ناپاک ہونے میں کوئی اختلاف نہیں اور ہمارے اصحاب میں سے بعض نے بچہ کے پیشاب کے ناپاک ہونے پر علماء کا اجماع نقل کیا ہے اور بے شک اس میں داود ظاہری کے علاوہ کسی نے اختلاف نہیں کیا۔

(شرح النووی علی المسلم، باب حکم الطفل الرضیع وکیفیۃ غسلہ، ج3، ص194، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

بچے کے پیشاب کو پاک کرنے کے طریقے میں اختلاف ائمہ

احناف کا موقف

علامہ ابو الفضل عبد اللہ بن محمود موصلی حنفی (متوفی 683ھ) فرماتے ہیں:

اسی طرح بچے اور بچی کا پیشاب نجاست غلیظہ ہے چاہے وہ کھانا کھاتے ہوں یا نہ کھاتے ہوں، اس روایت کی وجہ سے جو ہم نے بیان کی (اِسْتَنْزِھُوا مِنَ الْبَوْلِ، پیشاب سے بچو) کہ اس میں بغیر فرق کے پیشاب سے بچنے کا فرمایا گیا، اور جو یہ روایت بیان کی گئی کہ بچہ جب کھانا نہ کھاتا ہو تو اس کے پیشاب پر پانی ڈال دیا جائے تو اس روایت میں لفظ "نضح" دھونے کے معنی میں ہے۔ حضور نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے جب مذی کے بارے میں سوال ہوا تو آپ نے فرمایا: شرمگاہ پر پانی چھڑک لو یعنی اس کو دھو لو، بچے کے پیشاب والی روایت کو بھی اسی پر محمول کریں گے تطبیق دیتے ہوئے۔

(الاختیار لتعلیل المختار، باب الانجاس وتطہیرہا، ج 1، ص 32، مطبعۃ الحلبی، القاہرہ)

مالکیہ کا موقف

علامہ خرشی مالکی (متوفی 1101ھ) فرماتے ہیں:

چھوٹے، بڑے، مذکر اور مونث کے پیشاب کے درمیان کوئی فرق نہیں، چاہے وہ کھانا کھاتے ہوں یا نہ کھاتے ہوں اس کی بو باقی رہتی ہو یا نہیں، ابن ناجی۔ اور یہ حکم "مدونہ" کے ظاہر کے مطابق ہے اور اسی پر فتوی ہے۔

(شرح مختصر خلیل خرشی، فصل بیان الطاہر والنجس، ج 1، ص 94، دار الفکر، بیروت)

شوافع کا موقف

علامہ یحیی بن شرف النووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

صحیح، مشہور اور مختار یہ ہے کہ بچے کے پیشاب میں پانی چھڑکنا کافی ہے اور بچی کے پیشاب میں چھڑکنا کافی نہیں۔

(شرح النووی علی المسلم، باب حکم الطفل الرضیع وکیفیۃ غسلہ، ج 3، ص 194، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

حنابلہ کا موقف

علامہ ابن قدامہ مقدسی حنبلی لکھتے ہیں:

وہ بچہ جو کھانا نہ کھاتا ہو اس کے پیشاب میں پانی چھڑک دینا کافی ہے اگرچہ پیشاب زائل نہ ہو۔

(الکافی فی فقہ الامام احمد، باب احکام النجاسات، ج 1، ص 164، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

شوافع اور حنابلہ کی دلیل اس باب کی حدیث پاک ہے۔

احناف اور مالکیہ کے دلائل

(1) احادیث میں علی الاطلاق پیشاب سے ممانعت کا فرمایا گیا اس میں چھوٹے بڑے، مذکر و مونث کا کوئی فرق نہیں کیا گیا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((اسْتَنْزِهُوا مِنَ الْبَوْلِ فَإِنَّ عَامَّةَ عَذَابِ الْقَبْرِ مِنْهُ)) ترجمہ: پیشاب سے بچو کہ عام طور پر اس سے عذاب قبر ہوتا ہے۔

(سنن دار قطنی، باب نجاسۃ البول، ج1، ص232، موسسۃ الرسالہ، بیروت)

سنن ابن ماجہ میں اس طرح ہے: ((اَكْثَرُ عَذَابِ الْقَبْرِ مِنَ الْبَوْلِ)) ترجمہ: اکثر عذاب قبر پیشاب سے ہوتا ہے۔ (سنن ابن ماجہ، باب التشدید فی البول، ج1، ص125، دار احیاء الکتب العربیہ، بیروت)

(2) علامہ علی بن ابی یحیی زکریا بن مسعود انصاری حنفی (متوفی 686ھ) حدیث ترمذی کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں: کبھی "رش" ذکر کیا جاتا ہے اور اس سے مراد غسل (دھونا) لیا جاتا ہے، صحیح بخاری میں ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وضو حکایت کیا تو اس میں فرمایا: ((ثُمَّ اَخَذَ غَرْفَةً مِنْ مَاءٍ، فَرَشَّ عَلَى رِجْلِهِ الْيُمْنَى حَتَّى غَسَلَهَا)) (پانی کا چلو لیا اور اسے اپنے دائیں پاؤں پر ڈالا یہاں تک کہ اسے دھولیا)، یہاں "الرش" سے مراد پانی کو آہستہ آہستہ ڈالنا ہے، اور یہی ترمذی کی حدیث کا محمل ہے۔

(اللباب فی الجمع بین السنۃ والکتاب، باب یغسل الثوب من بول الغلام والجاریۃ، ج1، ص86، دار القلم، بیروت)

(3) بعض روایات میں نضح (جس کا لغوی معنی پانی چھڑکنا ہے) کا لفظ بھی آیا ہے، اس سے مراد بھی غسل (دھونا) ہی ہے کہ نضح بھی غسل کے لیے استعمال ہوتا رہتا ہے، اس پر دلیل مذی کے دھونے کے بارے میں مروی روایات ہیں کہ بعض جگہ اس کے لیے "نضح" کا لفظ آیا ہے اور بعض جگہ غسل کا اور بالاتفاق مذی کو دھونے کا حکم ہے، چنانچہ حضرت علی المرتضی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں ((كُنْتُ رَجُلًا مَذَّاءً وَكُنْتُ اَسْتَحْيِي اَنْ اَسْاَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِمَكَانِ ابْنَتِهِ فَاَمَرْتُ الْمِقْدَادَ بْنَ الْاَسْوَدِ فَسَاَلَهُ فَقَالَ: يَغْسِلُ ذَكَرَهُ وَيَتَوَضَّاُ)) ترجمہ: میں بہت مذی والا شخص تھا اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بیٹی کے میرے گھر ہونے کی وجہ سے میں اس بارے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پوچھنے میں حیاء کرتا تھا تو میں نے مقداد بن اسود کو حکم دیا کہ وہ حضور سے اس کے بارے پوچھیں تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے آلہ تناسل کو دھولو اور وضو کرلو۔ (صحیح مسلم، باب المذی، ج1، ص247، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

حضرت علی المرتضی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی سے روایت ہے ((اَرْسَلْنَا الْمِقْدَادَ بْنَ الْاَسْوَدِ اِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَاَلَهُ عَنِ الْمَذْيِ يَخْرُجُ مِنَ الْاِنْسَانِ كَيْفَ يَفْعَلُ بِهِ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: تَوَضَّاْ وَانْضَحْ فَرْجَكَ)) ترجمہ: ہم نے مقداد بن اسود کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں بھیجا تو انہوں نے آپ سے

انسان سے نکلنے والی مذی کے بارے میں پوچھا کہ ایسا شخص کیا کرے؟ تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ وضو کرو اور اپنی شرمگاہ پر پانی چھڑک لو۔ (صحیح مسلم، باب المذی، ج1 ص247، داراحیاء التراث العربی، بیروت)

مذکورہ احادیث نقل کرنے کے بعد علامہ عینی حنفی فرماتے ہیں:

مذکورہ بالا دونوں احادیث میں ایک ہی واقعہ ہے اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کرنے والے راوی بھی ایک ہی ہیں، ایک حدیث پاک میں "یغسل ذکرہ" (اپنے آلہ تناسل کو دھوئے) کے الفاظ ہیں اور دوسری حدیث پاک میں و"انضح" کے الفاظ ہیں اس سے معلوم ہوا ایسا ہوتا ہے کہ "نضح" ذکر کے اس سے غسل (دھونا) مراد لیا جاتا ہے اور یہی بچے کے پیشاب والی حدیث پاک بھی اسی پر محمول ہے کہ اس میں "نضح" دھونے کے معنی میں ہے۔

(عمدۃ القاری، باب بول الصبیان، ج3 ص131، داراحیاء التراث العربی، بیروت)

(4) بچے کے پیشاب کو دھونے کے بارے میں حدیث پاک میں فصبہ (پس اس پر پانی بہادیا) کے الفاظ بھی آئے ہیں، جس سے اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ یہاں دھونا ہی مراد ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے، فرماتی ہیں ((أُتِيَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِصَبِيٍّ يَرْضَعُ فَبَالَ فِي حَجْرِهِ فَدَعَا بِمَاءٍ فَصَبَّهُ عَلَيْهِ)) ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں ایک دودھ پیتا بچہ لایا گیا اس نے آپ کی گود میں پیشاب کر دیا تو آپ نے پانی منگوایا اور اس کو پیشاب پر بہادیا۔ (صحیح مسلم، باب حکم الطفل الرضیع وکیفیۃ غسلہ، ج1 ص237، داراحیاء التراث العربی، بیروت)

باب نمبر 425

فِی الرُّخْصَةِ لِلْجُنُبِ فِی الْأَكْلِ وَالنَّوْمِ إِذَا تَوَضَّأَ

جنبی کی وضو کر کے کھانے اور سونے کے لئے رخصت

611- حَدَّثَنَا هَنَّادٌ قَالَ: حَدَّثَنَا قَبِيصَةُ، عَنْ حَمَّادِ بْنِ سَلَمَةَ، عَنْ عَطَاءٍ الْخُرَاسَانِيِّ، عَنْ يَحْيَى بْنِ يَعْمَرَ، عَنْ عَمَّارٍ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَخَّصَ لِلْجُنُبِ إِذَا أَرَادَ أَنْ يَأْكُلَ، أَوْ يَشْرَبَ، أَوْ يَنَامَ أَنْ يَتَوَضَّأَ وُضُوءَهُ لِلصَّلَاةِ، قال ابوعيسى: هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

حدیث: حضرت عمار رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بے شک نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے جنبی کے لئے اس بات کی رخصت عطا فرمائی کہ جب وہ کھانے یا پینے یا سونے کا ارادہ کرے تو نماز کا سا وضو کر لے۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

شرح حدیث

علامہ یحییٰ بن شرف النووی شافعی" صحیح مسلم "میں موجود اس موضوع پر احادیث کی شرح میں فرماتے ہیں:

اس باب کی تمام احادیث کا خلاصہ یہ ہے کہ جنبی کے لئے غسل سے پہلے کھانا، پینا، سونا اور جماع کرنا جائز ہے، اور یہ اجماعی مسئلہ ہے، اور علماء کا اس پر اجماع ہے کہ جنبی کا جسم اور پسینہ پاک ہے۔ اور ان احادیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ ان تمام امور سے قبل وضو کرنا اور اپنی شرمگاہ کو دھونا مستحب ہے خصوصاً اس وقت کہ جب اس عورت سے جماع کرنا چاہے جس سے پہلے جماع نہ کیا ہو کہ اس صورت میں اپنے ذکر کو دھونے کا استحباب موکد ہے۔ اور ہمارے علماء نے تصریح کی ہے کہ جنبی کا وضو سے پہلے کھانا پینا اور جماع کرنا مکروہ ہے۔ اور یہ احادیث اس پر دلالت کرتی ہیں۔ اور یہ وضو ہمارے نزدیک بالاتفاق واجب نہیں ہے۔ امام مالک اور جمہور کا بھی یہی قول ہے۔ اصحابِ مالک میں سے ابن حبیب اور داود ظاہری کا مسلک یہ ہے کہ وضو کرنا واجب ہے۔ اور وضو سے مراد نماز کا سا وضو ہے۔

(شرح النووی علی مسلم ملخصاً، باب جواز نوم الجنب واستحباب الوضوء لہ، ج3، ص216، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

جنبی کا سونے اور کھانے پینے سے پہلے وضو کرنا

احناف، شوافع اور حنابلہ کے نزدیک جنبی کا سونے اور کھانے پینے سے پہلے وضو کرنا مستحب ہے، مالکیہ کا بھی مشہور قول سونے سے معلق وضو کے مستحب ہونے کا ہے، جبکہ جنبی کے کھانے سے متعلق یہ ہے کہ صرف ہاتھ دھولے جبکہ ہاتھوں پر نجاست وغیرہ لگی ہو۔

احناف کا مؤقف

علامہ حسن بن عمار بن علی شرنبلالی (متوفی 1069ھ) فرماتے ہیں:

وضو کی تیسری قسم مستحب ہے...... (جیسا کہ) جنبی کا کھانے، پینے، نیند اور بیوی سے دوبارہ وطی کرتے وقت وضو کرنا۔ (مراقی الفلاح شرح نور الایضاح، فصل فی اوصاف الوضوء، ج1، ص37، المکتبۃ العصریہ، بیروت)

مالکیہ کا مؤقف

علامہ قرافی مالکی (متوفی 684ھ) فرماتے ہیں:

مالکیہ کے نزدیک مشہور قول یہ ہے کہ جنبی کے لیے سونے سے پہلے وضو کرنا مستحب ہے، صاحب استذکار نے کہا کہ اس کے وجوب کے قائل صرف اہل ظاہر ہی ہیں۔ (الذخیرہ للقرافی، الفصل الاول فی اسبابہ، ج1، ص299، دار الغرب الاسلامی، بیروت)

مدونہ میں ہے:

جنبی کو حکم (بطریق استحباب) دیا جائے گا کہ وہ سونے سے پہلے نماز کی طرح مکمل وضو کرلے، اور جنبی کو حکم دیا جائے گا کہ وہ کھانے سے پہلے ہاتھ دھولے جبکہ ہاتھوں میں نجاست وغیرہ لگی ہو۔۔۔۔۔۔ وضو سے پہلے کھانے میں حرج نہیں۔ (المدونۃ، وضوء للجنب، ج1، ص135، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

شوافع کا مؤقف

علامہ عبد الکریم بن محمد رافعی قزوینی شافعی (متوفی 623ھ) فرماتے ہیں:

جنبی کے لئے دوبارہ جماع کرنا، کھانا، پینا اور سونا جائز ہے لیکن مستحب یہ ہے کہ ان تمام امور سے قبل شرمگاہ کو دھولے اور وضو کرلے جیسا نماز کے لئے کرتا ہے کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، فرماتی ہیں: ((کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم إذا اراد ان یاکل او ینام و ھو جنب توضاوضوءہ للصلاۃ)) ترجمہ: جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جنبی ہوتے اور اس حالت میں سونے کا ارادہ فرماتے تو پہلے نماز جیسا وضو کرلیتے۔ اور بخاری شریف میں حضرت عروہ کی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، آپ فرماتی ہیں: ((إذا اراد ان ینام وھو جنب غسل فرجہ وتوضا للصلاۃ)) ترجمہ: جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سونے کا ارادہ کرتے اور آپ جنبی ہوتے تو اپنی شرمگاہ کو دھوتے اور نماز کا سا وضو فرماتے۔ (فتح العزیز بشرح الوجیز، کتاب الطہارۃ، ج2، ص151،152، دار الفکر، بیروت)

حنابلہ کا مؤقف

علامہ ابن قدامہ حنبلی "المغنی" میں فرماتے ہیں:

جنبی کے لئے مستحب ہے کہ سونے یا دوبارہ صحبت کرنے یا کچھ کھانے پینے سے پہلے اپنی شرمگاہ کو دھوئے اور

وضو کرے۔ حضرت علی اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے یہ ہی منقول ہے...... اور جہاں تک حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث کی بات ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم جنابت کی حالت میں سوجاتے اور پانی کو نہیں چھوتے اس کو ابواسحاق نے اسود سے اور اسود نے حضرت عائشہ سے روایت کیا جبکہ اس کے برعکس اسود ہی سے متعدد رواۃ نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے حدیث اس طرح بیان کی کہ: ((انَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یَتَوَضَّأُ قَبْلَ اَنْ یَنَامَ)) ترجمہ: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سونے سے قبل وضو فرمایا کرتے، اس کو شعبہ اور ثوری نے بیان کیا ہے اور علماء ابواسحاق کی روایت کے بارے میں فرماتے ہیں کہ یہ ان کی طرف سے غلطی واقع ہوگئی ہے۔ امام احمد نے فرمایا: ابواسحاق نے اسود سے ایک ایسی حدیث روایت کی ہے جس میں اس نے لوگوں کی مخالفت کی ہے، اور اسود کے حوالے سے ان جیسی روایت کسی نے بیان نہیں کی اور ایک جواب یہ ہے کہ یہ حدیث جواز پر محمول ہے اور ہماری بیان کردہ احادیث استحباب پر دلالت کرتی ہیں۔ (المغنی لابن قدامہ، فصل الجنب اذا اراد ان ینام، ج1، ص168,169، مکتبۃ القاہرہ)

باب نمبر 426

مَا ذُكِرَ فِى فَضْلِ الصَّلَاةِ

نماز کی فضیلت

612- حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ أَبِي زِيَادٍ الْقَطَوَانِيُّ الْكُوفِيُّ قَالَ: حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ مُوسَى قَالَ: حَدَّثَنَا غَالِبٌ أَبُو بِشْرٍ، عَنْ أَيُّوبَ بْنِ عَائِذِ الطَّائِيِّ، عَنْ قَيْسِ بْنِ مُسْلِمٍ، عَنْ طَارِقِ بْنِ شِهَابٍ، عَنْ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ، قَالَ: قَالَ لِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أُعِيذُكَ بِاللَّهِ يَا كَعْبَ بْنَ عُجْرَةَ مِنْ أُمَرَاءَ يَكُونُونَ مِنْ بَعْدِي، فَمَنْ غَشِيَ أَبْوَابَهُمْ فَصَدَّقَهُمْ فِي كَذِبِهِمْ، وَأَعَانَهُمْ عَلَى ظُلْمِهِمْ فَلَيْسَ مِنِّي وَلَسْتُ مِنْهُ، وَلَا يَرِدُ عَلَيَّ الْحَوْضَ، وَمَنْ غَشِيَ أَبْوَابَهُمْ أَوْ لَمْ يَغْشَ وَلَمْ يُصَدِّقْهُمْ فِي كَذِبِهِمْ، وَلَمْ يُعِنْهُمْ عَلَى ظُلْمِهِمْ، فَهُوَ مِنِّي وَأَنَا مِنْهُ، وَسَيَرِدُ عَلَيَّ الْحَوْضَ، يَا كَعْبَ بْنَ عُجْرَةَ الصَّلَاةُ بُرْهَانٌ، وَالصَّوْمُ جُنَّةٌ حَصِينَةٌ، وَالصَّدَقَةُ تُطْفِيءُ الْخَطِيئَةَ كَمَا يُطْفِيءُ الْمَاءُ النَّارَ، يَا كَعْبَ بْنَ عُجْرَةَ، إِنَّهُ لَا يَرْبُو لَحْمٌ نَبَتَ مِنْ سُحْتٍ إِلَّا كَانَتِ النَّارُ أَوْلَى بِهِ، قال ابوعيسى: هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ مِنْ هَذَا الْوَجْهِ، لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ

حدیث: حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرمایا: مجھے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے کعب بن عجرہ! میں تجھے اللہ عزوجل کی پناہ میں دیتا ہوں ان امراء سے جو میرے بعد ہوں گے تو جو ان کے پاس جائے اور ان کے جھوٹ میں ان کی تصدیق کرے اور ان کے ظلم پر ان کی اعانت کرے تو وہ مجھ سے نہیں اور نہ میں ان سے ہوں اور وہ میرے پاس حوضِ کوثر پر نہیں آئے گا اور جو ان کے دروازے پر جائے یا نہ جائے، ان کے جھوٹ کی تصدیق نہ کرے اور ان کے ظلم پر ان کی معاونت نہ کرے تو وہ مجھ سے ہے اور میں اس سے ہوں اور وہ عنقریب میرے حوض پر میرے پاس آئے گا۔ اے کعب بن عجرہ!

نماز برہان ہے اور روزہ بچانے والی ڈھال ہے اور صدقہ گناہوں کو مٹاتا ہے جیسا کہ پانی آگ کو بجھاتا ہے۔ اے کعب بن عجرہ! جو گوشت حرام سے پرورش پاتا ہے تو اس کے لئے آگ زیادہ بہتر ہے۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں: یہ حدیث حسن اور اس سند سے غریب ہے ہم اسے عبیداللہ بن موسیٰ کی حدیث سے ہی جانتے ہیں اور ایوب بن عائذ ضعیف ہے اور کہا جاتا ہے کہ اس کے خیالات مرجئہ فرقے والے تھے۔ اور میں نے

مُوسَى ، " وَأَيُّوبُ بْنُ عَائِذٍ يُضَعَّفُ وَيُقَالُ : كَانَ يَرَى رَأْيَ الإِرْجَاءِ ، وَسَأَلْتُ مُحَمَّدًا عَنْ هَذَا الحَدِيثِ، فَلَمْ يَعْرِفْهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ مُوسَى وَاسْتَغْرَبَهُ جِدًّا "

امام محمد بخاری سے اس حدیث کے بارے میں سوال کیا تو وہ بھی اس حدیث کو عبیداللہ بن موسی کی حدیث سے جانتے تھے اور انہوں نے اسے نہایت غریب جانا۔

613۔وقَالَ مُحَمَّدٌ :حَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ، عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ مُوسَى، عَنْ غَالِبٍ بِهَذَا

حدیث: محمد کہتے ہیں کہ ہم سے ابن نمیر نے عبید اللہ بن موسی سے انہوں نے غالب کے حوالے سے اس حدیث کو بیان کیا۔

شرح حدیث

علامہ عزالدین محمد بن اسماعیل (متوفی 1182ھ) فرماتے ہیں:

اس حدیث پاک میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خبر دی ہے کہ میرے بعد ظالم حکمران ہوں گے، اور ان کے دروازوں پر جا کر ان کے جھوٹ کی تصدیق کرنے اور ان کی ظلم میں اعانت کرنے سے ڈرایا ہے۔

پھر خبر دی کہ ((نماز برہان ہے)) یعنی پڑھنے والے کے ایمان کی صحت پر دلیل ہے، کیونکہ ایمان ایک امر قلبی ہے، چھپا ہوا ہے، اس پر اطلاع ممکن نہیں مگر ظاہری طاعت کے ذریعہ۔

((روزہ ڈھال ہے)) یعنی روزہ اپنے صاحب کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچانے والا ہے۔

((صدقہ گناہ کو مٹاتا ہے جیسا کہ پانی آگ کو بجھاتا ہے)) کیونکہ گناہ آدمی کے دل میں آگ ہے اور آخرت میں اس کے بدن کے لیے آگ ہے۔ (التحبیر لایضاح معانی التیسیر، الفصل السادس، ج3، ص741، مکتبۃ الرشد، ریاض)

نماز کی اہمیت اور فضائل پر آیات واحادیث

ایمان وتصحیح عقائد مطابق مذہب اہل سنت و جماعت کے بعد نماز تمام فرائض میں نہایت اہم واعظم ہے۔

قرآن مجید واحادیث نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم اس کی اہمیت سے مالا مال ہیں، جا بجا اس کی تاکید آئی اور اس کے تارکین پر وعید فرمائی، چند آیتیں اور حدیثیں ذکر کی جاتی ہیں، کہ مسلمان اپنے رب عزوجل اور پیارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشادات سنیں اور اس کی توفیق سے ان پر عمل کریں۔

آیات مبارکہ

اللہ عزوجل فرماتا ہے: ﴿هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ. الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ﴾ یہ کتاب پرہیز گاروں کو ہدایت ہے، جو غیب پر ایمان لاتے اور نماز قائم رکھتے اور ہم نے جو دیا اس میں سے ہماری راہ میں خرچ کرتے ہیں۔ (پارہ01، سورۃ، آیت2-3)

اللہ عزوجل فرماتا ہے ﴿وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ وَارْکَعُوْا مَعَ الرّٰکِعِیْنَ﴾ نماز قائم کرو اور زکاۃ دو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ نماز پڑھو۔ (پارہ 01، سورۃ، آیت 43)

یعنی مسلمانوں کے ساتھ کہ رکوع ہماری ہی شریعت میں ہے۔ یا با جماعت ادا کرو۔

اللہ عزوجل فرماتا ہے: ﴿حٰفِظُوْا عَلَی الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوۃِ الْوُسْطٰی O وَقُوْمُوْا لِلّٰہِ قٰنِتِیْنَ﴾ تمام نمازوں خصوصاً بیچ والی نماز (عصر) کی محافظت رکھو اور اللہ کے حضور ادب سے کھڑے رہو۔ (پارہ 02، سورۃ البقرۃ، آیت 238)

اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے: ﴿اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ﴾ ترجمہ کنز الایمان: اور میری یاد کے لئے نماز قائم رکھ۔

(پارہ 16، سورۃ طٰہٰ، آیت 14)

اللہ عزوجل ایک دوسرے مقام پر ارشاد فرماتا ہے ﴿اِنَّ الصَّلٰوۃَ کَانَتْ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ کِتٰبًا مَّوْقُوْتًا﴾

ترجمہ کنز الایمان: بے شک نماز مسلمانوں پر وقت باندھا ہوا فرض ہے۔ (پارہ 5، سورۃ النساء، آیت 103)

نماز کی اہمیت کا اس سے بھی پتہ چلتا ہے کہ اللہ عزوجل نے سب احکام اپنے حبیب صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کو زمین پر بھیجے، جب نماز فرض کرنی منظور ہوئی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو عرشِ عظیم و قربِ خاص میں بلا کر اسے فرض کیا اور شبِ اسرا میں یہ تحفہ دیا۔

احادیث کریمہ

صحیح بُخاری و مُسلِم میں ہے: ((عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمَا قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ "بُنِیَ الْإِسْلَامُ عَلَی خَمْسٍ: شَھَادَۃِ أَنْ لَا إِلٰہَ إِلَّا اللّٰہُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰہِ وَإِقَامِ الصَّلَاۃِ وَإِیْتَاءِ الزَّکَاۃِ وَالْحَجِّ وَصَوْمِ رَمَضَانَ)) سیدنا ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے: اس امر کی شہادت دینا کہ اللہ کے سوا کوئی سچا معبود نہیں اور محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس کے رسول ہیں، اور نماز قائم کرنا اور زکاۃ دینا اور حج کرنا اور ماہِ رمضان کا روزہ رکھنا۔

(صحیح بخاری، باب قول النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بنی الاسلام الخ، ج 1، ص 11، دار طوق النجاۃ ☆ صحیح مسلم، کتاب الإیمان، باب بیان أرکان الإسلام، ج 01، ص 45، مکتبہ دار إحیاء التراث العربی - بیروت)

پانچ نمازیں پڑھیے اور پچاس نمازوں کا ثواب کمائیے

صحیح بخاری میں ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((فَفَرَضَ اللّٰهُ عزوجل عَلَى أُمَّتِي خَمْسِينَ صَلَاةً فَرَجَعْتُ بِذٰلِكَ حَتّٰى مَرَرْتُ عَلَى مُوسَى، فَقَالَ: مَا فَرَضَ اللّٰهُ لَكَ عَلَى أُمَّتِكَ؟ قُلْتُ: فَرَضَ خَمْسِينَ صَلَاةً قَالَ: فَارْجِعْ إِلَى رَبِّكَ فَإِنَّ أُمَّتَكَ لَا تُطِيقُ ذٰلِكَ فَرَاجَعْتُ، فَوَضَعَ شَطْرَهَا، فَرَجَعْتُ إِلَى مُوسَى، قُلْتُ: وَضَعَ شَطْرَهَا فَقَالَ: رَاجِعْ رَبَّكَ فَإِنَّ أُمَّتَكَ لَا تُطِيقُ، فَرَاجَعْتُ فَوَضَعَ شَطْرَهَا، فَرَجَعْتُ إِلَيْهِ، فَقَالَ: ارْجِعْ إِلَى رَبِّكَ فَإِنَّ أُمَّتَكَ لَا تُطِيقُ ذٰلِكَ فَرَاجَعْتُهُ فَقَالَ: هِيَ خَمْسٌ، وَهِيَ خَمْسُونَ، لَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ فَرَجَعْتُ إِلَى مُوسَى، فَقَالَ: رَاجِعْ رَبَّكَ فَقُلْتُ: اسْتَحْيَيْتُ مِنْ رَبِّي)) ترجمہ: اللہ عزوجل نے میری امت پر پچاس نمازیں فرض فرمائیں، میں اس حکم کے ساتھ واپس آیا، یہاں تک کہ میں موسیٰ علیہ السلام کے پاس پہنچا تو انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی امت پر کیا فرض کیا ہے؟ میں نے کہا: پچاس نمازیں، کہا: اپنے رب کی بارگاہ میں واپس جائیے کہ آپ کی امت اتنی نمازیں پڑھنے کی طاقت نہیں رکھے گی، میں اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہوا تو اللہ تعالیٰ نے کچھ حصہ کم فرما دیا، پھر واپس آ کر موسیٰ علیہ السلام کو بتایا کہ اللہ نے کچھ کم کر دی ہیں انہوں نے کہا: آپ پھر جائیں کہ آپ کی امت اس کی طاقت نہ رکھ سکے گی، میں پھر گیا تو اللہ تعالیٰ نے ان میں سے کچھ اور کم کر دیا میں پھر موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا انہوں نے پھر کہا کہ آپ واپس جائیں کہ آپ کی امت اتنی نمازوں کی طاقت نہ رکھ سکے گی، میں پھر واپس اللہ عزوجل کی بارگاہ میں حاضر ہوا تو اللہ عزوجل نے فرمایا: یہ نمازیں پانچ ہیں لیکن ان کا ثواب پچاس کے برابر ہوگا کہ میرا قول نہیں بدلتا، میں پھر جب موسیٰ کے پاس آیا تو انہوں نے پھر کہا کہ واپس جائیے، میں نے کہا کہ اب مجھے اپنے رب سے حیا آتی ہے۔ (صحیح بخاری، کیف فرضت الصلوۃ فی الاسراء، ج1، ص78، مطبوعہ دار طوق النجاۃ)

موسیٰ علیہ السلام نے وصال ظاہری کے بعد بھی ہماری مدد فرمائی، اللہ عزوجل کے پیارے نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام ہم سے محبت کرتے ہیں اور آپ کو پہلے ہی سے یہ علم تھا، ہم سست لوگوں کو پہچانتے تھے کہ پچاس تو پچاس یہ لوگ پانچ بھی نہیں پڑھ سکیں گے۔

جنت میں لے جانے والا عمل

جامع ترمذی میں ہے:((عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ، قَالَ:كُنْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَفَرٍ، فَأَصْبَحْتُ يَوْمًا قَرِيبًا مِنْهُ وَنَحْنُ نَسِيرُ، فَقُلْتُ:يَا رَسُولَ اللَّهِ أَخْبِرْنِي بِعَمَلٍ يُدْخِلُنِي الجَنَّةَ وَيُبَاعِدُنِي عَنِ النَّارِ، قَالَ :لَقَدْ سَأَلْتَنِي عَنْ عَظِيمٍ، وَإِنَّهُ لَيَسِيرٌ عَلَى مَنْ يَسَّرَهُ اللَّهُ عَلَيْهِ تَعْبُدُ اللَّهَ وَلَا تُشْرِكْ بِهِ شَيْئًا، وَتُقِيمُ الصَّلَاةَ وَتُؤْتِي الزَّكَاةَ وَتَصُومُ رَمَضَانَ، وَتَحُجُّ البَيْتَ)) ترجمہ: حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں، میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں تھا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سوال کیا، وہ عمل ارشاد ہو کہ مجھے جنت میں لے جائے اور جہنم سے بچائے؟ فرمایا: اللہ تعالیٰ کی عبادت کر اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کر اور نماز قائم رکھ اور زکاۃ دے اور رمضان کا روزہ رکھ اور بیت اللہ کا حج کر۔ (جامع الترمذی، أبواب الإیمان، باب ماجاء فی حرمۃ الصلاۃ، الحدیث:، ج04، ص308، دار الغرب الإسلامی، بیروت)

گناہوں کا کفارہ

صحیح مُسلم میں ہے: ((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ:الصَّلَاةُ الْخَمْسُ، وَالْجُمْعَةُ إِلَى الْجُمْعَةِ كَفَّارَةٌ لِمَا بَيْنَهُنَّ، مَا لَمْ تُغْشَ الْكَبَائِرُ)) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی، کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: پانچ نمازیں اور جمعہ سے جمعہ تک اور رمضان سے رمضان تک ان تمام گناہوں کو مٹا دیتے ہیں، جو ان کے درمیان ہوں جب کہ کبائر سے بچا جائے۔

(صحیح مسلم، کتاب الطہارۃ، باب الصلاۃ الخمس، جلد 01، ص209، مکتبہ دار إحیاء التراث العربی، بیروت)

نماز سے گناہ دھلتے ہیں

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ((أَرَأَيْتُمْ لَوْ أَنَّ نَهْرًا بِبَابِ أَحَدِكُمْ يَغْتَسِلُ مِنْهُ كُلَّ يَوْمٍ خَمْسَ مَرَّاتٍ هَلْ يَبْقَى مِنْ دَرَنِهِ شَيْءٌ؟ قَالُوا: لَا يَبْقَى مِنْ دَرَنِهِ شَيْءٌ، قَالَ:فَذَلِكَ مَثَلُ الصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ، يَمْحُو اللهُ بِهِنَّ الْخَطَايَا)) ترجمہ: بتاؤ تو کسی کے دروازہ پر نہر ہو وہ اس میں ہر روز پانچ بار غسل کرے کیا اس کے بدن پر میل رہ جائے گا؟ عرض کی نہ۔ فرمایا: یہی مثال پانچوں نمازوں کی ہے، کہ اللہ تعالیٰ ان کے سبب خطاؤں کو محو فرما دیتا ہے۔

(صحیح مسلم، کتاب المساجد، باب المشی إلی الصلاۃ، ج01، ص462، دار إحیاء التراث العربی، بیروت)

نمازیں گناہوں کو ختم کرتی ہیں

صحیح بخاری میں ہے:((عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ، أَنَّ رَجُلًا أَصَابَ مِنَ امْرَأَةٍ قُبْلَةً فَأَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَأَخْبَرَهُ فَأَنْزَلَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ: ﴿أَقِمِ الصَّلَاةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِنَ اللَّيْلِ، إِنَّ الحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ﴾ (هود114) فَقَالَ الرَّجُلُ:يَا رَسُولَ اللَّهِ أَلِي هَذَا؟ قَالَ:لِجَمِيعِ أُمَّتِي كُلِّهِمْ)) ترجمہ: حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ایک صاحب سے ایک گناہ صادر ہوا، حاضر ہو کر عرض کی، اُس پر یہ آیت نازل ہوئی:﴿اَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِيْنَ﴾ نماز قائم کر دن کے دونوں کناروں اور رات کے کچھ حصہ میں بے شک نیکیاں گناہوں کو دور کرتی ہیں، یہ نصیحت ہے، نصیحت ماننے والوں کے لیے۔ انھوں نے عرض کی، یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم! کیا یہ خاص میرے لیے ہے؟ فرمایا: میری سب اُمت کے لیے۔ (صحیح البخاری، کتاب مواقیت الصلاۃ، باب الصلاۃ کفارۃ ج01،ص111، مکتبہ دار طوق النجاۃ)

نمازی کے گناہ اس طرح جھڑتے ہیں جس طرح خزاں میں درخت کے پتے

حضرت سیدنا ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:((انَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ زَمَنَ الشِّتَاءِ وَالْوَرَقُ يَتَهَافَتُ فَأَخَذَ بِغُصْنَيْنِ مِنْ شَجَرَةٍ قَالَ:فَجَعَلَ ذَلِكَ الْوَرَقُ يَتَهَافَتُ، قَالَ:فَقَالَ:يَا أَبَا ذَرٍّ "قُلْتُ:لَبَّيْكَ يَا رَسُولَ اللهِ .قَالَ:إِنَّ الْعَبْدَ الْمُسْلِمَ لَيُصَلِّي الصَّلَاةَ يُرِيدُ بِهَا وَجْهَ اللهِ فَتَهَافَتُ عَنْهُ ذُنُوبُهُ كَمَا يَتَهَافَتُ هَذَا الْوَرَقُ عَنْ هَذِهِ الشَّجَرَةِ)) ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سردیوں میں باہر تشریف لے گئے، پت جھاڑ کا زمانہ تھا، دو ٹہنیاں پکڑ لیں، پتے گرنے لگے، فرمایا: اے ابوذر! میں نے عرض کی، لبیک یارسول اللہ! فرمایا: مسلمان بندہ اللہ تعالیٰ کے لیے نماز پڑھتا ہے، تو اس سے گناہ ایسے گرتے ہیں جیسے اس درخت سے یہ پتے۔

(المسند "للإمام أحمد بن حنبل، مسند الأنصار، حدیث أبي ذر الغفاري، ج35، ص440,441، موسسۃ الرسالہ، بیروت)

سب سے محبوب عمل

صحیح بخاری و مسلم میں ہے:((عَبْدِ اللَّهِ قَالَ:سَأَلْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:أَيُّ العَمَلِ أَحَبُّ إِلَى اللَّهِ؟ قَالَ:الصَّلَاةُ عَلَى وَقْتِهَا، قَالَ:ثُمَّ أَيٌّ؟ قَالَ:ثُمَّ بِرُّ الوَالِدَيْنِ قَالَ:ثُمَّ أَيٌّ؟ قَالَ:الجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ قَالَ:حَدَّثَنِي

بِهِنَّ، وَلَوِ اسْتَزَدْتُهُ لَزَادَنِي)) ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں، میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سوال کیا اعمال میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب کیا ہے؟ فرمایا: وقت کے اندر نماز۔ میں نے عرض کی، پھر کیا؟ فرمایا: ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنا۔ میں نے عرض کی، پھر کیا؟ فرمایا: راہِ خدا میں جہاد۔

(صحیح البخاری"، کتاب مواقیت الصلاۃ، باب الصلاۃ کفارۃ، ج01، ص 112، مکتبہ دار طوق النجاۃ)

نماز دین کا ستون ہے

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں: ((جَاءَ رَجُلٌ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ أَيُّ شَيْءٍ أَحَبُّ عِنْدَ اللهِ فِي الْإِسْلَامِ؟ قَالَ: الصَّلَاةُ لِوَقْتِهَا، وَمَنْ تَرَكَ الصَّلَاةَ فَلَا دِينَ لَهُ وَالصَّلَاةُ عِمَادُ الدِّينِ)) ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک صاحب نے عرض کی، یارسول اللہ (عزوجل وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)! اسلام میں سب سے زیادہ اللہ کے نزدیک محبوب کیا چیز ہے؟ فرمایا: وقت میں نماز پڑھنا اور جس نے نماز چھوڑی اس کا کوئی دین نہیں۔ نماز دین کا ستون ہے۔

(شعب الإیمان"، باب فی الصلوات، ج04، ص300، مکتبۃ الرشد للنشر والتوزیع بالریاض بالتعاون مع الدار السلفیۃ بومبای بالہند)

بچے سات سال کے ہوں تو انہیں نماز کا حکم دو

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((مُرُوا أَوْلَادَكُمْ بِالصَّلَاةِ وَهُمْ أَبْنَاءُ سَبْعِ سِنِينَ، وَاضْرِبُوهُمْ عَلَيْهَا، وَهُمْ أَبْنَاءُ عَشْرٍ وَفَرِّقُوا بَيْنَهُمْ فِي الْمَضَاجِعِ)) ترجمہ: جب تمھارے بچے سات برس کے ہوں، تو اُنھیں نماز کا حکم دو اور جب دس برس کے ہو جائیں، تو مار کر پڑھاؤ اور ان کے بستر الگ کردو۔

(سنن أبی داود، کتاب الصلاۃ، باب متی یؤمر الغلام بالصلاۃ، ج01، ص133، المکتبۃ العصریۃ، صیدا، بیروت)

گناہ معاف، درجہ بلند

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((مَنْ تَطَهَّرَ فِي بَيْتِهِ ثُمَّ مَشَى إِلَى بَيْتٍ مِنْ بُيُوتِ اللهِ لِيَقْضِيَ فَرِيضَةً مِنْ فَرَائِضِ اللهِ كَانَتْ خَطْوَتَاهُ إِحْدَاهُمَا تَحُطُّ خَطِيئَةً وَالْأُخْرَى تَرْفَعُ دَرَجَةً)) ترجمہ: جو شخص اپنے گھر میں طہارت (وضو و غسل) کر کے فرض ادا کرنے کے لیے مسجد

کو جاتا ہے، تو ایک قدم پر ایک گناہ محو ہوتا، دوسرے پر ایک درجہ بلند ہوتا ہے۔

(صحیح مسلم، کتاب المساجد، باب المشی إلی الصلاۃ، ج01، ص462، مکتبہ دار إحیاء التراث العربی - بیروت)

قیامت کے دن سب سے پہلے نماز کا حساب لیا جائے گا

نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((أَوَّلُ مَا یُحَاسَبُ بِهِ الْعَبْدُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ الصَّلَاةُ فَإِنْ صَلَحَتْ صَلَحَ لَهُ سَائِرُ عَمَلِهِ وَإِنْ فَسَدَتْ فَسَدَ سَائِرُ عَمَلِهِ)) ترجمہ: سب سے پہلے قیامت کے دن بندہ سے نماز کا حساب لیا جائے گا، اگر یہ درست ہوئی تو باقی اعمال بھی ٹھیک رہیں گے اور یہ بگڑی تو سبھی بگڑے۔

(المعجم الأوسط "للطبرانی، باب الألف، ج2، ص240، مکتبہ دار الحرمین، القاہرۃ)

اعضائے سجود کو کھانا جہنم کی آگ پر حرام

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((تَأْکُلُ النَّارُ ابْنَ آدَمَ إِلَّا أَثَرَ السُّجُودِ، حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَى النَّارِ أَنْ تَأْکُلَ أَثَرَ السُّجُودِ)) ترجمہ: (جو مسلمان جہنم میں جائے گا والعیاذ باللہ تعالیٰ) اس کے پورے بدن کو آگ کھائے گی سوا اعضائے سجود کے، اللہ تعالیٰ نے ان کا کھانا آگ پر حرام کر دیا ہے۔

(سنن ابن ماجہ، أبواب الزھد، باب صفۃ النار، ج2، ص1446، دار إحیاء الکتب العربیۃ، فیصل عیسی البابی الحلبی)

جنت کی کنجی نماز

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، حضور نبی رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((مِفْتَاحُ الصَّلَاةِ الْوُضُوءُ وَمِفْتَاحُ الْجَنَّةِ الصَّلَاةُ)) ترجمہ: جنت کی کنجی نماز ہے اور نماز کی کنجی طہارت۔

(مسند أبی داود الطیالسی، جلد3، ص337، مکتبہ دار ہجر، مصر)

حج کرنے والے جیسا اجر

حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((مَنْ خَرَجَ مِنْ بَیْتِهِ مُتَطَهِّرًا إِلَى صَلَاةٍ مَکْتُوبَةٍ فَأَجْرُهُ کَأَجْرِ الْحَاجِّ الْمُحْرِمِ، وَمَنْ خَرَجَ إِلَى تَسْبِیحِ الضُّحَى لَا یَنْصِبُهُ إِلَّا إِیَّاهُ فَأَجْرُهُ کَأَجْرِ الْمُعْتَمِرِ، وَصَلَاةٌ عَلَى أَثَرِ صَلَاةٍ لَا لَغْوَ بَیْنَهُمَا کِتَابٌ فِی عِلِّیِّینَ)) ترجمہ: جو طہارت کر کے اپنے

گھر سے فرض نماز کے لیے نکلا اس کا اجر ایسا ہے جیسا حج کرنے والے محرم کا اور جو چاشت کے لیے نکلا اس کا اجر عمرہ کرنے والے کی مثل ہے "اور ایک نماز دوسری نماز تک کہ دونوں کے درمیان میں کوئی لغو بات نہ ہو علیّین میں لکھی ہوئی ہے۔ (یعنی درجہ قبول کو پہنچتی ہے۔) (سنن أبي داود، کتاب الصلاۃ، باب ماجاء في فضل المشی إلی الصلاۃ، ج1 ص153، المکتبۃ العصریۃ، صیدا، بیروت)

سجدہ میں بندہ اللہ عزوجل سے قریب تر ہوتا ہے

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((أقرب ما یکون العبد من ربه وهو ساجد)) ترجمہ: بندسجدہ کی حالت میں اپنے رب سے قریب تر ہوتا ہے۔

(صحیح مسلم، جلد 01، صفحہ 350، مکتبہ دار إحیاء التراث العربي، بیروت)

جہنم سے براءت

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((من صلی رکعتین في خلأ لا یراہ إلا اللہ والملائکۃ کتب له براءۃ من النار)) ترجمہ: جو تنہائی میں دو رکعت نماز پڑھے کہ اللہ عزوجل اور فرشتوں کے سوا کوئی نہ دیکھے، اس کے لیے جہنم سے براءت لکھ دی جاتی ہے۔

(کنز العمال، کتاب الصلاۃ، ج7 ص308، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت)

وقت پر نمازیں پڑھنے والے کے لیے بخشش کا عہد

عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ((خَمْسُ صَلَوَاتٍ افْتَرَضَهُنَّ اللّٰهُ تَعَالَى مَنْ أَحْسَنَ وُضُوءَهُنَّ وَصَلَّاهُنَّ لِوَقْتِهِنَّ وَأَتَمَّ رُكُوعَهُنَّ وَخُشُوعَهُنَّ كَانَ لَهُ عَلَى اللّٰهِ عَهْدٌ أَنْ يَغْفِرَ لَهُ وَمَنْ لَمْ يَفْعَلْ فَلَيْسَ لَهُ عَلَى اللّٰهِ عَهْدٌ إِنْ شَاءَ غَفَرَ لَهُ وَإِنْ شَاءَ عَذَّبَهُ)) ترجمہ: پانچ نمازیں اللہ تعالیٰ نے بندوں پر فرض کیں، جس نے اچھی طرح وضو کیا اور نمازیں وقت میں پڑھیں اور رکوع وخشوع کو پورا کیا تو اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ کرم پر عہد کر لیا ہے کہ اسے بخش دے، اور جس نے نہ کیا اس کے لیے عہد نہیں، چاہے بخش دے، چاہے عذاب کرے۔ (سنن أبي داود، کتاب الصلاۃ، باب المحافظۃ علی الصلوات، ج1 ص115، المکتبۃ العصریۃ، صیدا، بیروت)

توحید اور نماز سے بہتر کوئی چیز نہیں

حضرت ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راویت ہے، حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((إن اللہ عز وجل لا یفترض شیئا أفضل من التوحید والصلاۃ ولو کان شیء أفضل منہ لافترضہ علی ملائکتہ منھم راکع وساجد)) ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے کوئی ایسی چیز فرض نہ کی، جو توحید اور نماز سے بہتر ہو، اگر اس سے بہتر کوئی چیز ہوتی تو وہ ضرور ملائکہ پر فرض کرتا، ان میں کوئی رکوع میں ہے، کوئی سجدے میں۔

(الفردوس بمأثور الخطاب، ج1، ص165، دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

فرشتے استغفار کرتے ہیں

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راویت ہے، حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((إنَّ أَحَدَکُمْ إِذَا دَخَلَ الْمَسْجِدَ کَانَ فِی صَلَاۃٍ مَا کَانَتِ الصَّلَاۃُ تَحْبِسُہُ وَالْمَلَائِکَۃُ یُصَلُّونَ عَلَى أَحَدِکُمْ مَا دَامَ فِی مَجْلِسِہِ الَّذِی صَلَّى فِیہِ یَقُولُونَ: اللَّھُمَّ اغْفِرْ لَہُ اللَّھُمَّ ارْحَمْہُ اللَّھُمَّ تُبْ عَلَیْہِ، مَا لَمْ یُحْدِثْ فِیہِ)) تم میں سے جب کوئی مسجد آئے، نماز میں ایسا مشغول ہو کہ نماز اسے روک لے یعنی اپنی جگہ بیٹھا رہے۔ تو فرشتے اس کے لیے استغفار کرتے ہوئے کہتے ہیں: اللَّھُمَّ اغْفِرْ لَہُ اللَّھُمَّ ارْحَمْہُ اللَّھُمَّ تُبْ عَلَیْہِ۔ جب تک نماز پڑھنے کی جگہ بیٹھا رہے، جب تک بے وضو نہ ہو جائے۔

(سنن ابن ماجہ واللفظ لہ، ج1، ص262، دار إحیاء الکتب العربیۃ، فیصل عیسی البابی الحلبی ☆ سنن أبی داود، کتاب الصلاۃ، باب ما جاء فی فضل المشی إلی الصلاۃ، ج1، ص153، المکتبۃ العصریۃ، صیدا، بیروت)

سب سے پسندیدہ حالت

حضور نور مجسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((مَا مِنْ حَالٍ یَکُونُ عَلَیْھَا الْعَبْدُ أَحَبُّ إِلَى اللَّہِ مِنْ أَنْ یَرَاہُ سَاجِدًا مُعَفِّرًا وَجْھَہُ فِی التُّرَابِ)) اللہ تعالیٰ کے نزدیک بندہ کی یہ حالت سب سے زیادہ پسند ہے کہ اسے سجدہ کرتا دیکھے کہ اپنا منہ خاک پر رگڑ رہا ہے۔ (المعجم الأوسط للطبرانی، باب المیم، ج6، ص158، دار الحرمین، القاھرۃ)

نماز کی وجہ سے زمین کی بزرگی

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راویت ہے، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ((مَا مِنْ صَبَاحٍ وَلَا رَوَاحٍ إِلَّا

وبقاعُ الْاَرْضِ تُنَادِي بَعْضُهَا بَعْضًا: يَا جَارَةُ هَلْ مَرَّ بِكِ الْيَوْمَ عَبْدٌ صَالِحٌ صَلَّى عَلَيْكِ أَوْ ذَكَرَ اللَّهَ؟ فَإِنْ قَالَتْ: نَعَمْ رَأَتْ لَهَا بِذَلِكَ عَلَيْهَا فَضْلًا)) کوئی صبح وشام نہیں مگر زمین کا ایک ٹکڑا دوسرے کو پکارتا ہے، آج تجھ پر کوئی نیک بندہ گزرا جس نے تجھ پر نماز پڑھی یا ذکرِ الٰہی کیا؟ اگر وہ ہاں کہے تو اس کے لیے اس سبب سے اپنے اوپر بزرگی تصور کرتا ہے۔ (المعجم الأوسط "للطبرانی، باب الألف، ج1، ص177، دار الحرمین، القاہرۃ)

جنتوں کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں

حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے حضور نبی محتشم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ((إن العَبْدَ إذا قَامَ فِي الصَّلَاةِ فتحت لَهُ الْجِنان وكشفت لَهُ الْحجب بَيْنه وبَيْن ربه واستقبله الْحور الْعين مَا لم يمتخط أو يتنخع)) بندہ جب نماز کے لیے کھڑا ہوتا ہے، اس کے لیے جنتوں کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں اور اس کے اور پروردگار کے درمیان حجاب ہٹا دیے جاتے ہیں، اور حورعین اس کا استقبال کرتی ہیں، جب تک نہ ناک سنکے، نہ کھنکارے۔ (الترغیب والترہیب للمنذری، کتاب الصلاۃ، الترھیب من البصاق فی المسجد، ج1، ص126 دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

یہ فضائل مطلق نماز کے ہیں خاص خاص نمازوں کے متعلق جو احادیث وارد ہوئیں، ان میں بعض یہ ہیں:

فجر کی نماز کی فضیلت

حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راویت ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ((مَنْ صَلَّى الْغَدَاةَ كَانَ فِي ذِمَّةِ اللهِ حَتَّى يُمْسِيَ)) جو صبح کی نماز پڑھتا ہے، وہ شام تک اللہ کے ذمہ میں ہے۔

(المعجم الکبیر للطبرانی، ج12، ص311 مکتبۃ ابن تیمیۃ، القاہرۃ)

شیطان کا ساتھی

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ((مَنْ غَدَا إِلَى صَلَاةِ الصُّبْحِ غَدَا بِرَايَةِ الْإِيمَانِ، وَمَنْ غَدَا إِلَى السُّوقِ غَدَا بِرَايَةِ إِبْلِيس)) جو صبح نماز کو گیا، ایمان کے جھنڈے کے ساتھ گیا اور جو صبح بازار کو گیا، ابلیس کے جھنڈے کے ساتھ گیا۔

(سنن ابن ماجہ، أبواب التجارات، باب الأسواق، ودخولها، ج2، ص751، دار إحیاء الکتب العربیۃ، فیصل عیسی البابی الحلبی)

پوری رات قیام

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((مَنْ شَهِدَ الْعِشَاءَ وَالصُّبْحَ فِي جَمَاعَةٍ كَانَ لَهُ قِيَامُ لَيْلَةٍ)) جو نماز صبح کے لیے طالب ثواب ہو کر حاضر ہوا، گویا اس نے تمام رات قیام کیا (عبادت کی) اور جو نماز عشا کے لیے حاضر ہوا گویا اس نے نصف شب قیام کیا۔

(شعب الإیمان"، باب فی الصلاۃ فضل فی الجماعۃ، ج4، ص333، مکتبۃ الرشد للنشر والتوزیع بالریاض بالتعاون مع الدار السلفیۃ بومبای بالہند)

اگر جانتے تو سرین کے بل حاضر ہوتے

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ((مَا صَلَاةٌ أَثْقَلَ عَلَى الْمُنَافِقِينَ مِنْ صَلَاةِ الْعِشَاءِ وَالْفَجْرِ، وَلَوْ يَعْلَمُونَ مَا فِيهِمَا مِنَ الْفَضْلِ لَأَتَوْهُمَا وَلَوْ حَبْوًا)) سب نمازوں میں زیادہ گراں منافقین پر نماز عشا و فجر ہے اور جو ان میں فضیلت ہے، اگر جانتے تو ضرور حاضر ہوتے اگرچہ سرین کے بل گھسٹتے ہوئے یعنی جیسے بھی ممکن ہوتا۔ (المعجم الکبیر، ج10، ص99، مکتبۃ ابن تیمیۃ، القاہرۃ)

جہنم اور نفاق سے بری ہے

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ((مَنْ لَمْ يفته الرَّكْعَةُ الْأُولَى أَرْبَعِينَ صَبَاحًا، كَتَبَ اللَّهُ لَهُ بَرَاءَتَيْنِ، بَرَاءَةٌ مِنَ النَّارِ، وَبَرَاءَةٌ مِنَ النِّفَاقِ)) ترجمہ: جس نے چالیس دن نماز فجر با جماعت پڑھی، اس کو اللہ تعالیٰ دو براءتیں عطا فرمائے گا، ایک نار سے دوسری نفاق سے۔

(تاریخ بغداد، ج11، ص374، دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

دوزخ سے آزادی

حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راویت ہے، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ((مَنْ صَلَّى فِي مَسْجِدٍ جَمَاعَةً أَرْبَعِينَ لَيْلَةً لَا تَفُوتُهُ الرَّكْعَةُ الْأُولَى مِنْ صَلَاةِ الْعِشَاءِ كَتَبَ اللَّهُ لَهُ بِهَا عِتْقًا مِنَ النَّارِ)) جو مسجد جماعت میں چالیس راتیں نماز عشا پڑھے، کہ رکعت اولیٰ فوت نہ ہو، اللہ تعالیٰ اس کے لیے دوزخ سے آزادی لکھ دیتا ہے۔ (سنن ابن ماجہ"، أبواب المساجد، باب صلاۃ العشاء والفجر فی جماعۃ، ج1، ص261، دار إحیاء الکتب العربیۃ، فیصل عیسی البابی الحلبی)

نماز نہ پڑھنے کے بارے میں وعیدیں

ہر عاقل بالغ پر روزانہ پانچ وقت کی نماز فرض ہے، نماز کے فرض ہونے کا جو انکار کرے وہ کافر ہے۔ ایک بھی نماز جان بوجھ کر وقت گزار کر پڑھنا کبیرہ گناہ ہے اور معاذ اللہ بالکل ہی نہ پڑھنا یہ تو نہایت ہی سخت کبیرہ گناہ ہے بدقسمتی سے آج مسلمانوں کو نماز کی بالکل پرواہ ہی نہیں رہی، ہماری مسجدیں ویران رہتی ہیں، نماز کو ترک کرنے اور قضا کرنے کی کچھ وعیدیں ذکر کی جاتی ہیں تاکہ جو ایسا کرتے ہیں وہ عبرت حاصل کریں، اور نماز کے پابند بنیں۔

نماز کا مطلقاً ترک تو سخت ہولناک چیز ہے اسے قضا کر کے پڑھنے والوں کو اللہ جل جلالہ فرماتا ہے: ﴿ فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ . الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ﴾ ترجمہ: خرابی ان نمازیوں کے لیے جو اپنی نماز سے بے خبر ہیں، وقت گزار کر پڑھنے اٹھتے ہیں۔ (پارہ 30، سورۃ الماعون، آیت 4،5)

جہنم میں ایک وادی ہے، جس کی سختی سے جہنم بھی پناہ مانگتی ہے، اس کا نام "ویل" ہے، قصداً نماز قضا کرنے والے اس کے مستحق ہیں۔

اور فرماتا ہے: ﴿ فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا ﴾ ترجمہ: ان کے بعد کچھ ناخلف پیدا ہوئے جنھوں نے نمازیں ضائع کر دیں اور نفسانی خواہشوں کا اتباع کیا، عنقریب انھیں سخت عذاب طویل وشدید سے ملنا ہوگا۔ (پارہ 16، سورۃ مریم، آیت 59)

غیّ جہنم میں ایک وادی ہے، جس کی گرمی اور گہرائی سب سے زیادہ ہے، اس میں ایک کنواں ہے، جس کا نام "ہبہب" ہے، جب جہنم کی آگ بجھنے پر آتی ہے، اللہ عزوجل اس کوئیں کو کھول دیتا ہے، جس سے وہ بدستور بھڑکنے لگتی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿ كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنٰهُمْ سَعِيْرًا ﴾ ترجمہ: جب بجھنے پر آئے گی ہم انھیں اور بھڑک زیادہ کریں گے۔ (پارہ 15، سورۃ بنی اسرائیل، آیت 97)

یہ کنواں بے نمازوں اور زانیوں اور شرابیوں اور سود خواروں اور ماں باپ کو ایذا دینے والوں کے لیے ہے۔

قران مجید میں ہے کہ جب جنتی جہنمیوں سے پوچھیں گے کہ تمھیں کون سا عمل جہنم میں لے گیا تو وہ نہایت ہی

حسرت وافسوس کے ساتھ جواب دیں گے۔﴿فِیْ جَنّٰتٍ یَتَسَآءَلُوْنَ ۝ عَنِ الْمُجْرِمِیْنَ ۝ مَا سَلَکَکُمْ فِیْ سَقَرَ ۝ قَالُوْا لَمْ نَکُ مِنَ الْمُصَلِّیْنَ ۝ وَ لَمْ نَکُ نُطْعِمُ الْمِسْکِیْنَ ۝ وَ کُنَّا نَخُوْضُ مَعَ الْخَآئِضِیْنَ ۝ وَ کُنَّا نُکَذِّبُ بِیَوْمِ الدِّیْنِ ۝ حَتّٰی اَتٰىنَا الْیَقِیْنُ﴾ ترجمہ کنزالایمان: باغوں میں پوچھتے ہیں مجرموں سے تمہیں کیا بات دوزخ میں لے گئی وہ بولے ہم نماز نہ پڑھتے تھے اور مسکین کو کھانا نہ دیتے تھے اور بے ہودہ فکر والوں کے ساتھ بے ہودہ فکریں کرتے تھے. اور ہم انصاف کے دن کو جھٹلاتے رہے. یہاں تک کہ ہمیں موت آئی۔

(پارہ29،سورۃ المدثر،آیات40تا47)

احادیث کریمہ میں نماز نہ پڑھنے پر جو وعیدیں آئیں ان میں سے بعض یہ ہیں:

گویا کہ اہل و مال جاتے رہے

نوفل بن معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:((مِنَ الصَّلَاةِ صَلَاةٌ مَنْ فَاتَتْهُ فَكَأَنَّمَا وُتِرَ أَهْلَهُ وَمَالَهُ)) ترجمہ: جس کی کوئی نماز فوت ہوئی تو گویا اس کے اہل و مال جاتے رہے۔

(صحیح البخاری"، کتاب المناقب، باب علامات النبوۃ فی الا سلام، جلد4،صفحہ199،مکتبہ دارطوق النجاۃ ☆ صحیح مسلم، باب نزول الفتن الخ،ج4،ص2212،داراحیاء التراث العربی،بیروت)

بے نمازی سے اللہ و رسول بری الذمہ ہیں

حضرت اُمّ ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:((لا تترکن الصلاۃ متعمدا فإنه من ترک الصلاۃ متعمدا فقد برئت منه ذمة الله ورسوله" قصداً نماز ترک نہ کرو کہ جو قصداً نماز ترک کردیتا ہے، اللہ(عزوجل) اور اس کا رسول (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) اس سے بری الذمہ ہیں۔

(کنز العمال"، کتاب الصلاۃ، جلد7،صفحہ326،مکتبہ موسسۃ الرسالۃ)

نماز چھوڑنے والے کا نام جہنم کے دروازے پر

حضرت ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:((من ترک الصلاۃ متعمدا کتب اسمه علی باب النار ممن یدخلها)) ترجمہ: جس نے قصداً نماز چھوڑی، جہنم کے دروازے

پر اس کا نام لکھ دیا جاتا ہے جس سے وہ داخل ہوگا۔ (کنز العمال، بحوالہ ابی نعیم، کتاب الصلاۃ، ج7، ص325، مکتبۃ مؤسسۃ الرسالۃ)

تارکِ نماز کا کوئی دین نہیں

حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((تَرَكَ الصَّلَاةَ فَلَا دِينَ لَهُ وَالصَّلَاةُ عِمَادُ الدِّينِ)) جس نے نماز چھوڑ دی اس کا کوئی دین نہیں، نماز دین کا ستون ہے۔

(شعب الایمان، جلد4، صفحہ 300، مکتبۃ الرشد للنشر والتوزیع بالریاض بالتعاون مع الدار السلفیۃ ببومبای بالہند)

بے نمازی کا اسلام میں کوئی حصہ نہیں

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ((لا سهم في الإسلام لمن لا صلاة له)) ترجمہ: اسلام میں اس کا کوئی حصہ نہیں، جس کے لیے نماز نہ ہو۔

(مسند البزار، مسند ابی حمزہ انس بن مالک، ج15، ص176، مکتبۃ العلوم الحکم، مدینہ منورہ)

قارون اور فرعون کے ساتھ حشر

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راویت ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ((مَنْ حَافَظَ عَلَيْهَا كَانَتْ لَهُ نُورًا، وَبُرْهَانًا، وَنَجَاةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَمَنْ لَمْ يُحَافِظْ عَلَيْهَا لَمْ يَكُنْ لَهُ نُورٌ، وَلَا بُرْهَانٌ، وَلَا نَجَاةٌ وَكَانَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَعَ قَارُونَ، وَفِرْعَوْنَ، وَهَامَانَ، وَأُبَيِّ بْنِ خَلَفٍ)) ترجمہ: جس نے نماز پر محافظت (مداومت) کی، قیامت کے دن وہ نماز اس کے لیے نور و برہان ونجات ہوگی اور جس نے محافظت نہ کی اس کے لیے نہ نور ہے نہ برہان نہ نجات اور قیامت کے دن قارون وفرعون وہامان واُبی بن خلف کے ساتھ ہوگا۔

(المسند للإمام أحمد بن حنبل، مسند عبداللہ بن عمرو، ج11، ص141، مؤسسۃ الرسالۃ)

سب کاموں سے اہم نماز ہے

بخاری و مسلم و موطا امام مالک میں ہے: ((عن مَالِكٌ، عَنْ نَافِعٍ، مَوْلَى عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ كَتَبَ إِلَى عُمَّالِهِ: إِنَّ أَهَمَّ أَمْرِكُمْ عِنْدِي الصَّلَاةُ مَنْ حَفِظَهَا وَحَافَظَ عَلَيْهَا، حَفِظَ دِينَهُ، وَمَنْ ضَيَّعَهَا، فَهُوَ لِمَا سِوَاهَا أَضْيَعُ)) امام مالک حضرت نافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راویت کرتے ہیں کہ حضرت امیر المومنین

فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے صوبوں کے پاس فرمان بھیجا کہ "تمھارے سب کاموں سے اہم میرے نزدیک نماز ہے" جس نے اس کا حفظ کیا اور اس پر محافظت کی اس نے اپنا دین محفوظ رکھا اور جس نے اسے ضائع کیا وہ اوروں کو بدرجہ اولیٰ ضائع کرے گا۔ (الموطا امام مالک، کتاب وقوت الصلاۃ، ج2،ص9، مؤسسۃ زاید بن سلطان آل نہیان للأعمال الخیریۃ والإنسانیۃ أبوظبی الإمارات)

اللہ تعالیٰ اس کی آنکھ نہ سلائے

حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ((من نام عن صلاۃ العشاء حتی یفوته وقتها فلا نامت عینه)) ترجمہ: جو نماز عشا چھوڑ کر سو جائے یہاں تک کہ عشا کا وقت فوت ہو جائے تو اللہ اس کی آنکھ کو نہ سلائے۔

(کنز العمال، ج7،ص401، مکتبہ مؤسسۃ الرسالۃ)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((أَلا من نَام عَن صَلَاۃ الْعَتَمَۃ حَتّٰی یذھب وَقتھا تقول مَلَائکته لَا نَامَتْ عَیْنك وَلَا قرت)) ترجمہ: خبردار جو شخص عشا کی نماز پڑھے بغیر سو جائے یہاں تک کہ اس کا وقت فوت ہو جائے تو اس کے فرشتے کہتے ہیں تیری آنکھیں نہ سوئیں اور نہ ہی ٹھنڈی ہوں۔ (الفردوس بماثور الخطاب، باب الالف، ج1،ص138، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

بے نمازی بعض صحابہ وائمہ کے نزدیک کافر ہے

جامع ترمذی میں ہے: ((عن عبد الله بن شقیق العقیلی، قال: کان أصحاب محمد صلی الله تعالیٰ علیه وآله وسلم لا یرون شیئا من الأعمال ترکه کفر غیر الصلاۃ)) عبد اللہ بن شقیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں: صحابہ کرام کسی عمل کے ترک کو کفر نہیں جانتے سوائے نماز کے۔

(جامع الترمذی"، أبواب الإیمان، باب ماجاء فی ترک الصلاۃ، ج4،ص 310، دار الغرب الإسلامی، بیروت)

صدر الشریعہ مفتی امجد علی اعظمی فرماتے ہیں:

بہت سی ایسی حدیثیں آئیں جن کا ظاہر یہ ہے کہ قصداً نماز کا ترک کفر ہے اور بعض صحابہ کرام مثلاً حضرت امیر المومنین فاروق اعظم وعبد الرحمٰن بن عوف وعبد اللہ بن مسعود وعبد اللہ بن عباس و جابر بن عبد اللہ ومعاذ بن جبل وابوہریرہ و ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا یہی مذہب تھا اور بعض ائمہ مثلاً امام احمد بن حنبل واسحاق بن راہویہ وعبد اللہ بن مبارک وامام نخعی کا

بھی یہی مذہب تھا، اگر چہ ہمارے امام اعظم و دیگر آئمہ نیز بہت سے صحابہ کرام اس کی تکفیر نہیں کرتے پھر بھی یہ کیا تھوڑی بات ہے کہ ان جلیل القدر حضرات کے نزدیک ایسا شخص "کافر" ہے۔ (بہار شریعت، ج1، حصہ 3، ص442، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

سر پتھر سے کچلا جا رہا تھا

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں: ((كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِمَّا يُكْثِرُ أَنْ يَقُولَ لِأَصْحَابِهِ :هَلْ رَأَى أَحَدٌ مِنْكُمْ مِنْ رُؤْيَا قَالَ :فَيَقُصُّ عَلَيْهِ مَنْ شَاءَ اللّٰهُ أَنْ يَقُصَّ، وَإِنَّهُ قَالَ ذَاتَ غَدَاةٍ :إِنَّهُ أَتَانِي اللَّيْلَةَ آتِيَانِ، وَإِنَّهُمَا ابْتَعَثَانِي، وَإِنَّهُمَا قَالَا لِي انْطَلِقْ، وَإِنِّي انْطَلَقْتُ مَعَهُمَا، وَإِنَّا أَتَيْنَا عَلَى رَجُلٍ مُضْطَجِعٍ، وَإِذَا آخَرُ قَائِمٌ عَلَيْهِ بِصَخْرَةٍ وَإِذَا هُوَ يَهْوِي بِالصَّخْرَةِ لِرَأْسِهِ فَيَثْلَغُ رَأْسَهُ، فَيَتَدَهْدَهُ الْحَجَرُ هَا هُنَا، فَيَتْبَعُ الْحَجَرَ فَيَأْخُذُهُ فَلَا يَرْجِعُ إِلَيْهِ حَتَّى يَصِحَّ رَأْسُهُ كَمَا كَانَ، ثُمَّ يَعُودُ عَلَيْهِ فَيَفْعَلُ بِهِ مِثْلَ مَا فَعَلَ الْمَرَّةَ الْأُولَى قَالَ:قُلْتُ لَهُمَا:سُبْحَانَ اللّٰهِ مَا هَذَانِ؟ "قَالَ:قَالَا لِي:انْطَلِقِ انْطَلِقْ "قَالَ:فَانْطَلَقْنَا، فَأَتَيْنَا عَلَى رَجُلٍ مُسْتَلْقٍ لِقَفَاهُ وَإِذَا آخَرُ قَائِمٌ عَلَيْهِ بِكَلُّوبٍ مِنْ حَدِيدٍ، وَإِذَا هُوَ يَأْتِي أَحَدَ شِقَّيْ وَجْهِهِ فَيُشَرْشِرُ شِدْقَهُ إِلَى قَفَاهُ وَمَنْخِرَهُ إِلَى قَفَاهُ وَعَيْنَهُ إِلَى قَفَاهُ قَالَ:وَرُبَّمَا قَالَ أَبُو رَجَاءٍ:فَيَشُقُّ ،قَالَ:ثُمَّ يَتَحَوَّلُ إِلَى الْجَانِبِ الْآخَرِ فَيَفْعَلُ بِهِ مِثْلَ مَا فَعَلَ بِالْجَانِبِ الْأَوَّلِ، فَمَا يَفْرُغُ مِنْ ذَلِكَ الْجَانِبِ حَتَّى يَصِحَّ ذَلِكَ الْجَانِبُ كَمَا كَانَ، ثُمَّ يَعُودُ عَلَيْهِ فَيَفْعَلُ مِثْلَ مَا فَعَلَ الْمَرَّةَ الْأُولَى قَالَ:قُلْتُ:سُبْحَانَ اللّٰهِ مَا هَذَانِ؟ "قَالَ:قَالَا لِي:انْطَلِقِ انْطَلِقْ، فَانْطَلَقْنَا، فَأَتَيْنَا عَلَى مِثْلِ التَّنُّورِ -قَالَ:فَأَحْسِبُ أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ -فَإِذَا فِيهِ لَغَطٌ وَأَصْوَاتٌ "قَالَ:فَاطَّلَعْنَا فِيهِ، فَإِذَا فِيهِ رِجَالٌ وَنِسَاءٌ عُرَاةٌ وَإِذَا هُمْ يَأْتِيهِمْ لَهَبٌ مِنْ أَسْفَلَ مِنْهُمْ، فَإِذَا أَتَاهُمْ ذَلِكَ اللَّهَبُ ضَوْضَوْا قَالَ:قُلْتُ لَهُمَا:مَا هَؤُلَاءِ؟ "قَالَ:قَالَا لِي:انْطَلِقِ انْطَلِقْ "قَالَ:فَانْطَلَقْنَا، فَأَتَيْنَا عَلَى نَهَرٍ حَسِبْتُ أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ -أَحْمَرَ مِثْلِ الدَّمِ، وَإِذَا فِي النَّهَرِ رَجُلٌ سَابِحٌ يَسْبَحُ، وَإِذَا عَلَى شَطِّ النَّهَرِ رَجُلٌ قَدْ جَمَعَ عِنْدَهُ حِجَارَةً كَثِيرَةً وَإِذَا ذَلِكَ السَّابِحُ يَسْبَحُ مَا يَسْبَحُ، ثُمَّ يَأْتِي ذَلِكَ الَّذِي قَدْ جَمَعَ عِنْدَهُ الْحِجَارَةَ فَيَفْغَرُ لَهُ فَاهُ فَيُلْقِمُهُ حَجَرًا فَيَنْطَلِقُ يَسْبَحُ، ثُمَّ يَرْجِعُ إِلَيْهِ كُلَّمَا رَجَعَ إِلَيْهِ فَغَرَ لَهُ فَاهُ فَأَلْقَمَهُ حَجَرًا قَالَ:قُلْتُ لَهُمَا:مَا هَذَانِ؟قَالَ:قَالَا لِي:انْطَلِقِ انْطَلِقْ "قَالَ:فَانْطَلَقْنَا، فَأَتَيْنَا عَلَى رَجُلٍ كَرِيهِ الْمَرْآةِ كَأَكْرَهِ مَا أَنْتَ رَاءٍ رَجُلًا مَرْآةً وَإِذَا عِنْدَهُ نَارٌ يَحُشُّهَا وَيَسْعَى

حَوْلَهَا قَالَ:قُلْتُ لَهُمَا:مَا هَذَا؟قَالَ:قَالَا لِي :انْطَلِقِ انْطَلِقْ، فَانْطَلَقْنَا، فَأَتَيْنَا عَلَى رَوْضَةٍ مُعْتَمَّةٍ، فِيهَا مِنْ كُلِّ لَوْنِ الرَّبِيعِ، وَإِذَا بَيْنَ ظَهْرَيِ الرَّوْضَةِ رَجُلٌ طَوِيلٌ، لَا أَكَادُ أَرَى رَأْسَهُ طُولًا فِي السَّمَاءِ، وَإِذَا حَوْلَ الرَّجُلِ مِنْ أَكْثَرِ وِلْدَانٍ رَأَيْتُهُمْ قَطُّ "قَالَ" :قُلْتُ لَهُمَا :مَا هَذَا مَا هَؤُلَاءِ؟ "قَالَ" :قَالَا لِي :انْطَلِقِ انْطَلِقْ "قَالَ: فَانْطَلَقْنَا فَانْتَهَيْنَا إِلَى رَوْضَةٍ عَظِيمَةٍ، لَمْ أَرَ رَوْضَةً قَطُّ أَعْظَمَ مِنْهَا وَلَا أَحْسَنَ قَالَ" :قَالَا لِي :ارْقَ فِيهَا" قَالَ:فَارْتَقَيْنَا فِيهَا، فَانْتَهَيْنَا إِلَى مَدِينَةٍ مَبْنِيَّةٍ بِلَبِنِ ذَهَبٍ وَلَبِنِ فِضَّةٍ، فَأَتَيْنَا بَابَ الْمَدِينَةِ فَاسْتَفْتَحْنَا فَفُتِحَ لَنَا فَدَخَلْنَاهَا، فَتَلَقَّانَا فِيهَا رِجَالٌ شَطْرٌ مِنْ خَلْقِهِمْ كَأَحْسَنِ مَا أَنْتَ رَاءٍ، وَشَطْرٌ كَأَقْبَحِ مَا أَنْتَ رَاءٍ قَالَ:قَالَا لَهُمْ: اذْهَبُوا فَقَعُوا فِي ذَلِكَ النَّهَرِ "قَالَ :وَإِذَا نَهَرٌ مُعْتَرِضٌ يَجْرِي كَأَنَّ مَاءَهُ الْمَحْضُ فِي الْبَيَاضِ، فَذَهَبُوا فَوَقَعُوا فِيهِ، ثُمَّ رَجَعُوا إِلَيْنَا قَدْ ذَهَبَ ذَلِكَ السُّوءُ عَنْهُمْ، فَصَارُوا فِي أَحْسَنِ صُورَةٍ قَالَ" :قَالَا لِي :هَذِهِ جَنَّةُ عَدْنٍ وَهَذَاكَ مَنْزِلُكَ "قَالَ :فَسَمَا بَصَرِي صُعُدًا فَإِذَا قَصْرٌ مِثْلُ الرَّبَابَةِ الْبَيْضَاءِ قَالَ:قَالَا لِي :هَذَاكَ مَنْزِلُكَ" قَالَ:قُلْتُ لَهُمَا :بَارَكَ اللَّهُ فِيكُمَا ذَرَانِي فَأَدْخُلَهُ قَالَا :أَمَّا الْآنَ فَلَا، وَأَنْتَ دَاخِلُهُ "قَالَ:قُلْتُ لَهُمَا :فَإِنِّي قَدْ رَأَيْتُ مُنْذُ اللَّيْلَةِ عَجَبًا، فَمَا هَذَا الَّذِي رَأَيْتُ؟ "قَالَ:قَالَا لِي:أَمَا إِنَّا سَنُخْبِرُكَ، أَمَّا الرَّجُلُ الْأَوَّلُ الَّذِي أَتَيْتَ عَلَيْهِ يُثْلَغُ رَأْسُهُ بِالْحَجَرِ، فَإِنَّهُ الرَّجُلُ يَأْخُذُ الْقُرْآنَ فَيَرْفُضُهُ وَيَنَامُ عَنِ الصَّلَاةِ الْمَكْتُوبَةِ، وَأَمَّا الرَّجُلُ الَّذِي أَتَيْتَ عَلَيْهِ، يُشَرْشَرُ شِدْقُهُ إِلَى قَفَاهُ وَمَنْخِرُهُ إِلَى قَفَاهُ وَعَيْنُهُ إِلَى قَفَاهُ، فَإِنَّهُ الرَّجُلُ يَغْدُو مِنْ بَيْتِهِ، فَيَكْذِبُ الْكَذْبَةَ تَبْلُغُ الْآفَاقَ، وَأَمَّا الرِّجَالُ وَالنِّسَاءُ الْعُرَاةُ الَّذِينَ فِي مِثْلِ بِنَاءِ التَّنُّورِ، فَإِنَّهُمُ الزُّنَاةُ وَالزَّوَانِي، وَأَمَّا الرَّجُلُ الَّذِي أَتَيْتَ عَلَيْهِ يَسْبَحُ فِي النَّهَرِ وَيُلْقَمُ الْحَجَرَ، فَإِنَّهُ آكِلُ الرِّبَا، وَأَمَّا الرَّجُلُ الْكَرِيهُ الْمَرْآةِ الَّذِي عِنْدَ النَّارِ يَحُشُّهَا وَيَسْعَى حَوْلَهَا، فَإِنَّهُ مَالِكٌ خَازِنُ جَهَنَّمَ، وَأَمَّا الرَّجُلُ الطَّوِيلُ الَّذِي فِي الرَّوْضَةِ فَإِنَّهُ إِبْرَاهِيمُ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَأَمَّا الْوِلْدَانُ الَّذِينَ حَوْلَهُ فَكُلُّ مَوْلُودٍ مَاتَ عَلَى الْفِطْرَةِ "قَالَ :فَقَالَ بَعْضُ الْمُسْلِمِينَ :يَا رَسُولَ اللَّهِ، وَأَوْلَادُ الْمُشْرِكِينَ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:وَأَوْلَادُ الْمُشْرِكِينَ، وَأَمَّا الْقَوْمُ الَّذِينَ كَانُوا شَطْرٌ مِنْهُمْ حَسَنًا وَشَطْرٌ قَبِيحًا، فَإِنَّهُمْ قَوْمٌ خَلَطُوا عَمَلًا صَالِحًا وَآخَرَ سَيِّئًا، تَجَاوَزَ اللَّهُ عَنْهُمْ)) ترجمہ:رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اکثر اپنے صحابہ کرام علیہم الرضوان سے فرمایا کرتے: کیا تم میں سے کسی نے

کوئی خواب دیکھا ہے؟ راوی کہتے ہیں کہ "جس کو اللہ عزوجل چاہتا وہ اپنا خواب بیان کر دیتا۔" چنانچہ ایک صبح آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: آج رات میرے پاس دو فرشتے آئے، انہوں نے مجھے اٹھایا اور کہا": چلیں۔ میں ان کے ساتھ چل دیا، ہم ایک ایسے شخص کے پاس پہنچے جو لیٹا ہوا تھا جبکہ دوسرا شخص اس کے قریب پتھر لئے کھڑا تھا، وہ اس کے سر پر پتھر مارتا جس سے وہ پھٹ جاتا پھر وہ پتھر لڑھک کر دور جا گرتا اور وہ شخص پتھر اٹھانے کے لئے چلا جاتا اس کے لوٹنے سے پہلے ہی اس کا سر پہلے کی طرح درست ہو جاتا، پھر وہ واپس آ کر اس کے سر پر اسی طرح پتھر مارتا جس طرح پہلی دفعہ مارا تھا، میں نے ان دونوں فرشتوں سے کہا"سُبْحَانَ اللہ! یہ کون ہیں؟ "تو انہوں نے کہا ": آگے چلیں۔" لہٰذا ہم چل دیئے، پھر ہم ایک ایسے شخص کے پاس پہنچے جو چت لیٹا ہوا تھا اور دوسرا شخص اس کے پاس کھڑا تھا اور آنکس (یعنی لوہے کا ایسا راڈ جس کا ایک سرا قدرے مڑا ہوتا ہے) کے ذریعے اس کے جبڑے، نتھنے اور آنکھ کو گدی تک چیر دیتا تھا۔ "ابو عوف کہتے ہیں کہ کبھی ابو رجاء یوں بیان کرتے": وہ چیر کر دوسری جانب چلا جاتا اور وہاں بھی ایسا ہی کرتا جیسا پہلی طرف کیا تھا جب وہ ایک جانب چیر کر فارغ ہوتا تو دوسری جانب پہلے کی طرح درست ہو چکی ہوتی، پھر وہ دوبارہ ویسے ہی کرتا جیسے پہلی مرتبہ کیا تھا۔

میں نے پھر کہا": سُبْحَانَ اللہ! یہ کون ہیں؟ "تو انہوں نے کہا": اور آگے چلیں۔ "لہٰذا ہم چل دیئے یہاں تک کہ تنور جیسی ایک چیز کے پاس پہنچے۔ "راوی کہتے ہیں، میرا خیال ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی فرمایا": اس میں سے شور وغل کی آوازیں آ رہی تھیں، میں نے اس میں جھانک کر دیکھا تو اس میں ننگے مرد اور عورتیں نظر آئیں جب انہیں نیچے سے آگ کی لپٹ پہنچتی تو چیخنے چلانے لگتے۔

میں نے پوچھا": یہ کون ہیں؟ "تو انہوں نے کہا": مزید آگے چلیں۔ "لہٰذا ہم چل دیئے یہاں تک کہ ہم ایک نہر پر پہنچے۔ "راوی کہتے ہیں، میرا خیال ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی فرمایا تھا": وہ نہر خون کی طرح سرخ تھی، نہر کے اندر ایک شخص تیر رہا تھا جبکہ دوسرا شخص نہر کے کنارے کھڑا تھا اور اس کے پاس بہت سے پتھر جمع تھے، جب وہ اندر والا تیرتا ہوا اس شخص کے قریب آتا جس کے پاس بہت سے پتھر جمع تھے تو آ کر اپنا منہ کھول دیتا اور یہ اس کے منہ میں پتھر ڈال دیتا اور وہ تیرتا ہوا واپس چلا جاتا اور جب واپس لوٹ کر آتا تو اسی طرح یہ اس کے منہ میں پتھر ڈال دیتا۔"

میں نے ان دونوں سے پوچھا": یہ کون ہیں؟ "تو انہوں نے مجھ سے کہا": مزید آگے چلیں۔ "تو ہم چل دیئے یہاں تک کہ ایک نہایت ہی بدصورت آدمی کے پاس پہنچے اتنا بدصورت کہ تم نے کبھی دیکھا نہ ہو، اس کے پاس آگ تھی جسے وہ بھڑکا رہا تھا اور اس کے گرد دوڑ رہا تھا۔ میں نے پوچھا": یہ کون ہے؟ "تو انہوں نے کہا": آپ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم آگے چلیں۔ "ہم چل دیئے یہاں تک کہ ایک باغ میں پہنچے اس میں موسمِ بہار کے پھول کھلے ہوئے تھے، باغ کے درمیان ایک دراز قد شخص کھڑا تھا، آسمان سے باتیں کرتی ہوئی اس کی بلندی کے باعث میں اس کا سر نہ دیکھ سکا، اس شخص کے گرد اتنے بچے تھے جتنے میں نے کسی کے نہیں دیکھے۔

میں نے پوچھا: یہ شخص کون ہے اور یہ بچے کون ہیں؟ "تو انہوں نے کہا": آگے چلیں۔ "لہذا ہم چل دیئے پھر ہم ایک اتنے بڑے باغ میں پہنچے جتنا بڑا اور خوبصورت کوئی باغ میں نے نہیں دیکھا، انہوں نے مجھ سے کہا": اس پر چڑھیں۔ "چنانچہ ہم اس پر چڑھ گئے تو ہمیں ایک شہر نظر آیا جس کی ایک اینٹ سونے کی اور ایک چاندی کی تھی، جب ہم شہر کے دروازے پر پہنچے اور اسے کھولنے کے لئے کہا تو وہ ہمارے لئے کھول دیا گیا، ہم اس کے اندر داخل ہوئے تو اس میں ایسے لوگوں سے ملے جن کا نصف بدن تو اتنا خوبصورت تھا جتنا تم نے نہ دیکھا ہو اور نصف اتنا بدصورت کہ جتنا تم نے نہ دیکھا ہو، ان فرشتوں نے ان لوگوں سے کہا": جاؤ اور اس نہر میں کود پڑو۔ "وہ نہر چوڑائی میں بہہ رہی تھی اور اس کا پانی بالکل سفید تھا وہ لوگ جا کر اس نہر میں کود پڑے، پھر جب وہ لوٹ کر ہمارے پاس آئے تو ان کی بدصورتی دور ہو چکی تھی اور وہ خوبصورت ہو گئے تھے۔

ان فرشتوں نے مجھ سے کہا": یہ باغِ عدن ہے اور یہ آپ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کا مکان ہے۔ "میں نے نگاہ اٹھا کر دیکھا تو وہ سفید ابر یعنی بادل کی طرح تھا، میں نے ان سے کہا": اللہ عزوجل تمہیں برکت دے مجھے اس کے اندر جانے دو۔ "انہوں نے جواب دیا": ابھی نہیں، لیکن آپ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم اس میں ضرور داخل ہوں گے۔"

پھر میں نے ان سے کہا": رات بھر میں نے جو عجیب چیزیں دیکھیں وہ کیا ہیں؟ "تو انہوں نے کہا": ہم ابھی عرض کئے دیتے ہیں، **جس پہلے شخص کے پاس آپ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم پہنچے تھے اور جس کا سر پتھر سے کچلا جا رہا تھا وہ قرآن پڑھ کر بھلانے والا اور نماز کے وقت سو جانے والا تھا**، وہ شخص جس کے پاس آپ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم پہنچے تو اس

کے جبڑے، نتھنے اور آنکھ کو گدی تک چیرا جارہا تھا یہ وہ شخص تھا جو صبح گھر سے نکلتا تو جھوٹی باتیں گھڑتا اور انہیں دنیا بھر میں پھیلا دیتا، وہ ننگے مرد اور عورتیں جو تنور سے مشابہ جگہ میں تھے وہ زانی مرد اور زانی عورتیں تھیں، وہ شخص کہ جب آپ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم اس کے پاس پہنچے تو وہ نہر میں تیر رہا تھا اور اس کے منہ میں پتھر ڈالے جارہے تھے وہ سود خور تھا، اور وہ ہیبت ناک صورت والا شخص جو آگ کے قریب تھا اور اسے بھڑکا کر اس کے اردگرد دوڑ رہا تھا وہ داروغہ جہنم (یعنی جہنم پر مقرر فرشتے) حضرت مالک علیہ السلام تھے اور بلند قامت آدمی جو باغ میں تھے وہ حضرت سیدنا ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام تھے اور ان کے گرد جو بچے تھے وہ فطرتِ اسلامیہ پر فوت ہونے والے تھے۔"

راوی کا بیان ہے کہ بعض صحابہ کرام علیہم الرضوان نے عرض کی": یارسول اللہ عزوجل وصلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم ! اور مشرکین کے بچے؟" تو آپ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم نے ارشاد فرمایا": مشرکین کے بچے بھی۔ "اور وہ لوگ جن کا نصف بدن خوبصورت اور نصف بدصورت تھا یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے ملے جلے عمل کئے یعنی اچھے عمل بھی کئے اور برے بھی تو اللہ عزوجل نے ان سے درگزر فرمایا۔"

(صحیح بخاری، کتاب التعبیر، باب تعبیر الرؤیا بعد صلاۃ الصبح، جلد 9، صفحہ 44، دار طوق النجاۃ)

قبر میں آگ کے شعلے

ایک شخص کی بہن فوت ہوگئی۔ جب اسے دفن کر کے لوٹا تو یاد آیا کہ رقم کی تھیلی قبر میں گر گئی ہے چنانچہ وہ اپنی بہن کی قبر پر آیا اور اس کو کھودا تاکہ تھیلی نکال لے اس نے دیکھا کہ بہن کی قبر میں آگ کے شعلے بھڑک رہے ہیں چنانچہ اس نے جوں توں قبر پر مٹی ڈالی روتا ہوا ماں کے پاس آیا اور پوچھا پیاری امی جان! میری بہن کے اعمال کیسے تھے؟ وہ بولی بیٹا کیوں پوچھتے ہو؟ عرض کی میں نے اپنی بہن کے قبر میں آگ کے شعلے بھڑکتے دیکھے ہیں یہ سن کر ماں بھی رونے لگی اور کہا" افسوس تیری بہن میں سستی کیا کرتی تھی اور نماز اوقات گزار کر پڑھا کرتی تھی۔ یعنی قضا کر کے پڑھتی تھی۔

(مکاشفۃ القلوب مترجم، ص429، مکتبہ اسلامیات، لاہور)

باب نمبر 427

بَابُ مِنْهُ

(اسی عنوان کا ایک اور باب)

614۔حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الْكُوفِيُّ قَالَ:حَدَّثَنَا زَيْدُ بْنُ الْحُبَابِ قَالَ:أَخْبَرَنَا مُعَاوِيَةُ بْنُ صَالِحٍ قَالَ:حَدَّثَنِي سُلَيْمُ بْنُ عَامِرٍ، قَالَ:سَمِعْتُ أَبَا أُمَامَةَ، يَقُولُ:سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْطُبُ فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ فَقَالَ:اتَّقُوا اللَّهَ رَبَّكُمْ،وَصَلُّوا خَمْسَكُمْ، وَصُومُوا شَهْرَكُمْ، وَأَدُّوا زَكَاةَ أَمْوَالِكُمْ، وَأَطِيعُوا ذَا أَمْرِكُمْ تَدْخُلُوا جَنَّةَ رَبِّكُمْ،قَالَ:فَقُلْتُ لِأَبِي أُمَامَةَ:مُنْذُ كَمْ سَمِعْتَ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَذَا الْحَدِيثَ؟ قَالَ:سَمِعْتُهُ وَأَنَا ابْنُ ثَلَاثِينَ سَنَةً ،قال ابوعيسى:هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

حدیث: سلیم بن عامر کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کہتے سنا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حجۃ الوداع میں یہ خطبہ دیتے ہوئے سنا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اپنے رب سے ڈرو اور اپنی پانچ نمازیں پڑھو اور اپنے مہینے کے روزے رکھو اور اپنے اموال کی زکاۃ ادا کرو اور اپنے حکام کی پیروی کرو تم اپنے رب کی جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔'' تو سلیم بن عامر کہتے ہیں: میں نے حضرت ابوامامہ کو کہا: آپ نے کس عمر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس حدیث کو سنا تھا؟ تو انہوں نے فرمایا: میں نے تیس سال کی عمر میں اسے سنا تھا۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

شرح حدیث

اعمال کی اضافت بندوں کی طرف کیوں کی گئی

(1) نمازوں اور دیگر اعمال کی اضافت لوگوں کی طرف اس وجہ سے کی گئی تاکہ عمل اس ثواب کے مقابل ہوجائے جو اس حدیث کے آخر میں مذکور ہے کہ تم اپنے رب کی جنت میں داخل ہوجاؤ گے۔

(مرقاۃ المفاتیح، کتاب الصلاۃ، ج2 ص511، دار الفکر، بیروت)

(2) اور اس وجہ سے کہ رب اور بندے کے درمیان بیع وشرا منعقد ہوجائے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ہے:﴿اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَهُمْ وَ اَمْوٰلَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ﴾ بیشک اللہ نے مسلمانوں سے ان کے مال اور جان خرید لئے ہیں اس بدلے پر کہ ان کے لئے جنت ہے۔

(التوبۃ، آیت 111 ☆ شرح المشکاۃ للطیبی، کتاب الصلاۃ، ج3 ص870، مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز، مکہ مکرمہ)

(3) علامہ طیبی فرماتے ہیں: نماز اور اس کے مابعد اعمال کی اضافت بندوں کی طرف کرنے کی حکمت یہ ہے کہ اُن کو بتایا جائے کہ یہ اعمال اپنی مخصوص کیفیات کے ساتھ اس امت کی خصوصیات میں سے ہیں کہ جن سے وہ تمام امتوں سے ممتاز ہوتی ہے۔ (شرح المشکاۃ للطیبی، کتاب الصلاۃ، ج3 ص870، مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز، مکہ مکرمہ)

(4) اُن کو خطاب کرنے کے ساتھ ان افعال کے جلدی کرنے پر ابھارنا مقصود ہے۔

(مرقاۃ المفاتیح، کتاب الصلاۃ، ج2 ص511، دار الفکر، بیروت)

(5) اور ان کو اس بات کی نصیحت کرنا مقصود ہے کہ یہ اضافت عملیہ اس اضافت فضیلت کے مقابل ہے جو کہ اس سے اعلیٰ اور اتم ہے اور وہ جنت ہے کہ جس کی اضافت رب کی طرف ہے۔

(مرقاۃ المفاتیح، کتاب الصلاۃ، ج2 ص511، دار الفکر، بیروت)

اپنے مہینے کے روزے رکھو اور اپنے اموال کی زکوۃ ادا کرو

اپنے مہینے کے روزے رکھو یعنی جس مہینے کے روزے تمہارے ساتھ مختص ہیں اور وہ رمضان کا مہینہ ہے، یہاں

مہینے کو مبہم ذکر کیا تا کہ اس بات پر دلالت ہو جائے کہ یہ مہینہ اس امت کے نزدیک اس حد تک ظاہر ہے کہ جو شک وتردد کو قبول نہیں کرتا۔ اپنے اموال کی زکوۃ ادا کرو یعنی جو اموال تمہاری ملک ہیں۔

(مرقاۃ المفاتیح، کتاب الصلاۃ، ج2ص511، دارالفکر، بیروت)

یہاں زکوۃ کو روزے کے بعد ذکر کرنے کی وجہ اور دیگر مقامات پر نماز اور زکوۃ کو اکٹھا ذکر کرنے کی وجہ

زکوۃ کو روزے کے بعد ذکر کرنے کی وجہ شاید یہ ہے کہ زکوۃ روزے کے بعد فرض کی گئی ہے، اور اکثر آیات واحادیث میں نماز اور زکوۃ کو ملا کر ذکر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ نماز تمام عبادات بدنیہ کی اصل ہے اور زکوۃ تمام طاعاتِ مالیہ کی اصل ہے۔ (مرقاۃ المفاتیح، کتاب الصلاۃ، ج2ص511، دارالفکر، بیروت)

"اپنی زکوۃ ادا کرو" کے بجائے "اپنے اموال کی زکوۃ ادا کرو" فرمانے کی حکمتیں

(1) یہ نہ فرمایا کہ اپنی زکوۃ ادا کرو بلکہ یہ فرمایا کہ اپنے اموال کی زکوۃ ادا کرو، شاید اس سے اس طرف اشارہ ہو رہا ہے کہ زکوۃ کا وجوب مطلق طور پر نہیں بلکہ ایسے اموالِ نامیہ سے متعلق ہے جو نصاب کی مقدار تک پہنچے ہوں۔

(2) اس کے ساتھ ساتھ اس طرف بھی اشارہ ہو رہا ہے کہ اموال کی زکوۃ نکالنا نفس پر زیادہ گراں ہے کیونکہ انسان کی فطرت میں مال کی بہت زیادہ محبت رکھی گئی ہے، کثیر لوگ مال کی بقا کو نفس کی بقا پر ترجیح دیتے ہیں، اس لیے اللہ تعالیٰ نے مومنین کی اپنے اس فرمان کے ساتھ تعریف کی ہے: ﴿وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ﴾ مال خرچ کرے اس کی محبت پر (البقرۃ177) ایک تفسیر پر یہاں حبہ کی ضمیر مال کی طرف لوٹ رہی ہے، یعنی مال کی محبت کے باوجود مال خرچ کرتا ہے۔

(مرقاۃ المفاتیح، کتاب الصلاۃ، ج2ص512، دارالفکر، بیروت)

ذی امر کی طاعت کرو

ذی امر کی طاعت کرو یعنی خلیفہ، سلطان وغیرہ جو امرا ہیں ان کی طاعت کرو، یا علما مراد ہیں یا یہ حکم عام ہے یعنی ہر وہ شخص جو تمہارے امور کا متولی بنے.... البتہ یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ: ((لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوقٍ فِي مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ)) اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں کسی مخلوق کی طاعت نہیں کی جائے گی..... اسی وجہ سے (عام معنی ہونے کی وجہ سے) "امیرکم" نہیں فرمایا بلکہ "ذَا أَمْرِكُمْ" کہ امیر عرفاً بعض مذکورین کے ساتھ خاص ہے اور دوسرا یہ کہ یہ اللہ تعالیٰ کے اس

فرمان ﴿اَطِیۡعُوا اللّٰہَ وَاَطِیۡعُوا الرَّسُوۡلَ وَ اُولِی الۡاَمۡرِ مِنۡکُمۡ﴾ (اللہ کا اور حکم مانو رسول کا اوران کا جو تم میں حکومت والے ہیں)(النساء، آیت 59) کے موافق ہے۔ (مرقاۃ المفاتیح، کتاب الصلاۃ، ج2ص 512، دارالفکر، بیروت)

تم جنت میں داخل ہو جاؤ گے

((تم جنت میں داخل ہو جاؤ گے)) سابقہ جتنے امر کے صیغے ہیں یہ ان سب کا جواب ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ بغیر عذاب کے براہ راست جنت میں داخل ہو جاؤ گے، کیونکہ غالب طور پر یہ ہے کہ جو اشیاءِ مذکورہ کو کرتا ہوگا تو وہ صالحین میں سے ہوگا، اور مراد یہ ہے کہ تم جنت کے ان درجات کو پالو گے جو تمہارے اعمال کے لائق ہوں گے کیونکہ حق یہ ہے کہ دخولِ جنت اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہے اور درجات طاعات کے مطابق ہوں گے۔

(مرقاۃ المفاتیح، کتاب الصلاۃ، ج2ص 512، دارالفکر، بیروت)

اَبْوَابُ الزَّكٰوة

زکوۃ کے ابواب

زکوۃ کا لغوی معنی

علامہ مبارک ابن اثیر (متوفی 606ھ) فرماتے ہیں:

''وَأَصْلُ الزَّكَاةِ فِی اللُّغة الطَّهارةُ والنَّماءُ والبرَكَةُ والمدحُ، وكُلُّ ذَلِكَ قَدِ اسْتعمل فِی القُرآن وَالْحَدِيثِ '' ترجمہ: زکوۃ کا لغوی معنی پاکیزگی، بڑھنا، برکت اور مدح ہے اور ان میں سے ہر معنی قرآن وحدیث میں استعمال ہوا ہے۔ (النہایۃ فی غریب الحدیث والاثر، زکا، ج2، ص307، المکتبۃ العلمیہ، بیروت)

زکوۃ کا شرعی معنی

علامہ عبداللہ بن محمود موصلی حنفی (متوفی 683ھ) فرماتے ہیں:

''وَفِی الشَّرعِ: عِبَارَةٌ عَنْ إِيجَابِ طَائِفَةٍ مِنَ الْمَالِ فِی مَالٍ مَخْصُوصٍ لِمَالِكٍ مَخْصُوصٍ ''

ترجمہ: اصطلاح شرع میں زکوۃ اس سے عبارت ہے کہ مخصوص مال میں سے مال کا ایک حصہ مخصوص مالک کے لیے واجب ہونا۔ (الاختیار لتعلیل المختار، کتاب الزکوۃ، ج1، ص99، مطبعۃ الحلبی، القاہرہ)

وجہ تسمیہ

(1) زکوۃ کا ایک لغوی معنی بڑھنا ہے اس اعتبار سے زکوۃ کو زکوۃ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اس سے دنیا میں مال بڑھتا ہے اور آخرت میں ثواب بڑھتا ہے۔ (المبسوط للسرخسی، کتاب الزکوۃ، ج2، ص149، دار المعرفہ، بیروت)

(2) زکوۃ کا ایک لغوی معنی پاکیزگی ہے کیونکہ زکوۃ صاحبِ زکوۃ کو گناہوں سے پاکیزہ کر دیتی ہے۔

(المبسوط للسرخسی، کتاب الزکوۃ، ج2، ص149، دار المعرفہ، بیروت)

(3) زکوۃ کا ایک لغوی معنی برکت بھی ہے کیونکہ زکوۃ دینے والے کے مال میں برکت ہوتی ہے۔

(4) زکوۃ کا ایک لغوی معنی مدح ہے کیونکہ زکوۃ دینے والے کی دنیا وآخرت میں مدح کی جاتی ہے۔

زکوۃ کی فرضیت کا ثبوت

زکوۃ کی فرضیت کا ثبوت قرآن مجید کی آیات سے بھی ہے، احادیث مبارکہ سے بھی ہے، اس کی فرضیت پر اجماع بھی ہے اور اس کی فرضیت پر عقلی دلائل بھی ہیں۔

قرآن مجید سے ثبوت

زکوٰۃ کا حکم قرآن مجید میں متعدد مقامات پر موجود ہے، کچھ آیات درج ذیل ہیں:

(1) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ﴾ اور زکوٰۃ ادا کرو۔ (سورۃ البقرۃ، آیت 43)

(2) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿خُذْ مِنْ اَمْوٰلِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا﴾ ترجمہ: اے محبوب ان کے مال میں سے زکوٰۃ تحصیل کرو جس سے تم انھیں ستھرا اور پاکیزہ کردو۔ (سورۃ التوبہ، آیت 103)

امام ابوبکر رازی جصاص نے اس قول کو ترجیح دی ہے کہ صدقہ سے زکوٰۃ مراد ہے۔

(خازن واحکام القرآن، تحت الآیۃ المذکورہ)

(3) اللہ عزوجل فرماتا ہے: ﴿وَ الَّذِيْنَ فِيْٓ اَمْوٰلِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ0 لِّلسَّآئِلِ وَ الْمَحْرُوْمِ0﴾ ترجمہ: اور وہ جن کے مال میں ایک معلوم حق ہے۔ اس کے لئے جو مانگے اور جو مانگ بھی نہ سکے تو محروم رہے۔

(سورۃ المعارج، آیت 24,25)

مراد اس سے زکوٰۃ ہے جس کی مقدار معلوم ہے۔ (تفسیر خزائن العرفان، تحت الایۃ المذکورہ)

بدائع الصنائع میں ہے: حق معلوم سے مراد زکوۃ ہے۔ (بدائع الصنائع، کتاب الزکوۃ)

(4) اللہ جل شانہ فرماتا ہے: ﴿وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ﴾ اور وہ کہ جوڑ کر رکھتے ہیں سونا اور چاندی اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے انہیں خوشخبری سناؤ دردناک عذاب کی۔ (سورۃ التوبہ، آیت 34)

اس آیت مبارکہ کے تحت خزائن العرفان میں ہے:

"بُخل کرتے ہیں اور مال کے حقوق ادا نہیں کرتے زکوۃ نہیں دیتے۔ شانِ نُزول: سدی کا قول ہے کہ یہ آیت مانعینِ زکوٰۃ کے حق میں نازِل ہوئی جب کہ اللہ تعالیٰ نے اَحبار اور رُہبان کی حرصِ مال کا ذکر فرمایا تو مسلمانوں کو مال جمع

کرنے اوراس کے حقوق ادانہ کرنے سے حذر دلایا۔حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جس مال کی زکٰوۃ دی گئی وہ کنز نہیں خواہ دفینہ ہی ہواور جس کی زکٰوۃ نہ دی گئی وہ کنز ہے جس کا ذکر قرآن میں ہوا کہ اس کے مالک کواس سے داغ دیا جائے گا۔رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اصحاب نے عرض کیا کہ سونے چاندی کا تو یہ حال معلوم ہوا پھر کون سا مال بہتر ہے جس کو جمع کیا جائے۔" (خزائن العرفان،تحت الآیۃ المذکورہ)

(5)اللہ جل جلالہ فرماتا ہے:﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْفِقُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ﴾ترجمہ:اے ایمان والو اپنی پاک کمائیوں میں سے کچھ دو۔ (سورۃ البقرۃ،آیت 267)

اس سے کسب کی اباحت اوراموال تجارت میں زکٰوۃ ثابت ہوتی ہے۔ (تفسیر خازن وتفسیر مدارک،تحت الآیۃ المذکورۃ)

احادیث مبارکہ سے ثبوت

(1)رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:((بُنِیَ الإِسْلَامُ عَلَی خَمْسٍ:شَهَادَةِ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ، وَإِقَامِ الصَّلَاةِ، وَإِیتَاءِ الزَّكَاةِ، وَالحَجِّ، وَصَوْمِ رَمَضَانَ))ترجمہ:اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر رکھی گئی:(۱)اس بات کی شہادت دینا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس کے رسول ہیں(۲)نماز قائم کرنا(۳)زکوۃ ادا کرنا(۴)حج کرنا(۵)رمضان کے روزے رکھنا۔

(صحیح بخاری،باب قول النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بنی الاسلام الخ،ج1،ص11،دارطوق النجاۃ)

(2)امام احمد مسند میں حضرت عمارہ بن حزم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں،کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:((أَرْبَعٌ فَرَضَهُنَّ اللهُ فِي الْإِسْلَامِ، فَمَنْ جَاءَ بِثَلَاثٍ لَمْ يُغْنِينَ عَنْهُ شَيْئًا، حَتَّى يَأْتِيَ بِهِنَّ جَمِيعًا الصَّلَاةُ، وَالزَّكَاةُ، وَصِيَامُ رَمَضَانَ، وَحَجُّ الْبَيْتِ))"اللہ عزوجل نے اسلام میں چار چیزیں فرض کی ہیں،جو ان میں سے تین ادا کرے،وہ اُسے کچھ کام نہ دیں گی جب تک پوری چاروں نہ بجالائے۔نماز،زکاۃ،روزہ رمضان،حج بیت اللہ۔

(مسند احمد بن حنبل،حدیث زیاد بن نعیم الحضرمی،ج 29،ص 328،مؤسسۃ الرسالہ،بیروت☆الترغیب الترہیب للمنذری،الترغیب فی الاخلاص الخ،ج1،ص308،دارالکتب العلمیہ،بیروت)

(3) صحیح مسلم شریف میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ((مَا مِنْ صَاحِبِ ذَهَبٍ وَلَا فِضَّةٍ، لَا يُؤَدِّي مِنْهَا حَقَّهَا، إِلَّا إِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ، صُفِّحَتْ لَهُ صَفَائِحُ مِنْ نَارٍ، فَأُحْمِيَ عَلَيْهَا فِي نَارِ جَهَنَّمَ، فَيُكْوَى بِهَا جَنْبُهُ وَجَبِينُهُ وَظَهْرُهُ، كُلَّمَا بَرَدَتْ أُعِيدَتْ لَهُ، فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ خَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ، حَتَّى يُقْضَى بَيْنَ الْعِبَادِ، فَيَرَى سَبِيلَهُ، إِمَّا إِلَى الْجَنَّةِ، وَإِمَّا إِلَى النَّارِ ـــ قَالَ: وَلَا صَاحِبُ إِبِلٍ لَا يُؤَدِّي مِنْهَا حَقَّهَا، وَمِنْ حَقِّهَا حَلَبُهَا يَوْمَ وِرْدِهَا، إِلَّا إِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ، بُطِحَ لَهَا بِقَاعٍ قَرْقَرٍ، أَوْفَرَ مَا كَانَتْ، لَا يَفْقِدُ مِنْهَا فَصِيلًا وَاحِدًا، تَطَؤُهُ بِأَخْفَافِهَا وَتَعَضُّهُ بِأَفْوَاهِهَا، كُلَّمَا مَرَّ عَلَيْهِ أُولَاهَا رُدَّ عَلَيْهِ أُخْرَاهَا ـــ قَالَ: وَلَا صَاحِبُ بَقَرٍ، وَلَا غَنَمٍ، لَا يُؤَدِّي مِنْهَا حَقَّهَا، إِلَّا إِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ بُطِحَ لَهَا بِقَاعٍ قَرْقَرٍ، لَا يَفْقِدُ مِنْهَا شَيْئًا لَيْسَ فِيهَا عَقْصَاءُ، وَلَا جَلْحَاءُ، وَلَا عَضْبَاءُ تَنْطَحُهُ بِقُرُونِهَا وَتَطَؤُهُ بِأَظْلَافِهَا، كُلَّمَا مَرَّ عَلَيْهِ أُولَاهَا رُدَّ عَلَيْهِ أُخْرَاهَا)) جو شخص سونے چاندی کا مالک ہو اور اس کا حق ادا نہ کرے تو جب قیامت کا دن ہوگا اس کے لیے آگ کے پتر بنائے جائیں گے ان پر جہنم کی آگ بھڑکائی جائے گی اور اُن سے اُس کی کروٹ اور پیشانی اور پیٹھ داغی جائے گی، جب ٹھنڈے ہونے پر آئیں گے پھر ویسے ہی کر دیے جائیں گے۔ یہ معاملہ اس دن کا ہے جس کی مقدار پچاس ہزار برس ہے یہاں تک کہ بندوں کے درمیان فیصلہ ہو جائے، اب وہ اپنی راہ دیکھے گا خواہ جنت کی طرف جائے یا جہنم کی طرف اور اونٹ کے بارے میں فرمایا: جو اس کا حق نہیں ادا کرتا، قیامت کے دن ہموار میدان میں لٹا دیا جائے گا اور وہ اونٹ سب کے سب نہایت فربہ ہو کر آئیں گے، پاؤں سے اُسے روندیں گے اور منہ سے کاٹیں گے، جب ان کی پچھلی جماعت گزر جائے گی، پہلی لوٹے گی۔ اور گائے اور بکریوں کے بارے میں فرمایا: کہ اس شخص کو ہموار میدان میں لٹائیں گے اور وہ سب کی سب آئیں گی، نہ ان میں مڑے ہوئے سینگ کی کوئی ہوگی، نہ بے سینگ کی، نہ ٹوٹے سینگ کی اور سینگوں سے ماریں گی اور کھروں سے روندیں گی، جب ان کی پچھلی جماعت گزر جائے گی، پہلی لوٹے گی۔

(صحیح مسلم، باب اثم مانع الزکوۃ، ج2، ص680، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

(4) صحیحین میں احنف بن قیس سے مروی ہے، سیدنا ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ((فَيُوضَعُ عَلَى حَلَمَةِ ثَدْيِ أَحَدِهِمْ، حَتَّى يَخْرُجَ مِنْ نُغْضِ كَتِفَيْهِ، وَيُوضَعُ عَلَى نُغْضِ كَتِفَيْهِ، حَتَّى يَخْرُجَ مِنْ حَلَمَةِ ثَدْيَيْهِ

یَتَزَلْزَلُ)) اُن کے سر پستان پر جہنم کا گرم پتھر رکھیں گے کہ سینہ توڑ کر شانہ سے نکل جائے گا اور شانہ کی ہڈی پر رکھیں گے کہ ہڈیاں توڑتا سینہ سے نکلے گا۔

(صحیح بخاری، باب ما ادی زکاتہ فلیس بکنز، ج2، ص107، دار طوق النجاۃ ☆ صحیح مسلم، باب فی الکنازین للاموال الخ، ج2، ص689، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

اس باب میں احادیث کثیر ہیں۔

اجماع سے ثبوت

اجماع سے دلیل: پوری امت کا زکوۃ کی فرضیت پر اجماع ہے۔

(بدائع الصنائع، کتاب الزکوۃ، ج2، ص3، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

عقلی دلائل

(1) زکوۃ کی ادائیگی میں کمزور کی اعانت، فریادی کی مدد، عاجز کو قدرت دینا اور اسے اس بات پر تقویت دینا ہے کہ جس کی ادائیگی اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرض ہے یعنی توحید اور عبادات۔ اور فرض شدہ کی ادائیگی کا وسیلہ بھی فرض ہوتا ہے۔

(2) زکوۃ کی ادائیگی، دینے والے کے نفس کو گناہوں کی ناپاکی سے پاکیزہ کرتی ہے، اور اس کے اخلاق کی پاکیزگی کرتی ہے جود و کرم کے ساتھ متصف کر کے اور ترکِ بخل و حرص سے متصف کر کے۔

(3) اللہ تعالیٰ نے اغنیاء پر انعام کیا ہے اور ان کو انواع و اقسام کی نعمتوں، حوائج اصلیہ سے فاضل اموال سے فضیلت دی اور انہیں ان نعمتوں کے ساتھ خاص کیا کہ وہ ان سے فائدہ اٹھائیں، اور شکرِ نعمت عقلاً و شرعاً فرض ہے اور فقیر کو زکوۃ ادا کرنا شکرِ نعمت کے باب سے ہے لہذا یہ فرض ہے۔ (بدائع الصنائع ملخصاً، کتاب الزکوۃ، ج2، ص3، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

زکوۃ کی فرضیت میں حکمتیں

(1) قدرتی طور پر مال دلوں کا محبوب ہے؛ کیونکہ یہ ذریعہ ہے قدرت کا کہ انسان مال کے ذریعے بہت چیزوں، بہت کاموں پر قادر ہو جاتا ہے اگر محبتِ مال بڑھ جائے تو یہ مال ذکر اللہ، خوف خدا، عشق رسول سے روک دیتا ہے، لہذا حکم دیا کہ اسے اللہ تعالیٰ کے غریب بندوں کو دو، مال کا قید کر کے رکھنا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

سے دوری پیدا کرتا ہے، اسے خرچ کرنا اللہ و رسول عزوجل و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے قرب کا ذریعہ ہے۔

(2) مال کی زیادتی عموماً دل میں سختی پیدا کرتی ہے، جس سے حب دنیا، لذتوں کی طرف میلان ہوتا ہے لہذا اسے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرو کہ دل میں نرمی پیدا ہو، محبت آخرت، عشق رسول، خوف خدا نصیب ہو۔

(3) بدنی عبادات جسم پر گراں ہیں اور مالی عبادات نفس پر بھاری، بلکہ بدنی عبادات سے مالی عبادات زیادہ بھاری ہیں لہذا بطورِ امتحان زکوۃ وغیرہ واجب کی گئیں تاکہ بندہ مطیع ہو اور سرکشی چھوٹ جائے۔

(4) مال اللہ تعالیٰ کا ہے امیر اللہ تعالیٰ کے خزانچی ہیں فقراء اللہ تعالیٰ کے عیال ہیں، رب نے ان خزانچیوں کو حکم دیا کہ میرے مال سے میرے عیال کی حاجتیں پوری کرو، اگر نہ کریں تو خائن ہیں، اگر کریں تو امین المال، الفقراء عیالی من لم ینفق مالی علی عیالی انزل علیہ وبالی ولا ابالی۔

(5) اگر امیر لوگ فقراء غربا کو کچھ نہ دیں تو اولاً غربا کے دل میں رشک پھر حسد پیدا ہوگی، پھر وہ فساد اور چھین لینے پر امادہ ہو جائیں گے جیسا کہ آج کل دیکھا جا رہا ہے اگر انہیں امراء کی طرف سے ملتا رہے گا تو ان کے دلوں میں ان سے محبت والفت پیدا ہوگی جس سے نظام عالم قائم رہے گا۔

(6) اگر ضرورت سے بچا ہوا مال چند ہاتھوں میں قید ہو کر رہے تو مال پیدا فرمانے کا مقصد فوت (ہو جائے گا)، مال قید کرنے کے لیے نہیں بنایا گیا بلکہ حاجات پوری کرنے کے لیے (بنایا گیا ہے)، اس لیے اسے دولت کہتے ہیں یعنی گھومنے پھرنے والی چیز، لہذا اسے فقراء پر خرچ کرو، جاری پانی پاک وصاف رہتا ہے، ٹھہرا ہوا بند پانی بگڑ جاتا ہے۔

(7) مال قریب الزوال ہے، اگر بخوشی خرچ نہ کرو گے تو خود بخود ہزار راستوں سے نکل جائے گا، چوری، آگ لگنا، بیماری، مقدمہ بازی، مگر اس میں سے اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے تمہاری لازوال نیک نامی بھی ہوگی اور ثواب بھی، ورنہ قبر میں تو خالی ہاتھ جانا ہی ہے۔

(8) زکوۃ وصدقات فقراء سے دعائیں لینے کا ذریعہ ہے، دعائیں مال کی حفاظت کا وسیلہ ہے، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے مالوں کو زکوۃ کے قلعہ میں محفوظ کرو۔

(9) جود اللہ تعالیٰ کی سنت، حضرات انبیاء خصوصاً حضور سید الانبیا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا طریقہ (ہے)، سخاوت

ہے ان ہستیوں سے مشابہت ہوتی ہے، تخلقوا باخلاق اللہ۔

(10) انسان کو رب کی طرف سے تین چیزیں ملی ہیں: روح، بدن، مال۔ روح کا زیور ایمان اور اچھے اخلاق ہیں، بدن کا زیور عبادات، تو مال کا زیور بھی چاہیے وہ زکوۃ وصدقات ہیں۔

(11) انسان پر ہر نعمت کا شکر لازم ہے، شکر کی حقیقت یہ ہے کہ اس نعمت کو رضائے الٰہی میں صرف کیا جائے، مال بھی ایک نعمت ہے، اس کا شکر زکوۃ ہے۔

(12) اگر مالدار فقراء کو اپنے مال سے کچھ نہ دیں تو ممکن ہے کہ فقراء تنگ آ کر ناجائز حرکتیں کرنے لگیں، چوری ڈکیتی بلکہ کفار سے مل جانا پیٹ کی خاطر۔ اگر انہیں مالداروں کے مال سے کچھ ملتا رہے تو ان حرکتوں سے بچے رہیں گے، لہذا زکوۃ ضروری دی جائے تاکہ فقراء ایمان اور نیک اعمال پر قائم رہیں، گناہوں سے بچیں۔

(تفسیر کبیر ملخصاً، 6، ص 77 تا 79، مکتبہ علوم الاسلامیہ، لاہور ☆ تفسیر نعیمی، ج 10، ص 402,403 نعیمی کتب خانہ، لاہور)

زکوۃ کے اسرار اور فائدے

(1) یہ قدرتی بات ہے کہ خرچ کرنے سے چیز بڑھتی ہے، اگر عالم اپنا علم خرچ نہ کرے تو اس سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے، اگر کنویں سے پانی خرچ نہ کیا جائے تو پانی گندا ہو جائے گا، اگر درختوں کی کچھ شاخیں نہ کاٹی جائیں تو ان میں آئندہ پھل کم آئیں گے، اسی طرح اگر مال کی زکوۃ ادا نہ کی جائے تو اس مال کی ترقی رک جائے گی۔

(2) قدرت نے ہر چیز سے زکوۃ لی ہے، بیماری تندرستی کی زکوۃ ہے، نیند بیداری کی زکوۃ، تکلیفیں راحتوں کی زکوۃ ہیں، کھیتوں میں کچھ غلے برباد ہو جانا اور پرندوں کا کھا جانا یہ پیداوار کی قدرتی زکوۃ ہے، اگر ہم اپنے مال سے زکوۃ نہیں نکالتے تو قانونِ قدرت کے خلاف کرتے ہیں۔

(3) اگر کسی کی کوئی چیز ضرورت سے زائد بچ جائے تو وہ اور جگہ بھی خرچ ہونی چاہیے، کتیا وغیرہ کے پستان میں اتنا ہی دودھ ہے جتنا اس کے بچے پی سکیں، لیکن بھینس گائے کو اس کے بچے کی ضرورت سے زیادہ دودھ دیا گیا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ اس میں اوروں کا بھی حق ہے، اگر قدرت نے آپ کو آپ کی ضرورت سے زیادہ مال دیا ہے تو یقیناً اس میں فقراء اور مساکین کا بھی حصہ ہے، زائد چیز کو علیحدہ کرنا ہی ضروری ہے، آپ کے بڑھے ہوئے ناخن اور بال، لبیں

وغیر علیحدہ ہونی چاہئیں، اسی طرح پیٹ کا فضلہ بھی خارج ہونا چاہیے، اس کا رہنا بیماری ہے، اسی طرح زکوۃ کا پیسہ بھی علیحدہ ہونا چاہیے کیونکہ اس کا رہنا بیماری ہے۔

(4) جس طرح آپ کے مال سے حکومت ٹیکس لیتی ہے کہ اس کے بغیر ادا کیے آپ حکومت کے باغی قرار پاتے ہیں اور وہ یہ کہتی ہے کہ جب ہم تمہاری ہر طرح خدمت کرتے ہیں اور تمہارے آرام کے لیے ہر قسم کے محکمے بنا دیئے ہیں تو کیا ہمارا اتنا بھی حق نہیں کہ تمہارے مال سے ہم کچھ لیں، اسی طرح جب رب تعالیٰ نے ہماری ہر قسم کی پرورش فرمائی، ہمارے آرام کے لیے ہزاروں ملائکہ وغیرہ کے محکمے مقرر فرمائے تو کیا اس کا اتنا بھی حق نہیں کہ ہمارے مال میں سے کچھ تلف فرمائے بلکہ حق تو یہ ہے کہ یہ مال بھی اُسی کا ہے اور ہم بھی اُسی کے، یہ اُس کا کرم ہے کہ اس نے ہم کو مال دیا اور خود ہم سے لے کر ہم کو ثواب عطا فرما دیا۔

(5) انسان کی فطرت میں محبت ہے مگر بعض محبتیں مفید ہیں، بعض بے کار، بعض نقصان دہ۔ اللہ رسول کی محبت مفید ہے، دنیا کی چیزوں کی محبت بے کار ہے، شیطانی چیزوں سے محبت نقصان دہ۔ اسلام نے پہلی محبت بڑھانے کے لیے عبادات رکھیں کہ جس کا چرچا جس کی اطاعت زیادہ ہو اس سے محبت پیدا ہوتی ہے، آخری دو محبتوں کے گھٹانے کے لیے بہت ذریعے قائم کیے، زیارتِ قبور کرو تا کہ دنیا کی محبت کم ہو وغیرہ، انہیں اسباب میں سے ایک سبب زکوۃ وخیرات ہے کہ انسان اپنی کمائی اپنے ہاتھ سے اللہ کے نام پر دے تا کہ محبت مال دل میں نہ آ جائے۔

(6) زکوۃ کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ اس کی وجہ سے مال بربادی وغیرہ سے محفوظ رہتا ہے اور اس میں ہمیشہ برکت رہتی ہے، زکوۃ دینے سے بظاہر جیب خالی ہوتی ہے لیکن حقیقت میں بھرتی ہے۔

مثنوی شریف میں فرمایا گیا

ہر کہ کارد گرددانبارش تہی لیکنش اندر مزرعہ باشد بہی

وآنکہ درانبار ماندہ وصرفہ کرد اسپش وموش وحوادث ماش خورد

یعنی ایک کسان نے غلہ بویا دوسرے نے نہ بویا بظاہر بونے والے کی بوری خالی ہوگئی اور نہ بونے والے کے بورے بھرے رہے، لیکن حقیقت میں نہ بونے والا خالی ہو گیا کیونکہ اس کے غلے کو چند روز میں جانور، چوہے، مہمان اور

بال بچے وغیرہ خرچ کر ڈالیں گے لیکن جس نے بویا اس کے بورے پہلے سے زیادہ بھر جائیں گے۔

(تفسیر کبیر ملخصا، 6،ص 79،80، مکتبہ علوم الاسلامیہ، لاہور ☆ تفسیر نعیمی، ج1،ص 139،140 نعیمی کتب خانہ، لاہور)

تفسیر روح البیان میں اسی جگہ ہے کہ کسی نبی پر وحی آئی کہ فلاں شخص کی آدھی عمر غنا میں اور آدھی فقیری میں گزرنے والی ہے، اس سے پوچھو کہ پہلے کون سی چیز چاہیے، اس نے بیوی سے مشورہ کرنے کے بعد عرض کیا کہ میں پہلے غنا چاہتا ہوں لہذا اس کو غنی کر دیا گیا، لیکن اس نے تدبیر یہ کی جتنا پیسہ اپنے نفس پر خرچ کرتا اتنا ہی بلکہ اس سے زیادہ فقراء و مساکین پر خرچ کرتا، جب اس کی آدھی عمر گزر گئی تو ان پیغمبر پر دوبارہ وحی آئی کہ چونکہ اس نے ہماری نعمتوں کا شکر ادا کیا اور شکر سے نعمتیں بڑھتی ہیں لہذا اس کی ساری عمر غنا میں کٹے گی۔

(تفسیر روح البیان ملخصا، سورۃ البقرۃ، آیت 3، ج1،ص 39، دار الفکر، بیروت)

زکوۃ کس پر فرض ہے

زکوۃ ہر آزاد، عاقل، بالغ، مسلمان پر فرض ہے جبکہ وہ نصاب کا مالک ہو ملک تام کے ساتھ اور اس پر سال گزر جائے۔ (ہدایہ، کتاب الزکوۃ، ج1،ص 95، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

کیونکہ غلام کی کوئی ملک نہیں ہوتی، پاگل اور بچہ عبادات کے مخاطب نہیں ہیں اور زکوۃ اعظم العبادات میں سے ہے کیونکہ یہ اسلام کی بنیادوں اور ارکان میں سے ایک ہے۔ (الاختیار لتعلیل المختار، کتاب الزکوۃ، ج1،ص 99، مطبعۃ الحلبی، القاہرہ)

اور کافر پر نہیں کہ عبادت کافر سے متحقق نہیں ہوتی۔ (ہدایہ، کتاب الزکوۃ، ج1،ص 95، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

زکوۃ کب فرض ہوئی

علامہ علی بن سلطان محمد القاری حنفی فرماتے ہیں:

"زکوۃ الفطر کا وجوب روزوں کی فرضیت کے ساتھ ہجرت کے دوسرے سال ہوا اور دوسری زکوۃ اس کے بعد اسی سال یعنی 2 ہجری کو ہی فرض ہوئی۔ اور اس بارے میں معتمد قول یہ ہے کہ زکوۃ اجمالی طور پر مکہ ہی فرض ہو گئی تھی، اور مدینہ منورہ میں اس کی تفصیل بیان کی گئی، تاکہ ان آیات کے درمیان جو زکوۃ کے مکہ میں فرض ہونے پر دلالت کرتی ہیں اور ان آیات (اور دلائل) کے درمیان جو مدینہ منورہ میں فرضیت پر دلالت کرتی ہیں تطبیق ہو جائے، و اللہ تعالیٰ اعلم۔"

(مرقاۃ المفاتیح، کتاب الزکوۃ، ج4، ص1260، دار الفکر، بیروت)

قرآن مجید میں زکوۃ کا حکم نماز کے ساتھ کتنی مرتبہ آیا ہے

فتاوی رضویہ میں ہے:

فی الواقع نماز و زکوۃ کی فرضیت و فضیلت و مسائل تینوں قسم کا ذکر قرآن مجید میں بہت جگہ ہے یہاں تک کہ مناقب بزازی و بحر الرائق و نھر الفائق و منح الغفار و فتح المعین وغیر ہا میں واقع ہوا کہ علاوہ اُن مواقع کے جن میں نماز و زکوۃ کا ذکر جُدا جُدا ہے دونوں کا ساتھ ساتھ ذکر قرآنِ عظیم میں بیاسی جگہ آیا ہے، مگر علامہ حلبی و علامہ طحطاوی و علامہ شامی سادات کرام محشیانِ درِمختار فرماتے ہیں: صحیح یہ ہے کہ اُن کا ساتھ ساتھ بتیس جگہ فرمایا ہے، علامہ حلبی کے استاد نے وُہ سب مواقع گنا دیئے۔

درمختار میں ہے: قرنھا بالصلوۃ فی اثنین و ثمانین موضعا (بیاسی مقامات پر زکوۃ کو نماز کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔)

شرح مسکین و حاشیہ سید ازھری میں ہے: قرن الزکوۃ فی ای من القران اثنین و ثمانین موضعا ملخصا (آیات قرآنی میں بیاسی جگہ زکوۃ کو نماز سے متصل بیان کیا گیا ہے اھ تلخیصاً)

طحطاوی و ردالمحتار میں ہے: واللفظ لط قولہ فی اثنین و ثمانین موضعا تبع فیہ صاحب النھر و المنح وتبعا صاحب البحر معزیا الی المناقب البزازیۃ و صوابہ اثنین و ثلاثین کما عدھا شیخنا السید اھ حلبی بزیادۃ (عبارت طحطاوی کی ہے کہ ان کا قول بیاسی مقامات پر ایسا ہے، اس میں صاحبِ نہر اور منح نے اتباع کی ہے، اور ان دونوں نے صاحبِ بحر کی اتباع کی ہے، انہوں نے مناقبِ بزازیہ کی طرف نسبت کی ہے، اور درست یہ ہے کہ زکوۃ کو نماز سے متصل جن مقامات پر بیان کیا گیا ان کی تعداد بتیس ہے جیسے کہ اس تعداد کو ہمارے شیخ سید نے شمار کیا اھ حلبی مع اضافہ۔) (فتاوی رضویہ، ج10، ص63,64، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

لفظِ زکوۃ کے ساتھ زکوۃ کا ذکر قرآن مجید میں کتنی مرتبہ آیا

لفظِ زکوۃ کے ساتھ زکوۃ کا ذکر قرآن مجید میں ستائیس (27) مرتبہ آیا ہے، وہ مقامات درج ذیل ہیں:

(1) ﴿وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ وَارْکَعُوْا مَعَ الرّٰکِعِیْنَ﴾ ترجمہ: اور نماز قائم رکھو اور زکوٰۃ دو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔ (سورۃ البقرۃ، آیت 43)

(2) ﴿وَ اِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰہَ وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا وَّذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنِ وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَّاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ ثُمَّ تَوَلَّیْتُمْ اِلَّا قَلِیْلًا مِّنْکُمْ وَاَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ﴾ ترجمہ: اور جب ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لیا کہ اللہ کے سوا کسی کو نہ پوجو اور ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرو اور رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں سے اور لوگوں سے اچھی بات کہو اور نماز قائم رکھو اور زکوٰۃ دو پھر تم پھر گئے مگر تم میں کے تھوڑے اور تم روگردان ہو۔ (سورۃ البقرۃ، آیت 83)

(3) ﴿وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِکُمْ مِّنْ خَیْرٍ تَجِدُوْہُ عِنْدَ اللّٰہِ اِنَّ اللّٰہَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ﴾ ترجمہ: اور نماز قائم رکھو اور زکوٰۃ دو اور اپنی جانوں کے لئے جو بھلائی آگے بھیجو گے اسے اللہ کے یہاں پاؤ گے بیشک اللہ تمہارے کام دیکھ رہا ہے۔ (سورۃ البقرۃ، آیت 110)

(4) ﴿لَیْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْھَکُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰکِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَ الْمَلٰٓئِکَۃِ وَ الْکِتٰبِ وَ النَّبِیّٖنَ وَاٰتَی الْمَالَ عَلٰی حُبِّہٖ ذَوِی الْقُرْبٰی وَ الْیَتٰمٰی وَ الْمَسٰکِیْنَ وَ ابْنَ السَّبِیْلِ وَالسَّآئِلِیْنَ وَ فِی الرِّقَابِ وَاَقَامَ الصَّلٰوۃَ وَاٰتَی الزَّکٰوۃَ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَھْدِھِمْ اِذَا عٰھَدُوْا وَالصّٰبِرِیْنَ فِی الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِیْنَ الْبَاْسِ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا وَ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُتَّقُوْنَ﴾ ترجمہ: کچھ اصل نیکی یہ نہیں کہ منہ مشرق یا مغرب کی طرف کرو ہاں اصلی نیکی یہ کہ ایمان لائے اللہ اور قیامت اور فرشتوں اور کتاب اور پیغمبروں پر اور اللہ کی محبت میں اپنا عزیز مال دے رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور راہ گیر اور سائلوں کو اور گردنیں چھوڑانے میں اور نماز قائم رکھے اور زکوٰۃ دے اور اپنا قول پورا کرنے والے جب عہد کریں اور صبر والے مصیبت اور سختی میں اور جہاد کے وقت یہی ہیں جنہوں نے اپنی بات سچی کی اور یہی پرہیزگار ہیں۔ (سورۃ البقرۃ، آیت 177)

(5) ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ لَھُمْ اَجْرُھُمْ عِنْدَ

رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ﴾ ترجمہ: شک وہ جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے اور نماز قائم کی اور زکوٰۃ دی اُن کا نیگ ان کے رب کے پاس ہے اور نہ انہیں کچھ اندیشہ ہو نہ کچھ غم۔ (سورۃ البقرۃ، آیت 277)

(6)﴿اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ قِيْلَ لَهُمْ كُفُّوْۤا اَيْدِيَكُمْ وَ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللّٰهِ اَوْ اَشَدَّ خَشْيَةً وَقَالُوْا رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ لَوْلَاۤ اَخَّرْتَنَاۤ اِلٰۤى اَجَلٍ قَرِيْبٍ قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى وَلَا تُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا﴾ کیا تم نے انہیں نہ دیکھا جن سے کہا گیا اپنے ہاتھ روک لو اور نماز قائم رکھو اور زکوٰۃ دو پھر جب ان پر جہاد فرض کیا گیا تو اُن میں بعضے لوگوں سے ایسا ڈرنے لگے جیسے اللہ سے ڈرے یا اس سے بھی زائد اور بولے اے رب ہمارے تو نے ہم پر جہاد کیوں فرض کر دیا تھوڑی مدت تک ہمیں اور جینے دیا ہوتا تم فرما دو کہ دنیا کا برتنا تھوڑا ہے اور ڈر والوں کے لئے آخرت اچھی اور تم پر تاگے برابر ظلم نہ ہوگا۔ (سورۃ النساء، آیت 77)

(7)﴿لٰكِنِ الرّٰسِخُوْنَ فِى الْعِلْمِ مِنْهُمْ وَالْمُؤْمِنُوْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَاۤ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَالْمُقِيْمِيْنَ الصَّلٰوةَ وَالْمُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اُولٰٓئِكَ سَنُؤْتِيْهِمْ اَجْرًا عَظِيْمًا﴾ ہاں جو اُن میں علم میں پکے اور ایمان والے ہیں وہ ایمان لاتے ہیں اُس پر جو اے محبوب تمہاری طرف اُترا اور جو تم سے پہلے اترا اور نماز قائم رکھنے والے اور زکوٰۃ دینے والے اور اللہ اور قیامت پر ایمان لانے والے ایسوں کو عنقریب ہم بڑا ثواب دیں گے۔ (سورۃ النساء، آیت 162)

(8)﴿وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِىْۤ اِسْرَآءِيْلَ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَىْ عَشَرَ نَقِيْبًا وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّىْ مَعَكُمْ لَئِنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِىْ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ وَ اَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا لَّاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَلَاُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ﴾ ترجمہ: اور بے شک اللہ نے بنی اسرائیل سے عہد لیا اور ہم نے اُن میں بارہ سردار قائم کیے اور اللہ نے فرمایا بے شک میں تمہارے ساتھ ہوں ضرور اگر تم نماز قائم رکھو اور زکوٰۃ دو اور میرے رسولوں پر ایمان لاؤ اور ان کی تعظیم کرو اور اللہ کو قرض حسن دو تو بے شک میں تمہارے گناہ اُتار دوں گا اور ضرور تمہیں باغوں میں لے جاؤں گا جن کے نیچے

نہریں رواں پھر اس کے بعد جو تم میں سے کفر کرے وہ ضرور سیدھی راہ سے بہکا۔ (سورۃ المائدہ، آیت 12)

(9) ﴿إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُه وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ﴾ تمہارے دوست نہیں مگر اللہ اور اس کا رسول اور ایمان والے کہ نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور اللہ کے حضور جھکے ہوئے ہیں۔ (سورۃ المائدہ، آیت 55)

(10) ﴿وَاكْتُبْ لَنَا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّ فِي الْاٰخِرَةِ اِنَّا هُدْنَآ اِلَيْكَ قَالَ عَذَابِيْٓ اُصِيْبُ بِهٖ مَنْ اَشَآءُ وَ رَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ وَ يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُوْنَ﴾ ترجمہ: اور ہمارے لئے اِس دُنیا میں بھلائی لکھ اور آخرت میں بے شک ہم تیری طرف رجوع لائے فرمایا میرا عذاب میں جسے چاہوں دوں اور میری رحمت ہر چیز کو گھیرے ہے تو عنقریب میں نعمتوں کو ان کے لئے لکھ دوں گا جو ڈرتے اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور وہ ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں۔ (سورۃ الاعراف، آیت 156)

(11) ﴿فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَ خُذُوْهُمْ وَ احْصُرُوْهُمْ وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ فَاِنْ تَابُوْا وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ ترجمہ: پھر جب حرمت والے مہینے نکل جائیں تو مشرکوں کو مارو جہاں پاؤ اور انہیں پکڑو اور قید کرو اور ہر جگہ اُن کی تاک میں بیٹھو پھر اگر وہ توبہ کریں اور نماز قائم رکھیں اور زکوٰۃ دیں تو ان کی راہ چھوڑ دو بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ (سورۃ التوبہ، آیت 5)

(12) ﴿فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ وَنُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ﴾ ترجمہ: پھر اگر وہ توبہ کریں اور نماز قائم رکھیں اور زکوٰۃ دیں تو وہ تمہارے دینی بھائی ہیں اور ہم آیتیں مفصل بیان کرتے ہیں جاننے والوں کے لئے۔ (سورۃ التوبہ، آیت 11)

(13) ﴿اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَلَمْ يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ فَعَسٰٓى اُولٰٓئِكَ اَنْ يَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ﴾ ترجمہ: اللہ کی مسجدیں وہی آباد کرتے ہیں جو اللہ اور قیامت پر ایمان لاتے اور نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے تو قریب ہے کہ

یہ لوگ ہدایت والوں میں ہوں۔ (سورۃ التوبہ، آیت 18)

(14)﴿وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ یَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَیُطِیْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اُولٰٓئِكَ سَیَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ اِنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ﴾ ترجمہ: اور مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں ایک دوسرے کے رفیق ہیں بھلائی کا حکم دیں اور برائی سے منع کریں اور نماز قائم رکھیں اور زکوٰۃ دیں اور اللہ و رسول کا حکم مانیں یہ ہیں جن پر عنقریب اللہ رحم کرے گا بیشک اللہ غالب حکمت والا ہے۔ (سورۃ التوبہ، آیت 71)

(15)﴿وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً یَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا وَ اَوْحَیْنَآ اِلَیْهِمْ فِعْلَ الْخَیْرٰتِ وَ اِقَامَ الصَّلٰوةِ وَ اِیْتَآءَ الزَّكٰوةِ وَ كَانُوْا لَنَا عٰبِدِیْنَ﴾ ترجمہ: اور ہم نے انہیں امام کیا کہ ہمارے حکم سے بلاتے ہیں اور ہم نے انہیں وحی بھیجی اچھے کام کرنے اور نماز برپار کھنے اور زکوٰۃ دینے کی اور وہ ہماری بندگی کرتے تھے۔ (سورۃ الانبیاء، 73)

(16)﴿اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَ اَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَ نَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَ لِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ﴾ وہ لوگ کہ اگر ہم انہیں زمین میں قابو دیں تو نماز قائم رکھیں اور زکوٰۃ دیں اور بھلائی کا حکم کریں اور برائی سے روکیں اور اللہ ہی کے لئے سب کاموں کا انجام۔ (سورۃ الحج، آیت 41)

(17)﴿وَجَاهِدُوْا فِی اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ هُوَ اجْتَبٰىكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَیْكُمْ فِی الدِّیْنِ مِنْ حَرَجٍ مِلَّةَ اَبِیْكُمْ اِبْرٰهِیْمَ هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِیْنَ مِنْ قَبْلُ وَفِیْ هٰذَا لِیَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِیْدًا عَلَیْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ فَاَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَ اعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ هُوَ مَوْلٰىكُمْ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَ نِعْمَ النَّصِیْرُ﴾ ترجمہ: اور اللہ کی راہ میں جہاد کرو جیسا حق ہے جہاد کرنے کا اس نے تمہیں پسند کیا اور تم پر دین میں کچھ تنگی نہ رکھی تمہارے باپ ابراہیم کا دین اللہ نے تمہارا نام مسلمان رکھا ہے اگلی کتابوں میں اور اس قرآن میں تاکہ رسول تمہارا نگہبان و گواہ ہو اور تم اور لوگوں پر گواہی دو تو نماز برپا رکھو اور زکوٰۃ دو اور اللہ کی رسی مضبوط تھام لو وہ تمہارا مولیٰ ہے تو کیا ہی اچھا مولیٰ اور کیا ہی اچھا مددگار۔ (سورۃ الحج، آیت 78)

(18)﴿رِجَالٌ لَّا تُلْهِیْهِمْ تِجَارَةٌ وَّ لَا بَیْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَ اِقَامِ الصَّلٰوةِ وَ اِیْتَآءِ الزَّكٰوةِ

یَخَافُوْنَ یَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِیْهِ الْقُلُوْبُ وَ الْاَبْصٰرُ ﴾ترجمہ: وہ مرد جنہیں غافل نہیں کرتا کوئی سودا اور نہ خرید وفروخت اللہ کی یاد اور نماز برپا رکھنے اور زکوٰۃ دینے سے ڈرتے ہیں اس دن سے جس میں اُلٹ جائیں گے دل اور آنکھیں۔

(سورۃ النور، 37)

(19) ﴿وَ اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَ اٰتُوا الزَّکٰوۃَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴾ترجمہ: اور نماز قائم رکھو اور زکوٰۃ دو اور رسول کی فرمانبرداری کرو اس امید پر کہ تم پر رحم ہو۔ (سورۃ النور، آیت 56)

(20) ﴿اَلَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَ یُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ وَ ھُمْ بِالْاٰخِرَۃِ ھُمْ یُوْقِنُوْنَ ﴾ترجمہ: وہ جو نماز قائم رکھتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور وہ آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔ (سورۃ النمل، آیت 3)

(21) ﴿اَلَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَ یُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ وَھُمْ بِالْاٰخِرَۃِ ھُمْ یُوْقِنُوْنَ ﴾ترجمہ: وہ جو نماز قائم رکھیں اور زکوٰۃ دیں اور آخرت پر یقین لائیں۔ (سورۂ لقمان، آیت 4)

(22) ﴿وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجٰھِلِیَّۃِ الْاُوْلٰی وَ اَقِمْنَ الصَّلٰوۃَ وَ اٰتِیْنَ الزَّکٰوۃَ وَ اَطِعْنَ اللہَ وَ رَسُوْلَہ اِنَّمَا یُرِیْدُ اللہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَ یُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا ﴾ترجمہ: اور اپنے گھروں میں ٹھہری رہو اور بے پردہ نہ رہو جیسے اگلی جاہلیت کی بے پردگی اور نماز قائم رکھو اور زکوٰۃ دو اور اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانو اللہ تو یہی چاہتا ہے اے نبی کے گھر والو کہ تم سے ہر ناپاکی دور فرما دے اور تمہیں پاک کر کے خوب ستھرا کر دے۔ (سورۃ الاحزاب، آیت 33)

(23) ﴿اَلَّذِیْنَ لَا یُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ وَ ھُمْ بِالْاٰخِرَۃِ ھُمْ کٰفِرُوْنَ ﴾ترجمہ: وہ جو زکوٰۃ نہیں دیتے اور وہ آخرت کے منکر ہیں۔ (سورۂ حم السجدۃ، آیت 7)

(24) ﴿ءَ اَشْفَقْتُمْ اَنْ تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیْ نَجْوٰیکُمْ صَدَقٰتٍ فَاِذْ لَمْ تَفْعَلُوْا وَ تَابَ اللہُ عَلَیْکُمْ فَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَ اٰتُوا الزَّکٰوۃَ وَ اَطِیْعُوا اللہَ وَ رَسُوْلَہ وَ اللہُ خَبِیْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴾ترجمہ: کیا تم اس سے ڈرے کہ تم اپنی عرض سے پہلے کچھ صدقے دو پھر جب تم نے یہ نہ کیا اور اللہ نے اپنی مہر سے تم پر رجوع فرمائی تو نماز قائم رکھو اور زکوٰۃ دو اور اللہ اور اس کے رسول کے فرمانبردار رہو اور اللہ تمہارے کاموں کو جانتا ہے۔ (سورۃ المجادلۃ، آیت 13)

(25) ﴿اِنَّ رَبَّکَ یَعۡلَمُ اَنَّکَ تَقُوۡمُ اَدۡنٰی مِنۡ ثُلُثَیِ الَّیۡلِ وَ نِصۡفَہٗ وَ ثُلُثَہٗ وَ طَآئِفَۃٌ مِّنَ الَّذِیۡنَ مَعَکَ وَ اللّٰہُ یُقَدِّرُ الَّیۡلَ وَ النَّہَارَ عَلِمَ اَنۡ لَّنۡ تُحۡصُوۡہُ فَتَابَ عَلَیۡکُمۡ فَاقۡرَءُوۡا مَا تَیَسَّرَ مِنَ الۡقُرۡاٰنِ عَلِمَ اَنۡ سَیَکُوۡنُ مِنۡکُمۡ مَّرۡضٰی وَ اٰخَرُوۡنَ یَضۡرِبُوۡنَ فِی الۡاَرۡضِ یَبۡتَغُوۡنَ مِنۡ فَضۡلِ اللّٰہِ وَ اٰخَرُوۡنَ یُقَاتِلُوۡنَ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ فَاقۡرَءُوۡا مَا تَیَسَّرَ مِنۡہُ وَ اَقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ وَ اٰتُوا الزَّکٰوۃَ وَ اَقۡرِضُوا اللّٰہَ قَرۡضًا حَسَنًا وَ مَا تُقَدِّمُوۡا لِاَنۡفُسِکُمۡ مِّنۡ خَیۡرٍ تَجِدُوۡہُ عِنۡدَ اللّٰہِ ہُوَ خَیۡرًا وَّ اَعۡظَمَ اَجۡرًا وَ اسۡتَغۡفِرُوا اللّٰہَ اِنَّ اللّٰہَ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ﴾ ترجمہ: بے شک تمہارا رب جانتا ہے کہ تم قیام کرتے ہو کبھی دو تہائی رات کے قریب کبھی آدھی رات کبھی تہائی اور ایک جماعت تمہارے ساتھ والی اور اللہ رات اور دن کا اندازہ فرماتا ہے اسے معلوم ہے کہ اے مسلمانوں تم سے رات کا شمار نہ ہو سکے گا تو اس نے اپنی مہر سے تم پر رجوع فرمائی اب قرآن میں سے جتنا تم پر آسان ہو اتنا پڑھو اسے معلوم ہے کہ عنقریب کچھ تم میں سے بیمار ہوں گے اور کچھ زمین میں سفر کریں گے اللہ کا فضل تلاش کرنے اور کچھ اللہ کی راہ میں لڑتے ہوں گے تو جتنا قرآن میسر ہو پڑھو اور نماز قائم رکھو اور زکوٰۃ دو اور اللہ کو اچھا قرض دو اور اپنے لئے جو بھلائی آگے بھیجو گے اسے اللہ کے پاس بہتر اور بڑے ثواب کی پاؤ گے اور اللہ سے بخشش مانگو بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

(سورۃ المزمل، آیت 20)

(26) ﴿وَ مَاۤ اُمِرُوۡۤا اِلَّا لِیَعۡبُدُوا اللّٰہَ مُخۡلِصِیۡنَ لَہُ الدِّیۡنَ حُنَفَآءَ وَ یُقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ وَ یُؤۡتُوا الزَّکٰوۃَ وَ ذٰلِکَ دِیۡنُ الۡقَیِّمَۃِ﴾ ترجمہ: اور ان لوگوں کو تو یہی حکم ہوا کہ اللہ کی بندگی کریں نرے اسی پر عقیدہ لاتے ایک طرف کے ہو کر اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں اور یہ سیدھا دین ہے۔ (سورۃ البینۃ، آیت 5)

(27) ﴿وَمَاۤ اٰتَیۡتُمۡ مِّنۡ رِّبًا لِّیَرۡبُوَا فِیۡۤ اَمۡوَالِ النَّاسِ فَلَا یَرۡبُوۡا عِنۡدَ اللّٰہِ وَمَاۤ اٰتَیۡتُمۡ مِّنۡ زَکٰوۃٍ تُرِیۡدُوۡنَ وَجۡہَ اللّٰہِ فَاُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡمُضۡعِفُوۡنَ﴾ ترجمہ: اور تم جو چیز زیادہ لینے کو دو کہ دینے والے کے مال بڑھیں تو وہ اللہ کے یہاں نہ بڑھے گی اور جو تم خیرات دو اللہ کی رضا چاہتے ہوئے تو انہیں کے دونے ہیں۔ (سورۃ الروم، آیت 39)

ایک جگہ زکوٰۃ کا لفظ ستھرے کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

﴿فَاَرَدۡنَاۤ اَنۡ یُّبۡدِلَہُمَا رَبُّہُمَا خَیۡرًا مِّنۡہُ زَکٰوۃً وَّ اَقۡرَبَ رُحۡمًا﴾ تو ہم نے چاہا کہ ان دونوں کا رب اس

سے بہتر ستھرا اور اس سے زیادہ مہربانی میں قریب عطا کرے۔ (سورۃ الکہف،81)

زکوۃ تھوڑی تھوڑی کر کے ادا کرنا کیسا؟

سال گزر گیا تو زکوۃ واجب الادا ہو چکی ،اب تھوڑی تھوڑی کر کے نہیں دے سکتے ،البتہ یہ ہوسکتا ہے کہ صاحب نصاب سال مکمل ہونے سے پہلے تھوڑی تھوڑی کر کے دیتا رہے اور جب سال مکمل ہو جائے اس وقت حساب کر لے ،کچھ بچتا ہو تو اب دے دے۔

فتاوی رضویہ میں ہے:

اگر زکوٰۃ پیشگی ادا کرتا ہے یعنی ہنوز (ابھی تک) حولانِ حول نہ ہُوا (سال نہ گذرا) کہ وجوبِ ادا ہو جاتا، خواہ یُوں کہ ابھی نصاب نامی فارغ عن الحوائج (حاجت سے زائد) کا مالک ہُوئے سال تمام نہ ہُوا، یا یُوں کہ سالِ گزشتہ کی دے چکا ہے اور سالِ رواں ہنوز (ابھی تک) ختم پر نہ آیا تو جب انتہائے سال نہ ہو بلا شبہ تفریق (جدا جدا کر کے) و تدریج (تھوڑا تھوڑا کر کے دینے) کا اختیارِ کامل رکھتا ہے جس میں اصلاً کوئی نقصان نہیں کہ حولانِ حول (سال گذرنے) سے پہلے زکوٰۃ واجب الادا نہیں ہوتی۔تو ابھی شرع اس سے تقاضا ہی نہیں فرماتی، یکمشت (اکٹھی) دینے کا مطالبہ کہاں سے ہوگا، یہ پیشگی دینا تبرع ہے۔

اور اگر سال گزر گیا اور زکوٰۃ واجب الادا ہو چکی تو اب تفریق و تدریج ممنوع ہوگی بلکہ فوراً تمام و کمال زرِ واجب الادا ادا کرے کہ مذہبِ صحیح و معتمد مفتی بہ پر ادائے زکوٰۃ کا وجوب فوری ہے جس میں تاخیر باعثِ گناہ۔ ہمارے ائمہ ثلٰثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے اس کی تصریح ثابت۔

بلکہ ہمارے بہت ائمہ نے تصریح فرمائی کہ اس (زکوٰۃ) ادائیگی میں دیر کرنے والا مردود الشہادۃ ہے، یہی منقول ہے محررِ مذہب سیّدنا امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ سے۔

اور شک نہیں کہ تدریج (تھوڑی تھوڑی دینے) میں اگر کل کی تاخیر نہ ہوئی تو بعض کی ضرور ہوگی حالانکہ اس پر واجب تھا کہ کلّ مطالبہ فی الفور ادا کرے۔

پھر بعد وجوبِ ادا تدریج کی مضرت (نقصان) اظہر مین الشّمس (سورج سے زیادہ روشن) کہ مذہبِ صحیح پر

ترکِ غور کرتے ہی گناہگار ہوگا اور مذہب تراخی پر بھی تدریج نامناسب کہ تاخیر میں آفات ہیں، ظاہر ہے کہ وقتِ موت معلوم نہیں، ممکن ہے کہ پیش از ادا (ادا کرنے سے پہلے) آجائے تو بالاجماع گناہگار ہوگا۔

اسی طرح تدریج میں اور دقتیں بھی محتمل، اور مالی و جانی حوادث سے محفوظ بھی رہا تو نفس پر اعتماد کسے ہے فان الشیطان یجری من الانسان مجری الدم (شیطان، انسان میں خون کی طرح گردش کرتا ہے) ممکن کہ بہکا دے اور آج جو قصدِ ادا ہے کل یہ بھی نہ رہے۔ سیّدنا امام ابن الامام کریم ابن الکرام حضرت امام محمد باقر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک قبائے نفیس بنوائی، طہارت خانے میں تشریف لے گئے، وہاں خیال آیا کہ اسے راہِ خدا میں دیجئے فوراً خادم کو آواز دی، قریب دیوار حاضر ہوا، حضور نے قبائے معلّٰی اتار کردی کہ فلاں محتاج کو دے آ۔ جب باہر رونق افروز ہوئے خادم نے عرض کی: اس درجہ تعجیل کی وجہ کیا تھی؟ فرمایا: کیا معلوم تھا باہر آتے آتے نیت میں فرق آجاتا۔

سبحان اللہ! یہ اُن کی احتیاط ہے جو ﴿اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ﴾ (ترجمہ: بلاشبہ میرے بندوں پر تیری حکومت نہیں چلے گی۔) کی آغوش میں پلے اور ﴿اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ وَیُطَهِّرَكُمْ تَطْهِیْرًا ۝﴾ (ترجمہ: اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ اے اہلبیتِ نبوی! تم سے پلیدی کو دُور کرے اور تمھیں خوب پاک فرمادے۔) کے دریا میں نہائے دُھلے۔ صلی اللہ تعالیٰ علیٰ ابیھم الکریم الاکرام و علیھم اجمعین و بارك و سلّم ترجمہ: ان کے والد گرامی پر اللہ تعالیٰ کی رحمتیں ہوں اور ان تمام پر بھی اور برکات وسلام۔

پھر ہم کہ مسخرۂ دست شیطان (شیطان کے ہاتھوں مسخر) ہیں، کس امید پر بے خوف و مطلق العنان ہیں۔

میرے نزدیک چند باتیں لوگوں کو تدریج پر حامل ہوتی ہیں، کبھی یہ خیال کہ اہم فالاہم میں صرف کریں یعنی جس وقت جس حاجتمند کو دینا زیادہ مناسب سمجھیں اُسے دیں۔ کبھی یہ کہ سائل بکثرت آتے ہیں یہ چاہتا ہے مالِ زکوٰۃ ان کے لئے رکھ چھوڑے کہ وقتاً فوقتاً دیا کرے کبھی یکمشت دینا ذرا نفس پر بار ہے اور تھوڑا تھوڑا نکلتا جائے گا تو معلوم نہ ہوگا۔ جنھیں یہ خیال ہوں اُن کے لئے راہ یہی ہے کہ زکوٰۃ پیشگی دیا کریں مثلاً ماہِ مبارک رمضان میں اُن پر حولان حول (سال پورا) ہوتا ہے تو 8 ہجری کے رمضان کے لئے 7 ہجری کے شوال سے دینا شروع کریں اور ختم سال تک بتدریج حسبِ رائے و مصلحت دیتے رہیں کہ اس میں ان کے مقاصد بھی حاصل ہوں گے اور تدریج مذموم و ممنوع سے بھی بچیں گے۔

(فتاوی رضویہ، ج10، ص75 تا 84، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

مصارف زکوۃ

مصارفِ زکوۃ درج ذیل ہیں:

(1) فقیر اور فقیر وہ ہے جس کے پاس حاجاتِ اصلیہ کے علاوہ نصاب سے کم مال ہو۔

(2) مسکین اور مسکین وہ ہے جس کے پاس کچھ نہ ہو۔

(3) عامل، اس کو اس کے عمل کی مقدار زکوۃ میں سے دیا جائے گا۔

(4) مکاتب غلام۔

(5) ایسا مقروض کہ جس کا قرض نکالنے کے بعد اس کے پاس نصاب باقی نہ رہے۔

(6) فی سبیل اللہ یعنی محتاج مجاہد۔

(7) مسافر جس کے ملک میں مال ہو مگر پاس نہ ہو۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ﴿اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَ الْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ○﴾ صدقات فقراء و مساکین کے لئے ہیں اور ان کے لئے جو اس کام پر مقرر ہیں اور وہ جن کے قلوب کی تالیف مقصود ہے اور گردن چھڑانے میں اور قرض داروں کو اور اللہ عزوجل کی راہ میں اور مسافر کے لئے، یہ اللہ عزوجل کی طرف سے مقرر کرنا ہے اور اللہ عزوجل علم و حکمت والا ہے۔ (پ10، سورۃ التوبہ، آیت 60)

اس آیت مبارکہ کے تحت صدر الافاضل سید مفتی محمد نعیم الدین مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

جب منافقین نے تقسیمِ صدقات میں سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر طعن کیا تو اللہ عزوجل نے اس آیت میں بیان فرمادیا کہ صدقات کے مستحق صرف یہی آٹھ قسم کے لوگ ہیں۔ انہیں پر صدقات صرف کئے جائیں گے، ان کے سوا اور کوئی مستحق نہیں اور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اموالِ صدقہ سے کوئی واسطہ ہی نہیں، آپ پر اور آپ کی اولاد پر صدقات حرام ہیں تو طعن کرنے والوں کو اعتراض کا کیا موقع۔

صدقہ سے اس آیت میں زکوۃ مراد ہے۔

مسئلہ: زکوۃ کے مستحق آٹھ قسم کے لوگ قرار دیئے گئے ہیں۔ ان میں سے مؤلفۃ القلوب باجماعِ صحابہ ساقط ہو گئے کیونکہ جب اللہ تبارک وتعالیٰ نے اسلام کو غلبہ دیا تو اب اس کی حاجت نہ رہی۔ یہ اجماع زمانہ صدیق میں منعقد ہوا۔ (تفسیر خزائن العرفان، بحوالہ تفسیر احمدی ومدارک، تحت الآیۃ المذکورہ)

علامہ شمس الدین تمرتاشی علیہ الرحمۃ مصارفِ زکوۃ بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں "هو فقير وهو من له ادنى شئى ومسكين من لاشئى له وعامل فيعطى بقدر عمله ومكاتب ومديون لايملك نصابا فاضلا عن دينه وفى سبيل الله وهو منقطع الغزاة وابن السبيل وهو من له مال لامعه" مصارفِ زکوۃ درج ذیل ہیں: (1) فقیر اور فقیر وہ ہے جس کے پاس ادنیٰ چیز (نصاب سے کم) ہو۔ (2) مسکین اور مسکین وہ ہے جس کے پاس کچھ نہ ہو (3) عامل، اس کو اس کے عمل کی مقدار زکوۃ میں سے دیا جائے گا، (4) مکاتب غلام (5) ایسا مدیون ہے کہ دین نکالنے کے بعد اس کے پاس نصاب باقی نہ رہے۔ (6) فی سبیل اللہ اور یہ وہ شخص ہے جو مال نہ ہونے کی وجہ سے غازیوں سے منقطع ہو گیا ہو۔ (7) مسافر جس کے ملک میں مال ہو مگر پاس نہ ہو۔ (تنویر الابصار مع الدر المختار ورد المحتار، ج3، ص333، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

مصارف زکوۃ کی تفصیل بہارِ شریعت سے

ان مصارف کی تفصیل بیان کرتے ہوئے صدر الشریعۃ مولانا مفتی محمد امجد علی اعظمی رحمہ اللہ تعالیٰ بیان فرماتے ہیں:

﴿1﴾ فقیر (وہ شخص جس کے پاس کچھ ہو مگر اتنا نہ ہو کہ نصاب تک پہنچ جائے یا اگر اس کے بقدر نصاب ہو مگر اس کی حاجت اصلیہ میں مستغرق ہو)

﴿2﴾ مسکین (وہ شخص جس کے پاس کچھ نہ ہو یہاں تک کہ کھانے اور بدن چھپانے تک کیلئے اسکا محتاج ہے کہ لوگوں سے سوال کرے خیال رہے اسے سوال حلال ہے جبکہ فقیر کو سوال کرنا ناجائز ہے کہ جس کے پاس کھانے اور بدن چھپانے کو ہو اسے بغیر ضرورت ومجبوری سوال حرام ہے)

﴿3﴾ عامل (وہ شخص جسے بادشاہ اسلام نے زکاۃ اور عشر وصول کرنے کیلئے مقرر کیا ہو)

﴿4﴾ رقاب (اس سے مراد مکاتب غلام کو دینا کہ اس مال زکاۃ سے بدلِ کتابت ادا کرے اور غلامی سے اپنی

گردن رہا کرے)

﴿5﴾ غارم (اس سے مراد وہ قرض دار ہے جس پر اتنا قرض ہو کہ اسکے نکالنے کے بعد اسکے پاس نصاب باقی نہ رہے۔ ﴿6﴾ فی سبیل اللہ (یعنی راہ خدا میں خرچ کرنا اسکی چند صورتیں ہیں مثلاً کوئی شخص محتاج ہے کہ جہاد میں جانا چاہتا ہے سواری اور زادِ راہ اسکے پاس نہیں تو اسے مال زکاۃ دے سکتے ہیں کہ یہ راہ خدا میں دینا ہے اگر چہ وہ کمانے پر قادر ہو یا کوئی حج کو جانا چاہتا ہے اور اس کے پاس مال نہیں اسکو زکاۃ دے سکتے ہیں مگر اسے حج کیلئے سوال کرنا جائز نہیں یا طالب علم کہ علم دین پڑھتا یا پڑھنا چاہتا ہے اسے دے سکتے ہیں کہ یہ بھی راہ خدا میں دینا ہے .... ہر نیک کام میں زکاۃ صرف کرنا فی سبیل اللہ ہے جبکہ بطورِ تملیک ہو کہ بغیر تملیک زکاۃ ادا نہیں ہوسکتی)

﴿7﴾ ابن السبیل (یعنی مسافر جسکے پاس مال نہ رہا زکاۃ لے سکتا ہے اگر چہ اسکے گھر میں مال موجود مگر اسی قدر لے جسکی اسے حاجت ہے زیادہ کی اجازت نہیں) (بہارِ شریعت ملخصاً، ج 1، حصہ 5، ص 924 تا 926، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

مصارفِ زکوٰۃ کی تفصیل فتاوی رضویہ سے

فتاوی رضویہ میں ہے:

مصرفِ زکوٰۃ ہر مسلمان حاجتمند ہے جسے اپنے مالِ مملوک سے مقدارِ نصاب فارغ عن الحوائج الاصلیہ (حاجتِ اصلیہ سے زائد) پر دسترس (قابو) نہیں بشرطیکہ نہ ہاشمی ہو، نہ اپنا شوہر، نہ اپنی عورت اگر چہ طلاق مغلظہ دے دی ہو جب تک عدّت سے باہر نہ آئے، نہ وُہ اپنی اولاد میں ہے جیسے بیٹا بیٹی، پوتا پوتی، نواسا نواسی، نہ وُہ جن کی اولاد میں یہ ہے جیسے ماں باپ، دادا دادی، نانا نانی، اگر چہ یہ اصلی وفرعی رشتے عیاذاً باللہ بذریعہ زنا ہوں، نہ اپنا یا ان پانچوں قسم میں کسی کا مملوک اگر چہ مکاتب ہو، نہ کسی غنی کا غلام غیر کاتب، نہ مردِ غنی کا نابالغ بچہ، نہ ہاشمی کا آزاد بندہ، اور مسلمان حاجتمند کہنے سے کافر وغنی پہلے ہی خارج ہو چکے۔ یہ سولہ شخص ہیں جنھیں زکوٰۃ دینی جائز نہیں، ان کے سوا سب کو روا (جائز ہے)، مثلاً ہاشمیہ بلکہ فاطمیہ عورت کا بیٹا جبکہ باپ ہاشمی نہ ہو کہ شرع میں نسب باپ سے ہے، بعض مشہورین کہ ماں کے سیدانی ہونے سے سیّد بن بیٹھے ہیں اور اس پر اصرار کرتے ہیں بحکمِ حدیثِ صحیح مستحقِ لعنتِ الٰہی ہوتے ہیں۔

،اسی طرح غیر ہاشمی کا آزاد شدہ بندہ اگر چہ خود اپنا ہی ہو یا اپنے اور اپنے اصول وفروع وزوج وزوجہ وہاشمی کے

علاوہ کسی غنی کا مکاتب یا زنِ غنیّہ کا نابالغ بچہ اگر چہ یتیم ہو یا اپنے بہن، بھائی، چچا، پھوپھی، ماموں، بلکہ انھیں دینے میں دُونا ثواب ہے زکوٰۃ وصلۂ رحم"یا اپنی بہو یا داماد یا ماں کا شوہر یا باپ کی عورت یا اپنے زوج یا زوجہ کی اولادان سولہ 16 کو بھی دینا روا جبکہ یہ سولہ اُن سولہ سے نہ ہوں از انجا کہ اُنھیں اُن سے مناسبت ہے جس کے باعث ممکن تھا کہ ان میں بھی عدمِ جواز کا وہم جاتا، لہٰذا فقیر نے انہیں بالتخصیص شمار کر دیا۔

اور نصابِ مذکورہ پر دسترس نہ ہونا چند صورت کو شامل:

(1) ایک یہ کہ سرے سے مال ہی نہ رکھتا ہو اسے مسکین کہتے ہیں۔

(2) دوم مال ہو مگر نصاب سے کم، یہ فقیر ہے۔

(3) سوم نصاب بھی ہو مگر حوائجِ اصلیہ میں مستغرق، جیسے مدیون۔

(4) چہارم حوائج سے بھی فارغ ہو مگر اسے دسترس نہیں، جیسے ابن السبیل یعنی مسافر جس کے پاس خرچ نہ رہا، تو بقدرِ ضرورت زکوٰۃ لے سکتا ہے اس سے زیادہ اُسے لینا روا نہیں، یا وہ شخص جس کا مال دوسرے پر دینِ موجل (مقررشدہ مدت تک لیے قرض) ہے ہنوز میعاد نہ آئی، اب اُسے کھانے پہننے کی تکلیف ہے تو میعاد آنے تک بقدرِ حاجت لے سکتا ہے یا وہ جس کا مدیون غائب ہے یا لے کر مکر گیا اگر چہ یہ ثبوت رکھتا ہو کہ ان سب صورتوں میں دسترس نہیں۔

بالجملہ مدار کار حاجتمند بمعنی مذکور پر ہے، تو جو نصاب مزبور پر دسترس رکھتا ہے ہرگز زکوٰۃ نہیں پا سکتا اگر چہ غازی ہو یا حاجی یا طالب علم یا مفتی۔

مگر عاملِ زکوٰۃ جسے حاکمِ اسلام نے اربابِ اموال سے تحصیل زکوٰۃ پر مقرر کیا وہ جب تحصیل کرے تو بحالتِ غنا بھی بقدر اپنے عمل کے لے سکتا ہے اگر ہاشمی نہ ہو۔

پھر دینے میں تملیک شرط ہے، جہاں یہ نہیں جیسے محتاجوں کو بطورِ اباحت اپنے دسترخوان پر بٹھا کر کھلا دینا یا میّت کے کفن دفن میں لگانا یا مسجد، کنواں، خانقاہ، مدرسہ، پُل، سرائے وغیرہ بنوانا ان سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، اگر ان میں صرف کیا چاہے تو اس کے وہی حیلے ہیں جو ماقبل میں گزرے۔ (فتاویٰ رضویہ، ج10، ص109,110، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

آسان الفاظ میں شرعی فقیر کی پہچان

شرعی فقیر یعنی مستحق زکوۃ وہ شخص ہے جس میں درج ذیل باتیں پائی جائیں:

(1) اس کے پاس ساڑھے سات تولہ سونا نہ ہو۔

(2) ساڑھے باون تولہ چاندی اس کی ملکیت میں نہ ہو۔

(3) ساڑھے باون تولہ چاندی کی جو رقم بنتی ہے وہ اس کے پاس نہ ہو۔

(4) ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کے برابر اس کے پاس کسی قسم کا مالِ نامی مثلاً مالِ تجارت، پرائز بانڈ وغیرہ نہ ہوں۔

(5) اتنی ہی قیمت کے برابر اس کے پاس حاجت اصلیہ سے زائد مالیت کی اشیاء مثلاً اضافی فرنیچر، گھریلو ڈیکوریشن کا سامان نہ ہو۔

(6) سونا یا چاندی اگر اوپر بیان کردہ مقدار سے کم ہے لیکن سونے یا چاندی کے ساتھ ساتھ دیگر وہ چیزیں بھی اس کے پاس ہیں کہ مالک نصاب ہونے میں جن کا شمار کیا جاتا ہے تو اب سب کی قیمت ملا کر دیکھیں گے اگر تمام کی قیمت ساڑھے باون تولہ چاندی کی مذکورہ قیمت کے برابر آتی ہے تو ایسا شخص بھی زکوۃ کا مستحق نہیں۔

(7) بلکہ صرف سونا بھی اتنی مقدار میں نہ ہو کہ اس کی قیمت ساڑھے باون تولے چاندی کے برابر ہو جائے۔

زکوۃ کی ادائیگی میں نیت اور اخلاص شرط ہے

زکوۃ میں نیت شرط ہے بے اس کے ادا نہیں ہوتی، فی الاشباہ الزکوٰۃ فلا یصح اداھا الّا بالنیة (اشباہ میں ہے کہ زکوۃ کی ادائیگی نیت کی بغیر درست نہیں۔)

(الاشباہ والنظائر، القاعدۃ الاولیٰ من الفن الاول، ج1، ص30، ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی)

اور نیّت میں اخلاص شرط ہے بغیر اس کے نیّت مہمل، فی مجمع الانھر الزکوٰۃ عبادۃ فلابدّ فیھا من الاخلاص (مجمع الانہر میں ہے زکوۃ عبادت ہے لہٰذا اس میں اخلاص شرط ہے۔)

(مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر، کتاب الزکوۃ، ج1، ص192، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

اور اخلاص کے یہ معنیٰ کہ زکوۃ صرف بہ نیّتِ زکوۃ و ادائے فرض و بجا آوری حکم الٰہی دی جائے، اس کی ساتھ اور

کوئی امر منافیِ زکوٰۃ مقصود نہ ہو۔ تنویر الابصار میں ہے: الزکوٰۃ تملیک جزء مال عینہ الشارع من مسلم فقیر غیر ھاشمی ولا مولاہ مع قطع المنفعۃ عن المملک من کل وجہ للّٰہ تعالٰی۔ (زکوٰۃ شارع کے مقرر کردہ حصے کا فقط رضائے الٰہی کے لئے کسی مسلمان فقیر کو اس طرح مالک بنانا کہ ہر طرح سے مالک نے اس شے سے نفع حاصل نہ کرنا ہو بشرطیکہ وہ مسلمان ہاشمی نہ ہو اور نہ ہی اس کا مولیٰ ہو۔) (درمختار، کتاب الزکوٰۃ، ج 1 ص 129 مطبع مجتبائی، دہلی)

درمختار میں ہے: للّٰہ تعالٰی بیان لا شتراط النیّۃ (اللہ کیلئے ہو "کے الفاظ نیت ہی کو شرط قرار دینے کیلئے ہیں۔)

(درمختار، کتاب الزکوٰۃ، ج 1 ص 129 مطبع مجتبائی دہلی)

پھر اس میں اعتبار صرف نیّت کا ہے اگرچہ زبان سے کچھ اور اظہار کرے، مثلاً دل میں زکوٰۃ کا ارادہ کیا اور زبان سے ہبہ یا قرض کہہ کر دیا صحیح مذہب پر زکوٰۃ ادا ہو جائیگی۔ شامی میں ہے: لا اعتبار للتسمیۃ فلو سماھا ھبۃ او قرضا تجزیہ فی الاصح (نام لینے کا اعتبار نہیں، اگر کسی نے اس مال کو ہبہ یا قرض کہہ دیا تب بھی اصح قول کے مطابق زکوٰۃ ادا ہو جائے گی) (ردالمحتار، کتاب الزکوٰۃ، ج 2 ص 4، مصطفے البابی مصر)

پھر نیت بھی صرف دینے والے کی ہے لینے والا کچھ سمجھ کر لے اس کا علم اصلاً معتبر نہیں، فی غمز العیون العبرۃ لنیۃ الدافع لا لعلم المدفوع (غمز العیون میں ہے کہ اعتبار دینے والے کی نیّت کا ہے نہ کہ اس کے علم کا جسے زکوٰۃ دی جا رہی ہے) (غمز عیون البصائر، کتاب الزکوٰۃ فن ثانی، ج 1 ص 221، مصطفیٰ البابی، مصر)

ولہٰذا اگر عید کے دن اپنے رشتہ داروں کو جنھیں زکوٰۃ دی جا سکتی ہے کچھ روپیہ عیدی کا نام کر کے دیا اور انہوں نے عیدی ہی سمجھ کر لیا اور اس کے دل میں یہ نیّت تھی میں زکوٰۃ دیتا ہوں بلاشبہ ادا ہو جائیگی۔ اسی طرح اگر کوئی ڈالی لایا یا رمضان مبارک میں سحری کو جگانے والا عید کا انعام لینے آیا یا کسی شخص نے دوست کے آنے یا اور کسی خوشی کا مژدہ سنایا اس نے دل میں زکوٰۃ کا قصد کر کے ان لوگوں کو کچھ دیا، یہ دینا بھی زکوٰۃ ہی ٹھہرے گا، اگرچہ ان کے ظاہر میں ڈالی لانے یا سحری کو جگانے یا خوشخبری کو سنانے کا انعام تھا، اور انہوں نے اپنی دانست میں یہی جان کر لیا۔

(فتاوی رضویہ، ج 10 ص 65 تا 68، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

زکوٰۃ تحفہ کہہ کر دی جب بھی ادا ہو جائے گی

زکوۃ دیتے وقت جس کو دی جارہی ہے اسے بتانا ضروری نہیں کہ یہ زکوۃ ہے صرف دل میں زکوۃ کی نیت ہونا کافی ہے، بلکہ اگر تحفہ وغیرہ کہہ کر دی اور دل میں نیت زکوۃ کی ہے تو ادا ہو جائے گی۔ خاتم المحققین علامہ امین ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''لا اعتبار للتسمية فلو سماها هبة او قرضاً تجزيه في الاصح ''زکوۃ دیتے وقت تسمیہ کا کوئی اعتبار نہیں، پس اگر زکوۃ کو ہبہ یا قرض کہہ کر دیا تو اصح قول پر اسے کفایت کرے گا۔

(ردالمحتار، کتاب الزکوۃ، ج2، ص268، دارالفکر، بیروت)

امام اہل سنت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"عید کے دن اپنے رشتہ داروں کو جنہیں زکوۃ دی جاسکتی ہے کچھ روپیہ عیدی کا نام کر کے دیا اور انہوں نے عیدی ہی سمجھ کر لیا اور اس کے دل میں یہ نیت تھی میں زکوۃ دیتا ہوں بلاشبہہ ادا ہو جائے گی۔"

(فتاوی رضویہ، ج10، ص67، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

دین پر زکوۃ کا حکم

دین کی تین اقسام ہیں: (۱) دین قوی (۲) دین متوسط (۳) دین ضعیف۔

دین قوی سے مراد قرض، تجارتی مال کا ثمن یا تجارتی مال کا کرایہ۔

دین متوسط سے مراد کسی غیر تجارتی مال کا بدل ہو جیسے گھر کا عوض، سواری کے گھوڑے کا عوض وغیرہ۔

دین ضعیف سے مراد جو کسی مال کا بدل نہ ہو جیسے حق مہر۔

ان تینوں اقسام کی امثلہ اور ان پر زکوۃ کا حکم فتاوی رضویہ کے درج ذیل جزئیہ میں ہے:

دین تین قسم ہے:

اول: قوی یعنی قرض، جس عرف میں دست گردان کہتے ہیں اور تجارتی مال کا ثمن یا کرایہ، مثلاً اُس نے بہ نیت تجارت کچھ مال خریدا وہ قرضوں کسی کے ہاتھ بیچا تو یہ دین جو خریدار پر آیا دینِ قوی ہے، یا کوئی مکان یا دکان یا زمین بہ نیتِ تجارت خریدی تھی اب اسے کسی کے ہاتھ سکونت یا نشست یا زراعت کے لیے کرایہ پر دیا، یہ کرایہ اگر اس پر دین ہوگا تو دینِ قوی ہوگا۔

دوم: متوسط کہ کسی مال غیر تجارتی کا بدل ہو، مثلاً گھر، غلّہ یا اثاث البیت، یا سواری کا گھوڑا کسی کے ہاتھ بیچا، یونہی اگر کسی پر کوئی دین اپنے مورث کے ترکہ میں ملا تو مذہبِ قوی پر وُہ بھی دین متوسط ہے۔

سوم: ضعیف کہ کسی مال کا بدل نہ ہو، جیسے عورت کا مہر کہ منافع بضع کا عوض ہے، یا وُہ دین جو بذریعہ وصیّت اسے پہنچا یا بسبب خلع عورت پر لازم آیا، یا مکان زمین کہ بہ نیّت تجارت نہ خریدی تھی اُن کا کرایہ چڑھا۔

قسم سوم کے دین پر، جب تک دین رہے اصلاً زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی اگرچہ دس برس گزر جائیں، ہاں جس دن سے اس کے قبضہ میں آئے گا شمارِ زکوٰۃ میں محسوب ہوگا یعنی اس کے سوا اور کوئی نصاب زکوٰۃ اسی کی جنس سے اس کے پاس موجود تھا اس پر سال چل رہا تھا تو جو وصول ہُوا اس میں ملا لیا جائے گا اور اسی کے سال تمام پر کل کی زکوٰۃ لازم ہوگی ،اور اگر ایسا نصاب نہ تھا تو جس دن سے وصول ہُوا اگر بقدرِ نصاب ہے اُسی وقت سے سال شروع ہوا ورنہ کچھ نہیں اور دو قسم سابق میں تجارت دین ہی سال بسال زکوٰۃ واجب ہوتی رہے گی مگر اس کا ادا کرنا اُسی وقت لازم ہوگا جبکہ اُس کے قبضہ میں دین قوی سے بقدر خمس نصاب یا متوسط سے بقدر کامل نصاب آئیگا۔

(فتاوی رضویہ، ج10، ص161 تا 167، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

دین میعادی پر زکوۃ کا حکم

دین کی میعاد خواہ کتنی ہی مقرر کردی جائے، وہ وجوبِ زکوۃ سے مانع ہی رہے گا یعنی جتنا دین ہوگا اس کو منہا کرنے کے بعد باقی بچ جانے والا مال اگر نصاب کی مقدار بچا تو اس پر زکوۃ واجب ہوگی اور اگر نصاب کی مقدار نہ بچا تو زکوۃ واجب نہیں ہوگی، دلیل اس پر یہ ہے کہ فقہائے کرام نے دین میعادی کو مطلقا وجوب زکوۃ سے مانع قرار دیا ہے، اس چیز کی تفصیل بیان نہیں کی کہ اتنی میعاد ہو تو مانع ہوگا اور اگر اس سے زائد ہو تو مانع نہیں ہوگا، جس سے واضح ہے کہ دین میعادی مطلقا وجوب زکوۃ سے مانع ہے خواہ اس کی میعاد کتنی ہی مقرر کردی گئی ہو۔

اس پر درج ذیل دلائل ہیں:

بدائع الصنائع میں ہے" ومنها ان لا يكون عليه دين مطالب به من جهة العباد عندنا فان كان فانه يمنع وجوب الزكوة بقدره حالاً كان او مؤجلاً" ترجمہ: ہمارے نزدیک بندے پر زکوۃ فرض ہونے کی شرائط میں

سے ایک شرط یہ ہے کہ اس پر ایسا دین نہ ہو کہ جس کا بندوں کی طرف سے کوئی مطالبہ کرنے والا ہو پس اگر ایسا دین ہوا تو وہ اپنی مقدار برابر زکوۃ کے واجب ہونے سے مانع ہوگا، برابر ہے کہ اس کی کوئی مدت مقرر نہ کی گئی ہو یا مقرر کردی گئی ہو۔

(بدائع الصنائع، ج2، ص83، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

عنایہ میں ہے" (کان علیه دین یحیط بماله) وله مطالب من جهة العباد سواء کان لله کالزکاة أو للعباد کالقرض۔۔۔۔وسواء کان حالا أو مؤجلا (فلا زکاة علیه "ترجمہ: جس پر اتنا دین ہو جو اس کے مال کو گھیرے ہوئے ہو اور اس دین کا بندوں کی طرف سے کوئی مطالبہ کرنے والا ہو برابر ہے کہ وہ اللہ تعالی کا دین ہو جیسے زکوۃ یا بندوں کا جیسے قرض، برابر ہے کہ اس کی کوئی مدت مقرر نہ کی گئی ہو یا مقرر کردی گئی ہو۔تو ایسے شخص پر زکوۃ لازم نہیں۔

(عنایہ، ج2، ص170 مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

درمختار میں ہے" (فارغ عن دین له مطالب من جهةالعباد) سواء کان لله کزکاة وخراج، او للعبد ولو کفالة او مؤجلا "ترجمہ: نصاب اس دین سے فارغ ہو، جس دین کا بندوں کی طرف سے کوئی مطالبہ کرنے والا ہو، برابر ہے کہ وہ اللہ تعالی کا دین ہو جیسے: زکوۃ اور خراج یا بندے کا دین ہو اگرچہ بطور کفالت ہو یا اس کی مدت مقرر ہو۔

(درمختار مع ردالمحتار، ج3، ص176، دارالکتب العلمیہ، بیروت)

فتاوی ہندیہ میں ہے" وکذلك المهر یمنع مؤجلا کان أو معجلا؛ لأنه مطالب به کذا فی محیط السرخسی .وهو الصحیح علی ظاهر المذهب "ترجمہ: اسی طرح مہر خواہ مؤجل ہو یا معجّل بھی زکوۃ سے مانع ہوگا کیونکہ اس کا بھی مطالبہ کیا جاتا ہے اسی طرح محیط سرخسی میں ہے اور ظاہر مذہب پر یہی صحیح ہے۔

(فتاوی ہندیہ، ج1، ص173، دارالفکر، بیروت)

اشکال: فقہاء کی کتب میں ایسے جزئیات موجود ہیں کہ جن میں صراحت ہے کہ دین میعادی، وجوب زکوۃ سے مانع نہیں ہے اور اسے صحیح بھی قرار دیا گیا ہے۔جس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ دین کی جب سال بعد کی مدت مقرر ہو تو ایسی صورت میں وہ وجوب زکوۃ سے مانع نہیں ہوتا۔چنانچہ فتح القدیر میں ہے" هل یمنع دین المؤجل کما یمنع المعجل فی طریقة الشهید لا روایة فیه، ان قلنا لا فله وجه، ان قلنا نعم فله وجه "ترجمہ: کیا دین

مؤجل وجوب زکوۃ سے مانع ہے جیسا کہ معجّل، صدر شہید علیہ الرحمہ کے مطابق تو اس بارے میں کوئی روایت نہیں، اگر ہم کہیں مانع نہیں تو اس کی بھی وجہ ہے اور اگر ہم کہیں کہ مانع ہے تو اس کی بھی وجہ ہے۔ (فتح القدیر، ج2، ص173، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

شامی میں ہے"(اومؤجلاً الخ)عزاہ فی المعراج الی شرح الطحاوی وقال:عن ابی حنیفة لایمنع ،وقال الصدرالشھید :لاروایة فیه،ولکل من المنع وعدمه وجه،زاد القھستانی عن الجواہر: والصحیح انه غیر مانع "ترجمہ: شارح نے زکوۃ لازم ہونے کے لیے نصاب کا دین میعادی سے فارغ ہونے کا جو قول کیا ہے، معراج میں اس کو شرح طحاوی کی طرف منسوب کیا ہے، اور کہا ہے کہ امام اعظم علیہ الرحمۃ سے مروی ہے کہ ایسا دین مانع نہیں۔ اور صدر شہید رحمہ اللہ نے فرمایا: اس بارے میں کوئی روایت نہیں، اور اس دین کے مانع بننے اور نہ بننے میں سے ہر ایک کی وجہ ہے۔ قہستانی نے جواہر کے حوالے سے یہ زیادہ کیا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ دین مؤجل وجوبِ زکوۃ سے مانع نہیں ہے۔ (ردالمحتار، ج3، ص177، دارالکتب العلمیۃ، بیروت)

جواب: ہم نے صورت مسئولہ کی دلیل میں جو جزئیات ذکر کیے ہیں، ان میں صراحت ہے کہ دین میعادی ،وجوب زکوۃ سے مانع ہے اور اشکال کے تحت جو جزئیات ذکر کیے گئے ہیں، ان میں یہ صراحت ہے کہ دین میعادی وجوب زکوۃ سے مانع نہیں ہے، پس اس تعارض کو دور کرنے کے لیے نظر فقہی کی ضرورت ہے چنانچہ ہم یہ کہتے ہیں کہ

دین موجل یعنی دین میعادی کی دو قسمیں ہیں:

ایک موجل مشروط یعنی ایسا دین کہ عاقدین نے صراحتاً اس کے لیے کوئی میعاد مقرر کر دی۔

دوسرا موجل عرفی یعنی ایسا دین کہ جس کی میعاد عاقدین نے صراحتاً اس کے لیے کوئی میعاد مقرر نہیں کی بلکہ عرفاً اس کے لیے میعاد ہو لیکن اس میعاد کی کوئی مقررہ تاریخ نہ ہو۔

تو جن جزئیات میں یہ صراحت ہے کہ دین موجل یعنی دین میعادی وجوب زکوۃ سے مانع ہے، ان میں دین موجل یعنی دین میعادی کی پہلی قسم یعنی موجل مشروط مراد ہے اور جن جزئیات میں یہ صراحت ہے کہ دین موجل یعنی دین میعادی وجوب زکوۃ سے مانع نہیں ہے، ان جزئیات میں دین موجل کی دوسری قسم یعنی موجل عرفی مراد ہے۔

پس دونوں اقوال اپنی اپنی جگہ درست ہیں۔ اس تطبیق کی دلیل یہ ہے کہ: دین موجل کے وجوب زکوۃ سے مانع

نہ ہونے کی تصحیح جواہر سے منقول ہے اور جواہر کا یہ مسئلہ مہر موجل کے متعلق ہے پھر اسی سے استدلال کر کے دوسرے بعض فقہاء نے مطلقا دین موجل کے وجوب زکوۃ سے مانع نہ ہونے کا قول کیا ہے۔اور جواہر میں جس مہر موجل کی بات ہو رہی ہے،اس سے دین موجل کی دوسری قسم یعنی موجل عرفی مراد ہے۔جس پر دلیل فتاوی ہندیہ کی یہ عبارت ہے" قال مشائخنا رحمهم الله تعالیٰ فی رجل علیه مهر مؤجل لامرأته وهو لا یرید اداء ه لا یجعل مانعاً من الزکوة لعدم المطالبة فی العادة وانه حسن ایضاً.هکذا فی جواهر الفتاوی "ترجمہ:جس شخص پر اس کی بیوی کا مہر موجل ہو کہ جسے وہ ادا نہیں کرنا چاہتا،اس کے متعلق ہمارے مشائخ رحمہم اللہ تعالی نے فرمایا کہ اس کا دین زکوۃ سے مانع قرار نہیں دیا جائے گا کیونکہ عادتا اس کا مطالبہ نہیں ہوتا اور یہ بھی اچھا قول ہے،اسی طرح جواہر الفتاوی میں ہے۔

(فتاوی ہندیہ،ج1،ص190،دار الکتب العلمیہ،بیروت)

اس میں حوالہ بھی جواہر الفتاوی کا دیا گیا ہے اور مہر موجل کا مسئلہ بیان کرنے کے بعد اس کی علت یہ بیان کی ہے کہ عادتا اس کا مطالبہ نہیں ہوتا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ مہر موجل عرفی کی بات کر رہے ہیں کیونکہ ایسے مہر کا عرف وعادت میں بحالت نکاح مطالبہ نہیں ہوتا۔

پس جب یہ بات واضح ہوگئی کہ جواہر الفتاوی میں جس مہر موجل کا ذکر ہے اس سے موجل عرفی مراد ہے تو اس سے استدلال کر کے جن فقہاء نے مہر کے علاوہ دوسرے دیون موجلہ کو وجوب زکوۃ سے مانع قرار نہیں دیا،ان سے موجل عرفی ہی مراد ہوگا۔جبکہ جو موجل کی پہلی قسم یعنی موجل مشروط وجوب زکوۃ سے مانع ہی رہے گا چنانچہ اسی تفصیل کی وضاحت **فتح القدیر میں یوں ہے**"هل یمنع الدین المؤجل کما یمنع المعجل فی طریقة الشهید لا روایة فیه،ان قلنا لا فله وجه وان قلنا نعم فله وجه،ولو کان علیه مهر لامرأته وهو لا یرید اداء ه لا یجعل مانعاً من الزکاة ذکره فی التحفة عن بعضهم لانه لا یعده دیناً وذکر قبله مهر المرأة،یمنع مؤجلا کان او معجلاً لانه متی طلبت اخذته وقال بعضهم ان کان مؤجلاً لا یمنع لانه غیر مطالب به عادة،انتهی، **وهذا یفید ان المراد المؤجل عرفاً لا شرطاً مصرحاً به** والالم یصح قوله لانها متی طلبت اخذته،ولا بانه غیر مطالب به عادة لان هذا فی المعجل لا المؤجل شرطاً فلا معنی لتقیید عدم المطالبة فیه بالعادة "ترجمہ:کیا دین معجّل کی

طرح دین موجل بھی وجوب زکوۃ سے مانع ہوگا؟ طریقۃ الشہید میں ہے کہ اس کے متعلق کوئی روایت نہیں ہے، اگر ہم کہیں کہ مانع نہیں ہوگا تو اس کی بھی وجہ ہے اور اگر ہم کہیں کہ مانع ہوگا تو اس کی بھی وجہ ہے۔ اور اگر کسی پر اس کی بیوی کا مہر ہو کہ جسے وہ ادا کرنا نہیں چاہتا تو اسے زکوۃ سے مانع قرار نہیں دیا جائے گا، اسے تحفہ میں بعض فقہاء کے حوالے سے ذکر کیا ہے کیونکہ شوہر اسے دین شمار نہیں کرتا ہے اور اس مسئلے سے پہلے یہ مسئلہ ذکر کیا ہے کہ عورت کا مہر موجل ہو یا معجّل بہرصورت وہ دین سے مانع ہوتا ہے کیونکہ عورت جب مطالبہ کرے تو اسے لے لے گی اور بعض نے کہا کہ مہر موجل ہو تو وجوب زکوۃ سے مانع نہیں ہوگا کیونکہ عرف وعادت میں اسے مطالبہ نہیں کیا جاتا۔ یہاں عبارت مکمل ہوگئی۔ اور یہ عبارت اس بات کا فائدہ دیتی ہے موجل سے موجل عرفی مراد ہے، موجل مشروط کہ جس میں صراحتا شرط ذکر کردی گئی ہو، وہ مراد نہیں ہے، ورنہ تو ان کا تعلیل بیان کرتے ہوئے یہ کہنا درست نہیں ہوگا کہ: اس کی وجہ یہ ہے کہ عورت جب چاہے مطالبہ کر کے لے سکتی ہے اور نہ یہ کہنا درست ہوگا کہ: اس کا عرف وعادت میں مطالبہ نہیں ہوتا۔ درست اس لیے نہیں ہوگا کہ پہلی بات یعنی عورت جب چاہے مطالبہ کر کے لے سکتی ہے، یہ تو مہر معجّل میں ہوتا ہے اور معجّل مشروط اس لیے مراد نہیں ہوسکتا کہ پھر یہ قید لگانے کا کوئی معنی نہیں رہے گا کہ عرف وعادت میں اس کا مطالبہ نہیں کیا جاتا (کیونکہ معجّل مشروط کا تو مطالبہ کیا جاتا ہے۔) (فتح القدیر، ج2، ص173، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

اسی طرح فتاوی رضویہ میں امام اہلسنت علیہ الرحمۃ مہر کے متعلق فرماتے ہیں: ''آج کل عورتوں کا مہر عام طور پر مہر موخر ہوتا ہے، جس کا مطالبہ بعد موت یا طلاق ہوگا، مرد کو اپنے تمام مصارف میں کبھی خیال بھی نہیں آتا کہ مجھ پر یہ دین ہے، ایسا مہر مانع وجوب زکوۃ نہیں ہوتا۔'' (فتاوی رضویہ، ج10، ص143، رضا فاونڈیشن، لاہور)

یہاں امام اہلسنت علیہ الرحمۃ نے مہر موجل عرفی ہی کے متعلق فرمایا ہے کہ وہ وجوب زکوۃ سے مانع نہیں ہے اور اس کی وضاحت بھی یہ بیان فرمائی ہے کہ ''مرد کو کبھی خیال بھی نہیں ہوتا کہ مجھ پر دین ہے، ایسا مہر مانع وجوب زکوۃ نہیں ہوتا'' تو اس سے پتا چلا کہ جس دین کے بارے میں کبھی خیال بھی نہ آتا ہو کہ مجھ پر دین ہے، بس وہ وجوب زکوۃ سے مانع ہے اور ایسا دین معجّل عرفی ہی ہوتا ہے، اس کے مقابل جو دین موجل مشروط ہو اس میں یقیناً یہی خیال رہتا ہے کہ مجھے وقت موعود پر اسے ادا کرنا ہے، لہذا دین موجل مشروط وجوب زکوۃ سے مانع بنے گا۔

اسی طرح صدرالشریعہ علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: ''جو دین میعادی ہو وہ مذہبِ صحیح میں وجوب زکوۃ کا مانع نہیں، چونکہ عادۃً دینِ مہر کا مطالبہ نہیں ہوتا، لہٰذا اگرچہ شوہر کے ذمہ کتنا ہی دینِ مہر ہو جب وہ مالکِ نصاب ہے زکوۃ واجب ہے، خصوصاً مہر مؤخر جو عام طور پر یہاں رائج ہے جس کی ادا کی کوئی میعاد معین نہیں ہوتی، اس کے مطالبہ کا تو عورت کو اختیار ہی نہیں، جب تک موت یا طلاق واقع نہ ہو۔ (بہارشریعت، ج01، حصہ 5، ص879، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

اس جزئیہ میں صدرالشریعہ علیہ الرحمۃ نے مہر کے وجوب زکوۃ سے مانع نہ ہونے کی وجہ یہی بیان فرمائی ہے کہ'' عادۃ اس کا مطالبہ نہیں ہوتا'' یہ بھی اسی بات کی طرف اشارہ ہے کہ اس سے موجل عرفی مراد ہے۔

بینک میں موجودرقم پرزکوۃ کا حکم

بینک میں موجودرقم بینک پرقرض ہے، لہٰذا اس کی زکوۃ کے احکام وہی ہوں گے جوقرض کے ہوتے ہیں۔

فتاوی رضویہ میں ہے:

وہ جب تک بینک میں ہے اپنے قبضے میں سمجھا جائے گا اور ہر سال اُس پر زکوٰۃ واجب ہوگی خواہ سال بسال ادا کرتا رہے یا جب اس میں سے گیارہ روپے سوا تین آنے کی وصول ہو اُس میں سے چالیسواں حصہ دے اور جتنے برس رہا ہے سب برسوں کی زکوٰۃ واجب ہوگی، ہاں ہر سال اگلے برسوں کی زکوٰۃ کی قدر اس پر دین سمجھ کرا تنا زکوٰۃ سے جُدا رہے گا، مثلاً دوسو روپیہ جمع ہیں تو پہلے سال دوسو پر پانچ روپیہ تقریباً واجب ہُوئے، دوسرے سال پانچ روپیہ سال گزشتہ کی زکوٰۃ کے اُس پر واجب ہیں لہٰذا اس سال ایک سو پچانوے پر زکوٰۃ واجب ہوگی تقریباً چار روپے چودہ آنے۔ تیسرے سال اُس پر دوسال کی زکوٰۃ کے نو روپے چودہ آنے قرض ہیں یہ مستثنیٰ ہوکر ایک سونوّے روپے دوآنے پر زکوٰۃ واجب ہوگی وعلی ھذا القیاس، واللہ تعالیٰ اعلم۔ (فتاوی رضویہ، ج10، ص141 تا145، رضافاؤنڈیشن، لاہور)

بینک کی طرف سے زکوۃ کی کٹوتی کی شرعی حیثیت

بینک سے زکوۃ کے نام پر جوکٹوتی کی جاتی ہے اس سے زکوٰۃ ادانہیں ہوتی اور اس طرح بندہ زکوۃ کی ادائیگی سے بری الذمہ نہیں ہوتا بلکہ اس پر اپنے مال کی الگ سے زکوۃ نکالنا ضروری ہے کہ زکوٰۃ کے ادا ہونے کے لئے مسلمان غیر ہاشمی شرعی فقیر کو مال کا مالک بنانا ضروری ہے اور بینک میں زکوٰۃ دیئے جانے سے عمومی طور پر یہ چیز حاصل نہیں ہوتی۔

فتاوی عالمگیری میں ہے:أما تفسيرها فهي تمليك المال من فقير مسلم غير هاشمي ۔ترجمہ:زکوۃ کا معنی یہ ہے کہ مسلمان غیر ہاشمی فقیر کو مال کا مالک بنادیا جائے۔

(فتاوی عالمگیری،کتاب الزکوۃ،الباب الاول،جلد 1،صفحہ 170،دارالفکر،بیروت)

وقار الفتاوی میں سوال ہے:حکومت سال کے بعد جو بینک سے زکوۃ کاٹتی ہے،کیا اس طرح مال کے مالک کی زکوۃ ادا ہو جاتی ہے؟

اس سوال کے جواب میں حضرت علامہ مفتی محمد وقار الدین علیہ الرحمۃ تحریر فرماتے ہیں:حکومت مالِ زکوۃ وصول کر کے جس طرح خرچ کرتی ہے،وہ صحیح نہیں۔زیادہ روپیہ ایسی جگہ خرچ کیا جاتا ہے،جہاں کوئی مالک نہیں ہوتا،للہذا زکوۃ ادا نہیں ہوتی۔

(وقار الفتاوی،ج2،ص414،بزم وقار الدین،کراچی)

جی پی فنڈ پر زکوۃ کا حکم

جی پی فنڈ میں ملازم کی اصل رقم جو تنخواہ سے کاٹی جاتی ہے ادارہ بطور وکیل کسی بنک میں اس ملازم کے نام مختص اکاؤنٹ میں ڈال دیتا ہے۔وہ اس کی ملکیت ہوتی ہے لہذا حسب قاعدہ اس پر بھی زکاۃ فرض ہوگی،اور اس فنڈ کی اصل رقم جب سے جمع ہوئی ہے اسی وقت سے ہر سال زکاۃ کا حساب کرتے وقت اسے بھی شمار کرنا ہوگا۔چنانچہ دیکھیں گے اگر پہلے سے نصاب موجود ہو تو اسی میں جمع ہو کر دیگر اموال زکاۃ کے ساتھ اس کی بھی زکاۃ ہر سال واجب ہوگی،اور مالک نصاب نہیں ہے تو جب وہ رقم زکاۃ کے دوسرے مالوں کے ساتھ جوڑنے سے ساڑھے باون تولہ چاندی کی مقدار کو پہنچ جائے اور حوائج اصلیہ سے بچ کر اس پر سال گزر جائے اس وقت اس پر زکاۃ واجب ہوگی اور پھر جب تک نصاب باقی رہے گا سال بسال زکاۃ واجب ہوتی رہے گی۔البتہ اس کی ادائیگی اس وقت لازم آئے گی کہ جب اس کے پانچویں حصے پر قبضہ ہو جائے۔اس وقت اس کا چالیسواں حصہ بطور زکاۃ ادا کرنا ہوگا۔ہاں،زکاۃ کا حساب کرنے میں آئندہ سالوں میں سے گذشتہ سال کی واجب شدہ زکاۃ نکالتے جائیں گے کیونکہ جتنی رقم زکاۃ کی بنی وہ اس پر اللہ عزوجل کا دین تھی جس پر زکاۃ نہیں ہوتی۔

اعلی حضرت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمان نے ایک سوال کے جواب میں ارشاد فرمایا:

بہر حال اس میں شک نہیں کہ یہ رقم اصل جو گورنمنٹ وریاست سے لے کر بینک میں بنام ملازم جمع ہوئی ملک ملازم ہے۔ (فتاویٰ رضویہ، جلد 19، صفحہ 536، رضافاؤنڈیشن، لاہور)

فتاویٰ رضویہ میں ہے: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید عرصہ تخمیناً بیس سال سے ریلوے کمپنی کے یہاں ملازم ہے اور ریلوے اپنے قاعدے کے موافق بشمول دیگر ملازمان کے زید کی تنخواہ ماہواری سے ایک آنہ چار پائی فی روپیہ بطور ضمانت مجرا کر لیتی ہے اور بعد چھ ماہ کے اس روپے کو کسی دوسری تجارت وغیرہ میں لگا دیتی ہے، درصورت نفع ونقصان کے رسدی کی بیشی کر کے پھر ششماہی پر رسید دے دیتی ہے، ابتدا میں ایک روپیہ دو آنہ مجرا ہوتا تھا جوں جوں تنخواہ میں ترقی ہوتی گئی اس میں بھی اضافہ ہوتا گیا، چنانچہ اب مبلغ تین روپے ماہوار مجرا کیا جاتا ہے اور اب اصل تعداد مبلغ پانچ سو کی ہوئی ہے اور کل تعداد ایک ہزار سے زائد ہوئی ہے، جس وقت زید ملازمت سے علیحدہ ہوگا اس وقت اس کو اور اس کے ورثاء کو وصول ہوگا بشرطیکہ میعاد ملازمت اچھے طریقہ پر ختم ہوجانے اور کوئی قصور وغیرہ واقع نہ ہو، مگر پانچ سو روپے جو اصلی ہے اس میں کسی طرح اندیشہ نہیں ہے سوا اس کے کہ درمیان ملازمت کے روپے کا وصول ہونا ناممکن ہے جب تک ملازمت سے مستعفی نہ ہو، ازروئے شریعت اس روپے پر زکوٰۃ دینا فرض ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو کس وقت سے دی جائے گی؟ اصلی تعداد پر دی جائے گی یا کل روپے پر؟ اور نصاب زکوٰۃ کس قدر اور اس پر مقدار زکوٰۃ کیا ہے؟ بینوا توجروا

الجواب: جب سے وہ اصلی روپیہ خود یا مع اور زکوتی مال کے جو زید کے پاس ہے، قدر نصاب یعنی روپے تک پہنچا اور حوائج اصلیہ سے بچ کر اس پر سال گزرا اس وقت سے اس پر زکوٰۃ واجب ہوئی اور سال بسال جدیدہ زکوٰۃ واجب ہوتی رہی۔ (فتاویٰ رضویہ، جلد 10، صفحہ 157، رضافاؤنڈیشن، لاہور)

مفتی جلال الدین امجدی پراویڈنٹ فنڈ پر زکاۃ کا حکم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ملازم اگر مالک نصاب ہے تو دیگر زکاتی مالوں کے ساتھ فنڈ مذکور میں جب سے رقم جمع ہوئی ہے اسی وقت سے اس رقم کی بھی زکاۃ ہر سال واجب ہوگی، اور مالک نصاب نہیں ہے تو جب فنڈ کی رقم (اصل کاٹی گئی رقم) زکاۃ کے دوسرے مالوں کے ساتھ جوڑنے سے ساڑھے باون تولہ چاندی کی مقدار کو پہنچ جائے اور حوائج اصلیہ سے بچ کر اس پر

سال گزر جائے اس وقت فنڈ کی رقم پر زکاۃ واجب ہوگی، اور پھر سال بسال واجب ہوتی رہے گی۔

(فتاوی فیض الرسول جلد 1، صفحہ 479 شبیر برادرز لاہور)

فتاوی رضویہ میں بنک میں موجود رقم پر زکاۃ کا حکم وطریقہ بیان کرتے ہوئے فرمایا:

وہ جب تک بینک میں ہے اپنے قبضے میں سمجھا جائے گا اور ہر سال اُس پر زکوٰۃ واجب ہوگی خواہ سال بسال ادا کرتا رہے یا جب اس میں سے گیارہ روپے سوا تین آنے (یعنی پانچویں حصہ) کی وصول ہو اُس میں سے چالیسواں حصہ دے اور جتنے برس رہا ہے سب برسوں کی زکوٰۃ واجب ہوگی۔ ہاں ہر سال اگلے برسوں کی زکوٰۃ کی قدر اس پر دین سمجھ کر اتنا زکوٰۃ سے جُدا رہے گا، مثلاً دوسو روپیہ جمع ہیں تو پہلے سال دوسو پر پانچ روپیہ تقریباً واجب ہُوئے، دوسرے سال پانچ روپیہ سال گزشتہ کی زکوٰۃ کے اُس پر واجب ہیں لہذا اس سال ایک سو پچانوے پر زکوٰۃ واجب ہوگی تقریباً چار روپے چودہ آنے۔ تیسرے سال اُس پر دوسال کی زکوٰۃ کے نو روپے چودہ آنے قرض ہیں یہ مستثنٰی ہوکر ایک سو نوّے روپے دو آنے پر زکوٰۃ واجب ہوگی، وعلٰی ھذا القیاس۔

(فتاوی رضویہ جلد 10، صفحہ 141، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

جو گھر بیچنے کے لیے بنایا اس پر زکوٰۃ کا حکم

بعض لوگ زمین خرید کر اس پر گھر بنا کر بیچتے ہیں، بعض اوقات قسطوں پر بھی بیچتے ہیں، اس زمین اور گھر پر زکوٰۃ اپنی شرائط کے ساتھ واجب ہوگی، کیونکہ یہ مالِ تجارت ہے، اس کی درج ذیل صورتیں بنیں گی:

(1) سادہ زمین رکھی ہے ابھی اس پر تعمیرات نہیں ہوئیں: اس حال میں سال گزرنے کی صورت میں اس وقت کی مارکیٹ ویلیو کے اعتبار سے اس کی زکوٰۃ ہوگی کیونکہ یہ مال تجارت ہے۔ علامہ علاء الدین الحصکفی رحمۃ اللہ تعالی علیہ فرماتے ہیں: ''وشرطه...... نيّة التجارة في العروض، إمّا صريحًا ولا بدّ من مقارنتها لعقد التّجارة ...... أو دلالة بأن يشتري عينًا بعرض التّجارة'' یعنی سامان میں زکوٰۃ کی شرط تجارت کی صراحۃ نیت کرنا ہے اور یہ نیت عقد کے وقت ہونا ضروری ہے یا دلالۃ اس طرح کہ سامان تجارت کے بدلے کوئی چیز خریدے۔

(درمختار، ج3، ص186، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت)

(2) فلیٹ کل بن گیا، لیکن ابھی تک سیل نہیں ہوا: اس حال میں سال گزرا تو

(الف) سادہ زمین پر فلیٹ بن جانے کی صورت میں کل فلیٹ پر

(ب) یا اس پر جتنی مقدار میں میٹریل لگا ہے اس میٹریل سمیت زمین پر

(ج) اور تعمیرات کا جو میٹریل ویسے ہی رکھا ہے ان سب پر زکوۃ واجب ہے کیونکہ یہ میٹریل بھی اس لیے خریدا گیا ہے کہ اسے زمین پر استعمال کر کے آگے بیچنا ہے تو یہ بھی مالِ تجارت ہوا کیونکہ مال تجارت ہونے کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ بعینہ اسی حالت میں اسے بیچنے کی نیت ہو بلکہ اگر اس میں کچھ تصرف یا تغیر وتبدل کر کے بیچنے کی نیت ہو تب بھی اس پر زکوۃ واجب ہوگی (بشرطیکہ وہ ایسا تصرف نہ ہو کہ جس کی وجہ سے وہ چیز ہی بالکل فناء ہو جائے)۔ مثلاً اگر کسی نانبائی نے تل اس نیت سے لے رکھے ہیں کہ نان یا روٹی پر لگا کر بیچے گا تو وہ تل مال تجارت میں شمار ہوں گے اور سال گزرنے کی صورت میں زکوۃ واجب ہوگی۔ چنانچہ فتاوی ہندیہ ومحیط اور دیگر کتب فقہ میں ہے والـلفظ للمحیط ''وإذا اشترى سمسماً ليجعل على وجه الخبز تجب فيه الزكاة؛ لأن عينه تبقى بعد الخبز فيمكن تحقيق معنى التجارة في عينه ''ترجمہ: نانبائی نے تل خریدے تاکہ روٹی پر لگائے گا تو اس میں زکوۃ واجب ہے کیونکہ روٹی پر لگنے کے بعد بھی اس کا عین باقی ہے تو اس کے عین میں تجارت کے معنی متحقق ہونا ممکن ہے۔

(محیط، کتاب الزکوۃ، الفصل الثالث، جلد 2، صفحہ 249، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

یونہی اگر کسی رنگریز نے کپڑا رنگنے کے لئے کُسم، زعفران یا کوئی اور رنگ خریدا یا چمڑا پکانے کے لئے تیل وغیرہ خریدا تو وہ بھی مال تجارت شمار ہوگا اور بقدر نصاب ہے تو سال گزرنے پر زکوۃ بھی واجب ہوگی۔ ''إذا كان يبقى أثرها في المعمول كما لو اشترى الصباغ عصفرا أو زعفرانا ليصبغ ثياب الناس بأجر وحال عليه الحول كان عليه الزكاة إذا بلغ نصابا، وكذا كل من ابتاع عينا ليعمل به ويبقى أثره في المعمول كالعفص والدهن لدبغ الجلد فحال عليه الحول كان عليه الزكاة، وإن لم يبق لذلك العين أثر في المعمول كالصابون والحرض لا زكاة فيه كذا في الكفاية ''جب اس کا اثر معمول باقی میں رہے جیسے اگر رنگ ریز نے زرد رنگ یا زعفران خریدا تاکہ وہ لوگوں کے کپڑوں کو اجرت کے ساتھ رنگے اور اس پر ایک سال گزر جائے تو اس شخص پر زکاۃ لازم ہو گی جب وہ نصاب کی مقدار کو پہنچ جائے اور اسی طرح ہر اس شخص کا حکم ہے جس نے کسی عین چیز کو خریدا تاکہ وہ اس کے

ساتھ کام کرے اور اس کا اثر معمول میں باقی رہے جیسے چمڑا پکانے کے لیے مازو (ایک دوا کا نام) اور تیل، پس اس پر سال گزر گیا تو اس پر زکوۃ واجب ہے اور اگر وہ ایسی چیز ہے جس کا اثر باقی نہ رہے جیسے صابون اور اشنان (ایک بوٹی کا نام) تو اس میں زکوۃ نہیں ہے، اسی طرح کفایہ میں ہے۔ (ہندیہ، کتاب الزکوۃ، الباب الاول، جلد 1، صفحہ 172، دار الفکر، بیروت)

(3) فلیٹ سیل ہو گیا اور اس کی رقم قسطوں میں آنی ہے، اس رقم پر بھی زکوۃ واجب ہوگی۔ اس کی تفصیل اس طرح ہے کہ یہ دین قوی ہے اور اس کا حکم یہ ہوتا ہے کہ اس میں زکوۃ دائن (قرض لینے والے) پر سال بہ سال واجب ہوتی ہے یعنی جتنے سال تک قرض رہے گا ہر سال کی زکوۃ واجب ہوتی رہے گی۔ البتہ اس کا دینا اس وقت واجب ہوگا جب نصاب کا پانچواں حصہ حاصل ہو اور جتنی حاصل ہوئی ہے اتنے ہی کی دینی واجب ہوگی۔ بہتر یہ ہے کہ ہر سال مکمل رقم کی زکوۃ ادا کر دی جائے۔ عمدۃ المتأخرین علامہ علاء الدین حصکفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "(و) اعلم ان الدیون عند الامام ثلاثۃ: قوی ومتوسط وضعیف۔ ف(تجب) زکوتھا اذا تم نصاباً وحال الحول، لکن لافوراً بل (عند قبض اربعین درھماً من الدین) القوی کقرض (وبدل مال تجارۃ)" ترجمہ: جان لو کہ امام اعظم کے نزدیک دیون تین طرح کے ہیں: قوی، متوسط اور ضعیف۔ جب نصاب مکمل ہو اور سال گزر جائے تو دین قوی پر زکوۃ واجب مگر ادائیگی فوراً واجب نہیں بلکہ چالیس دراہم (نصاب کے پانچویں حصہ) پر قبضہ کے وقت۔ دین قوی جیسا کہ قرض اور مالِ تجارت کا بدل۔

(درمختار مع ردالمحتار، ج3، ص236 دار الکتب العلمیہ، بیروت)

(4) جس شخص نے فلیٹ خریدا ہے اگر اس نے تجارت کی نیت سے یعنی آگے بیچنے کے لیے خریدا تو اس پر بھی اس زکوۃ واجب ہے اور تجارت کی نیت سے نہیں خریدا تو اس پر اس کی زکوۃ واجب نہیں۔

(5) ان سب مسائل میں یہ بات ذہن نشین رہے کہ دیگر مالِ تجارت، نقدی، سونا چاندی اور یہ (تجارت والی) زمین، فلیٹ یا جو قرض لینا ہے ان سب کو جمع کیا جائے گا اور جو قرض دینا ہے (چاہے قسطوں میں ہی کیوں نہ ہو) اس کو اس میں سے نکال دینا ہے، جو باقی بچے اس پر زکوۃ واجب ہے بشرطیکہ وہ نصاب کے مقدار ہو۔

پولٹی فارم پر زکوۃ کا حکم

مرغیاں اگر اس لیے خریدیں کہ ان سے انڈے اور چوزے حاصل کرے گا اور بعد میں بوڑھی ہو جانے پر بیچ

دے گا تو اس صورت میں ان پر زکوۃ نہیں کہ یہ مال تجارت نہیں کیونکہ کسی بھی چیز کے مال تجارت ہونے کے لیے ضروری ہے کہ اسے بیچنے کے لیے خریدا جائے۔

جبکہ مذکورہ مرغیوں کو تجارت کی غرض سے نہیں خریدا گیا بلکہ ان سے منفعت مقصود ہے اسی طرح ان کے انڈوں اور چوزوں پر بھی مالِ تجارت کی مذکورہ شرط نہیں پائی جارہی لہذا ان پر زکوۃ نہیں۔

اور اگر چوزے اس لیے خریدے کہ ان کو بڑا کر کے بیچ کر نفع کمانا ہے تو ان پر زکوۃ ہوگی کہ یہ مالِ تجارت ہے۔

مدارس اسلامیہ میں زکوۃ دینا

سب سے پہلے یہ بات جاننا چاہیے کہ زکاۃ وصدقاتِ واجبہ کی ادائیگی کے لئے کسی شرعی فقیر کو مالک بنانا ضروری ہے۔ ملک العلماء علامہ کاسانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ قرآن پاک کی دو آیات سے استدلال کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ زکاۃ میں کسی شرعی فقیر کو مالک بنانا ضروری ہے چنانچہ لکھتے ہیں "وقد أمر الله تعالى الملاك بإيتاء الزكاة لقوله عزو جل: ﴿وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ﴾ والإيتاء هو التمليك ولذا سمى الله تعالى الزكاة صدقة بقوله عز وجل ﴿اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ﴾ والتصدق تمليك" ترجمہ: اللہ عزوجل نے مال والوں کو "ایتاءِ زکوۃ" (یعنی زکوۃ دینے) کا حکم دیا ہے چنانچہ ارشاد فرماتا ہے "اور زکوۃ دو۔" اور ایتاء یعنی دینے کا مطلب تملیک اور مالک کر دینا ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے اللہ عزوجل نے زکوۃ کو صدقہ ارشاد فرمایا چنانچہ فرماتا ہے "صدقات فقراء کے لئے ہیں۔" اور تصدق (صدقہ کرنا) تملیک کو کہتے ہیں۔ (بدائع، کتاب الزکوۃ، فصل رکن الزکوۃ، جلد 2، صفحہ 39، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

لہذا اگر زکاۃ وصدقات واجبہ کے پیسوں سے جامعات و مدارس تعمیر کر دیئے یا کوئی سامان لاکر اس میں رکھ دیا جائے تو ایسا کرنا جائز نہیں اور اس طرح زکاۃ وغیرہ بھی ادا نہیں ہوگی کیونکہ اس صورت میں تملیک فقیر (جو کہ شرط تھی وہ) نہیں پائی جاتی۔ فتاوی تاتارخانیہ جلد 3، صفحہ 208، فتاوی عالمگیری، جلد 1، صفحہ 188، پر ہے "ولا يجوز أن يبنى بالزكاة المسجد، وكذا القناطر والسقايات، وإصلاح الطرقات، وكرى الأنهار والحج والجهاد وكل ما لا تمليك فيه" ترجمہ: زکاۃ کے روپیہ سے مسجد بنانا جائز نہیں ہے اسی طرح پل اور سبیل لگانا اور راستوں کو درست کرنا اور نہریں کھودنا اور حج اور جہاد پر خرچ کرنا اور اسی طرح ہر اس کام میں زکاۃ کا روپیہ لگانا جائز نہیں جس میں تملیک نہیں پائی

جاتی۔ (فتاوی عالمگیری، کتاب الزکاۃ، الباب السابع، جلد 1 صفحہ 188، دار الفکر، بیروت)

لیکن زکاۃ کا روپیہ اگر مدارس پر نہ لگایا جائے تو ان کے ویران ہونے کا خدشہ ہے لہذا علماء نے اس کا یہ طریقہ بیان کیا ہے کہ پہلے کسی شرعی فقیر کو زکاۃ کا مالک بنا دیا جائے اور پھر وہ اپنی طرف سے یہ رقم مدرسہ میں لگا دے تو ان شاء اللہ عزوجل زکاۃ دینے والے کو بھی ثواب ملے گا اور مدرسہ میں دینے والے شرعی فقیر کو بھی ۔فتاوی تاتار خانیہ جلد 3، صفحہ 208 فتاوی عالمگیری میں، جلد 6، صفحہ 392، ہے" (والحيلة أن يتصدق بمقدار زكاته) على فقير، ثم يأمره بعد ذلك بالصرف إلى هذه الوجوه فيكون للمتصدق ثواب الصدقة ولذلك الفقير ثواب بناء المسجد والقنطرة "ترجمہ: حیلہ کی صورت یہ ہے کہ مالک مقدارِ زکوۃ کے برابر کسی فقیر کو دے دے اور اسے کہے کہ تُو ان امور (مساجد اور پل بنانے) پر خرچ کر دے تو اب صدقہ کرنے والے کے لیے صدقہ کا اور فقیر کو مسجد و پُل بنانے کا ثواب ہوگا۔ (فتاوی عالمگیری، کتاب الحیل، الفصل الرابع، جلد 6، صفحہ 392، دار الفکر، بیروت)

اور ہمارے ہاں مدارس اور جامعات میں علما یہی طریقہ اختیار کرتے ہیں کہ پہلے کسی شرعی فقیر کو مالک بنایا جاتا ہے اس کے بعد یہ روپیہ مدارس اور جامعات وغیرہ میں استعمال کیا جاتا ہے ۔لہٰذا زکاۃ کی رقم اگر اس طریقہ شرعی کے ساتھ ان مدارس و جامعات میں لگائی گئی تو اب طلبہ خواہ شرعی فقیر ہوں یا نہ ہوں سب اس روپیہ سے خریدی گئی اشیاء سے جائز طور پر استفادہ کر سکتے ہیں ۔سیدی امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن (متوفی 1340ھ) مدارس میں زکاۃ کا روپیہ لگانے کی مختلف جائز صورتیں بیان کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں: ان پچھلی دونوں صورتوں میں یہ روپیہ تنخواہ مدرسین وغیرہ ہر کارِ مدرسہ میں صرف ہوسکتا ہے والمسئلة فی الدر وغیرہ من الاسفار الغرو اللہ تعالیٰ اعلم"

(فتاوی رضویہ، جلد 10 صفحہ 70-269، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

حیلہ شرعی کا طریقہ

حیلہ شرعی کا طریقہ یہ ہے کسی شرعی فقیر کو زکوۃ کا مالک بنا دیں پھر وہ (آپ کے مشورے پر یا خود) اپنی طرف سے کسی نیک کام میں خرچ کرنے کے لئے دے دے ۔تو ان شاء اللہ عَزَّوَجَلَّ دونوں کو ثواب ہوگا۔فُقَہائے کرام رَحِمَہُمُ اللہ تعالٰی ارشاد فرماتے ہیں، زکوۃ کی رقم مُردے کی تَجہیز و تکفین یا مسجِد کی تعمیر میں صَرف نہیں کر سکتے کہ تَملیک فقیر (یعنی فقیر کو

مالِک کرنا) نہ پائی گئی۔ اگر ان اُمور میں خرچ کرنا چاہیں تو اِس کا طریقہ یہ ہے کہ فقیر کو (زکوٰۃ کی رقم کا) مالِک کر دیں اور وہ (تعمیرِ مسجد وغیرہ میں) صَرف کرے، اس طرح ثواب دونوں کو ہوگا۔ (ردالمحتار، کتاب الزکوٰۃ، ج3، ص343)

حیلۂ زکوٰۃ پر دلائل

حضرتِ سیدنا ایوب علٰی نَبِیِّنا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلام کی بیماری کے زمانے میں آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زوجہ محترمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ایک بار خدمت میں تاخیر سے حاضِر ہوئیں تو آپ علیہ الصلوٰۃ السلام نے قسم کھائی کہ "میں تندرست ہو کر 100 کوڑے ماروں گا "صحت یاب ہونے پر اللہ عَزَّ وَجَلَّ نے انہیں 100 تیلیوں کی جھاڑو مارنے کا حکم ارشاد فرمایا۔ چُنانچہ قرآنِ پاک میں ہے ﴿وَ خُذْ بِیَدِکَ ضِغْثًا فَاضْرِبْ بِّهٖ وَلَا تَحْنَثْ﴾ ترجمہ کنزالایمان: اور فرمایا کہ اپنے ہاتھ میں ایک جھاڑو لے کر اِس سے مار دے اور قسم نہ توڑ۔ (پ23، سورہ ص، آیت 44)

فتاوٰی عالمگیری "میں حیلوں کا ایک مُستقِل باب ہے جس کا نام" کتابُ الحِیَل "ہے، اور اس میں اسی مذکورہ بالا آیت مبارکہ کو جوازِ حیلہ کی دلیل بنایا ہے چُنانچہ "عالمگیری کتابُ الحِیَل "میں ہے:

جو حِیلہ کسی کا حق مارنے یا اس میں شُبہ پیدا کرنے یا باطِل سے فَریب دینے کیلئے کیا جائے وہ مکروہ ہے اور جو حیلہ اس لئے کیا جائے کہ آدمی حرام سے بچ جائے یا حلال کو حاصِل کر لے وہ اچّھا ہے۔ اس قسم کے حیلوں کے جائز ہونے کی دلیل اللہ عَزَّ وَجَلَّ کا یہ فرمان ہے: ﴿وَ خُذْ بِیَدِکَ ضِغْثًا فَاضْرِبْ بِّهٖ وَلَا تَحْنَثْ﴾ ترجمہ کنزالایمان: اور فرمایا کہ اپنے ہاتھ میں ایک جھاڑو لے کر اس سے مار دے اور قسم نہ توڑ۔ (فتاوٰی ہندیہ، کتاب الحِیَل، ج6، ص390)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں: ((أُتِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِلَحْمٍ، فَقِيلَ: تُصُدِّقَ عَلَى بَرِيرَةَ قَالَ: هُوَ لَهَا صَدَقَةٌ وَلَنَا هَدِيَّةٌ)) ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں گائے کا گوشت حاضِر کیا گیا، کسی نے عَرض کی، یہ گوشت حضرتِ سَیِّدَتُنا بریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر صَدَقہ ہوا تھا۔ فرمایا: ((هُوَ لَهَا صَدَقَةٌ وَلَنَا هَدِيَّةٌ)) یعنی یہ بریرہ کے لیے صَدَقہ تھا ہمارے لیے ہدِیّہ ہے۔

(صحیح بخاری، باب قبول الھدیۃ، ج3، ص155، مطبوعہ دار طوق النجاۃ)

حضرت بریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جو کہ صَدَقہ کی حقدار تھیں ان کو بطورِ صَدَقہ مِلا ہوا گائے کا گوشت اگرچہ ان کے حق

میں صَدَقہ ہی تھا مگر ان کے قبضہ کر لینے کے بعد جب بارگاہِ رسالت میں پیش کیا گیا تھا تو اُس کا حکم بدل گیا تھا اور اب وہ صَدَقہ نہ رہا تھا۔ یوں ہی کوئی مستحقِ شخص زکوٰۃ اپنے قبضہ میں لینے کے بعد کسی بھی آدمی کو تحفۃً دے سکتا یا مسجد وغیرہ کیلئے پیش کرسکتا ہے کہ مذکورہ مستحق شخص کا پیش کرنا اب زکوٰۃ نہ رہا، ھَدِیَّہ یا عَطِیَّہ ہو گیا۔

سونا چاندی بچوں کی ملک کر دینا

سونا چاندی اگر نابالغ بچوں کی ملک کر دیا تو اس کی زکوہ نہ دینے والے پر ہوگی نہ بچوں پر، اس پر اس لیے نہیں کہ اس کی ملک میں نہیں، بچوں پر اس لیے نہیں کہ وہ بالغ نہیں، مگر زکوۃ سے بچنے کے لیے ایسا کرنا جائز نہیں کہ یہ زکوۃ سے بچنے کا حیلہ کرنا ہوگا۔ حاشیۃ الطحاوی میں ہے" ولو احتال لاسقاط الواجب یکرہ بالاجماع ولو فر من الوجوب بخلا لا تأثما یکرہ بالاجماع "اگر واجب کے اسقاط کا حیلہ کیا تو بالاجماع مکروہ ہے اور اگر بخل کی وجہ سے زکوۃ سے بھاگا، گناہ کے طور پر نہیں تو بھی بالاجماع مکروہ ہے۔ (حاشیۃ الطحطاوی، ص719، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

امام اہلسنت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

جو زیور بچوں کو ہبہ کر دیا اس کی زکوہ نہ اس پر نہ بچوں پر، اس پر اس لیے نہیں کہ یہ ملک نہیں، ان پر اس لیے نہیں کہ وہ بالغ نہیں۔ (فتاوی رضویہ، ج10، ص145، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

مزید ایک جگہ اور فرماتے ہیں:

یہ قول بھی اس لئے نہیں کہ لوگ اسے دستاویز بنا کر زکوۃ سے بچیں، بلکہ وہ وقت ضرورت وحاجت پر محمول ہے، مثلاً کسی پر حج فرض ہو گیا تھا، مال چوری ہو گیا، مصارفِ حج ونفقۂ عیالی کیلئے ہزار درم کی ضرورت ہے اس سے کم میں نہ ہوگا محنت وکوشش سے جمع کئے، آج قافلہ جانے کو ہے کل سال زکوۃ تمام ہوگا، اگر پچیس درم نکل جائیں گے مصارف میں کمی پڑے گی، یہ ایسا حیلہ کرے کہ حج فرض سے محروم نہ رہے، یا کوئی شخص اپنے حال کو جانتا ہے کہ زکوۃ اس سے ہرگز ہرگز قطعا نہ دی جائے گی، اس کا نفس ایسا غالب ہے کہ کسی طرح اس فرض کی ادا پر اصلا قدرت نہ دے گا، یہ اس خیال سے ایسا کرے کہ بعد فرضیت ترک ادا وارتکابِ گناہ سے بچوں تو از قبیل من ابتلی ببلتیین اختارا ھو نھما..... یہ حیلہ گناہ سے بچنے کے لئے ہے نہ کہ معاذ اللہ گناہ میں پڑنے کے واسطے۔ (فتاوی رضویہ، ج10، ص196، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

زکوۃ میں قمری مہینے کا اعتبار کیا جائے گا

امام اہل سنت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:

ستمبر اکتوبر کا اعتبار حرام ہے، نہ اس کے اوقاتِ آمدنی پر لحاظ، بلکہ سب میں پہلی جس عربی مہینے کی جس تاریخ جس گھنٹے منٹ پر وہ روپیہ کا مالک ہُوا اور ختمِ سال تک یعنی وہی عربی مہینہ وہی تاریخ وہی گھنٹہ منٹ دوسرے سال آنے تک اُس کے پاس نصاب باقی رہا وہی مہینہ تاریخ منٹ اس کے لیے زکوٰۃ دینا فرض ہے۔

(فتاوی رضویہ، ج10، ص157، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

مکانات اور اسبابِ خانہ داری پر زکوۃ نہیں

مکانات پر زکوٰۃ نہیں اگرچہ پچاس کروڑ کے ہوں کرایہ سے جو سال تمام پر پس انداز ہوگا اس پر زکوٰۃ آئے گی اگر خود یا اور مال سے مل کر قدر نصاب ہو۔

برتن وغیرہ اسبابِ خانہ داری میں زکوٰۃ نہیں اگرچہ لاکھوں روپے کے ہوں، زکوٰۃ صرف تین چیزوں پر ہے: سونا، چاندی کیسے ہی ہوں، پہننے کے ہوں یا برتنے کے، سکّہ ہو یا ورق۔ دوسرے چرائی پر چھوٹے جانور۔ تیسرے تجارت کا مال۔ باقی کسی چیز پر نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (فتاوی رضویہ، ج10، ص161، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

زکوۃ اعلان کے ساتھ بہتر ہے

زکوٰۃ اعلان کے ساتھ دینا بہتر ہے اور خفیہ دینا بھی بے تکلّف روا ہے، اور اگر کوئی صاحبِ عزّت حاجتمند ہو کہ اعلانیہ نہ لے گا یا اس میں سبکی سمجھے گا تو اُسے خُفیہ ہی دینا بہتر ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(فتاوی رضویہ، ج10، ص158، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

انبیا علیہم السلام پر زکوۃ واجب نہیں

انبیا علیہم السلام پر زکوۃ واجب نہیں ہوتی۔

درمختار میں ہے: "وَلَا تَجِبُ عَلَى الْأَنْبِيَاءِ إِجْمَاعًا" انبیا علیہم السلام پر بالاجماع زکوۃ واجب نہیں۔

اس کے تحت ردالمحتار میں علامہ شامی لکھتے ہیں:

"(وَلَا تَجِبُ عَلَى الْأَنْبِيَاءِ)لِأَنَّ الزَّكَاةَ طُهْرَةٌ لِمَنْ عَسَاهُ أَنْ يَتَدَنَّسَ وَالْأَنْبِيَاءُ مُبَرَّءُونَ مِنْهُ، وَأَمَّا قَوْلُه تَعَالَى (وَأَوْصَانِي بِالصَّلاةِ وَالزَّكَاةِ مَا دُمْتُ حَيًّا) (سورۂ مریم 31) فَالْمُرَادُ بِهَا زَكَاةُ النَّفْسِ مِنْ الرَّذَائِلِ الَّتِي لَا تَلِيقُ بِمَقَامَاتِ الْأَنْبِيَاءِ عَلَيْهِمُ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ أَوْ أَوْصَانِي بِتَبْلِيغِ الزَّكَاةِ"ترجمہ:(انبیاعلیہم السلام پرزکوۃ واجب نہیں) کیونکہ زکوۃ اس کے لئے پاکیزگی ہے جوگندگی سے پاک ہونا چاہتا ہےاور انبیائے کرام علیہم السلام اس سے بری ہیں یعنی وہ پہلے ہی پاک ہیں۔اورعیسیٰ علیہ السلام کا یہ قول جوقرآن مجید میں ہے:﴿وَ اَوْصٰنِیْ بِالصَّلٰوةِ وَ الزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَیًّا﴾(ترجمہ:اور مجھے نماز وزکوٰۃ کی تاکید فرمائی جب تک جیوں)اس سے مراد نفس کی زکوۃ یعنی پاکیزگی اختیار کروں اُن رزائل سے جوانبیاعلیہم السلام کے مقامات کے لائق نہیں یا اس سے مراد یہ ہے کہ مجھے زکوۃ کی تبلیغ کی تاکید کی۔ (الدرالمختار وردالمحتار، کتاب الزکوۃ، ج2،ص256،دارالفکر، بیروت)

زکوۃ کی جگہ نفلی صدقہ کرنا

بعض لوگ نفلی کاموں میں اپنامال خرچ کرتے رہتے ہیں اور زکوہ کا کہو تو ادا کرنے کی طرف نہیں آتے حالانکہ صاحب نصاب ہوتے ہیں،اعلی حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ نے ایسے لوگوں کو مدلل اور مؤثر انداز میں سمجھایا ہے ،چناچہ فرماتے ہیں:

اُس سے بڑھ کر احمق کون کہ اپنا مال جُھوٹے سچے نام کی خیرات میں صرف کرے اور اللہ عَزَّ وَجَلَّ کا فرض اور اس بادشاہ قہار کا وہ بھاری قرض گردن پر رہنے دے۔شیطان کا بڑا دھوکا ہے کہ آدمی کو نیکی کے پردے میں ہلاک کرتا ہے۔نادان سمجھتا ہی نہیں،یہ سمجھا کہ نیک کام کررہا ہوں اور نہ جانا کہ نفل بے فرض نرے دھوکے کی ٹٹی ہے،اس کے قبول کی اُمید تو مفقود اور اس کے ترک کا عذاب گردن پر موجود۔اے عزیز !فرض خاص سلطانی قرض ہے اور نفل گویا تحفہ و نذرانہ۔قرض نہ دیجئے اور بالائی بیکار تحفے بھیجئے وہ قابلِ قبول ہوں گے خصوصاً اس شہنشاہِ غنی کی بارگاہ میں جو تمام جہان و جہانیاں سے بے نیاز؟یوں یقین نہ آئے تو دنیا کے جُھوٹے حاکموں ہی کو آزمالے،کوئی زمین دار مال گزاری تو بند کرلے اور تحفے میں ڈالیاں بھیجا کرے،دیکھو تو سرکاری مجرم ٹھہرتا ہے یا اس کی ڈالیاں کچھ بہبود کا پھل لاتی ہیں؟ذرا آدمی اپنے ہی گریبان میں منہ ڈالے،فرض کیجئے آسامیوں سے کسی کھنڈساری (چینی بنانے والے) کا رَس بندھا ہوا ہے جب

دینے کا وقت آئے وہ رَس تو ہرگز نہ دیں مگر تحفے میں آم خربوزے بھیجیں، کیا یہ شخص ان آسامیوں سے راضی ہوگا یا آتے ہوئے اس کی نادہندگی پر جو آزار انھیں پہنچا سکتا ہے ان آم خربوزے کے بدلے اس سے باز آئے گا؟ سبحان اللہ ! جب ایک کھنڈساری کے مطالبہ کا یہ حال ہے تو ملک الملوک احکم الحاکمین جل وعلا کے قرض کا کیا پُوچھنا!

جب خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سیّدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نزع کا وقت ہوا امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلا کر فرمایا : اے عمر! اللہ سے ڈرنا اور جان لو کہ اللہ کے کچھ کام دن میں ہیں کہ انھیں رات میں کرو تو قبول نہ فرمائے گا اور کچھ کام رات میں کہ انھیں دن میں کرو تو مقبول نہ ہوں گے، اور خبردار رہو کہ کوئی نفل قبول نہیں ہوتا جب تک فرض ادا نہ کرلیا جائے۔ (حلیۃ الاولیاء، اسم ابوبکر الصدیق، ج1، ص71)

حضور پُر نور سیّدنا غوث اعظم مولائے اکرم حضرت شیخ محی الملّۃ والدّین ابومحمد عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی کتاب مستطاب "فتوح الغیب شریف" میں کیا کیا جگر شگاف مثالیں ایسے شخص کے لیے ارشاد فرمائی ہیں جو فرض چھوڑ کر نفل بجالائے۔ فرماتے ہیں :اس کی کہاوت ایسی ہے جیسے کسی شخص کو بادشاہ اپنی خدمت کے لیے بلائے، یہ وہاں تو حاضر نہ ہُوا اور اس کے غلام کی خدمتگاری میں موجود رہے۔ پھر حضرت امیر المومنین مولی المسلمین سیدنا مولیٰ علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے اس کی مثال نقل فرمائی کہ جناب ارشاد فرماتے ہیں :ایسے شخص کا حال اس عورت کی طرح ہے جسے حمل رہا جب بچّہ ہونے کے دن قریب آئے اِسقاط (یعنی بچہ ضائع) ہوگیا اب وہ نہ حاملہ ہے نہ بچّہ والی۔ یعنی جب پُورے دنوں پر اگر اسقاط ہو تو محنت تو پُوری اٹھائی اور نتیجہ خاک نہیں کہ اگر بچہ ہوتا تو ثمرہ (یعنی پھل) خود موجود تھا حمل باقی رہتا تو آگے امید لگی تھی، اب نہ حمل نہ بچّہ، نہ اُمید نہ ثمرہ اور تکلیف وہی جھیلی جو بچّہ والی کو ہوتی۔ ایسے ہی اس نفل خیرات دینے والے کے پاس سے روپیہ تو اٹھا مگر جبکہ فرض چھوڑا یہ نفل بھی قبول نہ ہُوا تو خرچ کا خرچ ہوا اور حاصل کچھ نہیں۔ اسی کتاب مبارک میں حضور مولیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے کہ:فان اشتغل بالسنن والنوافل قبل الفرائض لم یقبل منہ واھین یعنی فرض چھوڑ کر سنّت ونفل میں مشغول ہوگا یہ قبول نہ ہوں گے اور خوار کیا جائے گا۔ (شرح فتوح الغیب، ص511 تا 514)

حضرت شیخ الشیوخ امام شہاب الملّۃ والدّین سُہروردی قدس سرہ العزیز عوارف شریف کے باب الثامن والثلثین میں حضرت خواص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل فرماتے ہیں: بلغنا ان اللّٰہ لایقبل نافلۃ حتی یؤدی فریضۃ یقول

اللہ تعالیٰ مثلکم کمثل العبد السوء بدء بالھدیۃ قبل قضاء الدین۔ یعنی ہمیں خبر پہنچی کہ اللہ عزوجل کوئی نفل قبول نہیں فرماتا یہاں تک کہ فرض ادا کیا جائے، اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں سے فرماتا ہے کہاوت تمھاری بد بندہ کی مانند ہے جو قرض ادا کرنے سے پہلے تحفہ پیش کرے۔ (عوارف المعارف، ص191)

خود حدیث میں ہے، حضور پرنور سیّد عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ((اربع فرضھن اللہ فی الاسلام فمن جاء بثلث لم یغنین عنہ شیئًا حتی یاتی بھن جمیعاً الصّلوۃ والزکوٰۃ وصیام رمضان وحج البیت)) ترجمہ: چار (4) چیزیں اللہ تعالیٰ نے اسلام میں فرض کی ہیں جو ان میں سے تین ادا کرے وہ اسے کچھ کام نہ دیں جب تک پوری چاروں نہ بجالائے نماز، زکوٰۃ، روزہ رمضان، حجِ کعبہ۔ (مسند الشامیین، ج6، ص236)

حضرت سیّدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ((امرنا باقام الصلوٰۃ وایتاء الزکوٰۃ ومن لم یزك فلا صلوٰۃ لہ)) ترجمہ: ہمیں حکم دیا گیا کہ نماز پڑھیں اور زکوٰۃ دیں اور جو زکوٰۃ نہ دے اس کی نماز قبول نہیں۔

(المعجم الکبیر، ج10، ص103)

سبحان اللہ! جب زکوٰۃ نہ دینے والے کی نماز، روزے، حج تک مقبول نہیں تو اس نفل خیرات نام کی کائنات سے کیا امید ہے بلکہ انہی سے اصبہانی کی روایت میں آیا کہ فرماتے ہیں: ((من اقام الصلوٰۃ ولم یؤت الزکوٰۃ فلیس بمسلم ینفعہ)) جو نماز ادا کرے اور زکوٰۃ نہ دے وہ مسلمان نہیں کہ اسے اس کا عمل کام آئے۔

(الزواجر، ج1، ص280)

الٰہی! مسلمان کو ہدایت فرما آمین!

بالجملہ جس شخص نے آج تک جس قدر خیرات کی، مسجد بنائی، گاؤں وقف کیا، یہ سب امور صحیح ولازم تو ہوگئے کہ اب نہ دی ہوئی خیرات فقیر سے واپس کرسکتا ہے نہ کئے ہوئے وقف کو پھیر لینے کا اختیار رکھتا ہے، نہ اس گاؤں کی توفیر ادائے زکوٰۃ، خواہ اپنے اور کسی کام میں صرف کرسکتا ہے کہ وقف بعد تمامی لازم وحتمی ہوجاتا ہے جس کے ابطال کا ہرگز اختیار نہیں رہتا۔

مگر اس کے باوجود جب تک زکوٰۃ پوری پوری نہ ادا کرے ان افعال پر امیدِ ثواب وقبول نہیں کہ کسی فعل کا صحیح ہوجانا

اور بات ہے اور اس پر ثواب ملنا، مقبول بارگاہ ہونا اور بات ہے، مثلاً اگر کوئی شخص دکھاوے کے لیے نماز پڑھے نماز صحیح تو ہوگئی فرض اُتر گیا، پر نہ قبول ہوگی نہ ثواب پائے گا، بلکہ الٹا گناہگار ہوگا، یہی حال اس شخص کا ہے۔

اے عزیز! اب شیطان لعین کہ انسان کا کھلا دُشمن ہے بالکل ہلاک کردینے اور یہ ذرا سا ڈورا جو قصدِ خیرات کا لگا رہ گیا ہے جس سے فقراء کو تو نفع ہے اسے بھی کاٹ دینے کے لیے یوں فقرہ سُجھائے گا کہ جو خیرات قبول نہیں تو کرنے سے کیا فائدہ، چلو اسے بھی دُور کرو، اور شیطان کی پوری بندگی بجالاؤ، مگر اللہ عزوجل کو تیری بھلائی اور عذاب شدید سے رہائی منظور ہے، وہ تیرے دل میں ڈالے گا کہ اس حکم شرعی کا جواب یہ نہ تھا جو اس دشمنِ ایمان نے تجھے سکھایا اور رہا سہا بالکل ہی متمرد وسرکش بنایا بلکہ تجھے تو فکر کرنی تھی جس کے باعث عذابِ سلطانی سے بھی نجات ملتی اور آج تک کے یہ وقف ومسجد وخیرات بھی سب قبول ہوجانے کی اُمید پڑتی، بھلا غور کروہ بات بہتر کہ بگڑتے ہُوئے کام پھر بن جائیں، اکارت جاتی محنتیں ازسرِ نوثمرہ لائیں یا معاذ اللہ یہ بہتر کہ رہی سہی نام کو جو صورتِ بندگی باقی ہے اسے بھی سلام کیجئے اور کھلے ہوئے سرکشوں، اشتہاری باغیوں میں نام لکھا لیجئے، وہ نیک تدبیر یہی ہے کہ زکوٰۃ نہ دینے سے توبہ کیجئے۔

آج تک جتنی زکوٰۃ گردن پر ہے فوراً دل کی خوشی کے ساتھ اپنے رب کا حکم ماننے اور اسے راضی کرنے کو ادا کر دیجئے کہ شہنشاہِ بے نیاز کی درگاہ میں باغی غلاموں کی فہرست سے نام کٹ کر فرماں بردار بندوں کے دفتر میں چہرہ لکھا جائے۔ مہربان مولا جس نے جان عطا کی، اعضا دیئے، مال دیا، کروڑوں نعمتیں بخشیں، اس کے حضور منہ اُجالا ہونے کی صورت نظر آئے اور مِژدہ ہو، بشارت ہو، نوید ہو، تہنیت ہو کہ ایسا کرتے ہی اب تک جس قدر خیرات دی ہے وقف کیا ہے، مسجد بنائی ہے، ان سب کی بھی مقبولی کی اُمید ہوگی کہ جس جُرم کے باعث یہ قابلِ قبول نہ تھے جب وہ زائل ہوگیا انھیں بھی باذن اللہ تعالیٰ شرفِ قبول حاصل ہوگیا۔

چارہ کار تو یہ ہے آگے ہر شخص اپنی بھلائی بُرائی کا اختیار رکھتا ہے، مدّتِ دراز گزرنے کے باعث اگر زکوٰۃ کا تحقیقی حساب نہ معلوم ہوسکے تو عاقبت پاک کرنے کے لیے بڑی سے بڑی رقم جہاں تک خیال میں آسکے فرض کرلے کہ زیادہ جائے گا تو ضائع نہ جائے گا، بلکہ تیرے رب مہربان کے پاس تیری بڑی حاجت کے وقت کے لیے جمع رہے گا وہ اس کا کامل اجر جو تیرے حوصلہ وگمان سے باہر ہے عطا فرمائے گا، اور کم کیا تو بادشاہ قہار کا مطالبہ جیسا ہزار روپیہ کا ویسا ہی

ایک پیسے کا۔

اگر اس وجہ سے کہ مال کثیر اور برسوں کی زکوٰۃ ہے یہ رقم وافر دیتے ہوئے نفس کو درد پہنچے گا، تو اوّل تو یہ ہی خیال کر لیجئے کہ قصور اپنا ہے سال بہ سال دیتے رہتے تو یہ گٹھڑی کیوں بندھ جاتی، پھر خدائے کریم عزّ وجل کی مہربانی دیکھئے، اس نے یہ حکم نہ دیا کہ غیروں ہی کو دیجئے بلکہ اپنوں کو دینے میں دُونا ثواب رکھا ہے، ایک تصدّق کا، ایک صلہ رحم کا۔ تو جو اپنے گھر سے پیارے، دل کے عزیز ہوں جیسے بھائی، بھتیجے، بھانجے، انھیں دے دیجئے کہ ان کا دینا چنداں ناگوار نہ ہوگا، بس اتنا لحاظ کر لیجئے کہ نہ وہ غنی ہو نہ غنی باپ زندہ کے نابالغ بچّے، نہ اُن سے علاقہ زوجیت یا ولادت ہو یعنی نہ وُہ اپنی اولاد میں نہ آپ انکی اولاد میں۔ پھر اگر رقم ایسی ہی فراواں (یعنی کثیر) ہے کہ گویا ہاتھ بالکل خالی ہُوا جاتا ہے تو دئے بغیر تو چھٹکارا نہیں، خدا کے وہ سخت عذاب ہزاروں برس تک جھیلنے بہت دشوار ہیں، دُنیا کی یہ چند سانسیں تو جیسے بنے گزر ہی جائیں گی۔

اگر یہ شخص اپنے ان عزیزوں کو بہ نیتِ زکوٰۃ دے کر قبضہ دلائے پھر وہ ترس کھا کر بغیر اس کے جبر و اِکراہ کے (یعنی مجبور کئے بغیر) اپنی خوشی سے بطورِ ہبہ جس قدر چاہیں واپس کر دیں تو سب کے لیے سراسر فائدہ ہے، اس کے لیے یہ کہ خدا کے عذاب سے چھُوٹا، اللہ تعالیٰ کا قرض وفرض ادا ہُوا اور مال بھی حلال و پاکیزہ ہو کر واپس ملا، جو بچ رہا وُہ اپنے جگر پاروں کے پاس رہا، ان کے لیے یہ فائدے ہیں کہ دنیا میں مال ملا عقبےٰ میں اپنے عزیز مسلمان بھائی پر ترس کھانے اور اسے ہبہ کرنے اور اس کے ادائے زکوٰۃ میں مدد دینے سے ثواب پایا، پھر اگر ان پر پُورا اطمینان ہو تو زکوٰۃ سالہا سال حساب لگانے کی بھی حاجت نہ رہے گی، اپنا کل مال بطور تصدّق انھیں دے کر قبضہ دلا دے پھر وہ جس قدر چاہیں اسے اپنی طرف سے ہبہ کر دیں، کتنی ہی زکوٰۃ اس پر تھی سب ادا ہوگئی اور سب مطلب بر آئے اور فریقین نے ہر قسم کے دینی و دنیوی نفع پائے، مولیٰ عزّ وجلّ اپنے کرم سے توفیق عطا فرمائے۔ آمین آمین یا ربّ العالمین۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(فتاوی رضویہ، ج10، ص175، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

مال خبیث پر زکوٰۃ نہیں

مال خبیث اگر چہ نصاب کو پہنچ جائے اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی بلکہ واجب ہے کہ تمام مال خبیث جس سے لیا

اسے لوٹادے یا صدقہ کردے۔تا تارخانیہ میں ہے"ومن ملك اموالا غير طيبة۔۔۔فلازكاة عليه في تلك الاموال وان بلغت نصابا "ترجمہ:جواموال غیر طیبہ(یعنی اموال خبیثہ) کا مالک ہوااس پران اموال کی زکوۃ واجب نہیں اگرچہ یہ نصاب کوپہنچ جائیں۔ (تا تارخانیہ،الفصل العاشر،ج3،ص233،مطبوعہ کوئٹہ)

ردالمحتار میں قنیہ کے حوالے سے ہے"ولو كان الخبيث نصابا لايلزمه الزكاة "ترجمہ:اگر مال خبیث نصاب کوپہنچ جائے تو بھی زکوۃ لازم نہیں۔ (ردالمحتار،ج3،ص259،مکتبہ رحمانیہ،لاہور)

امام اہل سنت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں"اما في الربوا واشباهه فلفساد الملك وخبثه واذا قد ملكه بالقبض ملكا خبيثا لم يبق مملوك الماخوذ منه لاستحالة اجتماع ملكين على شيء واحد فلم يجب الرد وانما وجب الانخلاع عنه اما بالرد واما بالتصدق كما هو سائر الاملاك الخبيثة "ترجمہ:سود یا اس جیسی اشیاء میں فساد ملک اور خباثت کی بناء پر بوجہ قبضہ اس کا مالک بن گیا تو جس سے مال لیا گیا اب اس کی ملکیت باقی نہ رہی اس لئے کہ ایک چیز پر بیک وقت دو ملک جمع ہونے محال ہیں (کہ اصل شخص بھی مالک ہو اور سود خور بھی) لہذا مال ماخوذ کا واپس کرنا ضروری نہیں بلکہ اس سے علیحدگی واجب ہے خواہ بصورت رد (یعنی لوٹانے کے) ہو یا بصورت خیرات جیسا کہ تمام املاک خبیثہ میں یہی طریقہ ہے۔ (فتاوی رضویہ،ج23،ص551,552،رضافاؤنڈیشن،لاہور)

نصاب سے زیادہ زیور تھا بعد میں زیور کم ہو گیا تو کیا حکم ہوگا

فتاوی رضویہ میں امام اہل سنت ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:

زکوۃ صرف نصاب میں واجب ہوتی ہے، نہ (کہ) عفو میں، مثلاً ایک شخص آٹھ تولے سونے کا مالک ہے تو سوادو ماشے سونا کہ اس پر واجب ہوا، وُہ صرف ساڑھے سات تولے کے مقابل ہے نہ کہ پورے آٹھ تولے کے، کہ یہ چھ ماشے جو نصاب سے زائد ہے عفو ہے۔یُوں ہی اگر دس تولے کا مالک ہو تو زکوۃ صرف نو تولہ یعنی ایک نصاب کامل اور ایک نصاب خمس کے مقابل ہے، دسواں تولہ معاف۔

پس اگر نقصان مقدارِ عفو سے تجاوز نہ کرے یعنی اُسی قدر مال کم ہوجائے جتنا عفو تھا، مثلاً مثال اوّل میں ۶ ماشہ اور دوم میں ایک تولہ، جب تو اصلاً قابل لحاظ نہیں کہ اس قدر پر تو پہلے بھی زکوۃ نہ تھی کل واجب بمقابلۂ مال باقی تھا وُہ اب

بھی باقی ہے تو زکوٰۃ اسی قدر واجب ہے اور کمی نظر سے ساقط۔

اور اگر مقدار عفو سے متجاوز ہو یعنی اُس کے باعث کسی نصاب میں نقصان آئے خواہ یُوں کہ مال میں جس قدر عفو تھا نقصان اس سے زائد کا ہوا۔ جیسے امثلۂ مذکورہ میں دو ۲ تولے یا یُوں کہ ابتداءً مال صرف مقادیر نصاب پر تھا عفو سرے سے تھا ہی نہیں۔۔ ایسا نقصان دو حال سے خالی نہیں یا حولان حول سے پہلے ہے یا بعد۔

بر تقدیر اوّل دو حال سے خالی نہیں: یا سال تمام پر رقم نصابہائے پیشیں (پہلے نصاب پر) پھر پُوری ہوگئی یا نہیں، اگر پُوری ہوگئی تو یہ نقصان بھی اصلاً نہ ٹھہرے گا اور اس مجموع رقم پر حولان حول سمجھا جائے گا۔

مثلاً ایک شخص یکم محرم سن 7 کو 15 تولے سونا کا مالک تھا بعدہ اس میں سے کسی قدر قلیل خواہ کثیر ضائع ہو گیا یا صرف کر دیا یا کسی کو دے ڈالا اور تھوڑا سا اگرچہ بہت خفیف باقی رہا، پھر جس قدر کم ہو گیا تھا سلخ ذی الحجہ سے پیشتر اگرچہ ایک ہی دن پہلے پھر آ گیا تو پورے 15 تولہ دو نصاب کامل کی زکوٰۃ دینی ہوگی کہ ایک مثقال سونا ہے یونہی اگر مثلاً آٹھ تولے سونے کا مالک ہے اور وسط میں تولہ پھر گھٹ گیا کہ نصاب بھی پوری نہ رہی، ختم سال سے پہلے چھ سات ماشے مل گیا تو وہی زکوٰۃ تمام و کمال لازم آئے گی کہ چھ ماشہ جو عفو تھا جس طرح اس کے ہلاک کا اعتبار نہیں یونہی بعد ہلاک اس کا عود درکار نہیں صرف اس قدر چاہئے کہ شروع سال میں ایک یا زائد جتنی نصابوں کا مالک ہوا تھا، ختم سال پر وُہ نصابیں پُوری ہوں تو جس قدر زکوٰۃ کا وجوب بحالتِ استمرار ہوتا اُسی قدر پُوری واجب ہوگی اور نقصان درمیانی پر نظر نہ کی جائے۔

ہاں اتنا ضرور ہے کہ اصل مال سے کوئی پارہ محفوظ رہے سب بالکل فنا نہ ہو جائے ورنہ مِلک اوّل سے شمارِ سال جاتا رہے گا اور جس دن ملک جدید ہوگی اُس دن سے حساب کیا جائے گا، مثلاً یکم محرم کو مالکِ نصاب ہُوا صفر میں سب مال سفر کر (چلا) گیا، ربیع الاوّل میں پھر بہار آئی تو اسی مہینہ سے حول گنیں گے حسابِ محرم جاتا رہا.......

اور اگر یہ نقصان مستمر رہا یعنی ختمِ سال پر وُہ نصابیں پُوری نہ ہوئیں تو اس وقت جس قدر موجود ہے اتنے کی زکوٰۃ واجب ہوگی اور وہی احکام حسابِ نصاب ولحاظ عفو کے اس قدر موجود پر جاری ہوں گے، جو جاتا رہا گویا تھا ہی نہیں کہ حولانِ حول اسی مقدار پر ہُوا حتی کہ اگر یہ مقدار نصاب سے بھی کم ہے تو زکوٰۃ راساً ساقط۔ وذالك لان الحولان شرط الوجوب فاذا نقص عن النصاب لم يجب شیء والا وجب فيما حال عليه الحول ۔ کیونکہ سال کا گزرنا شرط

وجوب ہے، جب نصاب سے کم ہے تو کوئی شیء لازم نہ ہوگی اور اگر نصاب ہے تو جس پر سال گزرا ہے اس پر زکوٰۃ ہوگی۔(ت)

حدیث میں ہے حضور پُرنور سیّد عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ((لازکوٰۃ فی مال حتی یحول علیہ الحول)) مال پر زکوٰۃ سال گزرنے سے پہلے لازم نہیں ہوتی، اسے ابن ماجہ نے ام المومنین سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔(ت)

(سنن ابن ماجہ، ابواب الزکوٰۃ، باب استفاد مالا، 129، ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی)

بر تقدیر ثانی یعنی جبکہ مال پر سال گزر گیا اور زکوٰۃ واجب الاداء ہو چکی، اور ہنوز (ابھی تک) نہ دی تھی کہ مال کم ہو گیا، یہ تین حال سے خالی نہیں کہ سبب کمی استہلاک ہوگا یا تصدّق یا ہلاک۔

استہلاک کے یہ معنی کہ اس نے اپنے فعل سے اُس رقم سے کچھ اتلاف کیا، صرف کر ڈالا، پھینک دیا، کسی غنی کو ہبہ کر دیا۔

اور یہاں تصدّق سے یہ مراد کہ بلانیتِ زکوٰۃ کسی فقیر محتاج کو دے دیا۔

اور ہلاک کے یہ معنی کہ بغیر اس کے فعل کے ضائع وتلف ہو گیا، مثلاً چوری ہوگئی یا زروزیور کسی کو قرض وعاریت دے دیا وہ مکر گیا اور گواہ نہیں یا مر گیا اور ترکہ نہیں یا مال کسی فقیر پر دین تھا مدیون محتاج کو ابرا (معاف) کر دیا کہ یہ بھی حکم ہلاک میں ہے۔

اب **صورتِ اُولیٰ** یعنی استہلاک میں جس قدر زکوٰۃ سال تمام پر واجب ہولی تھی اُس میں سے ایک حبّہ (دانہ) نہ گھٹے گا یہاں تک کہ اگر سارا مال صرف کر دے اور بالکل نادار محض ہو جائے تاہم قرضِ زکوٰۃ بدستور ہے۔

اور **صورتِ ثانیہ** یعنی تصدّق میں اگر نذر یا کفارے یا کسی اور صدقۂ واجبہ کی نیت کی تو بالاتفاق اس کا حکم بھی مثلِ استہلاک ہے یعنی زکوٰۃ سے کچھ ساقط نہ ہوگا جو اور باقی رہا سب کی زکوٰۃ سے کچھ ساقط نہ ہوگا جو دیا اور باقی رہا سب کی زکوٰۃ لازم آئیگی۔

اور اگر تطوّع یا مطلق تصدق کی نیّت تھی اور سب تصدق کر دے تو بالاتفاق زکوٰۃ ساقط ہوگئی۔

اور اگر بعض تصدّق کیے تو امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک جس قدر صدقہ کیا اُس کی زکوۃ ساقط اور باقی کی

لازم، مثلاً دوسو ۲۰۰ درہم پر حولانِ حول ہوگیا اور زکوٰۃ کے پانچ درم واجب ہولئے، اب اس نے سو درم لِلّٰہ دے دیئے تو ان سو کی زکوٰۃ یعنی ڈھائی درم ساقط ہوگئی صرف ڈھائی دین رہے۔

مگر امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بعض کا تصدق مطلقاً مثل استہلاک ہے کہ کسی نیت سے ہو اصلاً زکوٰۃ سے کچھ نہ گھٹے گا، تو صورتِ مذکورہ میں اگرچہ سو روپیہ خیرات کردے زکوٰۃ کے پانچ درم بدستور واجب رہے، یہ مذہب زیادہ قوی ومقبول وشایانِ قبول ہے۔

اقول: فقد اعتمد عامة المتون كالوقاية، والنقاية والكنزو الصلاح، و المنتقى والتنوير و غيرها حتى لم يتعرض كثير منهم لخلافه اصلا. و اقرتهم عليه الشروح كذ خيرة العقبىٰ والبر جندى و تبيين الحقائق والايضاح و مجمع الانهر، والدر المختار و غيرها وقدمه قاضى خان وابراهيم الحلبى فى متنه وهما لا يقد مان الا الاظهر الاشهر الارجح كما نصا عليه فى خطب الكتابين و كذا قدمه فى الخلاصة ومعلوم ان التقديم يشعر بالاختيار كما فى كتاب الشركة من العناية والنهر والدر المختار واخر دليله فى الهدايه وهو لا يؤخر الادليل ما هو المختار عنده ليكون جواباً من دليل ما تقدم واقره على هذا اشارة المحقق فى الفتح و كذا ذكر الزيلعى فى التبيين دليل القولين و شيد دليل ابى يوسف واجاب عن دليل محمد و نسب فى الايضاح والملتقى والدر المختار الخلاف لمحمد وهو تضعيف له كما عرف من محاوراتهم واقر الدر على ذلك الشامى وقواه ببعض ماذكرنا هنا وهو صنيع الملتقى و تقديم قاضى خان و تاخير الهداية فقد ترجح هذا ۔ (اقول: اکثر متون نے اسی پر اعتماد کیا ہے مثلاً وقایہ، نقایہ، کنز، اصلاح، منتقی، تنویر وغیرہ، حتّٰی کہ اکثریت نے اس میں کسی قسم کے اختلاف کا تذکرہ تک نہیں کیا اور شروحات نے بھی انھیں کے قول کو ثابت رکھا ہے مثلاً ذخیرۃ العقبیٰ، بر جندی، تبیینُ الحقائق، ایضاح، مجمع الانہر اور درمختار وغیرہ۔ قاضی خان اور ابراہیم حلبی نے اپنے متن میں اسے مقدم رکھا ہے اور وہ دونوں حضرات اظہر، اشہر اور ارجح قول کو ہی مقدم ذکر کرتے ہیں جیسا کہ اُنھوں نے اپنی کتب کے خطبہ میں اس پر تصریح کی ہے، اور خلاصہ میں بھی اسے مقدم رکھا اور یہ مسلمہ ہے کہ تقدیم مختار ہونے پر دال ہے جیسا کہ عنایہ، نہر اور درمختار کی کتاب الشرکت میں ہے، اور ہدایہ میں اس قول کی دلیل کو مؤخر بیان کیا ہے اور وہ مختار قول کی دلیل ہی کو موخر ذکر کرتے ہیں تا کہ ماقبل دلیل کا جواب بن سکے۔ محقق علی الاطلاق نے بھی فتح القدیر میں اسی کو اشارۃً ثابت رکھا ہے، اسی طرح زیلعی نے تبیین میں دونوں اقوال کی دلیل بیان کی اور امام ابو یوسف کی دلیل کو

مضبوط کرتے ہوئے امام محمد کی دلیل کا رَد کیا، ایضاح، ملتقی اور درمختار میں کہا کہ اس میں امام محمد کو اختلاف ہے اور وہ اس قول کے ضعیف ہونے پر دال ہے جیسا کہ محاوراتِ فقہاء سے واضح ہے، امام شامی نے در کے قول کو اسی طرح ثابت رکھا اور بعض ہمارے مذکورہ دلائل سے اس کو تقویت دی اور وُہ ملتقی کا طریقہ ہے، تقدیم قاضی خان اور تاخیر طریقہ ہدایہ ہے، لہٰذا یہ قول ترجیح پائے گا۔

اوّلاً: بتظافر عامة المتون علیہ۔ (اوّلاً تو اس لئے کہ اس پر اکثر متون ہیں۔)

ثانیاً: بجلالة شان من اعتمد وہ و اقروہ کا لامام فقیہ النفس الذی قالو افیہ انہ لا یعدل عن تصحیحہ والامام المحقق صاحب الهدایة و عصریهما الامام صاحب الخلاصة والامام النسفی صاحب الکنز فالامام برهان الدین محمود و حفیدہ الامام صدرالشریعة والامام المحقق حیث اطلق والامام الفخرالزیلعی والعلامة الامام ابن کمال الوزیر وهم جمیعاًمن ائمةالاجتهادبوجہ اقرلهم بذلك علماء معتمدون ولا کذلك من عددنافی القول الاول الاالقدوری وشارح الطحاوی اماالسمعانی فلم ارمن اعترف لہ بذلك وابوا لسعودهذا لیس هوالامام المحقق علامة الوجودخاتمة المجتهدین محمدافندی مفتی الدیارالرومیة فانہ متقدم علی صاحب البحرالمقدم علی الشرنبلالی السابق علی السیّدابی السعود هذاالمتکلم علی کتب الشرنبلالی تحشیا وتعلیقا فتصحیح هؤلاء الجلةولو التزاماً لا یقاومہ قول المجروح المطروح ان غیرہ اشبہ ثم ما فیهم وفی من تبعهم من اعاظم المتاخرین من الکثرة کما عملت یقضی بترجیحہ فانماالعمل بماعلیہ الاکثر کما فی العقود الدریة و غیرها ۔ (ثانیاً: اس پر بزرگ ترین شخصیات نے اس کی تصریح کی اور اسے ثابت رکھا ہے، مثلاً امام فقیہ النفس جن کے بارے فقہاء نے تصریح کی ہے کہ ان کی تصحیح سے عدول نہیں کیا جاسکتا امام محقق صاحبِ ہدایہ اور اُن کے معاصرین امام صاحبِ الخلاصہ اور امام نسفی صاحب الکنز پھر امام برھان الدین محمود اور ان کے پوتے امام صدر الشریعۃ، امام محقق علی الاطلاق، امام فخر زیلعی اور علامہ ابن کمال الوزیر اور یہ تمام بالوجہ ائمہ اجتہاد ہیں، جس کا اقرار کرنے والے علمائے معتمدین ہیں، اور قول اوّل میں ہمارے شمار کا معاملہ اس طرح نہیں ماسوائے قدوری اور شارح الطحاوی کے۔ رہا معاملہ سمعانی کا، تو میں ان کیلئے اجتہاد کا اعتراف کرتے ہوئے کسی کو نہیں دیکھا اور ابوسعود سے امام محقق علامۃ الوجود خاتمۃ المجتہدین محمد آفندی مفتی دیارِ روم مراد نہیں کیونکہ وہ صاحب بحر سے پہلے گزرے ہیں اور صاحبِ بحر شرنبلالی سے مقدم اور شرنبلالی سیّد ابوالسعود سے مقدم ہیں، جنھوں نے کتبِ شرنبلالی پر حواشی و تعلیقات تحریر کی ہیں، پس ان عظیم علماء کی تصحیح اگرچہ التزاماً ہو کا مقابلہ کوئی

مجروح ومطروح قول نہیں کرسکتا اس بات میں کہ اس کا غیر مختار ہے، پھران علماء اوران کے متبعین علماءِ متاخرین کی کثرت جیسا کہ معلوم ہو چکا ہے بھی ترجیح کا تقاضا کرتی، کیونکہ عمل اس پر ہوتا ہے جس پر اکثریت ہو جیسا کہ عقود الدریہ وغیرہ میں ہے۔)

ثالثاً :بقوۃ دلیلہ کما یظھر بمراجعۃ التبیین وغیرہ ۔(ثالثاً اس کی دلیل قوی ہونے کی وجہ سے جیسا کہ تبیین وغیرہ کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے۔)

رابعا :ان فرض تساوی القولین من جھۃ الترجیح فیترجح ھذا بانہ قول ابی یوسف کما عرف ذلک فی رسم المفتی ۔(رابعاً اگر جہت ترجیح کی وجہ سے دونوں اقوال میں مساوات فرض کرلیں تب بھی یہی قول ترجیح پا جائے گا کیونکہ یہ امام ابو یوسف کا قول ہے جیسا کہ رسم المفتی میں معلوم ہو چکا۔)

خامساً :بانہ الاحوط فان فیہ الخروج عن العھدۃ بیقین، و سادساً :بانہ الا نفع للفقراء وقد علم ان للعلماء بذلک اعتناءً عظیماً فی الزکوۃ والاوقاف ھذا ماظھرلی فانظر ماذاتری (خامساً احوط یہی ہیکیونکہ اس صورت میں ذمہ داری سے بالیقین نکلا جا سکتا ہے، سادساً :یہ فقراء کیلئے زیادہ سُودمند ہےاور یہ معلوم ہے کہ علماءِ زکوٰۃ واوقاف میں اس کا بہت زیادہ اہتمام کرتے ہیں مجھ پرتو یہی واضح ہوا، آپ کی کیارائے ہے)واللہ تعالی اعلم۔

رہی **صورت ثالثہ** یعنی ہلاک، اس میں بالاتفاق کم یا بہت جس قدر تلف ہو بحساب اربعۂ متناسبہ اُتنے کی زکوٰۃ ساقط ہوگی اور جتنا باقی رہے اگرچہ نصاب سے بھی کم، اُتنے کی زکوٰۃ باقی۔

(فتاوی رضویہ، ج10،ص88 تا95، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

امام ابو یوسف پر ایک غیر مقلد کے اعتراض کا جواب

امام اہل سنت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے سوال ہوا

ایک غیر مقلد نے اپنی کتاب میں احناف پر اعتراض کرتے ہوئے لکھا ہے کہ امام ابو یوسف آخرِ سال پر اپنا مال اپنی بیوی کے نام ہبہ کر دیا کرتے تھے اوراس کا مال اپنے نام ہبہ کرالیا کرتے تھے تا کہ زکوٰۃ ساقط ہو جائے، یہ بات امام ابوحنیفہ سے کہی گئی تو جواب دیا کہ یہ ان کی فقہ کی جہت سے درست ہے، اس معاملے کو امام بخاری نے بھی صحیح بخاری میں لکھا ہے۔کیا یہ صحیح ہے؟

تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا تفصیلاً جواب دیا جو کہ ایک رسالہ کی صورت میں فتاوی رضویہ کی جلد نمبر 10 میں موجود ہے، خلاصۂ جواب درج ذیل ہے:

اولاً

صحیح بخاری شریف میں اوّل تا آخر کہیں اس حکایت کا پتا نہیں کہ امام ابو یوسف اس کے عامل تھے امام اعظم مصدّق ہوئے، امام بخاری نے صرف اس قدر لکھا کہ بعض علماء کے نزدیک اگر کوئی شخص سال تمام سے پہلے مال کو ہلاک کردے یا دے ڈالے یا بیچ کر بدل لے کہ زکوٰۃ واجب نہ ہونے پائے تو اس پر کچھ واجب نہ ہوگا، اور ہلاک کرکے مرجائے تو اس کے مال سے کچھ نہ لیا جائے گا، اور سال تمام سے پہلے اگر زکوٰۃ ادا کردے تو جائز وروا۔

اُن کی عبارت یہ ہے: وقال بعض الناس فی عشرین ومائۃ بعیر حقتان فان اھلکھا متعمدا او وھبھا او احتال فیھا فرارا من الزکوٰۃ فلا شئی علیہ (بعض لوگوں نے کہا ہے کہ ایک سوبیس اونٹوں میں دو حقہ ہیں اور اگر انھیں عمداً ہلاک کردیا یا انھیں کسی کو ہبہ کردیا یا زکوٰۃ سے بھاگنے کے لیے کوئی حیلہ کرلیا تو اب مالک پر زکوٰۃ نہیں ہوگی۔ت) (صحیح البخاری، کتاب الحیل، باب فی الزکوٰۃ ولا یفرق الخ، ج2، ص1029، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

پھر کہا: وقال بعض الناس فی رجل لہ ابل فخاف ان تجب علیہ الصدقۃ فباعھا بابل مثلھا او بغنم او ببقر او بدراھم فرارا من الصدقۃ بیوم واحتیالا فلا شئی علیہ وھو یقول ان زکی ابلہ قبل ان یحول الحول بیوم او بسنۃ جازت عنہ (بعض لوگوں نے اس شخص کے بارے میں کہا جس کے پاس اونٹ ہوں وُہ ڈرتا ہے کہ کہیں اس پر صدقہ لازم نہ ہوجائے پس وُہ زکوٰۃ سے فرار اور حیلہ کرتے ہوئے ایک دن پہلے اس کی مثل اونٹوں سے بیچ دیتا ہے یا بکری یا گائے یا دراہم کے عوض بیچ دیتا ہے تو اب اس پر کوئی شئے لازم نہیں، اور وُہ یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر مالک نے اپنے اونٹ کی زکوٰۃ سال گزرنے سے ایک دن یا سال پہلے زکوٰۃ دے دی تو ادا ہوجائیں گی۔ت)

(صحیح البخاری، کتاب الحیل، باب فی الزکوٰۃ ولا یفرق الخ، ج2، ص1029، قدیمی کتب خانہ کراچی)

پھر کہا: وقال بعض الناس اذا بلغت الابل عشرین ففیھا اربع شیاہ فان وھبھا قبل الحول او باعھا فرارا او احتیالا لاسقاط الزکوٰۃ فلاشئی علیہ وکذلک ان اتلفھا فمات فلاشئی فی مالہ بعض لوگوں نے کہا

جب اُونٹ بیس ہو جائیں تو اسمیں چار بکریاں لازم ہوں گی، اب اگر اسقاطِ زکوٰۃ کیلئے حیلہ کرتے ہُوئے سال گزرنے سے پہلے ان اونٹوں کو ہبہ کردیا تو اب کوئی شئی لازم نہ ہوگی، اسی طرح اگر مالک نے ہلاک کردیا اور مالک فوت ہوگیا تو اس کے مال میں کوئی شئی لازم نہ ہوگی۔ (صحیح البخاری، کتاب الحیل، باب فی الزکوٰۃ ولا یفرق بین مجتمع الخ، ج2، ص1029، قدیمی کتب خانہ کراچی)

اس میں نہ اُس حکایت کا کہیں نشان، نہ امام اعظم خواہ امام ابو یوسف کا نام، ایک مسئلہ میں بعض علماء کا صرف مذہب نقل کیا ہے کہ کوئی ایسا کرے تو اس پر کچھ واجب نہ ہوگا۔

ثانیاً:

ہمارے کتب مذہب نے اس مسئلہ میں امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہا اللہ تعالیٰ کا اختلاف نقل کیا اور صاف لکھ دیا کہ فتوی امام محمد کے قول پر ہے کہ ایسا فعل جائز نہیں۔

تنویر الابصار و در مختار و درر و غرر و جوہرہ وغیرہا میں ہے: واللفظ للاولین (تکرہ الحیلة لاسقاط الشفعة بعد ثبوتها وفاقا) کقوله للشفیع اشتره مني ذکره البزازی (واما الحیلة لدفع ثبوتها ابتدأ فعند ابی یوسف لاتکره وعند محمد تکره، ویفتي بقول ابی یوسف فی الشفعة) قیده فی السراجیة بما اذکان الجار غیر محتاج الیه واستحسنه محشی الاشباه (وبضده) وهو الکراهة (فی الزکوٰة) والحج وایة السجدة جوهرة (پہلی دونوں کتب کی عبارت یہ ہے (ثبوتِ شفعہ کے بعد اسقاط کے لیے حیلہ کرنا بالاتفاق مکروہ ہے) مثلاً شفیع کے لیے یہ کہنا کہ وُہ چیز آپ مجھ سے خرید لیں۔ اسے بزازی نے ذکر کیا (لیکن ابتداءً عدمِ ثبوت کے لیے حیلہ کرنا امام ابو یوسف کے نزدیک مکروہ نہیں۔ اور امام محمد کے ہاں مکروہ ہے۔ شفعہ میں امام ابو یوسف کے قول پر فتوی ہے) سراجیہ میں اس قید کا اضافہ ہے کہ بشرطیکہ پڑوسی اس کا محتاج نہ ہو محشیِ اشباہ نے اسے پسند کیا ہے اور زکوٰۃ، حج اور آیتِ سجدہ میں (اس کی ضد) یعنی کراہت پر فتویٰ ہے، جوہرہ۔ت) (درمختار، کتاب الشفعة، کتاب مایبطلها، ج2، ص216، مطبع مجتبائی، دہلی)

ردالمحتار میں شرح درر البحار سے ہے: هذا تفصیل حسن (یہ تفصیل خوبصورت ہے۔ت)

(ردالمحتار، کتاب الشفعة، کتاب مایبطلها، ج5، ص173، مصطفی البابی، مصر)

غمز العیون میں ہے: الزکوٰة علی عدم جواز الحیلة لاسقاط الزکوٰة وهو قول محمد رحمه

اللہ تعالیٰ وھو المعتمد۔فتویٰ حیلہ اسقاطِ زکوٰۃ کے عدمِ جواز پر ہے اور یہی امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے، اور اسی پر اعتماد ہے۔ (غمز عیون البصائر، الفن الخامس من الاشباہ والنظائر الخ، ج2، ص292، ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ، کراچی)

ثالثاً:

بلکہ خزانۃ المفتین میں فتاوٰی کبرٰی سے ہے "الحیلۃ فی منع وجوب الزکوٰۃ تکرہ بالاجماع" ترجمہ: اور وجوب زکوٰۃ میں رکاوٹ کے لیے حیلہ کرنا بالاجماع مکروہ ہے۔ (خزانۃ المفتین، ج2، ص192، قلمی نسخہ)

یہاں سے ثابت کہ ہمارے تمام ائمہ کا اس کے عدمِ جواز پر اجماع ہے، حضرت امام ابو یوسف بھی مکروہ رکھتے ہیں، ممنوع وناجائز جانتے ہیں کہ مطلق کراہت کراہتِ تحریم کے لئے ہے خصوصاً نقل اجماع کہ یہاں ہمارے سب ائمہ کا مذہب متحد بتا رہی ہے اور شک نہیں کہ مذہبِ امام اعظم وامام محمد اس حیلہ کا ناجائز ہونا ہے، غمز العیون کے لفظ سُن چکے کہ صاف عدمِ جواز کی تصریح ہے۔

اقول (میں کہتا ہوں) اگر بنظر تقولِ خلاف (اختلاف کی نقول بکثرت ہونے پر) بغرض توفیق (آپس میں تطبیق دیتے ہوئے) اس روایت اجماع میں کراہت کو معنی اعم پر حمل کریں، تو حاصل یہ ہوگا کہ اس حیلہ کے مکروہ وناپسند ہونے پر ہمارے ائمہ کا اجماع ہے، خلاف اس میں ہے کہ امام ابو یوسف مکروہِ تنزیہی فرماتے ہیں اور امام اعظم وامام محمد مکروہِ تحریمی۔

اور فقیر نے بچشمِ خود امام ابی یوسف رضی اللہ عنہ کی متواتر کتاب مستطاب الخراج میں یہ عبارت شریفہ مطالعہ کی "قال ابو یوسف رحمہ اللہ لا یحل لرجل یؤمن باللّٰہ والیوم الاٰخر منع الصدقۃ و لااخراجھا من ملکہ الی ملک جماعۃ غیرہ لیفرقھا بذٰلک فتبطل الصدقۃ عنھا بان یصیر لکل واحد منھم من الابل والبقر والغنم مالا یجب فیہ الصدقۃ ولا یحتال فی ابطال الصدقۃ بوجہ ولا سبب بلغنا عن ابن مسعود رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ انہ قال مامانع الزکوٰۃ بمسلم ومن لم یؤدھا فلا صلوٰۃ لہ "ترجمہ: امام ابو یوسف فرماتے ہیں: کسی شخص کو جو اللہ و قیامت پر ایمان رکھتا ہو یہ حلال نہیں کہ زکوٰۃ نہ دے یا اپنی ملک سے دوسروں کی ملک میں دے دے جس سے ملک متفرق ہو جائے اور زکوٰۃ لازم نہ آئے کہ اب ہر ایک کے پاس نصاب سے کم ہے اور کسی طرح کسی صورت ابطالِ زکوٰۃ کا حیلہ نہ

کرے، ہم کو ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حدیث پہنچی ہے کہ انہوں نے فرمایا زکوۃ نہ دینے والا مسلمان نہیں رہتا، اور جو زکوۃ نہ دے اس کی نماز مردود ہے۔ (کتاب الخراج، ص86، مطبعہ بولاق، مصر)

فتاوٰی کبرٰی وخزانۃ المفتین کی نقلِ اجماع عبارتِ اطلاق کی تائید کررہی ہے اور اس کا اطلاق اُس اجماع کی۔

امام ابو یوسف نے یہ کتاب مستطاب خلیفہ ہارون کے لیے تصنیف فرمائی ہے جبکہ امام خلافت ہارونی میں قاضی القضاۃ وقاضی الشرق والغرب تھے اُس میں کمال اعلانِ حق کے ساتھ خلیفہ کو وُہ ہدایات فرمائی ہیں جو ایک اعلیٰ درجے کے امام ربانی کے شایانِ شان تھیں کہ اللہ کے معاملے میں سُلطان وخلیفہ کسی کا خوف ولحاظ نہ کرے اور خلیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے ان ہدایات کو اسی طرح سنا ہے جو ایک خدا پرست سلطان وامیر المومنین کے لائق ہے کہ نصائحِ ائمہ وعلماء اگرچہ بظاہر تلخ ہوں گوشِ قبول سے سُنے اور اُن کے حضور فروتنی (عاجزی) کرے، یہ زمانہ امام کا آخر زمانہ تھا، حاضرین مجلس مبارک سیّدنا امام اعظم یا اُس کے بعد کا قریب زمانہ جس میں خلافاتِ ائمہ ثلثہ منقول ہُوئی ہیں، اس سے متقدم تھا۔

تو اس تقدیر پر نقل اجماع کو ظاہر سے پھیرنے کی حاجت نہیں، تطبیق یُوں ہوگی کہ امام ابی یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس قول سے رجوع فرمایا اور اُن کا آخر قول یہی ٹھہرا جو ان کے استاذ اعظم امام الائمہ اور شاگرد اکبر امام محمد کا ہے رضی اللہ تعالےٰ عنہم اجمعین، اور ایک امام دین جب ایک قول سے رجوع فرمائے تو اب وہ اس کا قول نہ رہا، نہ اس پر طعن روا، نہ سیّدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما پر طعن کیا کہ وُہ ابتداء میں جوازِ متعہ مدتوں قائل رہے ہیں یہاں تک کہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اپنے زمانہ خلافت میں اُن سے فرمایا کہ اپنے ہی اُوپر آزما دیکھیے، اگر متعہ کرو تو میں سنگسار کروں، آخر زمانہ میں اس سے رجوع کیا اور فرمایا: اللہ عزوجل نے زوجہ وکنیز شرعی بس ان دو کو حلال فرمایا ہے **فکل فرج سواھما حرام** ان دو کے سوا جو فرج ہے حرام ہے۔ (جامع الترمذی، ج1، ص134، امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ، دہلی)

نہ زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر طعن کیا جائے کہ وُہ پہلے سُود کی بعض صُورتیں حلال بتاتے ہیں یہاں تک امّ المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ زید کو خبر دے دو کہ اگر وہ اس قول سے باز نہ آئے تو انہوں نے جو حج وجہاد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہمراہِ رکاب کیا اللہ تعالیٰ اسے باطل فرمادے گا۔ (سنن الدارقطنی، ج3، ص52، نشر السنۃ، ملتان)

رابعاً:

یہ حکایت کسی سند مستند سے ثابت نہیں، اور بے سند مذکور ہونا طعن کے لیے کیا نفع دے سکتا ہے، وہ بھی ایسی کتاب میں خصوصاً جس میں تو وہ حدیثیں خود رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف ایسی منسوب ہیں جن کی نسبت ائمہ حدیث نے جزم کیا کہ باطل وموضوع ومکذوب ہیں۔

مجتہد کے اجتہاد میں کسی فعل کا جواز آنا اور بات اور خود اس کا مرتکب ہونا اور بات، یہ اساطین دین الٰہی بارہا عوام کے لیے رخصت بتاتے اور خود عزیمت پر عمل کرتے۔ سیّدنا امام اعظم امام الائمہ سراج الامہ کاشف الغمہ مالک الازمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں "لا احرم النبیذالشدید دیانة ولا اشربة مروءة" ترجمہ: میں نبیذ کو دیانۃً حرام نہیں کہتا لیکن مروتاً اسے پیتا نہیں ہوں۔

اُن کے شاگرد کے شاگرد محمد بن مقاتل رازی کہتے ہیں "لو اعطیت الدنیا افیرها ماشربت المسکر یعنی نبیذالتمر والزبیب ولو اعطیت الدّنیا بحذافیرهاماافتیت بانه حرام" ترجمہ: اگر تمام دنیا مجھے دے دی جائے تو میں نشہ آور چیز یعنی تمر اور زبیب کا نبیذ نہ پیوں گا، اور اگر مجھے تمام دنیا عطا کردی جائے تو میں اس کے حرام ہونے کا فتوٰی نہیں دے سکتا۔

خامساً:

امام حجۃ الاسلام غزالی قدس سرہ الشریف احیاء العلوم شریف فرماتے ہیں: فان قیل هل یجوز لعن یزید لانه قاتل الحسین وامربه قلنا هذالم یثبت اصلا فلا یجوز ان یقال انه قتل او امربه مالم یثبت فضلا عن اللعنة لانه لاتجوز نسبة مسلم الی کبیرة من غیر تحقیق نعم یجوز ان یقال قتل ابن ملجم علیا وقتل ابو لؤلؤ عمر رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه فان ذلك ثبت متواتر افلا یجوز ان یرمی مسلم بفسق و کفر من غیر تحقیق۔ اگر سوال کیا جائے کہ کیا یزید پر لعنت کرنا جائز ہے کیونکہ وہ امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قاتل ہے یا اس نے آپ کے قتل کا حکم دیا ہے، تو ہم کہتے ہیں کہ یہ اصلاً ثابت نہیں جب تک یہ ثابت نہ ہو جائے تو اسے قاتل یا اس کا آمر نہ کہا جائے چہ جائیکہ اس پر لعنت کی جائے کیونکہ بغیر تحقیق کسی مسلمان کی طرف کبیرہ گناہ کی نسبت کرنا جائز نہیں، ہاں یہ کہنا جائز ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ابنِ ملجم اور حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو ابولؤلؤ نے شہید کیا کیونکہ یہ تواتر سے ثابت ہے تو بغیر تحقیق کسی

مسلمان کی طرف فسق یا کفر کی نسبت کرنا ہرگز جائز نہیں۔ت)

(احیاء العلوم، الآفۃ الثامنۃ اللعن، ج3، ص125، مکتبۃ ومطبعۃ المشہد الحسینی، القاہرۃ)

یہ فعل امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ سے حکایت کیا جاتا ہے آیا خطاء اجتہادی ہے یا اس کی قابلیت نہیں رکھتا بلکہ معاذ اللہ عمداً فریضۃ اللہ سے معاندت (مخالفت) ہے، برتقدیر اوّل اس سے طعن کے کیا معنی مجتہد اپنی خطا پر ثواب پاتا ہے اگرچہ صواب (درستگی) کا ثواب دونا ہے۔

اور اگر عیاذاً باللہ شق ثانی فرض کی جائے فرض خود سے معاندت قطعاً کبیرہ ہے خصوصاً وہ بھی برسبیل عادت جو (کردیا کرتے تھے) کا مفاد ہے خصوصاً اس زعم کے ساتھ کہ آخرت میں اس کا ضرر ہو گناہ سے زائد ہے تو معاذ اللہ اکبر الکبائر ہوا پھر کیونکر حلال ہو گیا کہ ایسے سخت کبیرہ شدید نہ کبیرہ بلکہ اکبر الکبائر کو ایک مسلمان نہ صرف مسلمان بلکہ امام المسلمین کی طرف بلاتواتر نہ فقط بے تواتر بلکہ محض بلاسند صرف حکّی کی بنا پر نسبت کردیا جائے۔

سبحان اللہ! یزید پلید کی طرف تو یہ نسبت ناجائز وحرام ہو کہ اس نے امام مظلوم سیدنا حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کرایا اس لیے کہ اس کا حکم دینا اس خبیث سے متواتر نہیں اور سیدنا امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی طرف ایسی شدید عظیم بات نسبت کرنا حلال ٹھہرے حالانکہ تواتر چھوڑ کر اصلاً کوئی ٹوٹی پھوٹی سند بھی نہیں۔

سادساً:

مجرد (صرف) استقباح (برا سمجھنا) واستبعاد (بعید سمجھنا) بے دلیل شرعی مسموع نہیں، نہ احکام زہد احکامِ شرع پر حاکم نماز میں قلّتِ خشوع کو اہلِ سلوک کیا کیا سخت وشنیع مذمتیں نہیں کرتے، ایسی نماز کو باطل ومہمل وفاسد ومختل سمجھتے ہیں اور فقہاء کا اجماع ہے کہ خشوع نہ رکنِ نماز ہے نہ فرض نہ شرط۔

مانحن فیہ (جس مسئلہ میں ہم بات کررہے ہیں) کا محلِ اجتہاد نہ ہونا مخالف نے نہ بتایا، نہ قیامت تک بتا سکتا ہے، پھر اجتہاد مجتہد پر طعن کیا معنی رہا۔

فعل اگر بفرضِ غلط ایک آدھ بار وقوع بسندِ معتمد ثابت بھی ہو جائے تو کرنے اور کیا کرنے میں زمین آسمان کا بل (فرق) ہے، نہ "کان یفعل" تکرار میں نص۔

واقعہ حال محتمل صد احتمال ہوتا ہے (واقعہ میں سینکڑوں احتمالات ہو سکتے ہیں) عروض ضرورت (ضرورت کا پیش آنا) یا امر اہم یا کچھ نہ سہی تو بیان جواز ہی کہ فعلاً (کرنا) قولاً (کہنے) سے اکمل واتم (ہوتا ہے)۔

اور (یہ اُن کی فقہ سے ہے) تصویب نہیں، اس کے معنی اس قدر کہ یہ اُنکا اجتہاد ہے جس کا حاصل صرف منع طعن ہے کہ مجتہد اپنے اجتہاد پر ملام نہیں، جس طرح حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے عکرمہ کو جب اُنھوں نے امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شکایت کی کہ وتر کی ایک رکعت پڑھی' جواب دیا ((دعه فانه فقيه)) انھیں کچھ نہ کہہ کہ وہ مجتہد ہیں

ہاں در بارۂ تصویب وتصدیق یہ حکایت کُتب میں منقول ہے کہ امام زین الملّۃ والدّین ابوبکر خواب میں زیارتِ اقدسِ حضور سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مشرف ہُوئے کسی شافعی المذہب نے امام ابو یوسف کا یہ قول حضور کے سامنے عرض کیا: حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ابو یوسف کی تجویز حق ہے، یا فرمایا درست ہے۔

شرح نقایہ میں ہے: وقد ايده ما صح عندنا ان افضل العلماء فی زمانه واكمل العرفاء فی اوانه زين الملة والدين ابوبكر التائبادی قدرأی فی المنام ان شافعی المذهب قال فی مجلس النبی صلی اللّٰه تعالیٰ عليه وسلم ان ابا يوسف جوز حيلة فی اسقاط الزكوٰة فقال صلّى اللّٰه تعالیٰ عليه وسلم ان ماجوزه ابويُوسف حق اوصدق ۔اس کی تائیدوُہ واقعہ کرتا ہے جو ہمارے نزدیک صحت کے ساتھ ثابت ہے کہ اپنے وقت کے افضل العلماء اکمل العرفاء، زین الملّت والدّین ابوبکر التائبادی نے خواب میں دیکھا کہ شافعی المذہب شخص نے مجلسِ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں عرض کیا کہ ابو یوسف نے اسقاطِ زکوٰۃ میں حیلہ کو جائز رکھا ہے تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ابو یوسف نے جو تجویز کیا ہے وہ حق یا درست ہے۔

سابعاً:

بعدِ وجوب منع کا حیلہ بالا جماع حرام قطعی ہے، یہاں کلام منعِ وجوب میں ہے یعنی وُہ تدبیر کرنی کہ ابتداء زکوٰۃ واجب ہی نہ ہو۔امام ابو یوسف فرماتے ہیں اس میں کون سے حکم کی نافرمانی ہوئی، اللہ عزوجل نے سال تمام ہونے پر زکوٰۃ فرض کی جو بعدِ وجوب ادا نہ کرے بالا جماع عاصی ہے، یہ کہاں فرض کیا ہے کہ اپنے زاد (راستہ کا خرچہ) وراحلہ (سواری)

واستطاعت کے قابل مال جمع بھی کر۔

یونہی ہرگز واجب کیا مستحب بھی نہیں کہ قدرِ نصاب مال جوڑ کر سال بھر رکھ چھوڑو تا کہ زکوٰۃ واجب ہو، ائمہ دین کو تعلیمِ غل کی طرف منسوب کرنا بدگمانی ہے جو عوام مسلمین پر بھی جائز نہیں، اور حق یہ ہے کہ امامِ ممدوح کا یہ قول بھی اس لیے نہیں کہ لوگ اسے دستاویز بنا کر زکوٰۃ سے بچیں بلکہ وہ وقتِ ضرورت و حاجت پر محمول ہے، مثلاً کسی پر حج فرض ہو گیا تھا، مال چوری ہو گیا، مصارفِ حج ونفقۂ عیالی کے لیے ہزار درم کی ضرورت ہے اس سے کم میں نہ ہو گا محنت وکوشش سے جمع کیے، آج قافلہ جائے کو ہے کل سالِ زکوٰۃ تمام ہو گا، اگر پچیس درہم نکل جائیں گے مصارف میں کمی پڑے گی، یہ ایسا حیلہ کرے کہ حجِ فرض سے محروم نہ رہے، یا کوئی شخص اپنے حال کو جانتا ہے کہ زکوٰۃ اُس سے ہرگز ہرگز قطعاً نہ دی جائے گی، اُس کا نفس ایسا غالب ہے کہ کسی طرح اس فرض کی ادا پر اصلاً قدرت نہ دے گا' یہ اس خیال سے ایسا کرے کہ بعد فرضیّت ترکِ ادا وارتکابِ گناہ سے بچوں تو از قبیل من ابتلی ببلتیین اختار اھو نھما (جو شخص دو مشکلات میں گھر جائے ان میں سے آسان کو اختیار کرے) ہو گا۔

سراجیہ میں ہے: اذا ارادان یحتال لامتناع وجوب الزکوٰۃ لما انه خاف ان لا یودی فیقع فی المأثم فالسبیل ان یھب النصاب قبل تمام الحول من یثق به ویسلمه الیه ثم یستوھبه۔ جب کوئی امتناعِ وجوب زکوٰۃ کے لیے حیلہ کرتا ہے کہ وہ اس بات سے ڈرتا ہے کہ اگر اس نے زکوٰۃ ادا نہ کی تو گناہگار ہو گا، تو اس کے لیے راستہ یہ ہے کہ سال گزرنے سے پہلے نصاب کسی باعتماد آدمی کے حوالے کردے پھر اس سے بطور ہبہ واپس لے لے۔

(فتاوٰی سراجیۃ ص154، کتاب الحیل والخوارج، منشی نولکشور لکھنؤ)

حیلِ شرعیہ کا جواز خود قرآن واحادیثِ سیّد المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ثابت ہے، ایّوب علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے قسم کھائی تھی کہ اپنی زوجۂ مقدّسہ کو سو۱۰۰ کوڑے ماریں گے، رب العزت عزجلالہ نے فرمایا ﴿وخذ بیدک ضغثاً فاضرب به ولا تحنث﴾ یعنی سو تیلیوں کی ایک جھاڑو بنا کر اُس سے ایک دفعہ مالو اور قسم جھوٹی نہ کرو۔

حضور سیّد عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ایک کمزور شخص پر حد لگانے میں اسی حیلہ جمیلہ پر عمل فرمایا ارشاد ہوا ((خذوا له عثکالا فیه مائة شمراخ ثم اضربوه به ضربة واحدة)) ترجمہ: شاخہائے خرما کا ایک گچھا لے کر جس میں سو

شاخیں ہوں اُس سے ایک بار ماردو۔ (مسند امام احمد بن حنبل، ج5، ص222، دار الفکر، بیروت)

خود صحیح بخاری شریف بلکہ صحیحین میں حضرت ابو سعید و حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک صاحب کو خیبر پر عامل بنا کر بھیجا، وُہ عمدہ خرمے (کھجوریں) وہاں سے لائے، فرمایا: کیا خیبر کے سب خُرمے ایسے ہی ہیں؟ نہیں یارسول اللہ! واللہ کہ ہم چھ سیر خُرموں کے بدلے یہ خرمے تین سیر، اور نو سیر دے کر اس کے چھ سیر خریدتے ہیں۔ فرمایا ((لاتفعل بع الجمع بالدراھم ثم ابتع بالدراھم جینبا)) ترجمہ: ایسا نہ کرو بلکہ ناقص خرمے پہلے روپوں کے عوض بیچو پھر ان روپوں سے یہ عمدہ خرمے خریدو۔ (صحیح البخاری، ج1، ص293، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

نیز صحیحین میں ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے۔ بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہ برنی چھوہارے کے عمدہ قسم ہیں خدمتِ اقدسِ حضور سیّد عالم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں حاضر لائے، فرمایا: یہ کہاں سے آئے ہیں؟ عرض کی: ہمارے پاس ناقص چھوہارے تھے اُن کے چھ سیر دے کر یہ تین سیر لیے، فرمایا: اَوّہْ عین الربا لا تفعل ذلك ولکن اذا اردت ان تشتری فبع التمر ببیع اٰخر ثم اشتر بہ۔ اُف خاص سُود ہے ایسا نہ کرو، ہاں جب بدلنا چاہو تو اپنے چھوہارے اور چیز سے پہلے بیچ پھر اس سے اچھے چھوہارے مول لے لو۔

(صحیح البخاری، کتاب الوکالت، باب اذ باع الوکیل شیأ فاسداً الخ، ج1، ص301، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

یہ شرعی حیلے نہیں تو اور کیا ہیں، باب حیل واسع ہے، اگر کلام کو وسعت دی جائے تطویل لازم آئے۔ اہلِ انصاف کو اسی قدر بس ہے، پھر جب اللہ و رسول اجازت دیں تعلیمیں فرمائیں تو ابو یوسف پر کیا الزام آسکتا ہے۔

ہاں ہمارے امام اعظم و امام محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے یہ خیال فرمایا کہ کہیں اس کی تجویز عوام کے لیے مقصدِ شنیع کا دروازہ کھولے، لہذا ممانعت فرمادی، اور ائمۂ فتویٰ نے اسی منع ہی پر فتوی دیا۔

امام بخاری بھی اگر امام محمد کا ساتھ دیں اور یہ قولِ امام ابی یوسف پسند نہ کریں تو امام ابی یوسف کی شانِ جلیل کو کیا نقصان، وُہ کون سا مجتہد ہے جس کے بعض اقوال دوسروں کی مرضی (پسندیدہ) نہ ہوئے، یہ رَد و قبول تو زمانۂ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بلا نکیر رائج و معمول ہے، نہ بخاری کے اقوال مذکورہ میں کوئی کلمہ سخت نفرت کا ہے، اُن سے صرف اتنا نکلتا ہے کہ یہ قول انھیں مختار نہیں۔

اور ہو بھی تو ان کی نفرت امامِ مجتہد کو کیا ضرر دے سکتی ہے خصوصاً ائمہ حنفیہ لاسیما امام الائمہ امام اعلم رضی اللہ تعالیٰ عنہ وعنہم کہ امام بخاری کے امام ومتبوع سیّدنا امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن کی نسبت شہادت دیتے ہیں کہ تمام مجتہدین امام ابو حنیفہ کے بال بچے ہیں، حفظِ حدیث ونقدِ رجال وتنقیح صحت وضعفِ روایات میں امام بخاری کا اپنے زمانے میں پایۂ رفیع والا، صاحبِ رتبۂ بالا، مقبولِ معاصرین ومقتدائے متاخرین ہونا مسلّم۔ کتبِ حدیث میں ان کی کتاب بیشک نہایت چیدہ وانتخاب جس کے تعالیق ومتابعات وشواہد کو چھوڑ کر اصولِ مسانید پر نظر کیجیے تو ان میں گنجائش کلام تقریباً شاید ایسی ہی ملے جیسے مسائل ثانیہ امام اعظم میں، اور یہ بھی بحمد اللہ حنفیہ وشاگردان ابوحنیفہ وشاگردانِ شاگرد ابوحنیفہ مثل امام عبد اللہ بن المبارک وامام یحیٰی بن سعید قطان وامام مفضیل بن عیاض وامام مستعبر بن کرام وامام وکیع الجراح وامام لیث بن سعد وامام معلّٰی بن منصور رازی وامام یحیٰی بن معین واغیرہم ائمۂ دین رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کا فیض تھا کہ امام بخاری نے اُن کے شاگردوں سے علم حاصل کیا اور اُن کے قدم پر قدم رکھا اور خود امام بخاری کے استاذ اجل امام احمد بن حنبل، امام شافعی کے شاگرد ہیں، وہ امام محمد کے، وہ امام ابو یوسف کے، وہ امام ابوحنیفہ کے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

مگر یہ کارِ اہم ایسا نہ تھا کہ امام بخاری اس میں ہمہ تن مستغرق ہو کر دوسرے کار اجل واعظم یعنی فقاہت واجتہاد کی بھی فرصت پاتے، اللہ عزوجل نے انھیں خدمت الفاظ کریمہ کے لیے بنایا تھا، خدمتِ معانی ائمہ مجتہدین خصوصاً امام الائمہ ابوحنیفہ کا حصّہ تھا، محدّث ومجتہد کی نسبت عطّار (ڈسپنسر) وطبیب (ڈاکٹر) کی مثل ہے، عطّار دوا شناس ہے اُس کی دُکان عمدہ عمدہ دواؤں سے مالا مال ہے مگر تشخیصِ مرض ومعرفتِ علاج وطریقِ استعمال طبیب کا کام ہے۔

عطار کامل (اچھا ڈسپنسر) اگر طبیب حاذق (ماہر ڈاکٹر) کے مدارکِ عالیہ تک نہ پہنچے معذور ہے خصوصاً ملک اطبائے حذّاق امام ائمہ آفاق جو ثریا سے علم لے آیا، جس کی دقتِ مقاصد کو اکابر ائمہ نے نہ پایا، بھلا امام بخاری تو نہ تابعین سے ہیں نہ تبع تابعین سے، امام اعظم کے پانچویں درجے میں جا کر شاگرد ہیں۔

خود حضرت اجل سلیمٰن اعمش کہ اجلۂ تابعین وامام ائمۂ محدثین سے ہیں حضرت سیّدنا انس بن مالک انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ خادمِ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے شاگرد اور ہمارے امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کے استاد، ان سے کچھ مسائل کسی نے پُوچھے اس وقت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی وہاں تشریف فرما تھے، امام اعمش نے ہمارے امام سے فتوٰی لیا،

ہمارے امام نے سب مسائل کا فوراً جواب دیا، اعمش نے کہا یہ جواب آپ نے کہاں سے پیدا کیے؟ فرمایا ان حدیثوں سے جو میں نے خود آپ سے سُنیں اور وُہ احادیث مع اسانید پڑھ کر بتادیں، امام اعمش نے کہا "حسبك ماحدثتك في مائة يوم تحدثني به في ساعة واحدة، ماعلمت انك تعمل بهذ، الاحاديث يا معشر الفقهاء انتم الطباء ونحن الصيادلة وانت ايها الرجل بكلا الطرفين" ترجمہ: بس کیجئے میں جو حدیثیں سَو دن میں بیان کیں آپ نے گھڑی بھر میں مجھے سنادیں، مجھے معلوم نہ تھا کہ آپ احادیث میں یہ کام کرتے ہیں اے مجتہدو! تم طبیب ہو اور ہم محدثین عطار۔ اور اے ابوحنیفہ! تم نے دونوں کنارے گھیر لیے۔ یہ روایت امام ابنِ حجر مکّی شافعی وغیرہ ائمہ شافعیہ وغیرہم نے اپنی تصانیف خیرات الحسان وغیرہا میں بیان فرمائی۔ (الخیرات الحسان، ص 144، ایم ایچ سعید کمپنی، کراچی)

یہ تو یہ خود ان سے بدرجہا اجل واعظم ان کے استاذ اکرم واقدم امام عامر شعبی جنھوں نے پانسو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو پایا، حضرت امیر المومنین مولیٰ علی وسعد بن ابی وقاص وسعید بن زید وابو ہریرہ وانس بن مالک وعبداللہ بن عمر وعبداللہ بن عباس وعبداللہ بن زبیر وعمران بن حصین وجریر بن عبداللہ ومغیرہ بن شعبہ وعدی بن حاتم وامام حسن وامام حسین وغیرہم بکثرت اصحاب کرام رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے شاگرد اور ہمارے امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کے استاذ جن کا پایہ رفیع حدیث میں ایسا تھا کہ فرماتے ہیں بیس ۲۰ سال گزرے ہیں کسی محدّث سے کوئی حدیث میرے کان تک ایسی نہیں پہنچی جس کا علم مجھے اس محدث سے زائد نہ ہو۔ ایسے مقام والا مقام با آں جلالت شان فرماتے ہیں "انالسنا بالفقهاء ولكنا سمعنا الحديث فروينا للفقهاء من اذاعلم عمل" ترجمہ: ہم لوگ فقیہ ومجتہد نہیں ہم نے تو حدیثیں سُن کر فقیہوں کے آگے روایت کردی ہیں جو ان پر مطلع ہوکر کاروائی کرینگے۔ (تذکرۃ الحفاظ، ج 1، ص 79، دائرۃ المعارف النظامیہ، حیدرآباد دکن)

کاش امام اجل سیّدنا امام بخاری علیہ رحمۃ الباری اگر فرصت پاتے اور زیادہ نہیں دس بارہ برس امام حفص کبیر بخاری وغیرہ ائمہ حنفیہ رحمہم اللہ تعالیٰ سے فقہ حاصل فرماتے تو امام ابوحنیفہ کے اقوال شریفہ کی جلالت شان وعظمت مکان سے آگاہ ہو جاتے، امام ابوجعفر طحاوی حنفی کی طرح ائمہ محدثین وائمہ فقہاء دونوں کے شمار میں یکساں آتے مگر تقسیم ازل جو حصّہ دے۔

اور انصافاً یہ تمنا بھی عبث ہے، امام بخاری ایسے ہوتے تو امام بخاری ہی نہ ہوتے، ان ظاہر بینوں کے یہاں وُہ بھی ائمہ حنفیہ کی طرح معتوب ومعیوب قرار پاتے فالى الله المشتكى وعليه التكان (اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ہی

درخواست ہے اور اسی پر بھروسا ہے)

بالجملہ ہم اہلِ حق کے نزدیک حضرت امام بخاری کو حضور پُر نور امام اعظم سے وہی نسبت ہے جو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضور پُر نور امیر المومنین مولی المسلمین سیدنا و مولنا علی المرتضٰی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الاسنیٰ سے کہ فرقِ مراتب بے شمار اور حق بدست حیدرِ کرار، مگر معاویہ بھی ہمارے سردار، طعن اُن پر بھی کارِ فجّار، جو معاویہ کی حمایت میں عیاذ اًباللہ اسد اللہ و اولیت وعظمت و اکملیت سے آنکھ پھیر لے وہ ناصبی یزیدی، اور جو علی کی محبت میں معاویہ کی صحابیت ونسبت بارگاہِ حضرت رسالت بُھلا دے وہ شیعی زیدی، یہی روشِ آداب بحمد اللہ تعالیٰ ہم اہلِ توسط و اعتدال کو ہر جگہ ملحوظ رہتی ہے' یہی نسبت ہمارے نزدیک امام ابن الجوزی کو حضور سیّدنا غوثِ اعظم اور مولانا علی قاری کو حضرت خاتمِ ولایت محمدیہ شیخ اکبر سے ہے، نہ ہم بخاری و ابن جوزی و علی قاری کے اعتراضوں سے شان رفیع امامِ اعظم وغوثِ اعظم وشیخ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر کچھ اثر سمجھیں نہ ان حضرات سے کہ بوجہ خطائی الفہم معترض ہوئے الجھیں، ہم جانتے ہیں کہ ان کا منشاءِ اعتراض بھی نفسانیت نہ تھا بلکہ ان اکابر محبوبان خدا کے مدارک عالیہ تک درس وادراک نہ پہنچنا لاجرم اعتراض باطل اور معترض معذور، اور معترض علیہم کی شان ارفع واقدس۔ (فتاوی رضویہ، ج10، ص187 تا 201، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

سب کچھ راہِ خدا میں دے دینا افضل یا کچھ بچا کر رکھنا افضل

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ سے سوال ہوا:

ایک شخص اہل وعیال رکھتا ہے اپنی ماہانہ یا سالانہ آمدنی سے بلا افراط وتفریط اپنے بال بچّوں پر ایک حصہ خرچ کر کے باقی اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کر دیتا ہے، آئندہ کو اہل عیال کے لیے کچھ نہیں چھوڑتا، اور دوسرا شخص آمدنی کا ایک حصہ بچوں پر خرچ کرتا ہے، دوسرا حصہ خیرات کرتا اور تیسرا حصّہ آئندہ ان کی ضرورتوں میں کام آنے کی غرض سے رکھ چھوڑتا ہے، ان دونوں میں افضل کون ہے؟

تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے تفصیلاً جواب دیتے ہوئے فرمایا:

حُسنِ نیّت سے دونوں صورتیں محمود ہیں، اور باختلافِ احوال ہر ایک افضل، کبھی واجب، ولہذا اس بارہ میں احادیث بھی مختلف آئیں اور سلف صالح کا عمل بھی مختلف رہا۔

اس میں قول موجز و جامع اِن شاء اللہ تعالیٰ یہ ہے کہ آدمی دو قسم ہیں (1) منفرد کہ تنہا ہو (2) اور معیل کہ عیال رکھتا ہو۔

سوال اگر چہ معیل سے متعلق ہے مگر ہر معیل اپنے حق نفس میں منفرد اور اس پر اپنے نفس کے لحاظ سے وہی احکام ہیں جو منفرد پر ہیں لہذا دونوں کے احکام سے بحث درکار۔

(1) **اوّل**: وُہ اہل انقطاع (دنیا سے منقطع) وتبتل الی اللہ (اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ) اصحابِ تجرید وتفرید جنھوں نے اپنے رب سے کچھ نہ رکھنے کا عہد باندھا ان پر اپنے عہد کے سبب ترکِ اذخار (ذخیرہ نہ کرنا) لازم ہوتا ہے اگر بچا رکھیں تو نقضِ عہد ہے اور بعد عہد پھر جمع کرنا ضرور ضعفِ یقین سے ناشئی یا اُس کا موہم ہوگا، ایسے اگر کچھ بھی ذخیرہ کریں مستحقِ عقاب ہوں، حضور پُر نور سیّد عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس کچھ خُرمے (کھجوریں) جمع دیکھے، فرمایا: یہ کیا ہے؟ عرض کی ((شئی ادخرته لغد)) میں نے آئندہ کے لیے جمع کر رکھے ہیں۔ اور ایک روایت میں ہے ((اعد ذٰلك لا ضيافك)) حضور کے مہمانوں کے خیال سے انھیں رکھا ہے۔ فرمایا ((اما تخشي ان يكون لك دخان في نار جهنم انفق يا بلال ولا تخشي من ذوي العرش اقلالا)) کیا ڈرتا نہیں کہ تیرے آتش دوزخ کا دُھواں ہو، اے بلال! خرچ کر اور عرش کے مالک سے کمی کا اندیشہ نہ کرو۔

(شعب الایمان، باب فی الزکوٰۃ، حدیث 3338، ج3، ص209، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

ایک بار انہی بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: اے بلال! فقیر مرنا اور غنی ہو کر نہ مرنا، عرض کی: اس کی کیا سبیل ہے؟ فرمایا: جو ملے نہ چھپانا اور جو مانگا جائے منع نہ کرنا (ظاہر کے جب نہ مال چھپانا ہو نہ کسی سوال رد کیا جائے تو سائلین کسی وقت بھی کچھ پاس نہ چھوڑیں گے) عرج کی: ایسا کیونکر کروں؟ فرمایا ((هو ذاك او النار)) یا تو یونہی کرنا ہوگا یا آگ۔

(المعجم الکبیر، مروی از بلال رضی اللہ عنہ، حدیث ۱۰۲۱، ج1، ص341، المکتبۃ الفیصلیہ، بیروت)

(2) **دوم**: فقر وتوکّل ظاہر کر کے صدقات لینے والا اگر یہ حالت مستمر رکھنا چاہے تو اُن صدقات میں سے کچھ جمع کر رکھنا اُسے ناجائز ہوگا کہ یہ دھوکا ہوگا اور اب جو صدقہ لے گا حرام وخبیث ہوگا، انہی دونوں باب سے ہیں وہ احادیث جن میں ایک اشرفی ترکہ چھوڑنے والے کو ایک داغ فرمایا' دو پر دو، تین پر تین یعنی فی اشرفی ایک داغ دیا جائیگا۔

امام احمد اور طبرانی نے حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے:((توفی رجل من اھل الصفة فوجد فی مئزرہ دینار فقال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیة ثم توفی أخرفوجد فی مئزرہ دیناران فقال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیتان)) اصحابِ صفہ میں سے ایک فوت ہُوئے ان کے پلّے میں ایک دینار پایا گیا تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کے لیے ایک داغ ہے، دوسرا فوت ہوا اس کے دامن میں دو دینار تھے، رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ دو داغ ہیں۔ (مسند احمد بن حنبل، مروی از ابوامامہ، ج5، ص253، دار الفکر، بیروت)

امام احمد اور ابن حبان نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا:((توفی رجل من اھل الصفة فوجد وافی شملته دینارین فذکروا ذٰلك للنبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فقال کیتان)) اصحابِ صفہ میں سے ایک فوت ہوئے ان کے شملہ میں دو دینار پائے گئے تو لوگوں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں عرض کیا تو آپ نے فرمایا: یہ دو داغ ہیں۔ (مسند احمد بن حنبل، مروی از عبد اللہ بن مسعود، ج1، ص457، دار الفکر، بیروت)

احمد، ابن حبان اور بخاری میں حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے، فرماتے ہیں:((کنت جالسا عند النبی صلی اللہ تعالیٰ عنه وسلم فاتی بجنازة فقال هل ترك من شئی قالو انعم ثلثة دنانیر فقال باصبعه ثلث کیات)) میں رسالتمآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس بیٹھا ہوا تھا جنازہ لایا گیا، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اس نے کچھ چھوڑا ہے؟ عرض کیا: ہاں اس نے تین دراہم چھوڑے ہیں۔ آپ نے مبارک انگلیوں سے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: یہ تین داغ ہیں۔ (مسند احمد بن حنبل، مروی از سلمہ بن اکوع، ج4، ص47، دار الفکر، بیروت)

ظاہر ہے کہ ان حدیثوں کا محل وُہ نہیں ہو سکتا جو آیۂ کریمہ ﴿والذین یکنزون الذھب والفضة ولا ینفقونھا فی سبیل اللہ فبشر ھم بعذاب الیم ٥ یوم یحمی علیھا فی نار جھنم فتکوی بھا جباھھم وجنوبھم وظھورھم ھذا ما کنزتم لانفسکم فذوقوا ما کنتم تکنزون﴾ (ترجمہ: جو لوگ سونا چاندی جمع کرتے رہتے ہیں اور اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے انھیں دردناک عذاب کی بشارت دیجئے کہ جس دن جہنم کی آگ میں انھیں پگھلایا جائے گا اور ان کی پیشانیوں، پہلوؤں اور پیٹھوں کو داغا جائے گا (اور کہا جائے گا) یہ ہے وہ خزانہ جسے تم اپنے لیے جمع کرتے تھے اب اپنے جمع کیے ہوئے کا عذاب چکھو۔) کا محمل ہے کہ جب زکوٰۃ دے دی حقوق واجبۂ شرعیہ

ادا کر دیئے کنز نہ رہا اور سبیل اللہ میں خرچ نہ کرنا صادق نہ آیا لہذا استحقاقِ داغ نہ رہا۔

بیہقی نے سنن میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے موقوفاً ہے اور مرفوعاً (بھی) نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بیان کیا: ((**کلما ادی زکوۃ فلیس بکنز وان کان مدفونا تحت الارض و کلما لا تؤدی زکوته فهو کنز وان کان ظاهرا**)) ہر وہ مال جس کی زکوٰۃ دے دی جائے وہ کنز نہیں کہلاتا اگر چہ وہ زمین میں مدفون ہو اور ہر مال جس کی زکوٰۃ نہ دی گئی ہو وُہ کنز ہے اگر چہ ظاہر ہو۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی، کتاب الزکوٰۃ، باب التفسیر الکنز، ج4، ص83، دار صادر، بیروت)

اور یہ اس لیے کہ بیس دینار سے کم پر نہ زکوٰۃ ہے نہ کوئی صدقہ واجبہ۔ لاجرم یہاں استحقاقِ داغ انہی دو وجہ سے ایک پر ہو۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿**واوفوا بالعهد ان العهد كان مسئولا**﴾ ترجمہ: عہد پُورا کرو عہد کے بارے میں پُوچھا جائے گا۔ (القرآن ۱۷/۳۴)

قوت القلوب اور الترغیب میں ہے "انما كان كذلك لانه ادخر مع تلبسه بالفقر ظاهرا و مشاركته الفقراء فيما يأتيهم من الصدقة" ترجمہ: یہ داغ اس لیے ہے کہ ذخیرہ کرنے کے ساتھ اس نے ظاہراً فقر کا اظہار کیا اور وہ صدقات میں فقراء کے ساتھ شریک ہو گیا۔

(الترغیب والترھیب، کتاب الصدقات الترغیب فی الانفاق فی وجوہ الخیر الخ، ج2، ص58، مصطفےٰ البابی، مصر)

یہ اُسی تقدیر ہے کہ داغ سے مراد عیاذاً باللہ آتشِ دوزخ میں تپا کر داغ دینا ہو، اور اگر اس سے دھبّا مراد ہو یعنی اس کے جمال و نورانیت میں وہ ایسے معلوم ہوں گے جیسے چہرہ چیچک وغیرہ کا داغ، اور جن موردوں کے بارے میں یہ حدیثیں آئیں وہاں بلاشبہ یہی معنی دوم انسب و اقرب ہیں تو وہ ان دونوں قسموں سے الگ ہیں۔

(3) **سوم**: جسے اپنی حالت معلوم ہو کہ حاجت سے زائد جو کچھ بچا کر رکھتا ہے نفس اُسے طغیان و عصیان پر حامل ہوتا' یا کسی معصیت کی عادت پڑی ہے اس میں خرچ کرتا ہے تو اس پر معصیت سے بچنا فرض ہے اور جب اُس کا یہی طریقہ معین ہو کہ باقی مال اپنے پاس نہ رکھے تو اس حالت میں اس پر حاجت سے زائد سب آمدنی کو مصارفِ خیر میں صرف کر دینا لازم ہوگا۔

(4) چہارم: جو ایسا بے صبرا ہو کہ اُسے فاقہ پہنچے تو معاذ اللہ رب عزوجل کی شکایت کرنے لگے اگرچہ صرف دل میں، نہ زبان سے، یا طرق ناجائز مثل سرقہ (چوری) یا بھیک وغیرہ کا مرتکب ہو، اس پر لازم ہے کہ حاجت کے قدر جمع رکھے، اگر پیشہ ور ہے کہ روز کا روز کھاتا ہے تو ایک دن کا، اور ملازم ہے کہ ماہوار ملتا ہے یا مکانوں دکانوں کے کرایہ پر بسر ہے کہ مہینہ پیچھے آتا ہے تو ایک مہینہ کا، اور زمیندار ہے کہ فصل یا سال پر پاتا ہے تو چھ مہینہ یا سال بھر کا، فان درء المفاسد اھم من جلب المصالح (مصالح کے حصول سے مفاسد کا ختم کرنا اہم ہوتا ہے) اور اصل ذریعۂ معاش مثلاً آلاتِ حرفت یا دکان مکان دیہات بقدر کفایت کا باقی رکھنا تو مطلقاً اس پر لازم ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ((من رزق فی شئی فلیلزمه)) ترجمہ: جو شئی کسی کا ذریعۂ رزق ہو وہ اسے لازم پکڑے۔

(شعب الایمان، باب التوکل والتسلیم، حدیث ۱۲۴۱، ج2، ص89، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

دوسری حدیث میں ہے فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ((مامن عبد یبیع تالدًا الاسلط اللہ علیه تالفا)) ترجمہ: جو بندہ قدیم جائیداد کو بیچ دے اللہ تعالیٰ اس پر تلف کرنے والا مسلط کر دیتا ہے۔

(المعجم الکبیر، مروی از عمران بن حصین، ج18، ص222، المکتبۃ الفیصلیہ، بیروت)

(5) پنجم: جو عالمِ دین مفتیِ شرع یا مدافع بدع ہو اور بیت المال سے رزق نہیں پاتا، جیسا یہاں ہے، اور وہاں اس کا غیر ان مناصبِ دینیہ پر قیام نہ کر سکے کہ افتا یا دفع بدعات میں اپنے اوقات کا صرف کرنا اس پر فرض عین ہو اور وُہ مال و جائداد رکھتا ہے جس کے باعث اسے غنا اور ان فرائضِ دینیہ کے لیے فارغ البالی ہے کہ اگر خرچ کر دے محتاجِ کسب ہو اور ان امور میں خلل پڑے، اس پر بھی اصل ذریعہ کا ابقا اور آمدنی کا بقدر مذکور جمع رکھنا واجب ہے فان مقدمة الفریضة فریضة (کسی فریضہ کا مقدمہ فرض ہوتا ہے۔) ایسے عالم کو جہاد کے لیے جانے کی اجازت نہیں کسبِ مال میں وقت صرف کرنے کی کیونکر اجازت ہو سکتی ہے۔

(6) ششم: اگر وہاں اور بھی عالم یہ کام کر سکتے ہوں تو ابقاء و جمع مذکور اگرچہ واجب نہیں مگر اہم و موکد بیشک ہے کہ علمِ دین و حمایتِ دین کے لیے فراغ بال' کسبِ مال میں اشتغال سے لاکھوں درجے افضل ہے معہذا ایک سے دو اور دو سے چار بھلے ہوتے ہیں' ایک کی نظر کبھی خطا کرے تو دوسرے اسے صواب کی طرف پھیر دیں گے، ایک کو مرض

وغیرہ کے باعث کچھ عذر پیش آئے تو جب اور موجود ہیں کام بند نہ رہے گا لہذا تعدد علمائے دین کی طرف ضرور حاجت ہے۔

(7) **ھفتم**: عالم نہیں مگر طلبِ علمِ دین میں مشغول ہے اور کسب میں اشتغال اُس سے مانع ہوگا تو اس پر بھی اُسی طرح ابقاء وجمع بسطورِ آکدہ واہم ہے۔

(8) **ھشتم**: تین صورتوں میں جمع منع ہوئی، دو میں واجب، دو میں مؤکدہ۔ جو ان آٹھ سے خارج ہو، وہ اپنی حالت پر نظر کرے اگر جمع نہ رکھنے میں اس کا قلب پریشان ہو توجہ بعبادت و ذکرِ الٰہی میں خلل پڑے تو بمعنی مذکور بقدرِ حاجت جمع رکھنا ہی افضل ہے اور اکثر لوگ اسی قسم کے ہیں۔

شب چو عقد نماز بر بندم　　چہ خورد بامداد فرزندم

ترجمہ: رات کو نماز میں دل کیا لگے جب یہ پریشانی ہو کہ صبح بچے کیا کھائیں گے۔

یہاں وہ لوگ مراد ہیں جن کو توجہ بخدا کا قصد ہے ورنہ منھمکین فی الدنیا تو کسی وقت بھی متوجہ نہیں ہوتے غنی ہوں تو بھول جائیں۔

(9) **نھم**: اگر جمع رکھنے میں اس کا دل متفرق اور مال کے حفظ یا اس کی طرف یا میلان سے متعلق ہو تو جمع نہ رکھنا ہی افضل ہے کہ اصل مقصود ذکرِ الٰہی کے لیے فراغ بال ہے جو اُس میں مخل ہو وہی ضم ہے۔

(10) **دھم**: اصحاب نفوس مطمئنہ ہوں، عدم مال سے اُن کا دل پریشان نہ وجودِ مال سے ان کی نظر، وہ مختار ہیں۔ حق سبحانہٗ اپنے نبی سیّدنا سلیمان علیہ السلام سے فرماتا ہے ﴿**ھذا عطاؤنا فامنن او امسک بغیر حساب**﴾ ترجمہ: یہ ہماری عطا ہے اب تُو چاہے تو احسان کر یا روک رکھ، تجھ پر کچھ حساب نہیں۔ (القرآن ۳۸/۳۹)

(11) **یازدھم**: حاجت سے زیادہ کا مصارفِ خیر میں صرف کر دینا اور جمع نہ رکھنا صورتِ سوم میں تو واجب تھا باقی جملہ صُوَر میں ضرور مطلوب، اور جوڑ کر رکھنا اس کے حق ناپسند ومعیوب کہ منفرد کو اس کا جوڑنا طولِ امل یا حُبِ دنیا ہی سے ناشئی ہوگا اور طولِ امل غرور ہے، اور دُنیا اشر الشرور۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں ((کن فی الدنیا

كانك غريب او عابر سبيل وعدّ نفسك من اصحاب القبور اذااصبحت فلا تحدّث فنسك بالمساء واذاامسيت فلا تحدث نفسك بالصباح)) ترجمہ: دنیا میں یُوں رہ گویا تُو مسافر بلکہ راہ چلتا ہے اور اپنے آپ کو قبر میں سمجھ کر صبح کرے تو دل یہ خیال نہ لا کہ شام ہوگی، اور شام ہو تو یہ نہ سمجھ کہ صبح ہوگی۔

(جامع الترمذی، ابواب الزہد، باب ماجاء فی قصر الامل، ج2، ص57، امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ، دہلی)

یہ سب منفرد کا بیان، رہا عیالدار ظاہر ہے کہ وُہ اپنے نفس کے حق میں منفرد ہے، تو خود اپنی ذات کے لیے اُسے اُنھیں احکام کالحاظ چاہئے اور عیال کی نظر سے اس کی صورتیں اور ہیں ان کا بیان کریں۔

(12) **دوازدھم**: عیال کی کفایت شرع نے اس پر فرض کی، وہ ان کو توکل وتبتل وصبر علی الفاقہ پر مجبور نہیں کرسکتا، اپنی جان کو جتنا چاہے کَسے مگر ان کو خالی چھوڑنا اس پر حرام ہے۔

حضور پُر نور سیّد المتوکّلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے نفس کریم کے لیے کل کا کھانا بچا رکھنا پسند نہ فرماتے۔ اور اپنی عیال کے لیے مال سال بھر کا قُوت جمع فرما دیتے۔

(13) **سیزدھم**: وہ جس کی عیال میں صورت چہارم کی طرح بے صبرا ہو اور بے شک بہت عوام ایسے نکلیں گے تو اس کے لحاظ سے تو اس پر دوہرا وجوب ہوگا کہ قدر حاجت جمع رکھے۔

(14) **چھاردھم**: ہاں جس کی سب عیال صابر ومتوکل ہوں اسے روا ہوگا کہ سب راہِ خدا میں خرچ کردے۔ سیّد عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک بار صدقہ کا حکم فرمایا، امیر المومنین عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں مَیں خوش ہُوا کہ اگر صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر سبقت لے جاؤں گا تو اس بار میرے پاس مال بہت ہے اور ان کے پاس کم۔ فاروق اپنے تمام مال کا نصف حاضر لائے۔ ارشاد ہُوا: عیال کے لیے کیا چھوڑا؟ عرض کی: اتنا ہی۔

صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تمام وکمال اتنا اپنا سارا مال حاضر لائے، ارشاد ہُوا: عیال کے لیے کیا چھوڑا؟ عرض کی: اللہ ورسول جل وعلا وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ حضور اقدس نے فرمایا ((بینکما مابین کلمتیکما)) ترجمہ: تم دونوں کے مرتبوں میں وُہ فرق ہے جو تمھاری ان باتوں میں ہے۔

اگر صاحب جائیداد ہے اور اسکی آمدنی خرچ سے زائد ہے تو اس کی آمدنی سے بقدر خرچ رکھ کر باقی کا تصدق

مطلقاً افضل ہے، اگر دخل ماہانہ ہے تو ایک مہینہ کا خرچ رکھ کر، اور سالانہ تو ایک سال کا، اس سے زائد کا جمع رکھنا حرص وحُب دنیا سے ناشئ ہوتا ہے، اور حُبِ دنیا خطا کی جڑ ہے۔ صحیحین میں امیر المومنین فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے ((ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کان ینفق علیٰ اھلہ نفقة سنتھم من ھذاالمال ثم یاخذ مابقی فیجعلہ معجل مال اللہ)) ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اسی مال سے اپنے اہل پر سال بھر خرچ کرتے پھر بقیہ کر اللہ کے راہ میں خرچ کر دیتے۔ (صحیح البخاری، کتاب النفقات، ج2، ص806، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

اور اگر جائداد نہیں رکھتا عیال کے لیے اتنا پس انداز کرنا کہ اگر یہ مرجائے تو وہ اس بقیہ سے منتفع ہوں اور انھیں بھیک مانگنی نہ پڑے افضل ہے۔

اور اس کی مقدار جو اُن کے لیے چھوڑنا مناسب ہے ہمارے امام رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے چار ہزار درہم مروی ہے یعنی ہر ایک کو اتنا حصّہ پہنچے، اور امام ابوبکر فضل سے دس ہزار درہم، اور اگر ان کے حصّے مختلف ہیں تو لحاظ اس کا کیا جائیگا جس کا حصّہ سب سے کم ہے، اور اس سے زیادہ (جمع کرنا) پھر ہوس ہے۔

ہاں اگر عیال خود غنی ہوں تو پس انداز نہ کرنا ہی افضل، یُونہی اگر فاسق ہوں کہ مال معصیت میں خرچ کریں گے تو اُن کے لیے کچھ نہ چھوڑنا ہی بہتر۔ (فتاوی رضویہ، ج10، ص311 تا326، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

باب نمبر 428

مَا جَاءَ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي مَنْعِ الزَّكَاةِ مِنَ التَّشْدِيدِ

زکاۃ ادا نہ کرنے پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سختی فرمانا

615- حَدَّثَنَا هَنَّادُ بْنُ السَّرِيِّ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ، عَنِ الأَعْمَشِ، عَنِ المَعْرُورِ بْنِ سُوَيْدٍ، عَنْ أَبِي ذَرٍّ، قَالَ: جِئْتُ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ جَالِسٌ فِي ظِلِّ الكَعْبَةِ، قَالَ: فَرَآنِي مُقْبِلًا، فَقَالَ: هُمُ الأَخْسَرُونَ وَرَبِّ الكَعْبَةِ يَوْمَ القِيَامَةِ، قَالَ: فَقُلْتُ: مَا لِي لَعَلَّهُ أُنْزِلَ فِيَّ شَيْءٌ، قَالَ: قُلْتُ: مَنْ هُمْ فِدَاكَ أَبِي وَأُمِّي؟، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "هُمُ الأَكْثَرُونَ، إِلَّا مَنْ قَالَ: هٰكَذَا وَهٰكَذَا وَهٰكَذَا"، فَحَثَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَعَنْ يَمِينِهِ وَعَنْ شِمَالِهِ، ثُمَّ قَالَ: وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ، لَا يَمُوتُ رَجُلٌ، فَيَدَعُ إِبِلًا أَوْ بَقَرًا، لَمْ يُؤَدِّ زَكَاتَهَا، إِلَّا جَاءَتْهُ يَوْمَ القِيَامَةِ أَعْظَمَ مَا كَانَتْ وَأَسْمَنَهُ، تَطَؤُهُ بِأَخْفَافِهَا، وَتَنْطَحُهُ بِقُرُونِهَا، كُلَّمَا نَفِدَتْ أُخْرَاهَا عَادَتْ عَلَيْهِ أُولَاهَا حَتَّى يُقْضَى بَيْنَ النَّاسِ، وَفِي البَابِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ مِثْلُهُ، وَعَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ قَالَ: لُعِنَ مَانِعُ الصَّدَقَةِ، وَعَنْ قَبِيصَةَ بْنِ هُلْبٍ، عَنْ أَبِيهِ، وَجَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ، وَعَبْدِ

حدیث: حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرمایا: میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ کے سائے میں بیٹھے تھے فرماتے ہیں، تو مجھے آتا دیکھ کر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: رب کعبہ کی قسم! وہ خسارے پانے والے ہیں۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے کہا: شاید میرے بارے میں کوئی بات نازل ہوئی ہے، کہتے ہیں میں نے عرض کی: آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر میرے ماں باپ فدا ہوں وہ کون لوگ ہیں؟ تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: وہ زیادہ مال والے ہیں مگر یوں ،یوں اور یوں دیا تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے آگے ،دائیں اور بائیں جانب اشارہ فرمایا، پھر فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے جو شخص اس حال میں مرے کہ اس نے ایسا اونٹ یا گائے چھوڑی کہ جس کی زکاۃ ادا نہ کی ہو تو یہ جانور قیامت کے دن اس سے بڑے اور موٹے ہو کر آئیں گے تو اس شخص کو اپنے کھروں سے روندیں گے اور سینگوں سے ماریں گے جب آخری چلا جائے گا تو اس کی جانب پہلا لوٹ آئے گا حتی کہ لوگوں کے درمیان فیصلہ کر دیا جائے۔

اور اس باب میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی

اللّٰهِ بْنِ مَسْعُودٍ،قال ابوعيسىٰ:حَدِيثُ أَبِي ذَرٍّ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ ، "وَاسْمُ أَبِي ذَرٍّ: جُنْدَبُ بْنُ السَّكَنِ، وَيُقَالُ :ابْنُ جُنَادَةَ"

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُنِيرٍ، عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ مُوسَى، عَنْ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ، عَنْ حَكِيمِ بْنِ الدَّيْلَمِ، عَنِ الضَّحَّاكِ بْنِ مُزَاحِمٍ قَالَ :الْأَكْثَرُونَ أَصْحَابُ عَشَرَةِ آلَافٍ

اس کی مثل روایت مروی ہے ۔اور حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرمایا: صدقہ (زکوۃ) نہ دینے والا ملعون ہے۔

اور قبیصہ بن ہلب اپنے والد سے اور حضرت جابر بن عبداللہ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں۔

امام ابوعیسی ترمذی فرماتے ہیں: حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی حدیث حسن صحیح ہے اور حضرت ابوذر کا نام جندب بن سکن ہے اور انہیں ابن جنادہ بھی کہا جاتا ہے۔

ہم سے عبداللہ بن منیر نے ضحاک بن مزاحم سے بواسطہ عبیداللہ بن موسی ،سفیان ثوری، حکیم بن دیلم روایت کیا فرمایا: کثرتِ مال والے وہ ہیں جو دس ہزار کے مالک ہیں۔

شرح حدیث

علامہ عبدالرحمٰن بن ابی بکر جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"((اپنے کھروں سے روندیں گے)) یہ اونٹ کی طرف راجع ہے کیونکہ "خف" اونٹ کے کھر یعنی پاؤں کو کہتے ہیں جیسا" ظلف" گائے، بکری اور ہرنی کے پاؤں کے لیے خاص ہے، اور "حافر" گھوڑے، خچر اور گدھے کے ساتھ خاص ہے اور قدم آدمی کے پاؤں کو کہتے ہیں۔

((اور سینگوں سے ماریں گے)) یہ گائے کی طرف راجع ہے۔

(قوت المغتذی، ابواب الزکوۃ، ج1 ص239، جامعہ ام القری، مکہ مکرمہ)

زکوۃ ادا نہ کرنے کی وعیدیں

(1) صحیح بخاری شریف میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:((مَنْ آتَاهُ اللّٰهُ مَالًا، فَلَمْ يُؤَدِّ زَكَاتَهُ مُثِّلَ لَهُ مَالُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ شُجَاعًا أَقْرَعَ لَهُ زَبِيبَتَانِ يُطَوَّقُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، ثُمَّ يَأْخُذُ بِلِهْزِمَتَيْهِ -يَعْنِي بِشِدْقَيْهِ- ثُمَّ يَقُولُ أَنَا مَالُكَ أَنَا كَنْزُكَ ثُمَّ تَلَا: ﴿لَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَبْخَلُونَ﴾ الآيَةَ)) ترجمہ: جس کو اللہ تعالیٰ مال دے اور وہ اُس کی زکاۃ ادا نہ کرے تو قیامت کے دن وہ مال گنجے سانپ کی صورت میں کر دیا جائے گا، جس کے سر پر دو چتّیاں ہوں گی۔ وہ سانپ اُس کے گلے میں طوق بنا کر ڈال دیا جائے گا پھر اس کی باچھیں پکڑے گا اور کہے گا میں تیرا مال ہوں، میں تیرا خزانہ ہوں۔ "اس کے بعد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس آیت کی تلاوت کی ﴿وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَبْخَلُونَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ﴾ اور جو بخل کرتے ہیں اس چیز میں جو اللہ نے انہیں اپنے فضل سے دی ہرگز اسے اپنے لئے اچھا نہ سمجھیں بلکہ وہ ان کے لئے برا ہے عنقریب وہ جس میں بخل کیا تھا قیامت کے دن ان کے گلے کا طوق ہوگا۔

(سورۂ عمران، آیت 180)

(صحیح بخاری، باب اثم مانع الزکوۃ، ج2 ص106، مطبوعہ دار طوق النجاۃ)

اسی کے مثل ترمذی اور ابن ماجہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

(سنن ابن ماجہ، باب ماجاء فی منع الزکاۃ، ج1،ص568، داراحیاء الکتب العربیہ، بیروت ☆ جامع ترمذی، باب ومن سورۃ آل عمران، ج5،ص232، مطبعۃ مصطفیٰ البابی بمصر)

(2) امام احمد کی روایت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یوں ہے: ((يَكُونُ كَنْزُ أَحَدِكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ شُجَاعًا أَقْرَعَ "قَالَ: يَفِرُّ مِنْهُ صَاحِبُهُ وَيَطْلُبُهُ وَيَقُولُ: أَنَا كَنْزُكَ "قَالَ: وَاللهِ لَنْ يَزَالَ يَطْلُبُهُ حَتَّى يَبْسُطَ يَدَهُ فَيُلْقِمَهَا فَاهُ)) جس مال کی زکاۃ نہیں دی گئی، قیامت کے دن وہ گنجا سانپ ہوگا، مالک کو دوڑائے گا، وہ بھاگے گا یہاں تک کہ اپنی انگلیاں اُس کے منہ میں ڈال دے گا۔

(مسند احمد بن حنبل، مسند ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ج13،ص513، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت)

(3) صحیح مسلم شریف میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ((مَا مِنْ صَاحِبِ ذَهَبٍ وَلَا فِضَّةٍ، لَا يُؤَدِّي مِنْهَا حَقَّهَا، إِلَّا إِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ، صُفِّحَتْ لَهُ صَفَائِحُ مِنْ نَارٍ، فَأُحْمِيَ عَلَيْهَا فِي نَارِ جَهَنَّمَ، فَيُكْوَى بِهَا جَنْبُهُ وَجَبِينُهُ وَظَهْرُهُ، كُلَّمَا بَرَدَتْ أُعِيدَتْ لَهُ، فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ خَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ، حَتَّى يُقْضَى بَيْنَ الْعِبَادِ، فَيَرَى سَبِيلَهُ، إِمَّا إِلَى الْجَنَّةِ، وَإِمَّا إِلَى النَّارِ۔۔۔قَالَ: وَلَا صَاحِبُ إِبِلٍ لَا يُؤَدِّي مِنْهَا حَقَّهَا، وَمِنْ حَقِّهَا حَلَبُهَا يَوْمَ وِرْدِهَا، إِلَّا إِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ، بُطِحَ لَهَا بِقَاعٍ قَرْقَرٍ، أَوْفَرَ مَا كَانَتْ، لَا يَفْقِدُ مِنْهَا فَصِيلًا وَاحِدًا، تَطَؤُهُ بِأَخْفَافِهَا وَتَعَضُّهُ بِأَفْوَاهِهَا، كُلَّمَا مَرَّ عَلَيْهِ أُولَاهَا رُدَّ عَلَيْهِ أُخْرَاهَا۔۔۔قَالَ: وَلَا صَاحِبُ بَقَرٍ، وَلَا غَنَمٍ، لَا يُؤَدِّي مِنْهَا حَقَّهَا، إِلَّا إِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ بُطِحَ لَهَا بِقَاعٍ قَرْقَرٍ، لَا يَفْقِدُ مِنْهَا شَيْئًا، لَيْسَ فِيهَا عَقْصَاءُ، وَلَا جَلْحَاءُ، وَلَا عَضْبَاءُ تَنْطَحُهُ بِقُرُونِهَا وَتَطَؤُهُ بِأَظْلَافِهَا، كُلَّمَا مَرَّ عَلَيْهِ أُولَاهَا رُدَّ عَلَيْهِ أُخْرَاهَا)) جو شخص سونے چاندی کا مالک ہو اور اس کا حق ادا نہ کرے تو جب قیامت کا دن ہوگا اس کے لیے آگ کے پتر بنائے جائیں گے ان پر جہنم کی آگ بھڑکائی جائے گی اور اُن سے اُس کی کروٹ اور پیشانی اور پیٹھ داغی جائے گی، جب ٹھنڈے ہونے پر آئیں گے پھر ویسے ہی کر دیے جائیں گے۔ یہ معاملہ اس دن کا ہے جس کی مقدار پچاس ہزار برس ہے یہاں تک کہ بندوں کے درمیان فیصلہ ہو جائے، اب وہ اپنی راہ دیکھے گا خواہ جنت کی طرف جائے یا جہنم کی طرف اور

اونٹ کے بارے میں فرمایا: جو اس کا حق نہیں ادا کرتا، قیامت کے دن ہموار میدان میں لٹا دیا جائے گا اور وہ اونٹ سب کے سب نہایت فربہ ہو کر آئیں گے، پاؤں سے اُسے روندیں گے اور منہ سے کاٹیں گے، جب ان کی پچھلی جماعت گزر جائے گی، پہلی لوٹے گی۔ اور گائے اور بکریوں کے بارے میں فرمایا: کہ اس شخص کو ہموار میدان میں لٹائیں گے اور وہ سب کی سب آئیں گی، نہ ان میں مُڑے ہوئے سینگ کی کوئی ہوگی، نہ بے سینگ کی، نہ ٹوٹے سینگ کی اور سینگوں سے ماریں گی اور کھروں سے روندیں گی، جب ان کی پچھلی جماعت گزر جائے گی، پہلی لوٹے گی۔

(صحیح مسلم، باب اثم مانع الزکوۃ، ج2، ص680، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

(4) صحیح بخاری و مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں: ((لَمَّا تُوُفِّيَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانَ أَبُو بَكْرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ وَكَفَرَ مَنْ كَفَرَ مِنَ الْعَرَبِ فَقَالَ عُمَرُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: كَيْفَ تُقَاتِلُ النَّاسَ؟ وَقَدْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتَّى يَقُولُوا: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، فَمَنْ قَالَهَا فَقَدْ عَصَمَ مِنِّي مَالَهُ وَنَفْسَهُ إِلَّا بِحَقِّهِ، وَحِسَابُهُ عَلَى اللَّهِ "فَقَالَ: وَاللَّهِ لَأُقَاتِلَنَّ مَنْ فَرَّقَ بَيْنَ الصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ، فَإِنَّ الزَّكَاةَ حَقُّ الْمَالِ، وَاللَّهِ لَوْ مَنَعُونِي عَنَاقًا كَانُوا يُؤَدُّونَهَا إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقَاتَلْتُهُمْ عَلَى مَنْعِهَا "قَالَ عُمَرُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: فَوَاللَّهِ مَا هُوَ إِلَّا أَنْ قَدْ شَرَحَ اللَّهُ صَدْرَ أَبِي بَكْرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، فَعَرَفْتُ أَنَّهُ الْحَقُّ)) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد جب صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفہ ہوئے، اس وقت اعراب میں کچھ لوگ کافر ہو گئے (کہ زکاۃ کی فرضیت سے انکار کر بیٹھے)، صدیق اکبر نے اُن پر جہاد کا حکم دیا، امیر المومنین فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا اُن سے آپ کیونکر قتال کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تو یہ فرمایا ہے، مجھے حکم ہے کہ لوگوں سے لڑوں یہاں تک کہ لآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ کہیں اور جس نے لآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ کہہ لیا، اُس نے اپنی جان اور مال بچا لیا، مگر حق اسلام میں اور اس کا حساب اللہ عزوجل کے ذمہ ہے (یعنی یہ لوگ تو لآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ کہنے والے ہیں، ان پر کیسے جہاد کیا جائے گا) صدیق اکبر نے فرمایا: خدا کی قسم! میں ان سے جہاد کروں گا، جو نماز و زکاۃ میں تفریق کرے (کہ نماز کو فرض مانے اور زکاۃ کی فرضیت سے انکار کرے)، زکاۃ حق المال ہے، خدا کی قسم! بکری کا بچہ جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس حاضر کیا کرتے تھے، اگر مجھے دینے سے انکار کریں گے تو اس پر اُن سے جہاد کروں گا، فاروقِ اعظم فرماتے

ہیں: واللہ میں نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے صدیق کا سینہ کھول دیا ہے۔ اُس وقت میں نے بھی پہچان لیا کہ وہی حق ہے۔

(صحیح بخاری، باب وجوب الزکوۃ، ج2، ص105، مطبوعہ دار طوق النجاۃ)

(5) ابوداؤد نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنھما سے روایت کیا، فرماتے ہیں: ((لَمَّا نَزَلَتْ هَذِهِ الْآيَةُ: (وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ) (التوبة34)، قَالَ: كَبُرَ ذَلِكَ عَلَى الْمُسْلِمِينَ، فَقَالَ عُمَرُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: أَنَا أُفَرِّجُ عَنْكُمْ، فَانْطَلَقَ، فَقَالَ: يَا نَبِيَّ اللَّهِ إِنَّهُ كَبُرَ عَلَى أَصْحَابِكَ هَذِهِ الْآيَةُ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ اللَّهَ لَمْ يَفْرِضِ الزَّكَاةَ إِلَّا لِيُطَيِّبَ مَا بَقِيَ مِنْ أَمْوَالِكُمْ، وَإِنَّمَا فَرَضَ الْمَوَارِيثَ لِتَكُونَ لِمَنْ بَعْدَكُمْ، فَكَبَّرَ عُمَرُ)) جب یہ آیہ کریمہ ﴿وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ﴾ (اور وہ کہ جوڑ کر رکھتے ہیں سونا اور چاندی اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے انہیں خوشخبری سناؤ دردناک عذاب کی) نازل ہوئی، مسلمانوں پر شاق ہوئی (سمجھے کہ چاندی سونا جمع کرنا حرام ہے تو بہت دقّت کا سامنا ہوگا)، فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: میں تم سے مصیبت دُور کردوں گا۔ حاضر خدمت اقدس ہوئے عرض کی، یارسول اللہ (عزوجل وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) یہ آیت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اصحاب پر گراں معلوم ہوئی فرمایا: کہ "اللہ تعالیٰ نے زکاۃ تو اس لیے فرض کی کہ تمہارے باقی مال کو پاک کردے اور مواریث اس لیے فرض کیے کہ تمہارے بعد والوں کے لیے ہو (یعنی مطلقاً مال جمع کرنا حرام ہوتا تو زکاۃ سے مال کی طہارت نہ ہوتی، بلکہ زکاۃ کس چیز پر واجب ہوتی اور میراث کاہے میں جاری ہوتی، بلکہ جمع کرنا حرام وہ ہے کہ زکاۃ نہ دے) اس پر فاروقِ اعظم نے تکبیر کہی۔

(سنن ابی داؤد، باب فی حقوق المال، ج2، ص126، المکتبۃ العصریہ، بیروت)

(6) اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ((مَا خَالَطَتِ الصَّدَقَةُ مَالًا إِلَّا أَهْلَكَتْهُ)) زکاۃ کسی مال میں نہ ملے گی، مگر اُسے ہلاک کردے گی۔

(شعب الایمان، فصل فی الاستعفاف فی المسئلۃ، ج5، ص166، مکتبۃ الرشد للنشر التوزیع، ریاض ☆ التاریخ الکبیر للبخاری، محمد بن عثمان، ج1، ص180، دائرۃ المعارف العثمانیہ، حیدرآباد دکن ☆ کشف الاستار عن زوائد البزار، باب فیمن منع الزکوۃ، ج1، ص418، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت)

بعض ائمہ نے اس حدیث کے یہ معنی بیان کیے کہ جس پر زکوۃ واجب ہوئی اور اس نے ادا نہ کی اور اس کو اپنے مال میں ملائے رہا، تو یہ حرام اس کے باقی حلال مال کو بھی ہلاک کردے گا۔

(الترغیب والترہیب، کتاب الصدقات، الترغیب فی اداء الزکوۃ، ج1 ص309، دارالکتب العلمیہ، بیروت)

اور امام احمد نے فرمایا کہ معنے یہ ہیں کہ مالدار شخص مالِ زکاۃ لے تو یہ مالِ زکاۃ اس کے مال کو ہلاک کر دے گا کہ زکاۃ تو فقیروں کے لیے ہے اور دونوں معنے صحیح ہیں۔

(شعب الایمان، فصل فی الاستعفاف فی المسئلۃ، ج5 ص166، مکتبۃ الرشد للنشر التوزیع، ریاض)

(7) طبرانی نے اوسط میں حضرت بُریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ((مَا مَنَعَ قَوْمٌ الزَّكَاةَ إِلَّا ابْتَلَاهُمُ اللَّهُ بِالسِّنِينَ)) جو قوم زکاۃ نہ دے گی، اللہ تعالیٰ اسے قحط میں مبتلا فرمائے گا۔

(المعجم الاوسط للطبرانی، من اسمہ عبدان، ج5 ص26، دارالحرمین، القاہرہ)

(8) طبرانی نے اوسط میں حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ((مَا تَلِفَ مَالٌ فِي بَرٍّ، وَلَا بَحْرٍ، إِلَّا بِحَبْسِ الزَّكَاةِ)) خشکی وتری میں جو مال تلف ہوتا ہے، وہ زکاۃ نہ دینے سے تلف ہوتا ہے۔

(مجمع الزوائد بحوالہ المعجم الاوسط، باب فرض الزکوۃ، ج3 ص63، مکتبۃ القدسی، القاہرہ)

(9) صحیحین میں احنف بن قیس سے مروی ہے، سیدنا ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ((فَيُوضَعُ عَلَى حَلَمَةِ ثَدْيِ أَحَدِهِمْ، حَتَّى يَخْرُجَ مِنْ نُغْضِ كَتِفَيْهِ، وَيُوضَعُ عَلَى نُغْضِ كَتِفَيْهِ، حَتَّى يَخْرُجَ مِنْ حَلَمَةِ ثَدْيَيْهِ يَتَزَلْزَلُ)) اُن کے سرپستان پر جہنم کا گرم پتھر رکھیں گے کہ سینہ توڑ کر شانہ سے نکل جائے گا اور شانہ کی ہڈی پر رکھیں گے کہ ہڈیاں توڑتا سینہ سے نکلے گا۔

(صحیح بخاری، باب ما ادی زکاتہ فلیس بکنز، ج2 ص107، دار طوق النجاۃ ☆ صحیح مسلم، باب فی الکنازین للاموال الخ، ج2 ص689، داراحیاء التراث العربی، بیروت)

(10) اور صحیح مسلم شریف میں یہ بھی ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے سُنا: ((بِكَيٍّ فِي ظُهُورِهِمْ، يَخْرُجُ مِنْ جُنُوبِهِمْ، وَبِكَيٍّ مِنْ قِبَلِ أَقْفَائِهِمْ يَخْرُجُ مِنْ جِبَاهِهِمْ)) پیٹھ توڑ کر کروٹ سے نکلے گا اور گدی توڑ کر پیشانی سے۔

(صحیح مسلم، باب فی الکنازین للاموال الخ، ج2 ص690، داراحیاء التراث العربی، بیروت)

(11) طبرانی نے امیر المومنین علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے روایت کیا ہے، کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((إِنَّ اللہ فرض علی أَغْنِيَاءِ الْمُسلمين فِي أَمْوَالِهِم بِقَدر الَّذِي يسع فقراء هم وَلَنْ يجهد الْفُقَرَاءُ إِذا

جَاعُوا وعروا إِلَّا بِمَا يصنع أغنياؤهم ألا وإن الله يحاسبهم حسابا شَدِيدا ويعذبهم عذَابا أَلِيمًا)) اللہ تعالیٰ نے مالدار مسلمانوں پر ان کے اموال میں مسلمان فقراء کے لیے اتنا حصہ مقرر کیا کہ فقراء وسعت پائیں، فقیر ہرگز ننگے بھوکے ہونے کی تکلیف نہ اٹھائیں گے مگر مال داروں کے ہاتھوں، سُن لو! ایسے مال داروں سے اللہ تعالیٰ سخت حساب لے گا اور انھیں دردناک عذاب دے گا۔

(الترغیب والترہیب للمنذری، بحوالہ المعجم الاوسط والصغیر، کتاب الصدقات، ج 1، ص 306، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

(12) نیز طبرانی نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((وَيْلٌ لِلْأَغْنِيَاءِ مِنَ الْفُقَرَاءِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَقُولُونَ: رَبَّنَا، ظَلَمُونَا حُقُوقَنَا الَّتِي فُرِضَتْ لَنَا عَلَيْهِمْ، فَيَقُولُ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ: وَعِزَّتِي وَجَلَالِي، لَأُدْنِيَنَّكُمْ وَلَأُبَاعِدَنَّهُمْ)) قیامت کے دن مالداروں کے لیے محتاجوں کے ہاتھوں سے خرابی ہے محتاج عرض کریں گے، ہمارے حقوق جو تُو نے اُن پر فرض کیے تھے، انہوں نے ظلماً نہ دیے، اللہ عزوجل فرمائے گا" : مجھے قسم ہے اپنی عزّت وجلال کی کہ تمہیں اپنا قُرب عطا کروں گا اور انھیں دُور رکھوں گا۔

(المعجم الاوسط، من اسمہ عبید، ج 5، ص 107، دار الحرمین، القاہرہ)

(13) ابن خزیمہ وابن حبان اپنی صحیح میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں، کہ رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: ((أَوَّلُ ثَلَّةٍ يَدْخُلُونَ النَّارَ.....وَذُو ثَرْوَةٍ مِنْ مَالٍ لَا يُؤَدِّي حَقَّ اللَّهِ فِي مَالِهِ)) دوزخ میں سب سے پہلے تین شخص جائیں گے، اُن میں ایک وہ تونگر (مالدار شخص) ہے کہ اپنے مال میں اللہ عزوجل کا حق ادا نہیں کرتا۔

(صحیح ابن خزیمہ، باب ذکر ادخال مانع الزکوٰۃ النار الخ، ج 4، ص 8، المکتب الاسلامی، بیروت)

(14) امام احمد مسند میں حضرت عمارہ بن حزم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں، کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ((أَرْبَعٌ فَرَضَهُنَّ اللهُ فِي الْإِسْلَامِ، فَمَنْ جَاءَ بِثَلَاثٍ لَمْ يُغْنِينَ عَنْهُ شَيْئًا، حَتَّى يَأْتِيَ بِهِنَّ جَمِيعًا الصَّلَاةُ وَالزَّكَاةُ وَصِيَامُ رَمَضَانَ، وَحَجُّ الْبَيْتِ)) "اللہ عزوجل نے اسلام میں چار چیزیں فرض کی ہیں، جو ان میں سے تین ادا کرے، وہ اُسے کچھ کام نہ دیں گی جب تک پوری چاروں نہ بجالائے۔ نماز، زکاۃ، روزہ رمضان، حج بیت اللہ۔

(مسند احمد بن حنبل، حدیث زیاد بن نعیم الحضرمی، ج 29، ص 328، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت ☆ الترغیب الترہیب للمنذری، الترغیب فی الاخلاص الخ، ج1، ص308، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

(15) طبرانی کبیر میں بسندِ صحیح روایت ہے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ((أُمِرْنَا بِإِقَامِ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ فَمَنْ لَمْ يُزَكِّ فَلَا صَلَاةَ لَهُ)) ہمیں حکم دیا گیا کہ نماز پڑھیں اور زکاۃ دیں اور جو زکاۃ نہ دے، اس کی نماز قبول نہیں۔ (المعجم الکبیر للطبرانی، من روی عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہ لم یکن الخ، ج10، ص103، مکتبہ ابن تیمیہ، القاہرہ)

صدقہ وزکوۃ دینے کے فضائل

(1) صحیحین ومسند احمد وسنن ترمذی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ((مَا نَقَصَتْ صَدَقَةٌ مِنْ مَالٍ، وَمَا زَادَ اللهُ عَبْدًا بِعَفْوٍ، إِلَّا عِزًّا، وَمَا تَوَاضَعَ أَحَدٌ لِلّٰهِ إِلَّا رَفَعَهُ اللهُ)) صدقہ دینے سے مال کم نہیں ہوتا اور بندہ کسی کا قصور معاف کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی عزت ہی بڑھائے گا اور جو اللہ عزوجل کے لیے تواضع کرے، اللہ عزوجل اسے بلند فرمائے گا۔

(صحیح مسلم، باب استحباب العفو والتواضع، ج4، ص2001، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

(2) بخاری ومسلم میں حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ((مَنْ أَنْفَقَ زَوْجَيْنِ مِنْ شَيْءٍ مِنَ الْأَشْيَاءِ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ دُعِيَ مِنْ أَبْوَابِه -يَعْنِي الْجَنَّةَ- يَا عَبْدَ اللّٰهِ هَذَا خَيْرٌ، فَمَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الصَّلَاةِ دُعِيَ مِنْ بَابِ الصَّلَاةِ، وَمَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الْجِهَادِ دُعِيَ مِنْ بَابِ الْجِهَادِ، وَمَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الصَّدَقَةِ دُعِيَ مِنْ بَابِ الصَّدَقَةِ، وَمَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الصِّيَامِ دُعِيَ مِنْ بَابِ الصِّيَامِ، وَبَابِ الرَّيَّانِ، فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ: مَا عَلَى هَذَا الَّذِي يُدْعَى مِنْ تِلْكَ الْأَبْوَابِ مِنْ ضَرُورَةٍ وَقَالَ: هَلْ يُدْعَى مِنْهَا كُلِّهَا أَحَدٌ يَا رَسُولَ اللّٰهِ؟ قَالَ: نَعَمْ، وَأَرْجُو أَنْ تَكُونَ مِنْهُمْ يَا أَبَا بَكْرٍ)) جو شخص اللہ عزوجل کی راہ میں جوڑا خرچ کرے، وہ جنت کے سب دروازوں سے بلایا جائے گا اور جنت کے کئی دروازے ہیں، جو نمازی ہے دروازہ نماز سے بلایا جائے گا، جو اہل جہاد سے ہے دروازہ جہاد سے بلایا جائے گا اور جو اہل صدقہ سے ہے دروازہ صدقہ سے بلایا جائے گا، جو روزہ دار ہے باب الرّیان سے بلایا جائے گا۔ "صدیق اکبر نے عرض کی، اس کی تو کچھ ضرورت نہیں کہ ہر دروازے سے بلایا

جائے (یعنی مقصود دخول جنت ہے، وہ ایک دروازہ سے حاصل ہے) مگر کوئی ہے ایسا جو سب دروازوں سے بلایا جائے؟ فرمایا: ہاں اور میں اُمید کرتا ہوں کہ تم اُن میں سے ہو۔

(صحیح بخاری، باب قول النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لو کنت متخذا خلیلا، ج5، ص6، مطبوعہ دار طوق النجاۃ)

(3) بخاری و مسلم و ترمذی و نسائی و ابن ماجہ و ابن خزیمہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ((مَنْ تَصَدَّقَ بِعَدْلِ تَمْرَةٍ مِنْ كَسْبٍ طَيِّبٍ، وَلَا يَقْبَلُ اللّٰهُ إِلَّا الطَّيِّبَ، وَإِنَّ اللّٰهَ يَتَقَبَّلُهَا بِيَمِينِهِ، ثُمَّ يُرَبِّيهَا لِصَاحِبِهِ، كَمَا يُرَبِّي أَحَدُكُمْ فَلُوَّهُ حَتَّى تَكُونَ مِثْلَ الْجَبَلِ)) جو شخص کھجور برابر حلال کمائی سے صدقہ کرے اور اللہ عزوجل نہیں قبول فرماتا مگر حلال کو، تو اسے اللہ تعالیٰ دستِ راست سے قبول فرماتا ہے پھر اسے اُس کے مالک کے لیے پرورش کرتا ہے، جیسے تم میں کوئی اپنے بچھڑے کی تربیّت کرتا ہے، یہاں تک کہ وہ صدقہ پہاڑ برابر ہو جاتا ہے۔ (صحیح بخاری، باب لا یقبل اللہ صدقۃ من غلول الخ، ج2، ص108، مطبوعہ دار طوق النجاۃ)

(4) نسائی و ابن ماجہ اپنی سنن میں و ابن خزیمہ و ابن حبان اپنی صحیح میں اور حاکم نے بافادہ تصحیح حضرت ابو ہریرہ و حضرت ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا، یہ دونوں حضرات فرماتے ہیں: ((خَطَبَنَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا فَقَالَ: وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ، ثُمَّ أَكَبَّ، فَأَكَبَّ كُلُّ رَجُلٍ مِنَّا يَبْكِي لَا نَدْرِي عَلَى مَاذَا حَلَفَ، ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ فِي وَجْهِهِ الْبُشْرَى، فَكَانَتْ أَحَبَّ إِلَيْنَا مِنْ حُمْرِ النَّعَمِ، ثُمَّ قَالَ " :مَا مِنْ عَبْدٍ يُصَلِّي الصَّلَوَاتِ الْخَمْسَ، وَيَصُومُ رَمَضَانَ، وَيُخْرِجُ الزَّكَاةَ وَيَجْتَنِبُ الْكَبَائِرَ السَّبْعَ، إِلَّا فُتِّحَتْ لَهُ أَبْوَابُ الْجَنَّةِ فَقِيلَ لَهُ:اُدْخُلْ بِسَلَامٍ)) "رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خطبہ پڑھا اور یہ فرمایا: قسم ہے! اُس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔" اُس کو تین بار فرمایا پھر سر جھکا لیا تو ہم سب نے سر جھکا لیے اور رونے لگے، یہ نہیں معلوم کہ کس چیز پر قسم کھائی۔ پھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سر مبارک اُٹھا لیا اور چہرہ اقدس میں خوشی نمایاں تھی تو ہمیں یہ بات سُرخ اونٹوں سے زیادہ پیاری تھی اور فرمایا: جو بندہ پانچوں نمازیں پڑھتا ہے اور رمضان کا روزہ رکھتا ہے اور زکاۃ دیتا ہے اور ساتوں کبیرہ گناہوں سے بچتا ہے اُس کے لیے جنت کے دروازے کھول دیے جائیں گے اور اس سے کہا جائے گا کہ سلامتی کے ساتھ داخل ہو۔ (سنن نسائی، باب وجوب الزکاۃ، ج5، ص2، مکتب المطبوعات الاسلامیہ، حلب)

(5) امام احمد نے بروایت ثقات حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا، کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ((تُخْرِجُ الزَّكَاةَ مِنْ مَالِكَ، فَإِنَّهَا طُهْرَةٌ تُطَهِّرُكَ وَتَصِلُ أَقْرِبَاءَكَ وَتَعْرِفُ حَقَّ السَّائِلِ، وَالْجَارِ، وَالْمِسْكِينِ)) اپنے مال کی زکاۃ نکال، کہ وہ پاک کرنے والی ہے تجھے پاک کردے گی اور رشتہ داروں سے سلوک کر اور مسکین اور پڑوسی اور سائل کا حق پہچان۔

(مسند احمد بن حنبل، مسند انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ج19، ص386، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت)

(6) طبرانی نے اوسط وکبیر میں حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا، کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ((الزَّكَاةُ قَنْطَرَةُ الْإِسْلَامِ)) زکاۃ اسلام کا پُل ہے۔ (المعجم الاوسط للطبرانی، من اسمہ مقدام، ج8، ص380، دار الحرمین، القاہرہ)

(7) طبرانی نے اوسط میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا، کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ((اكْفُلُوا لِي بِسِتِّ خِصَالٍ وَأَكْفُلُ لَكُمُ الْجَنَّةَ. قُلْتُ: مَا هِيَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ؟ قَالَ: الصَّلَاةُ وَالزَّكَاةُ وَالْأَمَانَةُ، وَالْفَرْجُ، وَالْبَطْنُ، وَاللِّسَانُ)) تم لوگ مجھے چھ چیزوں کی کفالت دو، میں تمہارے لیے جنت کا ضامن ہوں۔ "میں نے عرض کی، وہ کیا ہیں یارسول اللہ عزوجل وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! ارشاد فرمایا: نماز، زکاۃ، امانت، شرمگاہ، شکم اور زبان۔ (المعجم الاوسط للطبرانی، ج5، ص154، دار الحرمین، القاہرہ)

(8) حضرت علقمہ سے روایت ہے، کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ((إِنَّ تَمَامَ إِسْلَامِكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا زَكَاةَ أَمْوَالِكُمْ)) تمہارے اسلام کا پورا ہونا یہ ہے کہ اپنے اموال کی زکاۃ ادا کرو۔

(المعجم الکبیر للطبرانی، علقمۃ بن ناجیۃ الخ، ج18، ص8، مکتبۃ ابن تیمیہ، القاہرہ ☆ مجمع الزوائد، باب فرض الزکوۃ، ج3، ص62، مکتبۃ القدسی، القاہرہ)

(9) طبرانی نے کبیر میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا، کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ((مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَرَسُولِهِ فَلْيُؤَدِّ زَكَاةَ مَالِهِ وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَرَسُولِهِ فَلْيَقُلْ خَيْرًا أَوْ لِيَسْكُتْ، وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَرَسُولِهِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهُ)) جو اللہ و رسول (عزوجل وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) پر ایمان لاتا ہے، وہ اپنے مال کی زکاۃ ادا کرے اور جو اللہ و رسول (عزوجل وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) پر ایمان لاتا ہے، وہ حق بولے یا سکوت کرے یعنی بُری بات زبان سے نہ نکالے اور جو اللہ و رسول (عزوجل وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) پر ایمان لاتا ہے، وہ اپنے مہمان کا اکرام

کرے۔ (المعجم الکبیر للطبرانی، ج12، ص423، مکتبۃ ابن تیمیہ، القاہرہ)

(10) ابو داؤد نے حسن بصری سے مرسلاً اور طبرانی و بیہقی نے ایک جماعت صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنھم سے روایت کیا، کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ((حَصِّنُوا أَمْوَالَكُمْ بِالزَّكَاةِ وَدَاوُوا مَرْضَاكُمْ بِالصَّدَقَةِ وَاسْتَقْبِلُوا أَمْوَاجَ الْبَلَاءِ بِالدُّعَاءِ وَالتَّضَرُّعِ)) زکاۃ دے کر اپنے مالوں کو مضبوط قلعوں میں کرلو اور اپنے بیماروں کا علاج صدقہ سے کرو اور بلا نازل ہونے پر دُعا و تضرع سے استعانت کرو۔

(المراسیل لابی داؤد، باب فی الزکوۃ، ص127، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت ☆ المعجم الاوسط، من اسمہ احمد، ج2، ص274، دار الحرمین، القاہرہ)

(11) ابن خزیمہ اپنی صحیح اور طبرانی اوسط اور حاکم مستدرک میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں، کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ((مَنْ أَدَّى زَكَاةَ مَالِهِ فَقَدْ ذَهَبَ عَنْهُ شَرُّهُ)) جس نے اپنے مال کی زکاۃ ادا کردی، بیشک اس مال کا شر اس شخص سے چلا گیا۔ (المعجم الاوسط، ج2، ص161، دار الحرمین، القاہرہ)

باب نمبر 429

مَا جاءَ إِذا أَدَّيتَ الزَّكاةَ فَقَدْ قَضَيتَ ما عَلَيكَ

زکاۃ ادا کرنے پر فرض ادا ہو گیا

616۔ حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصٍ الشَّيْبَانِيُّ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ وَهْبٍ قَالَ: أَخْبَرَنَا عَمْرُو بْنُ الحَارِثِ، عَنْ دَرَّاجٍ، عَنْ ابْنِ حُجَيْرَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِذَا أَدَّيْتَ زَكَاةَ مَالِكَ فَقَدْ قَضَيْتَ مَا عَلَيْكَ، قال ابوعيسى: هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ، وَقَدْ رُوِيَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ أَنَّهُ ذَكَرَ الزَّكَاةَ، فَقَالَ رَجُلٌ: يَا رَسُولَ اللَّهِ هَلْ عَلَيَّ غَيْرُهَا؟ فَقَالَ: لَا، إِلَّا أَنْ تَتَطَوَّعَ، وَابْنُ حُجَيْرَةَ هُوَ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ حُجَيْرَةَ المَصْرِيُّ

حدیث: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بے شک نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تو نے اپنے مال کی زکاۃ ادا کر دی تو تو نے وہ حکم پورا کر دیا جو تجھ پر لازم تھا۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ حدیث غریب ہے۔ کئی طرق سے نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زکاۃ کا ذکر فرمایا: تو ایک شخص نے عرض کی: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا اس کے علاوہ مجھ پر کچھ لازم ہے؟ تو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں مگر یہ کہ تم نفلی صدقہ دو۔ اور ابن حجیرہ وہ عبد الرحمٰن بن حجیرہ المصری ہیں۔

617۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ قَالَ: حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ الحَمِيدِ الكُوفِيُّ قَالَ: حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ المُغِيرَةِ، عَنْ ثَابِتٍ، عَنْ أَنَسٍ قَالَ: كُنَّا نَتَمَنَّى أَنْ يَبْتَدِئَ الأَعْرَابِيُّ العَاقِلُ فَيَسْأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ عِنْدَهُ، فَبَيْنَا نَحْنُ كَذَلِكَ، إِذْ أَتَاهُ أَعْرَابِيٌّ، فَجَثَا بَيْنَ يَدَيِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: يَا

حدیث: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرمایا: ہم تمنا کیا کرتے تھے کہ کوئی عقل مند اعرابی نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کرے اور ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہوں تو ایک دن ہم حاضر تھے کہ ایک اعرابی آیا تو وہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیٹھ گیا تو اس نے عرض کیا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! بے شک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک قاصد ہمارے پاس آیا تو اس نے یہ گمان کیا کہ اللہ عزوجل نے آپ کو مبعوث

مُحَمَّدُ، إِنَّ رَسُولَكَ أَتَانَا فَزَعَمَ لَنَا أَنَّكَ تَزْعُمُ أَنَّ اللّٰهَ أَرْسَلَكَ؟ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : نَعَمْ ، قَالَ :فَبِالَّذِي رَفَعَ السَّمَاءَ ، وَبَسَطَ الْأَرْضَ، وَنَصَبَ الْجِبَالَ، آللّٰهُ أَرْسَلَكَ؟ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :نَعَمْ قَالَ :فَإِنَّ رَسُولَكَ زَعَمَ لَنَا أَنَّكَ تَزْعُمُ أَنَّ عَلَيْنَا خَمْسَ صَلَوَاتٍ فِي الْيَوْمِ وَاللَّيْلَةِ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :نَعَمْ .قَالَ :فَبِالَّذِي أَرْسَلَكَ، آللّٰهُ أَمَرَكَ بِهٰذَا؟ قَالَ :نَعَمْ ، قَالَ :فَإِنَّ رَسُولَكَ زَعَمَ لَنَا أَنَّكَ تَزْعُمُ أَنَّ عَلَيْنَا صَوْمَ شَهْرٍ فِي السَّنَةِ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :صَدَقَ . قَالَ :فَبِالَّذِي أَرْسَلَكَ، آللّٰهُ أَمَرَكَ بِهٰذَا؟ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :نَعَمْ .قَالَ :فَإِنَّ رَسُولَكَ زَعَمَ لَنَا أَنَّكَ تَزْعُمُ أَنَّ عَلَيْنَا فِي أَمْوَالِنَا الزَّكَاةَ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : صَدَقَ ، قَالَ:فَبِالَّذِي أَرْسَلَكَ، آللّٰهُ أَمَرَكَ بِهٰذَا؟ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :نَعَمْ .قَالَ: فَإِنَّ رَسُولَكَ زَعَمَ لَنَا أَنَّكَ تَزْعُمُ أَنَّ عَلَيْنَا الْحَجَّ إِلَى الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :نَعَمْ قَالَ: فَبِالَّذِي أَرْسَلَكَ، آللّٰهُ أَمَرَكَ بِهٰذَا؟ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :نَعَمْ .فَقَالَ :وَالَّذِي بَعَثَكَ بِالْحَقِّ لَا أَدَعُ مِنْهُنَّ شَيْئًا وَلَا أُجَاوِزُهُنَّ

نے عرض کی کہ اس ذات کی قسم کہ جس نے آسمان کو بلند کیا اور زمین کو بچھایا اور پہاڑوں کو نصب کیا کہ کیا اللہ عزوجل نے آپ کو مبعوث کیا ہے؟ تو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جی ہاں۔ تو اس نے عرض کیا کہ بے شک آپ کا قاصد یہ گمان کرتا ہے کہ آپ کہتے ہیں کہ ہم پر دن اور رات میں پانچ نمازیں لازم ہیں تو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جی ہاں ۔اس نے عرض کی کہ آپ کا قاصد یہ گمان کرتا ہے کہ آپ کا فرمان ہے کہ ہمارے اموال میں ہم پر زکاۃ لازم ہے تو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اس نے سچ کہا۔ تو اس نے عرض کی کہ اس ذات کی قسم جس نے آپ کو مبعوث فرمایا کیا اللہ عزوجل نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی بات کا حکم دیا ہے؟ تو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہاں۔ تو اس نے عرض کی کہ آپ کا قاصد یہ گمان کرتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے جو ہم میں سے بیت اللہ جانے کی استطاعت رکھے تو اس پر حج کرنا لازم ہے۔ تو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہاں تو اس نے عرض کیا: اس ذات کی قسم جس نے آپ کو مبعوث فرمایا کیا اللہ عزوجل نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی بات کا حکم ارشاد فرمایا ہے؟ تو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جی ہاں۔ تو اس نے عرض کیا: قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا میں ان میں کچھ چھوڑوں گا نہ کچھ زیادہ کروں گا پھر وہ جلدی سے چلا گیا تو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اگر اعرابی نے سچ کہا ہے تو وہ جنت میں داخل فرمایا ہے؟ تو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جی ہاں۔ تو اس

ثُمَّ وَثَبَ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :إِنْ صَدَقَ الْأَعْرَابِيُّ دَخَلَ الْجَنَّةَ ،

ہوگا۔

قَالَ ابوعيسى :هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ، وَقَدْ رُوِيَ مِنْ غَيْرِ هٰذَا الْوَجْهِ عَنْ أَنَسٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، سَمِعْتُ مُحَمَّدَ بْنَ إِسْمَاعِيلَ يَقُولُ " :قَالَ بَعْضُ أَهْلِ الْحَدِيثِ :فِقْهُ هٰذَا الْحَدِيثِ، أَنَّ الْقِرَاءَةَ عَلَى الْعَالِمِ وَالْعَرْضَ عَلَيْهِ جَائِزٌ مِثْلُ السَّمَاعِ، وَاحْتَجَّ بِأَنَّ الْأَعْرَابِيَّ عَرَضَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَقَرَّ بِهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

امام ابوعیسی ترمذی فرماتے ہیں :یہ حدیث حسن اور اس سند سے غریب ہے اور اس کے علاوہ دوسری سند سے بھی نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے بواسطہ حضرت انس رضی اللہ عنہ مروی ہے ۔میں نے محمد بن اسماعیل (بخاری) کو فرماتے ہوئے سنا :بعض محدثین کہتے ہیں :اس حدیث سے مسئلہ سمجھ آتا ہے کہ عالم کی بارگاہ میں پڑھنا اور اس پر پیش کرنا جائز ہے جیسا کہ اس سے سماع کرنا جائز ہے اور ان حضرات نے اس بات سے احتجاج کیا ہے کہ اعرابی نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پیش کیا اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو برقرار رکھا۔

شرحِ حدیث

اس باب کی احادیث نقل کرنے کے بعد علامہ ابن عبد البر مالکی (متوفی 463ھ) فرماتے ہیں:

"ان تمام احادیث میں اس بات پر دلیل ہے کہ مال میں زکوۃ کے علاوہ کوئی حق واجب نہیں اور اس بات پر دلیل ہے کہ جب مال کی زکوۃ ادا کر دی گئی تو وہ کنز نہیں۔" (الاستذکار، باب ماجاء فی الکنز، ج3، ص175، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

علامہ ابن حجر عسقلانی شافعی فرماتے ہیں:

جمہور اس پر ہیں کہ مذموم کنز وہ ہے جس کی زکوۃ ادا نہ کی گئی ہو، اس بات کی شاید حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی حدیث مرفوع ہے، جس میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((إِذَا أَدَّيْتَ زَكَاةَ مَالِكَ فَقَدْ قَضَيْتَ مَا عَلَيْكَ)) (جب تو نے اپنے مال کی زکاۃ ادا کر دی تو تو نے وہ حکم پورا کر دیا جو تجھ پر لازم تھا) اس میں کسی نے اختلاف نہیں کیا سوائے اہلِ زہد کے ایک گروہ نے جیسا کہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے۔

(فتح الباری لابن حجر، ولہ باب ما ادی زکوتہ فلیس بکنز، ج3، ص273، دار المعرفہ، بیروت)

علامہ عبد الرؤف مناوی فرماتے ہیں:

"((جب تو نے اپنے مال کی زکوۃ ادا کر دی)) جو کہ اس مال میں تجھ پر واجب تھی یعنی جو تم نے یا امام نے یا اس کے نائب نے مستحقین کو ادا کی (تو تم نے وہ حکم پورا کر دیا) یعنی ادا کر دیا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿فَإِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ﴾ (پس جب تم حج کے مناسک ادا کر لو) (سورۃ البقرۃ، آیت 200) اہل لغت کے نزدیک ادا بمعنی قضا اور قضا بمعنی ادا استعمال ہوتا ہے، یہاں ثانی کو ادا سے تعبیر نہیں کیا ایک جیسے الفاظ لگا تار لانے کے ناپسندیدہ ہونے کی وجہ سے۔ ((جو تم پر واجب تھا)) یعنی جو مال میں حق واجب تھا وہ تم نے ادا کر دیا، لہذا مال میں سے کوئی اور شے نکالنے کا تم سے مطالبہ نہیں کیا جائے گا اور تم ان لوگوں کے زمرہ میں داخل نہیں ہو گے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيمٍ﴾ ترجمہ: اور وہ کہ جوڑ کر رکھتے ہیں سونا اور چاندی اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے انہیں خوشخبری سناؤ دردناک

عذاب کی۔ (سورۃ التوبۃ، آیت 34 ☆ فیض القدیر، حرف الہمزہ، ج 1، ص 253، المکتبۃ التجاریۃ الکبری، مصر)

مال میں تو دیگر حقوق بھی ہیں

اگر کوئی کہے کہ یہاں فرمایا گیا کہ جب تم نے زکوۃ ادا کر دی تو مال کا حق ادا کر دیا، مگر مال میں تو اور بھی حقوق ہیں جیسے صدقہ فطر اور نفقہ وغیرہ تو اس کے جوابات دیتے ہوئے علامہ محمد بن عبد الہادی سندی حنفی (متوفی 1138ھ) فرماتے ہیں:

(1) یہ قول اس بات پر مبنی ہے کہ صدقہ فطر زکوۃ میں داخل ہے، اور ایسے ہی لازم نفقہ بھی زکوۃ میں شامل ہے۔

(2) یا یہ مراد ہے کہ جو تجھ پر مال کا اعظم حق تھا وہ ادا کر دیا۔

(3) اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہاں کلام مال کے حقوق میں ہے اور صدقہ فطر اور نفقہ مال کے حقوق میں سے نہیں اس معنی میں کہ مال انہیں واجب نہیں کرتا بلکہ دوسرے اسباب انہیں واجب کرتے ہیں جیسا فطر صدقہ کو فطر واجب کرتا ہے، اسی طرح قرابت اور زوجیت وغیرہ نفقہ کو واجب کرتی ہیں، پس وہ حقوق جنہیں مال واجب کرتا ہے وہ فقط زکوۃ ہے۔ (حاشیۃ السندی علی سنن ابن ماجہ، باب ما ادی زکوتہ فلیس بکنز، ج 1، ص 546، دار الجیل، بیروت)

باب نمبر 430

مَا جَاءَ فِي زَكَاةِ الذَّهَبِ وَالوَرِقِ

سونے اور چاندی کی زکوۃ

618۔حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ المَلِكِ بْنِ أَبِي الشَّوَارِبِ قَالَ :حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنْ عَاصِمِ بْنِ ضَمْرَةَ، عَنْ عَلِيٍّ، قَالَ:قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ " :قَدْ عَفَوْتُ عَنْ صَدَقَةِ الخَيْلِ وَالرَّقِيقِ، فَهَاتُوا صَدَقَةَ الرِّقَةِ:مِنْ كُلِّ أَرْبَعِينَ دِرْهَمًا دِرْهَمًا، وَلَيْسَ فِي تِسْعِينَ وَمِائَةٍ شَيْءٌ، فَإِذَا بَلَغَتْ مِائَتَيْنِ فَفِيهَا خَمْسَةُ دَرَاهِمَ "، وَفِي البَابِ عَنْ أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ، وَعَمْرِو بْنِ حَزْمٍ : رَوَى هَذَا الحَدِيثَ الأَعْمَشُ، وَأَبُو عَوَانَةَ، وَغَيْرُهُمَا، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنْ عَاصِمِ بْنِ ضَمْرَةَ، عَنْ عَلِيٍّ، وَرَوَى سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ، وَابْنُ عُيَيْنَةَ، وَغَيْرُ وَاحِدٍ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنِ الحَارِثِ، عَنْ عَلِيٍّ .وَسَأَلْتُ مُحَمَّدًا : عَنْ هَذَا الحَدِيثِ؟ فَقَالَ: كِلَاهُمَا عِنْدِي صَحِيحٌ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، يُحْتَمَلُ أَنْ يَكُونَ رُوِيَ عَنْهُمَا جَمِيعًا

حدیث:حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: میں نے تم سے گھوڑوں اور غلاموں کی زکاۃ معاف کردی تو چاندی کی زکاۃ ادا کرو ہر چالیس درہم میں سے ایک درہم اور ایک سونوے 190 میں کچھ نہیں ہے تو جب وہ دوسو تک پہنچ جائیں تو ان میں پانچ دراہم لازم ہیں۔

اور اس باب میں حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی روایات مروی ہیں۔

اور اس حدیث کو اعمش اور ابو عوانہ وغیرہما نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بواسطہ ابو اسحٰق اور عاصم بن ضمرہ روایت کیا ہے۔اور سفیان ثوری اور ابن عیینہ اور بہت سے محدثین نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بواسطہ ابو اسحٰق اور حارث روایت کیا ہے۔اور میں نے امام محمد (بخاری) سے اس حدیث کے بارے میں سوال کیا؟ تو انہوں نے فرمایا: دونوں حدیثیں ابو اسحٰق رضی اللہ عنہ کے حوالے سے صحیح ہیں اور ہوسکتا ہے کہ ان دونوں سے مروی ہو۔

شرح حدیث

علامہ علی بن سلطان محمد القاری حنفی فرماتے ہیں:

((میں نے تم سے گھوڑوں اور غلاموں کی زکاۃ معاف کردی)) جبکہ وہ مالِ تجارت نہ ہوں، (کیونکہ اگر یہ مالِ تجارت ہوں گے تو پھر ان میں زکوۃ ہوگی) اور سائمہ گھوڑوں کی زکوۃ میں اختلاف ہے (جس کی تفصیل آگے آئے گی)۔

اس حدیث پاک میں اس طرف اشارہ ہے کہ معاملہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سپرد کیا گیا ہے، (یعنی معاملہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دست اقدس میں ہے جسے جو چاہیں معاف فرمادیں اور جو چاہیں فرض فرمادیں بالفاظ دیگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو اختیارات تکوینیہ کے ساتھ ساتھ اختیارات تشریعیہ بھی عطا فرمائے ہیں۔)

(مرقاۃ المفاتیح، باب مایجب فیہ الزکوۃ، ج4، ص1287، دار الفکر، بیروت)

حدیث پاک کا معنی ومفہوم یہ ہے کہ گھوڑوں اور غلاموں اور ان دونوں کی امثال میں مَیں نے زکوۃ معاف کردی ہے جو کہ اکثر الاموال ہیں تو چاندی کی زکوۃ ادا کرو جو کہ اقل الاموال ہے۔

(مرقاۃ المفاتیح، باب مایجب فیہ الزکوۃ، ج4، ص1287، دار الفکر، بیروت)

اس حدیث پاک میں چاندی کا نصاب بھی بیان کیا گیا ہے کہ اگر دوسو (200) درہم کی مقدار ہو تو اس میں زکوۃ واجب ہوگی، اس سے کم میں نہیں ہوگی اور دوسو میں سے پانچ درہم زکوۃ میں دینے ہوں گے یعنی ہر چالیس پر ایک درہم۔

سونے چاندی کا نصاب

فتاوی رضویہ میں ہے:

چاندی کا نصاب ساڑھے باون تولے ہے..... اور سونے کا نصاب ساڑھے سات تولے۔ درمختار میں ہے: نصاب الذھب عشرون مثقال والفضۃ مائتا درھم کل عشرۃ دراھم وزن سبعۃ مثاقیل (سونے کا نصاب بیس مثقال اور چاندی کا دوسو درہم جن سے ہر دس درہم کا وزن سات مثقال ہوسکے۔)

مثقال ساڑھے چار ماشے ہے تو درہم کہ اس کا ۱۰/۷ ہے تین ماشے ایک رتی اور پانچواں حصہ رتی کا ہوا۔ کشف

الغطاء میں ہے:مثقال بیست قیراط وقیراط ایک حبه و چهار خمس حبه وحبه که آنر ابفارسی سرخ گویند هشتم حصّه ماشه است پس مثقال چهار و نیم ماشه باشد (مثقال بیس قیراط، اور قیراط ایک رتی اور رتی کے خمس کی چوتھائی ہوتا ہے، رتی جسے فارسی میں سرخ کہا جاتا ہے ماشہ کا آٹھواں حصہ ہوتا ہے، تو ایک مثقال ساڑھے چار ماشے کا ہوگا۔)

واہرالاخلاطی میں ہے:الدرهم الشرعی خمس و عشرون حبة و خمس حبّة (یعنی درہم شرعی پچیس رتی اور پانچواں حصہ رتی کا ہے۔)

اب حساب سے واضح ہوسکتا ہے کہ دوسو درم نصاب فضہ کے ۵۲ تولے ۶ ماشے اور بیس مثقال، نصاب ذہب کے ۷ تولے ۶ ماشے ہوئے......... (فتاوی رضویہ، ج10 ،ص134,135 ، رضافاؤنڈیشن، لاہور)

چاندی کا نصاب آسان الفاظ میں

☆ چاندی کا نصاب 200 درہم ہے۔

☆ جن میں سے ہر دس درہم کا وزن سات مثقال ہے۔

☆ اور 200 درہم میں 20 مرتبہ 10 آتا ہے۔

☆ لہذا سات کو بیس سے ضرب دیں گے تو 140 آئے گا، یعنی چاندی کا نصاب 140 مثقال ہے۔

☆ اور ایک مثقال ساڑھے چار ماشے کا ہوتا ہے، اور ایک ماشے میں آٹھ رتیاں ہوتی ہیں، اس طرح ساڑھے چار ماشے میں 36 رتیاں ہوئیں۔

☆ 36 کو 140 سے ضرب دیں تو 200 درہم کی رتیاں نکل آئیں گی جو کہ 5040 رتیاں بنیں گی۔

☆ اس کے ماشے بنائیں گے تو 5040 کو 8 پر تقسیم کردیں گے، لہذا اس کے ماشے بنیں گے 630۔

☆ ایک تولے میں 12 ماشے ہوتے ہیں، لہذا 630 کو 12 پر تقسیم کریں گے تو تولوں میں چاندی کا نصاب نکل آئے گا لہذا یہ بنے گا باون تولے چھ ماشے، یعنی ساڑھے باون تولے۔

سونے کا نصاب آسان الفاظ میں

☆سونے کا نصاب بیس مثقال ہے

☆اور ایک مثقال ساڑھے چار ماشے کا ہوتا ہے، اور ایک ماشے میں آٹھ رتیاں ہوتی ہیں، اس طرح ساڑھے چار ماشے میں 36 رتیاں ہوئیں۔

☆اب 36 کو 20 سے ضرب دیں گے تو 20 مثقال کی رتیاں نکل آئیں گی اور وہ بنیں گی 720

☆اور ایک ماشے میں آٹھ رتیاں ہوتی ہیں، لہذا 720 کو 8 پر تقسیم کریں گے تو 20 مثقال کے ماشے نکل آئیں گے، اور وہ بنیں گے 90۔

☆اور ایک تولے میں بارہ ماشے ہوتے ہیں، لہذا 90 کو 12 پر تقسیم کریں گے تو 20 مثقال کے تولے بنیں گے ساٹھ تولے چھ ماشے یعنی ساڑھے سات تولے۔

باب نمبر 431

مَا جَاءَ فِي زَكَاةِ الإِبِلِ وَالغَنَمِ

اونٹوں اور بکریوں کی زکاۃ

619- حَدَّثَنَا زِيَادُ بْنُ أَيُّوبَ البَغْدَادِيُّ، وَإِبْرَاهِيمُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ الهَرَوِيُّ، وَمُحَمَّدُ بْنُ كَامِلٍ المَرْوَزِيُّ -المَعْنَى وَاحِدٌ- قَالُوا: حَدَّثَنَا عَبَّادُ بْنُ العَوَّامِ، عَنْ سُفْيَانَ بْنِ حُسَيْنٍ، عَنْ الزُّهْرِيِّ، عَنْ سَالِمٍ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَتَبَ كِتَابَ الصَّدَقَةِ، فَلَمْ يُخْرِجْهُ إِلَى عُمَّالِهِ حَتَّى قُبِضَ، فَقَرَنَهُ بِسَيْفِهِ، فَلَمَّا قُبِضَ عَمِلَ بِهِ أَبُو بَكْرٍ حَتَّى قُبِضَ، وَعُمَرُ حَتَّى قُبِضَ، وَكَانَ فِيهِ " :فِي خَمْسٍ مِنَ الإِبِلِ شَاةٌ، وَفِي عَشْرٍ شَاتَانِ، وَفِي خَمْسَ عَشْرَةَ ثَلَاثُ شِيَاهٍ، وَفِي عِشْرِينَ أَرْبَعُ شِيَاهٍ، وَفِي خَمْسٍ وَعِشْرِينَ بِنْتُ مَخَاضٍ إِلَى خَمْسٍ وَثَلَاثِينَ، فَإِذَا زَادَتْ فَفِيهَا ابْنَةُ لَبُونٍ إِلَى خَمْسٍ وَأَرْبَعِينَ، فَإِذَا زَادَتْ فَفِيهَا حِقَّةٌ إِلَى سِتِّينَ، فَإِذَا زَادَتْ فَفِيهَا جَذَعَةٌ إِلَى خَمْسٍ وَسَبْعِينَ، فَإِذَا زَادَتْ فَفِيهَا ابْنَتَا لَبُونٍ إِلَى تِسْعِينَ، فَإِذَا زَادَتْ فَفِيهَا

حدیث: حضرت سالم اپنے والد سے روایت کرتے ہیں: نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے زکوۃ کے بارے میں ایک خط تحریر فرمایا اور اسے اپنے عمال کی جانب نہیں بھیجا حتی کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وصالِ ظاہری ہو گیا تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسے اپنی تلوار کے ساتھ ملایا ہوا تھا، پس جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وصالِ ظاہری ہوا تو اس پر ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عمل کیا حتی کہ آپ رضی اللہ عنہ کا وصال ہو گیا اور عمر رضی اللہ عنہ نے اس پر عمل کیا حتی آپ رضی اللہ عنہ کا وصال ہو گیا اور اس میں یہ تھا کہ ''پانچ اونٹوں میں ایک بکری اور دس میں دو بکریاں اور پندرہ میں تین اور بیس میں چار اور پچیس میں اونٹ کا ایک سال کا بچہ پینتیس تک بطورِ زکاۃ کے ادا کیا جائے گا تو اگر اس سے زائد ہوں تو پینتالیس تک اونٹ کا دو سالہ بچہ بطور زکاۃ دیا جائے گا تو جب اس سے زیادہ ہوں ان میں ساٹھ تک تین سالہ بچہ ہے تو جب اس سے زائد ہو جائیں تو اس میں پچھتر تک اونٹ کا چار سالہ بچہ لازم ہے تو جب اس سے زائد ہو جائیں تو اس میں نوے تک اونٹ کے دو ایک سالہ بچے لازم ہوں گے تو جب اس سے زائد ہو جائیں تو ایک سو بیس تک دو سالہ دو بچے لازم

حِقَّتَانِ إِلَى عِشْرِينَ وَمِائَةٍ، فَإِذَا زَادَتْ عَلَى عِشْرِينَ وَمِائَةٍ فَفِي كُلِّ خَمْسِينَ حِقَّةٌ، وَفِي كُلِّ أَرْبَعِينَ ابْنَةُ لَبُونٍ، وَفِي الشَّاءِ: فِي كُلِّ أَرْبَعِينَ شَاةً شَاةٌ إِلَى عِشْرِينَ وَمِائَةٍ، فَإِذَا زَادَتْ فَشَاتَانِ إِلَى مِائَتَيْنِ، فَإِذَا زَادَتْ فَثَلَاثُ شِيَاهٍ إِلَى ثَلَاثِ مِائَةِ شَاةٍ، فَإِذَا زَادَتْ عَلَى ثَلَاثِ مِائَةِ شَاةٍ فَفِي كُلِّ مِائَةِ شَاةٍ شَاةٌ، ثُمَّ لَيْسَ فِيهَا شَيْءٌ حَتَّى تَبْلُغَ أَرْبَعَ مِائَةٍ، وَلَا يُجْمَعُ بَيْنَ مُتَفَرِّقٍ، وَلَا يُفَرَّقُ بَيْنَ مُجْتَمِعٍ، مَخَافَةَ الصَّدَقَةِ، وَمَا كَانَ مِنْ خَلِيطَيْنِ فَإِنَّهُمَا يَتَرَاجَعَانِ بِالسَّوِيَّةِ، وَلَا يُؤْخَذُ فِي الصَّدَقَةِ هَرِمَةٌ وَلَا ذَاتُ عَيْبٍ "، وَقَالَ الزُّهْرِيُّ: إِذَا جَاءَ الْمُصَدِّقُ قَسَّمَ الشَّاءَ أَثْلَاثًا: ثُلُثٌ خِيَارٌ، وَثُلُثٌ أَوْسَاطٌ، وَثُلُثٌ شِرَارٌ، وَأَخَذَ الْمُصَدِّقُ مِنَ الْوَسَطِ، وَلَمْ يَذْكُرِ الزُّهْرِيُّ الْبَقَرَ، وَفِي الْبَابِ عَنْ أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ، وَبَهْزِ بْنِ حَكِيمٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ، وَأَبِي ذَرٍّ، وَأَنَسٍ: حَدِيثُ ابْنِ عُمَرَ حَدِيثٌ حَسَنٌ، وَالْعَمَلُ عَلَى هَذَا الْحَدِيثِ عِنْدَ عَامَّةِ الْفُقَهَاءِ، وَقَدْ رَوَى يُونُسُ بْنُ يَزِيدَ، وَغَيْرُ وَاحِدٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ سَالِمٍ بِهَذَا الْحَدِيثِ، وَلَمْ يَرْفَعُوهُ، وَإِنَّمَا رَفَعَهُ سُفْيَانُ بْنُ

ہوں گے تو جب ایک سوبیس سے زائد ہو جائیں تو ہر پچاس پر دو سالہ اور ہر چالیس پر ایک سالہ بچہ لازم ہوگا۔اور بکریوں میں ہر چالیس بکریوں میں ایک سو بیس تک ایک بکری بطور زکاۃ لازم ہوگی تو جب اس سے زائد ہو جائیں تو دوسو تک میں دو بکریاں ہیں تو جب اس سے زائد ہو جائیں تو تین سو تک میں تین بکریاں ہیں تو جب تین سو سے زائد ہو جائیں تو ہر سو میں ایک بکری ہے پھر ان میں کچھ نہیں ہے حتی کہ وہ چار سو کو پہنچ جائیں اور زکاۃ کے خوف سے متفرق کو جمع نہ کیا جائے اور نہ ہی مجتمع کو متفرق کیا جائے اور جو دو شریکوں کا ہو تو وہ ایک دوسرے سے برابری کے ساتھ رجوع کریں گے اور زکاۃ میں بوڑھا اور عیب والا جانور نہ لیا جائے۔

اور زہری کہتے ہیں: جب زکاۃ وصول کرنے والا آئے تو وہ بکریوں کو تین حصوں میں تقسیم کر دے، ایک بہتر بکریوں کا، دوسرا درمیانی بکریوں کا، تیسرا ادنی بکریوں کا اور وہ درمیانی درجہ کی بکریوں سے وصول کرے اور زہری نے گائیوں کا ذکر نہیں کیا۔

اور اس باب میں ابوبکر صدیق، بہز بن حکیم اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے، ابو ذر اور انس رضی اللہ عنہم سے بھی روایات مروی ہیں۔

امام ابوعیسی ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث حسن ہے اور اسی پر عام فقہاء کے ہاں عمل ہے اور یونس بن یزید اور بہت سے حضرات نے زہری سے

حُسَیْنٍ

انہوں نے سالم سے اس حدیث کو روایت کیا اور انہوں نے اسے مرفوع روایت نہیں کیا، صرف سفیان بن حسین نے اُسے مرفوع روایت کیا ہے۔

شرح حدیث

علامہ ابن بطال (متوفی 449ھ) فرماتے ہیں:

"نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوۃ کے بارے میں ایک خط تحریر فرمایا" اس سے علم کو لکھ کر قید کرنے کی اباحت کا بیان ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود لکھنے کا حکم دیا، فرمایا: ابوفلاں کے لیے لکھو، حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لکھا۔ ایک قوم نے کتابتِ علم کو مکروہ قرار دیا اور وجہ یہ بیان کی کہ کتابتِ علم ضیاعِ حفظ کا سبب ہے، پہلا قول اولی ہے کتابتِ علم کے بارے میں آثارِ ثابتہ کی وجہ سے۔ اس قول کی ایک قوی دلیل یہ بھی ہے کہ مصحف لکھنے پر سب کا اتفاق ہوگیا، پس صحابہ نے اسے صحیفوں میں لکھا جن سے مصحف کو جمع کیا گیا، نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کئی کاتب تھے جو وحی لکھتے تھے، جنہوں نے کتابت کو مکروہ قرار دیا اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ خود حفاظ تھے، جبکہ بعد والے ایسے نہ تھے، اگر وہ نہ لکھتے تو کچھ بھی باقی نہ ہوتا، اس لیے امام شعبی نے فرمایا: جب تم کوئی چیز سنو تو اسے لکھ لو اگرچہ دیوار پر۔"

(شرح صحیح بخاری لابن بطال ملخصا، باب کتابۃ العلم، ج1، ص187,188، مکتبۃ الرشد، ریاض)

متفرق کو جمع نہ کیا جائے اور مجتمع کو متفرق نہ کیا جائے

علامہ محمود بدر الدین عینی حنفی فرماتے ہیں:

امام ابوحنیفہ نے فرمایا: متفرق کو جمع نہ کرنے کے معنی یہ ہیں کہ دو آدمیوں کی چالیس بکریاں ہوں، پس جب وہ دونوں ان کو جمع کریں تو ایک بکری ان پر لازم آئے اور جب وہ انہیں متفرق کریں تو ان پر کوئی چیز لازم نہ آئے۔ اور مجتمع کو متفرق نہ کرنے کے معنی یہ ہیں کہ ایک آدمی کی ایک سو بیس بکریاں ہوں، پس اگر مصدق ان کو چالیس چالیس کر کے تین حصوں میں متفرق کرتا ہے تو تین بکریاں لازم ہوں گی۔ امام ابو یوسف نے فرمایا: اول کا معنی یہ ہے کہ ایک آدمی کے لیے اسی بکریاں ہوں، پس صدقہ دینے والا آئے اور کہے کہ یہ میری اور میرے دوسرے بھائیوں کی ہیں، ہر ایک کی بیس بکریاں ہیں، لہذا زکوۃ نہیں ہے۔ یا اس کے لیے چالیس بکریاں ہوں اور اس کے بھائی کی چالیس بکریاں ہوں اور وہ کہے کہ یہ تمام کی تمام میری ہیں۔

محیط میں ہے: اس کی تاویل یہ ہے کہ ایک شخص کی اسی بکریاں ہوں تو اس میں ایک بکری واجب ہوگی تو ان بکریاں کو متفرق نہیں کیا جائے گا بایں طور پر کہ ان بکریوں کو دو آدمیوں کی قرار دیا جائے، چالیس ایک کی اور چالیس دوسرے کی، اور ان بکریوں میں سے دو لی جائیں، اس طور پر یہ خطاب ساعی یعنی عامل سے ہوگا اور اگر یہ اسی (80) بکریاں دو آدمیوں کی ہوں اور ہر ایک پر ایک بکری واجب ہو رہی ہو تو ان میں جمع نہیں کیا جائے گا کہ ایک بکری لازم آئے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ خطاب عامل سے ہو بایں طور پر کہ دو آدمیوں کی سو سو بکریاں ہوں اور اس وجہ سے ان دونوں پر دو بکریاں لازم آ رہی ہوں تو عامل ایسا نہیں کرے گا کہ دونوں کی بکریوں کو جمع کرے تو کہے کہ یہ تمام تمہاری ہیں لہذا وہ ان میں سے تین بکریاں لے لے اور مجتمع کو متفرق نہیں کیا جائے گا بایں طور پر کہ ایک آدمی کی ایک سو بیس بکریاں ہوں تو ساعی کہے کہ یہ تین آدمیوں کی ہیں پس وہ ان میں سے تین بکریاں لے لے، حالانکہ اگر یہ ایک کی ہوتیں تو ایک بکری واجب ہوتی۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ خطاب مال والے سے ہو، حدیث پاک کے یہ الفاظ اس کو تقویت دیتے ہیں کہ ((وہ ایسا صدقہ کے ڈر سے کرے)) یعنی وہ زکوۃ واجب ہونے سے ڈرے پس وہ اس کے اسقاط کا حیلہ کرے، اس طرح کہ اپنے بھائی کے نصاب کو اپنے نصاب سے جمع کر دے تو یہ اسی بکریاں ہو جائیں تو اس میں ایک بکری واجب ہو اور مجتمع کو متفرق نہیں کیا جائے گا بایں طور پر کہ اس کی چالیس بکریاں ہوں تو وہ کہے کہ نصف میری ہیں اور نصف میرے بھائی کی ،لہذا اس میں زکوۃ نہیں ہے۔

اور مبسوط میں ہے: یہاں جمع و تفریق سے مراد ملک میں جمع و تفریق ہے، نہ کہ مکان میں اور اس پر ہمارا اجماع ہے کہ نصاب جب ایک ملک میں ہو تو جمع کیا جائے گا، اگرچہ مختلف جگہوں پر ہو۔ پس معلوم ہوا کہ جو ملک میں متفرق ہو یعنی مختلف لوگوں کی ملک میں ہو تو صدقہ کے حق میں اسے جمع نہیں کیا جائے گا۔

(عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری، باب لا یجمع بین متفرق الخ، ج9 ص9,10، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

اونٹوں پر زکوۃ کی تفصیل

پانچ اونٹ سے کم میں زکاۃ واجب نہیں اور جب پانچ یا پانچ سے زیادہ ہوں، مگر پچیس سے کم ہوں تو ہر پانچ میں ایک بکری واجب ہے یعنی پانچ ہوں تو ایک بکری، دس ہوں تو دو، و علیٰ ھذا القیاس۔

(فتاوی ہندیہ، کتاب الزکوۃ، الباب الثانی فی صدقۃ السوائم، الفصل الثانی، ج1، ص177)

پچیس اونٹ ہوں تو ایک بنت مخاض یعنی اونٹ کا مادہ بچہ جو ایک سال کا ہو چکا، دوسرے برس میں ہو۔ پینتیس تک یہی حکم ہے یعنی وہی بنت مخاض دیں گے۔ چھتیس سے پینتالیس تک میں ایک بنت لبون یعنی اونٹ کا مادہ بچہ جو دو سال کا ہو چکا اور تیسری برس میں ہے۔ چھیالیس سے ساٹھ تک میں حِقّہ یعنی اونٹنی جو تین برس کی ہو چکی چوتھیمیں ہو۔ اکسٹھ سے پچھتر تک جذعہ یعنی چار سال کی اونٹنی جو پانچویں برس میں ہو۔ چھہتر سے نوے تک میں دو بنت لبون۔ اکانوے سے ایک سوبیس تک میں دو حِقّہ۔ اس کے بعد ایک سو پینتالیس تک دو حِقّہ اور ہر پانچ میں ایک بکری، مثلاً ایک سو پچیس میں دو حِقّہ ایک بکری اور ایک سوتیس میں دو حِقّہ دو بکریاں، وعلیٰ ھذا القیاس ۔ (یعنی ایک سوپینتیس میں دو حقّہ تین بکریاں، ایک سو چالیس میں دو حقّہ چار بکریاں اور ایک سو پینتالیس میں دو حقّہ اور ایک بنتِ مخاض۔)

پھر ایک سو پچاس میں تین حِقّہ اگر اس سے زیادہ ہوں تو ان میں ویسا ہی کریں جیسا شروع میں کیا تھا یعنی ہر پانچ میں ایک بکری اور پچیس میں بنت مخاض، چھتیس میں بنت لبون، یہ ایک سو چھیاسی بلکہ ایک سو پچانوے تک کا حکم ہو گیا یعنی اتنے میں تین حِقّہ اور ایک بنتِ لبون۔ پھر ایک سو چھیانوے سے دو سو تک چار حِقّہ اور یہ بھی اختیار ہے کہ پانچ بنت لبون دے دیں۔ پھر دو سو کے بعد وہی طریقہ برتیں، جو ایک سو پچاس کے بعد ہے یعنی ہر پانچ میں ایک بکری، پچیس میں بنت مخاض، چھتیس میں بنت لبون۔ پھر دو سو چھیالیس سے دو سو پچاس تک پانچ حِقّہ وعلیٰ ھذا القیاس۔

(تبیین الحقائق، کتاب الزکوۃ، باب صدقۃ السوائم، ج2، ص34 ☆ الدر المختار ورد المحتار، کتاب الزکوۃ، باب نصاب الابل، ج3، ص238 تا 240)

اونٹوں کی زکوہ کا نقشہ

تعداد	شرح زکاۃ
5 سے 9 تک	ایک بکری
10 سے 14 تک	دو بکریاں
15 سے 19 تک	تین بکریاں
20 سے 24 تک	چار بکریاں

25سے35 تک	بنت مخاض یعنی ایک سال کی اونٹنی
36سے45 تک	بنت لبون یعنی دوسال کی اونٹنی
46سے60 تک	حقہ یعنی تین سال کی اونٹنی
61سے75 تک	جذعہ یعنی چار سال کی اونٹنی
76سے90 تک	دو بنت لبون یعنی دو دو سال کی دو اونٹنیاں
91سے120 تک	دو حقہ یعنی تین، تین سال کی دو اونٹنیاں
125سے129 تک	دو حقہ اور ایک بکری
130سے134 تک	دو حقہ اور دو بکریاں
135سے139 تک	دو حقہ اور تین بکریاں
140سے144 تک	دو حقہ اور چار بکریاں
145سے149 تک	دو حقہ اور ایک بنت مخاض
150سے154 تک	تین حقہ

بکریوں پرزکوۃ کی تفصیل

چالیس (40) سے کم بکریاں ہوں تو زکاۃ واجب نہیں اور چالیس (40) ہوں تو ایک بکری اور یہی حکم ایک سو بیس (120) تک ہے یعنی ان میں بھی وہی ایک بکری ہے اور ایک سو اکیس (121) میں دو اور دوسو ایک میں تین اور چارسو (400) میں چار پھر ہر سو (100) پر ایک اور جو دو نصابوں کے درمیان میں ہے معاف ہے۔

(تنویرالابصاروالدرالمختار، کتاب الزکوۃ، باب زکوۃ الغنم، ج3،ص243 ☆ فتاوی ہندیہ، کتاب الزکوۃ، الباب الثانی فی صدقۃ السوائم، الفصل الرابع، ج1،ص178)

بکریوں کی زکوۃ کا نقشہ

تعداد	شرح زکاۃ
40سے120 تک	ایک بکری

121 سے 200 تک	دو بکریاں
201 سے تک 399	تین بکریاں
400 سے 400 تک	چار بکریاں
پھر ہر 100 پر	ایک بکری کا اضافہ

تدوین حدیث

اس باب حدیث پاک میں کتابت حدیث کا ذکر ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال وافعال کو محفوظ کرنے کا عمل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں ہی شروع ہو گیا تھا بلکہ خود حضور نبی مکرم صلی اللہ علی وسلم نے اپنے اقوال محفوظ کرنے کا حکم دیا ایسے ہی بعد میں صحابہ وتابعین کے زمانہ میں یہ سلسلہ بڑے شوق ومحنت کے ساتھ جاری وساری رہا۔ہم ذیل میں ایسے دلائل ذکر کرتے ہیں جو اس بات کا بین ثبوت ہیں کہ کتابت حدیث کا سلسلہ زمانہ رسالت، زمانہ صحابہ وتابعین اور مابعد کے دور میں بغیر انقطاع کے جاری وساری رہا۔

عہد رسالت میں کتابت حدیث

فتح مکہ کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خطبہ دیا تو یمن کے ایک صاحب ابو شاہ نے عرض کی: ((اُكْتُبُوا لِي يَا رَسُولَ اللهِ)) ترجمہ: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے لئے یہ لکھ دیجئے۔آپ نے حکم دیا: ((اُكْتُبُوا لِأَبِي شَاهٍ)) ترجمہ: ابوشاہ کے لئے لکھ دو۔ (صحیح بخاری، باب کیف تعرف لقطة اہل مکۃ، ج3،ص125،طوق النجاۃ)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، فرماتے ہیں کہ میں جو کچھ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنتا تھا اسے یاد کرنے کے لیے لکھ لیتا تھا، قریش کے کچھ لوگوں نے مجھے منع کیا اور کہا کہ تم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنی ہوئی ہر بات لکھ لیتے ہو حالانکہ وہ بشر ہیں کبھی حالت غضب میں کلام کرتے ہیں کبھی حالت رضا میں۔آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں کتابتِ حدیث سے رک گیا، پھر اس کا ذکر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کیا تو نبی کریم صلی اللہ عَلَیْہِ وَسلم نے فرمایا: ((اُكْتُبْ فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ مَا يَخْرُجُ مِنْهُ إِلَّا حَقٌّ)) ترجمہ: لکھو اُس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! اس منہ سے صرف حق بات ہی نکلتی ہے۔

(سنن ابی داود، ج3،ص318، المکتبۃ العصریۃ، صیدا، بیروت)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کی کتابت کا ذکر کرتے ہوئے عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کے بارے فرماتے ہیں: ((مَا مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحَدٌ أَكْثَرَ حَدِيثًا عَنْهُ مِنِّي، إِلَّا مَا كَانَ مِنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو، فَإِنَّهُ كَانَ يَكْتُبُ وَلَا أَكْتُبُ)) ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے مجھ سے بڑھ کر احادیث کسی کے پاس نہ تھیں سوا عبداللہ بن عمرو کے کہ وہ لکھا کرتے اور میں نہیں لکھتا تھا۔

(صحیح بخاری، ج1،ص34، طوق النجاۃ)

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اپنے احادیث کے مجموعہ کے نام ''**الصادقہ**'' رکھا تھا، طبقات ابن سعد میں ہے: عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ: اسْتَأْذَنْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي **كتاب مَا سَمِعْتُ مِنْهُ**. قَالَ فَأَذِنَ لِي فَكَتَبْتُهُ. فَكَانَ عَبْدُ اللهِ يُسَمِّي صَحِيفَتَهُ تِلْكَ الصَّادِقَةَ ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اجازت طلب کی کہ جو آپ سے سنوں اسے لکھ لیا کروں، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اجازت عطا فرمائی، لہذا میں نے لکھا۔ حضرت عبداللہ بن عمرو نے اپنے اپنے صحیفہ کا نام ''**الصادقہ**'' رکھا۔

(الطبقات الکبری، عمران بن الحصین، ج2،ص285، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں میں نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کیا: ((يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّا نَسْمَعُ مِنْكَ أَشْيَاءَ فَنَكْتُبُهَا)) ترجمہ: یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! ہم آپ سے کئی باتیں سنتے ہیں اور انہیں لکھ لیتے ہیں۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((**اكْتُبُوا وَلَا حَرَجَ**)) ترجمہ: تم لکھو کوئی حرج نہیں ہے۔

(المعجم الکبیر للطبرانی، عبایۃ بن رفاعۃ بن رافع، ج4،ص276، مکتبۃ ابن تیمیۃ القاہرۃ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں اپنے حافظے کی کمزوری کی شکایت کی تو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((**اسْتَعِنْ عَلَى حِفْظِكَ بِيَمِينِكَ**)) ترجمہ: اپنے دائیں ہاتھ سے اپنے حافظے کی مدد کرو یعنی لکھ لیا کرو۔

(المعجم الاوسط للطبرانی، من اسمہ احمد، ج1،ص244، دار الحرمین، القاہرہ)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا علم کو قید کرلیا کرو میں نے عرض کیا کہ علم کو قید کرنے سے کیا مراد ہے؟ ارشاد فرمایا: ((کتابتہ)) ترجمہ: اس کو لکھ لینا۔

(المستدرک علی الصحیحین، کتاب العلم، حدیث نمبر 362، دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

حضرت ابو قبیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا: ((بَیْنَمَا نَحْنُ حَوْلَ رَسُولِ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نَکْتُبُ، إِذْ سُئِلَ رَسُولُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: أَیُّ الْمَدِینَتَیْنِ تُفْتَحُ أَوَّلًا: قُسْطَنْطِینِیَّۃُ أَوْ رُومِیَّۃُ؟ فَقَالَ: النَّبِیُّ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا بَلْ مَدِینَۃُ ہِرَقْلَ أَوَّلًا)) ترجمہ: ہم رسول اللہ صلی علیہ وسلم کے گرد بیٹھے ہوئے لکھ رہے تھے کہ اسی دوران آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال ہوا کہ یا رسول اللہ پہلے کونسا شہر فتح ہوگا قسطنطنیہ یا رومیہ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا پہلے ہرقل کا شہر فتح ہوگا۔

(سنن الدارمی، باب من رخص فی کتابۃ العلم، ج1، ص430، دار المغنی للنشر والتوزیع، عرب)

حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں: ((أَنَّ رَسُولَ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَتَبَ إِلَی أَہْلِ الْیَمَنِ کِتَابًا فَکَانَ فِیہِ: لَا یَمَسَّ الْقُرْآنَ إِلَّا طَاہِرٌ)) ترجمہ: نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل یمن کی طرف خط لکھا جس میں لکھا ہوا تھا: قرآن پاک کو غیر طاہر نہ چھوئے۔

(سنن الدارقطنی، باب فی نہی المحدث عن مس القرآن، ج1، ص219، موسسۃ الرسالۃ، بیروت)

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے، فرماتے ہیں: ((کَانَ عِنْدَ رَسُولِ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نَاسٌ مِنْ أَصْحَابِہِ وَأَنَا مَعَہُمْ، وَأَنَا أَصْغَرُ الْقَوْمِ، فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: مَنْ کَذَبَ عَلَیَّ مُتَعَمِّدًا فَلْیَتَبَوَّأْ مَقْعَدَہُ مِنَ النَّارِ، فَلَمَّا خَرَجَ الْقَوْمُ قُلْتُ: کَیْفَ تُحَدِّثُونَ عَنْ رَسُولِ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَقَدْ سَمِعْتُمْ مَا قَالَ وَأَنْتُمْ تَنْہَمِکُونَ فِی الْحَدِیثِ عَنْ رَسُولِ اللَّہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَضَحِکُوا فَقَالُوا: یَا ابْنَ أَخِینَا، إِنَّ کُلَّ مَا سَمِعْنَا مِنْہُ عِنْدَنَا فِی کِتَابٍ)) ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں کچھ صحابہ حاضر تھے، میں بھی ساتھ تھا اور میں ان میں سب سے کم عمر تھا، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو مجھ پر قصداً جھوٹ باندھے وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے، پھر جب لوگ باہر نکلے تو میں نے کہا: جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ

وسلم نے ارشاد فرمایا وہ آپ لوگوں نے سنا اس کے باوجود آپ لوگ کیسے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف سے احادیث بیان کرتے ہیں اور اس میں منہمک رہتے ہیں، وہ لوگ ہنسے اور کہنے لگے: اے بھتیجے! جو کچھ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنا ہے وہ سب ہمارے پاس لکھا ہوا ہے۔

(مجمع الزوائد بحوالہ طبرانی، باب عرض الکتاب علی من امر بہ، ج1، ص151,152، مکتبۃ القدسی، القاہرہ)

سنن ابی داود میں ہے: ((كَتَبَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كِتَابَ الصَّدَقَةِ فَلَمْ يُخْرِجْهُ إِلَى عُمَّالِهِ حَتَّى قُبِضَ۔۔۔ فَعَمِلَ بِهِ أَبُو بَكْرٍ حَتَّى قُبِضَ، ثُمَّ عَمِلَ بِهِ عُمَرُ حَتَّى قُبِضَ)) ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نیکتاب الصدقہلکھوائی تھی، مگر عمال واحکام تک روانہ نہ فرمایا تھا کہ وصال ہو گیا، پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے مطابق عمل کیا یہاں تک کہ ان کا وصال ہو گیا، پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے مطابق عمل کیا یہاں تک ان کا وصال ہو گیا۔ (سنن ابی داود، باب فی زکوۃ السائمۃ، ج2، ص98، المکتبۃ العصریہ، بیروت)

ان روایات وآثار سے واضح ہوتا ہے کہ حدیث لکھنے، محفوظ رکھنے کا کام عہد رسالت میں شروع ہو چکا تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال ظاہری کے بعد دور صحابہ اور تابعین میں کثیر روایات کو لکھا گیا۔

دورِ صحابہ اور تابعین میں کتابتِ حدیث

سیدنا ابوہریرہ کے پاس بھی احادیث لکھی ہوئی موجود تھیں، راوی کہتے ہیں: ((تُحُدِّثَ عِنْدَ أَبِي هُرَيْرَةَ بِحَدِيثٍ فَأَخَذَ بِيَدِي إِلَى بَيْتِهِ فَأَرَانَا كُتُبًا مِنْ حَدِيثِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ هَذَا هُوَ مَكْتُوبٌ عِنْدِي)) ترجمہ: حضرت ابوہریرہ کے سامنے ایک حدیث پر گفتگو ہوئی تو وہ میرا ہاتھ پکڑ کر اپنے گھر لے گئے اور ہمیں احادیث کی کتب دکھائیں اور کہا دیکھو یہ حدیث میرے پاس لکھی ہوئی ہے۔ (فتح الباری، ج1، ص207، مکتبہ دار المعرفۃ، بیروت)

ماقبل میں گزرا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں نہیں لکھتا تھا بظاہر یہ روایت اس کے خلاف ہے، اس اشکال کا جواب دیتے ہوئے علامہ ابن عبد البر فرماتے ہیں: وَيُمْكِنُ الْجَمْعُ بِأَنَّهُ لَمْ يَكُنْ يَكْتُبُ فِي الْعَهْدِ النَّبَوِيِّ ثُمَّ كَتَبَ بَعْدَهُ ترجمہ: ان دونوں میں تطبیق اس طرح ممکن ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ زمانہ نبوی میں نہیں لکھتے تھے پھر بعد میں انہوں نے احادیث کو لکھ لیا۔ (فتح الباری، ج1، ص207، مکتبہ دار المعرفۃ، بیروت)

علامہ یوسف بن عبد اللہ بن محمد بن عبد البر قرطبی (متوفی 463ھ) اپنی کتاب جامع بیان العلم وفضلہ میں نقل کرتے ہیں کہ حضرت ربیع بن سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ((رَأَيْتُ جَابِرًا يَكْتُبُ عِنْدَ ابْنِ سَابِطٍ فِي أَلْوَاحٍ)) ترجمہ: میں نے جابر رضی اللہ عنہ کو ابن سابط کے پاس تختیوں پر حدیث پاک لکھتے دیکھا۔

(جامع بیان العلم وفضلہ، باب ذکر الرخصہ فی کتاب العلم، ج1، ص310، دار ابن جوزی، عرب)

حضرت معن کہتے ہیں: ((أَخْرَجَ إِلَيَّ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ كِتَابًا وَحَلَفَ لِي: إِنَّهُ خَطُّ أَبِيهِ بِيَدِهِ)) ترجمہ: حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بیٹے عبد الرحمٰن نے میرے لیے (احادیث پر مشتمل) کتاب نکالی اور حلفاً بیان کیا کہ یہ میرے والد کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہے۔

(جامع بیان العلم وفضلہ، باب ذکر الرخصۃ فی کتاب العلم، ج1، ص311، دار ابن جوزی، عرب)

حضرت عمرو بن قیس بن سعد بن عبادہ کا بیان ہے: ((أَنَّهُمْ وَجَدُوا فِي كُتُبِ أَوْ فِي كِتَابِ سَعْدِ بْنِ عُبَادَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: قَضَى بِالْيَمِينِ مَعَ الشَّاهِدِ)) ترجمہ: انہوں نے حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کتاب میں یہ حدیث پاک موجود پائی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یمین اور ایک گواہ کے ساتھ فیصلہ فرمایا۔ (مسند احمد بن حنبل، حدیث سعد بن عبادہ، ج37، ص125، موسسۃ الرسالہ، بیروت)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ((فَلَقِيتُ عِتْبَانَ، فَحَدَّثَنِي بِهِ، فَأَعْجَبَنِي فَقُلْتُ لِابْنِي: اكْتُبْهُ، فَكَتَبَهُ)) ترجمہ: میری ملاقات حضرت عتبان سے ہوئی، انہوں نے مجھ سے حدیث پاک بیان کی، مجھے پسند آئی، میں نے اپنے بیٹے سے کہا کہ اسے لکھ لو تو اس نے اس حدیث پاک کو لکھ لیا۔

(شرح معانی الآثار، باب کتابۃ العلم ھل تصلح ام لا، ج4، ص319، مطبوعہ عالم الکتب)

یہ روایت صحیح مسلم میں بھی موجود ہے، حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: فَأَعْجَبَنِي هَذَا الْحَدِيثُ، فَقُلْتُ لِابْنِي: اكْتُبْهُ فَكَتَبَهُ ترجمہ: مجھے یہ حدیث پاک پسند آئی، میں نے اپنے بیٹے سے کہا کہ اسے لکھ لو، تو اس نے اس حدیث پاک کو لکھ لیا۔ (صحیح مسلم، باب من لقی اللہ بالایمان الخ، ج1، ص61، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے شاگرد خاص بشیر بن نھیک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ((كُنْتُ أَكْتُبُ مَا

اَسْمَعُ مِنْ اَبِی هُرَیْرَةَ فَلَمَّا اَرَدْتُ اَنْ اُفَارِقَهُ اَتَیْتُهُ بِکِتَابِی فَقُلْتُ:هٰذَا سَمِعْتُهُ مِنْكَ؟ قَالَ:نَعَمْ)) ترجمہ: میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے جوسنتا لکھ لیتا جب میں ان سے رخصت ہونے لگا تو اپنی کتاب ان کو پیش کی اور عرض کیا: یہ ہے مجموعہ آپ سے سنی ہوئی احادیث کا، انہوں نے فرمایا: ٹھیک ہے۔

(سنن دارمی، باب من رخص فی کتابۃ العلم، ج1،ص435، دار المغنی للنشر والتوزیع، عرب)

حضرت نافع کہتے ہیں: (اَنَّ ابْنَ عُمَرَ، کَانَ إِذَا خَرَجَ إِلَی السُّوقِ نَظَرَ فِی کُتُبِهِ قَالَ عَمَّارٌ: قُلْتُ لِعَلِیٍّ فِی الْحَدِیثِ قَالَ:نَعَمْ)) ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما جب بازار کی طرف نکلتے تو اپنی کتب پر نظر ڈال لیتے، راوی عمار کہتے ہیں کہ میں نے راوی علی بن شفیق سے پوچھا کہ یہ احادیث کی کتب تھیں؟ جواب دیا: جی ہاں۔

(الجامع لاخلاق الراوی وآداب السامع للخطیب البغدادی، جواز روایۃ الحدیث من حفظہ، ج2،ص14، مکتبۃ المعارف، ریاض)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ((مَا یُرَغِّبُنِی فِی الْحَیَاةِ إِلَّا الصَّادِقَةُ وَالْوَهْطُ. فَأَمَّا الصَّادِقَةُ فَصَحِیفَةٌ کَتَبْتُهَا مِنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ. وَأَمَّا الْوَهْطُ: فَأَرْضٌ تَصَدَّقَ بِهَا عَمْرُو بْنُ الْعَاصِ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ کَانَ یَقُومُ عَلَیْهَا)) ترجمہ: مجھے دو عادتیں زندہ رہنے کا حوصلہ اور شوق دیتی ہیں (1) **الصادقة** (2) **الوهط۔ الصادقة** وہ صحیفہ ہے جس میں، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیثیں لکھی ہیں۔ الوهط وہ زمین جسے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے رفاہ عامہ کے لئے وقف کیا تھا، حضرت عبداللہ بن عمرو العاص رضی اللہ عنہ اس کے منتظم تھے۔ (سنن دارمی، باب من رخص فی کتابۃ العلم، ج1،ص436، دار المغنی، عرب)

حضرت عکرمہ سے مروی ہے، کہتے ہیں: ((اَنَّ نَاسًا مِنْ اَهْلِ الطَّائِفِ اَتَوْهُ بِصُحُفٍ مِنْ صُحُفِهِ لِیَقْرَاَهَا عَلَیْهِمْ)) ترجمہ: اہل طائف میں سے کچھ لوگ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی بارگاہ میں ان ہی کے کچھ صحیفے لے کر حاضر ہوئے تاکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان کے سامنے ان کی قراءت کردیں۔

اس وقت حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی بینائی کمزور ہو چکی تھی، وہ پڑھ نہ سکے، ارشاد فرمایا: تم لوگ مجھے پڑھ کر سناؤ اور تمہارے دل میں اس کے بارے میں کچھ خیال نہیں آنا چاہیے کہ ((فَإِنَّ قِرَاءَتَکُمْ عَلَیَّ کَقِرَاءَتِی عَلَیْکُمْ)) تمہارا مجھ پر پڑھنا ایسا ہی ہے جیسا کہ میرا تمہارے سامنے پڑھنا۔

(شرح معانی الآثار، باب کتابۃ العلم هل تصلح ام لا، ج4،ص319، مطبوعہ عالم الکتب)

امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ((قَيِّدُوا الْعِلْمَ بِالْكِتَابِ)) ترجمہ: علم کو لکھ کر قید کرلو۔

(جامع بیان العلم وفضلہ، باب ذکر الرخصہ فی کتاب العلم، ج1، ص308، دار ابن جوزی، عرب)

حضرت عبداللہ بن حنیس فرماتے ہیں: ((رَأَيْتُهُمْ عِنْدَ الْبَرَاءِ يَكْتُبُونَ عَلَى أَيْدِيهِمْ بِالْقَصَبِ)) ترجمہ: میں نے لوگوں کو حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بانس کے قلم پکڑے حدیثیں لکھتے دیکھا۔

(سنن دارمی، باب من رخص فی کتابۃ العلم، ج1، ص439، دار المغنی للنشر والتوزیع، عرب)

حضرت ابوقلابہ فرماتے ہیں: ((الْكِتَابُ أَحَبُّ إِلَيْنَا مِنَ النِّسْيَانِ)) ترجمہ: مجھے لکھ لینا زیادہ پسند ہے کہ بھول نہ جاؤں۔

(جامع بیان العلم وفضلہ، باب ذکر الرخصہ فی کتاب العلم، ج1، ص316، دار ابن جوزی، عرب)

حضرت سعید بن جبیر فرماتے ہیں: ((كُنْتُ أَسْمَعُ مِنَ ابْنِ عُمَرَ، وَابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا الْحَدِيثَ بِاللَّيْلِ، فَأَكْتُبُهُ فِي وَاسِطَةِ الرَّحْلِ)) ترجمہ: میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے رات کو حدیث سنا کرتا تھا اور رحل کے واسطے سے اسے لکھ لیا کرتا تھا۔

(سنن دارمی، باب من رخص فی کتابۃ العلم، ج1، ص436، دار المغنی للنشر والتوزیع، عرب)

سفیان ثوری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ((إِنِّي أُحِبُّ أَنْ أَكْتُبَ الْحَدِيثَ عَلَى ثَلَاثَةِ أَوْجُهٍ، حَدِيثٌ أَكْتُبُهُ أُرِيدُ أَنْ أَتَّخِذَهُ دِينًا، وَحَدِيثُ رَجُلٍ أَكْتُبُهُ فَأُوقِفُهُ لَا أَطْرَحُهُ وَلَا أَدِينُ بِهِ وَحَدِيثُ رَجُلٍ ضَعِيفٍ أُحِبُّ أَنْ أَعْرِفَهُ وَلَا أَعْبَأُ بِهِ)) ترجمہ: میں تین قسم کی حدیثیں لکھنا چاہتا ہوں، (1) ایسی حدیث لکھتا ہوں کہ جسے اپنا مذہب بناؤں (2) ایسے شخص سے حدیث لکھتا ہوں جس میں توقف کرتا ہوں، اسے رد نہیں کرتا، نہ دین بناتا ہوں (3) کمزور راوی کی حدیث لکھتا ہوں تاکہ اسے پہچانوں مگر اسے اہمیت نہیں دیتا۔ (ان روایات کا علم بھی حاصل کرتا ہوں جنہیں قبول کرتا ہوں اور ان روایات کا علم بھی حاصل کرتا ہوں جو ناقابل قبول ہیں تاکہ صحیح وغلط میں پرکھ ہو۔)

(جامع بیان العلم وفضلہ، باب ذکر الرخصہ فی کتاب العلم، ج1، ص330، دار ابن جوزی، عرب)

پہلی صدی کے اخیر تک متفرق طور پر تدوین حدیث کا کام آگے بڑھتا رہا بغیر ترتیب کے تابعین کرام نے اپنی

اپنی مرویات کو اپنے صحیفوں میں لکھ رکھا تھا یہاں تک سیدنا عمر بن عبدالعزیز کا دور آیا تو انہوں نے احادیث کا یکجا کرنے کا ارادہ کیا چنانچہ آپ نے مستند علماء کی ایک جماعت کی کمیٹی بنائی اور یہ کام ان کے سپرد کر دیا جن میں ابوبکر بن محمد، قاسم بن محمد، امام زہری، اور دیگر بڑے بڑے اکابرین تھے انہوں با قاعدہ حدیث کو ابواب در ابواب لکھا۔

حضرت عبداللہ بن دینار کہتے ہیں: ((كَتَبَ عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ رَحِمَهُ الله إِلَى أَبِي بَكْرِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ أَنْ اكْتُبْ إِلَيَّ بِمَا ثَبَتَ عِنْدَكَ مِنَ الْحَدِيثِ عَنْ رَسُولِ الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَبِحَدِيثِ عَمْرَةَ فَإِنِّي قَدْ خَشِيتُ دُرُوسَ الْعِلْمِ وَذَهَابَهُ)) ترجمہ: حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم کی طرف لکھا کہ جو آپ کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی احادیث ثابت ہیں اور حضرت عَمرہ کی احادیث مجھے لکھ کر بھیج دیں کیونکہ مجھے علم کے چلے جانے کا خوف ہے۔

(سنن دارمی، باب من رخص فی کتابۃ العلم، ج1، ص430، دار المغنی للنشر والتوزیع، عرب)

امام ابوبکر بن محمد امام زہری کے استاد اور اپنے وقت کے بہت بڑے محدث تھے، یہ فرمان جب کے نام پہنچا تو انہوں نے احادیث جمع کرنے میں بہت زیادہ کام کیا۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے حضرت عمرہ بنت عبدالرحمٰن کی احادیث کا خاص طور پر اس لیے فرمایا کہ حضرت عمرہ کو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے خاص نوازا تھا، یہ بہت ذہین اور عالمہ فاضلہ تھیں اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی مرویات کی سب سے بڑی حافظہ تھیں۔

امام ابن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 124ھ) فرماتے ہیں: ((أَمَرَنَا عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ بِجَمْعِ السُّنَنِ فَكَتَبْنَاهَا دَفْتَرًا دَفْتَرًا، فَبَعَثَ إِلَى كُلِّ أَرْضٍ لَهُ عَلَيْهَا سُلْطَانٌ دَفْتَرًا)) ترجمہ: خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ نے ہمیں تمام احادیث و سنن جمع کرنے کا حکم دیا، ہم نے دفتر دفتر مجموعے تیار کیے، انہوں نے اپنی تمام سلطنت میں ایک ایک نسخہ بھیج دیا۔ (جامع بیان العلم وفضلہ، باب ذکر الرخصہ فی کتاب العلم، ج1، ص331، دار ابن جوزی، عرب)

ابوالزناد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ((كُنَّا نَكْتُبُ الْحَلَالَ وَالْحَرَامَ، وَكَانَ ابْنُ شِهَابٍ يَكْتُبُ كُلَّ مَا سَمِعَ، فَلَمَّا احْتِيجَ إِلَيْهِ عَلِمْتُ أَنَّهُ أَعْلَمُ النَّاسِ)) ترجمہ: ہم حلال وحرام سے متعلق حدیثیں لکھا کرتے تھے اور ابن شہا

ب زہری جو حدیث سنتے لکھ لیتے، جب ان کی احتیاج ہوئی تو مجھے پتہ چلا کہ وہی سب سے بڑے عالم تھے۔

(جامع بیان العلم وفضلہ، باب ذکر الرخصہ فی کتاب العلم، ج 1، ص 321، دار ابن جوزی، عرب)

صالح بن کیسان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ((كُنْتُ أَنَا وَابْنُ شِهَابٍ وَنَحْنُ نَطْلُبُ الْعِلْمَ، فَاجْتَمَعْنَا عَلَى أَنْ نَكْتُبَ السُّنَنَ فَكَتَبْنَا كُلَّ شَيْءٍ سَمِعْنَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، ثُمَّ قَالَ: اكْتُبْ بِنَا مَا جَاءَ عَنْ أَصْحَابِهِ فَقُلْتُ: لَا، لَيْسَ بِسُنَّةٍ وَقَالَ هُوَ: بَلْ هُوَ سُنَّةٌ وَكَتَبَ وَلَمْ أَكْتُبْ، فَأَنْجَحَ وَضَيَّعْتُ)) ترجمہ: میں اور ابن شہاب زہری حصول علم میں مصروف تھے۔ ہمارا سنن واحادیث لکھنے پر اتفاق ہو گیا، پس ہم نے جو بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حوالے سے سنا لکھ لیا، پھر امام زہری نے کہا ہم صحابہ کرام کی بھی تمام احادیث وآثار لکھتے ہیں، میں نے کہا نہیں، وہ سنت میں شامل نہیں، امام زہری نے کہا وہ سنت میں شامل ہیں چنانچہ انہوں نے لکھ لیں اور میں نے نہ لکھیں وہ کامیاب رہے میں نے عمر ضائع کی۔ (جامع بیان العلم وفضلہ، باب ذکر الرخصہ فی کتاب العلم، ج 1، ص 332، دار ابن جوزی، عرب)

امام زہری کے بعد آپ کے شاگردوں نے بہت محنت سے یہ کام جاری رکھا یہاں تک دوسری صدی کے آخیر میں ایک شاگرد حضرت مالک بن انس رضی اللہ عنہ نے احادیث کو باب در باب ترتیب سے لکھا اور مجموعہ حدیث موطا کے نام سے پیش کیا، ان کے علاوہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مرویات کو کتاب الآثار کے نام سے پیش کیا، اور بہت سے محدثین نیکتب حدیث تحریر فرمائیں ان میں بعض کتب یہ ہیں:

مصنف ابی سفیان، سنن ابی ولید، مصنف ابی سلمہ وغیرہ

الزہد والرقاق لابن المبارک، الآثار لابی یوسف، الآثار لمحمد بن الحسن۔

تیسری صدی ہجری میں حدیث پر بہت زیادہ کام ہوا جو کتب لکھی گئیں چند کے نام یہ ہیں:

کتاب الام للشافعی، مسند الشافعی، مسند احمد بن حنبل،

مصنف عبد الرزاق، مصنف ابن ابی شیبہ، صحیح بخاری،

صحیح مسلم، سنن ترمذی، سنن ابی داود،

سنن ابن ماجہ، سنن دارمی وغیرہا۔

اعتراض

احادیث محفوظ نہیں کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث لکھنے سے منع فرمایا ہے چنانچہ ارشاد فرمایا: ((لَا تَكْتُبُوا عَنِّي، وَمَنْ كَتَبَ عَنِّي غَيْرَ الْقُرْآنِ فَلْيَمْحُهُ وَحَدِّثُوا عَنِّي، وَلَا حَرَجَ)) ترجمہ: میری طرف سے نہ لکھو، جس نے قرآن کے علاوہ مجھ سے کچھ لکھا ہو وہ اسے مٹادے اور میری حدیث بیان کرو اس میں کچھ حرج نہیں۔

(صحیح مسلم، باب التثبت فی الحدیث وحکم الکتابۃ، ج4، ص2298، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

جواب

منکرین حدیث کا اس حدیث سے یہ استدلال کرنا حماقت اور صریح ضلالت ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کتابت حدیث سے منع فرمایا ہے حدیث بیان کرنے اور حفظ کرنے سے منع نہیں فرمایا بلکہ حدیث بیان کرنے کا حکم دیا ہے۔ اور عدم کتابت کو عدم حفاظت کی دلیل بنانا بے وقوفی ہے۔

محدثین نے اس ممانعت کے متعدد جوابات دیئے ہیں:

(1) یہ نہی نزول قرآن کے وقت کے ساتھ خاص ہے تا کہ قرآن حدیث سے ممتاز رہے کہ لوگ خلط سے کام نہ لیں۔

(فیض القدیر، ج4، ص530، مکتبۃ التجاریۃ، مصر)

(2) یہ حدیث ان احادیث سے منسوخ ہے جن میں کتابت کی اجازت دی گئی ہے کہ منع فرمانا اس وقت تھا کہ جب اس بات کا اندیشہ تھا کہ کہیں قرآن اور حدیث آپس میں مل نہ جائیں جب اس بات کا اندیشہ نہ رہا تو کتابت حدیث کی اجازت دے دی گئی۔

(الدیباج علی صحیح مسلم، ج6، ص303، دار ابن عفان، سعودی عرب)

اس حدیث پاک کے تحت علامہ یحیی بن شرف النووی (متوفی 676ھ) لکھتے ہیں:

اس حدیث پاک میں جو نہی فرمائی گئی اس کی مراد میں اختلاف ہے:

(3) ایک قول یہ ہے کہ لکھنے سے منع اس شخص کو کیا گیا جسے اپنے حافظہ پر مکمل اعتماد ہو اور لکھنے کی صورت میں ڈر ہو کہ کہیں لکھنے پر ہی اعتماد نہ کرلے اور اجازت کی احادیث اس پر محمول ہیں کہ جس کو حافظہ پر اعتماد نہ ہو اسے لکھنے کی اجازت دی جیسے فرمایا: ابو شاہ کو میری حدیث لکھ دو، حدیث صحیفہ علی، عمرو بن حزم کو فرائض، سنن اور دیات کے بارے میں

احادیث لکھ کر دیں، حدیث کتاب الصدقۃ اور زکوۃ کے نصابات جو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت انس کو بحرین کا عامل بنا کر بھیجتے وقت لکھ کر دیئے، ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا یہ فرمانا کہ عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو مجھ سے زیادہ حدیثیں یاد تھیں کہ میں لکھتا نہ تھا وہ لکھ لیا کرتے تھے۔

(4) ایک قول یہ ہے کہ جب حدیث وقرآن کے خلط ملط ہونے کا خطرہ محسوس فرمایا، حدیث لکھنے سے منع فرما دیا جب یہ خطرہ ختم ہوگیا تو حدیث لکھنے کی اجازت دے دی گئی۔

(5) ایک قول یہ ہے کہ ایک صحیفہ پر قرآن اور حدیث لکھنے سے منع فرمایا کہ کہیں قاری پر معاملہ مشتبہ نہ ہو جائے۔

(شرح النووی علی مسلم، باب التثبت فی الحدیث وحکم الکتابۃ، ج18، ص130، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

اعتراض

قرآن مکمل کتاب ہے اور اس میں ہر چیز کا بیان ہے لہٰذا قرآن کی موجودگی میں حدیث کی حاجت نہیں ہے۔

جواب

یہ اعتراض کئی وجوہ سے باطل ہے:

(1) بے شک قرآن مکمل کتاب اس میں ہر چیز کا بیان ہے مگر اس مکمل کتاب سے لینے والی، اسکی وضاحت کرنے والی کوئی کامل ہستی ہونی چاہیئے، اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارکہ ہے۔ جیسا کہ اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے: (وَ اَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكَ الذِّكْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْهِمْ وَ لَعَلَّهُمْ یَتَفَكَّرُوْنَ) ترجمہ: اور اے محبوب ہم نے تمہاری طرف یہ یادگار اتاری کہ تم لوگوں سے بیان کردو جوان کی طرف اترا اور کہیں وہ دھیان کریں۔

(پارہ14، سورہ نحل، آیت 24)

(2) حدیث کو چھوڑ کر صرف قرآن پر عمل کرنا ناممکن ہے کہ قرآن پاک میں اللہ عزوجل نے احکام شریعہ کا بیان اجمالاً فرمایا ہے لیکن انکی توضیح وتشریح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اقوال وافعال کے ساتھ فرمائی ہے۔ مثلاً اللہ عزوجل نے قرآن پاک میں متعدد مقامات پر ارشاد فرمایا: (اَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ) نماز قائم کرو اور زکوۃ ادا کرو۔ قرآن میں نماز قائم کرنے کا تو بیان ہے لیکن اس بات کا بیان کہیں نہیں ہے کہ نماز کے اوقات کیا ہیں انکی رکعات کی تعداد کتنی ہیں

ان میں پڑھنا کیا ہے؟ وغیرہ وغیرہ، اور ایسے ہی زکوۃ ادا کرنے کا حکم تو ہے لیکن اس چیز کا بیان کہیں نہیں ہے کہ کتنے مال پر، کتنی زکوۃ ادا کی جائے گی؟ قرآن پاک میں ایسی بے شمار مثالیں ہیں کہ بغیر حدیث کے ان پر عمل کرنا ناممکن ہے۔

(3) ہم قرآن وحدیث سے یہ بات ثابت کر چکے ہیں کہ حدیث کو چھوڑ کر صرف قرآن کو قابل عمل ٹھہرانا جائز نہیں کہ اللہ عزوجل نے اپنی اتباع کے ساتھ ساتھ اپنے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کا بھی حکم دیا ہے ۔اور اپنے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کو اپنی اطاعت، اور اپنے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کو اپنی نافرمانی قرار دیا ہے۔

باب نمبر 432

مَا جَاءَ فِي زَكَاةِ الْبَقَرِ

گائیوں کی زکوۃ

620- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عُبَيْدٍ الْمُحَارِبِيُّ، وَأَبُو سَعِيدٍ الأَشَجُّ، قَالاَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ السَّلاَمِ بْنُ حَرْبٍ، عَنْ خُصَيْفٍ، عَنْ أَبِي عُبَيْدَةَ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: فِي ثَلاَثِينَ مِنَ الْبَقَرِ تَبِيعٌ أَوْ تَبِيعَةٌ، وَفِي كُلِّ أَرْبَعِينَ مُسِنَّةٌ، وَفِي الْبَابِ عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ: هَكَذَا رَوَاهُ عَبْدُ السَّلاَمِ بْنُ حَرْبٍ، عَنْ خُصَيْفٍ، وَعَبْدُ السَّلاَمِ ثِقَةٌ حَافِظٌ، وَرَوَى شَرِيكٌ هَذَا الْحَدِيثَ، عَنْ خُصَيْفٍ، عَنْ أَبِي عُبَيْدَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ، وَأَبُو عُبَيْدَةَ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ لَمْ يَسْمَعْ مِنْ أَبِيهِ

حدیث: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں فرمایا: تیس گائے میں ایک سالہ بچھڑا یا بچھیا ہے اور ہر چالیس میں دوسالہ۔

اور اس باب میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے بھی روایت مروی ہیں اسی طرح عبد السلام بن حرب نے خصیف سے اس حدیث کو روایت کیا ہے اور عبد السلام ثقہ حافظ ہیں۔ اور شریک نے اس حدیث کو خصیف سے انہوں نے ابوعبیدہ سے انہوں نے اپنے والد سے انہوں نے عبداللہ سے اسے روایت کیا ہے اور ابوعبیدہ بن عبداللہ نے اپنے والد سے سماعت نہیں کی۔

621- حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلاَنَ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ قَالَ: أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ، عَنِ الأَعْمَشِ، عَنْ أَبِي وَائِلٍ، عَنْ مَسْرُوقٍ، عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ، قَالَ: بَعَثَنِي النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى الْيَمَنِ، فَأَمَرَنِي أَنْ آخُذَ مِنْ كُلِّ ثَلاَثِينَ بَقَرَةً تَبِيعًا أَوْ تَبِيعَةً، وَمِنْ كُلِّ أَرْبَعِينَ

حدیث: حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرمایا: مجھے نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یمن کی جانب بھیجا تو مجھے حکم فرمایا کہ میں ہر تیس گایوں میں ایک سالہ بچھڑا یا بچھیا بطورِ زکاۃ لوں اور چالیس میں دو سالہ اور ہر بالغ سے ایک دینار یا اس کے برابر معافری کپڑے لوں۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں: یہ حدیث حسن ہے۔ اور بعض نے اس حدیث کو سفیان سے انہوں نے اعمش سے انہوں نے ابووائل سے انہوں نے مسروق سے روایت کیا کہ"

سِنَةً، وَمِنْ كُلِّ حَالِمٍ دِينَارًا، أَوْ عِدْلَهُ مَعَافِرَ ،قال ابو عيسى: هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ .وَرَوَى بَعْضُهُمْ هَذَا الْحَدِيثَ، عَنْ سُفْيَانَ، عَنِ الأَعْمَشِ، عَنْ أَبِي وَائِلٍ، عَنْ مَسْرُوقٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ مُعَاذًا إِلَى الْيَمَنِ فَأَمَرَهُ أَنْ يَأْخُذَ ، وَهَذَا أَصَحُّ ."

بے شک نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن کی جانب بھیجا تو انہیں حکم دیا کہ وہ لیں......" اور یہ زیادہ صحیح ہے۔

622۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ قَالَ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ عَمْرِو بْنِ مُرَّةَ قَالَ :سَأَلْتُ أَبَا عُبَيْدَةَ :هَلْ تَذْكُرُ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ شَيْئًا؟ قَالَ: لَا

حدیث : عمرو بن مرۃ سے روایت ہے ، کہتے ہیں: میں نے ابوعبیدہ سے سوال کیا کہ کیا آپ کو حضرت عبد اللہ سے کوئی بات یاد ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا: نہیں۔

شرح حدیث

((ہر بالغ سے ایک دینار لوں یا اس کے برابر معافری کپڑے لوں)) یہ دینار بطورِ جزیہ کے تھا جو کہ بنی نجران کے ہر بالغ عیسائی سے لیا جاتا تھا، اور گائے کا صدقہ صرف مسلمانوں سے لیا جاتا ہے، مگر حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے جزیہ کو خبر میں شامل کیا اور ایک کو دوسرے ساتھ ترتیب سے ذکر کیا کیونکہ اہل علم کے نزدیک یہ مفہوماً ہے۔

(شرح ابی داؤد للعینی، باب فی زکوۃ السائمۃ، ج6، ص262، مکتبۃ الرشد، ریاض)

معافر سے مراد کپڑے ہیں جو کہ یمن میں پائے جاتے ہیں۔

(الاستذکار، باب جزیۃ اہل الکتاب والمجوس، ج3، ص245، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

معافر یمن کے ایک قبیلہ کا نام ہے جس کی طرف یہ کپڑے منسوب ہیں۔

(حاشیۃ السیوطی علی سنن النسائی، کتاب الزکوۃ، ج5، ص26، مکتب المطبوعات الاسلامیہ، حلب)

علامہ طیبی نے فرمایا: بالغ کی قید کے مفہوم سے معلوم ہوا کہ جزیہ صرف بالغ مرد ہی سے لیا جائے گا، علامہ ابن الہمام نے فرمایا: جزیہ نہ عورت پر ہے اور نہ ہی بچے پر، اور ایسے ہی بلا خلاف مجنون پر بھی نہیں، کیونکہ امام شافعی کے قول پر یہ ان کے قتل نہ کرنے کا بدلہ ہے یا احناف کے قول پر ان سے قتال نہ کرنے کے بدلے میں ہے اور یہ یعنی عورتیں اور بچے ایسے نہیں کہ قتال کر سکیں۔ اور جزیہ نہ ہی اندھے پر ہے اور نہ ہی مفلوج پر اور نہ ہی ایسے بوڑھے شخص پر جو قتال اور کسب کی قدرت نہ رکھتا ہو اور نہ ہی ایسے فقیر پر جو عمل کی قدرت نہ رکھتا ہو۔ (مرقاۃ المفاتیح، باب الجزیۃ، ج6، ص2606، دار الفکر، بیروت)

گائیوں پر زکوۃ کی تفصیل

تیس سے کم گائیں ہوں تو زکاۃ واجب نہیں، جب تیس (30) پوری ہوں تو ان کی زکاۃ ایک تبیع یعنی سال بھر کا بچھڑا یا تبیعہ یعنی سال بھر کی بچھیا ہے اور چالیس (40) ہوں تو ایک مسن یعنی دو سال کا بچھڑا یا مُسِنّہ یعنی دو سال کی بچھیا، انسٹھ تک یہی حکم ہے۔ پھر ساٹھ (60) میں دو تبیع یا تبیعہ پھر ہر تیس (30) میں ایک تبیع یا تبیعہ اور ہر چالیس (40) میں ایک مُسِنّ یا مُسِنّہ، مثلاً ستّر (70) میں ایک تبیع اور ایک مُسِنّ اور اسّی (80) میں دو مُسِنّ، وعلیٰ ہذا القیاس۔ اور جس جگہ تیس

(30)اور چالیس (40) دونوں ہو سکتے ہوں وہاں، اختیار ہے کہ تبیع زکاۃ میں دیں یا مُسِن، مثلاً ایک سو بیس (120) میں اختیار ہے کہ چار تبیع دیں یا تین مُسِن۔ (الدرالمختار، کتاب الزکوۃ، باب زکوۃ البقر، ج3،ص241)

گائیوں کی زکوۃ کا نقشہ

30 سے 39 تک	ایک تبیع یا تبیعہ یعنی ایک سال کا بچھڑا یا بچھیا
40 سے 59 تک	ایک مسن یا مسنہ یعنی پورے دو سال کا بچھڑا یا بچھیا
60 سے 69 تک	دو تبیع یا دو تبیعہ یعنی ایک ایک سال کے دو بچھڑے یا بچھیاں
70 سے 79 تک	ایک تبیع یا تبیعہ یعنی سال کا بچھڑا یا بچھیا اور ایک مسن یا مسنہ یعنی دو سال کا ایک بچھڑا یا بچھیا
80 سے تک 89	دو مسن یعنی دو سال کے دو بچھڑے

جانوروں کی زکوۃ کے کچھ مسائل

(1) زکاۃ میں اختیار ہے کہ بکری دے یا بکرا، جو کچھ ہو یہ ضرور ہے کہ سال بھر سے کم کا نہ ہو، اگر کم کا ہو تو قیمت کے حساب سے دیا جا سکتا ہے۔ (درمختار، کتاب الزکوۃ، باب نصاب الابل، ج3،ص243)

(2) دو نصابوں کے درمیان میں جو ہوں وہ عفو ہیں یعنی اُن کی کچھ زکاۃ نہیں، مثلاً سات آٹھ ہوں، جب بھی وہی ایک بکری ہے۔ (درمختار، کتاب الزکوۃ، باب نصاب الابل، ج3،ص238)

(3) اونٹ کی زکاۃ میں جس موقع پر ایک یا دو یا تین یا چار سال کا اونٹ کا بچہ دیا جاتا ہے تو ضرور ہے کہ وہ مادہ ہو، نر دیں تو مادہ کی قیمت کا ہو ورنہ نہیں لیا جائے گا۔ (درمختار، کتاب الزکوۃ، باب نصاب الابل، ج3،ص240)

(4) بھیڑ دُنبہ بکری میں داخل ہیں، کہ ایک سے نصاب پوری نہ ہوتی ہو تو دوسری کو ملا کر پوری کریں اور زکاۃ میں بھی ان کو دے سکتے ہیں مگر سال سے کم کے نہ ہوں۔ (درمختار، کتاب الزکوۃ، باب نصاب الابل، ج3،ص242)

(5) جانوروں میں نسب ماں سے ہوتا ہے، تو اگر ہرن اور بکری سے بچہ پیدا ہوا تو بکریوں میں شمار ہوگا اور نصاب میں اگر ایک کی کمی ہے تو اُسے ملا کر پوری کریں گے، بکرے اور ہرنی سے ہے تو نہیں۔ یوہیں نیل گائے اور بیل

سے ہے تو گائے نہیں اور نیل گائے نر اور گائے سے ہے تو گائے ہے۔

("الفتاوی الھندیۃ"، کتاب الزکاۃ، الباب الثانی فی صدقۃ السوائم، الفصل الرابع، ج1، ص178)

(6) جن جانوروں کی زکاۃ واجب ہے وہ کم سے کم سال بھر کے ہوں، اگر سب ایک سال سے کم کے بچے ہوں تو زکاۃ واجب نہیں اور اگر ایک بھی اُن میں سال بھر کا ہو تو سب اسی کے تابع ہیں، زکاۃ واجب ہو جائے گی، یعنی مثلاً بکری کے چالیس بچے سال سال بھر سے کم کے خریدے تو وقت خریداری سے ایک سال پر زکاۃ واجب نہیں کہ اس وقت قابلِ نصاب نہ تھے بلکہ اُس وقت سے سال لیا جائے گا کہ ان میں کا کوئی سال بھر کا ہو گیا۔ یو ہیں اگر اس کے پاس بقدر نصاب بکریاں تھیں اور چھ مہینے گزرنے کے بعد اُن کے چالیس بچے ہوئے پھر بکریاں جاتی رہیں، بچے باقی رہ گئے تو اب سال تمام پر یہ بچے قابلِ نصاب نہیں، لہٰذا زکاۃ واجب نہیں۔ ("الجوہرۃ النیرۃ"، کتاب الزکاۃ، باب زکاۃ الخیل، ص154)

(7) اگر اُس کے پاس اونٹ، گائیں، بکریاں سب ہیں مگر نصاب سے سب کم ہیں یا بعض، تو نصاب پوری کرنے کے لیے خلط نہ کریں گے اور زکاۃ واجب نہ ہوگی۔ ("تنویر الأبصار" و"الدر المختار"، کتاب الزکاۃ، باب زکاۃ المال، ج3، ص280)

(8) زکاۃ میں متوسط درجہ کا جانور لیا جائے گا چُن کر عمدہ نہ لیں، ہاں اُس کے پاس سب اچھے ہی ہوں تو وہی لیں اور گابھن اور وہ جانور نہ لیں جسے کھانے کے لیے فربہ کیا ہو، نہ وہ مادہ لیں جو اپنے بچے کو دودھ پلاتی ہے نہ بکرا لیا جائے۔ ("الدر المختار" و"رد المحتار"، کتاب الزکاۃ، باب زکاۃ الغنم، ج3، ص251)

(9) جس عمر کا جانور دینا واجب آیا وہ اس کے پاس نہیں اور اس سے بڑھ کر موجود ہے تو وہ دے دے اور جو زیادتی ہو واپس لے، مگر صدقہ وصول کرنے والے پر لے لینا واجب نہیں اگر نہ لے اور اُس جانور کو طلب کرے جو واجب آیا یا اس کی قیمت تو اُسے اس کا اختیار ہے جس عمر کا جانور واجب ہوا وہ نہیں ہے اور اس سے کم عمر کا ہے تو وہی دیدے اور جو کمی پڑے اُس کی قیمت دے یا واجب کی قیمت دیدے دونوں طرح کر سکتا ہے۔

("الفتاوی الھندیۃ"، کتاب الزکاۃ، الباب الثانی فی صدقۃ السوائم، الفصل الثانی، ج1، ص177)

(10) بھینس گائے کے حکم میں ہے اور اگر گائے بھینس دونوں ہوں تو زکاۃ میں ملا دی جائیں گی، مثلاً بیس گائے ہیں اور دس بھینسیں تو زکاۃ واجب ہو گئی اور زکاۃ میں اس کا بچہ لیا جائے جو زیادہ ہو یعنی گائیں زیادہ ہوں تو گائے کا

بچہ اور بھینسیں زیادہ ہوں تو بھینس کا اور اگر کوئی زیادہ نہ ہو تو زکاۃ میں وہ لیں جو اعلیٰ سے کم ہو اور ادنیٰ سے اچھا۔

("الفتاوی الھندیۃ"، کتاب الزکاۃ، الباب الثانی فی صدقۃ السوائم، الفصل الثالث، ج1، ص178)

(11) گائے بھینس کی زکاۃ میں اختیار ہے کہ نر لیا جائے یا مادہ، مگر افضل یہ ہے کہ گائیں زیادہ ہوں تو بچھیا اور نر زیادہ ہوں تو بچھڑا۔

("الفتاوی الھندیۃ"، کتاب الزکاۃ، الباب الثانی فی صدقۃ السوائم، الفصل الثالث، ج1، ص178)

باب نمبر 433

مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ أَخْذِ خِيَارِ الْمَالِ فِي الصَّدَقَةِ

زکاۃ میں عمدہ مال لینا مکروہ ہے

623-حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ قَالَ: حَدَّثَنَا وَكِيعٌ قَالَ: حَدَّثَنَا زَكَرِيَّا بْنُ إِسْحَاقَ الْمَكِّيُّ قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ صَيْفِيٍّ، عَنْ أَبِي مَعْبَدٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ مُعَاذًا إِلَى الْيَمَنِ فَقَالَ لَهُ: إِنَّكَ تَأْتِي قَوْمًا أَهْلَ كِتَابٍ، فَادْعُهُمْ إِلَى شَهَادَةِ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، وَأَنِّي رَسُولُ اللَّهِ، فَإِنْ هُمْ أَطَاعُوا لِذَلِكَ، فَأَعْلِمْهُمْ أَنَّ اللَّهَ افْتَرَضَ عَلَيْهِمْ خَمْسَ صَلَوَاتٍ فِي الْيَوْمِ وَاللَّيْلَةِ، فَإِنْ هُمْ أَطَاعُوا لِذَلِكَ، فَأَعْلِمْهُمْ أَنَّ اللَّهَ افْتَرَضَ عَلَيْهِمْ صَدَقَةَ أَمْوَالِهِمْ تُؤْخَذُ مِنْ أَغْنِيَائِهِمْ وَتُرَدُّ عَلَى فُقَرَائِهِمْ، فَإِنْ هُمْ أَطَاعُوا لِذَلِكَ، فَإِيَّاكَ وَكَرَائِمَ أَمْوَالِهِمْ، وَاتَّقِ دَعْوَةَ الْمَظْلُومِ، فَإِنَّهَا لَيْسَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ اللَّهِ حِجَابٌ، وَفِي الْبَابِ عَنِ الصُّنَابِحِيِّ، قَالَ ابوعيسى: حَدِيثُ ابْنِ عَبَّاسٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ، وَأَبُو مَعْبَدٍ مَوْلَى ابْنِ عَبَّاسٍ: اسْمُهُ

حدیث: حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن کی جانب بھیجا تو انہیں ارشاد فرمایا: تم اہلِ کتاب قوم کی جانب جار ہے ہو تو انہیں اس بات کی گواہی کی جانب بلانا کہ اللہ عزوجل کے سوا کوئی معبود نہیں اور بے شک میں اللہ عزوجل کا رسول ہوں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تو اگر وہ اس بات میں اطاعت کریں تو انہیں بتاؤ کہ بے شک اللہ عزوجل نے ان پر دن اور رات میں پانچ نمازیں فرض فرمائی ہیں تو اگر وہ اس بات کو مانیں تو انہیں بتاؤ کہ بے شک اللہ عزوجل نے ان پر ان کے مالوں کی زکاۃ لازم فرمائی ہے جو ان کے اغنیاء سے لے کر ان کے فقرا کو دی جائے گی تو اگر وہ مان لیں تو ان کے عمدہ اموال سے بچو اور مظلوم کی بددعا سے بچو کہ بے شک اس کے اور اللہ عزوجل کے درمیان کوئی حجاب نہیں ہوتا۔

اور اس باب میں حضرت صنابحی رضی اللہ عنہ سے بھی روایت مروی ہے۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں: حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث حسن صحیح ہے اور ابو معبد حضرت عبد

نَافِذٌ

اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے غلام ہیں اور ان کا نام نافذ ہے۔

فوائد حدیث

علامہ نووی شافعی اور علامہ عینی حنفی فرماتے ہیں:

اس حدیث پاک سے درج ذیل فوائد مستفاد ہوتے ہیں:

(1) خبر واحد کو قبول کیا جائے گا اور اس پر عمل کرنا واجب ہے۔

(2) کفار کو قتال سے پہلے توحید کی طرف بلایا جائے گا۔ (اگر ابھی تک اُن تک اسلام کی دعوت نہیں پہنچی تو یہ بلانا واجب ہوگا اور اگر اُن تک پہلے سے اسلام کی دعوت پہنچ چکی ہے تو پھر یہ واجب نہیں ہوگا کیونکہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بنی مصطلق کو للکارا جبکہ وہ غافل تھے، مرقاۃ المفاتیح)۔

(3) کسی کافر کے اسلام کا حکم اس وقت تک نہیں لگایا جائے گا جب تک وہ شہادتین نہ کہہ لے اور یہ اہل سنت کا مذہب ہے جیسا کہ ہم نے کتاب الایمان کے اول میں اسے بیان کیا ہے۔

(4) ہر دن رات میں پانچ نمازیں فرض ہیں۔

(5) ظلم کرنے کی حرمت بہت بڑی ہے۔

(6) امام اپنے مقرر کردہ والیوں کو نصیحت کرے، انہیں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا امر کرے، اور انہیں ظلم سے منع کرنے میں مبالغہ کرے۔

(7) صدقہ لینے والے پر حرام ہے کہ وہ زکوۃ کی مد میں لوگوں کے عمدہ مال لے، بلکہ اسے چاہیے کہ درمیانے درجے کے اموال لے۔

(8) اور مال والے پر حرام ہے کہ وہ گھٹیا مال دے۔

(9) کافر کو زکوۃ نہیں دی جائے گی اور اسی طرح زکوۃ غنی کو نہیں دی جائے گی۔

(10) اس حدیث پاک سے علامہ خطابی اور ہمارے باقی اصحاب نے یہ استدلال کیا ہے کہ زکوۃ مال والے شہر سے نقل کرنا جائز نہیں کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ان کے فقرا کو دی جائے گی اور یہ استدلال ظاہر وواضح

نہیں، کیونکہ "فقرائہم" میں موجود ضمیر فقراء مسلمین اور اس شہر کے فقرا کے درمیان محتمل ہے۔

(11) بعض نے اس حدیث پاک سے یہ استدلال کیا کہ کفار شریعت کے فروعات یعنی نماز، روزہ اور زکوۃ وغیرہ کے مکلّف نہیں کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر وہ تمہاری اطاعت کریں تو انہیں بتاؤ کہ تم پر یہ یہ چیزیں فرض ہیں، یہ چیز اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اگر وہ اطاعت نہ کریں تو ان پر یہ چیزیں یعنی نماز روزہ فرض نہیں..... یہ استدلال ضعیف ہے کیونکہ اس سے مراد یہ ہے کہ انہیں بتا دیا جائے کہ دنیا میں ان سے نماز وغیرہ کا مطالبہ کیا جائے گا اور دنیا میں مطالبہ اسلام لانے کے بعد ہوتا ہے، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ ان چیزوں کے مخاطب نہیں اور ان کے سبب سے آخرت میں ان کے ترک کی وجہ سے عذاب زیادہ نہیں کیا جائے گا...... اور کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلمنے ان چیزوں کو اسلام کی طرف بلانے پر مرتب فرمایا اور اہم فالاہم سے ابتدا فرمائی، کیا تم نہیں دیکھتے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے زکوۃ سے پہلے نماز کا ذکر کیا، اس بات کا کوئی قائل نہیں کہ وہ پہلے صرف نماز کا مکلّف ہے، جب اس پر ایمان لائے گا تو پھر زکوۃ کا مکلّف بنے گا، واللہ تعالیٰ اعلم۔

پھر جان لو کہ مختار قول یہ ہے کہ کفار شریعت کے فروع کے مکلّف ہیں چاہے وہ مامورات ہوں یا منہیات، یہ قول محققین اور اکثرین کا ہے، اور ایک ضعیف قول یہ ہے کہ وہ مامورات اور منہیات کے مخاطب نہیں ہیں اور ایک ضعیف قول یہ ہے کہ وہ منہیات کے مخاطب ہین اور مامورات کے مخاطب نہیں، واللہ تعالیٰ اعلم۔

(شرح النووی علی مسلم، باب الدعاء الی الشہادتین الخ، ج 1، ص 197, 198، داراحیاء التراث العربی، بیروت☆ شرح ابی داؤد للعینی، باب فی زکوۃ السائمۃ، ج 6، ص 278، مکتبۃ الرشد، ر)

علامہ بدرالدین عینی مزید لکھتے ہیں:

(12) "علامہ نووی نے اس حدیث پاک سے یہ بھی استدلال کیا ہے کہ وتر واجب نہیں، کیونکہ حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یمن جانا نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وفات سے تھوڑا عرصہ قبل تھا اور اس میں وتر کا ذکر نہیں۔

(علامہ عینی فرماتے ہیں) میں یہ کہتا ہوں کہ ہمیں یہ بات تسلیم نہیں کہ اس میں عدم وجوبِ وتر کی دلیل موجود ہے کیونکہ اس حدیث پاک میں تمام فرائض وواجبات کا احاطہ نہیں کیا گیا کیونکہ اس میں تو فرض روزوں کا بھی ذکر نہیں، اسی لیے شیخ ابوعمرو بن الصلاح نے کہا کہ جو حدیث معاذ میں بعض فرائض کا ذکر ہے اور بعض کا نہیں تو یہ راوی کی خطا

ہے، ہوسکتا ہے اس میں وتر کا ذکر موجود ہو اور راوی نے اختصار کے پیش نظر اسے ترک کیا ہو جیسا کہ دیگر کو ترک کیا ہے۔

(شرح ابی داؤد للعینی، باب فی زکوۃ السائمۃ، ج6،ص279،مکتبۃ الرشد، ریاض)

(13) پھر ظاہر حدیث اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اگر مالِ زکوۃ کے مصارفِ زکوۃ کی ایک صنف کو بھی ادا کیا گیا تو جائز ہے جیسا کہ احناف کا مؤقف ہے۔ بلکہ زکوۃ دینے والے کو اجازت ہے وہ ایک فرد کو بھی تمام زکوۃ دے سکتا ہے، حدیث پاک میں جو جمع کا ذکر ہے تو وہ اس پر محمول ہے کہ یہ جمع کے مقابلہ میں جمع آیا ہے۔

(مرقاۃ المفاتیح، کتاب الزکوۃ، ج4،ص1261، دار الفکر، بیروت)

زکوۃ میں عمدہ مال لینے کے بارے میں مذاہب ائمہ

احناف، مالکیہ، شوافع اور حنابلہ سب کے نزدیک یہی ہے کہ زکوۃ میں متوسط درجہ کا جانور لیا جائے گا، سب سے عمدہ اور سب سے کمتر نہ لیا جائے گا۔

احناف کا مؤقف

فتاوی ہندیہ میں ہے:

زکاۃ میں متوسط درجہ کا جانور لیا جائے گا چُن کر عمدہ نہ لیں، ہاں اُس کے پاس سب اچھے ہی ہوں تو وہی لیں اور گابھن اور وہ جانور نہ لیں جسے کھانے کے لیے فربہ کیا ہو، نہ وہ مادہ لیں جو اپنے بچے کو دودھ پلاتی ہے نہ بکرا لیا جائے۔

(فتاوی ہندیہ، کتاب الزکوۃ، الباب الثانی فی صدقۃ السوائم، الفصل الثانی، ج1،ص177، دار الفکر، بیروت)

حنابلہ کا مؤقف

علامہ عبد الرحمٰن بن ابراہیم مقدسی حنبلی (متوفی 624ھ) فرماتے ہیں:

"(زکوۃ میں نہ ہی کمتر مال وصول کیا جائے گا اور نہ ہی عمدہ مال لیا جائے گا) کیونکہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((اِیَّاكَ وَکَرَائِمَ أَمْوَالِهِمْ)) لوگوں کے عمدہ مال لینے سے بچو۔ امام زہری فرماتے ہیں کہ جب صدقہ وصول کرنے والا آئے تو بکریوں کے تین حصے کرلے: ایک حصہ عمدہ بکریوں پر مشتمل ہو، دوسرا حصہ کمتر بکریوں پر مشتمل ہو اور تیسرا حصہ متوسط یعنی درمیانی بکریوں پر مشتمل ہو اور پھر صدقہ لینے والا درمیانی بکریوں والے حصہ سے لے۔

(العدۃ شرح العمدۃ، باب زکوۃ السائمۃ، ج1،ص140، دار الحدیث، القاہرہ)

شوافع کا موقف

علامہ ابراہیم بن علی بن یوسف شیرازی شافعی فرماتے ہیں:

زکوۃ میں ربی وصول نہ لیا جائے گا اور ربی سے مراد وہ جانور ہے جس نے بچہ جنا ہو اور اس کے ساتھ بچہ ہو اور ماخض بھی نہیں لیا جائے گا اور ماخض حاملہ جانور کو کہتے ہیں، اور نہ ہی وہ مادہ جانور لیا جائے گا جس سے نر نے جفتی کی ہو کیونکہ نر جس سے جفتی کرتا ہے وہ مادہ عام طور پر حاملہ ہو جاتا ہے، اور سمینہ یعنی فربہ جانور جو کہ کھانے کے لیے تیار کیا گیا ہو نہیں لیا جائے گا اور نہ وہ بکرا لیا جائے گا جو کہ جفتی کے لیے ہو اور نہ ہی مال کا عمدہ حصہ لیا جائے گا..... کیونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یمن کی طرف بھیجا تو ان سے فرمایا: ((إياك وكرائم أموالهم واتق دعوة المظلوم)) ترجمہ: لوگوں کے عمدہ مال سے بچنا اور مظلوم کی بد عا سے ڈرنا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے اپنے عامل سفیان سے فرمایا: ((قل لقومك إنا ندع لكم الربى والماخض وذات اللحم وفحل الغنم ونأخذ الجذع والثني وذلك وسط بيننا وبينكم في المال)) ترجمہ: تم اپنی قوم سے کہو کہ ہم تمہارے لیے ربی، ماخض، گوشت والا جانور، بکرا چھوڑ دیں گے اور ہم جزع اور ثنی لیں گے اور یہ متوسط مال ہوگا ہمارے اور تمہارے درمیان۔

اور عمدہ مال اس لیے نہیں لیا جائے گا کہ زکوۃ نرمی کے طور پر واجب ہوئی، پس اگر ہم عمدہ مال لے لیں گے تو یہ رفق اور نرمی سے نکل جائے گی۔

پس اگر صاحبِ مال خود ہی عمدہ مال نکالنے پر راضی ہو جائے تو اس سے قبول کر لیا جائے گا۔

(المہذب فی فقہ الامام الشافعی، باب صدقۃ الغنم، ج1، ص277، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

مالکیہ کا موقف

علامہ خلیل بن اسحاق مصری مالکی (776ھ) فرماتے ہیں:

"لوگوں کے عمدہ اموال زکوۃ میں نہیں لیے جائیں گے جیسا کہ فربہ جانور، جفتی کے لیے تیار نر جانور، رُبّٰی یعنی

بچے والا جانور اور دودھ والا جانور۔اسی طرح گھٹیا اموال وصول نہیں کیے جائیں گے جیسا کہ سخلہ یعنی کمزور جانور... .. کیونکہ موطا میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلمسے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلمنے لوگوں کے عمدہ اور بہترین مال زکوۃ میں لینے سے منع فرمایا۔" (التوضیح فی شرح مختصر ابن الحاجب، زکوۃ الغنم والبقر، ج2،ص281،مرکز نجیبویہ للمخطوطات وخدمۃ التراث)

علامہ عبدالوہاب بن علی بغدادی مالکی (متوفی 422ھ) فرماتے ہیں:

"زکوۃ میں نہ عمدہ مال لیں گے اور نہ گھٹیا مال لیں گے کیونکہ زکوۃ کی وضع اصحاب مال اور فقرا کے درمیان عدل پر رکھی گئی ہے، اصحاب مال کا خیال کرتے ہوئے عمدہ مال نہیں لیں گے اور فقرا کا خیال کرتے ہوئے گھٹیا مال نہیں لیں گے بلکہ متوسط اور درمیانہ مال لیں گے۔" (الاشراف علی نکت مسائل الخلاف ملخصاً، زکوۃ الانعام، ج1،ص378،مطبوعہ دار ابن حزم)

باب نمبر 434

مَا جَاءَ فِي صَدَقَةِ الزَّرْعِ وَالتَّمْرِ وَالحُبُوبِ

کھیتی، کھجور اور غلہ کی زکاۃ

624۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ العَزِيزِ بْنُ مُحَمَّدٍ، عَنْ عَمْرِو بْنِ يَحْيَى المَازِنِيِّ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الخُدْرِيِّ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَيْسَ فِيمَا دُونَ خَمْسِ ذَوْدٍ صَدَقَةٌ، وَلَيْسَ فِيمَا دُونَ خَمْسِ أَوَاقٍ صَدَقَةٌ، وَلَيْسَ فِيمَا دُونَ خَمْسَةِ أَوْسُقٍ صَدَقَةٌ. وَفِي البَابِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، وَابْنِ عُمَرَ، وَجَابِرٍ، وَعَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو.

حدیث: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بے شک نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: پانچ اونٹوں سے کم میں زکاۃ نہیں ہے اور پانچ اوقیہ سے کم میں زکاۃ نہیں اور اور پانچ وسق سے کم میں زکاۃ نہیں ہے۔

اور اس باب میں حضرت ابو ہریرہ، حضرت عبد اللہ بن عمر، حضرت جابر اور حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہم سے بھی روایات مروی ہیں۔

625۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ مَهْدِيٍّ قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، وَشُعْبَةُ، وَمَالِكُ بْنُ أَنَسٍ، عَنْ عَمْرِو بْنِ يَحْيَى، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الخُدْرِيِّ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَ حَدِيثِ عَبْدِ العَزِيزِ، عَنْ عَمْرِو بْنِ يَحْيَى. قَالَ ابوعيسى: حَدِيثُ أَبِي سَعِيدٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ، وَقَدْ رُوِيَ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ عَنْهُ، وَالعَمَلُ عَلَى هَذَا عِنْدَ أَهْلِ العِلْمِ: أَنْ لَيْسَ فِيمَا دُونَ

حدیث: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے عبد العزیز کی عمرو بن یحییٰ سے روایت کردہ حدیث کی طرح حدیث روایت کی۔

امام ابو عیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ کی حدیث حسن صحیح ہے۔ اور ان سے بہت طرق سے مروی ہے اور اسی پر اہلِ علم کے ہاں عمل ہے کہ پانچ وسق سے کم میں زکاۃ نہیں اور ''وسق'' ساٹھ صاع کو کہتے ہیں اور پانچ وسق تین سو صاع ہیں اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا صاع پانچ رطل اور ایک ثلث کا تھا اور اہلِ کوفہ کا صاع آٹھ رطل کا ہے۔ اور پانچ اوقیہ سے کم میں زکاۃ نہیں اور ''اوقیہ

خَمْسَةِ أَوْسُقٍ صَدَقَةٌ، وَالوَسْقُ :سِتُّونَ صَاعًا، وَخَمْسَةُ أَوْسُقٍ :ثَلَاثُ مِائَةِ صَاعٍ، وَصَاعُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: خَمْسَةُ أَرْطَالٍ وَثُلُثٌ، وَصَاعُ أَهْلِ الكُوفَةِ :ثَمَانِيَةُ أَرْطَالٍ، وَلَيْسَ فِيمَا دُونَ خَمْسِ أَوَاقٍ صَدَقَةٌ، وَالأُوقِيَّةُ: أَرْبَعُونَ دِرْهَمًا، وَخَمْسُ أَوَاقٍ :مِائَتَا دِرْهَمٍ، وَلَيْسَ فِيمَا دُونَ خَمْسِ ذَوْدٍ صَدَقَةٌ، يَعْنِي: لَيْسَ فِيمَا دُونَ خَمْسٍ مِنَ الإِبِلِ، فَإِذَا بَلَغَتْ خَمْسًا وَعِشْرِينَ مِنَ الإِبِلِ فَفِيهَا بِنْتُ مَخَاضٍ، وَفِيمَا دُونَ خَمْسٍ وَعِشْرِينَ مِنَ الإِبِلِ فِي كُلِّ خَمْسٍ مِنَ الإِبِلِ شَاةٌ

"چالیس درہم کو کہتے ہیں اور پانچ اوقیہ دو سو درہم ہوئے اور پانچ اونٹوں سے کم میں صدقہ نہیں تو جب وہ پچیس تک پہنچ جائیں تو ان میں ایک سالہ ایک اونٹنی لازم ہے اور پچیس سے کم ہر پانچ اونٹوں میں ایک بکری لازم ہے۔

شرح حدیث

علامہ محمود بدرالدین عینی حنفی فرماتے ہیں:

اس حدیث پاک میں تین چیزوں کا بیان ہے:

(1) ایک اس میں اونٹوں کی اُس کم از کم مقدار کا بیان ہے جس میں زکوۃ واجب ہوتی ہے، اس میں بیان کیا گیا کہ پانچ سے کم اونٹوں میں زکوۃ نہیں، پس جب ان کی تعداد پانچ ہو جائے اوران پر سال گزر جائے تو ان میں ایک بکری واجب ہوگی، یہ اجماعی مسئلہ ہے اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔

(2) دوسرا اس میں چاندی کے نصاب کا بیان ہے کہ وہ پانچ اواق ہے اور یہ دوسو درہم بنتے ہیں کیونکہ ہر اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے، چاندی کے اس نصاب پر حدیث کی نص اور اجماع ہے۔ جبکہ سونے کا نصاب بیس مثقال ہے، اس میں اعتماد اجماع پر ہے، البتہ امام حسن بصری اور امام زہری سے ایک روایت یہ ہے کہ چار مثقال سے کم میں واجب نہیں، اور ان دونوں سے بھی اشہر روایت یہی ہے کہ بیس مثقال میں زکوۃ واجب ہے جیسا کہ جمہور کا قول ہے ....

(3) تیسرا اس میں زراعت اور پھلوں کی زکوۃ کا بیان ہے، اس حدیث پاک سے امام شافعی، امام ابو یوسف اور امام محمد استدلال کرتے ہیں کہ جو زمین اُگائے وہ جب پانچ وسق تک پہنچے تب اس میں زکوۃ یعنی عشر واجب ہوگا، اور امام ابوحنیفہ نے فرمایا: زمین جو نکالے وہ قلیل ہو یا کثیر اس پر زکوۃ یعنی عشر ہے۔

علامہ نووی نے فرمایا: اس حدیث پاک میں دو فائدے ہیں: ایک یہ زکوۃ کا وجوب ان مقداروں میں ہے، دوسرا یہ کہ ان مقداروں سے کم میں زکوۃ نہیں، پہلی دو یعنی اونٹوں اور چاندی میں تو مسلمانوں میں کوئی اختلاف نہیں جبکہ زراعت میں امام ابوحنیفہ اور بعض اسلاف نے فرمایا کہ زمین کی پیداوار قلیل ہو یا کثیر ہو اس میں زکوۃ واجب ہے، یہ مذہب باطل ہے اور احادیث صحیحہ کے صریح خلاف ہے، اھ۔

ہم یہ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ بات تسلیم نہیں کہ یہ مذہب باطل ہے، بلکہ اس پر باطل کا اطلاق کرنا باطل ہے اور ب

کیسے احادیث صحیحہ کے صریح خلاف ہے جبکہ امام ابوحنیفہ نے درج ذیل احادیث سے استدلال کیا ہے:

(۱) حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((فِیمَا سَقَتِ السَّمَاءُ وَالعُیُونُ أَوْ کَانَ عَثَرِیًّا العُشْرُ، وَمَا سُقِیَ بِالنَّضْحِ نِصْفُ العُشْرِ)) ترجمہ: جسے آسمان اور چشمے سیراب کریں یا جو بارش کے جمع شدہ پانی سے خود بخود سیراب ہو تو اس میں عشر ہے، اور جسے ڈول رسی یا اونٹ کے ذریعے سیراب کیا جائے تو اس میں نصف عشر ہے۔ اسے امام بخاری نے روایت کیا ہے۔

(صحیح بخاری، باب العشر فیما یسقی من ماء السماء الخ، ج2، ص126، مطبوعہ دار طوق النجاۃ)

(۲) حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((فِیمَا سَقَتِ الْأَنْهَارُ وَالْغَیْمُ الْعُشُورُ، وَفِیمَا سُقِیَ بِالسَّانِیَةِ نِصْفُ الْعُشْرِ)) ترجمہ: جسے نہریں اور بادل سیراب کریں اس میں عشر ہے اور جسے رہٹ یا اونٹنی سے سیراب کیا جائے تو اس میں نصف عشر ہے۔ اسے امام مسلم نے روایت کیا ہے۔

(صحیح مسلم، باب ما فیہ العشر او نصف العشر، ج2، ص675، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

(۳) حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں: ((بَعَثَنِی رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى الْیَمَنِ، وَأَمَرَنِی أَنْ آخُذَ مِمَّا سَقَتِ السَّمَاءُ، وَمَا سُقِیَ بَعْلًا، الْعُشْرَ، وَمَا سُقِیَ بِالدَّوَالِی نِصْفَ الْعُشْرِ)) ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھے یمن کی طرف بھیجا اور مجھے یہ حکم دیا کہ میں اس زمین میں سے عشر لوں کہ جسے آسمان نے سیراب کیا ہو یا جسے نہر کے ذریعہ سیراب کیا گیا ہو، اور اس زمین سے نصف عشر لوں جسے ڈولوں کے ذریعہ سیراب کیا گیا ہو۔ اسے امام ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔

(سنن ابن ماجہ، باب صدقۃ الزروع والثمار، ج1، ص581، دار احیاء الکتب العربیہ، بیروت)

یہ تمام احادیث مطلق ہیں، ان میں کسی قسم کی تفصیل نہیں۔

اور اس فرمان کہ "پانچ وسق سے کم میں صدقہ نہیں" کے جوابات درج ذیل ہیں:

(۱) یہاں مال تجارت کی زکوۃ مراد ہے کیونکہ وہ لوگ اوساق کے ذریعہ خرید فروخت کرتے تھے اور اس وقت ایک وسق کی قیمت چالیس درہم ہوتی تھی۔

(۲)اور ہمارے بعض اصحاب نے اسے منسوخ قرار دیا ہے، اوران کی دلیل ایک قاعدہ ہے جسے سغناقی نے فوائد ظہیریہ سے نقل کیا ہے، وہ یہ قاعدہ یہ ہے کہ جب دواحادیث وارد ہوں اوران میں سے ایک عام ہواوردوسری خاص ہو، پس اگر عام کی خاص پر تقدیم معلوم ہوتو عام کی خاص کے ساتھ تخصیص کردی جائے گی جیسا کہ کوئی شخص اپنے غلام سے کہے کہ کسی کوکوئی چیز نہیں دینی، پھر کہے کہ زید کوایک درہم دے دو، پھر اسے کہے کہ کسی کوکوئی چیز نہیں دینی، پس یہ اول کے لیے ناسخ ہوگا، یہ عیسیٰ بن ابان کا مذہب ہے اور یہی ماخوذ بہ ہے، محمد بن شجاع بلخی نے کہا کہ یہ اس وقت ہے جب تاریخ کا علم ہو، اوراگر تاریخ کا علم نہ ہوتو عام کو بعد والا شمار کیا جائے گا کیونکہ اس میں احتیاط ہے، اور یہ یہاں تاریخ معلوم نہیں تو عام کواحتیاطًا بعد میں ہونا شمار کرلیا، اوراس کی تائید درج ذیل آثار سے بھی ہوتی ہے:

(۱) مصنف عبدالرزاق میں ہے:((معمر، عن سماك بن الفضل، عن عمر بن عبد العزيز، قال:فيما أنبتت الأرض من قليل أو كثير العشر)) ترجمہ:حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں: جسے زمین اُگائے قلیل ہو یا کثیر اس میں عشر ہے۔

(۲) اسی طرح حافظ عبدالرزاق نے حضرت مجاہد اور حضرت ابراہیم نخعی سے بھی اسی طرح کی روایت تخریج کی ہے۔

(۳) اوراسی طرح کی روایت امام ابن شیبہ نے بھی حضرت عمر بن عبدالعزیز، حضرت مجاہد اور حضرت ابراہیم نخعی سے نقل کی ہے۔ (شرح ابی داؤد للعینی ملخصا، باب ماتجب فیہ الزکوۃ، ج6،ص210 تا215،مکتبۃ الرشد،ریاض)

زمین کن صورتوں میں عشری ہوتی ہے اور کن صورتوں میں خراجی

زمین بہت سی صورتوں میں عشری ہوتی ہے مثلاً

(1) زمین مفتوحہ اور مسلمانوں میں تقسیم شدہ ہے۔

(2) وہاں کے باشندوں نے مسلمانوں کے غلبہ سے پہلے پہلے خوشی سے اسلام قبول کرلیا۔

(3) زمین عشری تھی اسے کسی ذمّی نے مسلمان سے خرید لیا پھر کسی مسلمان نے بذریعہ شفعہ حاصل کرلی۔

(4) یا فساد بیع کی وجہ سے۔

(5) یا خیارِ شرط

(6) یا خیارِ رویت ہر حال میں

(7) یا عیب کی صورت میں قاضی کی قضا سے وُہ زمین بیچنے والے مسلمان کی طرف واپس لوٹ آئی ہے۔

(8) جو مسلمان نے آباد کی ہو عشری زمین کے قریب۔

(9) یا اس زمین کا قرب خراجی اور عشری زمین کے مساوی ہے امام ابو یوسف کے مفتی بہ قول کے مطابق، اور اسے صرف عشری پانی یا عشری اور خراجی دونوں پانی سیراب کرتے ہوں طرفین کے قول کے مطابق۔

(10,11) اور دار کی زمین کو باغ یا زرعی بنانا، آباد بنانے کی طرح ہے۔

اور بہت سی صورتوں میں زمین خراجی ہوتی ہے:

(1) زمین فتح کر لی گئی مگر اس کے باشندوں کو ہی بطورِ حسن سلوک واپس کر دی گئی (2) ایسی زمیں کی طرف دوسرے کفار کی منتقلی کی گئی ہو۔

(3) وُہ زمین بطور صلح فتح کی گئی ہو۔

(4) زمین عشری تھی مگر کسی ذمّی نے مسلمان سے خرید لی۔

(5) ایسی زمین خراجی جسے کسی مسلمان نے خرید لیا۔

(6) ایسی زمین جسے اذنِ امام سے کسی ذمی نے آباد کیا۔

(7) جو زمین ذمّی کو بطور عطیہ دے دی گئی۔

(8) کسی مسلمان نے اس زمین کو خراجی زمین کے قریب آباد کیا یا اسے دونوں قولوں کے مطابق محض خراجی پانی سے سیراب کیا۔

(9) اسی کی مثل مسئلۂ دار ہے مسلمان اور ذمی کے حق میں کہ ذمی کیلئے خراجی ہے۔

بعض اوقات زمین نہ شرعی ہوتی ہے اور نہ ہی خراجی، مثلاً

(1) ہم نے زمین فتح کی اور تا قیامت اسے مسلمانوں کے لیے وقف رکھا۔

(2) یا اس زمین کے مالک فوت ہوگئے اور وُہ زمین بیت المال کی طرف لوٹ آئی، اس میں نزاع ہے۔

(فتاوی رضویہ، ج10 ص204,205، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

ہندوستان کی زمینیں کس قسم میں آتی ہیں؟

ہندوستان میں مسلمانوں کی زمینیں خراجی نہ سمجھی جائیں گی جب تک کسی خاص زمین کی نسبت خراجی ہونا دلیل شرعی سے ثابت نہ ہو۔ بلکہ وہ عشری ہیں یا نہ عشری نہ خراجی، اور دونوں صورتوں میں ان کا وظیفہ (مقرر شدہ زکوۃ کی ادائیگی) عشر ہے۔

(فتاوی رضویہ، ج10 ص213، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

خراج کتنا دینا پڑے گا

خراج دو قسم ہے:

(1) خراج مقاسمہ یعنی کہ پیداوار کا نصف یا ثلث (تیسرا حصہ) یا ربع (چوتھا حصہ) یا خمس (پانچواں حصہ) مقرر ہو۔

(2) اور خراج موظف کہ ایک مقدار معین ذمے پر لازم کردی جائے خواہ روپیہ، مثلاً سالانہ دو روپے بیگھ اور کچھ جیسے امیر المومنین عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے غلّے کی ہر جریب پر ایک صاع غلّہ اور ایک درہم مقرر فرمایا۔

ظاہر یہ ہے کہ ان بلاد کا خراج موظف ہی تھا، بیت المال میں روپیہ ہی لیا جاتا نہ کہ غلّہ، میوہ، ترکاری وغیرہ۔

بلکہ مدتوں سے عامہ بلاد میں سلاطین کا یہی داب (طریقہ) معلوم ہوتا ہے۔

تو ظاہراً یہاں کا خراج موظف ہی سمجھنا چاہئے مگر جس زمین کی نسبت ثابت ہو کہ زمان سلطنتِ اسلام میں اُس پر خراج مقاسمہ تھا۔

خراج موظف بالاتفاق مالک زمین پر ہے اور خراج مقاسمہ صاحبین کے نزدیک مزارع پر امام کے نزدیک زمیندار پر۔

(لہذا) اگر مقدار معلوم ہو کہ زمانہ اسلام میں کیا مقرر تھا، جب تو ظاہر ہے کہ اُسی قدر دیں دو شرط سے:

اوّلاً: خراج موظف میں جہاں جہاں مقدار مقرر فرمودہ امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ منقول ہے

وہاں اس پر زیادت نہ ہو کہ مذہب صحیح میں اس پر اضافہ کسی سلطان کو نہیں پہنچتا، زائد ہو تو زیادت نہ دیں، اور جہاں کوئی مقدار امیر المومنین سے منقول نہیں وہاں اور خراج مقاسمہ میں نصف سے زیادت نہ ہو کہ خلافِ انصاف ہے، زائد ہو تو نصف ہی دیں۔

ثانیاً: اُتنے کی ادا اس زمین سے اب بھی ممکن ہو ورنہ بلحاظِ طاقت دیں۔

اور اگر معلوم نہ ہو کہ سلطنت اسلام میں کیا معین تھا تو ظاہر اُخراج مقاسمۃ وخراج موظف غیر مقرر امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں نصف اور مقرراتِ امیر المومنین میں اُسی کا لحاظ رکھیں، غرض ہر جگہ پوری مقدار دیں جس سے زیادت جائز نہ تھی۔

وظیفۂ مقررۂ فاروقیہ فی جریب سالانہ یہ ہے ہر قسم غلّے پر اُسی سے ایک صاع اور ایک درہم اور کہ طاب یعنی خربوزے تربوز کی پالیزوں، کھیرے ککڑی بینگن وامثالہا کی باڑیوں پر پانچ درہم انگور وخرما کے گھنے باغوں پر، جن کے اندر زراعت نہ ہو سکے، کھیرے ککڑی بینگن وامثالہا کی باڑیوں پر پانچ درہم انگور وخرما کے گھنے باغوں پر، جن کے اندر زراعت ہو سکے۔

دس درہم ان کے ماوراء میں وہی تقدیر طاقت ہے جس کی انتہا نصف تک، پھر ان اقسام میں حیثیت زمین وقدرت کا اعتبار ہے جو زمین جس چیز کے بونے کی لیاقت رکھتی ہو اور یہ شخص اس پر قادر ہو اُس کے اعتبار سے خراج ادا کرے مثلاً انگور بو سکتا ہے تو انھیں خراج دے اگر چہ گیہوں بوئے ہوں، اور گیہوں کے قابل ہے تو اس کا خراج دے، اگر چہ جو بوئے ہوں ہر حال میں خراج سال بھر میں ایک ہی بار لیا جائے گا اگر چہ سال میں چار بار زراعت کرے یا با وصف قدرت بالکل معطل رکھ چھوڑے اور یہ جریب انگریزی گز سے کہ ان بلاد میں رائج ہے (جس کی مقدار سولہ ۱۶ گرہ ہے ہر گرہ تین ۳ انگل) پینتیس گز مسطح ہے یعنی ۳۵ گز طول ۳۵ گز عرض۔ (فتاوی رضویہ ملخصا، ج10، ص237 تا239، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

خراج کے مصارف

اعلیٰ حضرت سے سوال ہوا اگر کسی زمین میں خراج متحقق ہوتا ہو تو کسے دیں؟ سنا ہے کہ اس کا مصرف لشکرِ اسلام ہے۔ تو جواباً ارشاد فرمایا:

مصرفِ خراج صرف لشکر اسلام نہیں بلکہ تمام مصالح عامہ مسلمین جن میں تعمیر مساجد و وظیفہ امام ومؤذن و بنائے پل وسرا وتنخواہ مدرسین علم دین وخبر گیری طلبۂ علوم دین خدمت علمائے اہل حق حامیانِ دین مشغولین درس و وعظ و افتا وغیرہا امورِ دین سب داخل ہیں۔ (فتاوی رضویہ، ج 10، ص 223، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

باب نمبر 435

مَا جَاءَ لَيْسَ فِي الْخَيْلِ وَالرَّقِيقِ صَدَقَةٌ

گھوڑوں اور غلاموں پر زکاۃ نہیں

626۔حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ، وَمَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ، قَالَا: حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، عَنْ سُفْيَانَ، وَشُعْبَةُ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ دِينَارٍ، عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ، عَنْ عِرَاكِ بْنِ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَيْسَ عَلَى الْمُسْلِمِ فِي فَرَسِهِ، وَلَا فِي عَبْدِهِ صَدَقَةٌ، وَفِي الْبَابِ عَنْ عَلِيٍّ، وَعَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو، قال ابوعيسى: "حَدِيثُ أَبِي هُرَيْرَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ، وَالْعَمَلُ عَلَيْهِ عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ: أَنَّهُ لَيْسَ فِي الْخَيْلِ السَّائِمَةِ صَدَقَةٌ، وَلَا فِي الرَّقِيقِ إِذَا كَانُوا لِلْخِدْمَةِ صَدَقَةٌ، إِلَّا أَنْ يَكُونُوا لِلتِّجَارَةِ، فَإِذَا كَانُوا لِلتِّجَارَةِ فَفِي أَثْمَانِهِمُ الزَّكَاةُ إِذَا حَالَ عَلَيْهَا الْحَوْلُ".

حدیث: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مسلمان کے گھوڑے اور اس کے غلام میں کوئی زکاۃ نہیں ہے۔

اور اس باب میں حضرت علی اور حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے بھی روایات مروی ہیں۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث حسن صحیح ہے اور اسی پر اہلِ علم کے ہاں عمل ہے کہ چرنے والے گھوڑوں اور خدمت کے غلاموں پر زکاۃ نہیں مگر جب کہ وہ تجارت کے لئے ہوں تو جب وہ تجارت کے لئے ہوں تو ان کے ثمن میں زکاۃ اس وقت ہوگی جب ان پر سال گزر جائے گا۔

گھوڑوں اور غلاموں میں زکوۃ کے بارے میں مذاہب ائمہ

احناف کا مؤقف:

درمختار میں ہے:

صاحبین کے نزدیک چرائی کے گھوڑوں پر زکوۃ نہیں اور اسی پر فتوی ہے، خانیہ وغیرہا..... اور چرائی کے خچر اور گدھوں پر بالا جماع زکوۃ نہیں..... جبکہ گھوڑے، گدھے اور خچر تجارت کے نہ ہوں (اور اگر تجارت کے لیے ہوں تو ان کی قیمت لگا کر اُس کا چالیسواں حصہ زکاۃ میں دیں گے)۔ (درمختار، کتاب الزکوۃ، باب زکوۃ الغنم، ج2، ص282، دار الفکر، بیروت)

اس کے تحت فتاوی شامی میں ہے:

صاحبین کے قول کی دلیل صحاح ستہ کی یہ حدیث پاک ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((لَيْسَ عَلَى الْمُسْلِمِ فِي عَبْدِهِ وَفَرَسِهِ صَدَقَةٌ)) ترجمہ: مسلمان پر اس کے غلام اور گھوڑے میں زکوۃ نہیں۔

صحیح مسلم میں اتنا زیادہ ہے: ((إِلَّا صَدَقَةَ الْفِطْرِ)) ترجمہ: البتہ غلام میں صدقہ فطر ہے۔

اور امام اعظم کے نزدیک چرائی کے گھوڑے اگر دودھ اور نسل کے لیے ہوں اور ان پر سال گزر جائے تو اس میں زکوۃ واجب ہوگی.......

(صاحبین کے قول پر فتوی ہے) امام طحاوی نے فرمایا: میرے نزدیک صاحبین کا قول زیادہ پسندیدہ ہے، قاضی ابوزید نے اسرار میں اسی کو راجح قرار دیا ہے، ینابیع میں ہے: اسی پر فتوی ہے، جواہر میں ہے: فتوی صاحبین کے قول پر ہے، کافی میں ہے: صاحبین کا قول ہی فتوی کے لیے مختار ہے، زیلعی اور بزازی نے خلاصہ کی اتباع میں اسی قول کی پیروی کی ہے، اور خانیہ میں ہے: علما نے فرمایا کہ فتوی صاحبین کے قول پر ہے، تصحیح العلامہ قاسم۔ میں کہتا ہوں: اسی پر کنز میں جزم کیا ہے، لیکن فتح القدیر میں قولِ امام کو ترجیح دی ہے۔ (ردالمحتار، کتاب الزکوۃ، باب زکوۃ الغنم، ج2، ص282، دار الفکر، بیروت)

علامہ بدرالدین عینی حنفی فرماتے ہیں:

غلام میں زکوۃ نہیں البتہ صدقہ فطر ہے، اور یہ زکوۃ نہ ہونا اس صورت میں ہے جب وہ تجارت کے لیے نہ ہو، پس

اگر وہ تجارت کے لئے ہوتو اس میں زکوۃ واجب ہوگی۔

(عمدۃ القاری، باب لیس علی المسلم فی عبدہ صدقۃ، ج9،ص38،داراحیاء التراث العربی، بیروت)

حنابلہ کا موقف

علامہ موفق الدین ابن قدامہ حنبلی (متوفی 620ھ) فرماتے ہیں:

" گھوڑوں، خچروں اور گدھوں اور غلاموں میں زکوۃ نہیں، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:((لیس علی المسلم فی عبدہ ولا فرسہ صدقۃ)) ترجمہ: مسلمان پر اس کے غلام اور گھوڑے میں زکوۃ نہیں۔ متفق علیہ۔"

(الکافی فی فقہ الامام احمد، کتاب الزکوۃ، ج1،ص383،دارالکتب العلمیہ، بیروت)

شوافع کا موقف

علامہ ابوالحسن ماوردی شافعی (متوفی 450ھ) فرماتے ہیں:

"علما کا اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ غلاموں میں زکوۃ نہیں، البتہ اگر یہ تجارت کے لیے ہوں تو ان کی قیمت میں زکوۃ واجب ہوگی، اسی طرح ان کی طرف سے صدقہ فطر بھی واجب ہوگا۔اور گھوڑوں میں کسی حال میں زکوۃ نہیں جیسا کہ گدھوں اور خچروں میں زکوۃ نہیں، چاہے وہ سائمہ ہوں یا معلوفہ ہو، مذکور ہو یا مؤنث ہوں، یہ امام شافعی کا مذہب ہے۔"

(الحاوی الکبیر، ج3،ص191،دارالکتب العلمیہ، بیروت)

مالکیہ کا موقف

علامہ ابن جزی مالکی (متوفی 741ھ) فرماتے ہیں:

" گھوڑوں اور غلاموں میں زکوۃ واجب نہیں۔" (القوانین الفقہیہ ملخصاً، الباب الثالث فی زکوۃ العین، ج1،ص68،مطبوعہ بیروت)

باب نمبر 436

مَا جَاءَ فِی زَکَاۃِ الْعَسَلِ

شہد کی زکوۃ

627۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ یَحْیَی النَّیْسَابُورِیُّ قَالَ: حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ أَبِی سَلَمَةَ التِّنِّیسِیُّ، عَنْ صَدَقَةَ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، عَنْ مُوسَی بْنِ یَسَارٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّی اللَّهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِی الْعَسَلِ: فِی کُلِّ عَشَرَةِ أَزُقٍّ زِقٌّ، وَفِی الْبَابِ عَنْ أَبِی هُرَیْرَةَ، وَأَبِی سَیَّارَةَ الْمُتَعِیِّ، قال ابوعیسی: وَعَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو، قال ابوعیسی: حَدِیثُ ابْنِ عُمَرَ فِی إِسْنَادِهِ مَقَالٌ، وَلَا یَصِحُّ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللَّهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِی هَذَا الْبَابِ کَبِیرُ شَیْءٍ، وَالْعَمَلُ عَلَی هَذَا عِنْدَ أَکْثَرِ أَهْلِ الْعِلْمِ وَبِهِ یَقُولُ أَحْمَدُ، وَإِسْحَاقُ، "وقَالَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ: لَیْسَ فِی الْعَسَلِ شَیْءٌ"، وَصَدَقَةُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ لَیْسَ بِحَافِظٍ، وَقَدْ خُولِفَ صَدَقَةُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ فِی رِوَایَةِ هَذَا الْحَدِیثِ، عَنْ نَافِعٍ"

حدیث: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے شہد کے بارے میں ارشاد فرمایا: شہد کی ہر دس مشکوں میں ایک مشک بطورِ زکاۃ لازم ہے۔

اور اس باب میں حضرت ابو ہریرہ، حضرت ابو سیارہ متعی اور حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہم سے بھی روایات مروی ہیں۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی اسناد میں گفتگو ہے اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں کوئی بڑی بات صحیح طور پر ثابت نہیں ہے اور اسی پر اکثر اہلِ علم کے ہاں عمل ہے اور امام احمد اور اسحٰق رحمہما اللہ بھی اسی بات کے قائل ہیں۔ اور بعض اہلِ علم کہتے ہیں: شہد میں کچھ نہیں ہے۔ اور صدقہ بن عبداللہ حافظ نہیں ہیں اور صدقہ بن عبد اللہ کی حضرت نافع سے روایت کردہ حدیث میں ان کی مخالفت کی گئی ہے۔

628۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ قَالَ:

حدیث: حضرت نافع سے مروی ہے فرمایا کہ مجھ سے حضرت عمر بن عبدالعزیز نے شہد کی زکاۃ کے بارے میں سوال

حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ الثَّقَفِيُّ قَالَ :حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ عُمَرَ، عَنْ نَافِعٍ قَالَ :سَأَلَنِي عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ عَنْ صَدَقَةِ الْعَسَلِ، قَالَ :قُلْتُ: مَا عِنْدَنَا عَسَلٌ نَتَصَدَّقُ مِنْهُ، وَلَكِنْ أَخْبَرَنَا الْمُغِيرَةُ بْنُ حَكِيمٍ أَنَّهُ قَالَ :لَيْسَ فِي الْعَسَلِ صَدَقَةٌ ، فَقَالَ عُمَرُ:عَدْلٌ مَرْضِيٌّ، فَكَتَبَ إِلَى النَّاسِ أَنْ تُوضَعَ ، يَعْنِي عَنْهُمْ

کیا، نافع فرماتے ہیں: میں نے کہا: ہمارے پاس شہد نہیں کہ ہم اس میں سے صدقہ کریں لیکن ہمیں مغیرہ بن حکیم نے خبر دی کہ انہوں نے فرمایا: شہد میں زکاۃ نہیں ہے تو حضرت عمر بن عبدالعزیز نے فرمایا: انصاف کی بات اور پسندیدہ بات ہے ، پس انہوں نے لوگوں کی طرف لکھا کہ اس کی زکوۃ نہ لی جائے گی۔

شرح حدیث

علامہ علی بن سلطان محمد القاری حنفی (متوفی 1014ھ) فرماتے ہیں:

یہ حدیث پاک اس بات پر دلیل ہے کہ شہد میں عشر واجب ہے، امام ابو حنیفہ، امام احمد بن حنبل کا یہی قول ہے، امام شافعی کا قولِ قدیم بھی یہی ہے اور امام شافعی کا قول جدید یہ ہے کہ اس میں عشر نہیں اور اسی پر امام مالک ہیں، اسے ابن الملک نے ذکر کیا ہے۔ (مرقاۃ المفاتیح، باب ما یجب فیہ الزکوۃ، ج4، ص1293، دار الفکر، بیروت)

شہد میں عشر کے بارے میں مذاہب ائمہ

احناف کا مؤقف

علامہ علی بن ابی بکر فرغانی مرغینانی حنفی (متوفی 593ھ) فرماتے ہیں:

"جب عشری زمین میں شہد ہوا تو اس میں عشر ہوگا، اور امام شافعی فرماتے ہیں کہ اس میں عشر واجب نہیں کیونکہ یہ حیوان سے متولد ہے لہذا ریشم کے مشابہ ہوگیا۔ ہماری دلیل یہ حدیث پاک ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((فی العسل العشر)) شہد میں عشر ہے۔ اور کیونکہ شہد کی مکھی پھول اور پھل کھاتی ہے اور ان دونوں میں عشر ہے، پس جو ان دونوں سے متولد ہو اس میں بھی عشر ہوگا، برخلاف ریشم کے کیڑوں کے کیونکہ وہ پتے کھاتے ہیں اور پتوں میں عشر نہیں۔ پھر امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قلیل ہو یا کثیر اس میں عشر واجب ہے۔"

(ہدایہ، باب زکاۃ الزروع والثمار، ج1، ص108، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

حنابلہ کا مؤقف

علامہ ابن قدامہ حنبلی فرماتے ہیں:

شہد میں عشر ہے، کیونکہ عمرو بن شعیب اپنے والد، وہ ان کے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانے میں شہد کی مشکوں سے عشر لیا جاتا تھا، ہر دس مشکوں سے ایک مشک اوسط درجہ کی، اسے ابو عبید نے

روایت کیا ہے۔اور حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:((فی العسل فی کل عشر قرب قربة)) ترجمہ: شہد میں ہر دس مشکوں میں ایک مشک عشر ہے، اسے ابوداؤد اور ترمذی نے روایت کیا ہے۔

(الکافی فی فقہ الامام احمد، باب زکوۃ الذہب، ج1،ص404، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

شوافع کا موقف

علامہ قفال شافعی (متوفی 507ھ) فرماتے ہیں:

امام شافعی کا قول قدیم یہ ہے کہ شہد میں عشر واجب ہے، جبکہ قول جدید یہ ہے کہ شہد میں عشر واجب نہیں۔

(حلیۃ العلماء، ج3،ص63، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت)

مالکیہ کا موقف

علامہ ابوالقاسم محمد ابن جزی مالکی (متوفی 741ھ) فرماتے ہیں:

گھوڑوں، غلاموں، شہد اور دودھ میں زکوۃ نہیں، البتہ اگر یہ تجارت کے لیے ہوں تو ان میں زکوۃ ہوگی۔

(القوانین الفقہیہ، الباب الاول فی شروط وجوب الزکوۃ، ج1،ص68، مطبوعہ بیروت)

باب نمبر 437

مَا جَاءَ لَا زَكَاةَ عَلَى الْمَالِ الْمُسْتَفَادِ حَتَّى يَحُولَ عَلَيْهِ الْحَوْلُ

مالِ مستفاد پر سال گزرنے سے پہلے زکاۃ نہیں

629- حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ مُوسَى، حَدَّثَنَا هَارُونُ بْنُ صَالِحٍ الطَّلْحِيُّ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنِ اسْتَفَادَ مَالًا فَلَا زَكَاةَ عَلَيْهِ، حَتَّى يَحُولَ عَلَيْهِ الْحَوْلُ عِنْدَ رَبِّهِ وَفِي الْبَابِ عَنْ سَرَّاءَ بِنْتِ نَبْهَانَ

حدیث: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: جو کسی مال کو حاصل کرے تو اس پر زکاۃ نہیں ہے حتی کہ اس پر اس کے مالک کے ہاں سال گزر جائے۔

اور اس باب میں حضرت سراء بنت نبہان رضی اللہ عنہ سے بھی روایت مروی ہے۔

630- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ الثَّقَفِيُّ قَالَ: حَدَّثَنَا أَيُّوبُ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: مَنِ اسْتَفَادَ مَالًا فَلَا زَكَاةَ فِيهِ حَتَّى يَحُولَ عَلَيْهِ الْحَوْلُ عِنْدَ رَبِّهِ

حدیث: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرمایا: جس نے کوئی مال حاصل کیا تو اس پر زکاۃ نہیں ہے حتی کہ اس کے مالک کے ہاں سال گزر جائے۔

قَالَ أَبُو عِيسَى: وَهَذَا أَصَحُّ مِنْ حَدِيثِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ. وَرَوَاهُ أَيُّوبُ، وَعُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ عُمَرَ، وَغَيْرُ وَاحِدٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، مَوْقُوفًا. وَعَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ ضَعِيفٌ فِي الْحَدِيثِ، ضَعَّفَهُ أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ، وَعَلِيُّ بْنُ

امام ابو عیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں: یہ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کی حدیث سے زیادہ صحیح ہے اور اس حدیث کو ایوب اور عبیداللہ بن عمر اور بہت حضرات نے حضرت نافع کے واسطہ سے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے موقوفاً روایت کیا۔ اور عبد الرحمٰن بن زید بن اسلم اس حدیث میں ضعیف ہے، امام احمد بن حنبل اور علی بن مدینی وغیرہما محدثین نے ان کی تضعیف کی اور یہ بہت غلطی کرنے والا تھا۔ اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت سے اصحاب سے مروی ہے کہ "کسی بھی حاصل شدہ مال پر زکاۃ

الْمَدِينِيِّ، وَغَيْرُهُمَا مِنْ أَهْلِ الْحَدِيثِ وَهُوَ كَثِيرُ الْغَلَطِ، وَقَدْ رُوِيَ عَنْ غَيْرِ وَاحِدٍ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :أَنْ لَا زَكَاةَ فِي الْمَالِ الْمُسْتَفَادِ حَتَّى يَحُولَ عَلَيْهِ الْحَوْلُ وَبِهِ يَقُولُ مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ، وَالشَّافِعِيُّ، وَأَحْمَدُ، وَإِسْحَاقُ .وَقَالَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ: إِذَا كَانَ عِنْدَهُ مَالٌ تَجِبُ فِيهِ الزَّكَاةُ فَفِيهِ الزَّكَاةُ، وَإِنْ لَمْ يَكُنْ عِنْدَهُ سِوَى الْمَالِ الْمُسْتَفَادِ -مَالٌ تَجِبُ فِيهِ الزَّكَاةُ -لَمْ يَجِبْ عَلَيْهِ فِي الْمَالِ الْمُسْتَفَادِ زَكَاةٌ حَتَّى يَحُولَ عَلَيْهِ الْحَوْلُ، فَإِنِ اسْتَفَادَ مَالًا قَبْلَ أَنْ يَحُولَ عَلَيْهِ الْحَوْلُ، فَإِنَّهُ يُزَكِّي الْمَالَ الْمُسْتَفَادَ مَعَ مَالِهِ الَّذِي وَجَبَتْ فِيهِ الزَّكَاةُ، وَبِهِ يَقُولُ سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ، وَأَهْلُ الْكُوفَةِ

نہیں ہے حتیٰ کہ اس پر سال گزر جائے۔''اور امام مالک بن انس ،شافعی ،احمد اور اسحٰق رضی اللہ عنہم اسی بات کے قائل ہیں۔اور بعض اہلِ علم کہتے ہیں: جب کسی شخص کے پاس ایسا مال ہو کہ جس پر زکاۃ واجب ہوتی ہو تو اس میں زکاۃ ہے اور اگر اس کے پاس حاصل شدہ مال کے علاوہ کوئی ایسا مال نہ ہو کہ جس پر زکاۃ لازم ہوتی ہو تو اس پر زکاۃ نہیں ہے حتیٰ کہ اس پر سال گزر جائے تو اگر اسے سال گزرنے سے پہلے مال حاصل ہو جائے تو وہ حاصل شدہ مال کی زکاۃ ادا کرے اس مال کے ساتھ کہ جس میں زکاۃ واجب ہوئی ہو اور سفیان ثوری اور اہلِ کوفہ بھی اسی بات کے قائل ہیں۔

شرح حدیث

علامہ علی بن سلطان محمد القاری حنفی فرماتے ہیں:

"ابن الملک نے کہا کہ اس حدیث پاک کا مطلب یہ ہے کہ کسی شخص نے مال پایا اور اس کے پاس اسی جنس سے نصاب موجود ہے، مثلاً اس کے پاس اسی (80) بکریاں ہیں اور ان پر چھ مہینے گزر چکے ہیں پھر اسے خریدنے سے یا وراثت وغیرہ سے اکتالیس (41) بکریاں حاصل ہوئیں تو اکتالیس بکریوں پر زکوۃ اس وقت تک واجب نہیں ہوگی جب تک خریدنے یا وراثت کے وقت سے ایک سال نہ گزر جائے، کیونکہ مالِ مستفاد مالِ موجود کے تابع نہیں ہوتا، یہ قول امام شافعی اور امام احمد کا ہے اور امام ابوحنیفہ اور امام مالک کے نزدیک مالِ مستفاد مالِ موجود کے تابع ہوگا پس جب پہلے سے موجود اسی (80) بکریوں پر سال مکمل ہوگا تو کل میں دو بکریاں واجب ہوں گی جیسا کہ نتاج پر امہات کی تبع میں زکوۃ واجب ہوتی ہے۔" (مرقاۃ المفاتیح، کتاب الزکوۃ، ج4، ص1274، دار الفکر، بیروت)

مالِ مستفاد یعنی نئے حاصل ہونے والے مال پر زکوۃ واجب ہونے کے لیے سال گزرنا ضروری ہے یا نہیں، اس کی مختلف صورتیں بنیں گی:

(1) پہلے سے نصاب موجود ہے یا نہیں؟ اگر پہلے سے نصاب موجود نہیں ہے تو بالاتفاق مالِ مستفاد پر وجوبِ زکوۃ کے لیے سال گزرنا ضروری ہے۔

(2) اگر پہلے سے نصاب موجود ہے، تو اب یہ دیکھیں گے کہ مالِ مستفاد اس کی جنس سے ہے یا نہیں؟ اگر غیر جنس ہے جیسا کہ پہلے سے اونٹوں کا نصاب موجود ہے اور اب گائیں حاصل ہوئی ہیں، تو اس صورت میں بھی بالاتفاق پہلے سے موجود نصاب میں شامل نہیں کریں گے بلکہ گائے اگر نصاب کو پہنچے تو اس پر وجوبِ زکوۃ کے لیے الگ سے سال گزرنا ضروری ہے۔

(3) اگر مالِ مستفاد پہلے سے موجود نصاب کی جنس سے ہے جیسے پہلے سے گائے کا نصاب ہے اور اب بھی گائیں حاصل ہوئی ہیں تو اب یہ دیکھیں گے کہ مالِ مستفاد ماقبل موجود نصاب کی اولاد اور نفع میں سے ہے یا نہیں؟ اگر

اولاد اور نفع میں سے ہے تو بالاجماع اسے پہلے نصاب میں ملایا جائے گا، اس کے لیے الگ سال گزرنا ضروری نہیں۔

(4) اور اگر مالِ مستفاد پہلے سے موجود نصاب کی جنس سے بھی ہے اور اس کی اولاد سے نہیں بلکہ کسی دوسرے سبب سے حاصل ہو جیسا کہ خریدا جائے یا وراثت میں ملے تو امام اعظم امام ابوحنیفہ اور امام مالک کے نزدیک پہلے سے موجود نصاب میں ملایا جائے گا جبکہ امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کے نزدیک نہیں ملایا جائے گا۔

مالِ مستفاد پر زکوۃ کے حکم کے بارے میں مذاہب ائمہ

احناف کا موقف

علامہ علی بن ابی بکر فرغانی مرغینانی حنفی (متوفی 593ھ) فرماتے ہیں:

جس شخص کے پاس نصاب ہو، پھر دورانِ سال اس کے پاس اسی نصاب کی جنس سے مزید مال (میراث، ہبہ یا شرا کے ذریعے، فتح القدیر) آجائے تو وہ نیا آنے والا مال پہلے نصاب کے ساتھ ملا دیا جائے گا اور پہلے نصاب کے ساتھ ہی اس کی بھی زکوۃ نکالی جائے گی۔ (ہدایہ، فصل ولیس فی الفصلان والحملان والعجاجیل صدقۃ، ج1 ص100، داراحیاء التراث العربی، بیروت)

علامہ کمال الدین ابن الہمام حنفی (متوفی 861ھ) فرماتے ہیں:

امام شافعی فرماتے ہیں کہ مالِ مستفاد پہلے سے موجود نصاب میں نہیں ملایا جائے گا بلکہ مالِ مستفاد میں الگ سے سال گزرنے کا اعتبار کیا جائے گا، پس جب سال گزرے گا تو ہی اس کی زکوۃ نکالے گا چاہے وہ نصاب کی مقدار ہو یا کم ہو حالانکہ پہلے سے اس کے پاس اسی جنس سے نصاب موجود ہے، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((من استفاد مالا فلا زكاة فيه حتى يحول عليه الحول)) ترجمہ: جس کے پاس نیا مال آیا تو اس میں زکوۃ نہیں یہاں تک کہ اس میں سال گزر جائے۔ برخلاف ماقبل موجود نصاب کی اولاد اور ارباح (منافع) کے، کیونکہ یہ اصل سے متولد ہیں تو اس کا سال گزرنا اصل کے سال گزرنے کے ساتھ لاحق ہو جائے گا۔

ہم احناف یہ کہتے ہیں کہ اگر اس حدیث کی صحت ثابت بھی ہو تب بھی اس میں بالاتفاق عموم مراد نہیں۔ کیونکہ شوافع بھی اولاد اور منافع کو نکالتے ہیں، خصوص کی دلیل تعلیل ہے اور دوسری مرتبہ بھی تعلیل سے افراد کا خروج ہوگا، پس ہم نے ایک جنس ہونا اس کی علت بیان کیا ہے، پس ہم نے کہا کہ اولاد اور منافع کا اخراج اس سے کرنا اور اصل نصاب

کے سال کے ساتھ اس کو ملانا ایک جنس ہونے کی وجہ سے ہے، نہ کہ تولد کی وجہ سے، تو واجب ہوا کہ مالِ مستفاد کو بھی نکالا جائے جبکہ وہ نصاب کی جنس سے ہو لہذا اسے پہلے سے موجود ہم جنس نصاب کے ساتھ ملایا جائے گا۔

اور ہمارا اعتبار کرنا اولی ہے کیونکہ اِس میں اُس حرج کو دور کرنا ہے جو ان کے قول پر اُن لوگوں کے حق میں لازم آتا ہے جو روز کی روز کم وبیش ایک درہم کماتے ہیں، تو ایک آدھ درہم کے مالِ مستفاد میں سال گزرنے کا اعتبار کرنے میں حرج عظیم ہے۔ اور سال کا گزرنا آسانی کے لیے مشروع کیا گیا تو اس کا اعتبار ساقط ہو جائے گا۔

(فتح القدیر، فصل لیس فی الفصلان والحملان الخ، ج2، ص196، دار الفکر، بیروت)

حنابلہ کا موقف

علامہ عبد الرحمٰن بن محمد مقدسی حنبلی (متوفی 682ھ) فرماتے ہیں:

"اگر کسی کے پاس نصاب موجود تھا اور اسے نیا مال حاصل ہوا تو اس کی تین قسمیں بنیں گی:

(1) پہلی قسم مالِ مستفاد یعنی نیا حاصل ہونے والا مال پہلے سے موجود مال کی نمو ہے جیسا کہ تجارت کا نفع اور سائمہ جانور کا بچہ، تو اس صورت میں مالِ مستفاد کو پہلے سے موجود نصاب سے ملایا جائے گا....

(2) دوسری قسم، مالِ مستفاد نصاب کی جنس کا غیر ہو، اس صورت میں مالِ مستفاد کا الگ سے حکم ہوگا اسے سال گزرنے اور نصاب مکمل میں پہلے سے موجود مال سے نہیں ملایا جائے گا، بلکہ اگر مالِ مستفاد خود نصاب کی مقدار ہے تو اس پر سال گزرنے کی صورت میں اس کی زکوۃ نکالے گا ورنہ اس پر کوئی چیز لازم نہیں ہوگی، یہ جمہور علما کا قول ہے.....

(3) تیسری قسم، مالِ مستفاد اس کے پاس موجود نصاب کی جنس سے ہو جیسا کہ کسی کے پاس چالیس بکریاں ہو اور اُن پر سال کا بعض حصہ گزر چکا ہو پھر وہ سو بکریاں خریدے یا وراثت میں پائے یا اسے ہبہ کی جائیں، تو ان نئے آنے والی بکریوں میں زکوۃ اس وقت تک واجب نہیں ہوگی جب تک اِن بکریوں پر بھی سال نہ گزر جائے......"

(الشرح الکبیر علی متن المقنع، مسئلہ: قال الخرقی واللقطۃ اذا جاء ربھا الخ، ج2، ص457,458، دار الکتاب العربی للنشر والتوزیع)

شوافع کا موقف

علامہ عبد الکریم رافعی قزوینی شافعی (متوفی 623ھ) فرماتے ہیں:

"خریدنے، وراثت اور ہبہ کے ذریعے حاصل ہونے والا مال کسی شخص کے پاس پہلے سے موجود نصاب کے ساتھ سال گزرنے میں نہیں ملایا جائے گا، یعنی اس پر الگ سے سال گزرے تو زکوۃ واجب ہوگی۔"

(العزیز شرح الوجیز، باب لا زکوۃ فی مال حتی یحول علیہ الحول، ج2، ص526، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

مالکیہ کا مؤقف

علامہ ابو عمر یوسف بن عبد البر مالکی (متوفی 463ھ) فرماتے ہیں:

"کسی شخص کو جانوروں میں سے کچھ مال حاصل ہوا، پھر کچھ عرصہ بعد اسی سال میں دوبارہ کچھ مال اسی جنس کا حاصل ہوا، اگر پہلا مال نصاب کی مقدار تھا تو دوسرا مال پہلے کے ساتھ ملا دیا جائے گا اور پہلے کے سال مکمل ہونے پر دونوں کی زکوۃ نکالی جائے گی، اور اگر پہلا مال نصاب کی مقدار نہیں تھا، اور دوسرا مال نصاب کی مقدار تھا یا پہلے سے مل کر نصاب کی مقدار ہو گیا تو دوسرا مال حاصل ہونے سے سال کا آغاز ہوگا۔"

(الکافی فی فقہ اہل المدینہ، باب زکوۃ الفائدۃ من العین والعروض والماشیۃ، ج1، ص292، مکتبۃ الریاض الحدیثۃ، ریاض)

باب نمبر438

مَا جَاءَ لَيْسَ عَلَى الْمُسْلِمِينَ جِزْيَةٌ

مسلمانوں پر جزیہ نہیں ہے

631۔حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ أَكْثَمَ قَالَ :حَدَّثَنَا جَرِيرٌ، عَنْ قَابُوسَ بْنِ أَبِي ظَبْيَانَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :لَا تَصْلُحُ قِبْلَتَانِ فِي أَرْضٍ وَاحِدَةٍ، وَلَيْسَ عَلَى الْمُسْلِمِينَ جِزْيَةٌ

حدیث:عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرمایا:رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:ایک زمین میں دو قبلے جائز نہیں اور مسلمانوں پر جزیہ نہیں ہے ۔

632۔حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ قَالَ :حَدَّثَنَا جَرِيرٌ، عَنْ قَابُوسَ بِهَذَا الإِسْنَادِ نَحْوَهُ .وَفِي البَابِ عَنْ سَعِيدِ بْنِ زَيْدٍ، وَجَدِّ حَرْبِ بْنِ عُبَيْدِ اللَّهِ الثَّقَفِيِّ .

حدیث:ابو کریب نے قابوس سے اس اسناد کے بواسطہ جریر اسی کی مثل حدیث کو روایت کیا۔اور اس باب میں سعید بن زید اور حرب بن عبید اللہ الثقفی کے دادا سے بھی روایات مروی ہیں۔

قال ابوعیسی:حَدِيثُ ابْنِ عَبَّاسٍ قَدْ رُوِيَ عَنْ قَابُوسَ بْنِ أَبِي ظَبْيَانَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُرْسَلًا ، "وَالعَمَلُ عَلَى هَذَا عِنْدَ عَامَّةِ أَهْلِ العِلْمِ :أَنَّ النَّصْرَانِيَّ إِذَا أَسْلَمَ وُضِعَتْ عَنْهُ جِزْيَةُ رَقَبَتِهِ وَقَوْلُ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ عَلَى المُسْلِمِينَ عُشُورٌ إِنَّمَا يَعْنِي بِهِ :جِزْيَةَ الرَّقَبَةِ، وَفِي الحَدِيثِ مَا يُفَسِّرُ هَذَا حَيْثُ قَالَ: إِنَّمَا العُشُورُ عَلَى اليَهُودِ، وَالنَّصَارَى، وَلَيْسَ

امام ابوعیسی ترمذی فرماتے ہیں:حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے بواسطہ قابوس بن ابو ظبیان اور ان کے والد کے مرسلاً مروی ہے اور اسی پر عام اہلِ علم کے ہاں عمل ہے کہ نصرانی جب اسلام قبول کر لے تو اس سے اس کا جزیہ ہٹا دیا جاتا ہے اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ "مسلمانوں پر عشر نہیں ہے" اس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد یہ ہے کہ ان پر جزیہ دینا لازم نہیں ہے اور حدیث میں وہ ہے جو اس کی تفسیر کرتا ہے کہ فرمایا:"عشر (جزیہ) یہود ونصاری

48
48

عَلَى الْمُسْلِمِينَ عُشُورٌ پر ہے اور مسلمانوں پر نہیں ہے۔"

شرح حدیث

علامہ عبدالرحمٰن بن ابی بکر جلال الدین سیوطی شافعی فرماتے ہیں:

"ایک زمین پر دو قبلہ جائز نہیں، اس کا معنی یہ ہے کہ کافر جب دار الحرب میں اسلام لائے تو وہاں نہ ٹھہرے، اور ذمی کافر جو دار الاسلام میں مقیم ہوں وہ اپنے دین کے اظہار پر قادر نہ ہوں۔

مسلمان پر جزیہ نہیں، علامہ عراقی نے کہا: اس کا معنی یہ ہے کہ جب کافر دورانِ سال اسلام لائے تو اس سے اس سال کا جزیہ نہیں لیا جائے گا۔

علامہ عراقی کہتے ہیں: مصنفین کی عادت جاریہ ہے کہ جزیہ کا ذکر جہاد کے بعد کرتے ہیں، امام ترمذی نے اسے کتاب الزکوۃ میں بیان کیا ہے امام مالک کی اتباع کرتے ہوئے۔

علامہ ابن عربی نے فرمایا: سب سے پہلے جس نے جزیہ کو ابواب الصدقہ میں داخل کیا وہ امام مالک ہیں جنہوں نے اپنی مؤطا میں اس طرح کیا ہے، پھر مصنفین کے ایک گروہ نے ان کی اتباع کی ہے اور ایک گروہ نے اسے ترک کیا ہے۔

مزید فرماتے ہیں: اس کو ابوابِ صدقہ میں داخل کرنے کی وجہ یہ ہے کہ ان ابواب میں حقوق الاموال پر کلام کیا جاتا ہے، پس صدقہ مسلمانوں پر حق المال ہے اور جزیہ کفار پر حق المال ہے۔"

(قوت المغتذی علی جامع الترمذی، ابواب الزکوۃ، ج1 ص244,245، جامعہ ام القری، مکۃ المکرمہ)

علامہ علی بن سلطان محمد القاری حنفی فرماتے ہیں:

ایک زمین پر دو قبلہ درست نہیں یعنی دو قبلہ والے، دو دین والے درست نہیں..... علامہ تورپشتی فرماتے ہیں: اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک زمین میں دو دین ظاہر ہو کر اور برابری کی سطح پر درست نہیں، جہاں تک مسلمان کا تعلق ہے تو اُس کے لیے یہ درست نہیں کہ وہ کفار کے درمیان اقامت اختیار کرے کیونکہ مسلمان جب ایسا کرے گا تو اپنے نفس کے لیے کفار کے درمیان اس طرح رہنا حلال کرے گا جس طرح ذمی ہمارے درمیان رہتے ہیں، اور مسلمان کے لیے جائز

نہیں کہ وہ اپنے نفس کو پستی کی طرف لے جائے، پستی اور ذلت مسلمان کے لیے کیسے ہوسکتی ہے، کیونکہ ﴿وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ﴾ عزت تو اللہ کے لیے، اس کے رسول کے لیے اور مومنین کے لیے ہے۔

اور جس کا دین اسلام کے علاوہ ہے تو اس کے لیے بلادِ اسلام میں جزیہ دیئے بغیر اقامت ممکن نہیں، پھر انہیں اپنے دین کی اشاعت کی اجازت نہیں دی جائے گی۔

اس حدیث پاک میں بیان کردہ دونوں حکموں میں مناسبت یہ ہے کہ ذمی جس پر تھا اسے جزیہ کے بدلے میں اس پر برقرار رکھا گیا تو ذمی پر جزیہ ہے اور مسلمان پر جزیہ نہیں تو یہ دو قبلوں (کے پیرا کاروں) میں سے ایک کے لیے رافع ہوا اور ایک کے لیے واضع ہوا۔

بعض علما نے کہا کہ مسلمان پر جزیہ نہ ہونے کا معنی یہ ہیں کہ اس پر وہ خراج نہیں جو کہ اُن زمینوں پر ہوتا ہے جو اہل ذمہ کے ہاتھوں میں چھوڑ دی جاتی ہیں۔

اور اکثر علما کا مؤقف یہ ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ اہل ذمہ میں سے جو اپنے اوپر واجب شدہ جزیہ کی ادائیگی سے پہلے اسلام لے آیا تو اس سے جزیہ کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا کیونکہ وہ مسلمان ہے اور مسلمان پر جزیہ نہیں۔ اور یہ قول ہی درست ہے اگر ہمارے لیے دو حکموں کے درمیان مناسبت کی وجہ صحیح ہو جائے، اھ (علامہ تورپشتی کی عبارت ختم ہوئی)

حدیث میں موجود دو حکموں کے درمیان مناسبت کی کوئی وجہ ہونا ضروری نہیں کیونکہ یہ اس میں یہ احتمال بھی ہے کہ راوی نے دو باتوں کو دو جگہوں پر سنا ہو اور پھر روایت کرنے میں جمع کر دیا ہو۔ اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ الجامع الصغیر کی روایت میں صرف ایک بات ہے: ((لَيْسَ عَلَى مُسْلِمٍ جِزْيَةٌ)) مسلمان پر جزیہ نہیں۔ یہ روایت بیان کرکے فرمایا کہ اسے امام احمد اور ابوداؤد نے روایت کیا ہے۔ علاوہ ازیں یہ احتمال بھی ہے کہ یہ حدیثِ طویل کا ایک ٹکڑا ہو، واللہ تعالیٰ اعلم۔

اور کہا گیا کہ اس حدیث پاک میں یہود و نصاریٰ کو جزیرۂ عرب سے نکالنے کی طرف اشارہ ہے۔ علامہ ابن الملک نے کہا: اس حدیث پاک کا مطلب یہ ہے کہ جائز نہیں کہ مسلمان اور کافر ایک شہر میں رہیں اور یہ حکم جزیرہ عرب کے ساتھ مختص ہے۔

اور اس فرمان "مسلمان پر جزیہ نہیں" کے بارے میں ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد وہ خراج ہے جو اس شہر کی اراضی پر رکھا گیا ہے جو صلح کے ساتھ فتح ہوا ہو اور طے ہوا ہو کہ لوگ خراج کے عوض اپنے گھروں میں رہیں گے، پس جب یہ لوگ اسلام لے آئیں گے تو ان کی اراضی سے خراج ساقط ہو جائے گا برخلاف اس صورت کے کہ اگر وہ اس بات پر صلح کریں کہ اراضی اہل اسلام کی ہے اور وہ خراج کے بدلے میں رہیں گے یا وہ شہر غلبہ کے ساتھ فتح ہوا ہو اور اہل ذمہ کو خراج کے ساتھ یا بغیر خراج کے ان کے گھروں میں رہنے دیا گیا ہو تو اس میں صورت میں ان کے اسلام لانے سے یہ ساقط نہیں ہوگا اور نہ ہی موت سے ساقط ہوگا۔ (مرقاۃ المفاتیح، باب الجزیہ، ج6، ص2608، دار الفکر، بیروت)

اسلام لانے والے پر جزیہ ساقط ہونے کے بارے میں مذاہب ائمہ

احناف کا مؤقف

علامہ کمال الدین ابن الہمام حنفی (متوفی 861ھ) فرماتے ہیں:

(جو اسلام لایا اور اس پر جزیہ تھا) یعنی سال پورا ہونے کے بعد اسلام لایا (تو جزیہ اس سے ساقط ہو جائے گا اور ایسے ہی جب وہ کفر کی حالت میں مرا، امام شافعی کا ان دونوں مسائل میں اختلاف ہے) اور ایسے ہی اگر وہ دورانِ سال مر جائے یا اسلام قبول کرلے تب بھی جزیہ ساقط ہو جائے گا اور امام شافعی کے دو قولوں میں اصح قول پر درمیان سال کی دونوں صورتوں میں بھی سال کا جتنا حصہ گزر گیا ساقط نہیں ہوگا...... جو اسلام لایا اس کے جزیہ کے ساقط ہونے میں ہماری دلیل یہ حدیث پاک ہے جسے ابوداؤد اور ترمذی نے تخریج کیا ہے: ((لَيْسَ عَلَى مُسْلِمٍ جِزْيَةٌ)) ترجمہ: مسلمان پر کوئی جزیہ نہیں۔ ابوداؤد نے نقل کیا کہ حضرت سفیان ثوری سے اس بارے میں سوال کیا گیا تو جواب دیا کہ جب وہ اسلام لے آیا تو اس سے جزیہ نہیں لیا جائے گا۔ امام طبرانی نے اپنی اوسط میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((مَنْ أَسْلَمَ فَلَا جِزْيَةَ عَلَيْهِ)) ترجمہ: جو اسلام لے آیا تو اس پر کوئی جزیہ نہیں......

اور کیونکہ یہ کفر کی جزا ہے اس لیے اسے جزیہ کہتے ہیں اور کفر کی عقوبت اسلام سے ساقط ہو جائے گی۔

(فتح القدیر للکمال ابن الہمام علی الہدایہ، باب الجزیہ، ج6، ص52 تا 54، دار الفکر، بیروت)

حنابلہ کا موقف

علامہ موفق الدین ابن قدامہ حنبلی فرماتے ہیں:

"اگر ذمی سال گزرنے کے بعد اسلام لایا تو جزیہ اس سے ساقط ہو جائے گا کیونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے، نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((لیس علی المسلم جزیة)) مسلمان پر جزیہ نہیں..... ..اور کیونکہ جزیہ ایک عقوبت ہے جو کہ کفر کے سبب ثابت ہوتی ہے، پس اسلام اسے ساقط کر دے گا۔"

(الکافی فی فقہ الامام احمد، باب عقد الذمۃ، ج4، ص174، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

مالکیہ کا موقف

علامہ شہاب الدین احمد بن ادریس قرافی مالکی (متوفی 684ھ) فرماتے ہیں:

"اگر سال گزرنے کے بعد اسلام لے آیا یا فوت ہو گیا تو جزیہ ساقط ہو جائے گا۔"

(الذخیرہ للقرافی، الباب الحادی عشر فی الجزیۃ، ج3، ص454، دار الغرب الاسلامی، بیروت)

علامہ ابو عمر یوسف ابن عبد البر مالکی فرماتے ہیں

"جو ذمی اسلام لے آیا اس سے گزرے ایام کا جزیہ ساقط ہو جائے گا، اگر چہ وہ سال مکمل ہونے سے ایک دن پہلے یا ایک دن بعد اسلام لایا۔"

(الکافی فی فقہ اہل المدینۃ، باب الجزیۃ الخ، ج1، ص479، مکتبۃ الریاض الحدیثۃ، ریاض)

شوافع کا موقف

علامہ ابو اسحاق ابراہیم بن علی بن یوسف شیرازی شافعی (متوفی 476ھ) فرماتے ہیں:

"اہل ذمہ میں سے کوئی سال گزرنے کے بعد مر جائے یا مسلمان ہو جائے تو گزرے سال کا جزیہ لیا جائے گا اور اگر سال کے دوران مر جائے یا اسلام لے آئے تو کہا گیا کہ گزرے عرصے کا جزیہ لیا جائے گا اور کہا گیا کہ اس میں دو قول ہیں: ایک یہ کہ اس پر کچھ واجب نہیں اور دوسرا قول یہ ہے کہ گزرے عرصے کا لیا جائے گا اور یہی قول اصح ہے۔"

(التنبیہ فی الفقہ الشافعی، باب عقد الذمۃ الخ، ج1، ص238، مطبوعہ عالم الکتب)

علامہ شیرازی شافعی اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے اپنی دوسری کتاب "مہذب" میں فرماتے ہیں:

کیونکہ جزئیہ حفاظت اور دارالاسلام میں رہنے کے عوض ہوتا ہے اور اسلام لانے والا ذمی اور مرنے والا اس سے استیفا کر چکا یعنی فائدہ اٹھا چکا پس عوض اس پر مستقر وثابت ہو چکا لہذا ساقط نہیں ہوگا جیسا کہ استیفاء منفعت کے بعد اجرت کا لازم ہونا۔ (المہذب فی فقہ الامام الشافعی، باب الجزیۃ، ج3،ص308،دار الکتب العلمیہ، بیروت)

باب نمبر 439

مَا جَاءَ فِي زَكَاةِ الحُلِيِّ

زیورات کی زکوۃ

633- حَدَّثَنَا هَنَّادٌ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ، عَنِ الأَعْمَشِ، عَنْ أَبِي وَائِلٍ، عَنْ عَمْرِو بْنِ الحَارِثِ بْنِ المُصْطَلِقِ، عَنِ ابْنِ أَخِي زَيْنَبَ امْرَأَةِ عَبْدِ اللَّهِ، عَنْ زَيْنَبَ امْرَأَةِ عَبْدِ اللَّهِ قَالَتْ: خَطَبَنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: يَا مَعْشَرَ النِّسَاءِ، تَصَدَّقْنَ وَلَوْ مِنْ حُلِيِّكُنَّ، فَإِنَّكُنَّ أَكْثَرُ أَهْلِ جَهَنَّمَ يَوْمَ القِيَامَةِ

حدیث: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی زوجہ زینب رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا تو ارشاد فرمایا: اے عورتوں کے گروہ! زکاۃ ادا کرو اگرچہ وہ تمہارے زیورات سے ہو بے شک قیامت والے دن تم میں اکثر جہنم میں ہوں گی۔

634- حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو دَاوُدَ، عَنْ شُعْبَةَ، عَنِ الأَعْمَشِ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا وَائِلٍ يُحَدِّثُ، عَنْ عَمْرِو بْنِ الحَارِثِ، ابْنِ أَخِي زَيْنَبَ امْرَأَةِ عَبْدِ اللَّهِ، عَنْ زَيْنَبَ امْرَأَةِ عَبْدِ اللَّهِ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَهُ

حدیث: محمود بن غیلان اپنی سند کے ساتھ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی زوجہ زینب سے وہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی کی مثل روایت کرتی ہیں۔

قَالَ ابوعيسىٰ: وَهَذَا أَصَحُّ مِنْ حَدِيثِ أَبِي مُعَاوِيَةَ، "وَأَبُو مُعَاوِيَةَ وَهِمَ فِي حَدِيثِهِ، فَقَالَ: عَنْ عَمْرِو بْنِ الحَارِثِ، عَنِ ابْنِ أَخِي زَيْنَبَ، وَالصَّحِيحُ إِنَّمَا هُوَ: عَنْ عَمْرِو بْنِ

امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ ابومعاویہ کی حدیث سے زیادہ صحیح ہے اور ابومعاویہ کو اپنی حدیث میں وہم ہوا تو انہوں نے کہا: عمرو بن حارث سے روایت ہے وہ زینب کے بھتیجے سے روایت کرتے ہیں اور صحیح یہ ہے کہ عمرو بن حارث رضی اللہ عنہ وہی زینب رضی اللہ عنہ کے بھتیجے ہیں۔ اور عمرو بن شعیب اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے، وہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ "آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زیورات میں زکاۃ کا حکم ارشاد فرمایا۔" اور اس حدیث کی اسناد میں گفتگو ہے اور اہلِ علم نے اس بارے میں اختلاف کیا ہے تو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب اور تابعین میں سے

الْحَارِثِ ابْنِ أَخِي زَيْنَبَ ، وَقَدْ رُوِيَ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ رَأَى فِي الْحُلِيِّ زَكَاةً ، وَفِي إِسْنَادِ هَذَا الْحَدِيثِ مَقَالٌ، وَاخْتَلَفَ أَهْلُ الْعِلْمِ فِي ذَلِكَ، فَرَأَى بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالتَّابِعِينَ فِي الْحُلِيِّ زَكَاةَ، مَا كَانَ مِنْهُ ذَهَبٌ وَفِضَّةٌ، وَبِهِ يَقُولُ سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ، وَعَبْدُ اللَّهِ بْنُ الْمُبَارَكِ ، وَقَالَ بَعْضُ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْهُمْ :ابْنُ عُمَرَ، وَعَائِشَةُ، وَجَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ، وَأَنَسُ بْنُ مَالِكٍ :لَيْسَ فِي الْحُلِيِّ زَكَاةٌ وَهَكَذَا رُوِيَ عَنْ بَعْضِ فُقَهَاءِ التَّابِعِينَ، وَبِهِ يَقُولُ مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ، وَالشَّافِعِيُّ، وَأَحْمَدُ، وَإِسْحَاقُ

بعض کی رائے یہ ہے کہ ان زیورات میں زکاۃ ہے جو سونے اور چاندی کے ہوں اور سفیان ثوری اور عبداللہ بن مبارک رضی اللہ عنہما بھی اسی بات کے قائل ہیں اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے بعض یعنی حضرت عبد اللہ بن عمر، عائشہ صدیقہ، جابر بن عبداللہ اور انس بن مالک رضی اللہ عنہم اس بات کے قائل ہیں کہ زیورات میں زکاۃ نہیں ہے اور تابعین میں سے بعض فقہا سے بھی یہی مروی ہے اور مالک بن انس، شافعی، احمد اور اسحٰق بھی اسی بات کے قائل ہیں۔

635۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ قَالَ :حَدَّثَنَا ابْنُ لَهِيعَةَ، عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ، أَنَّ امْرَأَتَيْنِ أَتَتَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَفِي أَيْدِيهِمَا سُوَارَانِ مِنْ ذَهَبٍ، فَقَالَ لَهُمَا :أَتُؤَدِّيَانِ زَكَاتَهُ؟ ، قَالَتَا :لَا، قَالَ :فَقَالَ لَهُمَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :أَتُحِبَّانِ أَنْ يُسَوِّرَكُمَا اللَّهُ بِسُوَارَيْنِ مِنْ نَارٍ؟ ، قَالَتَا :لَا، قَالَ :فَأَدِّيَا زَكَاتَهُ

حدیث: عمرو بن شعیب اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ دو عورتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئیں اور ان کے ہاتھوں میں سونے کے کنگن تھے تو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ارشاد فرمایا: کیا تم اس کی زکاۃ ادا کرتی ہو؟ تو ان دونوں نے عرض کی کہ نہیں۔ کہتے ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دنوں کو ارشاد فرمایا کہ کیا تم اس بات کو پسند کرتی ہو تو اللہ عزوجل تم دونوں کو آگ کے کنگن پہنا دے؟ تو ان دونوں نے عرض کیا کہ نہیں، تو ارشاد فرمایا: تو تم دونوں اس کی زکاۃ ادا کرو۔

امام ابو عیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں: اس حدیث کو مثنی بن صباح نے عمرو بن شعیب سے اسی کی مثل روایت کیا ہے اور مثنی بن صباح اور ابن لہیعہ ان دونوں کی حدیث میں تضعیف کی جاتی ہے اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے اس باب میں کوئی بات صحیح طور پر مروی نہیں ہے۔

قال ابوعیسیٰ: وَہٰذَا حَدِيثٌ قَدْ رَوَاهُ الْمُثَنَّى بْنُ الصَّبَّاحِ، عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ، نَحْوَ ہٰذَا، وَالْمُثَنَّى بْنُ الصَّبَّاحِ وَابْنُ لَهِيعَةَ يُضَعَّفَانِ فِي الْحَدِيثِ، وَلَا يَصِحُّ فِي ہٰذَا الْبَابِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْءٌ

شرح حدیث

علامہ علی بن سلطان محمد القاری حنفی فرماتے ہیں:

"((اے عورتوں کے گروہ! صدقہ دو))یعنی اپنے اموال کی زکوۃ نکالو((اگرچہ تمہارے زیورات سے ہو))حلی یعنی زیور اُسے کہتے ہیں جس سے زینت حاصل کی جائے پہن کر ہو یا اس کے علاوہ۔حدیث پاک کا ظاہر اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ مباح زیورات میں زکوۃ واجب ہے،اسی لیے آنے والی حدیث میں فرمایا:((فَأَدِّيَا زَكَاتَهُ)) ترجمہ:تو تم دونوں اس کی زکوۃ ادا کرو۔پس علامہ ابن حجر کا یہ قول کہ زیورات میں وجوبِ زکوۃ کی تصریح حدیث پاک میں نہیں ،درست نہیں۔یہی امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے کہ زیورات میں زکوۃ واجب ہے،اور یہی امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قولِ قدیم ہے اور امام احمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ مباح زیورات میں زکوۃ واجب نہیں اور یہی امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قولِ جدید ہے۔

((قیامت والے دن تم اکثر جہنم میں ہوگی))یعنی دنیا کی محبت کی وجہ سے جو کہ آخرت کے لیے زکوۃ اور صدقہ کے ترک پر باعث ہوتی ہے۔" (مرقاۃ المفاتیح،باب ما یجب فیہ الزکوۃ،ج4،ص1293،دارالفکر،بیروت)

علامہ علی قاری جس حدیث میں زکوۃ کی تصریح کا فرما رہے ہیں،وہ حدیث پاک جامع ترمذی کے اسی باب میں موجود ہے:((انَّ امْرَأَتَيْنِ أَتَتَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَفِي أَيْدِيهِمَا سُوَارَانِ مِنْ ذَهَبٍ فَقَالَ لَهُمَا: أَتُؤَدِّيَانِ زَكَاتَهُ؟ ، قَالَتَا:لَا، قَالَ:فَقَالَ لَهُمَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :أَتُحِبَّانِ أَنْ يُسَوِّرَكُمَا اللَّهُ بِسُوَارَيْنِ مِنْ نَارٍ؟ ، قَالَتَا :لَا، قَالَ:فَأَدِّيَا زَكَاتَهُ)) ترجمہ:دو عورتیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئیں اور ان کے ہاتھوں میں سونے کے کنگن تھے تو نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں ارشاد فرمایا: کیا تم اس کی زکاۃ ادا کرتی ہو؟ تو ان دونوں نے عرض کی کہ نہیں۔کہتے ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان دنوں کو ارشاد فرمایا کہ کیا تم اس بات کو پسند کرتی ہو تو اللہ عزوجل تم دونوں کو آگ کے کنگن پہنا دے؟ تو ان دونوں نے عرض کیا کہ نہیں،تو ارشاد فرمایا: تو تم دونوں اس کی زکاۃ ادا کرو۔ (جامع الترمذی،باب ماجاء فی زکوۃ الحلی،ج3،ص20،مصطفی البابی،مصر)

اس حدیث کی شرح میں علامہ علی قاری فرماتے ہیں:

((تم دونوں اس کی زکوۃ ادا کرو)) ابن الملک نے کہا: یہ حدیث پاک بھی زیورات میں وجوبِ زکوۃ پر دلالت کرتی ہے، اشرف نے (شوافع کی طرف سے تاویل کرتے ہوئے) کہا: ان دونوں حدیثوں کی تاویل یہ ہے کہ یہاں مراد نفلی صدقہ ہے یا زکوۃ سے مراد عاریت ہے، اھ (علامہ علی قاری فرماتے ہیں) یہ دونوں تاویلیں غایت درجہ بعید ہیں کیونکہ نفل اور عاریت کے ترک پر وعید نہیں ہوتی، علاوہ ازیں زکوۃ کا اطلاق عاریت پر درست نہیں نہ حقیقۃً اور نہ ہی مجازاً۔ (مرقاۃ المفاتیح، باب ما یجب فیہ الزکوۃ، ج4، ص1294، دار الفکر، بیروت)

سونے چاندی کے زیورات پر زکوۃ کے وجوب میں مذاہب ائمہ

حنابلہ کا موقف

علامہ موفق الدین ابن قدامہ مقدسی حنبلی (متوفی 620ھ) فرماتے ہیں:

(عورت کے زیورت میں زکوۃ نہیں ہے جبکہ عورت اسے پہنتی ہو یا عاریت دیا ہو) یہ ظاہر المذہب ہے، اور یہی حضرت ابن عمر، حضرت جابر، حضرت انس، حضرت عائشہ اور حضرت اسما رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی ہے......

ابن ابی موسیٰ نے امام احمد سے ایک روایت یہ ذکر کی کہ اس میں زکوۃ ہے، اور یہی مروی ہے حضرت عمر، حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عباس، حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص، حضرت سعید بن مسیّب، حضرت سعید بن جبیر، حضرت عطا، حضرت مجاہد، حضرت عبد اللہ بن شداد، حضرت جابر بن زید، حضرت ابن سیرین، حضرت میمون بن مہران، امام زہری، امام ثوری اور اصحاب رائے سے۔ (المغنی لابن قدامہ، مسئلہ زکوۃ حلی المرأۃ، ج3، ص42، مکتبۃ القاہرہ)

شوافع کا موقف

علامہ ابو الحسن علی بن محمد ماوردی شافعی (متوفی 450ھ) فرماتے ہیں:

زیورات دو طرح کے ہیں: (۱) ایک سونے چاندی کے زیورات (۲) اور دوسرا سونے چاندی کے علاوہ جواہر کے زیورات جیسا کہ لؤلؤ اور مرجان۔ سونے چاندی کے علاوہ زیورات میں زکوۃ نہیں اور جو سونے چاندی کے زیورات ہیں ان کی بھی دو قسمیں ہیں: (۱) ممنوعہ زیورات (۲) مباح زیورات۔ ممنوعہ زیورات کی زکوۃ واجب ہے، اور مباح

زیورات کے بارے میں دوقول ہیں:

(1) قول اول: امام شافعی نے اپنے قولِ قدیم میں صراحت کی ہے کہ اس میں زکوۃ نہیں، اور یہی قول صحابہ کرام میں سے حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت جابر بن عبداللہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا ہے اور تابعین میں سے حضرت حسن بصری، ابن المسیب اور شعبی کا ہے۔

(2) قول ثانی: امام شافعی نے اپنے جدید قول میں اشارہ کیا ہے کہ اس میں زکوۃ ہے، اور یہی قول صحابہ کرام میں سے حضرت عمر بن خطاب، حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا ہے۔ (الحاوی الکبیر، باب زکوۃ الحلی، ج3، ص271، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

مالکیہ کا مؤقف

علامہ ابو الولید محمد بن احمد ابن رشد مالکی (متوفی 595ھ) لکھتے ہیں:

"امام مالک کا مؤقف یہ ہے کہ جب سونے (اور چاندی) کے زیورات زینت اور لباس کے لیے ہوں تو ان میں زکوۃ نہیں۔" (بدایۃ المجتہد، الجملۃ الثانیۃ فی معرفۃ ما تجب فیہ الزکوۃ الخ، ج2، ص11، دار الحدیث، القاہرہ)

احناف کا مؤقف

علامہ کمال الدین ابن الہمام حنفی (متوفی 861ھ) فرماتے ہیں:

سونے چاندی کے زیورات پر زکوۃ واجب ہے، برابر ہے کہ مباح ہوں یا نہ ہوں......

سونے چاندی کے زیورات پر زکوۃ کے واجب ہونے پر عمومی اور خصوصی دونوں طرح کے دلائل موجود ہیں، جن میں سے کچھ درج ذیل ہیں:

(1) عمومی دلائل میں سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((هَاتُوا صَدَقَةَ الرِّقَةِ مِنْ كُلِّ أَرْبَعِينَ دِرْهَمًا دِرْهَمٌ)) ترجمہ: چاندی کی زکوۃ دو، ہر چالیس میں ایک درہم۔

اصحاب سنن اربعہ نے اسے روایت کیا ہے۔ اور عمومی دلائل اس کے علاوہ بھی بہت ہیں

(2)خصوصی دلائل میں سے ایک روایت وہ ہے جسے ابوداؤد اور نسائی نے روایت کیا:((اَنَّ امْرَأَةً أَتَتْ رَسُولَ اللّٰہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَمَعَهَا ابْنَةٌ لَهَا، وَفِي يَدِ ابْنَتِهَا مَسَكَتَانِ غَلِيظَتَانِ مِنْ ذَهَبٍ، فَقَالَ لَهَا: أَتُعْطِينَ زَكَاةَ هَذَا؟، قَالَتْ: لَا، قَالَ: أَيَسُرُّكِ أَنْ يُسَوِّرَكِ اللّٰہُ بِهِمَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ سِوَارَيْنِ مِنْ نَارٍ؟، قَالَ: فَخَلَعَتْهُمَا، فَأَلْقَتْهُمَا إِلَى النَّبِيِّ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ، وَقَالَتْ: هُمَا لِلّٰہِ عَزَّ وَجَلَّ وَلِرَسُولِهِ)) ترجمہ: ایک عورت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئی، اس کے ساتھ اس کی بیٹی بھی تھی، اس کی بیٹی کے ہاتھ میں سونے کے دو موٹے موٹے کنگن تھے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے کہا کہ کیا تم اس کی زکوۃ ادا کرتی ہو؟ اس نے عرض کیا: نہیں، تو ارشاد فرمایا: کیا تم پسند کرتی ہو کہ اللہ تعالیٰ تمہیں ان کے بدلے قیامت کے دن آگ کے دو کنگن پہنائے۔ تو اس نے کنگن اتار دیئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ڈال دیئے اور عرض کیا کہ یہ اللہ عزوجل اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے ہیں۔

(سنن ابی داؤد، باب الکنز ما ھو وزکوۃ الحلی، ج2، ص95، المکتبۃ العصریہ، بیروت)

علامہ ابوالحسن بن قطان نے اپنی کتاب میں فرمایا: اس حدیث پاک کی سند صحیح ہے، اور علامہ منذری نے اپنی مختصر میں فرمایا: اس کی سند میں کوئی کلام نہیں، پھر ایک ایک راوی کے بارے میں بیان کیا۔

ترمذی کی روایت میں ابن لہیعہ سے ہے:((اَنَّ امْرَأَتَيْنِ أَتَتَا رَسُولَ اللّٰہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَفِي أَيْدِيهِمَا سُوَارَانِ مِنْ ذَهَبٍ، فَقَالَ لَهُمَا: أَتُؤَدِّيَانِ زَكَاتَهُ؟، قَالَتَا: لَا، قَالَ: فَقَالَ لَهُمَا رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: أَتُحِبَّانِ أَنْ يُسَوِّرَكُمَا اللّٰہُ بِسُوَارَيْنِ مِنْ نَارٍ؟، قَالَتَا: لَا، قَالَ: فَأَدِّيَا زَكَاتَهُ)) ترجمہ: دو عورتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئیں اور ان کے ہاتھوں میں سونے کے کنگن تھے، نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ارشاد فرمایا: کیا تم اس کی زکاۃ ادا کرتی ہو؟ ان دونوں نے عرض کی کہ نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دنوں کو ارشاد فرمایا کہ کیا تم اس بات کو پسند کرتی ہو کہ اللہ عزوجل تم دونوں کو آگ کے کنگن پہنا دے؟ ان دونوں نے عرض کیا کہ نہیں، ارشاد فرمایا: تم دونوں اس کی زکاۃ ادا کرو۔ (جامع الترمذی، باب ماجاء فی زکوۃ الحلی، ج3، ص20، مصطفی البابی، مصر)

اس روایت کو امام ترمذی کا ضعیف قرار دینا اور یہ کہنا کہ اس باب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ بھی صحیح نہیں، یہ مؤول ہے یا پھر خطا ہے۔

امام منذری کہتے ہیں: شاید امام ترمذی نے اُن دوطرق کا قصد کیا ہے جنہیں انہوں نے ذکر کیا ہے ورنہ امام ابوداؤد کی سند میں کوئی کلام نہیں۔ اور علامہ ابن قطان نے ابوداؤد کی حدیث کی تصحیح کے بعد کہا: امام ترمذی نے اس حدیث کو صرف اس وجہ سے ضعیف کہا ہے کہ ان کی اسناد میں دو ضعیف موجود ہیں: ابن لہیعہ اور مثنی بن صبّاح۔

(3) ابوداؤد نے حضرت عبداللہ بن شداد بن الہاد سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ ہم حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بارگاہ میں حاضر ہوئے، انہوں نے فرمایا: ((دَخَلَ عَلَيَّ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَأَى فِي يَدَيَّ فَتَخَاتٍ مِنْ وَرِقٍ، فَقَالَ :مَا هَذَا يَا عَائِشَةُ؟، فَقُلْتُ :صَنَعْتُهُنَّ أَتَزَيَّنُ لَكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ :أَتُؤَدِّينَ زَكَاتَهُنَّ؟، قُلْتُ: لَا، أَوْ مَا شَاءَ اللَّهُ قَالَ:هُوَ حَسْبُكِ مِنَ النَّارِ)) ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے، میرے ہاتھ میں چاندی کے چھلے دیکھے تو ارشاد فرمایا: یہ عائشہ! یہ کیا ہے؟ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں نے انہیں بنوایا ہے تاکہ آپ کے لیے زینت کروں، فرمایا: کیا تم اس کی زکوۃ ادا کرتی ہو؟ میں نے عرض کی: نہیں، ارشاد فرمایا: یہ تمہیں جہنم پہنچانے کے لیے کافی ہیں۔ (سنن ابی داؤد، باب الکنز ما ھو وزکوۃ الحلی، ج2، ص95، المکتبۃ العصریہ، بیروت)

امام حاکم نے اس کی تخریج کی ہے اور اسے صحیح قرار دیا ہے۔ دارقطنی نے اسے معلول قرار دیا ہے کہ اس میں محمد بن عطا راوی مجہول ہے، اور بیہقی اور ابن قطان نے دارقطنی کا تعقب کیا ہے کہ محمد بن عمرو بن عطا ثقات میں سے ایک ہیں لیکن جب دارقطنی کی سند میں ان کے جد (دادا) کی طرف نسبت کی گئی تو انہوں نے گمان کیا کہ یہ مجہول ہیں اور عبدالحق نے ان کی اتباع کی

اور امام ابوداؤد کے نزدیک یہ مبین (غیر مجہول) ہیں اور اسے ان کے شیخ محمد بن ادریس نے رازی سے بیان کیا اور وہ امامِ جرح وتعدیل ابوحاتم رازی ہیں۔

(4) ابوداؤد نے عتّاب بن بشیر عن ثابت بن عجلان عن عطا کی سند سے حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کیا، فرماتی ہیں: ((كُنْتُ أَلْبَسُ أَوْضَاحًا مِنْ ذَهَبٍ فَقُلْتُ :يَا رَسُولَ اللَّهِ أَكَنْزٌ هُوَ؟ فَقَالَ :مَا بَلَغَ أَنْ تُؤَدَّى زَكَاتُهُ فَزُكِّيَ فَلَيْسَ بِكَنْزٍ)) ترجمہ: میں نے سونے کا زیور پہنا ہوا تھا تو میں عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیا یہ کنز ہے (جس کی مذمت وارد ہوئی ہے) تو ارشاد فرمایا: جس کی مقدار اتنی ہو جائے کہ زکوۃ نکالی جائے تو اس کی

زکوۃ نکال دی جائے تو وہ کنز نہیں ہے۔ (سنن ابی داؤد، باب الکنز ماھو وزکوۃ الحلی، ج2،ص95، المکتبۃ العصریہ، بیروت)

اسے امام حاکم نے مستدرک میں عن محمد بن مہاجر عن ثابت کی سند سے بیان کیا اور فرمایا کہ یہ امام بخاری کی شرط پر صحیح ہے۔اوران کی روایت میں الفاظ یہ ہیں:((إذَا أَدَّيْتِ زَكَاتَهُ فَلَيْسَ بِكَنْزٍ)) ترجمہ: جب تم نے اس کی زکوۃ ادا کردی تو یہ کنز نہیں ہے۔

بیہقی نے کہا: ثابت بن عجلان اس کے ساتھ متفرد ہے، صاحب تنقیح التحقیق نے کہا: یہ بات ضرر نہیں دیتی کیونکہ ثابت بن عجلان سے امام بخاری نے روایت کیا ہے یحیی بن معین نے اسے ثقہ قرار دیا ہے۔

عبدالحق نے جو یہ کہا کہ اس سے حجت نہیں پکڑی جائے گی تو یہ ایسا قول ہے جو ان کے علاوہ کسی نے نہیں کہا۔اور جنہوں نے اس قول پر انکار کیا ہے ان میں شیخ تقی الدین بن دقیق العید ہیں۔

اور ابن جوزی کا یہ قول محمد بن مہاجر کے بارے میں کہ علامہ ابن حبان نے کہا کہ یہ ثقات پر حدیث وضع کرتا ہے ،صاحب تنقیح نے اس بارے میں کہا کہ یہ قبیح وہم ہے کیونکہ محمد بن مہاجر کذاب وہ کوئی اور ہے، وہ یہ نہیں، جو اس روایت کے راوی ہیں وہ تو ثابت بن عجلان سے روایت کرتے ہیں ثقہ شامی ہیں، ان سے امام مسلم نے روایت کیا ہے اور امام احمد اور امام یحیی بن معین، امام ابوزرعہ، دُحیم اور امام ابوداؤد وغیرہم نے اس کی توثیق کی ہے۔

اور عتّاب بن بشیر کی امام یحیی بن معین نے توثیق کی ہے اور امام بخاری نے ان سے متابعۃً روایت کی ہے۔

(5) اور جہاں تک حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس روایت کا تعلق ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:((لَيْسَ فِي الْحُلِيِّ زَكَاةٌ)) ترجمہ: زیورات میں زکوۃ نہیں۔اس کے بارے میں امام بیہقی نے فرمایا: یہ روایت باطل ہے اس کی کوئی اصل نہیں۔

یہ تو صرف حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ان کا اپنا قول مروی ہے، یہ اور دیگر اثار جو حضرت ابن عمر، حضرت عائشہ، حضرت اسما بنت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی ہیں وہ سب موقوف ہیں اور اپنی مثل آثار سے معارض بھی ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لکھا کہ وہ اپنی طرف سے مسلمان عورتوں کو حکم دیں کہ وہ اپنی زیورات کی زکوۃ نکالیں، اور زیادت وہدیہ نہ بنائیں۔اسے ابن ابی شیبہ نے روایت کیا ہے۔اور حضرت ابن مسعود

رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ((فِی الْحُلِیِّ الزَّکَاۃُ)) زیورات میں زکوۃ ہے۔ اسے عبدالرزاق نے روایت کیا ہے۔ اور حضرت عبداللہ ابن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی خازن سالم کو لکھا کہ وہ ان کی بیٹیوں کی زکوۃ ہر سال نکالا کرے۔ اسے دارقطنی نے روایت کیا ہے۔ ابن ابی شیبہ نے انہی سے روایت کیا کہ انہوں نے اپنی عورتوں کو حکم دیا کہ وہ اپنے زیورات کی زکوۃ نکالا کریں۔ اور ابن ابی شیبہ نے حضرت عطا، حضرت ابراہیم، حضرت سعید بن جبیر، حضرت طاوس اور حضرت عبد اللہ بن شداد سے روایت کیا کہ یہ سب فرماتے ہیں: ((فِی الْحُلِیِّ الزَّکَاۃُ)) ترجمہ: زیورات میں زکوۃ ہے۔ ابن شداد نے یہ زیادہ کیا: ((حَتّٰی فِی الْخَاتَمِ)) یہاں تک کہ انگوٹھی میں بھی۔

(فتح القدیر ملخصاً، فصل فی الذھب، ج2، ص215 تا 217، دارالفکر، بیروت)

باب نمبر440

مَا جَاءَ فِي زَكَاةِ الْخَضْرَاوَاتِ

سبزیوں کی زکاۃ

636-حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ خَشْرَمٍ قَالَ: أَخْبَرَنَا عِيسَى بْنُ يُونُسَ، عَنِ الْحَسَنِ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عُبَيْدٍ، عَنْ عِيسَى بْنِ طَلْحَةَ، عَنْ مُعَاذٍ، أَنَّهُ كَتَبَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْأَلُهُ عَنِ الْخَضْرَاوَاتِ وَهِيَ الْبُقُولُ؟ فَقَالَ: لَيْسَ فِيهَا شَيْءٌ

حدیث: حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں سبزیوں کے متعلق پوچھنے کے لئے خط لکھا اور وہ ترکاریاں ہیں تو نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "ان میں کچھ بھی نہیں ہے۔"

قَالَ أَبُو عِيسَى: إِسْنَادُ هَذَا الْحَدِيثِ لَيْسَ بِصَحِيحٍ، وَلَيْسَ يَصِحُّ فِي هَذَا الْبَابِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْءٌ، وَإِنَّمَا يُرْوَى هَذَا عَنْ مُوسَى بْنِ طَلْحَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُرْسَلًا، "وَالْعَمَلُ عَلَى هَذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ: أَنَّهُ لَيْسَ فِي الْخَضْرَاوَاتِ صَدَقَةٌ.: "وَالْحَسَنُ هُوَ ابْنُ عُمَارَةَ وَهُوَ ضَعِيفٌ عِنْدَ أَهْلِ الْحَدِيثِ، ضَعَّفَهُ شُعْبَةُ وَغَيْرُهُ، وَتَرَكَهُ ابْنُ الْمُبَارَكِ

امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں: اس حدیث پاک کی سند صحیح نہیں اور اس باب میں نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کوئی صحیح حدیث مروی نہیں ہے یہ موسیٰ بن طلحہ سے مروی ہے اور وہ نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں اور اسی پر اہلِ علم کے ہاں عمل ہے کہ سبزیوں میں زکاۃ نہیں ہے۔ اور حسن وہ ابن عمارہ ہیں اور وہ محدثین کے ہاں ضعیف ہے شعبہ وغیرہ نے ان کی تضعیف کی اور ابن مبارک نے اسے ترک کیا ہے۔

سبزیوں میں عشر کے بارے میں مذاہب ائمہ

مالکیہ،شوافع اور حنابلہ اور احناف میں سے صاحبین کا مؤقف یہ ہے کہ سبزیوں میں عشر واجب نہیں جبکہ امام اعظم امام ابوحنیفہ کا مؤقف یہ ہے سبزیوں میں عشر واجب ہے، تفصیل جزئیات اور دلائل درج ذیل ہیں:

حنابلہ کا مؤقف

علامہ شمس الدین محمد بن عبداللہ زرکشی حنبلی (متوفی 772ھ) فرماتے ہیں:

"زمین سے نکلنے والی اشیا میں وجوب زکوۃ کی کچھ شرائط ہیں: ایک شرط یہ ہے کہ وہ خشک ہونے والی چیزوں میں سے ہو، لہذا سبزیوں میں عشر نہیں ہوگا جیسا کہ کھیرا اور ککڑی وغیرہما۔ کیونکہ مروی ہے کہ حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف سبزیوں کے بارے میں پوچھنے کے لیے خط لکھا تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جواب میں لکھا کہ ان میں کوئی چیز نہیں۔ اسے ترمذی نے روایت کیا ہے اور اسے ضعیف قرار دیا ہے۔"

(شرح الزرکشی علی مختصر الخرقی، باب زکوۃ الزروع والثمار، ج2، ص467، مطبوعہ دار العبیکان)

شوافع کا مؤقف

علامہ یحیی بن ابی الخیر یمنی شافعی (متوفی 558ھ) فرماتے ہیں:

زکوۃ واجب نہیں ہوگی سیب میں، بہی دانہ میں، زرد آلو میں، آنار میں، انجیر میں، خربوزے میں، کھیرے میں، ککڑی میں، سبزیوں و ترکاریوں میں، اور اس جیسے اور اشیا میں جن کو غذا نہیں بنایا جاتا......

ہماری دلیل حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((لیس فی الخضراوات صدقۃٌ)) ترجمہ: سبزیوں میں صدقہ نہیں۔

اور کیونکہ حالت اختیار میں اسے غذا نہیں بنایا جاتا۔ پس ان میں زکوۃ واجب نہیں ہوگی لکڑی اور گھاس میں۔

(البیان فی مذہب الامام الشافعی، مسئلہ وجوب الزکوۃ فی بعض الثمار، ج3، ص229، دار المنہاج، جدہ)

مالکیہ کا مؤقف

علامہ ابوالقاسم محمد بن احمد ابن جزی مالکی (متوفی 741ھ) فرماتے ہیں:

سبزیوں اور ترکاریوں میں زکوۃ نہیں، امام ابوحنیفہ کا اس میں اختلاف ہے۔

(القوانین الفقہیہ، الباب السابع فی زکوۃ الحرث الخ، ج1 ص72، مطبوعہ بیروت)

احناف کا مؤقف اور دلائل

علامہ عبداللہ بن محمود موصلی حنفی (متوفی 683ھ) فرماتے ہیں:

"جسے آسمان سیراب کرے یا نہر سے سیراب کیا جائے تو اس میں عشر ہے چاہے کم ہو یا زیادہ، برابر ہے کہ وہ چیز ہو جو باقی رہنے والی ہو یا نہ رہنے والی ہو، یہ امام اعظم کا مؤقف ہے اور صاحبین فرماتے ہیں: عشر واجب نہیں مگر اُن چیزوں میں جو باقی رہنے والی ہوں اور جب ان کی مقدار پانچ وسق تک پہنچے، وسق ساٹھ صاع کا ہوتا ہے، لہذا ترکاریوں اور خوشبودار پودوں میں عشر نہیں ہوگا۔

صاحبین اور دیگر ائمہ کے دلائل درج ذیل ہیں

(۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے: ((لَيْسَ فِيمَا دُونَ خَمْسَةِ أَوْسُقٍ صَدَقَةٌ)) ترجمہ: پانچ وسق سے کم میں صدقہ نہیں۔

(۲) اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے: ((لَيْسَ فِي الْخُضْرَاوَاتِ عُشْرٌ)) ترجمہ: سبزیوں میں عشر نہیں۔ اور کیونکہ یہ صدقہ ہے تو اس کے لیے نصاب شرط ہے تا کہ غنا کا تحقق ہو جیسا کہ تمام صدقات میں۔

امام اعظم کے درج ذیل دلائل ہیں

(1) اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّاۤ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ﴾ ترجمہ: اے ایمان والو اپنی پاک کمائیوں میں سے کچھ دو اور اس میں سے جو ہم نے تمہارے لئے زمین سے نکالا۔ (البقرۃ، آیت 267)

اور زمین سے نکلنے والوں میں نہیں مگر عشر یا نصف عشر، پس یہاں مراد عشر ہے، اور اس میں قلیل وکثیر کی کوئی تفصیل نہیں کی، اور نہ ہی باقی رہنے والی اور باقی نہ رہنے والی چیزیں کی تفصیل کی گئی ہے لہذا یہ سب چیزوں کو شامل ہے۔

(2) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ((مَا سَقَتْهُ السَّمَاءُ فَفِيهِ الْعُشْرُ)) ترجمہ: جسے آسمان سیراب کرے تو اس میں عشر ہے۔ اس حدیث پاک میں بھی بغیر تفصیل کے زمین سے نکلنے والے چیزوں پر عشر کو لازم قرار دیا گیا ہے۔

(3) اور کیونکہ عشر زمین کی مؤنت ہے جیسا کہ خراج اور خراج مطلقا خارج پر واجب ہے، یہ معاملہ عشر کا ہوگا۔

صاحبین کے دلائل کے جوابات درج ذیل ہیں

اور صاحبین کی طرف سے بیان کی گئی حدیث اول (یعنی پانچ وسق والی) زکوۃ پر محمول ہے کیونکہ صدقہ جب مطلق بولا جائے تو زکوۃ کی طرف پھیرا جاتا ہے، اس دور میں لوگ اوساق کے ساتھ معاملات کرتے تھے اور ایک وسق کی قیمت چالیس درہم تھی پس پانچ وسق کی قیمت دوسو درہم ہوگی۔

اور حدیث ثانی (یعنی سبزیوں والی) سے مراد ایسا صدقہ ہے جو لیا جاتا ہو، یعنی عاشر جسے وصول کرتا ہو مطلب یہ کہ عاشر سبزیوں میں عشر وصول نہیں کرے گا اور یہی امام ابی حنیفہ کا مذہب ہے بلکہ مالک خود فقرا کو خود دے گا۔

(الاختیار لتعلیل المختار، باب زکوۃ الزرع والثمار، ج1، ص113، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

باب نمبر 441

مَا جَاءَ فِی الصَّدَقَةِ فِیمَا یُسْقَی بِالأَنْهَارِ وَغَیْرِهَا

جن کو نہروں وغیرہ سے سیراب کیا جاتا ہے ان کی زکوۃ

637- حَدَّثَنَا أَبُو مُوسَى الأَنْصَارِيُّ قَالَ: حَدَّثَنَا عَاصِمُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ الْمَدِينِيُّ قَالَ :حَدَّثَنَا الْحَارِثُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي ذُبَابٍ، عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ، وَبُسْرِ بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :فِيمَا سَقَتِ السَّمَاءُ وَالْعُيُونُ الْعُشْرُ، وَفِيمَا سُقِيَ بِالنَّضْحِ نِصْفُ الْعُشْرِ وَفِي الْبَابِ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، وَابْنِ عُمَرَ، وَجَابِرٍ:وَقَدْ رُوِيَ هَذَا الْحَدِيثُ، عَنْ بُكَيْرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الأَشَجِّ، وَعَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ، وَبُسْرِ بْنِ سَعِيدٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُرْسَلًا، وَكَأَنَّ هَذَا أَصَحُّ، وَقَدْ صَحَّ حَدِيثُ ابْنِ عُمَرَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي هَذَا الْبَابِ، وَعَلَيْهِ الْعَمَلُ عِنْدَ عَامَّةِ الْفُقَهَاءِ

حدیث: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: جن زمینوں کو آسمان اور چشمے سیراب کریں تو ان میں دسواں حصہ زکاۃ ہے اور جو ڈول وغیرہ سے سیراب کیا جائے تو اس میں بیسواں حصہ ہے۔

اور اس باب میں انس بن مالک، عبداللہ بن عمر اور جابر رضی اللہ عنہم سے روایات مروی ہیں۔ اور یہ حدیث بکیر بن عبداللہ بن اشج اور سلیمان بن یسار اور بسر بن سعید رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہے اور وہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے مرسلاً روایت کرتے ہیں اور یہ حدیث زیادہ صحیح ہے۔ اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی حدیث اس باب میں صحیح ہے اور اسی پر عام فقہاء کا عمل ہے۔

638- حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ الْحَسَنِ قَالَ:حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ أَبِي مَرْيَمَ قَالَ:حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ قَالَ: حَدَّثَنِي يُونُسُ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَالِمٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ سَنَّ فِيمَا سَقَتِ السَّمَاءُ وَالْعُيُونُ أَوْ كَانَ عَثَرِيًّا الْعُشْرَ، وَفِيمَا سُقِيَ بِالنَّضْحِ نِصْفَ الْعُشْرِ،

حدیث: حضرت سالم اپنے والد سے وہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں: نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے بارش اور چشموں سے سیراب ہونے والی زمین میں اور وہ جو عثری ہو ان میں عشر مقرر فرمایا اور جو ڈول وغیرہ سے سیراب کیا جائے تو اس میں نصف عشر (بیسواں حصہ) مقرر فرمایا۔

قَالَ أَبُو عِيسَى: هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

شرح حدیث

نضح کے ذریعہ سیراب کرنے کے معنی

علامہ محمود بدرالدین عینی حنفی فرماتے ہیں:

"نضح کے ذریعہ سیراب کرنے سے مراد یہ ہے کہ رہٹ کے ساتھ سیراب کیا جائے، اور بعض نے کہا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ ڈول اور رسی کے ساتھ سیراب کیا جائے، اور نواضح ان اونٹوں کو کہتے ہیں جن کے ذریعہ پانی لاد کر لایا جاتا ہے اور اس کا واحد ناضح آتا ہے اور اس کی مؤنث ناضحۃ آتی ہے اور بعض نے کہا کہ یہاں نضح سے مراد رہٹ ہے۔"

(شرح ابی داؤد للعینی، باب العشر فیما یسقی من ماء السماء الخ، ج9، ص72، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

حضرت سلیمان بن خلف (متوفی 474ھ) فرماتے ہیں:

"جو نضح کے ساتھ سیراب کیا جائے یعنی جو کنویں سے ڈول یا رہٹ کے ذریعہ پانی نکال کر سیراب کیا جائے اور نہروں سے کسی آلہ کے ذریعہ نکال کر سیراب کیا جائے تو اس میں نصف عشر ہے، مؤنت (یعنی بوجھ) کے زیادہ ہونے کی وجہ سے۔" (المنتقی شرح المؤطا، زکاۃ ما یخرص من ثمار النخیل والاعناب، ج2، ص158، دار الکتاب الاسلامی، القاہرہ)

علامہ جلال الدین سیوطی شافعی فرماتے ہیں:

اس سے مراد یہ ہے کہ کنویں، بڑی نہر اور چھوٹی سے ناضح یعنی اونٹ یا گائے کے ذریعہ سیراب کیا جائے۔

(قوت المغتذی، ابواب الزکاۃ، ج1، ص246، جامعہ ام القری، مکۃ المکرمہ)

عثری زمین سے مراد

علامہ جلال الدین سیوطی شافعی (متوفی 911ھ) فرماتے ہیں:

"عثری" کی تفسیر میں اہل لغت کے دو اقوال ہیں:

(1) ابن فارس نے مجمل میں کہا: عثری سے مراد وہ درخت ہے جو جاری پانی سے سیراب کیا جائے اور کہا گیا کہ وہ عذی ہے اور عذی اس زراعت کو کہتے ہیں جسے بارش کا پانی ہی سیراب کرے۔

(2) اس دوسرے معنی پر جوہری نے جزم کیا ہے اور یہی اہل لغت کے نزدیک اصح ہے کہ عثری وہ زمین ہے جو سیل یعنی سیلاب سے سیراب ہو۔ (قوت المغتذی، ابواب الزکاۃ، ج1، ص245,246، جامعہ ام القری، مکۃ المکرمہ)

علامہ علی بن سلطان محمد القاری حنفی (متوفی 1014ھ) فرماتے ہیں:

وہ درخت جو اپنی جڑوں کے ذریعے اس بارش کے پانی سے سیراب ہو جو گڑھے میں جمع ہوتا ہے، اور کہا گیا کہ وہ عذی ہے اور عذی اس زراعت کو کہتے ہیں جسے صرف بارش کے پانی سے سیراب کیا جائے۔ قاضی نے کہا کہ یہاں پہلا معنی لینا اولی ہے تاکہ تکرار لازم نہ آئے۔ (مرقاۃ المفاتیح، باب مایجب فیہ الزکاۃ، ج4، ص1286، دار الفکر، بیروت)

دسویں حصے کی فرضیت میں حکمت

علامہ محمود بدر الدین عینی حنفی فرماتے ہیں:

"علامہ طبری نے فرمایا: عشر کے فرض کرنے میں حکمت یہ ہے کہ نیکی کا اجر دس گنا لکھا جاتا ہے پس عشر یعنی دسواں حصہ نکالنے سے کل مال کے تصدق کرنے کا اجر ملے گا۔"

(عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری، باب العشر فیما یسقی من ماء السماء الخ، ج9، ص72، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

عشر اور نصف عشر کی صورتوں کے بارے میں مذاہب ائمہ

اس باب کی احادیث کے پیش نظر احناف، مالکیہ، شوافع اور حنابلہ کا اتفاق ہے کہ اگر نہر، چشمے اور بارش کے پانی سے سیراب کیا گیا تو عشر یعنی دسواں حصہ دینا ہوگا اور اگر ڈول وغیرہ کے ذریعہ سیراب کیا گیا تو نصف عشر یعنی بیسواں حصہ دینا ہوگا۔ تفصیلی جزئیات درج ذیل ہیں:

احناف کا مؤقف

علامہ محمد بن احمد سمرقندی حنفی (متوفی 540ھ) فرماتے ہیں:

"جسے نہروں، چشموں اور آسمان کے پانی سے سیراب کیا جائے اس میں عشر واجب ہوگا اور جسے ڈول یا رہٹ سے سیراب کیا جائے اس میں نصف عشر ہوگا۔" (تحفۃ الفقہاء، باب العشر والخراج، ج1، ص322، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

درمختار اور ردالمحتار میں ہے:

"جو کھیت بارش یا نہر نالے کے پانی سے سیراب کیا جائے، اس میں عُشر یعنی دسواں حصہ واجب ہے اور جس کی آبپاشی چرسے (یعنی چمڑے کے بڑے ڈول) یا ڈول سے ہو، اس میں نصف عشر یعنی بیسواں حصہ واجب اور پانی خرید کر آبپاشی ہو یعنی وہ پانی کسی کی مِلک ہے، اُس سے خرید کر آبپاشی کی جب بھی نصف عشر واجب ہے اور اگر وہ کھیت کچھ دنوں بارش کے پانی سے سیراب کیا جاتا ہے اور کچھ دنوں ڈول چرسے سے تو اگر اکثر بارش کے پانی سے کام لیا جاتا ہے تو عشر واجب ہے، ورنہ نصف عشر۔" (درمختار ورد المحتار ملخصاً، باب العشر، ج2، ص326 تا 328، دار الفکر، بیروت)

مالکیہ کا مؤقف

علامہ خلف بن ابی القاسم محمد القیر وانی مالکی (متوفی 372ھ) فرماتے ہیں:

"جو بارش یا نہر کے پانی سے سیراب ہو یا خود بخود جڑوں سے سیراب ہو تو اس میں عشر ہوگا اور جسے اونٹنیاں سیراب کریں ڈول وغیرہ کے ساتھ تو اس میں نصف عشر ہوگا۔"

(التہذیب فی اختصار المدونہ، کتاب الزکوۃ الثانی، ج1، ص473، دار البحوث للدراسات الاسلامیۃ واحیاء التراث، دبی)

علامہ شہاب الدین احمد بن ادریس قرافی (متوفی 684ھ) فرماتے ہیں:

"جسے بارش، نہروں اور چشموں کے ذریعہ سیراب کیا جائے یا جو خود بخود جڑوں سے سیراب ہو تو اس میں عشر ہے اور جسے رہٹ اور ڈولوں سے سیراب کیا جائے تو اس میں نصف عشر ہے، اور اس کا معنی یہ ہے کہ جب مؤنت یعنی بوجھ کی کثرت ہو تو زکوۃ کم ہوگی بندوں پر نرمی کرتے ہوئے اور جب مؤنت کم ہو تو زکوۃ زیادہ ہوگی تاکہ زیادہ نعمتوں کا شکر زیادہ ہو۔" (الذخیرۃ للقرافی، الباب الرابع فی زکاۃ المعشرات، ج3، ص82، دار الغرب الاسلامی، بیروت)

شوافع کا مؤقف

علامہ ابو الحسن علی بن محمد ماوردی شافعی (متوفی 450ھ) فرماتے ہیں:

"جسے آسمان کے پانی سے سیراب کیا ہو، یا نہر اور چشمے سے سیراب کیا جائے یا جو جڑوں کے ذریعہ پانی کھینچ کا سیراب ہو تو اس میں عشر ہے اور جس تک پانی کسی آلہ یا عمل کے ذریعہ پہنچے، جیسے اسے ڈول کے ذریعہ یا اونٹ کے ذریعہ یا نالی نکال کر سیراب کیا جائے تو اس میں نصف عشر ہے۔"

(الحاوی الکبیر، باب قدر الصدقۃ فیما اخرجت الارض، ج3، ص249، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

حنابلہ کا موقف

علامہ موفق الدین ابن قدامہ حنبلی (متوفی 620ھ) فرماتے ہیں:

"عشر اس صورت میں واجب ہے جبکہ بغیر مؤنت کے زمین کو سیراب کیا جائے، مثلاً جسے بارش اور نہروں کے پانی سے سیراب کیا جائے، اور وہ جو جڑوں سے سیراب ہو، اس کی صورت یہ ہوگی کہ درخت کے پاس پانی جمع ہو جائے پس اس تک درخت کی جڑیں پہنچ جائیں تو وہ اس سے مستغنی ہو جائے کہ اسے پانی دیا جائے، اور ایسے ہی جس کی جڑیں نہر تک پہنچ جائیں۔

اور نصف عشر اس صورت میں ہوگا جب زمین کو مؤنت کے ساتھ سیراب کیا جائے جیسا کہ ڈولوں یا اونٹنیوں کے ذریعہ سیراب کیا جائے، ہمیں معلوم نہیں کہ اس میں کسی کا اختلاف ہو، یہی امام مالک، ثوری، شافعی اور اصحاب رائے کا قول ہے۔" (المغنی لابن قدامہ، فصل الحکم الثالث العشر یجب فیما سقی بغیر مؤنۃ، ج3، ص9، مکتبۃ القاہرہ)

باب نمبر 442

مَا جاءَ فِی زَکَاۃ مَالِ الیَتِیم

یتیم کے مال کی زکوۃ

639- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ قَالَ: حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسَى قَالَ: حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ بْنُ مُسْلِمٍ، عَنِ الْمُثَنَّى بْنِ الصَّبَّاحِ، عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَطَبَ النَّاسَ فَقَالَ: أَلَا مَنْ وَلِيَ يَتِيمًا لَهُ مَالٌ فَلْيَتَّجِرْ فِيهِ، وَلَا يَتْرُكْهُ حَتَّى تَأْكُلَهُ الصَّدَقَةُ :وَإِنَّمَا رُوِيَ هَذَا الْحَدِيثُ مِنْ هَذَا الْوَجْهِ، وَفِي إِسْنَادِهِ مَقَالٌ، لِأَنَّ الْمُثَنَّى بْنَ الصَّبَّاحِ يُضَعَّفُ فِي الْحَدِيثِ، وَرَوَى بَعْضُهُمْ هَذَا الْحَدِيثَ، عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ، أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ فَذَكَرَ هَذَا الْحَدِيثَ، "وَقَدِ اخْتَلَفَ أَهْلُ الْعِلْمِ فِي هَذَا الْبَابِ، فَرَأَى غَيْرُ وَاحِدٍ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي مَالِ الْيَتِيمِ زَكَاةً مِنْهُمْ :عُمَرُ، وَعَلِيٌّ، وَعَائِشَةُ، وَابْنُ عُمَرَ، وَبِهِ يَقُولُ مَالِكٌ، وَالشَّافِعِيُّ، وَأَحْمَدُ، وَإِسْحَاقُ، وَقَالَتْ طَائِفَةٌ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ :لَيْسَ فِي مَالِ الْيَتِيمِ زَكَاةٌ، وَبِهِ يَقُولُ سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ، وَعَبْدُ اللَّهِ بْنُ الْمُبَارَكِ، وَعَمْرُو بْنُ شُعَيْبٍ هُوَ ابْنُ

حدیث: عمرو بن شعیب اپنے والد سے وہ ان کے دادا سے روایت کرتے ہیں: کہ بے شک نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے لوگوں کو خطبہ دیا تو ارشاد فرمایا: جو یتیم کے مال کا والی وارث ہو تو اس میں تجارت کرے اور اسے نہ چھوڑے حتیٰ کہ اسے زکاۃ کھا جائے۔

یہ حدیث اس سند سے مروی ہے اور اس کی سند میں گفتگو ہے کیونکہ مثنی بن صباح کی حدیث کے حوالے سے تضعیف کی جاتی ہے اور بعض نے اس حدیث کو اس طرح روایت کیا کہ وہ عمرو بن شعیب سے روایت کرتے ہیں کہ بے شک عمر بن خطاب.... پھر حدیث کو ذکر فرمایا اور اہلِ علم کا اس باب میں اختلاف ہے تو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت سے اصحاب یتیم کے مال میں زکاۃ کے قائل ہیں ان میں حضرت عمر، حضرت علی، حضرت سیدتنا عائشہ اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم شامل ہیں اور امام مالک، شافعی، احمد اور اسحٰق رحمہم اللہ بھی اسی بات کے قائل ہیں۔ اور اہلِ علم کا ایک گروہ کہتا ہے کہ یتیم کے مال میں زکاۃ نہیں ہے اور امام سفیان ثوری اور عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہما اسی بات کے قائل ہیں اور عمرو بن شعیب وہ محمد بن عبداللہ بن عمرو بن العاص کے بیٹے ہیں اور شعیب نے اپنے دادا عبداللہ بن عمرو سے سماعت کی ہے اور یحییٰ بن سعید کو

مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ العَاصِ، وَشُعَيْبٌ قَدْ سَمِعَ مِنْ جَدِّهِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو، وَقَدْ تَكَلَّمَ يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ فِي حَدِيثِ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ وَقَالَ :هُوَ عِنْدَنَا وَاهٍ، وَمَنْ ضَعَّفَهُ، فَإِنَّمَا ضَعَّفَهُ مِنْ قِبَلِ أَنَّهُ يُحَدِّثُ مِنْ صَحِيفَةِ جَدِّهِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو ، وَأَمَّا أَكْثَرُ أَهْلِ الحَدِيثِ فَيَحْتَجُّونَ بِحَدِيثِ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ، وَيُثْبِتُونَهُ مِنْهُمْ :أَحْمَدُ، وَإِسْحَاقُ وَغَيْرُهُمَا

عمرو بن شعیب کی حدیث میں کلام ہے اور وہ کہتے ہیں: وہ ہمارے نزدیک حدیث میں کمزور ہے اور جس نے ان کی تضعیف کی ہے تو انہوں نے اس وجہ سے تضعیف کی ہے کہ وہ اپنے دادا عبداللہ بن عمرو کے صحیفہ سے بیان کرتے ہیں۔ بہر حال اکثر محدثین عمرو بن شعیب کی حدیث سے استدلال کرتے ہیں اور اسے ثابت رکھتے ہیں ان میں امام احمد اور اسحٰق رحمہما اللہ وغیرہ ہیں۔

شرح حدیث

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ یتیم کے مال کا ولی اس میں تجارت کرے، تجارت کا فائدہ یہ ہوگا کہ اصل مال سے کچھ خرچ نہیں ہوگا بلکہ خرچہ اور صدقہ نفع سے نکلتا رہے گا اور اصل مال محفوظ رہے گا اور اگر اس میں تجارت نہیں کی جائے تو صدقہ یعنی زکوۃ اصل مال سے نکالی جائے گی تو اس کی وجہ سے مال کم ہو جائے گا گویا صدقہ مال کو کھا جائے گا۔ یہ حدیث پاک اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ نابالغ بچہ کے مال میں زکوۃ واجب ہوگی (کیونکہ یتیم نابالغ ہی ہوتا ہے)، اس حدیث پاک کے پیش نظر امام شافعی، مالک اور احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ چھوٹے بچہ کے مال میں زکوۃ واجب ہوگی جبکہ امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ نابالغ بچہ کے مال میں زکوۃ واجب نہیں ہوگی۔

(مرقاۃ المفاتیح ملخصاً، کتاب الزکوۃ، ج4، ص1275، دار الفکر، بیروت)

نابالغ بچے کے مال میں وجوب زکوۃ کے بارے میں مذاہب ائمہ

مالکیہ، شوافع اور حنابلہ کا مؤقف یہ ہے کہ نابالغ بچے کے مال میں زکوۃ واجب ہوگی اور ولی ان کے مال سے زکوۃ نکالے گا جبکہ احناف کا مؤقف یہ ہے کہ نابالغ کے مال میں زکوۃ واجب نہیں ہوگی۔

(حنابلہ: المغنی لابن قدامہ، ج 2، ص 622 ☆ شوافع: المجموع، ج 5، ص 329 تا 331 ☆ مالکیہ: الدسوقی، ج 1، ص 455 ☆ احناف: بدائع الصنائع، ج2، ص4، شرکۃ المطبوعات العلمیہ، القاہرہ)

دلائل پر بحث ونظر

علامہ محمود بدر الدین عینی حنفی فرماتے ہیں:

بچے کے مال میں زکوۃ واجب ہونے پر شوافع (مالکیہ اور حنابلہ) کی دلیل یہ حدیث پاک ہے: ((أَلَا مَن وَلِيَ يَتِيمًا لَهُ مَالٌ فَلْيَتَّجِرْ فِي مَالِهِ وَلَا يَتْرُكْهُ حَتَّى تَأْكُلَهُ الصَّدَقَةُ)) ترجمہ: جو یتیم کے مال کا والی وارث ہو تو اس میں تجارت کرے اور اسے نہ چھوڑے حتی کہ اسے زکاۃ کھا جائے۔ اسے ترمذی نے روایت کیا ہے۔

احناف یہ کہتے ہیں کہ وجوب زکوۃ کے لیے عقل اور بلوغت شرط ہے لہذا نابالغ بچے اور پاگل کے مال میں زکوۃ

واجب نہیں ہوگی ،اس پر دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث پاک ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا:((رفع الْقَلَم عَن ثَلَاثَة:عَن النَّائِم حَتَّی يَسْتَيْقِظ، وَعَن الصَّبِی حَتَّی يَحْتَلِم، وَعَن الْمَجْنُون حَتَّی يـفِيـق)) ترجمہ: تین قسم کے اشخاص سے قلم اٹھالیا گیا ہے: ایک سونے والے سے یہاں تک کہ جاگ جائے ،دوسرا بچے سے یہاں تک کہ بالغ ہوجائے ،تیسرا پاگل سے یہاں تک کہ ٹھیک ہوجائے۔

اور جامع ترمذی کی روایت ضعیف ہے کیونکہ اس کی سند میں مثنی بن الصباح ہے،امام احمد نے اس کے بارے میں فرمایا:لَا يُسَاوِی شَيْئـا یعنی وہ کسی چیز کے برابر نہیں،امام نسائی نے کہا کہ وہ متروک الحدیث ہے،امام یحیی نے فرمایا:وہ کوئی شے نہیں،امام ترمذی نے اسے روایت کرنے کے بعد فرمایا:اس کی سند میں کلام ہے کیونکہ مثنی بن الصباح کو حدیث میں ضعیف قرار دیا گیا ہے۔

اگر تم کہو کہ دارقطنی نے مندل عن ابی اسحاق الشیبانی عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کی سند سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا:((إحفظوا الْيَتَامَی فِي أَمْوَالهم لَا تأكلها الزَّكَاة)) یتیموں کے اموال کی حفاظت کرو کہ انہیں زکوۃ نہ کھاجائے۔

میں (علامہ عینی) کہتا ہوں کہ مندل بن علی کوفی کو امام احمد نے ضعیف قرار دیا ہے،ابن حبان نے کہا کہ وہ اپنے کمزور حافظہ کی وجہ سے مراسیل کو مرفوع بنادیتا ہے اور موقوف روایات کو مسند بنادیتا ہے،لہذا وہ ترک کا مستحق ہے........

امام ترمذی نے کہا کہ اہلِ علم کا ایک گروہ کہتا ہے کہ یتیم کے مال میں زکاۃ نہیں ہے اور امام سفیان ثوری اور عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہما اسی بات کے قائل ہیں، میں (علامہ عینی) کہتا ہوں کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے اصحاب کا بھی یہی قول ہے اور یہی قول حضرت ابووائل ،سعید بن جبیر،امام نخعی،امام شعبی اور امام حسن بصری کا ہے،اور امام حسن بصری سے تو اس بات پر اجماع صحابہ حکایت کیا گیا ہے۔اور حضرت سعید بن مسیّب نے کہا کہ زکوۃ صرف اس پر واجب ہوتی ہے جس پر نماز اور روزہ واجب ہوتا ہے،حمید بن زنجویہ النسائی نے ذکر کیا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا بھی یہی مذہب ہے۔مبسوط میں ہے کہ یہی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بھی قول ہے،اور جعفر بن محمد نے اپنی والد سے اسی کی مثل روایت کیا ہے،اور اسی کے قائل قاضی شُرَیح ہیں،اسے نسائی نے ذکر کیا ہے۔

(عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری، باب وجوب الزکوۃ، ج8، ص237، داراحیاء التراث العربی، بیروت)

علامہ علی بن سلطان محمد القاری حنفی فرماتے ہیں:

علامہ ابن حجر نے فرمایا کہ جامع ترمذی کی یہ روایت صرف متصلاً ضعیف ہے، جبکہ مرسلاً اس کی سند صحیح ہے، علامہ ابن حجر کا یہ قول غیر صحیح ہے بلکہ انہی پر مردود ہے کیونکہ جس حدیث پاک کی دو سندیں ہوں ایک صحیح ہو اور دوسری ضعیف ہو تو اس کے بارے میں ایسا قول صحیح ہوتا ہے، جبکہ اس حدیث پاک کو جو ضعیف قرار دیا گیا وہ اتصال اور ارسال کے احتمال کی وجہ سے قرار دیا گیا، اس حدیث میں راوی نے تدلیس کی ہے کہ اتصال کا وہم پیدا کیا ہے علاوہ ازیں اس کے ضعف کی علت جیسا کہ امام ترمذی نے ذکر کی ہے وہ صرف یہ ہے کہ اس کا راوی مثنی ضعیف ہے اور یہ حدیث پاک اس وجہ میں منحصر ہے (یعنی اس کی یہی سند ہے)، اور امام احمد نے تصریح کی ہے کہ یہ حدیث صحیح نہیں، ورنہ مرسل تو ہمارے اور جمہور کے نزدیک حجت ہے، جبکہ امام شافعی کے نزدیک حجت نہیں جب تک اس کو کسی اور طرف سے تقویت نہ ملے۔

ان کا یہ کہنا ممنوع ہے، قابلِ تسلیم نہیں کہ صحیحین کی ان دو احادیث کے عموم سے اس کی تائید ہو رہی ہے، ارشاد فرمایا: ((تُؤخذُ مِنْ أَغْنِيَائِهِمْ)) زکوۃ ان کے اغنیا سے لی جائے گی۔

(مسند امام احمد بن حنبل، حدیث نمبر1995، سنن دارمی، حدیث نمبر1579، صحیح بخاری، حدیث نمبر1313، 1407، 4025، صحیح مسلم، حدیث 30، 31، سنن ابن ماجہ، حدیث 1773، سنن ابی داؤد، حدیث 1354، جامع ترمذی، حدیث 567، سنن نسائی الصغری، حدیث 2402، 2486)

اور حدیث پاک میں ہے: ((فَرَضَهَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْمُسْلِمِينَ)) (رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مسلمانوں پر زکوۃ کو فرض کیا)

یہ ممنوع اس وجہ سے ہے کہ اس بات پر امت کا اجماع ہے کہ احکامِ عامہ مکلفین پر محمول ہوتے ہیں یعنی ان میں مکلفین ہی مراد ہوتے ہیں تو ان احادیث میں بھی مکلفین ہی مراد ہوں گے، اور نابالغ بچہ مکلف نہیں ہوتا۔

امام ابن ہمام نے فرمایا: یہ حدیث ضعیف ہے، امام ترمذی نے فرمایا: یہ حدیث صرف اسی سند سے مروی ہے اور اس کی سند میں کلام ہے کیونکہ مثنی کو حدیث کے معاملہ میں ضعیف قرار دیا گیا ہے، صاحب تنقیح نے کہا کہ مھنّی کہتے ہیں: میں نے امام احمد بن حنبل سے اس حدیث پاک کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے فرمایا کہ یہ صحیح نہیں۔ اور اس حدیث پاک کے امام دارقطنی کے نزدیک دو اور بھی طریق ہیں، مگر امام دارقطنی کا خود اعتراف ہے کہ وہ دونوں بھی ضعیف ہیں۔

جبکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ((رُفِعَ الْقَلَمُ عَنْ ثَلَاثَةٍ:عَنِ النَّائِمِ حَتّٰی یَسْتَیْقِظَ، وَعَنِ الصَّبِیِّ حَتّٰی یَحْتَلِمَ،وَعَنِ الْمَجْنُونِ حَتّٰی یَعْقِلَ)) ترجمہ: تین قسم کے اشخاص سے قلم اٹھالیا گیا ہے،ایک سونے والے سے یہاں تک کہ جاگ جائے،دوسرا بچے سے یہاں تک کہ بالغ ہوجائے،تیسرا پاگل سے یہاں تک کہ اسے عقل آجائے۔اسے امام ابوداؤد،نسائی اور امام حاکم نے روایت کیا ہے اور امام حاکم نے اس کی تصحیح کی ہے۔

اور جو حضرت عمر،حضرت عبداللہ ابن عمر اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم سے بچے کے مال میں وجوبِ زکوۃ کا قول مروی ہے ضروری نہیں کہ وہ انہوں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنا ہو کیونکہ اس میں رائے کا امکان ہے،پس جائز ہے کہ اس قول کی بنا ان کے اجتہاد پر ہو تو حاصل یہ ہوا کہ یہ صحابی کا اجتہادی قول دوسرے صحابی کی رائے کے معارض ہوا ،چنانچہ امام محمد نے کتاب الآثار میں روایت کیا کہ ہمیں امام ابوحنیفہ نے خبر دی،وہ فرماتے ہیں کہ ہمیں لیث بن سلیم نے بیان کیا،وہ مجاہد سے روایت کرتے ہیں اور وہ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں،انہوں نے فرمایا:((لَیْسَ فِی مَالِ الْیَتِیمِ زَکَاةٌ)) ترجمہ: یتیم کے مال میں زکوۃ نہیں۔

اور لیث علماء عُبّاد میں سے ایک ہیں،اور کہا گیا کہ ان کی آخری عمر میں اختلاط ہوگیا تھا اور یہ بات معلوم ہے کہ امام ابوحنیفہ ان کے پاس نہیں گئے کہ اختلاط کی حالت میں ان سے لیں اور آگے روایت کریں،کہ روایت کے معاملہ میں جتنی شدت وہ کرتے تھے ان کے علاوہ کوئی نہیں کرتا تھا جیسا کہ معروف ہے۔

اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مثل قول حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی مروی ہے،اس قول میں ابن لھیعہ متفرد ہیں۔ (مرقاۃ المفاتیح ملخصاً،کتاب الزکوۃ،ج4،ص1276،دار الفکر،بیروت)

باب نمبر443

مَا جَاءَ أَنَّ الْعَجْمَاءَ جَرْحُهَا جُبَارٌ وَفِي الرِّكَازِ الْخُمُسُ

چوپائے کے زخموں میں معافی ہے اور دفینہ میں پانچواں حصہ ہے

640- حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ قَالَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ بْنُ سَعْدٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيِّبِ، وَأَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: الْعَجْمَاءُ جَرْحُهَا جُبَارٌ، وَالْمَعْدِنُ جُبَارٌ، وَالْبِئْرُ جُبَارٌ، وَفِي الرِّكَازِ الْخُمُسُ وَفِي الْبَابِ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، وَعَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو، وَعُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ، وَعَمْرِو بْنِ عَوْفٍ الْمُزَنِيِّ، وَجَابِرٍ، قَالَ ابوعيسى: هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

حدیث: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں: جانوروں کا زخم معاف ہے، کان اور کنواں معاف ہے اور دفینہ میں پانچواں حصہ ہے۔

اور اس باب میں حضرت انس بن مالک، حضرت عبداللہ بن عمرو، حضرت عبادہ بن صامت، حضرت عمرو بن عوف المزنی اور حضرت جابر رضی اللہ عنہم سے بھی روایات مروی ہیں۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

شرح حدیث

جانوروں کے زخم معاف ہونے کی تفصیل

علامہ علی بن سلطان محمد القاری حنفی فرماتے ہیں:

عَجماء کا معنی ہے "چوپائے، جانور"، یہ اَعجم کی مؤنث ہے، اصل میں اس کا معنی ہے جو کلام پر قادر نہ ہو، جانوروں کو یہ نام اس لیے دیا گیا کیوں کہ وہ کلام نہیں کرتے۔

جَرحہا (جانوروں کے زخم) سے یہاں مراد اُن کا اِتلاف (یعنی تلف کرنا) ہے، قاضی عِیاض نے کہا: اسے جَرح (زخمی کرنے) سے تعبیر اس لیے کیا کیونکہ یہی اغلب ہے، اور کہا گیا کہ یہ ایک مثال ہے حدیث پاک میں اِس سے اِس کے علاوہ پر تشبیہ کی گئی ہے۔

جُبَار کا معنی ہے رائیگاں جانا..... حدیث پاک کا مطلب یہ ہوا کہ جب جانور کسی چیز کو تلف کرے اور اس کے ساتھ آگے سے یا پیچھے سے چلانے والا کوئی نہ ہو اور دن ہو تو اس پر کوئی تاوان نہیں۔ اور اگر اس کے ساتھ کوئی شخص کو تو وہی ضامن ہوگا کیونکہ یہ اِتلاف اس کی تقصیر سے حاصل ہوا اور ایسے ہی اگر رات ہو کیونکہ مالک نے اس کے باندھنے میں تقصیر کی ہے کہ عادۃً رات کو جانوروں کو باندھ دیتے ہیں اور دن میں کھول دیتے ہیں، ایسا ہی علامہ طیبی اور علامہ ابن الملک نے ذکر کیا ہے۔

کنواں اور کان کے معاف ہونے کی تفصیل

کنواں معاف ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ ایسا کنواں جو بغیر تعدی کے کھودا گیا ہو جب کوئی اس میں گر جائے کھودنے والے پر تاوان نہیں یا یہ کھودنے والے پر گر جائے تو کھودنے کا حکم دینے والے پر تاوان نہیں۔

اور معدن یعنی کان معاف ہے، اس میں بھی کنویں والی دو صورتیں بنیں گی، علامہ ابن ملک نے کہا: جب کوئی شخص کنواں اپنی ملک میں یا مباح زمین میں کھودے اور کوئی شخص یا کسی کا جانور اس میں گر جائے تو اس زمین کھودنے والے پر کوئی تاوان نہیں، البتہ اگر اس نے راستہ میں یا غیر کی ملک میں اس کی اجازت کے بغیر کنواں کھودا ہو تو کھودنے

والے کے عاقلہ پر تاوان ہوگا، اور ایسے ہی جب کوئی ایک ایسی جگہ کھودے جہاں سونا یا چاندی ہو، تاکہ اس سے نکالے اور اس میں کوئی شخص یا جانور گر جائے تو کھودنے والے پر کوئی تاوان نہیں کیونکہ وہ اس میں تعدی کرنے والا نہیں۔ اور علامہ طیبی نے کہا کہ جب کسی نے کسی شخص کو کنواں کھودنے یا کان کھودنے پر اجیر رکھا اور وہ کنواں یا کان اس پر گر پڑے تو مستأجر یعنی اجیر رکھنے والے پر کوئی تاوان نہیں، اور ایسے ہی جب اس میں کوئی انسان گر جائے اور ہلاک ہو جائے تو کھودنے والے پر کوئی تاوان نہیں بشرطیکہ یہ کنواں یا کان کھودنا تعدی کے طور پر نہ ہو اور اگر تعدی کے طور پر ہو تو اس میں اختلاف ہے۔

رِکاز کسے کہتے ہیں، اور اس میں پانچواں حصہ ہونے کی تفصیل

رِکاز میں پانچواں حصہ ہے، علامہ طیبی نے کہا: رکاز اہل عراق یعنی امام ابوحنیفہ کے اصحاب کے نزدیک "کان" ہے، کیونکہ مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے رِکاز کے بارے میں سوال کیا گیا تو ارشاد فرمایا: ((الذَّهَبُ الَّذِي خَلَقَهُ اللّٰهُ فِي الْأَرْضِ يَوْمَ خُلِقَتْ)) ترجمہ: وہ سونا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے زمین میں پیدا کیا تخلیق کرنے کے دن۔

اور اہل حجاز کے نزدیک اس سے مراد اہل جاہلیت کا دفینہ ہے اور یہی اہل عرب کے استعمال کے موافق ہے اور اس میں وجوبِ خمس کے مناسب ہے۔

کہا گیا کہ معنی اول زیادہ مناسب ہے کیونکہ ماقبل معدن یعنی کان کے گرنے (یا اس میں گرنے) کا ذکر ہے۔

علامہ ابن ملک نے کہا: لغت دونوں کا احتمال رکھتی ہے کیونکہ دونوں زمین میں مرکوز ہوتے ہیں یعنی ثابت ہوتے ہیں، اور کہا جاتا ہے: رَكَزَهُ یعنی اس نے اسے دفن کیا۔ اور کہا گیا کہ حدیث حجاز کی رائے کے موافق ہے اور اس میں خمس اس کے نفع کی کثرت اور حصول کے آسان ہونے کی وجہ سے ہے۔

علامہ ابن ہمام نے فرمایا: رِکاز معدن اور کنز (دفینے) کو عام ہے کیونکہ یہ رَکز سے ہے اور اس سے مراد کو زمین میں مرکوز (گڑھا) ہو، عام ہے کہ چاہے یہ زمین میں گڑھنا خالق کی طرف سے ہو یا مخلوق کی طرف سے، پس ان دونوں میں ایجاب ہوگا۔

اشکال: یہاں رکاز سے مراد "کان" نہیں ہوسکتا کیونکہ اس سے ماقبل "کان" کے بارے میں فرمادیا کہ یہ

معاف ہے یعنی اس میں کچھ نہیں، ورنہ تناقض لازم آئے گا کہ پہلے فرمایا کہ "کان" میں کچھ نہیں، پھر فرمایا کہ اس میں خمس ہے۔

جواب: اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ پہلے جو فرمایا کہ کان میں کچھ نہیں تو اس سے مراد یہ ہے کہ اس میں گر کر کوئی ہلاک ہو جائے تو کھودنے والے پر تاوان نہیں یا جس اجیر پر کان گر جائے تو مستاجر پر تاوان نہیں، یہ مراد نہیں کہ فی نفسہ اس میں کچھ لازم نہیں، لہذا دونوں میں فرق ہے، ورنہ تو کان میں اصلاً کچھ بھی لازم نہیں ہوگا اور یہ متفق علیہ مسئلہ کے خلاف ہو جائے گا، کیونکہ اختلاف تو مقدار میں ہے کہ کتنی مقدار لازم ہے، نہ کہ اصل میں۔

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((فِي الرِّكَازِ الْخُمُسُ "، قِيلَ: وَمَا الرِّكَازُ يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ قَالَ: الذَّهَبُ الَّذِي خَلَقَهُ اللَّهُ فِي الْأَرْضِ، يَوْمَ خُلِقَتِ الْأَرْضُ)) ترجمہ: رکاز میں پانچواں حصہ لازم ہے، عرض کیا گیا: یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رِکاز کیا ہے؟ ارشاد فرمایا: وہ سونا جسے اللہ تعالیٰ نے زمین میں پیدا کیا ہے پیدا کرنے کے دن۔ اسے امام بیہقی نے روایت کیا ہے.....

پھر جان لو کہ کان سے نکلنے والی اشیاء تین طرح کی ہیں:

(۱) ایسی جامد جو پگھل جاتی ہو اور ڈھل جاتی ہو جیسا کہ سونا، چاندی اور لوہا وغیرہ۔

(۲) جو جامد نہ ہوں جیسا کہ پانی، تارکول، تیل۔

(۳) ایسی جامد جو ڈھلتی نہ ہو جیسا کہ چونا، نورہ، ہڑتال، اور تمام پتھر جیسا کہ یاقوت، نمک۔

اور خمس واجب نہیں ہوتا مگر صرف پہلی قسم میں اور امام شافعی کے نزدیک صرف سونا چاندی میں واجب ہوتا ہے۔

(مرقاۃ المفاتیح، باب ما یجب فیہ الزکوۃ، ج 4، ص 1287، دار الفکر، بیروت)

عندالاحناف کان اور دفینے کے کچھ مسائل

☆ کان سے لوہا، سیسہ، تانبا، پیتل، سونا چاندی نکلے، اس میں خمس (پانچواں حصہ) لیا جائے گا اور باقی پانے والے کا ہے۔ خواہ وہ پانے والا آزاد ہو یا غلام، مسلمان ہو یا ذِمّی، مرد ہو یا عورت، بالغ ہو یا نابالغ، وہ زمین جس سے یہ چیزیں نکلیں عشری ہو یا خراجی۔ (فتاوی ہندیہ"، کتاب الزکاۃ، الباب الخامس فی المعادن والرکاز، ج 1، ص 184)

☆ یہ اُس صورت میں ہے کہ زمین کسی شخص کی مملوک نہ ہو، مثلاً جنگل ہو یا پہاڑ اور اگر مملوک ہے تو کُل مالکِ زمین کو دیا جائے خمس بھی نہ لیا جائے۔ (الدرالمختار "و" ردالمحتار"، کتاب الزکاۃ، باب الرکاز، ج3، ص305)

☆ فیروزہ ویاقوت وزمرد و دیگر جواہر اور سرمہ، پھٹکری، چونا، موتی میں اور نمک وغیرہ بہنے والی چیزوں میں خمس نہیں۔ (الدرالمختار "و" ردالمحتار"، کتاب الزکاۃ، باب الرکاز، ج3، ص301)

☆ مکان یا دکان میں کان نکلی تو خمس نہ لیا جائے، بلکہ کُل مالک کو دیا جائے۔

(الدرالمختار، کتاب الزکاۃ، باب الرکاز، ج3، ص305)

☆ فیروزہ، یاقوت، زمرد وغیرہ جواہر سلطنت اسلام سے پیشتر کے دفن تھے اور اب نکلے تو خمس لیا جائے گا یہ مالِ غنیمت ہے۔ (الدرالمختار، کتاب الزکاۃ، باب الرکاز، ج3، ص306)

☆ موتی اور اس کے علاوہ جو کچھ دریا سے نکلے، اگرچہ سونا کہ پانی کی تہ میں تھا، سب پانے والے کا ہے بشرطیکہ اس میں کوئی اسلامی نشانی نہ ہو۔ (الدرالمختار، کتاب الزکاۃ، باب الرکاز، ج3، ص306)

☆ جس دفینہ میں اسلامی نشانی پائی جائے خواہ وہ نقد ہو یا ہتھیار یا خانہ داری کے سامان وغیرہ، وہ لقطہ (یعنی گرے پڑے مال) کے حکم میں ہے یعنی مسجدوں، بازاروں میں اس کا اعلان اتنے دنوں تک کرے کہ ظن غالب ہو جائے کہ اب اس کا تلاش کرنے والا نہ ملے گا پھر مساکین کو دے دے اور خود فقیر ہو تو اپنے صرف میں لائے اور اگر اس میں کفر کی علامت ہو، مثلاً بُت کی تصویر ہو یا کافر بادشاہ کا نام اس پر لکھا ہو، اُس میں سے خمس لیا جائے، باقی پانے والے کو دیا جائے، خواہ اپنی زمین میں پائے یا دوسرے کی زمین میں یا مباح زمین میں۔

(الدرالمختار "و" ردالمحتار"، کتاب الزکاۃ، باب الرکاز، ج3، ص307)

☆ حربی کافر نے دفینہ نکالا تو اُسے کچھ نہ دیا جائے اور جو اُس نے لے لیا ہے واپس لیا جائے، ہاں اگر بادشاہِ اسلام کے حکم سے کھود کر نکالا تو جو ٹھہرا ہے وہ دیں گے۔ (فتاوی ہندیہ، کتاب الزکوۃ، الباب الخامس فی المعادن والرکاز، ج1، ص184)

☆ دفینہ نکالنے میں دو شخصوں نے کام کیا تو خمس کے بعد باقی اُسے دیں گے جس نے پایا، اگرچہ دونوں نے شرکت کے ساتھ کام کیا ہے کہ یہ شرکت فاسدہ ہے اور اگر شرکت کی صورت میں دونوں نے پایا اور یہ نہیں معلوم کہ کتنا کس

نے پایا تو نصف نصف کے شریک ہیں اور اس صورت میں اگر ایک نے پایا اور دوسرے نے مدد کی تو وہ پانے والے کا ہے اور مددگار کو کام کی مزدوری دی جائے گی اور اگر دفینہ نکالنے پر مزدور رکھا تو جو برآمد ہوگا مزدور کو ملے گا، مستاجر کو کچھ نہیں کہ یہ اجارہ فاسد ہے۔ (ردالمحتار، کتاب الزکاۃ، باب الرکاز، ج3، ص308)

☆دفینہ میں نہ اسلامی علامت ہے، نہ کفر کی تو زمانہ کفر کا قرار دیا جائے۔

(فتاوٰی ہندیہ، کتاب الزکوۃ، الباب الخامس فی المعادن والرکاز، ج1، ص185)

☆صحرائے دارالحرب میں سے جو کچھ نکلا معدنی ہو یا دفینہ اُس میں خمس نہیں، بلکہ کُل پانے والے کو ملے گا اور اگر بہت سے لوگ بطور غلبہ کے نکال لائے تو اس میں خمس لیا جائے گا کہ یہ غنیمت ہے۔

(الدرالمختار، کتاب الزکاۃ، باب الرکاز، ج3، ص309)

☆مسلمان دارالحرب میں امن لے کر گیا اور وہاں کسی کی مملوک زمین سے خزانہ یا کان نکالی تو مالکِ زمین کو واپس دے اور اگر واپس نہ کیا بلکہ دارالاسلام میں لے آیا تو یہی مالک ہے مگر مِلک خبیث ہے، لہٰذا تصدق کرے اور بیچ ڈالا تو بیع صحیح ہے، مگر خریدار کے لیے بھی خبیث ہے اور اگر امان لے کر نہیں گیا تھا تو یہ مال اس کے لیے حلال ہے، نہ واپس کرے نہ اس میں خمس لیا جائے۔ (الدرالمختار، کتاب الزکاۃ، باب الرکاز، ج3، ص309)

☆خمس مساکین کا حق ہے کہ بادشاہِ اسلام اُن پر صرف کرے اور اگر اُس نے بطور خود مساکین کو دے دیا جب بھی جائز ہے، بادشاہِ اسلام کو خبر پہنچے تو اُسے برقرار رکھے اور اُس کے تصرف کو نافذ کر دے اور اگر یہ خود مسکین ہے تو بقدرِ حاجت اپنے صرف میں لاسکتا ہے اور اگر خمس نکالنے کے بعد باقی دوسو درم کی قدر ہے تو خُمس اپنے صرف میں نہیں لاسکتا کہ اب یہ فقیر نہیں ہاں اگر مدیون ہو کہ دَین نکالنے کے بعد دوسو درم کی قدر باقی نہیں رہتا تو خُمس اپنے صرف میں لاسکتا ہے اور اگر ماں باپ یا اولاد جو مساکین ہیں، اُن کو خُمس دیدے تو یہ بھی جائز ہے۔

(الدرالمختار "و" ردالمحتار"، کتاب الزکاۃ، باب الرکاز، ج3، ص311)

باب نمبر 444

مَا جَاءَ فِي الْخَرْصِ

اندازہ لگانا

641- حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو دَاوُدَ الطَّيَالِسِيُّ قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ قَالَ: أَخْبَرَنِي خُبَيْبُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، قَالَ: سَمِعْتُ عَبْدَ الرَّحْمَنِ بْنَ مَسْعُودِ بْنِ نِيَارٍ، يَقُولُ: جَاءَ سَهْلُ بْنُ أَبِي حَثْمَةَ إِلَى مَجْلِسِنَا فَحَدَّثَ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُولُ: إِذَا خَرَصْتُمْ فَخُذُوا وَدَعُوا الثُّلُثَ، فَإِنْ لَمْ تَدَعُوا الثُّلُثَ، فَدَعُوا الرُّبُعَ وَفِي البَابِ عَنْ عَائِشَةَ، وَعَتَّابِ بْنِ أَسِيدٍ، وَابْنِ عَبَّاسٍ: وَالعَمَلُ عَلَى حَدِيثِ سَهْلِ بْنِ أَبِي حَثْمَةَ عِنْدَ أَكْثَرِ أَهْلِ العِلْمِ فِي الخَرْصِ، وَبِحَدِيثِ سَهْلِ بْنِ أَبِي حَثْمَةَ، يَقُولُ أَحْمَدُ، وَإِسْحَاقُ، " وَالخَرْصُ إِذَا أَدْرَكَتِ الثِّمَارُ مِنَ الرُّطَبِ وَالعِنَبِ مِمَّا فِيهِ الزَّكَاةُ بَعَثَ السُّلْطَانُ خَارِصًا يَخْرُصُ عَلَيْهِمْ، وَالخَرْصُ: أَنْ يَنْظُرَ مَنْ يُبْصِرُ ذَلِكَ فَيَقُولُ: يَخْرُجُ مِنْ هَذَا الزَّبِيبِ كَذَا، وَكَذَا، وَمِنَ التَّمْرِ، كَذَا، وَكَذَا، فَيُحْصِي عَلَيْهِمْ وَيَنْظُرُ مَبْلَغَ العُشْرِ مِنْ ذَلِكَ فَيُثْبِتُ عَلَيْهِمْ، ثُمَّ يُخَلِّي بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ الثِّمَارِ،

حدیث: عبدالرحمٰن بن مسعود بن نیار بیان کرتے ہیں سہل بن ابوحثمہ رضی اللہ عنہ ہمارے پاس آئے تو انہوں نے حدیث بیان کی بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ جب تم کسی چیز کا اندازہ لگاؤ تو اسے لو اور تیسرا حصہ چھوڑ دو اور اگر تیسرا حصہ نہ چھوڑو تو چوتھا حصہ چھوڑ دو۔

اور اس باب میں حضرت سیدتنا عائشہ، حضرت عتاب بن اسید اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی روایات مروی ہیں۔ اور اندازہ لگانے کے حوالے سے اکثر اہلِ علم کا سہل بن ابوحثمہ کی حدیث پر عمل ہے امام احمد اور اسحٰق کا بھی اسی پر عمل ہے: اندازہ لگانا یہ ہے جب کھجوریں اور انگور یعنی ایسے پھل جن میں زکوۃ ہے پک جائیں تو سلطان ایک اندازہ لگانے والے کو بھیجے جو ان کا اندازہ لگائے اور اندازہ یہ ہے جو اس بارے میں بصیرت رکھتا ہو وہ اس میں نظر کرے تو وہ کہے اس منقہ سے اتنا اتنا پھل نکلے گا اور کھجوروں میں سے اتنا اتنا نکلے گا تو وہ شمار کرے اور اس میں سے عشر کی مقدار کا حساب لگائے تو یہ ان پر ثابت کرے پھر انہیں ان کے پھلوں کے درمیان چھوڑ دے تو وہ جو چاہیں کریں تو جب پھل پک جائیں تو ان میں سے عشر لے لیا جائے اسی طرح بعض اہلِ علم نے اس کی

فَيَصْنَعُونَ مَا أَحَبُّوا، فَإِذَا أَدْرَكَتِ الثِّمَارُ، أُخِذَ مِنْهُمُ الْعُشْرُ، هٰكَذَا فَسَّرَهُ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ، وَبِهٰذَا يَقُولُ مَالِكٌ، وَالشَّافِعِيُّ، وَأَحْمَدُ، وَإِسْحَاقُ "

تفسیر بیان کی اور امام مالک، شافعی، احمد اور اسحٰق رضی اللہ عنہم بھی اسی بات کے قائل ہیں۔

642۔حَدَّثَنَا أَبُو عَمْرٍو مُسْلِمُ بْنُ عَمْرٍو الْحَذَّاءُ الْمَدِينِيُّ قَالَ :حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ نَافِعٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ صَالِحٍ التَّمَّارِ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيِّبِ، عَنْ عَتَّابِ بْنِ أَسِيدٍ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَبْعَثُ عَلَى النَّاسِ مَنْ يَخْرُصُ عَلَيْهِمْ كُرُومَهُمْ وَثِمَارَهُمْ

وَبِهٰذَا الإِسْنَادِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِي زَكَاةِ الْكُرُومِ :إِنَّهَا تُخْرَصُ كَمَا يُخْرَصُ النَّخْلُ، ثُمَّ تُؤَدَّى زَكَاتُهُ زَبِيبًا كَمَا تُؤَدَّى زَكَاةُ النَّخْلِ تَمْرًا ،قال ابوعیسیٰ:ہٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ .وَقَدْ رَوَى ابْنُ جُرَيْجٍ ہٰذَا الْحَدِيثَ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ .وَسَأَلْتُ مُحَمَّدًا عَنْ ہٰذَا الْحَدِيثِ، فَقَالَ :حَدِيثُ ابْنِ جُرَيْجٍ غَيْرُ مَحْفُوظٍ، وَحَدِيثُ ابْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ عَتَّابِ بْنِ أَسِيدٍ أَثْبَتُ وَأَصَحُّ

حدیث: حضرت عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے پاس ایسے آدمی کو بھیجا کرتے جو ان کے انگوروں اور پھلوں کا اندازہ کرتے۔

اور اسی اسناد سے ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے انگوروں کی زکاۃ کے بارے میں فرمایا کہ ان کا اندازہ یوں ہی لگایا جائے گا جس طرح کھجوروں کا اندازہ لگایا جاتا ہے پھر منقہ کی صورت میں اس کی زکاۃ ادا کی جائے گی جیسا کہ کھجوروں کی خشک ہونے کی صورت میں ادا کی جاتی ہے۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں: یہ حدیث حسن غریب ہے۔اور ابن جریج نے اس حدیث کو سیدتنا عائشہ رضی اللہ عنہا سے بواسطہ ابن شہاب اور عروہ روایت کیا اور میں نے محمد بن اسماعیل بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے اس حدیث کے بارے میں پوچھا تو فرمایا: ابن جریج کی حدیث غیر محفوظ ہے اور ابن مسیّب کی عتاب بن اُسید رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث زیادہ ثابت اور صحیح ہے۔

شرح حدیث

خرص یعنی اندازہ لگانے سے مراد اور اس میں مذاہب ائمہ

خرص یعنی اندازہ لگانا یہ ہے کہ جب کھجوریں اور انگور وغیرہ پک جائیں تو سلطان ایک اندازہ لگانے والے کو بھیجے جو ان کی طرف نظر کر کے اندازہ لگائے اور بتائے کہ اس میں اتنی اتنی کھجوریں نکلیں گی یا اتنا اتنا انگور نکلے گا، پھر وہ اس میں سے عشر کی مقدار کا حساب لگائے گا، اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ زمین کے مالکان آزاد ہو جائیں گے کہ جس طرح چاہیں اس میں تصرف کریں، کھائیں کھلائیں اور زکوۃ وصول کرنے والے بھی بے فکر ہو جائیں گے، اب انہیں نگرانی نہیں کرنا پڑے گی اور یہ اندیشہ نہ رہے گا کہ باغ والے پیداوار میں سے کچھ چھپالیں گے۔

پھر جب وہ پھل بالکل تیار ہو جائیں گے تو جو پہلے حساب لگایا گیا تھا اس کے مطابق ان سے عشر لیا جائے گا۔

یہی امام مالک، امام شافعی اور امام احمد کا موقف ہے۔

جبکہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے اصحاب کا موقف یہ ہے کہ خرص یعنی اندازہ لگانے کا حکم سود اور قمار کی حرمت سے پہلے کا ہے پھر جب سود اور قمار کی حرمت کا حکم آ گیا تو خرص کا حکم منسوخ ہو گیا۔

البتہ اگر اس لیے اندازہ لگایا گیا کہ کہیں پھلوں کے مالک خیانت نہ کریں تو اس میں کوئی حرج نہیں، جبکہ اس کی وجہ سے حکم کا لزوم نہیں ہوگا۔ (شرح ابی داؤد للعینی ملخصا، باب فی الخرص، ج6، ص309,310، مکتبۃ الرشد، ریاض)

تیسرا یا چوتھا حصہ چھوڑنے سے مراد اور اس میں مذاہب ائمہ

امام احمد بن حنبل اور امام شافعی کا قول قدیم یہ ہے کہ زکوۃ وصول کرنے والا تیسرا یا چوتھا حصہ چھوڑ دے تاکہ مالک کے گھر والے کھائیں۔ جبکہ امام مالک، امام ابو حنیفہ اور امام شافعی کا قول جدید یہ ہے کہ زکوۃ میں سے کچھ نہیں چھوڑا جائے گا۔

اور اس باب کی حدیث پاک کی تاویل یہ ہے کہ یہاں مسلمانوں سے عشر لینے کی بات نہیں ہو رہی بلکہ یہ معاملہ خیبر کے یہودیوں کے ساتھ ہوا تھا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ اس شرط پر مساقاۃ کا معاملہ کیا تھا کہ اُن

کے لیے نصف پھل ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے نصف ہیں، پس اس صورت میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خارص (اندازہ لگانے والے) کو حکم دیا کہ وہ ثلث یا ربع ان کے لیے مسلّم چھوڑ دے اور باقی میں سے نصف اُن کے لیے اور نصف رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے۔

ایک تاویل یہ کی گئی کہ یہاں عشر ہی مراد ہے اور عاملین کو حکم دیا گیا کہ تیسرا یا چوتھا حصہ چھوڑ دیں کہ مالکان اس کو خود اپنے محتاج اقارب اور محتاج پڑسیوں میں تقسیم کریں کیونکہ اُن کو بھی اس میں طمع ہوتی ہے۔

(مرقاۃ المفاتیح ملخصا، باب ما یجب فیہ الزکوۃ، ج4، ص1292، دار الفکر، بیروت)

باب نمبر 445

مَا جَاءَ فِي الْعَامِلِ عَلَى الصَّدَقَةِ بِالْحَقِّ

زکاۃ کی وصولی کا سچا اور ایماندار عامل

643- حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ قَالَ: حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ قَالَ: أَخْبَرَنَا يَزِيدُ بْنُ عِيَاضٍ، عَنْ عَاصِمِ بْنِ عُمَرَ بْنِ قَتَادَةَ، ح وحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ خَالِدٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْحَاقَ، عَنْ عَاصِمِ بْنِ عُمَرَ بْنِ قَتَادَةَ، عَنْ مَحْمُودِ بْنِ لَبِيدٍ، عَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: الْعَامِلُ عَلَى الصَّدَقَةِ بِالْحَقِّ كَالْغَازِي فِي سَبِيلِ اللَّهِ حَتَّى يَرْجِعَ إِلَى بَيْتِهِ قال ابوعيسى: حَدِيثُ رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ، وَيَزِيدُ بْنُ عِيَاضٍ ضَعِيفٌ عِنْدَ أَهْلِ الْحَدِيثِ، وَحَدِيثُ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْحَاقَ أَصَحُّ

حدیث: حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ ''زکاۃ کا سچا اور ایماندار عامل ایسا ہے جیسا کہ اللہ عزوجل کے راستے کا غازی حتی کہ وہ اپنے گھر لوٹ آئے۔''

امام ابوعیسی ترمذی فرماتے ہیں: حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کی حدیث حسن ہے اور یزید بن عیاض محدثین کے ہاں ضعیف ہے اور محمد بن اسحق کی حدیث زیادہ صحیح ہے۔

شرح حدیث

علامہ علی بن سلطان محمد القاری حنفی فرماتے ہیں:

"((صدقہ پر حق کے ساتھ عامل)) حق عامل سے متعلق ہے یعنی ایسا عامل جو سچ اور درستگی کے ساتھ عمل کرے یا اخلاص اور اللہ تعالیٰ کی رضا چاہتے ہوئے عمل کرے۔

((تو وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے والے کی طرح ہے یہاں تک کہ اپنے گھر لوٹ آئے)) یعنی تحصیل بیت المال میں غازی کی طرح ہے یا استحقاقِ ثواب میں غازی کی طرح ہے۔"

(مرقاۃ المفاتیح، کتاب الزکوۃ، ج4، ص1273، دار الفکر، بیروت)

علامہ حسین بن محمود حنفی (متوفی 727ھ) فرماتے ہیں:

"صدقات پر حق کے ساتھ عامل یعنی زکوۃ کا عامل جب اربابِ اموال پر ظلم نہ کرے، اور جو اُن پر واجب ہو اس سے زیادہ اُن سے نہ لے، اور جو اُن پر واجب ہے اس سے کم اُن سے نہ لے تو وہ ثواب میں غازی کی طرح ہے۔"

(المفاتیح فی شرح المصابیح، کتاب الزکوۃ، ج2، ص489، دار النوادر، وزارۃ الاوقاف الکویتیہ)

علامہ ابن عربی فرماتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے کہ جس شخص نے غازی کو تیار کیا، سامان مہیا کیا تو وہ خود غزوہ میں شریک ہونے والے کی طرح ہے، جو غازی کے اہل میں خیر کا ساتھ اس کا خلیفہ رہا تو وہ بھی جہاد کرنے والے کی طرح ہے، اور صدقہ پر عامل غازی کا خلیفہ ہے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی راہ کا مال جمع کرتا ہے پس وہ اپنے عمل کے ساتھ غازی ہے اور وہ اپنی نیت کے ساتھ غازی ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((إِنَّ بِالْمَدِينَةِ قَوْمًا مَا سَلَكْتُمْ وَادِيًا وَلَا قَطَعْتُمْ شِعْبًا إِلَّا وَهُمْ مَعَكُمْ حَبَسَهُمُ الْعُذْرُ)) (ترجمہ: بے شک مدینہ منورہ میں کچھ لوگ ہیں کہ تم جس وادی سے گزرتے ہو، تم جس گھاٹی کو قطع کرتے ہو تو وہ تمہارے ساتھ ہوتے ہیں کیونکہ انہیں عذر نے روکا ہے۔) تو اس کا کیا مرتبہ ہوگا کہ جسے غازی کے لیے عمل کرنے نے جہاد میں جانے سے روکا ہے، غازی کی نیابت نے جہاد میں جانے سے

روکا ہے،اس مال کے جمع کرنے نے جہاد میں جانے سے روکا ہے کہ جس مال کو غازی اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتا ہے۔اور جس طرح جہاد ضروری ہے اسی طرح وہ مال بھی ضروری ہے کہ جس کے ذریعہ(اسلحہ وغیرہ خرید کر) جہاد کیا جائے گا،لہذا دونوں (غازی اور عامل) نیت میں بھی شریک ہیں اور عمل میں بھی شریک ہیں تو ضروری ہوا کہ اجر میں بھی دونوں شریک ہوں۔" (عارضۃ الاحوذی،ابواب الزکوۃ،ج3،ص135،دارالکتب العلمیہ،بیروت)

باب نمبر 446

مَا جَاءَ فِي الْمُعْتَدِي فِي الصَّدَقَةِ

زکاۃ میں حد سے بڑھنا

644- حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ قَالَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي حَبِيبٍ، عَنْ سَعْدِ بْنِ سِنَانٍ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: الْمُعْتَدِي فِي الصَّدَقَةِ كَمَانِعِهَا وَفِي الْبَابِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ، وَأُمِّ سَلَمَةَ، وَأَبِي هُرَيْرَةَ، قال ابوعيسىٰ: حَدِيثُ أَنَسٍ حَدِيثٌ غَرِيبٌ مِنْ هَذَا الْوَجْهِ وَقَدْ تَكَلَّمَ أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ فِي سَعْدِ بْنِ سِنَانٍ، وَهَكَذَا يَقُولُ اللَّيْثُ بْنُ سَعْدٍ، عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي حَبِيبٍ، عَنْ سَعْدِ بْنِ سِنَانٍ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، وَيَقُولُ عَمْرُو بْنُ الْحَارِثِ، وَابْنُ لَهِيعَةَ، عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي حَبِيبٍ، عَنْ سِنَانِ بْنِ سَعْدٍ، عَنْ أَنَسٍ. وَسَمِعْتُ مُحَمَّدًا يَقُولُ: وَالصَّحِيحُ سِنَانُ بْنُ سَعْدٍ، وَقَوْلُهُ: الْمُعْتَدِي فِي الصَّدَقَةِ كَمَانِعِهَا، يَقُولُ: عَلَى الْمُعْتَدِي مِنَ الْإِثْمِ كَمَا عَلَى الْمَانِعِ إِذَا مَنَعَ

حدیث: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: زکاۃ میں حد سے بڑھنے والا اسے روکنے والے کی مانند ہے۔

اور اس باب میں حضرت عبد اللہ بن عمر، حضرت ام سلمہ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہم سے بھی روایات مروی ہیں۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں: حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث اس سند سے غریب ہے اور امام احمد بن حنبل کو سعد بن سنان کے بارے میں کلام ہے اور اسی طرح لیث بن سعد نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے بواسطہ یزید بن ابو حبیب اور سعد بن سنان روایت کی ہے اور عمرو بن حارث اور ابن لھیعہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے بواسطہ یزید بن ابوحبیب اور سنان بن سعد روایت نقل کی ہے اور میں نے محمد (بخاری) کو فرماتے ہوئے سنا کہ صحیح نام سنان بن سعد ہے اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کہ ''زکاۃ میں حد سے بڑھنے والا اسے روکنے والے کی طرح ہے'' کا مطلب یہ ہے کہ جیسا کہ زکاۃ سے منع کرنے والے پر گناہ ہے ایسا ہی اس کی وصولی میں حد سے بڑھنے والے پر ہے۔

شرح حدیث

صدقہ میں حد سے بڑھنے والا کون ہے

حدیث پاک میں فرمایا کہ زکوۃ میں حد سے بڑھنے والا اسے روکنے والے کی مانند ہے، یہاں زکوۃ میں حد سے بڑھنے والے سے کون سا شخص مراد ہے، اس بارے میں شارحین کے مختلف اقوال ہیں:

(1) اس سے مراد وہ عامل ہے جو صاحبِ مال کا (متوسط مال کے بجائے) بہترین مال لے کہ جب وہ کسی کا بہترین مال لے گا تو کبھی ایسا ہوگا کہ مال والا اگلے سال زکوۃ نہیں دے گا، پس عامل اس کا سبب بنے گا، اور وہ دونوں گناہ میں برابر کے شریک ہوں گے۔ (شرح ابی داؤد للعینی، باب فی زکوۃ السائمۃ، ج6، ص280، مکتبۃ الرشد، ریاض)

(2) حد سے بڑھنے سے مراد وہ عامل ہے جو قدرِ واجب سے زیادہ لے۔

(مرقاۃ المفاتیح، باب ما یجب فیہ الزکوۃ، ج4، ص1290، دار الفکر، بیروت)

(3) "زکوۃ میں حد سے بڑھنے والا" وہ شخص ہے جو صدقہ غیر مستحق کو دے دے۔

(شرح ابی داؤد للعینی، باب فی زکوۃ السائمۃ، ج6، ص280، مکتبۃ الرشد، ریاض)

(4) جو اپنی زکوۃ غیر مصرف میں دے دے۔

(حاشیۃ السندی علی سنن ابن ماجۃ، باب ما جاء فی عمال الصدقۃ، ج1، ص554، دار الجیل، بیروت)

(5) کہا گیا کہ صدقہ میں حد سے بڑھنے والا وہ مالک ہے جو اپنے بعض اموال کو عامل سے چھپالے یا اپنے اموال کے اوصاف کو چھپالے یہاں تک کہ عامل اس سے وہ مال لے لے جو اس کے فرض کی ادائیگی کے لیے کفایت نہ کرے یا اس سے بعض وہ مال ترک کردے جو اس پر واجب ہوں، ایسا کرنے والا گناہ ہونے (میں) اصل زکوۃ سے ہی رکنے والے کی طرح ہے...... صاحبِ مال کے لیے مال چھپانا جائز نہیں اگر عامل اس پر تعدی کرے۔

(مرقاۃ المفاتیح، باب ما یجب فیہ الزکوۃ، ج4، ص1290، دار الفکر، بیروت)

(6) ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد وہ صاحبِ مال ہے جو صدقہ دینے میں حد سے بڑھے یعنی سب کچھ ہی

صدقہ میں دے دے اور اپنے اہل عیال کے لیے باقی کچھ نہ چھوڑے۔

(مرقاۃ المفاتیح، باب مایجب فیہ الزکوۃ، ج4، ص1290، دار الفکر، بیروت)

(7) ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد وہ صدقہ کرنے والا ہے جو دینے کے بعد جسے دیا ہے اس پر احسان جتائے اور اسے ایذا پہنچائے، پس صدقہ کرنے کے بعد احسان جتانے اور ایذا پہنچانے والا ایسا ہے جیسا کہ وہ شخص کہ جس پر زکوۃ واجب ہو اور وہ دینے سے منع کردے۔

(مرقاۃ المفاتیح، باب مایجب فیہ الزکوۃ، ج4، ص1290، دار الفکر، بیروت)

باب نمبر 447

مَا جَاءَ فِی رِضَا الْمُصَدِّقِ

زکاۃ لینے والے کی رضامندی چاہنا

645۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ قَالَ: أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَزِيدَ، عَنْ مُجَالِدٍ، عَنِ الشَّعْبِيِّ، عَنْ جَرِيرٍ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِذَا أَتَاكُمُ الْمُصَدِّقُ فَلَا يُفَارِقَنَّكُمْ إِلَّا عَنْ رِضًا

حدیث: حضرت جریر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرمایا: نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: جب تمہارے پاس زکاۃ وصول کرنے والا آئے تو وہ تم سے خوشی اور رضامندی کے ساتھ ہی جدا ہو۔

646۔ حَدَّثَنَا أَبُو عَمَّارٍ الْحُسَيْنُ بْنُ حُرَيْثٍ قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ، عَنْ دَاوُدَ، عَنِ الشَّعْبِيِّ، عَنْ جَرِيرٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِنَحْوِهِ، قال ابوعيسى: حَدِيثُ دَاوُدَ، عَنِ الشَّعْبِيِّ أَصَحُّ مِنْ حَدِيثِ مُجَالِدٍ، وَقَدْ ضَعَّفَ مُجَالِدًا بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ وَهُوَ كَثِيرُ الْغَلَطِ

حدیث: ابو عمار حسین بن حریث نے اپنی سند بواسطہ حضرت جریر رضی اللہ عنہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی کی مثل روایت کیا ہے۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں: داؤد کی شعبی سے روایت کردہ حدیث مجالد کی حدیث سے زیادہ صحیح ہے اور بعض اہل علم نے مجالد کی تضعیف کی ہے اور وہ کثیر غلطیاں کرنے والا ہے۔

شرح حدیث

علامہ عبدالرحمٰن بن ابی بکر جلال الدین سیوطی شافعی (متوفی 911ھ) فرماتے ہیں:

"امام شافعی نے فرمایا: اس حدیث کا معنی "واللہ اعلم" یہ ہے کہ صدقہ وصول کرنے والوں کو خوشی سے صدقہ دو، اور انہیں خوش آمدید کہو، یہ مطلب نہیں کہ اموال میں سے جو واجب نہیں وہ مال انہیں دو۔

امام بیہقی نے اپنی سنن میں فرمایا: یہ جو امام شافعی نے فرمایا محتمل ہے اگر ابوداؤد کی روایت میں زیادتی نہ ہوتی اور وہ یہ ہے: صحابہ کرام علیہم الرضوان نے عرض کیا: اگرچہ وہ ہم پر ظلم کریں، ارشاد فرمایا: اپنے مصدق یعنی عامل کو راضی کرو اگرچہ وہ ظلم کرے۔ گویا کہ ان کی تعدی پر صبر کی تلقین فرمائی۔"

(قوت المغتذی علی جامع الترمذی، ابواب الزکوۃ، ج1، ص246، جامعہ ام القری، مکۃ المکرمہ)

علامہ شرف الدین حسین بن عبداللہ طیبی (متوفی 743ھ) فرماتے ہیں:

"مسبب کا ذکر کیا اور سبب مراد لیا کیونکہ یہاں حکم زکوۃ دینے والے کو دیا جا رہا ہے یعنی تم عامل سے خوش آمدید کے ساتھ ملاقات کرو اور اپنے اموال کی مکمل زکوۃ ادا کرو، پس یہ عامل کے تم سے راضی ہونے کا سبب ہوگا۔ اور اس صیغہ کی طرف عدول عامل کی رضا چاہنے میں مبالغے کے طور پر کیا گیا ہے اگرچہ وہ ظلم کرے جیسا کہ فصل ثانی میں آئے گا۔"

(شرح المشکوۃ للطیبی، کتاب الزکوۃ، ج5، ص1476، مکتبہ نزار مصطفی الباز، مکۃ المکرمہ)

عامل اور صاحب مال کے بارے میں روایات

(1) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے، فرماتی ہیں: ((مُرَّ عَلَی عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ بِغَنَمٍ مِنَ الصَّدَقَةِ. فَرَأَى فِيهَا شَاةً حَافِلًا ذَاتَ ضَرْعٍ عَظِيمٍ. فَقَالَ عُمَرُ: مَا هَذِهِ الشَّاةُ؟ فَقَالُوا: شَاةٌ مِنَ الصَّدَقَةِ فَقَالَ عُمَرُ: مَا أَعْطَى هَذِهِ أَهْلُهَا وَهُمْ طَائِعُونَ لَا تَفْتِنُوا النَّاسَ. لَا تَأْخُذُوا حَزَرَاتِ الْمُسْلِمِينَ نَكِّبُوا عَنِ الطَّعَامِ)) ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس سے صدقہ کی بکریاں گزاری گئیں تو آپ نے دیکھا کہ اُن میں بڑے تھنوں والی بکری تھی اور اُس کے تھن دودھ سے بھرے ہوئے تھے، تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: یہ کون سے بکری

ہے؟لوگوں نے جواب دیا: یہ صدقہ کی بکری ہے، تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اس کے مالک نے یہ خوشی سے نہیں دی ہوگی، لوگوں کو فتنے میں مت ڈالو، لوگوں کے عمدہ اموال مت لو، طعام سے ایک طرف ہٹ جاؤ۔

(مؤطا امام مالک، النھی عن التضییق علی الناس فی الصدقۃ، ج2، ص376، مؤسسۃ زاید بن سلطان، ابوظہی امارات)

(2) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جب حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یمن کی طرف بھیجا تو فرمایا: ((فَإِيَّاكَ وَكَرَائِمَ أَمْوَالِهِمْ وَاتَّقِ دَعْوَةَ الْمَظْلُومِ)) ترجمہ: لوگوں کے عمدہ اموال سے بچو اور مظلوم کی بددعا سے بچو۔

(صحیح بخاری، باب اخذ الصدقۃ من الاغنیاء الخ، ج2، ص128، دار طوق النجاۃ)

(3) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((الْمُعْتَدِي فِي الصَّدَقَةِ كَمَانِعِهَا)) ترجمہ: صدقہ میں حد سے بڑھنے والا ایسا ہے جیسا کہ اس سے روکنے والا۔

(جامع الترمذی، باب ماجاء فی المعتدی فی الصدقۃ، ج3، ص29، مصطفی البابی، مصر)

(4) علامہ ابن عبد البر مالکی مذکورہ بالا احادیث نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جس طرح عاملین کو وعظ فرمایا ہے، اسی طرح اربابِ اموال کو بھی وعظ فرمایا ہے، حضرت جریر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((لَا يَنْصَرِفُ الْمُصَدِّقُ عَنْكُمْ إِلَّا وَهُوَ رَاضٍ)) ترجمہ: مصدق یعنی عامل تمہارے پاس سے نہ جائے مگر راضی ہو کر یعنی عامل تمہارے پاس سے راضی ہو کر ہی جائے۔

(الاستذکار، باب التضییق علی الناس فی الصدقۃ، ج3، ص203، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

(5) حضرت جریر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں: ((جَاءَ نَاسٌ يَعْنِي مِنَ الْأَعْرَابِ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالُوا: إِنَّ نَاسًا مِنَ الْمُصَدِّقِينَ يَأْتُونَنَا فَيَظْلِمُونَنَا، قَالَ: فَقَالَ: أَرْضُوا مُصَدِّقِيكُمْ، قَالُوا: يَا رَسُولَ اللَّهِ وَإِنْ ظَلَمُونَا؟ قَالَ: أَرْضُوا مُصَدِّقِيكُمْ، زَادَ عُثْمَانُ: وَإِنْ ظُلِمْتُمْ)) ترجمہ: کچھ اعرابی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: مصدقین میں سے کچھ لوگ ہمارے پاس آتے ہیں اور ہم پر ظلم کرتے ہیں، ارشاد فرمایا: تم انہیں راضی کرو۔ عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! اگرچہ وہ ہم پر ظلم کریں، ارشاد فرمایا: اپنے مصدقین کو راضی کرو اگرچہ وہ تم پر ظلم کریں۔ (سنن ابی داود، باب رضا المصدق، ج2، ص106، المکتبۃ العصریہ، بیروت)

باب نمبر 448

مَا جَاءَ أَنَّ الصَّدَقَةَ تُؤْخَذُ مِنَ الْأَغْنِيَاءِ فَتُرَدُّ فِي الْفُقَرَاءِ

زکوۃ اغنیاء سے لے کر فقراء کو دی جائے

647- حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ سَعِيدٍ الكِنْدِيُّ قَالَ: حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ غِيَاثٍ، عَنْ أَشْعَثَ، عَنْ عَوْنِ بْنِ أَبِي جُحَيْفَةَ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: قَدِمَ عَلَيْنَا مُصَدِّقُ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَأَخَذَ الصَّدَقَةَ مِنْ أَغْنِيَائِنَا، فَجَعَلَهَا فِي فُقَرَائِنَا، وَكُنْتُ غُلَامًا يَتِيمًا، فَأَعْطَانِي مِنْهَا قَلُوصًا وَفِي البَابِ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ، قال ابو عيسى: حَدِيثُ أَبِي جُحَيْفَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ

حدیث: عون بن جحیفہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مصدق (زکاۃ وصول کرنے والا) ہمارے پاس آیا تو اس نے ہمارے اغنیاء سے صدقہ لیا تو اسے ہمارے فقراء میں تقسیم کر دیا اور میں یتیم بچہ تھا تو انہوں نے اس میں سے مجھے بھی اونٹنی دی۔

اور اس باب میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی روایت مروی ہے۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ کی حدیث حسن ہے۔

شرح حدیث

((ہمارے اغنیاء سے صدقہ لیا تو اسے ہمارے فقراء میں تقسیم کردیا)) یعنی ہماری قوم یا ہمارے شہر کے اغنیاء سے لےکر انہی کے فقراء میں تقسیم کردیا۔اس سے معلوم ہوا کہ زکوۃ جس شہر سے لی ہے اسی شہر میں تقسیم کی جائے اور زکوۃ دینے والا خود مصارف پر تقسیم کرے تو اپنے شہر کے مصارف پر تقسیم کرے، بلاضرورت دوسرے شہر کی طرف اپنی زکوۃ کو منتقل نہ کرے۔

حدیث میں لفظ قلوص کا معنی بیان کرتے ہوئے علامہ شمس الدین البرماوی (متوفی 831) فرماتے ہیں:

" قلوص جوان اونٹنی کو کہتے ہیں۔" (اللامع الصبیح، باب اسلام عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ج10، ص438، دار النوادر، سوریا)

زکوۃ دوسرے شہر کی طرف منتقل کرنے کے بارے میں مذاہب ائمہ

احناف کا مؤقف

علامہ علاء الدین حصکفی حنفی فرماتے ہیں:

دوسرے شہر کو زکاۃ بھیجنا مکروہ ہے، مگر جب کہ وہاں اُس کے رشتے والے ہوں تو اُن کے لیے بھیج سکتا ہے یا وہاں کے لوگوں کو زیادہ حاجت ہے یا زیادہ پرہیز گار ہیں یا مسلمانوں کے حق میں وہاں بھیجنا زیادہ نافع ہے یا طالبِ علم کے لیے بھیجے یا زاہدوں کے لیے یا دار الحرب میں ہے اور زکاۃ دار الاسلام میں بھیجے یا سال تمام سے پہلے ہی بھیج دے، ان سب صورتوں میں دوسرے شہر کو بھیجنا بلا کراہت جائز ہے۔ (درمختار، باب مصرف الزکوۃ والعشر، ج2، ص353، دار الفکر، بیروت)

شہر سے مراد وہ شہر ہے جہاں مال ہو، اگر خود ایک شہر میں ہے اور مال دوسرے شہر میں تو جہاں مال ہو وہاں کے فقراء کو زکاۃ دی جائے اور صدقہ فطر میں وہ شہر مراد ہے جہاں خود ہے، اگر خود ایک شہر میں ہے اُس کے چھوٹے بچے اور غلام دوسرے شہر میں تو جہاں خود ہے وہاں کے فقراء پر صدقہ فطر تقسیم کرے۔

(فتاویٰ ہندیہ، الباب السابع فی المصارف، ج1، ص190، دار الفکر، بیروت)

حنابلہ کا مؤقف

علامہ موفق الدین ابن قدامہ حنبلی (متوفی 620ھ) فرماتے ہیں:

عامل کو حکم دیا جائے گا کہ اسی شہر میں صدقہ کو تقسیم کرے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ

تعالیٰ عنہ کوفرمایا:((أعلمهم أن عليهم صدقة تؤخذ من أغنيائهم فترد في فقرائهم)) ترجمہ: اُن کو بتانا کہ اُن پر صدقہ ہے جو ان کے اغنیاء سے لیا جائے گا اور اُن ہی کے فقراء میں تقسیم کیا جائے گا۔

اور یہ جائز نہیں کہ جس شہر سے زکوۃ لی ہے اسے کسی ایسے شہر کی طرف منتقل کیا جائے جو اتنے فاصلے پر ہو جس میں نماز قصر ہو جاتی ہو۔ یہ ممانعت اس لیے بھی ہے کہ یہ نقل کرنا اس شہر کے فقراء کے ضیاع کی طرف لے جائے گا۔

اگر خود مال والے نے زکوۃ کے مال کو دوسرے شہر منتقل کیا تو اس میں دو روایتیں ہیں:

ایک روایت یہ ہے کہ زکوۃ ادا نہیں ہوگی کیونکہ یہ ایسا حق ہے جو اصنافِ بلد کے لیے واجب ہے لہٰذا ان کے علاوہ کو دینا کفایت نہیں کرے گا جیسا کہ اگر وہ اصنافِ بلد کے لیے وصیت کر جائے۔

دوسری روایت یہ ہے کہ اس کی زکوۃ ادا ہو جائے گی کیونکہ جنہیں دی ہے وہ اہلِ صدقات میں سے ہے، پس اگر زکوۃ سے شہر والے مستغنی ہو جائیں تو اُن کو نقل کرنا جائز ہے۔ (الکافی فی فقہ الامام احمد، باب قسم الصدقات، ج1، ص422، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

شوافع کا موقف

علامہ ابراہیم بن علی بن یوسف شیرازی شافعی (متوفی 476ھ) فرماتے ہیں:

زکوۃ کو اُس شہر کے مصارفِ زکوۃ پر خرچ کرنا واجب ہے جس میں مال موجود ہے کیونکہ مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جب حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یمن کی طرف بھیجا تو فرمایا:((أعلمهم أن عليهم صدقة تؤخذ من أغنيائهم وترد في فقرائهم)) ترجمہ: اُن کو بتانا کہ اُن پر صدقہ ہے جو ان کے اغنیاء سے لیا جائے گا اور اُن ہی کے فقراء میں تقسیم کیا جائے گا۔

اور اگر دوسرے شہر کے مصارف کی طرف زکوۃ کے مال کو منتقل کیا گیا تو اس بارے میں دو اقوال ہیں: ایک یہ ہے کہ دینے والے کی زکوۃ ادا ہو جائے گی کیونکہ جن کو دیا جا رہا ہے وہ اہلِ صدقہ میں سے ہے پس وہ اس شہر کے مصارف کے مشابہ ہو گیا جس میں مال ہے۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ زکوۃ ادا نہیں ہوگی کیونکہ یہ شہر کے مصارف کے لیے حق واجب ہے۔

(المہذب فی فقہ الامام الشافعی، باب قسم الصدقات، ج1، ص318، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

مالکیہ کا موقف

مدونہ میں ہے:

امام مالک سے صدقات کی تقسیم کے بارے میں سوال کیا گیا کہ انہیں کہاں تقسیم کیا جائے؟ فرمایا: صدقہ کو اُسی شہر والوں میں تقسیم کیا جائے جس شہر والوں سے لیا ہے، اور انہی جگہوں میں تقسیم کیا جائے جن جگہ والوں سے لیا ہے، پس اگر بچ جائے تو بچہ ہوا مال اس کے قریب شہر والوں کی طرف منتقل کیا جائے، اور شہر والے اغنیاء ہوں اور امام المسلمین تک یہ خبر پہنچے کہ کسی دوسرے شہر میں تنگی پہنچی ہے اور ایک سال سے پہنچی ہوئی ہے اور ان کے مواشی وغیرہ کو لے گئی ہے تو ان شہر والوں کی طرف بعض صدقہ کو منتقل کرے۔ (المدونہ، اخراج الزکوۃ من بلد الی بلد، ج1، ص336، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

باب نمبر 449

مَنْ تَحِلُّ لَهُ الزَّكَاةُ

زکاۃ کسے لینا حلال ہے

648۔حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، وَعَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ، قَالَ قُتَيْبَةُ:حَدَّثَنَا شَرِيكٌ، وَقَالَ عَلِيٌّ :أَخْبَرَنَا شَرِيكٌ -وَالْمَعْنَى وَاحِدٌ -عَنْ حَكِيمِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ يَزِيدَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :مَنْ سَأَلَ النَّاسَ وَلَهُ مَا يُغْنِيهِ جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَمَسْأَلَتُهُ فِي وَجْهِهِ خُمُوشٌ، أَوْ خُدُوشٌ، أَوْ كُدُوحٌ، قِيلَ:يَا رَسُولَ اللَّهِ، وَمَا يُغْنِيهِ؟ قَالَ :خَمْسُونَ دِرْهَمًا، أَوْ قِيمَتُهَا مِنَ الذَّهَبِ وَفِي الْبَابِ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو،قَالَ ابوعيسى:حَدِيثُ ابْنِ مَسْعُودٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ، وَقَدْ تَكَلَّمَ شُعْبَةُ فِي حَكِيمِ بْنِ جُبَيْرٍ، مِنْ أَجْلِ هَذَا الْحَدِيثِ

حدیث:حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں :جس نے لوگوں سے سوال کیا اور اس کے پاس اتنا مال ہے جو اسے اس سوال سے بے پرواہ کردے تو وہ قیامت کے دن اس طرح آئے گا کہ اس کا سوال اس کے چہرے میں زخموں کی صورت میں ظاہر ہوگا۔عرض کی گئی یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم !اسے کیا چیز بے پرواہ کرے گی ؟فرمایا: پچاس درہم یا سونے سے اتنی قیمت۔

اور اس باب میں حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے بھی روایت مروی ہے۔

امام ابوعیسی ترمذی فرماتے ہیں :حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث حسن ہے اور اس حدیث کی بنا پر شعبہ کو حکیم بن جبیر کے بارے میں کلام ہے۔

649۔حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ آدَمَ قَالَ :حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ حَكِيمِ بْنِ جُبَيْرٍ بِهَذَا الْحَدِيثِ، فَقَالَ لَهُ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عُثْمَانَ صَاحِبُ شُعْبَةَ :لَوْ غَيْرُ حَكِيمٍ حَدَّثَ بِهَذَا، فَقَالَ لَهُ سُفْيَانُ :وَمَا لِحَكِيمٍ

حدیث:محمود بن غیلان نے بواسطہ یحییٰ بن آدم اور سفیان ،حکیم بن جبیر سے یہ حدیث روایت کی تو شعبہ کے شاگرد عبد اللہ بن عثمان نے کہا کہ کاش حکیم بن جبیر کے علاوہ کوئی دوسرا اسے روایت کرتا،اس پر سفیان نے اس سے کہا: کیا بات ہے شعبہ حکیم سے روایت نہیں کرتے ؟انہوں نے کہا: جی ہاں۔سفیان نے کہا: میں نے زبید سے سنا انہوں نے یہ حدیث

لَا يُحَدِّثُ عَنْهُ شُعْبَةُ؟ قَالَ :نَعَمْ، قَالَ سُفْيَانُ : سَمِعْتُ زُبَيْدًا يُحَدِّثُ بِهٰذَا، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ يَزِيدَ، "وَالْعَمَلُ عَلٰى هٰذَا عِنْدَ بَعْضِ أَصْحَابِنَا، وَبِهِ يَقُولُ الثَّوْرِيُّ، وَعَبْدُ اللّٰهِ بْنُ الْمُبَارَكِ، وَأَحْمَدُ، وَإِسْحَاقُ قَالُوا :إِذَا كَانَ عِنْدَ الرَّجُلِ خَمْسُونَ دِرْهَمًا لَمْ تَحِلَّ لَهُ الصَّدَقَةُ ، وَلَمْ يَذْهَبْ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ إِلٰى حَدِيثِ حَكِيمِ بْنِ جُبَيْرٍ، وَوَسَّعُوا فِي هٰذَا، وَقَالُوا :إِذَا كَانَ عِنْدَهُ خَمْسُونَ دِرْهَمًا، أَوْ أَكْثَرُ وَهُوَ مُحْتَاجٌ، فَلَهُ أَنْ يَأْخُذَ مِنَ الزَّكَاةِ، وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ، وَغَيْرِهِ مِنْ أَهْلِ الْفِقْهِ وَالْعِلْمِ "

محمد بن عبدالرحمٰن بن یزید سے روایت کی ہے۔

ہمارے بعض اصحاب کا اس پر عمل ہے، امام سفیان ثوری، ابن مبارک، احمد اور اسحٰق اسی کے قائل ہیں کہ اگر کسی شخص کے پاس پچاس درہم ہوں اس کے لیے مانگنا جائز نہیں، بعض علماء نے حکیم بن جبیر کی حدیث پر عمل نہیں کیا اور اس میں گنجائش رکھی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ کسی کے پاس پچاس درہم ہوں یا زیادہ اور وہ محتاج ہوتو وہ زکوۃ لے سکتا ہے، امام شافعی وغیرہ فقہاء کا یہی قول ہے۔

شرح حدیث

خموش، خدوش اور کدوح کے معانی اور ان سے مراد

علامہ علی بن سلطان محمد القاری حنفی فرماتے ہیں:

خموش، خدوش اور کدوح کے معنی زخم ہیں، یہ تینوں الفاظ متقارب المعنی ہیں اور یہ جمع کے صیغے ہیں اور ان کے واحد خمش، خدش اور کدح آتے ہیں۔

یا یہاں راوی کو شک ہے کیونکہ ان میں سے ہر ایک خراش (یعنی جلد اور گوشت پر وہ اثر جو جسم پر چھیلنے والے یا زخمی کرنے والی چیز کی ملاقات سے پیدا ہو) سے معرب ہے۔

شاید اس سے مراد یہ ہے کہ قیامت کے دن حقیقۃً اس کے چہرے پر ناپسندیدہ آثار ہوں گے یا ایسی علامات ہوں جو اس کی پہچان کرائیں گی۔

یا تین مختلف الفاظ ذکر کرنے سے سائلین کے (کی) مختلف منازل بیان کرنا بھی ہوسکتا ہے، ایک کم سوال کرنے والا، دوسرا زیادہ سوال کرنے والا، اور تیسرا بہت زیادہ سوال کرنے والا، پس ان کی علامات بھی اسی ترتیب سے ہوں گی، خُمش معنی میں خَدْش سے زیادہ بلیغ ہے اور خدش کدْح سے زیادہ بلیغ ہے کیونکہ خمش چہرے پر زخم ہوتا ہے، خدش جلد میں ہوتا ہے اور کدح جلد کے اوپر ہوتا ہے۔ کہا گیا کہ خدش لکڑی سے چھیلنے کو کہتے ہیں، خمش ناخنوں سے اور کدح دانتوں سے چھیلنے کو کہتے ہیں۔ (مرقاۃ المفاتیح، باب من لاتحل لہ المسئلۃ ومن تحل لہ، ج4، ص1313، دار الفکر، بیروت)

فراغ دست اور غنی کی تعریف میں مذاہب ائمہ

علامہ محمود بدر الدین عینی حنفی فرماتے ہیں:

موسر یعنی فراغ دست کی تعریف میں فقہاء کا اختلاف ہے:

(1) ایک قول یہ ہے کہ جس کے پاس اپنا خرچہ اور جس کا نفقہ اس پر لازم ہے اس کا خرچہ ہو تو وہ فراغ دست ہے۔

(2)امام ثوری، عبداللہ بن مبارک اور اسحاق نے کہا کہ جس کے پاس پچاس دراہم ہوں یا ان کی قیمت کا سونا ہو وہ فراغ دست ہے۔

(3)امام شافعی نے فرمایا: کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک شخص ایک درہم جو کماتا ہے اس کے ساتھ غنی ہوتا ہے اور کبھی ایک ہزار کے ساتھ فقیر ہوتا ہے کیونکہ اس کے نفس میں ضعف اور عیال کثیر ہوتے ہیں۔

(4)ایک قول یہ ہے کہ فراغ دست وہ ہے جو نصابِ زکوۃ کا مالک ہے۔

(5)اور ایک قول یہ ہے کہ فراغ دست وہ ہے جس کے لیے زکوۃ لینا حلال نہ ہو۔

(6)ایک قول یہ ہے کہ جس کے پاس کپڑے، مسکن، خادم، دَین اور غذا سے زیادہ ہو وہ فراغ دست ہے؛

(7)احناف کے نزدیک یہ تفصیل ہے جیسا کہ مبسوط اور محیط میں ہے: غنا کے تین مراتب ہیں: (۱) پہلا مرتبہ وہ ہے کہ جس کے ساتھ وجوبِ زکوۃ کا حکم متعلق ہوتا ہے۔ (۲) دوسرا مرتبہ وہ ہے کہ جس کے کے ساتھ صدقۂ فطر، قربانی اور حرمانِ زکوۃ کا حکم متعلق ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ حوائج اصلیہ کے علاوہ اتنے مال اور اشیاء کا مالک ہو جن کی قیمت دو سو درہم تک پہنچتی ہو، مثلاً ایسے گھر جن میں نہ رہتا ہو، وہ دکانیں جو کرایہ پر دی ہوں وغیرہ وغیرہ (۳) تیسرا مرتبہ وہ ہے جس کے ساتھ حرمت سوال کا حکم متعلق ہوتا ہے۔ اور جمہور علماء یہ فرماتے ہیں کہ جو ایک دن کی خوراک کا مالک ہو، اس کے پاس اتنے کپڑے ہوں کہ ستر ڈھانپ سکے تو اس پر سوال حرام ہے۔ اور اسی طرح ایسا فقیر جو کمانے پر قادر ہو اس پر سوال حرام ہے۔ (عمدۃ القاری، باب من انظر موسرا، ج 11، ص 189، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

پچاس دراہم والا حکم منسوخ ہے

علامہ علی بن سلطان محمد القاری حنفی فرماتے ہیں:

((یا رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم مال کی کتنی مقدار اسے سوال سے بے پرواہ کردے گی، ارشاد فرمایا: پچاس درہم یا ان کی قیمت)) یعنی سونے سے پچاس دراہم کی قیمت۔

علامہ طیبی نے کہا: اس کا ظاہر یہ ہے کہ جو پچاس درہم یا دوسری جنس سے اس کی قیمت کا مالک ہو گیا تو وہ غنی ہے اور اس پر سوال کرنا اور زکوۃ لینا حرام ہے۔ اسی کے قائل امام عبداللہ بن مبارک، امام احمد اور امام اسحاق ہیں۔

اور ظاہر یہ ہے کہ جو مال کی اتنی مقدار پائے جس سے تمام اوقات میں صبح وشام کا کھانا کھا سکے یا اغلب اوقات میں کھا سکے تو وہ غنی ہے جیسا کہ آنے والی حدیث پاک میں مذکور ہے، چاہے یہ مال اسے ہاتھ کی کمائی سے حاصل ہو یا تجارت سے۔مگر کیونکہ اہل عرب میں غالب طور پر تجارت کا پیشہ تھا اور اتنی مقدار یعنی پچاس دراہم تجارت کے رأس المال کے لیے کفایت کرتے تھے تو تخمیناً اسی مقدار کے ساتھ غنا کو مقدر کیا گیا۔اور اس سے قریب وہ مقدار ہے جو تیسری حدیث میں بیان فرمائی یعنی ایک اوقیہ چاندی یعنی چالیس درہم۔لہذا ان احادیث میں نسخ نہیں ہے۔

کہا گیا کہ پچاس دراہم والی حدیث پاک اس حدیث پاک سے منسوخ ہے جس میں فرمایا:((مَنْ سَأَلَ النَّاسَ وَعِنْدَهُ عَدْلُ خَمْسِ أَوَاقٍ، فَقَدْ سَأَلَ إِلْحَافًا))(ترجمہ:جس نے لوگوں سے سوال کیا اور اس کے پاس پانچ اوقیہ چاندی یعنی دوسودرہم ہیں تو اس نے گڑگڑا کر سوال کیا یعنی اس نے ممنوعہ سوال کیا)اسی پر امام ابوحنیفہ ہیں،علامہ طیبی کا کلام ختم ہوا۔

(علامہ علی قاری حنفی فرماتے ہیں)پیچھے یہ بات گزر چکی کہ امام ابوحنیفہ کا مذہب یہ ہے کہ جو شخص دوسودرہم کا مالک ہو اس پر زکوۃ لینا حرام ہے،اور جو شخص ایک دن کی خوراک کا مالک ہو اس پر سوال کرنا حرام ہے،پس امام ابوحنیفہ نے زکوۃ لینے اور سوال کرنے میں فرق کیا ہے،تو علامہ طیبی نے جو اُن کی طرف منسوب کیا وہ درست نہیں۔مسئلہ تحریم سوال میں انسب یہ ہے کہ نسخ کا معاملہ بالعکس ہو باین(بایں)طور پر کہ اکثر منسوخ ہو یعنی پہلے زیادہ کی موجودگی میں سوال کی اجازت تھی پھر کم ہوتے ہوتے یہ حکم مقرر ہوا کہ جس کے پاس ایک دن رات کی خوراک موجود ہے تو اس پر سوال حرام ہے،پس یہ حکم تدریجی ہو جائے گا حکم کے مقتضی کے مطابق جیسا کہ تحریم خمر میں ہوا،اور عبادات میں اس کے برعکس ہوتا ہے یعنی اس میں تدریجاً زیادتی ہوتی ہے جیسا کہ حکمت اس کا تقاضا کرتی ہے کیونکہ یہ طبیعتوں کے موافق ہے۔

(مرقاۃ المفاتیح،باب من لاتحل لہ المسألۃ ومن تحل لہ،ج4،ص1313،دار الفکر،بیروت)

نصاب کی اقسام

احناف کے نزدیک نصاب کی تین اقسام ہیں:

(1)پہلا نصاب وجوبِ زکوۃ کا نصاب:

یہ بات یادر ہے کہ زکوۃ صرف تین طرح کے اموال پر ہوگی:

(۱) سونا، چاندی، سکہ رائج الوقت، پرائز بانڈز (۲) مالِ تجارت (۳) سائمہ جانور

فتاوی رضویہ میں ہے:

زکوۃ صرف تین چیزوں پر ہے (1) سونا، چاندی کیسے ہی ہوں، پہننے کے ہوں یا برتنے کے یار کھنے کے، سکہ ہو یاورق (2) چرائی پر چھوٹے جانور (3) تجارت کا مال۔ باقی پر زکوۃ نہیں۔ (فتاوی رضویہ، ج10، ص161، رضافاؤنڈیشن، لاہور)

ان چیزوں کا نصاب درج ذیل ہے:

جس کے پاس (۱) ساڑھے سات تولہ سونا (۲) یا ساڑھے باون تولے چاندی (۳) یا ساڑھے باون تولے چاندی کے برابر کرنسی نوٹ یا پرائز بانڈز ہوں (۴) یا ساڑھے باون تولے چاندی کے برابر مال تجارت ہو اوران پر سال گزر جائے تو اس پر زکوۃ واجب ہوگی۔

· سائمہ جانوروں کے نصاب کی تفصیل ماقبل میں گزر چکی۔

(2) **دوسرا نصاب** صدقہ فطر اور قربانی واجب ہونے کا نصاب:

جس کے پاس ساڑھے سات تولے سونا یا ساڑھے باون تولے چاندی یا حاجت اصلیہ کے علاوہ کوئی چیز بھی ساڑھے باون تولے چاندی کے برابر ہو، اس میں مال نامی ہونا ضروری نہیں۔

صدقہ فطر اور قربانی واجب ہونے کے نصاب اور وجوب زکوۃ کے نصاب میں فرق

ان میں دو طرح سے فرق ہے:

(۱) زکوۃ صرف مالِ نامی میں واجب ہوگی جبکہ صدقہ فطر اور قربانی حاجت اصلیہ کے علاوہ ہر مال میں واجب ہوں گے۔

(۲) زکوۃ میں سال گزرنا شرط ہے جبکہ قربانی اور صدقہ فطر میں شرط نہیں۔

تنبیہ: اخذِ زکوۃ میں صرف چاندی کو معیار بنائیں گے یعنی حاجت اصلیہ جو بھی اشیاء ہوں اگر وہ ساڑھے باون تولے چاندی کے برابر قیمت کی ہو جاتی ہیں تو زکوۃ لینا حرام ہوگا، یہاں تک کہ اگر سونا اتنی مقدار میں ہے جس کی قیمت

ساڑھے باون تولے چاندی کے برابر ہے تو زکوۃ نہیں لے سکتے۔ (بہارشریعت مفہوما، ج1، حصہ 5، ص929، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

(3) تیسرا نصاب تحریم سوال کا نصاب:

سوال مسکین کو حلال ہے اور مسکین وہ ہے جس کے پاس کچھ نہ ہو یہاں تک کہ کھانے اور بدن چھپانے کے لیے اس کا محتاج ہے کہ لوگوں سے سوال کرے اور اسے سوال حلال ہے، فقیر کو سوال ناجائز کہ جس کے پاس کھانے اور بدن چھپانے کو ہو اُسے بغیر ضرورت و مجبوری سوال حرام ہے۔ (فتاوی ہندیہ، کتاب الزکوۃ، الباب السابع فی المصارف، ج3، ص187,188)

باب نمبر 450

مَنْ لا تحِلُّ لَهُ الصَّدقَةُ

جسے زکاۃ لینا حلال نہیں ہے

650۔حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرٍ مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو دَاوُدَ الطَّيَالِسِيُّ قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ سَعِيدٍ، ح وحَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ قَالَ: أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ، عَنْ سَعْدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ رَيْحَانَ بْنِ يَزِيدَ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَا تَحِلُّ الصَّدَقَةُ لِغَنِيٍّ، وَلَا لِذِي مِرَّةٍ سَوِيٍّ وَفِي البَابِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، وَحُبْشِيِّ بْنِ جُنَادَةَ، وَقَبِيصَةَ بْنِ مُخَارِقٍ

قَالَ أَبُو عِيسَى: حَدِيثُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو حَدِيثٌ حَسَنٌ، وَقَدْ رَوَى شُعْبَةُ، عَنْ سَعْدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ هَذَا الحَدِيثَ بِهَذَا الإِسْنَادِ وَلَمْ يَرْفَعْهُ، وَقَدْ رُوِيَ فِي غَيْرِ هَذَا الحَدِيثِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا تَحِلُّ المَسْأَلَةُ لِغَنِيٍّ وَلَا لِذِي مِرَّةٍ سَوِيٍّ وَإِذَا كَانَ الرَّجُلُ قَوِيًّا مُحْتَاجًا وَلَمْ يَكُنْ عِنْدَهُ شَيْءٌ، فَتُصُدِّقَ عَلَيْهِ أَجْزَأَ عَنِ المُتَصَدِّقِ عِنْدَ أَهْلِ العِلْمِ وَوَجْهُ هَذَا الحَدِيثِ عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ العِلْمِ عَلَى المَسْأَلَةِ"

حدیث: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں، فرمایا: غنی اور صحت مند کو صدقہ لینا حلال نہیں ہے۔

اور اس باب میں حضرت ابو ہریرہ، حضرت حبشی بن جنادہ اور حضرت قبیصہ بن مخارق رضی اللہ عنہم سے بھی روایات مروی ہیں۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کی حدیث حسن ہے۔ اور شعبہ نے سعد بن ابراہیم سے اس حدیث کو اس اسناد کے ساتھ روایت کیا اور اسے مرفوع روایت نہیں کیا اور نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اس حدیث کے علاوہ میں مروی ہے کہ غنی اور صحت مند، تندرست بندے کے لئے سوال کرنا حلال نہیں ہے اور جب صحت مند بندہ محتاج ہو اور اس کے پاس کوئی شے نہ ہو تو اس کو زکاۃ دی جائے تو وہ اہلِ علم کے ہاں وہ دینے والے کی جانب سے کفایت کرے گی اور اس حدیث کے حکم کی بنیاد بعض اہلِ علم کے ہاں سوال کرنے پر ہے۔

حدیث: حضرت حبشی بن جنادہ السلولی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حجۃ الوداع کے موقع پر عرفہ کے میدان میں کھڑے ہو کر فرماتے

651۔حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ سَعِيدِ الْكِنْدِيُّ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحِيمِ بْنُ سُلَيْمَانَ، عَنْ مُجَالِدٍ، عَنْ عَامِرِ الشَّعْبِيِّ، عَنْ حُبْشِيِّ بْنِ جُنَادَةَ السَّلُولِيِّ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ وَهُوَ وَاقِفٌ بِعَرَفَةَ، أَتَاهُ أَعْرَابِيٌّ، فَأَخَذَ بِطَرَفِ رِدَائِهِ، فَسَأَلَهُ إِيَّاهُ، فَأَعْطَاهُ وَذَهَبَ، فَعِنْدَ ذٰلِكَ حَرُمَتِ الْمَسْأَلَةُ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ الْمَسْأَلَةَ لَا تَحِلُّ لِغَنِيٍّ، وَلَا لِذِي مِرَّةٍ سَوِيٍّ، إِلَّا لِذِي فَقْرٍ مُدْقِعٍ، أَوْ غُرْمٍ مُفْظِعٍ، وَمَنْ سَأَلَ النَّاسَ لِيُثْرِيَ بِهِ مَالَهُ، كَانَ خُمُوشًا فِي وَجْهِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَرَضْفًا يَأْكُلُهُ مِنْ جَهَنَّمَ، وَمَنْ شَاءَ فَلْيُقِلَّ، وَمَنْ شَاءَ فَلْيُكْثِرْ

652۔حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ آدَمَ، عَنْ عَبْدِ الرَّحِيمِ بْنِ سُلَيْمَانَ نَحْوَهُ، قال ابوعيسى: هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ

ہوئے سنا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں ایک اعرابی حاضر ہوا تو اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی چادر کا کنارہ تھام کر دستِ سوال دراز کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے چادر عطا فرمادی تو اس وقت سے سوال کرنا حرام ہوگیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: غنی، صحت مند و تندرست کو سوال کرنا حلال نہیں ہے مگر اس کے لئے جو فقر میں انتہا کو پہنچا ہوا انتہا درجہ کا حاجت مند ہو اور جس نے لوگوں سے سوال کیا تا کہ اس کا مال بڑھ جائے تو یہ قیامت کے دن اس کے چہرے پر زخم کی صورت میں نمودار ہوگا اور گرم پتھر کی صورت میں جسے وہ جہنم میں کھائے گا تو جو چاہے اس میں کمی کرے اور جو چاہے زیادتی کرے۔

حدیث: محمود بن غیلان نے اپنی سند سے اسی کی مثل حدیث روایت کی ہے۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں: یہ حدیث اس سند سے غریب ہے۔

بھیک مانگنے کے احکام

مانگنے والے تین طرح کے ہیں:

(1) ایک غنی جیسے جوگی اور سادھو بچے، انہیں سوال کرنا حرام اور انہیں دینا حرام، اور اگر زکوۃ کا پیسہ ان کو دیا تو ان کے دینے سے زکوۃ ادا نہیں ہوسکتی، فرض سر پر باقی رہے گا۔

(2) دوسرے وہ جو واقع میں فقیر ہیں قدرِ نصاب کے مالک نہیں، مگر قوی وتندرست ہیں، کمانے پر قادر ہیں اور سوال کسی ایسی ضرورت کے لئے نہیں جوان کے کسب سے باہر ہو، کوئی حرفت یا مزدوری نہیں کی جاتی مفت کا کھانا کھانے کے عادی ہیں اور اس کے لئے بھیک مانگتے پھرتے ہیں، انہیں سوال کرنا حرام، اور جو کچھ انہیں اس سے ملے وہ ان کے حق میں خبیث انہیں بھیک دینا منع ہے کہ معصیت پر اعانت ہے، لوگ انہیں نہ دیں تو مجبور ہوں، کچھ محنت ومزدوی کریں، مگر ان کو زکوۃ کی رقم دی تو اس سے زکوۃ ادا ہو جائے گی جبکہ اور کوئی مانع شرعی نہ ہو کہ فقیر ہیں۔

(3) تیسرے وہ عاجز ناتواں کہ نہ مال رکھتے ہیں نہ کسب پر قدرت، یا جتنے کی حاجت ہے اتنا کمانے پر قادر نہیں، انہیں بقدرِ حاجت سوال حلال، اور اس سے جو کچھ ملے ان کے لئے طیب، اور یہ عمدہ مصارفِ زکوۃ سے ہیں اور انہیں دینا باعثِ اجرِ عظیم، یہی ہیں وہ جنہیں جھڑکنا حرام ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ((ما یزال الرجل یسأل الناس، حتی یأتی یوم القیامة لیس فی وجهه مزعة لحم)) ترجمہ: آدمی سوال کرتا رہے گا، یہاں تک کہ قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اُس کے چہرہ پر گوشت کا ٹکڑا نہ ہوگا۔ یعنی نہایت بے آبرو ہوکر۔

(بخاری، باب من سال الناس تکثرا، ج2، ص123، دار طوق النجاۃ ☆ صحیح مسلم "، کتاب الزکاۃ، باب کراہۃ المسألۃ للناس، الحدیث 1040، ج2، ص720، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ((من سأل الناس اموالھم تکثرا فانما یسأل جمرا فلیستقل او لیستکثر)) جو مال بڑھانے کے لئے سوال کرتا ہے، وہ انگارے کا سوال ہے تو چاہے زیادہ مانگے یا کم سوال کرے۔

(صحیح مسلم "، کتاب الزکاۃ، باب کراہۃ المسألۃ للناس، الحدیث :، ج2، ص720، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

امام احمد رضا خان علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

بے ضرورتِ شرعی سوال کرنا حرام ہے، اور جن لوگوں نے باوجود کسب بلا ضرورت سوال کرنا اپنا پیشہ کرلیا وہ جو کچھ اس سے جمع کرتے ہیں سب ناپاک وخبیث ہے، اور ان کا حال جان کر ان کے سوال پر کچھ دینا داخلِ ثواب نہیں بلکہ ناجائز وگناہ، اور گناہ میں مدد ہے'' (فتاوی رضویہ، ج10، ص303، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

گدائی تین طرح کی ہے: ایک غنی جیسے جوگی اور سادھو بچے، انہیں سوال کرنا حرام اور انہیں دینا حرام، اور ان کے دیئے سے زکوۃ ادا نہیں ہوسکتی، فرض سر پر باقی رہے گا۔ دوسرے وہ جو واقع میں فقیر ہیں قدرِ نصاب کے مالک نہیں، مگر قوی وتندرست کسب پر قادر ہیں اور سوال کسی ایسی ضرورت کے لئے نہیں جو ان کے کسب سے باہر ہو، کوئی حرفت یا مزدوری نہیں کی جاتی مفت کا کھانا کھانے کے عادی ہیں اور اس کے لئے بھیک مانگتے پھرتے ہیں، انہیں سوال کرنا حرام، اور جو کچھ انہیں اس سے ملے وہ ان کے حق میں خبیث۔۔ انہیں بھیک دینا منع ہے کہ معصیت پر اعانت ہے، لوگ انہیں نہ دیں تو مجبور ہوں، کچھ محنت ومزدوری کریں، مگر ان کے دئے سے زکوۃ ادا ہوجائے گی جبکہ اور کوئی مانع شرعی نہ ہو کہ فقیر ہیں۔۔ تیسرے وہ عاجز ناتواں کہ نہ مال رکھتے ہیں نہ کسب پر قدرت، یا جتنے کی حاجت ہے اتنا کمانے پر قادر نہیں، انہیں بقدرِ حاجت سوال حلال، اور اس سے جو کچھ ملے ان کے لئے طیب، اور یہ عمدہ مصارفِ زکوۃ سے ہیں اور انہیں دینا باعثِ اجرِ عظیم، یہی ہیں وہ جنہیں جھڑکنا حرام ہے۔ (فتاوی رضویہ، ج10، ص254، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

اللہ تعالیٰ کے نام پر بھیک مانگنا منع ہے

اللہ کے نام پر بھیک مانگنے کی احادیث مبارکہ میں سخت ممانعت آئی ہیں، حدیث پاک میں اس کو ملعون کہا گیا ہے، اگر کوئی اس طرح مانگے اور وہ مانگنے کا اہل بھی ہو اور جس سے مانگا جارہا ہے وہ بغیر مشقت کے پورا کرنے پر قادر ہے تو اس کا سوال پورا کرنے میں ہی ادب ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ((ملعون من سأل بوجه الله وملعون من سئل بوجه الله ثم منع سائله ما لم يسأل هجرا)) جس نے اللہ کے نام پر سوال کیا وہ ملعون ہے اور جس سے اللہ کے نام پر سوال کیا گیا اور اس

نے منع کر دیا تو وہ بھی ملعون ہے جب تک سائل اس سے قطع تعلق کا سوال نہ کرے۔

(الترغیب الترھیب، کتاب الصدقات، ج 1، ص 340)

صدر الشریعہ مفتی امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

بعض سائل کہہ دیا کرتے ہیں، کہ اللہ (عزوجل) کے لئے دو، خدا کے واسطے دو، حالانکہ اس کی بہت سخت ممانعت آئی ہے، ایک حدیث میں اسے ملعون فرمایا گیا ہے، اور ایک حدیث میں بدترین خلائق اور اگر کسی نے اس طرح سوال کیا تو جب تک سوال کو بلا دقت پورا کر سکتا ہے تو پورا کرنا ہی ادب ہے کہ کہیں بروئے ظاہر حدیث یہ بھی اسی وعید کا مستحق نہ ہو۔ (بہار شریعت، حصہ 5، ص 945، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

ہاں اگر وہ مانگنے کا اہل نہیں ہے تو دینے کی ممانعت ہی رہے گی چاہے جس طرح مانگے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾ گناہ اور زیادتی پر باہم مدد نہ دو۔

(پ 6، سورۃ المائدہ، آیت 2)

باب نمبر 451

مَنْ تَحِلُّ لَهُ الصَّدَقَةُ مِنَ الْغَارِمِينَ وَغَيْرِهِمْ

قرضدار وغیرہ کو زکاۃ لینا جائز ہے

653۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ قَالَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ بُكَيْرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الْأَشَجِّ، عَنْ عِيَاضِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ: أُصِيبَ رَجُلٌ فِي عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي ثِمَارٍ ابْتَاعَهَا، فَكَثُرَ دَيْنُهُ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: تَصَدَّقُوا عَلَيْهِ، فَتَصَدَّقَ النَّاسُ عَلَيْهِ، فَلَمْ يَبْلُغْ ذَلِكَ وَفَاءَ دَيْنِهِ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِغُرَمَائِهِ: خُذُوا مَا وَجَدْتُمْ، وَلَيْسَ لَكُمْ إِلَّا ذَلِكَ وَفِي الْبَابِ عَنْ عَائِشَةَ، وَجُوَيْرِيَةَ، وَأَنَسٍ. قَالَ ابوعيسى: حَدِيثُ أَبِي سَعِيدٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

حدیث: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں ایک شخص پھل خریدنے کی بنا پر مصیبت زدہ ہوگیا تو اس کا دین زیادہ ہو گیا تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اس پر صدقہ کرو، لوگوں نے اس پر صدقہ کیا، یہ اس کے قرض کے پورا ہونے کی مقدار کو نہ پہنچا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے قرض خواہوں سے فرمایا: جو موجود ہے اسے لے لو اور تمہارے لئے صرف یہی ہے۔

اور اس باب میں حضرت سیدتنا عائشہ، حضرت سیدتنا جویریہ اور حضرت انس رضی اللہ عنہم سے بھی روایات مروی ہیں۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ کی حدیث حسن صحیح ہے۔

شرح حدیث

اس حدیث پاک میں اس بات کا بیان ہے کہ غارم یعنی مدیون صدقہ وزکوۃ لے سکتا ہے، قرآن مجید میں بھی مصارفِ زکوۃ میں غارم کا ذکر بھی فرمایا گیا، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ﴿اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝﴾ صدقات فقراء ومساکین کے لئے ہیں اور ان کے لئے جو اس کام پر مقرر ہیں اور وہ جن کے قلوب کی تالیف مقصود ہے اور گردن چھڑانے میں اور قرض داروں کو اور اللہ عزوجل کی راہ میں اور مسافر کے لئے، یہ اللہ عزوجل کی طرف سے مقرر کرنا ہے اور اللہ عزوجل علم وحکمت والا ہے۔ (پ10، سورۃ التوبہ، آیت60)

غارم سے مُراد مدیُون ہے یعنی اس پر اتنا دَین ہو کہ اُسے نکالنے کے بعد نصاب باقی نہ رہے، مگر شرط یہ ہے کہ مدیُون ہاشمی نہ ہو۔

"تمہارے لیے صرف یہی ہے" سے مراد

"تمہارے لیے صرف یہی ہے" کے درج ذیل معانی علماء نے بیان کیے ہیں:

(1) حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یسر اور آسانی ہونے تک مہلت دینے کا حکم دیا یعنی جو ابھی موجود ہے وہ لے لو پھر جب گنجائش ہوگی تو باقی لے لینا کیونکہ محتاج کو مہلت دینا واجب ہے۔

(2) جتنا صدقہ ہوا تھا اس پر مصالحت کرادی۔

غارمین کو زکوۃ دینے کے بارے میں مذاہب ائمہ

احناف کا مؤقف

علامہ علاءالدین حصکفی (متوفی 1088) فرماتے ہیں:

غارم سے مُراد مدیُون ہے یعنی اس پر اتنا دَین ہو کہ اُسے نکالنے کے بعد نصاب باقی نہ رہے، ظہیریہ میں ہے

مدیون کو دینا فقیر کو دینے سے اولیٰ ہے۔ (درمختار، کتاب الزکاۃ، باب المصرف، ج 1، ص 137، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

شوافع کا مؤقف

علامہ ابوالحسن ماوردی شافعی (متوفی 450ھ) فرماتے ہیں:

غارمین کی دو قسمیں ہیں:

(1) ایک وہ ہیں جنہوں نے مصالح عامہ کے لیے قرض اٹھایا ہو جیسا کہ کسی کی دیت کا بوجھ اٹھا لینا یا اصلاح ذات البین کے لیے قرض اٹھایا ہو یا حج کی آسانی کے لیے یا ان کے راستہ کی اصلاح کے لیے قرض اٹھایا ہو۔

غارمین کی اس قسم میں اُن کا فقر نہیں دیکھا جاتا، جائز ہے کہ انہیں غنیٰ کے باوجود زکوۃ دی جائے۔

(2) دوسرے وہ ہیں جنہوں نے اپنے ذاتی مصالح کے لیے قرض اٹھایا ہو، اس میں اُن کا فقر دیکھا جاتا ہے، اور انہیں غنیٰ وقدرت کی موجودگی میں زکوۃ دینا جائز نہیں۔

پھر اپنی ذات کے لیے قرض لیا تو یہ دیکھا جائے گا کہ اگر اسے مستحب یا مباح میں صرف کیا تو اسے زکوۃ دی جائے گی، اور اگر معصیت میں خرچ کیا اور اگر اس سے توبہ نہ کی تو اسے زکوۃ نہیں دی جائے گی کیونکہ اس کو زکوۃ دینے میں معصیت پر اعانت اور اس پر ابھارنا ہے، اور اگر توبہ کر لی تو اس میں دو اقوال ہیں: ایک یہ کہ اسے زکوۃ نہیں دیں گے اسی معنیٰ کی وجہ سے اور دوسرا قول یہ ہے کہ اسے زکوۃ دیں گے کیونکہ توبہ کے سبب معصیت کے مرتفع ہونے کی وجہ سے۔

(الحاوی الکبیر، ج 8، ص 271,272، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

حنابلہ کا مؤقف

علامہ موفق الدین ابن قدامہ (متوفی 620ھ) فرماتے ہیں:

غارمین سے مراد وہ مدیون ہیں جو اپنے دیون کی ادائیگی سے عاجز ہوں، یہ اصنافِ زکوۃ میں سے چھٹی صنف ہے، اس کے استحقاق اور ثبوت سہم میں کوئی اختلاف نہیں، لیکن اگر معصیت میں قرض لیا ہے مثلاً شراب خریدی ہے، زنا، جوئے اور گانے باجے میں خرچ کیا تو توبہ سے پہلے زکوۃ میں سے کچھ نہیں دیا جائے گا کیونکہ یہ معصیت پر اعانت ہے اور اگر توبہ کر لے تو قاضی نے کہا کہ اسے زکوۃ دی جائے گی اور اسے ابن عقیل نے اختیار کیا ہے کیونکہ دین جو اس کے

ذمہ ہے اس کا باقی رہنا معصیت نہیں بلکہ اس کی ادائیگی واجب ہے اور واجب پر اعانت قربت ہے نہ کہ معصیت۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ توبہ کے بعد بھی اسے زکوۃ نہیں دی جائے گی کیونکہ اس نے معصیت کے لیے قرض لیا ہے......

اور غارمین میں سے ایک قسم وہ ہے جسے غنیٰ کے باوجود زکوۃ دی جائے گی اور یہ وہ قرض ہے جو اصلاح ذات البین کے لیے لیا جائے جیسا کہ دو قبیلوں کے درمیان عداوت ہو، اس وجہ سے کوئی نفس یا مال تلف ہو جائے اور ان کے درمیان صلح اس پر موقوف ہو کہ تلف شدہ کی دیت یا تاوان کوئی اٹھالے، کوئی شخص ان کے درمیان اصلاح کی کوشش کرے اور دیت یا تاوان خود اٹھالے، اب اس کی ادائیگی کے لیے زکوۃ لے سکتا ہے۔

(المغنی لابن قدامہ، مسئلۃ الغارمون وھم المدینون العاجزون عن وفاء دیونھم، ج6، ص480، مکتبۃ القاہرہ)

مالکیہ کا موقف

مدونہ میں ہے:

میں نے عرض کیا: آپ کا ایسے آدمی کے بارے میں کیا خیال ہے کہ جس کے پاس ایک ہزار درہم ہیں اور اس پر ایک ہزار درہم قرض ہے، اس کا ایک گھر اور ایک خادم ہے ان دونوں کا ثمن دو ہزار درہم ہے، کیا یہ شخص غارمین میں سے ہوگا اور اسے صدقہ لینا حلال ہوگا؟ امام مالک نے ارشاد فرمایا: نہیں، اس کا دین اور قرض اس کے سامان، خادم اور گھر کی طرف پھیرا جائے گا۔

میں نے عرض کیا: اگر وہ ہزار جو اس کے پاس ہے اس سے ایک ہزار قرض ادا کر دیتا ہے اور اس پر ایک ہزار دین باقی رہ جاتا ہے اور اس کا گھر اور خادم باقی ہوتے ہیں، تو یہ شخص غارمین اور فقرائمیں سے ہوگا؟ ارشاد فرمایا: جی ہاں، جبکہ اس کے پاس خادم اور گھر سے زائد مال نہ ہو جو اسے غنی کریں تو یہ غارمین اور فقرا میں سے ہے۔

(المدونہ، قسم الزکوۃ، ج1، ص342,343، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

باب نمبر 452

مَا جَاءَ فِی كَرَاهِيَةِ الصَّدَقَةِ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَهْلِ بَيْتِهِ وَمَوَالِيهِ

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اہلِ بیت اور غلاموں کا زکاۃ لینا درست نہیں

654- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ قَالَ: حَدَّثَنَا مَكِّيُّ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، وَيُوسُفُ بْنُ يَعْقُوبَ الضُّبَعِيُّ، قَالَا: حَدَّثَنَا بَهْزُ بْنُ حَكِيمٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أُتِيَ بِشَيْءٍ سَأَلَ: أَصَدَقَةٌ هِيَ، أَمْ هَدِيَّةٌ؟، فَإِنْ قَالُوا: صَدَقَةٌ لَمْ يَأْكُلْ، وَإِنْ قَالُوا: هَدِيَّةٌ أَكَلَ وَفِي الْبَابِ عَنْ سَلْمَانَ، وَأَبِي هُرَيْرَةَ، وَأَنَسٍ، وَالْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ، وَأَبِي عَمِيرَةَ جَدِّ مُعَرِّفِ بْنِ وَاصِلٍ، وَاسْمُهُ رُشَيْدُ بْنُ مَالِكٍ، وَمَيْمُونٍ أَوْ مِهْرَانَ، وَابْنِ عَبَّاسٍ، وَعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو، وَأَبِي رَافِعٍ، وَعَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَلْقَمَةَ. وَقَدْ رُوِيَ هَذَا الْحَدِيثُ أَيْضًا عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَلْقَمَةَ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي عَقِيلٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَجَدُّ بَهْزِ بْنِ حَكِيمٍ اسْمُهُ مُعَاوِيَةُ بْنُ حَيْدَةَ الْقُشَيْرِيُّ، قَالَ ابوعيسى: وَحَدِيثُ بَهْزِ بْنِ حَكِيمٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ

حدیث: بہز بن حکیم اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں جب کوئی شے پیش کی جاتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سوال کرتے کہ کیا یہ صدقہ ہے یا ہدیہ؟ تو اگر صحابہ کرام علیہم الرضوان عرض گزار ہوتے کہ یہ صدقہ ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم تناول نہ فرماتے اور اگر وہ عرض کرتے کہ یہ ہدیہ ہے تو کھا لیتے۔

اور اس باب میں حضرت سلمان، حضرت ابو ہریرہ، حضرت انس، حسن بن علی، ابو عمیرہ معرف بن واصل کے دادا، جن کا نام رشید بن مالک ہے، حضرت میمون بن مہران، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن عمرو، حضرت ابو رافع اور حضرت عبد الرحمٰن بن علقمہ رضی اللہ عنہم سے بھی روایات مروی ہیں۔

اور یہ حدیث نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے بواسطہ عبد الرحمٰن بن علقمہ اور عبد الرحمٰن بن ابو عقیل رضی اللہ عنہما مروی ہے اور بہز بن حکیم کے دادا کا نام معاویہ بن حیدہ القشیری ہے۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: بہز بن حکیم کی حدیث حسن غریب ہے۔

655- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، قَالَ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ قَالَ: حَدَّثَنَا

حدیث: حضرت ابو رافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی مخزوم کے ایک شخص کو زکاۃ

شُعْبَةُ، عَنِ الحَكَمِ، عَنِ ابْنِ أَبِي رَافِعٍ، عَنْ أَبِي رَافِعٍ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ رَجُلًا مِنْ بَنِي مَخْزُومٍ عَلَى الصَّدَقَةِ، فَقَالَ لِأَبِي رَافِعٍ: اصْحَبْنِي كَيْمَا تُصِيبَ مِنْهَا، فَقَالَ: لَا، حَتَّى آتِيَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَسْأَلَهُ، فَانْطَلَقَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَسَأَلَهُ فَقَالَ: إِنَّ الصَّدَقَةَ لَا تَحِلُّ لَنَا، وَإِنَّ مَوَالِيَ القَوْمِ مِنْ أَنْفُسِهِمْ، قال ابو عيسى: هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ، وَأَبُو رَا 1فِعٍ مَوْلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اسْمُهُ أَسْلَمُ، وَابْنُ أَبِي رَافِعٍ هُوَ عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ أَبِي رَافِعٍ كَاتِبُ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ

پر عامل بنا کر بھیجا تو انہوں نے ابو رافع رضی اللہ عنہ سے کہا: میرے ساتھ چلیں تا کہ آپ کو بھی ان میں سے کچھ مل جائے تو انہوں نے کہا: نہیں حتی کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر آپ سے پوچھ لوں تو وہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے تو ان سے سوال کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بے شک صدقہ ہمارے لئے حلال نہیں ہے کہ قوم کے غلام انہیں میں سے ہوتے ہیں۔

امام ابوعیسی ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یہ حدیث حسن صحیح ہے اور حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام ہیں ان کا نام اسلم اور ابن ابورافع وہ عبیداللہ بن ابو رافع حضرت علی رضی اللہ عنہ کے کاتب ہیں۔

شرح حدیث

علامہ علی بن سلطان محمد القاری حنفی فرماتے ہیں:

((اگر وہ عرض کرتے یہ صدقہ ہے تو آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تناول نہ فرماتے اور اگر وہ عرض کرتے کہ یہ ہدیہ ہے تو کھا لیتے)) اس حدیث پاک سے صدقہ اور ہدیہ میں فرق ہو گیا کہ صدقہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر حرام تھا اور ہدیہ وتحفہ حلال تھا کیونکہ صدقہ سے مقصود ثوابِ آخرت ہے اور یہ دینے والے کی عزت پر تنبیہ کرتا ہے اور رحم کیے جانے اور نرمی کیے جانے کی احتیاج میں لینے والے کی ذلت پر تنبیہ کرتا ہے اور ہدیہ وتحفہ سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ جسے ہدیہ دیا جا رہا ہے اس کا تقرب ملے اور اس کا اکرام مقصود ہوتا ہے، پس اس میں جس کو ہدیہ دیا جا رہا ہے اس کی غایت درجہ کی عزت ہے۔

اور ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ہدیہ کا معاملہ یہ ہے کہ اس کا بدلہ دنیا ہی میں ہوتا ہے، اسی لیے آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہدیہ لے لیتے اور اس کا عوض بھی عطا فرماتے، البتہ اس میں احسان نہیں ہوتا بلکہ صرف محبت ہوتی ہے جیسا کہ اس پر یہ حدیث پاک دلالت کرتی ہے: ((تَهَادُوا تَحَابُّوا)) (باہم تحفہ دو اس سے باہم محبت بڑھے گی) اور صدقے کی جزا آخرت میں ملے گی اور اس کی جزا صرف رب تعالٰی ہی عطا فرمائے گا۔ (مرقاۃ المفاتیح، باب من لا تحل لہ الصدقۃ، ج4، ص1303، دار الفکر، بیروت)

مزید دوسری حدیث پاک کے تحت فرماتے ہیں: ((قوم کے غلام انہیں میں سے ہوتے ہیں)) یہ دلیل ہے اُن کی جو یہ کہتے ہیں کہ جن پر صدقہ حرام ہے اُن کے غلاموں پر بھی صدقہ حرام ہے، یہی قول مذہب میں مشہور ہے۔

(مرقاۃ المفاتیح، باب من لا تحل لہ الصدقۃ، ج4، ص1303، دار الفکر، بیروت)

علامہ محمود بدر الدین عینی حنفی فرماتے ہیں:

"زکوۃ لوگوں کا میل اور ان کے گناہوں کا دھوون ہوتا ہے اور نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی آل لوگوں کے میل اور ان کے گناہوں کے دھوون سے منزہ ہے۔

(عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری، باب صدقۃ علی موالی ازواج النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، ج9، ص87، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

سادات اور بنی ہاشم کو زکوۃ دینے کے بارے میں مذاہب ائمہ

زکوۃ سادات اور (باقی) بنی ہاشم پر حرام ہے جس کی حرمت پر احناف کے ائمہ ثلاثہ (امام اعظم، امام ابو یوسف اور امام محمد) بلکہ مذاہب اربعہ کے ائمہ (امام اعظم، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل) کا اجماع ہے۔

(مذاہب اربعہ کے حوالہ جات: حنابلہ: المغنی لابن قدامہ، مسئلہ بنی ہاشم لاتحل لھم الصدقۃ المفروضۃ، ج2، ص489، مکتبۃ القاہرہ ☆ شوافع: الحاوی الکبیر، بنو ہاشم و بنو المطلب محرم علیہم الصدقات المفروضات، ج7، ص516، دار الکتب العلمیہ، بیروت ☆ مالکیہ: شرح مختصر خلیل للخرشی، فصل مصارف الزکوۃ، ج2، ص216، دار الفکر للطباعۃ، بیروت ☆ احناف: الاختیار لتعلیل المختار، باب مصارف الزکوۃ، ج1، ص120، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

بنی ہاشم سے کون لوگ مراد ہیں

بنی ہاشم سے مراد یہ پانچ قسم کے لوگ ہیں: (1) ال عباس، (2) ال علی، (3) ال عقیل، (4) ال جعفر، (5) ال حارث بن عبد المطلب۔ (الاختیار لتعلیل المختار، باب مصارف الزکوۃ، ج1، ص120، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

سادات سے مراد کون لوگ ہیں

حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بلا واسطہ اولاد اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صاحب زادیوں کی اولاد کو سید کہتے ہیں، ہمارے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جملہ صاحب زادگان بچپن ہی میں وصال فرما گئے تھے اور صاحب زادیوں میں سوائے حضرت سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کے کسی کی نسل نہیں چلی۔ اس لیے اب سید اولادِ حسنین کریمین کے ساتھ خاص ہے اور نسب اصل میں آباء کے ساتھ خاص ہوتا ہے جو آباء و اجداد کا نسب ہوگا وہی اس کی نسل کا ہوگا مگر حضور سید دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خصائص میں سے ایک خاصہ یہ بھی ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نسب مبارک حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ان دو شہزادوں حسنین کریمین سے چلا ہے اور یہ خاصہ دیگر میں موجود نہیں، اس وجہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی وہ اولاد جو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے نہ ہو اس کو، اولاد عباس، اولاد جعفر، اولاد عقیل اور بنی حارث کو سید نہیں کہتے بلکہ ان کو ان کے آباء کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

فتاوی شامی میں ہے "أما أصل النسب فمخصوص بالآباء" ترجمہ: بہر حال اصل میں نسب آباء کے ساتھ مخصوص ہوتا ہے۔ (فتاوی شامی، جلد6، صفحہ685، دار الفکر، بیروت)

المعجم الکبیر للطبرانی میں ہے: (("عن عمر رضی اللہ عنہ قال: سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول "کل بنی انثی فان عصبتهم لابيهم ما خلا ولد فاطمة فانی انا عصبتهم

وانا ابوھم ")) ترجمہ: حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ہر عورت کے بچوں کے عصبات، اُن بچوں کے باپ کی طرف سے ہوتے ہیں سوائے اولاد فاطمہ کے کہ میں اس کی اولاد کا والد اور عصبہ ہوں۔ (المعجم الکبیر للطبرانی، باب الحاء، جلد 3، صفحہ 44، مکتبۃ ابن تیمیۃ، القاہرۃ)

امام اہلسنت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن ارشاد فرماتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ نے یہ فضیلت خاص امام حسن وامام حسین اور انکے حقیقی بھائی بہنوں کو عطا فرمائی رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بیٹے ٹھہرے پھر ان کی جو خاص اولاد ہے ان میں بھی وہی قاعدہ عام جاری ہوا کہ اپنے باپ کی طرف منسوب ہوں اس لئے سبطین کریمین کی اولاد سید ہیں نہ کہ بناتِ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اولاد کہ وہ اپنے والدوں ہی کی طرف نسبت کی جائیں گی، واللہ سبحنہ و تعالیٰ اعلم۔"

(فتاوی رضویہ شریف، جلد 13، صفحہ 361، رضا فاؤنڈیشن، مرکز الاولیاء، لاہور)

شارح بخاری مفتی شریف الحق امجدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

مولی المسلمین، حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ دیگر بیویوں سے جو اولاد ہیں وہ سید نہیں۔ سید صرف حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اولاد ہیں اور پھر حضرات حسنین کریمین کی اولاد حتی کہ حضرت سیدہ زینب کی اولاد امجاد بھی سید نہیں، اس لیے کہ نسب باپ سے چلتا ہے یہ خصوصیت صرف حضرت سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کی ہے کہ ان کی اولاد، اولاد رسول قرار پائیں۔ (فتاوی شرح بخاری، جلد 2، صفحہ 60، مکتبہ برکات المدینہ، کراچی)

مزید اسی فتاوی شارح بخاری میں ہے: سید کے دو معنی ہیں: لغوی جس کے معنی سردار پیشواء کے ہیں.... سید کا دوسرا معنی عرفی ہے، یعنی جو شخص بلاواسطہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اولاد ہو، یا حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صاحب زادیوں کی اولاد ہو، چوں کہ جملہ صاحب زادگان عہد طفولیت ہی میں وصال فرما چکے تھے۔ اور صاحب زادیوں میں سوائے حضرت سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کے کسی کی نسل نہیں چلی۔ اس لیے اب سید کے معنی ہیں اولاد فاطمہ۔

(فتاوی شارح بخاری، جلد 2، صفحہ 58۔59، مکتبہ برکات المدینہ، کراچی)

سادات اور بنی ہاشم پر زکوۃ حرام ہونے کی وجہ

اس تحریم کی علت اُن حضرات عالیہ کی عزت وکرامت اور نظامت وطہارت ہے کہ زکوۃ مال کا میل ہے اور گناہوں کا دھوون، اس ستھری نسل والوں کے لائق نہیں، خود حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس تعلیل کی تصریح فرمائی۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((إِنَّ هَذِهِ الصَّدَقَاتِ إِنَّمَا هِيَ أَوْسَاخُ النَّاسِ، وَإِنَّهَا لَا تَحِلُّ لِمُحَمَّدٍ، وَلَا لِآلِ مُحَمَّدٍ)) ترجمہ: یہ صدقات لوگوں کا میل ہیں، یہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور ان کی آل کے لیے حلال نہیں۔ (صحیح مسلم، باب ترک استعمال آل النبی علی الصدقۃ، ج2، ص754، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

سادات پر زکوۃ کے حرام ہونے پر احادیث مبارکہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں: ((أَخَذَ الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، تَمْرَةً مِنْ تَمْرِ الصَّدَقَةِ، فَجَعَلَهَا فِي فِيهِ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: كِخْ كِخْ لِيَطْرَحَهَا، ثُمَّ قَالَ: أَمَا شَعَرْتَ أَنَّا لَا نَأْكُلُ الصَّدَقَةَ)) ترجمہ: حضرت حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے صدقہ کی ایک کھجور پکڑی اور اسے منہ میں ڈال لیا، تو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: کخ کخ، تاکہ وہ اسے منہ سے نکال دیں، پھر فرمایا: کیا تمہیں معلوم نہیں کہ ہم صدقہ نہیں کھاتے۔ (صحیح بخاری، باب ما یذکر فی الصدقۃ للنبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، ج2، ص127، مطبوعہ دار طوق النجاۃ)

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((إِنَّ هَذِهِ الصَّدَقَاتِ إِنَّمَا هِيَ أَوْسَاخُ النَّاسِ، وَإِنَّهَا لَا تَحِلُّ لِمُحَمَّدٍ، وَلَا لِآلِ مُحَمَّدٍ)) ترجمہ: یہ صدقات لوگوں کا میل ہیں، یہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور ان کی آل کے لیے حلال نہیں۔

(صحیح مسلم، باب ترک استعمال آل النبی علی الصدقۃ، ج2، ص754، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں: ((مَرَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِتَمْرَةٍ فِي الطَّرِيقِ، قَالَ: لَوْلَا أَنِّي أَخَافُ أَنْ تَكُونَ مِنَ الصَّدَقَةِ لَأَكَلْتُهَا)) ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا گزر راستے میں گری ہوئے ایک کھجور پر سے ہوا، ارشاد فرمایا: اگر مجھے یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ یہ صدقہ کی ہوگی تو میں اسے کھا لیتا۔

(صحیح بخاری، باب ما یتنزہ من الشبہات، ج3، ص54، مطبوعہ دار طوق النجاۃ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں: ((كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أُتِيَ بِطَعَامٍ سَأَلَ عَنْهُ: أَهَدِيَّةٌ أَمْ صَدَقَةٌ؟، فَإِنْ قِيلَ صَدَقَةٌ، قَالَ لِأَصْحَابِهِ: كُلُوا، وَلَمْ يَأْكُلْ)) ترجمہ: رسول اللہ صلی

اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں کھانا لایا جاتا تو پوچھتے: یہ ہدیہ ہے یا صدقہ؟ اگر کہا جاتا کہ یہ صدقہ ہے تو صحابہ کرام سے فرماتے: تم کھالو، اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تناول نہ فرماتے۔ (صحیح بخاری، باب قبول الہدیہ، ج3، ص155، مطبوعہ دار طوق النجاۃ)

حضرت ابورافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے: ((انَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بَعَثَ رَجُلًا مِنْ بَنِی مَخْزُومٍ عَلَی الصَّدَقَۃِ، فَقَالَ لِأَبِی رَافِعٍ: اصْحَبْنِی کَیْمَا تُصِیبَ مِنْهَا، فَقَالَ: لَا، حَتَّی آتِیَ رَسُولَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَأَسْأَلَهُ، فَانْطَلَقَ إِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ، فَسَأَلَهُ فَقَالَ: إِنَّ الصَّدَقَةَ لَا تَحِلُّ لَنَا، وَإِنَّ مَوَالِیَ الْقَوْمِ مِنْ أَنْفُسِهِمْ)) ترجمہ: نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بنی مخزوم کے ایک شخص کو زکاۃ پر عامل بنا کر بھیجا تو انہوں نے ابو رافع رضی اللہ عنہ سے کہا: میرے ساتھ چلیں تاکہ آپ کو بھی ان میں سے کچھ مل جائے تو انہوں نے کہا: نہیں حتی کہ میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس آ کر آپ سے پوچھ لوں تو وہ نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے تو ان سے سوال کیا تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بے شک صدقہ ہمارے لئے حلال نہیں ہے کہ قوم کے غلام انہیں میں سے ہوتے ہیں۔ (جامع ترمذی، باب ما جاء فی کراہیۃ الصدقۃ للنبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، ج3، ص37، مطبعہ مصطفیٰ البابی، مصر)

سادات اور دیگر بنی ہاشم پر زکوۃ کے حرام ہونے پر تقریباً بیس (20) صحابہ کرام علیہم الرضوان سے احادیث مبارکہ مروی ہیں، جیسا کہ آگے تفصیل کے ساتھ فتاوی رضویہ کے حوالے سے موجود ہے۔

سادات اور بنی ہاشم کو زکوۃ دینے کی حرمت پر ایک تحقیقی فتوی

فتاوی رضویہ میں ہے:

زکوٰۃ ساداتِ کرام وسائرِ بنی ہاشم پر حرامِ قطعی ہے جس کی حرمت پر ہمارے ائمہ ثلٰثہ بلکہ ائمہ مذاہبِ اربعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کا اجماع قائم۔ امام شعرانی رحمہ اللہ تعالیٰ میزان میں فرماتے ہیں: اتفق الائمة الاربعة علی تحریم الصدقة المفروضة علی بنی ہاشم و بنی عبد المطلب وہم خمس بطون ال علی وال العباس و ال جعفر وال عقیل وال الحارث بن عبد المطلب ہذا من مسائل الاجماع و الاتفاق ملخصاً (باتفاقِ ائمہ اربعہ بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب پر صدقہ فرضیہ حرام ہے، اور وہ پانچ خاندان ہیں: آلِ علی، آلِ عباس، آلِ جعفر، آلِ عقیل، آلِ حارث بن عبدالمطلب۔ یہ اجماعی اور اتفاقی مسائل میں سے ہے)

اول تا آخر تمام متون مذہب قاطبۃً بے شذوذ شاذ وعامہ شروح معتمدہ وفتاوائے مستندہ اس حکم پر ناطق۔

سادات پر زکوۃ کے حرام ہونے پر متواتر احادیث ہیں

اور خود حضور پر نور سیّد السادات صلی اللہ علیہ وسلم سے متواتر حدیثیں اس باب میں وارد، اس وقت جہاں تک فقیر کی نظر ہے بیس صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اس مضمون کی حدیثیں حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کیں:

(1) حضرت سیّدنا امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روی عنہ احمد والبخاری ومسلم (ان سے امام احمد، بخاری اور مسلم نے روایت کیا ہے۔)

(2) حضرت سیّدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ روی احمد وابن حبان برجال ثقات (ان سے احمد اور ابن حبان نے ثقہ رجال کے ساتھ روایت کیا ہے۔)

(3) حضرت سیّدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما روی الامام الطحاوی والحاکم وابو نعیم وابن سعد فی الطبقات وابو عبید القاسم بن سلام فی کتاب الاموال وروی عنہ الطحاوی حدیثاً اخرو الطبرانی حدیثاً ثالثا (امام طحاوی، حاکم، ابونعیم، ابن سعد نے طبقات اور ابوعبید قاسم بن سلام نے کتاب الاموال میں روایت کیا ہے اور طحاوی نے ان سے ایک دوسری حدیث اور طبرانی نے تیسری حدیث روایت کی ہے۔)

(4) حضرت عبدالمطلب بن ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ روی عنہ احمد ومسلم والنسائی (ان سے احمد، مسلم اور نسائی نے روایت کیا ہے۔)

(5) حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ روی عنہ ابن حبان والطحاوی والحاکم وابو نعیم (ان سے ابن حبان، طحاوی، حاکم اور ابونعیم نے روایت کیا ہے۔)

(6) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روی عنہ الشیخان ولہ عند الطحاوی حدیثان اخران (ان سے بخاری ومسلم نے روایت کیا اور انہی سے امام طحاوی نے دو اور احادیث نقل کی ہیں۔)

(7) حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ روی عنہ البخاری ومسلم ولہ عند الطحاوی حدیث اخر (ان سے بخاری اور مسلم نے روایت کیا اور انہی سے طحاوی نے ایک اور حدیث روایت کی ہے۔)

(8) حضرت معاویہ بن حیدہ قشیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روی عنہ الترمذی والنسائی ولہ عند الطحاوی حدیث اخر (ان سے ترمذی اور نسائی نے روایت کیا اور انہی سے طحاوی نے ایک اور حدیث بیان کی ہے۔)

(9) حضرت ابورافع مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم روی عنہ احمد وداؤد والترمذی والنسائی والطحاوی وابن حبان وابن خزیمة والحاکم (ان سے امام احمد، داؤد، ترمذی، نسائی، طحاوی، ابن حبان، ابن خزیمہ اور حاکم نے روایت کیا ہے۔)

(10) حضرت ہرمز یا کیسان مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم روی عنہ احمد والطحاوی (ان سے احمد اور طحاوی نے روایت کیا ہے۔)

(11) حضرت بریدہ اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ روی عنہ اسحاق بن راھویة وابو یعلی الموصلی والطحاوی والبزاز ولطبرانی والحاکم (ان سے اسحاق بن راھویہ، ابویعلی الموصلی، طحاوی، بزاز، طبرانی اور حاکم نے روایت کیا ہے۔)

(12,13) حضرت ابویعلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت ابوعمیرہ رشید بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ روی عنهما الطحاوی (ان دونوں سے طحاوی نے روایت کیا ہے۔)

(14,15,16) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنهما، حضرت عبدالرحمن بن علقمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یقال صحابی (ان کو صحابی کہا گیا ہے۔) حضرت عبدالرحمن بن ابی عقیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ علق عن الثلثة الترمذی (امام ترمذی نے ان تینوں سے تعلیقاً حدیث بیان کی ہے۔)

(17) حضرت ام المومنین صدیقہ بنت الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہما روی عنها الستّة (ان سے اصحاب ستہ نے بیان کیا۔)

(18) حضرت ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا روی عنها احمد و مسلم (ان سے امام احمد اور مسلم نے روایت کیا۔)

(19) حضرت ام عطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا روی عنها احمد و البخاری و مسلم (ان سے امام احمد، بخاری

اور مسلم نے روایت کیا ہے۔ت)

(20۔امام طحاوی کی روایت کردہ حضرت علی المرتضی کی حدیث پاک کا ذکر اعلی حضرت آگے فرمارہے ہیں)

سادات پر تحریم زکوۃ کی علت

اور بیشک اس تحریم کی علت اُن حضرات عالیہ کی عزّت وکرامت ونظامت وطہارت کہ زکوۃ مال کا میل ہے اور گناہوں کا دھوون، اس ستھری نسل والوں کے مقابل نہیں خود حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس تعلیل کی تصریح فرمائی۔

کما فی حدیث المطلب عند مسلم و ابن عباس عند الطبرانی وعلی المرتضی عند الطحاوی رضی اللہ تعالٰی عنھم اجمعین (جیسا کہ مسلم کے ہاں حدیثِ مُطلّب ،طبرانی کے ہاں حدیث ابن عباس اور طحاوی کے ہاں حدیثِ علی المرتضےٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین میں ہے۔)

اسی طرح عامہ علماء مثل امام ابوجعفر طحاوی شرح معانی الآثار اور امام شمس الائمہ سرخسی محیط اور امام صدر شہید شرح جامع صغیر اور امام برہان الدین فرغانی ہدایہ اور امام حافظ الدین نسفی کافی اور امام فخر الدین زیلعی تبیین اور امام سمعانی خزانۃ المفتین اور علامہ یوسف چلپی ذخیرۃ العقبی اور محقق غزی منح الغفار اور مدقق علائی درمختار اور فاضل رومی مجمع الانہر اور سیّد حموی غمز العیون اور ان کے غیر اس حکم کی یہی علّت بیان فرماتے ہیں اور شک نہیں کہ یہ علّت تغیّر زمانہ سے متغیر نہیں ہوسکتی تو دائماً ابداً بقائے حکم میں کوئی شُبہ نہیں، یہاں تک کہ جمہور علمائے کرام مثل امام ابوالحسن کرخی وامام ابوبکر جصاص و امام حسام الدین عمر صدر شہید وامام علی بن ابی بکر مرغینانی صاحبِ ہدایہ وامام طاہر بخاری صاحبِ خلاصہ وامام سغناقی صاحبِ نہایہ وامام نسفی صاحبِ کافی وامام زیلعی شارح کنز وامام حسین بن محمد صاحبِ خزانہ وامام ہمام محمد بن الہمام صاحبِ فتح علامہ اتقانی صاحبِ غایۃ البیان وعلامہ برجندی شارح نقایہ وعلامہ زین بن نجیم صاحبِ اشباہ و بحر وعلامہ عمر بن نجیم صاحبِ نہر و علامہ ابراہیم حلبی صاحبِ ملتقی وعلامہ محمد حصکفی صاحبِ درمختار ومصنفانِ اختیار شرح مختار وفتاوٰی ہندیہ وغیرہم رحمۃ اللہ تعالٰی علیہم بنی ہاشم کو مالِ زکوۃ سے عمل صدقات کی اجرت لینا ناجائز ٹھہراتے ہیں حالانکہ یہ اغنیاء کے لیے بھی روا کہ من کل الوجوہ زکوۃ نہیں مگر آخر شبہ زکوۃ ہے اور بنی ہاشم کی جلالتِ شان شبہ لوث سے بھی برائت کی شایاں............

ایک مرجوح روایت کا جواب

بالجملہ جب حدیث وُہ اور فقہ یہ، پھر خلاف کی طرف راہ کہاں، اب جو صاحب جواز پر فتوٰی دیں ان کا منشاء غلط 'ایک مقدوح و مرجوح و مجروح روایت ہے جو ابو عصمہ نوح بن ابی مریم جامع نے امام رضی اللہ تعالی عنہ سے حکایت کی کہ ہمارے زمانے میں بنی ہاشم کو زکوٰۃ روا ہے کہ سبب حُرمت مالِ غنیمت سے خمس خمس ملنا تھا اب کہ وُہ نہیں ملتا زکوٰۃ نے عود کیا۔

اقول (میں کہتا ہوں): یہ حکایت نہ روایۃً رجیح نہ درایۃً نجیح، ہم ابھی بیان کر آئے کہ علّتِ حرمت بنص صریح صاحب شرع صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وتصریحاتِ متظافرہ حاملانِ شرع رحمۃ اللہ علیہم کثافت صدقات و نظافت سادات یعنی بنی ہاشم ہے، اور تبدلِ زمانہ سے متبدل نہیں ہوسکتی، اور جو دلیل اس ضعیف قیل پر بیان میں آئی، فقیر غفر اللہ تعالٰی لہ نے اس کی کامل ناتمامی اپنے فتاوٰی یکم جمادی الاولٰی 1306 ہجریہ مندرجہ مجموعہ العطایا النبویۃ فی الفتاوی الرضویۃ میں بحمداللہ تعالٰی روشن بیانوں سے واضح کردی اسی میں اٹھارہ دلائل ساطعہ قائم کیے کہ امام اجل ابو جعفر طحاوی قدس سرہ ' کی طرف اس روایت مرجوحہ کے اخذ و اختیار کی نسبت میں بڑا دھوکا واقع ہوا جن میں سترہ خود کلام امام ممدوح کی شہادات سے ہیں (یہ فتوی آگے آرہا ہے) بلکہ وُہ بلاشُبہ اسی مذہب حق وظاہر الروایۃ کو بھذا ناخذ (ہم اسی کو لیتے ہیں) فرماتے اور معتمد و مفتی بہ ٹھہراتے ہیں، ایک سہل سی عام فہم بات یہ ہے کہ وہی امام ممدوح اپنی اسی کتاب شرح معانی الآثار کی اُسی کتاب، اُسی باب، اسی بحث میں جہاں ان سے اس ترجیح معکوس کا وقوع بتایا جاتا ہے خاص اسی بھذا ناخذ سے صاف صریح تصریح فرماتے ہیں کہ ہمارے نزدیک بنی ہاشم کے غلام تو غلام، موالی پر بھی زکوٰۃ حرام فرماتے ہیں۔ ہمارے ائمہ سے اس کا خلاف معلوم نہیں۔ سبحان اللہ جب ان کے نزدیک خود بنی ہاشم کے لیے زکوٰۃ حلال تھی تو ان کے غلاموں پر حرام ماننا کیونکر معقول تھا، طرفہ یہ کہ یہیں امام طحاوی نے اس مذہب کو اختیار فرمایا ہے کہ بنی ہاشم پر نہ صرف زکوٰۃ صدقاتِ واجبہ بلکہ صدقہ نافلہ بھی حرام ہے۔ اور فرماتے ہیں ہمارے ائمہ ثلٰثہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کا یہی قول ہے، پھر انھیں قائل جواز ماننا کیسا سخت قول بالمحال ہے جسے اس مطلبِ جلیل کی تنقیح جمیل پر اطلاع منظور ہو فتاوٰی فقیر کی طرف رجوع کرے، اور جب یقیناً معلوم کہ وُہ روایت شاذہ مذہب اجماعی ائمہ ثلٰثہ کے خلاف واقعہ اور تمام متون کا اس کے خلاف پر اجماع قاطع 'اور

سیّد عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی احادیثِ متواترہ اس کی دافع، اور دلیل ودرایت میں بھی اُس کا حصّہ محض ذاہب وضائع، اور فتوی امام طحاوی یقیناً جانبِ ظاہر الروایۃ راجع، تو اس پر فتویٰ دینا قطعاً مردود، جس سے شرع مطہر جزماً مانع، کون نہیں جانتا کہ اطباقِ متون کی کیسی شان جلیل ہے جس کے سبب بارہا محققین نے جانبِ خلاف کی تصحیحوں کو قبول نہ کیا کہ اس طرف تصحیح وترجیح کا نام بھی نہ ہو، نہ کہ صراحۃً امام مجتہد نے اسی جانب پر فتویٰ دیا ہو بااینہمہ اسے چھوڑ کر اُدھر جانا کس قدر موجب عجب شدید ہے.....

کون نہیں جانتا کہ ہنگامِ اختلاف ظاہر الروایۃ ہی مرجح ہے اگر چہ دونوں مذیل بفتوی ہوں........

علماء فرماتے جو کچھ ظاہر الروایۃ کے خلاف ہے ہمارے ائمہ کا مذہب نہیں.....

پھر جبکہ خاص اسی طرف فتویٰ ہُوا اور اُس جانب کچھ نہیں تو اُدھر چلنا روشِ فقہی سے کتنا بعید ہے، کون نہیں جانتا کہ قوتِ دلیل کس قدر موجبِ تعویل، یہاں تک کہ علماء فرماتے ہیں: لا یعدل من درایة ما وافقهاروایة کما فی الغنیة شرح المنیة ورد المحتار وغیر هما۔ (اس عقلی دلیل سے اعراض نہیں کیا جائے گا جو نقلی دلیل کے مطابق ہو جیسا کہ منیہ شرح غنیّۃ اور ردالمحتار وغیرہ میں ہے۔)

اس تنکیر روایۃ پر نظر کیجئے اور مانحن فیہ کی حالت دیکھئے، جب روایت کی موافق مانع عدول تو ماھی الروایۃ کا خلاف کیونکر مقبول، پھر اس طرف احادیث متواترہ، ان سب کے علاوہ جن کے صحت پر ایسا یقین کہ گویا بگوش خویش کلام اقدس حضور پُر نور صلوٰۃ اللہ تعالےٰ وسلامہ علیہ سُن رہے ہیں، میں نہیں کہہ سکتا کہ ان کے وجوہ کے بعد بھی وُہ روایت قبول تو قبول، التفات کے قابل ٹھہرے۔ لاجرم ملاحظہ کیجئے کہ بکثرتِ علماءِ اصحاب متون وشروح وفتاوی اپنی تصانیف عظیمہ جلیلہ معتمدہ مثل قدوری وبدایہ ووافی وکنز ووقایہ ونقایہ واصلاح وملتقی وہدایہ وتنویر وکافی وشرح وقایہ وایضاح واشباہ ودرمختار وطریقہ محمدیہ وحدیقہ ندیہ وخانیہ وخلاصہ وخزانۃ المفتین وجواہر اخلاطی وعلمگیری وغیر ہا میں اُس روایت کا نام تک زبان پر نہ لائے اور طبقۃً فطبقۃً منع وتحریم روشن تصریحیں کرتے آئے، کیا وہ اس روایت شاذہ سے آگاہ نہ تھے، یقیناً تھے، مگر اسے قابلِ التفات نہ سمجھے، اور بے شک وُہ اسی قابل تھی۔ یہ باون عبارتیں اور ستائیس حدیثیں جن کی طرف فقیر نے اس تحریر میں اشارہ کیا، بحمد اللہ اس وقت فقیر کے پیشِ نظر ہیں، سب کی نقل سے بخوفِ تطویل دست کشی کی۔

بالجملہ اصلاً محلِ شک وارتیاب نہیں کہ سادات کرام و بنی ہاشم پر زکوۃ یقیناً حرام، نہ انھیں لینا جائز نہ دینا جائز، نہ ان کے دئے زکوۃ ادا ہو تو اس میں گناہ کے سوا کچھ حاصل نہیں، اور اس کے جواز پر فتویٰ دینا محض غلط باطل، اور حیلہ صحت بلکہ قابلیتِ اغماض سے عاری و عاطل، کیا معلوم نہیں کہ علمائے کرام نے ایسے فتویٰ کی نسبت کیسے سخت الفاظ ارشاد کیے ہیں ......

سادات کو جب زکوۃ نہیں دے سکتے تو ان کی مدد کیسے کریں

رہا یہ کہ پھر اس زمانہ پُر آشوب میں حضرات سادات کرام کی مواسات کیونکر ہو، اقول بڑے مال والے اگر اپنے خالص مالوں سے بطور ہدیہ ان حضراتِ عُلیہ کی خدمت نہ کریں تو ان کی بے سعادتی ہے، وُہ وقت یاد کریں جب ان حضرات کے جدِّ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سوا ظاہری آنکھوں کو بھی کوئی ملجا و ماوی نہ ملے گا، کیا پسند نہیں آتا کہ وُہ مال جو انھیں کے صدقے میں انھیں کی سرکار سے عطا ہُوا، جسے عنقریب چھوڑ کر پھر ویسے ہی خالی ہاتھ زیرِ زمین جانے والے ہیں، اُن کی خوشنودی کے لیے ان کے پاک مبارک بیٹوں پر اُس کا ایک حصّہ صرف کیا کریں کہ اُس سخت حاجت کے دن اُس جواد کریم رؤف ورحیم علیہ افضل الصلوۃ والتسلیم کے بھاری انعاموں، عظیم اکراموں سے مشرف ہوں۔

ابنِ عساکر امیر المومنین مولا علی کرم اللہ وجہہ سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: من صنع الیٰ اھل بیتی یداً کافاته علیھا یوم القیٰمة۔ جو میرے اہلِ بیت میں سے کسی کے ساتھ اچھا سلوک کرے گا میں روزِ قیامت اس کا صلا اسے عطا فرماؤں گا۔

خطیب بغدادی امیر المومنین عثمانِ غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: من صنع صنیعة الی احد من خلف عبد المطلب فی الدّنیا فعلی مکافاته اذا لقینی۔ جو شخص اولادِ عبد المطلب میں کسی کے ساتھ دنیا میں نیکی کرے اس کا صلہ دینا مجھ پر لازم ہے جب وُہ روزِ قیامت مجھ سے ملے گا۔

اللہ اکبر، اللہ اکبر! قیامت کا دن، وُہ قیامت کا دن، وہ سخت ضرورت سخت حاجت کا دن، اور ہم جیسے محتاج، اور صلہ عطا فرمانے کو محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سا صاحب التاج، خدا جانے کیا کچھ دیں اور کیسا کچھ نہال فرمادیں، ایک نگاہِ لُطف اُن کی جملہ مہمات دو جہاں کو بس ہے، بلکہ خود یہی صلہ کروڑوں صلے سے اعلیٰ وانفس ہے، جس کی طرف کلمہ کریمہ

اذالـقیـنـی (جب روز قیامت مجھ سے ملے گا۔) اشارہ فرماتا ہے، بلفظِ اذ تعبیر فرمانا بحمد اللہ بروزِ قیامت وعدہ وصال و دیدارِ محبوبِ ذی الجلال کا مژدہ سُناتا ہے۔ مسلمانو! اور کیا درکار ہے دوڑو اور اس دولت وسعادت کو لو و باللہ التوفیق۔

اور متوسط حال والے اگر مصارف مستحبہ کی وسعت نہیں دیکھتے تو بحمد اللہ وہ تدبیر ممکن ہے کہ زکوٰۃ کی زکوٰۃ ادا ہو اور خدمتِ سادات بھی بجا ہو یعنی کسی مسلمان مصرفِ زکوٰۃ معتمد علیہ کو کہ اس کی بات سے نہ پھرے، مالِ زکوٰۃ سے کچھ روپے بہ نیتِ زکوٰۃ دے کر مالک کردے، پھر اس سے کہے تم اپنے طرف سے فلاں سیّد کی نذر کردو اس میں دونوں مقصود حاصل ہو جائیں گے کہ زکوٰۃ تو اس فقیر کو گئی اور یہ جو سیّد نے پایا نذرانہ تھا، اس کا فرض ادا ہو گیا اور خدمتِ سیّد کا کامل ثواب اسے اور فقیر دونوں کو ملا۔

اقـول: و یـظـهـر لی ان ثـواب تلك القرب لهما جميعاً لان من دل على خير كان كفاعله وقد تواتر عن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم فـي نـظـائره تكامل الثواب لكل شريك في الخير لا تنقص الشركة من اجـورهـم شيـئـاً فهـذا الذي حداني على الجزم بما سمعت ثم رأيت في الدرالمختار حيلة التكفين بها التصدق على الفقير ثم هو يكفن فيكون الثواب لهما۔

اقول: پھر یہ بات واضح ہوئی ہے کہ ان امورِ خیر کا ثواب دونوں کے لیے ہے کیونکہ جو کسی نیکی پر رہنمائی کرتا اسے بھی عمل کرنے والے کی طرح ثواب ملتا ہے، حضور علیہ السّلام سے ایسے معاملات میں تواتر کے ساتھ ثابت ہے کہ کارِ خیر میں ہر شریک کو کامل ثواب ملتا ہے شرکت سے اجر شرکاء میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی، مجھے اس پر مذکورہ دلائل کی وجہ سے جزم تھا جسے تُو سُن چکا، پھر میں نے درمختار میں دیکھا کہ کفن کا حیلہ یہ ہے کہ پہلے مال فقیر پر صدقہ کیا جائے پھر فقیر اس سے کفن بنائے تو ثواب دونوں کے لیے ہوگا۔

مگر اس میں دقت اتنی ہے اگر اس نے نہ مانا تو اسے کوئی راہ جبر کی نہیں کہ آخر وہ مالک مستقل ہو چکا اسے اختیار ہے چاہے دے یا نہ دے۔

لہٰذا فقیر غفر اللہ تعالیٰ لہ کے نزدیک اس کا بے خلش طریقہ یہ ہے کہ مثلاً مالِ زکوٰۃ سے بیس روپے سیّد کی نذر یا مسجد میں صرف کیا چاہتا ہے کسی فقیر عاقل بالغ مصرفِ زکوٰۃ کو کوئی کپڑا مثلاً ٹوپی یا سیر سوا سیر غلّہ دکھائے کہ یہ ہم تمھیں دیتے

ہیں مگر مفت نہ دیں گے بیس روپے کو بیچیں گے، یہ روپے تمھیں ہم اپنے پاس سے دیں گے کہ ہمارے مطالبہ میں واپس کردو وہ خواہ مخواہ راضی ہو جائیگا، جانے گا کہ مجھے تو یہ چیز یعنی کپڑا یا غلّہ مفت ہی ہاتھ آئے گا، اب بیع شرعی کر کے بیس روپے بنیّتِ زکوٰۃ اسے دے، جب وہ قابض ہو جائے اپنے مطالبہ ثمن میں لے لے۔ اول تو وہ خود ہی دے دے گا کہ سرے سے اسے ان روپوں کے اپنے پاس رہنے کی اُمید ہی نہ تھی کہ وُہ گرہ سے جاتا سمجھے اسے تو صرف اس کپڑے یا غلّہ کی امید تھی وُہ حاصل ہے تو انکار نہ کرے گا اور کرے بھی تو یہ جبراً چھین لے کہ وہ اس قدر میں اس کا مدیون ہے اور دائن جب اپنے دین کی جنس سے مال مدیون پائے تو بالاتفاق بے اس کی رضا مندی کے لے سکتا ہے، اب یہ روپے لے کر بطورِ خود نذرِ سیّد یا بناءِ مسجد میں صرف کر دے کہ دونوں مرادیں حاصل ہیں۔

اور فقیر غفر اللہ تعالیٰ لہ نے اُس مصرف زکوٰۃ کے عاقل بالغ ہونے کی شرط اس لیے لگائی کہ اس کے ساتھ یہ غبن فاحش کی مبایعت بلا تکلّف روا ہو اور کپڑے غلّے کی تخصیص اس لیے کی کہ اگر کچھ پیسے بعوض روپوں کے بیچنا چاہے گا تو ظاہر مفاد جامع صغیر پر تقابض البدلین شرط ہو گا وُہ یہاں حاصل نہیں اگرچہ روایت اصل پر ایک ہی جانب کا قبضہ کافی اور اکثر علماء اسی طرف ہیں اور یہی قول منقح، کما بیناہ في البیوع من فتاونا بل حققنا فیھا ان لا دلالۃ لکلام الجامع الصغیر ایضا علی اشتراط التقابض و ان ظن العلامۃ الشامی ماظن۔ (جیسا کہ ہم نے اپنے فتاوٰی کی بیوع میں بیان بلکہ اس کی تحقیق کی ہے کہ جامع صغیر عبارت میں بھی تقابض کے شرط ہونے پر کوئی دلالت نہیں اگرچہ علاّمہ شامی کا گمان کچھ ہو۔)

بہر حال ان حتی الوسع محلِ خلاف سے بچنا احسن اور زرِ زکوٰۃ پر اُس کا قبضہ کرا کر اپنے مطالبے میں لینے کی قید اس لیے کہ کوئی صدقہ بے قبضہ تمام نہیں ہوتا کما نص علیہ العلماء (جیسا کہ علماء نے اس پر نص فرمائی ہے۔) اور یہ تو پہلے بیان میں آ چکا کہ اغنیاء کثیر المال شکر نعمت بجا لائیں۔ ہزاروں روپے فضول خواہش یا دنیوی آسائش یا ظاہر آرائش میں اُٹھانے والے مصارف خیر میں ان حیلوں کی آڑ نہ لیں۔ متوسط الحال بھی ایسی ہی ضرورتوں کی غرض سے خالص خدا ہی کے کام (میں) صرف کرنے کے لیے ان طریقوں پر اقدام کریں نہ یہ کہ معاذ اللہ اُن کے ذریعہ سے ادائے زکوٰۃ کا نام کر کے روپیہ اپنے خُرد بُرد میں لائیں کہ یہ امر مقاصد شرع کے بالکل خلاف اور اس میں ایجاب زکوٰۃ کی حکمتوں کا یکسر ابطال

ہے تو گویا اس کا برتنا اپنے رب عزوجل کو فریب دینا ہے۔

"(فتاویٰ رضویہ ملخصاً، ج10،ص99 تا109 ،رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

روایت شاذہ کا تفصیلی رد

جس فتویٰ کی طرف امام اہل سنت نے سابقہ فتویٰ میں اشارہ فرمایا ہے، وہ درج ذیل ہے:

اب نہ رہا مگر امام اجل سیدی ابو جعفر طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کا بہ ناخذ (ہمارا اس پر عمل ہے) فرمانا اقول: وباللہ التوفیق (میں کہتا ہوں اور توفیق اللہ تعالیٰ سے ہے۔ت) اگر مان بھی لیا جائے کہ امام طحاوی اسی روایتِ شاذہ کو اختیار فرماتے ہیں تاہم معلوم ہے کہ اُن کے لیے بعض اختیارات مفردہ ہیں کہ بترکِ مذہب ان پر عمل کے کوئی معنیٰ نہیں ان کی جلالتِ شان بیشک مسلّم مگر عظمت قاہرہ اصل مذہب چیزے دیگرست۔

پھر اطباقِ احادیث پھر اتفاق متون پھر احقاق جماہیر ائمہ ترجیح وفتیا ایسی شئی نہیں جس کا پلّہ اختیار مفرد امام طحاوی کے باعث گر سکے آخر ائمہ کرام نے ان کا بہ ناخذ (ہمارا اسی پر عمل ہے۔ت) فرمانا دیکھا، پھر کیا باعث کہ اصلاً اُدھر التفات نہ فرمایا۔

غرض خادم فقہ جانتا ہے کہ ایسی روایت مرجوحہ مجروحہ جو نہ روایۃ معتمد نہ درایۃ مؤید، صرف ایک اختیار کی بنا پر جسے جمیع متون وسائر مرجحین نے مقبول نہ رکھا ہرگز صالح تعویل (اعتماد) نہیں ہوسکتی، یہ سب اس تقدیر پر ہے کہ امام طحاوی کا روایتِ جواز کو اختیار فرمانا تسلیم کرلیں ورنہ فقیر غفراللہ تعالیٰ لہ کے نزدیک اگر کلام امام طحاوی کی طرف بنظرِ غائر عطف عنان ہوتو اِن شاء اللہ تعالیٰ سپیدہ صبح کی طرح ظاہر وعیاں ہو کہ وہ قطعاً ظاہر الروایۃ ہی کو بہ ناخذ (اسی پر ہمارا عمل ہے۔ت) فرمارہے ہیں اگرچہ یہ وہ نئی بات ہے جسے سُن کر بہت علمائے زمانہ سخت تعجب فرمائیں گے کہ کفایہ وشرح نقایہ قہستانی ومراقی الفلاح وغمز العیون ودر منتقی ومجمع الانہر وحاشیہ طحطاوی وعقود دریہ وغیرہا متعدد کتابوں میں امام طحاوی کی طرف اختیار جواز کی نسبت مصرح، مگر کیا کیجئے کہ اتباع نظر خواہی نخواہی فقیر کو ایضاح حقیقۃ الامر پر مجبور کرتا ہے فاستمع لما یتلی علیك (کی جانے والی گفتگو کو اچھی طرح ملاحظہ کیجئے۔ت) امام اجل طحاوی نے اپنی کتاب مستطاب شرح معانی الآثار کی کتاب الزکوٰۃ میں پہلا باب" لاصدقه علی بنی هاشم "وضع فرمایا اور اس میں ایک حدیث نقل کرکے

ارشاد کیا کچھ لوگ اس کی بناء پر بنی ہاشم کے لیے صدقہ جائز رکھتے ہیں پھر اُن کے تمسک کا جواب شافی دیا پھر حدیثِ فدک سے اُن کا استناد ذکر کر کے اُس کا بھی جواب کافی تحریر کیا پھر فرمایا :قد جاء ت هذه الاثار عن رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم متواترة بتحریم الصدقة علیٰ بنی هاشم ۔(ان آثار کے بعد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے متواتر طور پر احادیث سے ثابت ہے کہ بنو ہاشم پر صدقہ حرام ہے۔ت)

(شرح معانی الآثار، کتاب الزکوٰۃ، باب الصدقۃ علیٰ بنی ہاشم، ج1 ،ص349 ،ایچ ایم سعید کمپنی کراچی)

پھر احادیث امام حسن مجتبیٰ وعبداللہ بن عباس وعبدالمطلب بن ربیعہ بن حارث وسلمان فارسی وابورافع وہرمزیا کیسان ورشید بن مالک وابی لیلیٰ وبریدہ اسلمی وانس بن مالک ودوحدیث ابی ہریرہ ودوحدیث معٰویہ بن حیدہ قشیری رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین چودہ حدیثیں حضور پُر نور سیّد عالم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم سے باسانید کثیر روایت کر کے فرمایا :فهذه الاثار کلها قد جاء ت بتحریم الصدقة علی بنی هاشم لانعلم شیأ نسخها ولا عارضها الاماقدذکرناه فی هذاالباب ممالیس فیه دلیل علیٰ مخالفتها ۔(یہ تمام آثار بنو ہاشم پر صدقہ کی حرمت پر شاہد ہیں،ہمیں ان کے منسوخ ہونے یا انکے مقابل روایات کا علم نہیں مگر جو کچھ ہم نے اس باب میں ذکر کیا ہے وُہ کوئی ایسی دلیل نہیں جوان آثار کی مخالفت پر ہو۔ت)

(شرح معانی الآثار، کتاب الزکوٰۃ، باب الصدقۃ علیٰ بنی ہاشم، ج1 ،ص352 ،ایچ ایم سعید کمپنی کراچی)

پھر حدیثاً وفقہاً اس مذہب کو مدلّل کیا کہ زکوٰۃ تو زکوٰۃ صدقہ نافلہ بھی بنی ہاشم پر حرام ہے اُن کے فقراء بعینہٖ حکمِ اغنیاء رکھتے ہیں، جوغنی کے لیے جائز ہے انھیں بھی مباح ہے اور جو غنی کو حلال نہیں اُنھیں بھی روا نہیں، پھر فرمایا:هذا هو النظر فی هذاالباب وهو قول ابی حنیفة وابی یوسف ومحمد رحمهم اللّٰه تعالیٰ ۔اس باب میں یہی دلیل ہے اور یہی امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ تعالیٰ کا قول ہے۔ت)

(شرح معانی الآثار، کتاب الزکوٰۃ، باب الصدقۃ علیٰ بنی ہاشم، ج1 ،ص352 ،ایچ ایم سعید کمپنی کراچی)

اس کے بعد اس روایت کا یوں ذکر فرمایا کہ :قد اختلف عن ابی حنیفة رحمه اللّٰه تعالیٰ فی ذلك فروی انه قال لا باس بالصدقات کلها علیٰ بن هاشم وذهب فی ذلك عندنا الی ان الصدقات انما کانت حرمت علیهم من اجل ماجعل لهم فی الخمس من سهم ذوی القربیٰ فلما انقطع ذلك عنهم ورجع الیٰ

غیرھم بموت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم حل لھم بذلك ما قد کان محرما علیھم من اجل ماقد کان احل لھم وقد حدثنی سلیمان بن شعیب عن ابیہ عن محمد عن ابی یوسف عن ابی حنیفة فی ذلك مثل قول ابی یوسف فبھٰذا ناخذ۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ سے مختلف روایات میں سے ایک روایت یہ ہے کہ بنو ہاشم پر تمام صدقات خرچ کرنے میں کوئی حرج نہیں، اوراس میں ہمارے ہاں دلیل یہ ہے کہ صدقات بنی ہاشم پر حرام ہونے کی وجہ یہ تھی کہ خمس کے ذوی القربیٰ کے حصہ میں سے پانچوں حصہ ان کا ہوتا تھا، رسالتمآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال کے بعد جب ان کا وہ حصہ منقطع ہوکر غیر کی طرف چلا گیا تو اب ان کے لیے وُہ حلال ہوجائے گا جو ان پر حرام ہُوا تھا اس وجہ سے کہ ان پر خمس حلال تھا، مجھے حدیث بیان کی سلیمان بن شعیب نے اپنے والد سے انھوں نے محمد سے انھوں نے ابو یوسف سے انھوں نے امام ابوحنیفہ سے اس سلسلہ میں ابو یوسف کے قول کے مطابق نقل کیا ہے پس اس کے ساتھ ہی ہمارا عمل ہے۔(ت) (شرح معانی الآثار، کتاب الزکوٰۃ باب الصدقۃ علی بنی ہاشم، ج1 ص352، ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی)

پھر فرمایا: فان قال قائل افتکرھھا علی موالیھم قلت نعم لحدیث ابی رافع ن الذی قد ذکرنا ہ فی ھذا الباب وقد قال ذلك ابویوسف رحمہ اللّٰہ تعالیٰ فی کتاب الاملاء وما علمت احدا من اصحابنا خالفه فی ذلك۔ (اگر کوئی سوال اٹھائے کہ بنوہاشم کے والی کے لیے مکروہ ہے تو میں کہوں گا ہاں اس حدیث کی وجہ سے جو ابورافع سے مروی ہے اور ہم نے اس باب میں اسے ذکر کردیا ہے، اور یہی بات امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ نے کتاب الاملاء میں کہی ہے اور میں نہیں جانتا کہ ہمارے اصحاب میں سے کسی نے اس کی مخالفت کی ہو۔ت)

(شرح معانی الآثار، کتاب الزکوٰۃ باب الصدقۃ علی بنی ہاشم، ج1 ص352 ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی)

پھر فرمایا: فان قال قائل افتکرہ للھاشمی ان یعمل علی الصدقة قلت لا وقد کان ابویوسف یکرہ اذا کانت جعالتھم منھا وخالف ابا یوسف اخرون. فقالوا الاباس ان یجتعل منھا الھاشمی لانه انما یجتعل علی عمله وذلك قد یحل للاغنیاء فلا یحرم علی بنی ھاشم الذین یحرم علیھم الصدقة وقد روی عن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم فیما تصدق علیٰ بریرة انه اکل منه(ثم اسند الطحاوی فی ذلك احادیث عن امھات المؤمنین عائشة وجویریة وام سلمة وعن ابن عباس وام عطیة رضی اللّٰہ تعالیٰ عنھم

ثم قال) فلما کان ماتصدق به علی بریرة رضی اللّٰہ تعالیٰ عنھا جائزاللنبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ و سلم اکلہ لانہ انما ملکہ بالھدیة جاز ایضاللھاشمی ان یجتعل من الصدقة لانہ انما یملکہ بعملہ لا بالصدقة فھذاھو النظروھواصح مما ذھب الیہ ابو یوسف رحمہ اللّٰہ تعالیٰ فی ذلک اہ ملخصاً۔ اگرکوئی یہ سوال کرے کہ ہاشمی کے لیے صدقات کیلئے عامل بننا مکروہ ہے تو میں کہوں گا کہ نہیں، امام ابو یوسف ان کی تنخواہ کو صدقات میں مکروہ کہتے ہیں، لیکن دوسرے لوگوں نے امام ابو یوسف کی مخالفت کرتے ہوئے کہا کہ ہاشمی کو اس میں تنخواہ ووظیفہ دینے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ یہ اس کے عمل ومحنت پر دیا جارہا ہے اور یہ تو اغنیاء کے لیے بھی جائز ہے تو اب ان بنو ہاشم پر یہ کیسے حرام ہوسکتا ہے جن پر صدقہ حرام تھا، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے صدقہ بریرہ کے بارے میں مروی ہے کہ آپ نے اس سے تناول فرمایا (پھر اس کے بعد امام طحاوی نے سند کے ساتھ امہات المومنین حضرت عائشہ، حضرت جویریہ، حضرت ام سلمہ، حضرت ابن عباس اور حضرت ام عطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے احادیث ذکر کیں، پھر کہا) حضرت بریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر کئے گئے صدقہ کا تناول کرنا رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے جائز تھا کیونکہ آپ بطور ہدیہ اس کے مالک قرار پائے تو اب ہاشمی کے لیے بھی صدقہ بطور وظیفہ جائز ہوگا، کیونکہ وہ عمل کی وجہ سے اس کا مالک بن رہا ہے نہ کہ صدقہ کی بنا پر۔ بس یہ اس میں نظر ہے اور یہی مختار ہے اور یہ اس معاملہ میں اقوال ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ میں سے اصح ہے اھ ملخصاً۔ت) (شرح معانی الآثار، کتاب الزکوٰۃ، باب الصدقۃ علی بنی ہاشم، ج1، ص352,353، ایچ ایم سعید کمپنی کراچی)

اب اس کلام امام کے محاوی ظاہرہ ومطاوی باہرہ پر نظر کیجئے:

اول: شروع سخن سے دلائل تحلیل کا رد۔

دوم: دلائل تحریم کی تکثیر میں کد۔

سوم: اُن کا آغاز یُوں کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے تحریم میں متواتر حدیثیں آئیں۔

چہارم: ختم یُوں کہ ہمارے علم میں ان حدیثوں کا کوئی ناسخ یا عارض نہیں سوا ان چیزوں کے جو اہل تحلیل نے ذکر کیں اور وُہ اصلاً اُن کی مؤید نہیں۔

پنجم: حدیثاً وفقہاً ثابت فرمانا کہ نہ صرف زکوٰۃ یا دیگر واجبات بلکہ مطلقاً تمام صدقات بنی ہاشم پر حرام ہیں

یہاں تک کہ نافلہ بھی، اور یہی مذہب ائمہ ثلاثہ کا ہے۔

ششم :صاف صاف حصر فرما دینا کہ اسباب میں یہی مقتضائے نظر فقہی ہے، اب روایت خلاف کے لیے کہاں گنجائش رکھی، حدیثیں بے ناسخ و معارض متواتر نظر فقہی اسی میں منحصر، پھر اختیار خلاف کس دلیل سے صادر۔ یہ چھ قرینے تو سباق میں ہیں اب سیاق کی طرف چلئے کہ دلائل دیکھئے۔

ہفتم :روایت کے اختلاف اور اپنے اختیار کو ذکر کر کے بار اِدفائے تعقیب سوال قائم فرماتے ہیں کہ اس پر کوئی مجھ سے پُوچھے بھلا بنی ہاشم کے غلامان آزادشدہ کے لیے اخذ زکوٰۃ ممنوع جانتے ہو، سبحان اللہ اگر اس بہ ناخذ (اسی پر ہمارا عمل ہے۔ت) کے معنی یہی تھے کہ امام طحاوی نے خود بنی ہاشم کو زکوٰۃ حلال مانی تو اب اس سوال کا کون سا موقع اور کیا محل تھا، موالی تو اس فرعیت کی بناء پر داخل ہوئے تھے کہ مولی القوم منھم (کسی قوم کا غلام اُنہی میں سے ہوتا ہے۔ت) جب اصول کے لیے جواز ٹھہرا فروع کی نسبت کیا پوچھتا رہا۔

ہشتم :اس سوال کا جواب سُنئے کہ میں فرماؤں گا ہاں یعنی میرے نزدیک موالی بنی ہاشم کو اخذِ زکوٰۃ ممنوع ہے کہ حدیث ابورافع اسی پر ناطق اور ارشاد امام ابی یوسف موافق اور بقیہ ائمہ سے خلاف نامعلوم، سُبحان اللہ کہاں بنی ہاشم کے لیے زکوٰۃ جائز ماننا اور کہاں اُن کے غلاموں پر حرام جاننا۔

نہم :پھر حدیث ابورافع تو یونہی تھی کہ: ((ان اٰل محمد لا یحل لھم الصدقۃ وان مولی القوم من انفسھم)) (آلِ محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے لیے صدقہ حلال نہیں اور قوم کا غلام اُنھی میں سے ہوتا ہے۔ت)

(شرح معانی الآثار، کتاب الزکوٰۃ، باب الصدقۃ علٰی بنی ہاشم، ج 1، ص 351، ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی)

کیا معنی کہ حدیث کا فرعی حکم اس وجہ سے کہ حدیث وارد ہے اخذ فرمائیں اور اسی حدیث کا اصلی حکم جس پر اس کے ساتھ اور احادیث متواترہ بھی ناطق ترک کر جائیں فافھم ولا تعجل۔

دہم :جو بنی ہاشم کے لیے جواز مانے اور موالی پر حرام جانے، حدیث ابورافع ہرگز اس کے لیے حجت نہیں بلکہ صاف اس پر منقلب ہے کہ اُس میں مولائے قوم کو حکم قوم میں فرماتے ہیں جب حکم قوم جواز ہے حکم مولٰی بھی لاجرم جواز ہوگا ورنہ موالی بالذات مستحق تحریم نہیں تو بر تقدیر اختیار جواز امام طحاوی کا یہ استدلال بالمخالف ٹھہرتا ہے۔

یازدھم :طرفہ یہ کہ فرماتے ہیں امام ابو یوسف نے مولیٰ پر زکوٰۃ ناروا مانی اور ہمیں اپنے باقی ائمہ سے اسکا خلاف معلوم نہیں، خلاف تو بنا بنایا پیشِ نظر ہے کہ جس روایت میں خود بنی ہاشم کو زکوٰۃ روا ہوئی، مولیٰ کے لیے بدرجہ اولیٰ ہوئی، تو لا جرم وہ اس روایت کو نظر سے ساقط اور نا قابلِ اعتداد جانتے ہیں، جب تو علم خلاف کی نفی فرماتے ہیں۔

دوازدھم :اس کے بعد دوسرا سوال قائم کرتے ہیں کہ بھلا تمھارے نزدیک بنی ہاشم کا تحصیلِ زکوٰۃ پر متعین ہو کر اس کی اجرت لینا بھی جائز ہے یا نہیں۔ سبحان اللہ! جب حقیقت زکوٰۃ انھیں جائز کر چکے تو شبہ زکوٰۃ میں کلام کا کیا موقع رہا، اگر امام طحاوی کی وہی مراد ہوتی تو میں ان دونوں سوالوں کی مثال اس سے بہتر نہیں جانتا کہ عالم شافعی المذہب کہے میرے نزدیک بنت الفجور سے نکاح حلال ہے زید پوچھے بھلا اس کی دختر رضاعی بھی حلال جانتے ہو یا نہیں، یا وہ کہے میرے نزدیک زنا موجب حرمت مصاہرت نہیں، زید پوچھے بھلا بے نکاح مس میں کیا کہتے ہو۔

یہ چھ دلائل جلائل سیاق میں تھے، اب نفس عبارت پر نظر کیجئے کہ اس کی شہادت سب سے اتم واکمل وقاطع جدل ہے۔ امام طحاوی نے بنی ہاشم پر مطلق صدقات کی حرمت ثابت کر کے فرمایا: یہ امام ابو حنیفہ و امام ابو یوسف و امام محمد کا مذہب یعنی ان سے ظاہر الروایۃ ہے کہ قول نہیں کہتے مگر ظاہر الروایۃ کو، پھر امام سے اختلاف روایت ذکر کیا اور اول بلفظ روی عنہ کہ صریح ضعفِ روایت پر دلیل ہے وہ روایتِ شاذہ بلا سند ذکر کی پھر بسند متصل نقل کیا کہ امام کا قول مثل قول امام ابو یوسف ہے اور اس پر فرمایا: فبھذا ناخذ (پس ہم اسے لیتے ہیں)۔ اب دیکھ لیجئے کہ امامِ طحاوی نے امام ابو یوسف کا کیا مذہب بیان فرمایا تھا جس پر حوالہ کرتے ہیں کہ ہمیں اس سند کے ساتھ امام سے اسی مذہب ابو یوسف کے مطابق پہنچا، آخر وہ نہ تھا مگر اطلاق تحریم، تو قطعاً اسی کو بھذا ناخذ فرمارہے ہیں، یہ تو یقیناً معلوم کہ اوپر امام ابو یوسف کا کوئی قول نہ گزرا مگر تحریم، اور یہ بھی نہایت واضح وجلی کہ حوالہ نہیں کرتے، مگر امر مذکور پر لا جرم ماننا ہوگا کہ اختلافِ روایت بتا کر پہلے لفظ روی عنہ روایت ابو عصمہ روایت کی پھر وحدثنی (مجھے بیان کیا۔) سے مذہب تحریم کہ اصول اسی طریق محمد عن ابی یوسف عن ابی حنیفۃ (امام محمد نے امام ابو یوسف سے انھوں نے امام ابوحنیفہ رحمہم اللہ تعالیٰ سے روایت کیا ۔ت) سے مروی رنگ اسناد دیا اور اسی کو بھذا ناخذ (اسی پر عمل ہے۔) سے مذیل کیا۔

اب سارا بیان اوّل سے آخر تک منتظم وملتئم ہوگیا اور تمام اعتراضات واستغرابات دفعۃً دفع ہوگئے و الحمد

الکلام بعضه بحجر بعض (ورنہ یہ تو بعض کلام کو لینا اور بعض کو چھوڑنا ہے۔ت) تامل کیجئے تو کلام امام کا یہ وہ یقینی محمل ہے جس کے سوا دوسرا محتمل نہیں اور ہنوز اس کے مؤیدات نفس کلام ودیگر وجوہ سے بکثرت باقی ہیں مثلاً:

سیزدھم: آشنائے کلامِ محدثین جانتا ہے کہ وہ جس قول کو مسند اُلاتے ہیں یا تو سند لکھ کر اُسے بیان فرماتے ہیں وھوالاکثر (اکثر کا طریقہ یہی ہے۔ت) یا قول بیان کرکے سند یُوں ذکر کرتے ہیں کہ حدثنی بذلك فلان عن فلان یا حدثنی فلان عن فلان مثله (مجھے فلاں سے فلاں نے بیان کیا فلاں نے فلاں سے اسی کی مثل بیان کیا۔ت) تاکہ اسناد مسند سے مرتبط ہو جائے نہ یُوں کہ بالکل تغایر وانقطاع رہے کہ روی عن ابی حنیفة کذاو حدثنی فلان عن ابی حنیفة (امام ابوحنیفہ سے اسی طرح مروی ہے اور مجھے فلاں نے امام ابوحنیفہ سے فلاں کی مثل قول کیا ہے۔ت)

چھادھم: اگر ایسا ہی مانئے تو ضرور ہے کہ قولِ ابی یوسف بھی جواز ہو حالانکہ قولِ ابی یوسف قطعاً تحریم ہے بلکہ قول درکنار شاید اُن سے کوئی روایت شاذہ بھی مثل روایت نوح نہیں۔

پانزدھم: خود امام طحاوی چند سطر کے بعد تحریر فرماتے ہیں کہ قول ابی یوسف موالی پر بھی تحریم ہے نہ کہ خود اصول کے لیے جواز۔

شانزدھم: اور چند سطر بعد فرمایا قول ابی یوسف میں ہاشمی کو شبہ زکوٰۃ روا نہیں یعنی اپنے عمل کی اُجرت مالِ زکوٰۃ سے لینا، پھر اجازت حقیقت چہ معنیٰ، تو لاجرم قول ابی یوسف وہی تحریم ہے اور اس سند کا متن اسی پر محول، اور وہی بھذا ناخذ سے مذیل۔

ھفدھم: اور پُرسُن چکے کہ روایتِ جواز روایت نوح ابن ابی مریم ابوعصمہ مروزی تلمیذ امام ابوحنیفہ وامام ابی لیلیٰ وکلبی ہے اور امام طحاوی اپنی روایت اپنی روایتِ مختارہ کو بطریق سلسلۃ الذہب محمد عن ابی یوسف عن ابی حنیفة (امام محمد نے امام ابویوسف سے اور انھوں نے ابوحنیفہ سے روایت کیا ہے۔ت) روایت فرماتے ہیں اگر وہی روایت اس طریق سے مروی ہوتی روی ابو یوسف عن ابی حنیفة (امام ابویوسف نے امام ابوحنیفہ سے روایت کیا۔ت) کہا جاتا، نہ روی ابو عصمة (شیخ ابوعصمہ نے روایت کیا۔ت) کہ مہر عالم افروز کو چھوڑ کر چراغ کی طرف

نہیں جاتے نہ ہرگز فقہاء کا داب (طریقہ ہے) کہ امام کی وُہ روایتیں جو بطریق صاحبین مروی ہیں کسی اور کے نام سے منسوب کیا کریں خصوصاوُہ صاحب بھی ایسے کہ جن کی نسبت کلامِ ائمہ معلوم ہے، نہیں نہیں بلکہ بیشک یہ روایت جسے بہذا ناخذ (اسی پر ہمارا عمل ہے۔) فرمایا، انہی روایاتِ اصول سے ہے جو اس طریقہ انیقہ صاحبین سے آتی ہیں۔

یہ مجموع اٹھارہ باتیں تو اس نفس عبارت میں ہیں جن کے بعد ان شاء اللہ تعالٰی وضوحِ حقیقۃ الامر میں اصلاً مجالِ کلام نہیں اس کے سوا بعض دلائل قاہرہ وباہرہ اسی شرح معانی الآثار کے دوسرے مقام سے سُنیے جس سے یہ بھی ثابت ہُوا کہ امام طحاوی اُس روایت مردودہ کے اصل مبنٰی یعنی بنی ہاشم کے لیے خمس الخمس عوض صدقات ہونے ہی کا بہ نہایت شدومد انکارِ بلیغ فرماتے ہیں کتاب وجوہ الفیء وخمس المغانم میں ایک قول فرمایا کہ بعض کے نزدیک آیہ کریمہ میں ذوی القربٰی سے صرف بنی ہاشم مراد ہیں کہ اللہ تعالٰی نے جبکہ ان پر صدقہ حرام کیا یہ خمس کا حصہ اس کا عوض دیا، پھر اس کا رَد فرماتے ہیں کہ: ان قولهم هذا عندنا فاسد لان رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم لما حرمت الصدقة علی بنی هاشم قد حرمها علی موالیهم کتحریمه ایاها علیهم و تواترت عنه الأثار بذلك۔ (علماء کا قول ہے کہ یہ ہمارے نزدیک فاسد ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم نے جب صدقہ بنو ہاشم پر حرام فرمایا تو آپ نے ان کے غلاموں پر بھی اسی طرح حرام فرمایا جس طرح بنو ہاشم پر حرام ہے اور اس پر آپ سے متواتر آثار ہیں۔ت)

(شرح معانی الآثار، کتاب وجوہ الفیء الخ، ج2، ص184، ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی)

پھر احادیث ابن عباس وابورافع وہرمز یا کیسان رضی اللہ تعالٰی عنہم ذکر کرکے فرمایا: فلما کانت الصدقة المحرمة علیٰ بنی هاشم قد دخل فیهم موالیهم ولم یدخل موالیهم معهم فی سهم ذوی القربی باتفاق المسلمین ثبت بذلك فساد قول من قال انما جعلت لذی القربیٰ فی اية الفیء وفی اية خمس الغنيمة بدلا مما حرم علیهم الصدقة۔ صدقہ کی حرمت میں بنو ہاشم کے ساتھ ان کے غلام بھی شامل تو ہیں مگر ذوی القربٰی کے حصہ میں بالاتفاق بنو ہاشم کے ساتھ شامل نہیں اس سے ان لوگوں کے قول کا فساد واضح ہوگیا جو کہتے ہیں کہ ایک آیت فیء اور آیت خمسِ غنیمت میں جو کچھ حضور کے رشتہ داروں کے لیے مقرر کیا گیا یہ اس صدقہ کے عوض ہے جو اُن پر حرام کردیا گیا ہے۔ت)

(شرح معانی الآثار، کتاب وجوہ الفیء الخ، ج2، ص184، ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی)

پھر دوسری دلیل نظری سے اس عوض ہونے کا فساد ثابت کر کے فرمایا: فدل ذلك ان سهم ذوی القربیٰ لم یجعل لمن له خلفا من الصدقة التی حرمت علیه۔ یہ اس پر دال ہے کہ ذوی القربیٰ کا حصہ جن لوگوں کے لیے مقرر کیا گیا ہے وہ ان پر حرام کردہ صدقہ کا عوض نہیں۔ت)

(شرح معانی الآثار، کتاب وجوہ الفیء وقسم الغنائم، ج2، ص184، ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی)

پھر تصریح کی کہ بنی ہاشم پر صدقہ حرام ہے اور اسے احادیثِ متعددہ سے ثابت فرما کر ارشاد کیا: افلا یری ان الصدقة التی تحل لسائر الفقراء من غیر بنی هاشم من جهة الفقر لاتحل لبنی هاشم من حیث تحل لغیرهم فکذلك الفیء الغنیمة لو کان مایعطون منها علی جهة الفقر اذا لماحل لهم۔ کیا وہ یہ ملاحظہ نہیں کرتے کہ بنو ہاشم کے علاوہ فقر کی وجہ سے تمام فقراء کے لیے صدقہ حلال ہے، لیکن بنو ہاشم پر اس علت کی بنا پر حلال نہیں جس کی بنا پر اوروں کے لیے حلال ہے تو اسی طرح فیء اور غنیمت، اگر یہ فقر کی وجہ سے انھیں عطا کئے جائیں تو یہ بھی ان کے لیے حلال نہ ہونگے۔ت)

(شرح معانی الآثار، کتاب وجوہ الفیء وقسم الغنائم، ج2، ص194، ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی)

اب بھی کچھ وضوحِ حق باقی رہا وللہ الحمد هکذا اینبغی التحقیق اللّٰہ سبحانه ولی التوفیق (اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے حمد وثناء اور تحقیق کے لیے ہی مناسب ہے اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہی توفیق کا مالک ہے۔ت)

رہا کہ امام طحاوی ضمن کلام میں اُس روایت کی ایک توجیہ ذکر فرما گئے کہ ہمارے خیال میں اس روایت کی بنا پر امام کی نظر اس طرف گئی، حاشا یہ اصلاً اس کے اختیار سے علاقہ نہیں رکھتا، علماء کا داب (طریقہ) ہے کہ اقوال مختلفہ میں ہر ایک کی دلیل ذکر فرماتے ہیں ہدایہ وکافی وغیرہما اس رنگ کی کتابیں اسی انداز پر ہیں، پھر مختار وہی ہے جو مختار ہے اور قول کو صرف ابو یوسف کی طرف نسبت کرنا کچھ مستغرب نہیں کہ امام سے تو اختلاف روایت کا بیان ہی ہے اور صاحبین میں اعظم واقدم ابو یوسف ہیں، معہذا مذہب تو سب کا اوپر لکھ ہی چکے، یہاں فقط بتا دینا تھا بالجملہ کلام امام طحاوی بہ اعلیٰ ندا منادی، کہ وہ ہرگز اس روایت ضعیفہ کی ترجیح وتصحیح کے پاس بھی نہیں بلکہ قطعاً تحریم پر جازم، اور اس میں بھی یہاں تک جازم کہ تحریم نافلہ پر بھی حاکم، کما هو المرجح عند المحقق علی الاطلاق و البعض الآخرین من الحذاق (جیسا کہ محقق علی

الاطلاق اور بعض دیگر اکابرین کے نزدیک راجح ہے۔ت) غالبًا ابتداءً میں بمقتضائے یابی اللّٰہ العصمۃ الالکلامہ و کلام رسولہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم (عصمت صرف کلام اللہ اور کلامِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ہی حاصل ہے۔ت) بعض علمائے ناقلین کی نظر نے لغزش فرمائی اور بھذا ناخذ (اسی پر ہمارا عمل ہے۔ت) کی مشارالیہ وُہ روایت ضعیفہ خیال میں آئی پھر علمائے مابعد، نقل در نقل فرماتے چلے آئے نقد یا مراجعت کا اتفاق نہ ہُوا اور نہ حاش للہ ان کی جلیل شانیں اس سے بس ارفع ہیں کہ بامعاون وتدبر شرح آثار پر نظر فرماتے اور اس کی عبارت کے یہ معنی ٹھہراتے۔

علامہ زین نجیم مصری بحرالرائق میں فرماتے ہیں: قد یقع کثیرا ان مولفا یذکر شیأ خطا فی کتابہ فیأتی من بعدہ من المشائخ فینقلون تلک العبارۃ من غیر تغییر فیکثر الناقلون لھا واصلھا الواحد مخطی الخ (بہت دفعہ ایسا ہوجاتا ہے کہ ایک مصنف اپنی کتاب میں خطا کرتا ہے تو بعد کے مشائخ اسے بغیر کسی تبدیلی کے نقل کردیتے ہیں، ناقلین کثیر ہوجاتے ہیں حالانکہ اصل خطا کرنے والا ایک ہی تھا الخ۔ت)

(بحرالرائق، کتاب البیوع، باب التفرقات، ج6، ص185، ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی)

مشتغل علم اگرچہ میری اس طویل تقریر کو بالکل گوش نا آشنا پائے گا مگر امید کرتاہُوں کہ ان شاء اللہ تعالیٰ اس مقام کی تنقیحِ جمیل وتنقیدِ جلیل برکات علماء سے اس بے بضاعت کا حصہ تھا ع وللارض من کاس الکرام نصیب (زمین کے لیے بھی سخیوں کے دسترخوان سے حصّہ ہوتا ہے) فتبصر و تشکر و الحمد للّٰہ الاکبر، وانما اطلنا الکلام فی ھذا المقام لما بلغنا عن بعض علماء العصر من اجلۃ رامفور من اباحۃ الزکوٰۃ لحضرات الاشراف اغترارا بتلک الروایۃ وذاک الاختیار، وما العصمۃ الا باللّٰہ العزیز الغفار۔ (غور کر، شکر کر، حمد اللہ کے لیے جو سب سے بڑا ہے۔ ہم نے اس مقام پر خوب طویل گفتگو اس لیے کی ہے کہ بعض معاصرین علمائے رامپور نے اس روایت کی بنا پر غلط فہمی کا شکار سادات کرام کے لیے زکوٰۃ کو مباح قرار دیا ہے، عصمت اللہ غالب غفار کے لیے ہی ہے۔ت)

غرض میں جزم کرتاہُوں کہ بے شک بنی ہاشم پر زکوٰۃ حرام ہے اور بیشک اسی پر افتاء واجب اور بیشک اس سے عدول ناجائز، اور بے شک وہ روایت روایۃً مرجوح اور درایۃً مجروح اور بیشک امام طحاوی اس کے خلاف پر قاطع، اور بے

شک اُن کی تصحیح جانب ظاہر الروایۃ راجع، والی اللہ المرجع والیہ مناب (اللہ ہی کی طرف لوٹنا ہے اور وہی ماؤی وملجا ہے ۔ت) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم بالصواب۔ (فتاوی رضویہ، ج10 ،ص277 تا 286، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

باب نمبر 453

مَا جَاءَ فِي الصَّدَقَةِ عَلَى ذِي الْقَرَابَةِ

قرابت داروں پر صدقہ کرنا

656- حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ، عَنْ عَاصِمٍ الْأَحْوَلِ، عَنْ حَفْصَةَ بِنْتِ سِيرِينَ، عَنِ الرَّبَابِ، عَنْ عَمِّهَا سَلْمَانَ بْنِ عَامِرٍ يَبْلُغُ بِهِ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِذَا أَفْطَرَ أَحَدُكُمْ فَلْيُفْطِرْ عَلَى تَمْرٍ، فَإِنَّهُ بَرَكَةٌ، فَإِنْ لَمْ يَجِدْ تَمْرًا فَالْمَاءُ فَإِنَّهُ طَهُورٌ وَقَالَ: الصَّدَقَةُ عَلَى الْمِسْكِينِ صَدَقَةٌ، وَهِيَ عَلَى ذِي الرَّحِمِ ثِنْتَانِ: صَدَقَةٌ وَصِلَةٌ "

حدیث: سلمان بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ اسے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تم میں سے کوئی روزہ افطار کرے تو کھجور سے کرے کیونکہ یہ برکت ہے تو اگر وہ کھجور نہ پائے تو پانی سے کیونکہ وہ پاک کرنے والا ہے اور ارشاد فرمایا: مسکین پر صدقہ کرنا صدقہ ہے اور رشتہ دار پر صدقہ کرنے میں دو چیزیں ہیں: صدقہ اور صلہ رحمی۔

وَفِي الْبَابِ عَنْ زَيْنَبَ امْرَأَةِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ، وَجَابِرٍ، وَأَبِي هُرَيْرَةَ،

اور اس باب میں حضرت عبداللہ بن مسعود کی زوجہ حضرت زینب، حضرت جابر اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہم سے بھی روایات مروی ہیں۔

قَالَ ابُوعِيسَىٰ: حَدِيثُ سَلْمَانَ بْنِ عَامِرٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ، وَالرَّبَابُ هِيَ أُمُّ الرَّائِحِ بِنْتُ صُلَيْعٍ، وَهٰكَذَا رَوَى سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ، عَنْ عَاصِمٍ، عَنْ حَفْصَةَ بِنْتِ سِيرِينَ، عَنِ الرَّبَابِ، عَنْ سَلْمَانَ بْنِ عَامِرٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَ هٰذَا الْحَدِيثِ، وَرَوَى شُعْبَةُ، عَنْ عَاصِمٍ، عَنْ حَفْصَةَ بِنْتِ سِيرِينَ، عَنْ سَلْمَانَ بْنِ عَامِرٍ وَلَمْ يَذْكُرْ فِيهِ عَنِ الرَّبَابِ، وَحَدِيثُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ وَابْنِ عُيَيْنَةَ أَصَحُّ وَهٰكَذَا رَوَى ابْنُ

امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں: حضرت سلمان بن عامر رضی اللہ عنہ کی حدیث حسن ہے اور رباب وہ ام الرائح بنت صلیع ہے (ہیں)۔ اور اسی طرح سفیان ثوری نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے اس حدیث کو بواسطہ سفیان ثوری، عاصم، حفصہ بنت سیرین، رباب اور سلمان بن عامر رضی اللہ عنہم سے روایت کیا۔ اور شعبہ نے عاصم سے انہوں نے حفصہ بنت سیرین سے انہوں نے سلمان بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت کی اور اس میں انہوں نے رباب کا ذکر نہیں کیا۔

سفیان ثوری اور ابن عیینہ رضی اللہ عنہما کی حدیث زیادہ

عَوْنٍ، وَہِشَامُ بْنُ حَسَّانَ، عَنْ حَفْصَةَ بِنْتِ سِيرِينَ، عَنِ الرَّبَابِ، عَنْ سَلْمَانَ بْنِ عَامِرٍ

صحیح ہے اور اسی طرح ابن عون، ہشام بن حسان نے حفصہ بن سیرین سے انہوں نے رباب سے انہوں نے سلمان بن عامر سے روایت کیا۔

شرح حدیث

علامہ عبدالملک حنفی (متوفی 854ھ) فرماتے ہیں:

((مسکین پر صدقہ کرنا ایک صدقہ ہے اور رشتہ دار پر صدقہ کرنا دو ہیں صدقہ اور صلہ رحمی)) مراد یہ کہ اقارب پر صدقہ کرنا افضل ہے کیونکہ یہ دو نیکیوں پر مشتمل ہے اور اس میں شک نہیں کہ یہ دو ایک سے افضل ہیں۔

(شرح المصابیح لابن الملک، باب افضل الصدقۃ، ج2، ص489، مطبوعہ ادارۃ الثقافۃ الاسلامیہ)

علامہ علی بن سلطان محمد القاری حنفی (متوفی 1014ھ) فرماتے ہیں:

((جب تم میں سے کوئی روزہ افطار کرے تو کھجور سے کرے)) یہاں امر کا صیغہ استحباب کے لیے ہے۔

((کھجور سے)) یعنی ایک کھجور سے کرے اصل سنت پر اکتفا کرتے ہوئے، ورنہ ادنی کمال تین کھجوریں کھانا ہیں علاوہ ازیں تمر اسم جنس ہے۔

((کیونکہ کھجور برکت ہے)) یعنی برکت اور خیر کثیر والی ہے، یا اس سے مراد مبالغہ ہے۔

شاید کھجور سے افطار کرنے کی حکمت یہ ہے کہ میٹھی چیز قوت کو تیزی سے بحال کرتی ہے، اور اس میں حلاوتِ ایمان کی طرف اشارہ ہے، اور گناہوں کی کڑواہٹ کے زوال کی طرف اشارہ ہے۔

علامہ طیبی نے اس حدیث کی شرح میں فرمایا: یعنی کھجور سے افطار کرنے میں کثیر ثواب اور برکت ہے.... علامہ ابن الملک نے کہا کہ اولی یہ ہے کہ اس کی علت کو شارع کی طرف تفویض کیا جائے، بہرحال جو بات دل میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ کھجور میٹھی اور قوت والی ہوتی ہے اور نفس بھوک کی کڑواہٹ سے تھکا ہوتا ہے تو شارع نے اس تھکاوٹ کے ازالہ کے لیے ایسی چیز کا حکم دیا جو قوت والی بھی ہے اور میٹھی بھی ہے۔

علامہ ابن حجر نے فرمایا: کھجور کے خواص میں سے ہے کہ جب یہ معدہ تک پہنچتی ہے اگر معدہ خالی ہو تو اس سے غذا حاصل ہوتی ہے ورنہ جو معدہ میں طعام ہوتا ہے اسے نکال دیتی ہے، اور اطبا کا یہ قول کہ یہ نظر کو ضعیف کرتی ہے تو یہ بہت زیادہ مقدار جو ضرر پہنچانے والی ہو اس پر محمول ہے نہ کہ قلیل مقدار کیونکہ یہ تو آنکھ کو قوت دینے والی ہے۔

((اگر کھجور نہ پائے))اور اس جیسی میٹھی چیز نہ پائے۔

((تو پانی سے افطار کرے کہ یہ طہور ہے))یعنی بہت زیادہ پاک کرنے والا ہے، پس اس سے ابتداء کرے ظاہر و باطن کی طہارت کا اچھا شگون لیتے ہوئے۔

علامہ طیبی نے اس حدیث کی شرح میں فرمایا: یعنی کیونکہ یہ ادائے عبادت سے مانع (یعنی حدث) کے لیے مزیل (یعنی زائل کرنے والا) ہے اور اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر احسان یاد فرمایا ہے: ﴿وَأَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَآءً طَهُوْرًا﴾ (ہم نے آسمان سے پاک کرنے والا پانی اتارا) (الفرقان 48)

علامہ ابن الملک نے فرمایا: پانی نفس سے پیاس کو مٹاتا ہے.....

علامہ ابن حجر نے فرمایا: یہ ترتیب (یعنی پہلے کھجور اور اگر یہ نہ ہو تو پانی) کمالِ سنت کے لیے ہے، نہ کہ اصل سنت کے لیے ہے اھ (علامہ علی قاری فرماتے ہیں) اس میں بحث ہے جو کہ مخفی نہیں، کیونکہ اگر کھجور موجود ہو اور اس نے پانی سے ابتدا کی یا صرف پانی پر اقتصار کیا تو شک نہیں کہ اس نے سنت کی مخالفت کی اور اگر کھجور موجود نہ ہو تو پانی سے ابتداء کرنے والا سنت کو لانے والا کہلائے گا تو ترتیب معتبر ہے جیسا کہ اس کی امثال آیات قرآنیہ اور احکام حدیثیہ میں موجود ہیں۔

(مرقاۃ المفاتیح، باب فی مسائل متفرقۃ من کتاب الصوم، ج4، ص1385، دار الفکر، بیروت)

رشتہ داروں کو زکوۃ دینے کے بارے میں مؤقف

احناف کا مؤقف

فتاوی ہندیہ میں ہے:

زکاۃ وغیرہ صدقات میں افضل یہ ہے کہ اوّلاً اپنے بھائیوں بہنوں کو دے پھر اُن کی اولاد کو پھر چچا اور پھوپھیوں کو پھر ان کی اولاد کو پھر ماموں اور خالہ کو پھر اُن کی اولاد کو پھر ذوی الارحام یعنی رشتہ والوں کو پھر پڑوسیوں کو پھر اپنے پیشہ والوں کو پھر اپنے شہر یا گاؤں کے رہنے والوں کو۔ (فتاوی ہندیہ، کتاب الزکوۃ، الباب السابع فی المصارف، ج1، ص190)

حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اے اُمتِ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)! قسم ہے اُس کی جس نے مجھے حق کے ساتھ بھیجا، اللہ تعالیٰ اس شخص کے صدقہ کو قبول نہیں فرماتا، جس کے رشتہ دار اس کے سلوک کرنے کے محتاج

ہوں اور یہ غیروں کو دے، قسم ہے اُس کی جس کے دستِ قدرت میں میری جان ہے، اللہ تعالیٰ اس کی طرف قیامت کے دن نظر نہ فرمائے گا۔

(مجمع الزوائد، کتاب الزکوۃ، باب الصدقۃ، ج3، ص297 ☆ ردالمحتار کتاب الزکوۃ، باب المصرف، مطلب فی حوائج الاصلیہ، ج3، ص355)

حنابلہ کا موقف

علامہ علی بن سلیمان مرداوی حنبلی (متوفی 885) فرماتے ہیں:

(رشتہ داروں پر صدقہ کرنا، صدقہ کرنا بھی ہے اور صلہ رحمی بھی ہے) یہ بلانزاع ہے، یہ عتق (یعنی غلام آزاد کرنے سے) سے افضل ہے۔ (الانصاف فی معرفۃ الراجح من الخلاف، باب ذکر اہل الزکوۃ، ج3، ص265، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

شوافع کا موقف

علامہ یحیی بن شرف النووی شافعی (متوفی 676ھ) فرماتے ہیں:

"اگر اصناف میں زکوۃ دینے والے کے ایسے اقارب ہیں جن کا نفقہ اس پر واجب نہیں تو مستحب ہے کہ ان میں سے سب سے قریبی رشتہ دار کو دے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مسکین پر صدقہ ایک صدقہ ہے اور رشتہ دار پر صدقہ کرنا صدقہ بھی ہے اور صلہ رحمی بھی۔" (المجموع شرح المہذب، باب قسم الصدقات، ج6، ص220، دار الفکر، بیروت)

مالکیہ کا موقف

علامہ ابوالطاہر ابراہیم بن عبدالصمد مالکی (متوفی 536ھ) فرماتے ہیں:

جن کا نفقہ اس پر واجب نہیں، اب اگر وہ اس کے عیال میں سے نہیں ہے تو اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ اسے زکوۃ دینے سے منع نہیں کیا جائے گا۔ جائز ہے یا نہیں، اس بارے میں تین مذاہب ہیں: کتاب میں کراہت کا قول کیا ہے اور علت خوفِ مدح بیان کی ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ یہ جائز ہے کیونکہ یہ بھی استحقاق میں دوسروں کے برابر ہیں، تیسرا قول یہ ہے کہ ان کو دینا مستحب ہے کیونکہ یہ حقِ قرابت کے ساتھ منفرد ہیں، حدیث پاک میں ہے کہ ان کی طرف صدقہ کو پھیرنا افضل ہے۔ اور کبھی یہ حکم کا مختلف ہونا حالت کے اعتبار سے ہوتا ہے، پس اگر احسان جتانے کا قصد کرے اور رشتہ دار دیگر کی طرح حاجت مند نہیں تو مکروہ ہے اور احسان جتانے سے امن میں ہو اور انہیں حاجت دور کرنے کے لیے دے

اور حاجت مند ہونے میں دوسروں کے برابر ہوں تو انہیں دینا مستحب ہے کیونکہ ان کے لیے حق قرابت ہے۔

(التنبیہ علی مبادی التوجیہ، حکم من لاتلزمہ نفقتہ، ج2، ص848، دار ابن حزم، بیروت)

باب نمبر 454

مَا جَاءَ أَنَّ فِي الْمَالِ حَقًّا سِوَى الزَّكَاةِ

مال میں زکاۃ کے علاوہ بھی حق موجود ہے

657۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ أَحْمَدَ بْنِ مَدُّوَيْهِ قَالَ: حَدَّثَنَا الْأَسْوَدُ بْنُ عَامِرٍ، عَنْ شَرِيكٍ، عَنْ أَبِي حَمْزَةَ، عَنِ الشَّعْبِيِّ، عَنْ فَاطِمَةَ بِنْتِ قَيْسٍ، قَالَتْ: سَأَلْتُ، أَوْ سُئِلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الزَّكَاةِ؟ فَقَالَ: إِنَّ فِي الْمَالِ لَحَقًّا سِوَى الزَّكَاةِ، ثُمَّ تَلَا هَذِهِ الْآيَةَ الَّتِي فِي الْبَقَرَةِ: (لَيْسَ الْبِرَّ أَنْ تُوَلُّوا وُجُوهَكُمْ)

حدیث: حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، فرمایا: میں نے سوال کیا یا نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا زکاۃ کے بارے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مال میں زکاۃ کے سوا بھی حق ہوتا ہے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورہ بقرۃ کی یہ آیتِ کریمہ تلاوت فرمائی ﴿لَيْسَ الْبِرَّ أَنْ تُوَلُّوا وُجُوهَكُمْ﴾ ترجمۂ کنزالایمان: کچھ اصل نیکی یہ نہیں کہ منہ مشرق یا مغرب کی طرف کرو۔الخ

(پارہ2،سورہ البقرۃ،آیت 177)

658۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ قَالَ: أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الطُّفَيْلِ، عَنْ شَرِيكٍ، عَنْ أَبِي حَمْزَةَ، عَنْ عَامِرٍ الشَّعْبِيِّ، عَنْ فَاطِمَةَ بِنْتِ قَيْسٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِنَّ فِي الْمَالِ حَقًّا سِوَى الزَّكَاةِ

حدیث: فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتی ہیں: مال میں زکاۃ کے علاوہ بھی حق ہے۔

قَالَ ابو عيسىٰ: هَذَا حَدِيثٌ إِسْنَادُهُ لَيْسَ بِذَاكَ، وَأَبُو حَمْزَةَ مَيْمُونٌ الْأَعْوَرُ يُضَعَّفُ وَرَوَى بَيَانٌ، وَإِسْمَاعِيلُ بْنُ سَالِمٍ، عَنِ الشَّعْبِيِّ هَذَا الْحَدِيثَ قَوْلَهُ، وَهَذَا أَصَحُّ

امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں: اس حدیث کی سند سابقہ کی طرح نہیں ہے اور ابوحمزہ میمون الاعور کی تضعیف کی جاتی ہے۔ اور بیان اور اسماعیل بن سالم نے شعبی سے اس حدیث کو ان کے قول کے طور پر روایت کیا ہے اور یہ زیادہ صحیح ہے۔

شرح حدیث

علامہ علی بن سلطان محمد القاری حنفی فرماتے ہیں:

"((مال میں زکاۃ کے سوا بھی حق ہوتا ہے)) مثال کے طور پر سائل اور قرض مانگنے والے کو محروم نہ کرے اور یہ کہ گھر میں برتنے کا سامان جیسے ہانڈی اور پیالہ وغیرہ عاریتاً مانگنے والے کو منع نہ کرے اور کسی کو پانی، نمک اور آگ سے منع نہ کرے، ایسا ہی علامہ طیبی وغیرہ نے ذکر کیا ہے۔

اور ظاہر یہ ہے کہ یہاں حق سے مراد وہ امور ہیں جنہیں زکوۃ کے علاوہ متشہد بہا آیت (جس آیت سے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے استشہاد فرمایا، اس) میں ذکر کیا گیا یعنی صلہ رحمی، یتیم پر احسان کرنا، مسکین، مسافر، سائل اور غلام کو آزاد کرانا وغیرہ۔

((پھر آیت پاک تلاوت فرمائی)) اپنی بات کو مضبوط کرنے کے لیے یا استشہاد کے طور پر۔

وہ آیت مکمل طور پر اس طرح ہے: ﴿لَیْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَ الْمَلٰٓىٕكَةِ وَ الْكِتٰبِ وَ النَّبِیّٖنَ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِی الْقُرْبٰى وَ الْیَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِیْنَ وَ ابْنَ السَّبِیْلِ وَالسَّآىٕلِیْنَ وَ فِی الرِّقَابِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ﴾ (ترجمۂ کنز الایمان: کچھ اصل نیکی یہ نہیں کہ منہ مشرق یا مغرب کی طرف کرو ہاں اصلی نیکی یہ کہ ایمان لائے اللہ اور قیامت اور فرشتوں اور کتاب اور پیغمبروں پر اور اللہ کی محبت میں اپنا عزیز مال دے رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور راہ گیر اور سائلوں کو اور گردنیں چھوڑانے میں اور نماز قائم رکھے اور زکوٰۃ دے۔) (سورۃ البقرۃ، آیت 177)

علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

اور اس سے استشہاد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان مذکورہ وجوہ میں مال دینے کا ذکر فرمایا پھر اس کے بعد زکوۃ دینے کا بھی تذکرہ فرمایا، یہ اس بات پر دلالت ہے کہ مال میں زکوۃ کے علاوہ بھی حق ہے۔ کہا گیا کہ حق دو طرح کے ہیں، ایک حق وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر واجب کیا ہے اور دوسرا حق وہ ہے جو بندے نے اپنے نفس پر خود لازم کیا ہے

ء،اھ۔

اور یہ بات اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے مستفاد ہے:﴿وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ﴾(اور اپنا قول پورا کرنے والے جب عہد کریں۔)(سورۃ البقرۃ،آیت177)یعنی جب وہ اللہ تعالیٰ سے عہد کرتے ہیں اس نذر کے طور پر کہ جس کا شرعاً پورا کرنا واجب ہے اور التزام عرفی کے طور پر کہ جو مروۃً اور عرفاً اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ اسے پورا کیا جائے۔

میرک نے کہا کہ حدیث پاک کے اس ٹکڑے کو امام ترمذی نے ضعیف قرار دیا اور فرمایا: اصح یہ ہے کہ یہ امام شعبی کا قول ہے۔" (مرقاۃ المفاتیح،باب فضل الصدقۃ،ج4،ص1343،دارالفکر،بیروت)

باب نمبر 455

مَا جَاءَ فِي فَضْلِ الصَّدَقَةِ

صدقہ کی فضیلت

659- حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ قَالَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ يَسَارٍ، أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَا تَصَدَّقَ أَحَدٌ بِصَدَقَةٍ مِنْ طَيِّبٍ، وَلَا يَقْبَلُ اللَّهُ إِلَّا الطَّيِّبَ، إِلَّا أَخَذَهَا الرَّحْمَنُ بِيَمِينِهِ، وَإِنْ كَانَتْ تَمْرَةً تَرْبُو فِي كَفِّ الرَّحْمَنِ، حَتَّى تَكُونَ أَعْظَمَ مِنَ الْجَبَلِ، كَمَا يُرَبِّي أَحَدُكُمْ فُلُوَّهُ أَوْ فَصِيلَهُ وَفِي الْبَابِ عَنْ عَائِشَةَ، وَعَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ، وَأَنَسٍ، وَعَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي أَوْفَى، وَحَارِثَةَ بْنِ وَهْبٍ، وَعَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ، وَبُرَيْدَةَ.

حدیث: سعید بن یسار سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنا وہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کوئی شخص حلال مال سے صدقہ نہیں دیتا" اور اللہ عزوجل حلال کو ہی قبول فرماتا ہے" مگر رحمٰن اسے دائیں ہاتھ سے قبول فرماتا ہے اور اگر چہ کھجور ہو وہ رحمٰن کے دست قدرت میں بڑھتی ہے حتیٰ کہ وہ پہاڑ سے بڑی ہو جاتی ہے جیسا کہ تم میں سے کوئی ایک اپنی گھوڑی کے بچے یا اونٹنی کے بچے کو پالتا ہے۔

اور اس باب میں حضرت سیدتنا عائشہ، حضرت عدی بن حاتم، حضرت انس، حضرت عبد اللہ بن ابی اوفی، حضرت حارثہ بن وہب، حضرت عبد الرحمٰن بن بن عوف اور حضرت بریدہ رضی اللہ عنہم سے بھی روایات مروی ہیں۔

قَالَ ابوعيسىٰ: حَدِيثُ أَبِي هُرَيْرَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث حسن صحیح ہے۔

660- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ قَالَ: حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ قَالَ: حَدَّثَنَا صَدَقَةُ بْنُ مُوسَى، عَنْ ثَابِتٍ، عَنْ أَنَسٍ قَالَ: سُئِلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَيُّ الصَّوْمِ أَفْضَلُ بَعْدَ رَمَضَانَ؟ فَقَالَ: شَعْبَانُ لِتَعْظِيمِ

حدیث: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا: رمضان المبارک کے بعد کس مہینے کے روزے افضل ہیں؟ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تعظیم رمضان کے لیے شعبان کے روزے رکھنا۔ پوچھا گیا: کون سا صدقہ افضل

رَمَضَانَ ، قِيلَ:فَأَيُّ الصَّدَقَةِ أَفْضَلُ ؟ قَالَ : صَدَقَةٌ فِي رَمَضَانَ ،قَالَ ابوعيسىٰ:هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ، وَصَدَقَةُ بْنُ مُوسَى لَيْسَ عِنْدَهُمْ بِذَاكَ القَوِيِّ

ہے؟ارشادفرمایا:رمضان میں صدقہ دینا۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی نے فرمایا:یہ حدیث غریب ہے۔اور صدقہ بن موسیٰ محدثین کے نزدیک قوی نہیں۔

661۔حَدَّثَنَا عُقْبَةُ بْنُ مُكْرَمٍ البَصْرِيُّ قَالَ :حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عِيسَى الْخَزَّازُ، عَنْ يُونُسَ بْنِ عُبَيْدٍ، عَنِ الحَسَنِ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ:قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : إِنَّ الصَّدَقَةَ لَتُطْفِيءُ غَضَبَ الرَّبِّ وَتَدْفَعُ مِيتَةَ السُّوءِ قَالَ ابوعيسىٰ:هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ مِنْ هٰذَا الوَجْهِ

حدیث:حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے،رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا:بے شک صدقہ غضبِ الٰہی کو ٹھنڈا کرتا اور بُری موت کو دور کرتا ہے۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی نے فرمایا:یہ حدیث اس سند سے حسن غریب ہے۔

662۔حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ مُحَمَّدُ بْنُ العَلَاءِ قَالَ :حَدَّثَنَا وَكِيعٌ قَالَ :حَدَّثَنَا عَبَّادُ بْنُ مَنْصُورٍ قَالَ :حَدَّثَنَا القَاسِمُ بْنُ مُحَمَّدٍ، قَالَ : سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ يَقُولُ :قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :إِنَّ اللَّهَ يَقْبَلُ الصَّدَقَةَ وَيَأْخُذُهَا بِيَمِينِهِ فَيُرَبِّيهَا لِأَحَدِكُمْ كَمَا يُرَبِّي أَحَدُكُمْ مُهْرَهُ، حَتَّى إِنَّ اللُّقْمَةَ لَتَصِيرُ مِثْلَ أُحُدٍ، وَتَصْدِيقُ ذَلِكَ فِي كِتَابِ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ :(هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهِ وَيَأْخُذُ الصَّدَقَاتِ)، وَ (يَمْحَقُ اللَّهُ الرِّبَا وَيُرْبِي الصَّدَقَاتِ)

حدیث:حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا:بے شک اللہ عزوجل صدقہ کوقبول فرماتا ہےاوراسے اپنے دائیں ہاتھ سے لیتا ہےتو وہ تم میں سے کسی ایک کے لئے بڑھاتا ہے جیسا کہ تم میں کوئی ایک اپنے گھوڑے کے بچے کو پالتا ہے حتیٰ کہ ایک لقمہ احد پہاڑ جتنا ہو جاتا ہےاوراس کی تصدیق اللہ عزوجل کی کتاب میں بھی ہے﴿هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهِ وَيَأْخُذُ الصَّدَقَات﴾ترجمۂ کنزالایمان:اوروہی ہے جواپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہےاورصدقے خوداپنی دستِ قدرت میں لیتا ہے۔(پارہ11،سورہ توبہ،آیت104)اور﴿يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبَا وَيُرْبِي الصَّدَقَاتِ﴾ترجمۂ کنزالایمان:اللہ عزوجل ہلاک کرتا ہےسودکواور بڑھاتا ہے خیرات کو۔

(پارہ3،سورہ البقرۃ،آیت276)

قَالَ ابوعيسىٰ:هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَقَدْ رُوِيَ عَنْ عَائِشَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى

امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں:یہ حدیث حسن صحیح

اللہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَ هٰذَا،

وَقَدْ قَالَ غَيْرُ وَاحِدٍ مِنْ أَهْلِ العِلْمِ فِي هٰذَا الحَدِيثِ وَمَا يُشْبِهُ هٰذَا مِنَ الرِّوَايَاتِ مِنَ الصِّفَاتِ: وَنُزُولِ الرَّبِّ تَبَارَكَ وَتَعَالَى كُلَّ لَيْلَةٍ إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا، قَالُوا: قَدْ تَثْبُتُ الرِّوَايَاتُ فِي هٰذَا وَيُؤْمَنُ بِهَا وَلَا يُتَوَهَّمُ وَلَا يُقَالُ: كَيْفَ هٰكَذَا رُوِيَ عَنْ مَالِكٍ، وَسُفْيَانَ بْنِ عُيَيْنَةَ، وَعَبْدِ اللَّهِ بْنِ المُبَارَكِ أَنَّهُمْ قَالُوا فِي هٰذِهِ الأَحَادِيثِ: أَمِرُّوهَا بِلَا كَيْفٍ "،

وَهٰكَذَا قَوْلُ أَهْلِ العِلْمِ مِنْ أَهْلِ السُّنَّةِ وَالجَمَاعَةِ، وَأَمَّا الجَهْمِيَّةُ فَأَنْكَرَتْ هٰذِهِ الرِّوَايَاتِ وَقَالُوا: هٰذَا تَشْبِيهٌ، وَقَدْ ذَكَرَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ فِي غَيْرِ مَوْضِعٍ مِنْ كِتَابِهِ اليَدَ وَالسَّمْعَ وَالبَصَرَ، فَتَأَوَّلَتِ الجَهْمِيَّةُ هٰذِهِ الآيَاتِ فَفَسَّرُوهَا عَلَى غَيْرِ مَا فَسَّرَ أَهْلُ العِلْمِ، وَقَالُوا: إِنَّ اللَّهَ لَمْ يَخْلُقْ آدَمَ بِيَدِهِ، وَقَالُوا: إِنَّ مَعْنَى اليَدِ هَاهُنَا القُوَّةُ "، وَقَالَ إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ ": إِنَّمَا يَكُونُ التَّشْبِيهُ إِذَا قَالَ: يَدٌ كَيَدٍ، أَوْ مِثْلُ يَدٍ، أَوْ سَمْعٌ كَسَمْعٍ، أَوْ مِثْلُ سَمْعٍ، فَإِذَا قَالَ: سَمْعٌ كَسَمْعٍ، أَوْ مِثْلُ سَمْعٍ، فَهٰذَا التَّشْبِيهُ، وَأَمَّا إِذَا قَالَ كَمَا قَالَ اللَّهُ تَعَالَى يَدٌ، وَسَمْعٌ، وَبَصَرٌ، وَلَا يَقُولُ كَيْفَ، وَلَا يَقُولُ مِثْلُ سَمْعٍ، وَلَا كَسَمْعٍ،

ہے۔اور حضرت سیدتنا عائشہ رضی اللہ عنہا نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اس کی مثل روایت کرتیہیں۔

بہت سے اہلِ علم نے اس حدیث کے بارے میں اور اللہ عزوجل کی صفات کے حوالے سے اس سے مشابہ روایات "جیسا کہ ہر رات آسمانِ دنیا کی طرف اللہ عزوجل کا نزول فرمانا" کے بارے میں فرمایا: روایات اس بارے میں ثابت ہیں اور ان پر ایمان لائیں گے اور ان میں وہم نہیں کیا جائے گا اور یہ نہیں کہا جائے گا کہ یہ کیسے ہے (یعنی ان کے بارے میں کیف سے سوال نہیں کیا جائے گا)۔

امام مالک، سفیان بن عُیَینہ اور عبد اللہ بن مبارک سے مروی ہے، یہ حضرات ان احادیث کے بارے میں فرماتے ہیں: ان حادیث کو بلا کیف ہی مانا جائے، اور یہی اہل سنت و جماعت کے علماء کا قول ہے، البتہ جہمیہ نے ان روایات کا انکار کیا ہے اور انہوں نے کہا کہ یہ تشبیہ ہے (یعنی ان روایات کو ماننے سے اللہ تعالیٰ کا بندوں کے مشابہ ہونا لازم آتا ہے)۔(امام ترمذی فرماتے ہیں) حالانکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں متعدد مقامات پر ہاتھ، سمع اور بصر کا ذکر فرمایا ہے ۔جہمیہ نے ان آیات کی وہ تفسیر کی ہے جو اہل علم کی تفسیر کے علاوہ ہے اور کہا کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو ہاتھ سے پیدا نہیں کیا، بلکہ ہاتھ سے مراد یہاں قوت ہے۔اسحاق بن ابراہیم نے فرمایا: تشبیہ تب ہوتی جب یہ کہا جاتا: "(دوسروں کے) ہاتھ کی طرح ہاتھ"، "سمع کی طرح سمع"، تو یہ تشبیہ ہوتی، مگر جب کہا جائے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یعنی ید (ہاتھ)،

فَهٰذَا لَا يَكُونُ تَشْبِيهًا، وَهُوَ كَمَا قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى فِي كِتَابِهِ :(لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ)

سمع (سننا)، بصر (دیکھنا) اور یہ نہ کہا جائے کہ کیسا ہے، اور یہ بھی نہ کہا جائے (دوسروں کی) سمع کی مثل، (دوسروں کی) سمع کی طرح سمع، تو یہ تشبیہ نہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرمایا: ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ﴾ یعنی اس کی مثل کوئی چیز نہیں، وہ سمیع ہے، بصیر ہے۔

شرح حدیث

اللہ تعالیٰ طیب مال ہی کو قبول فرماتا ہے

علامہ علی بن سلطان محمد القاری حنفی (متوفی 1014ھ) فرماتے ہیں:

"((اللہ تعالیٰ طیب مال ہی کو قبول فرماتا ہے)) یہ شرط اور جزا کے درمیان جملہ معترضہ ہے، اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ غیر حلال مال غیر مقبول ہے، اور بے شک حلال کمایا ہوا مال عظیم محل میں خرچ ہوتا ہے۔"

(مرقاۃ المفاتیح، باب فضل الصدقۃ، ج4، ص1334، دار الفکر، بیروت)

علامہ ابو الولید سلیمان بن خلف (متوفی 474ھ) فرماتے ہیں:

"کسبِ طیب سے مراد حلال کمائی ہے، اور اللہ تعالیٰ صرف حلال ہی قبول فرماتا ہے اس سے مراد یہ ہے، واللہ تعالیٰ اعلم کہ جو حرام مال سے صدقہ کرے تو اسے اس پر اجر نہیں دیا جائے گا بلکہ وہ اس میں گناہ گار ہوگا جبکہ وہ مستحق کی طرف لوٹانے کا ارادہ نہ کرے۔" (المنتقی شرح المؤطا، ما جاء فی صفۃ جہنم، ج7، ص319، مطبعۃ السعادۃ، مصر)

علامہ بدر الدین عینی حنفی (متوفی 855ھ) فرماتے ہیں:

"حاصل یہ ہے کہ جس مال کو انسان غیر حلال (حرام) طریقے سے حاصل کرے اور پھر اس میں سے صدقہ کرے تو ایسا صدقہ قبول نہیں کیا جائے گا اور یونہی اگر وہ صاحب مال کی جانب سے تصدق کی نیت کرے تب بھی یہی حکم ہے اور اس شخص سے کبھی بھی اس کا وبال ساقط نہیں ہوگا مگر یہ کہ صاحب مال اس تصدق سے راضی ہو جائے اور اسے حلال کر دے۔ اور عورت کا اپنے شوہر کی رضامندی کے بغیر اس کا مال تصدق کرنا، غلام کا اپنے آقا کا مال خیرات کرنا، وکیل کا اپنے موکل کا مال صدقہ کرنا، مضارب کا اپنے رب المال کا مال صدقہ کرنا اور شریک کا اپنے دوسرے شریک کا مال خیرات کرنا وغیرہ سب اسی حکم میں داخل ہے۔ نیز ایک شخص نے کسی کو وصیت کی کہ میرا بعض مال صدقہ کر دینا، اس نے وہ مال اپنے اوپر خرچ کر لیا یا غیر مصرف میں صرف کر دیا اور اوقاف کے متولیوں کا بغیر استحقاق کے وقف کی آمدنی سے لینا اور پھر اسے صدقہ کرنا یا وقف کی آمدنی کو واقف کے متعین کردہ مصارف کے علاوہ میں خرچ کرنا بھی اسی حکم میں داخل ہے۔

(شرح سنن ابی داود للعینی، کتاب الطہارۃ، باب فرض الوضوء، 1/179، مکتبۃ الرشد، الریاض)

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک اور حدیث میں ناپاک وحرام مال سے صدقہ قبول نہ ہونے کو بڑے دل نشیں انداز میں ذکر کیا ہے، فرماتے ہیں: ((اَیُّھَا النَّاسُ، اِنَّ اللہَ طَیِّبٌ لَا یَقْبَلُ اِلَّا طَیِّبًا)) ترجمہ: اے لوگو! اللہ تعالیٰ پاک ہے اور پاک چیز ہی قبول فرماتا ہے۔

(صحیح مسلم، کتاب الزکاۃ، باب قبول الصدقۃ من کسب الطیب وتربیتھا، 2/703، حدیث 1015، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

علامہ یحیی بن شرف النووی فرماتے ہیں:

اس حدیث پاک میں مال حلال سے راہِ خدا میں خرچ کرنے کی ترغیب اور غیر حلال سے صدقہ کرنے کی ممانعت ہے۔ (شرح النووی علی مسلم، کتاب الزکاۃ، باب قبول الصدقۃ من کسب الطیب...، 2/703، تحت حدیث 1015، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

حلال مال درست جگہ پر خرچ ہوتا ہے

علامہ علی قاری نے اس حدیث پاک کی شرح میں ایک حکایت لکھی ہے، فرماتے ہیں:

ہمارے شیخ عارف باللہ، ولی شیخ علی متقی نے ایک حکایت بیان کی کہ صالحین میں سے ایک شخص اپنے ہاتھ سے کمائی کرتے اور ایک تہائی صدقہ کرتے، ایک تہائی خرچ کرتے اور ایک تہائی کمائی کی جگہ لگاتے، اربابِ دنیا میں سے ایک شخص ان کے پاس آیا اور کہا: اے شیخ میں چاہتا ہوں کہ صدقہ کروں مجھے کسی مستحق شخص کے بارے میں بتائیں، اس صالح شخص نے کہا: حلال طریقے سے مال حاصل کرو پھر صدقہ کروتو یہ مستحق کے ہاتھ میں واقع ہوگا، اس غنی شخص نے اصرار کیا تو صالح شخص نے کہا کہ یہاں سے جاؤ، جب تمہاری ملاقات کسی ایسے شخص سے ہو کہ جس پر تمہیں رحم آئے تو تم اسے اپنی یہ رقم دے دینا۔ پس وہ نکلا تو اس نے ایک بوڑھے اور اندھے فقیر کو دیکھا تو اسے وہ رقم دے دی، پھر دوسرے دن وہیں سے گزرا تو وہ اندھا کسی کو بتا رہا تھا کہ کل ایک شخص میرے پاس سے گزرا تھا اس نے مجھے اتنی اتنی رقم دی تھی اور وہ رقم میں نے کل فلاں گانے والی کے ساتھ شراب پینے میں صرف کی ہے۔ یہ غنی شخص اس صالح کے پاس آیا اور اسے واقعہ سنایا۔

اب اس صالح شخص نے اسے اپنی کمائی میں سے ایک درہم دیا اور اسے کہا کہ جب تم گھر سے نکلو تو جس پر سب

سے پہلے نظر پڑے اسے یہ درہم دے دینا، جب وہ نکلا تو اس کی نظر سب سے پہلے جس شخص پر پڑی اس پر غنی کے آثار ظاہر ہورہے تھے، اس نے اسے دینے سے خوف کیا مگر شیخ کے حکم کی وجہ سے اسے وہ درہم دے دیا، جب اس شخص کو درہم دیا تو وہ شخص اسی راستہ سے واپس پلٹ گیا، اس غنی نے اس کا پیچھا کیا تو دیکھا کہ وہ شخص ایک ویران جگہ داخل ہوا اور دوسرے دروازے سے نکل گیا اور شہر کی طرف لوٹ گیا، پس جب اس ویران جگہ پر یہ غنی داخل ہوا تو اس نے وہاں ایک مردار کبوتر کے علاوہ کچھ نہ پایا، اب یہ اس شخص کے پیچھے آیا اور اسے قسم دی کہ وہ اسے اپنی حالت کے بارے میں بتائے، تو اس نے بتایا کہ اس کے ساتھ چھوٹے چھوٹے بچے ہیں اور وہ سخت بھوک کی حالت میں ہیں اور ان پر حالت اضطراری طاری ہے، پس یہ ان کے لیے کچھ لینے کے لیے نکلا تھا تو ایک مرا ہوا کبوتر دیکھا تو ان کے لیے اسے اٹھالیا، اب جب یہ مال حاصل ہوگیا تو کبوتر کو اس کی جگہ پر ڈال دیا۔ پس اس غنی نے اس صالح شخص کے کلام کے معنی ومراد کو جان لیا۔

(مرقاۃ المفاتیح، باب فضل الصدقۃ، ج4، ص1334، دار الفکر، بیروت)

مال حرام سے صدقہ کرنے اور اس پر ثواب چاہنے کا حکم

خلاصۃ الفتاوی اور جامع الفصولین میں ہے:

کسی شخص نے حرام مال سے صدقہ کیا اور اس پر ثواب کی امید رکھی تو کافر ہوگیا، اور فقیر اگر جانتا ہو کہ دینے والے نے حرام مال دیا ہے پھر اسے دعا دے اور دینے والا آمین کہے تو دونوں کافر ہوگئے۔

(جامع الفصولین، الفصل الثامن والثلاثون فی مسائل کلمات الکفر، 2/225، اسلامی کتب خانہ، کراچی ☆ خلاصۃ الفتاوی، کتاب الفاظ الکفر، الجنس السابع، 4/387، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

ملا علی قاری حنفی (متوفی 1014ھ) اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں: علماء فرماتے ہیں جو حرام مال سے تصدق کر کے اس پر ثواب کی امید رکھے کافر ہوجائے۔

(فتاوی رضویہ، 21/110، رضا فاؤنڈیشن، لاہور ملتقطا ☆ مرقاۃ المفاتیح، کتاب الطہارۃ، باب ما یوجب الوضوء، 1/358، تحت حدیث 301، دار الفکر، بیروت)

حرام مال سے خلاصی کا طریقہ

حرام مال سے خلاصی کا طریقہ ارشاد فرماتے ہوئے علامہ عینی لکھتے ہیں: "اگر کسی کے پاس مال حرام ہو (تو اولاً) صاحب مال کو لوٹائے) اور صاحب مال مر گیا ہو تو اس کے ورثہ کو دے، اور اگر اس کے ورثہ نہ ہوں تو مالک کی طرف سے

تصدق کردے، اس عمل سے روزِ قیامت خلاصی کی امید ہے، اور یونہی جب (باوجود تلاش) صاحب مال نہ ملے تو بھی یہی حکم ہے کہ اس کی طرف سے صدقہ کردے''۔ (شرح سنن ابی داود للعینی، کتاب الطہارۃ، باب فرض الوضوء، 1/179، مکتبۃ الرشد، الریاض)

اعلی حضرت امام اہلسنت الشاہ امام احمد رضا خان (متوفی 1340ھ) لکھتے ہیں:

جو مال رشوت یا تغنی (یعنی گانے) یا چوری سے حاصل کیا اس پر فرض ہے کہ جس جس سے لیا اُن پر واپس کردے، وہ نہ رہے ہوں اُن کے ورثہ کو دے، پتا نہ چلے تو فقیروں پر تصدق کرے، خرید و فروخت کسی کام میں اُس مال کا لگانا حرام قطعی ہے، بغیر صورت مذکورہ کے کوئی طریقہ اس کے وبال سے سبکدوشی کا نہیں۔ یہی حکم سُود وغیرہ عقودِ فاسدہ کا ہے فرق صرف اتنا ہے کہ یہاں جس سے لیا بالخصوص انہیں واپس کرنا فرض نہیں بلکہ اسے اختیار ہے کہ اسے واپس دے خواہ ابتداءً تصدق کردے۔'' وذلك لان الحرمة فی الرشوة وامثالها لعدم الملك اصلا فهو عنده كالمغصوب فيجب الرد على المالك او ورثته ما امكن، اما فی الربو او اشباهه فلفساد الملك وخبثه و اذا قد ملكه بالقبض ملكا خبيثا لم يبق مملوك الماخوذ منه لاستحالة اجتماع ملكين على شيىء واحد فلم يجب الرد وانما وجب الانخلاع عنه اما بالرد واما بالتصدق كما هو سبيل سائر الاملاك الخبيثة' ترجمہ: اور یہ اس لئے کہ رشوت اور اس جیسے مال میں ملکیت بالکل نہ ہونے کی وجہ سے حرمت ہے لہٰذا رشوت لینے والے کے پاس وہ مال، غصب شدہ مال کی طرح ہے لہٰذا ضروری ہے کہ جس حد تک ممکن ہو وہ مال اس کے مالک یا اس کے ورثہ کو لوٹا دیا جائے پس ایسا کرنا واجب ہے، سُود یا اس جیسی اشیاء میں فسادِ ملک اور خباثت کی بناء پر بوجہ قبضہ اس کا مالک بن گیا تو جس سے مال لیا گیا اب اس کی ملکیت باقی نہ رہی (بلکہ ختم ہوگئی) اس لئے کہ ایک چیز پر بیک وقت دو مِلک جمع ہونے محال ہیں (کہ اصل شخص بھی مالک ہو اور سود خور بھی) لہٰذا مال ماخوذ کا واپس کرنا ضروری نہیں بلکہ اس سے علیحدگی واجب ہے خواہ بصورتِ رد (واپس لوٹا کر) ہو یا بصورتِ خیرات، جیسا کہ تمام املاکِ خبیثہ میں یہی طریقہ ہے۔

ہاں جس سے لیا انہیں یا ان کے ورثہ کو دینا یہاں بھی اولیٰ ہے، كما نص عليه فی الغنية والخيرية والهندية وغيرها (جیسا کہ غنیّۃ، خیریہ اور ہندیہ وغیرہ میں اس کی صراحت ہے) (فتاوی رضویہ، ج23، ص552-553، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

اگر کسی کافر کا مسلمان پر کچھ بنتا ہو اور وہ کافر کوئی وارث چھوڑے بغیر مر جائے تو اب اس قدر رقم فقراء پر تصدق

کرنا ہی لازم نہیں بلکہ مسجد یا دیگر مصارف دینیہ میں بھی صرف کی جاسکتی ہے اعلی حضرت رحمۃ اللہ تعالی علیہ سے سوال ہوا کہ کافر مرگیا اور کوئی وارث قریب و بعید نہ چھوڑا اور مسلمان اس کا مدیون قرض ادا کرنا چاہتا ہے اب وہ کس کو دے کیونکہ اگر اس کی طرف سے صدقہ کرتا ہے تو اس کو آخرت میں ملنے کی امید نہیں اور اگر اس کے مذہب کے مطابق مندر میں اس کی طرف سے صرف کردے یا مندر کے پجاری کو دے دے تو کفر کی اعانت ہوتی ہے۔تو اب اس قرض سے کیونکر سبکدوش ہو؟ آپ نے فرمایا: جبکہ اس کی نیت ادا کی تھی اور اس نے اپنی طرف سے کوئی عذر نہ کیا اور اس مال کا کوئی مستحق نہ رہا تو فقرائے مسلمین اس کے مستحق ہیں، اور یہ بایں معنی نہ ہوگا کہ کافر کی طرف سے تصدق کیا جائے یہ تو حرام ہے اور اگر اسے اجر وثواب سمجھے تو کفر ہے بلکہ اس معنی پر زور دیا جائے گا کہ کافر مرگیا اور وارث کوئی نہیں اور موت قاطع ملک ہے اور خلافت نہیں کہ اس کی طرف منتقل ہو تو اب یہ محض لاوارثی مال رہ گیا جو خالص ملک خدا ہے لہذا الفقراء کو دیا جائے گا یا مساجد یا مصارف دینیہ میں صرف کیا جائے اور اگر خود فقیر ہے تو اپنے مصرف میں بھی لاسکتا ہے۔

(فتاوی رضویہ، 19/164-165 ،رضا فاونڈیشن، لاہور)

حرام مال سے خلاصی اور ثواب

جن صورتوں میں مال حرام سے خلاصی کے لئے اسے تصدق کرنے کا حکم شریعت کی جانب سے ہے تو اس پر عمل کر کے ثواب چاہنے میں بھی کچھ حرج نہیں۔

اعلی حضرت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمن رقم فرماتے ہیں:

''حرام مال کو صدقہ کر کے امید ثواب رکھنی بھی مطلقاً کفر نہیں، اگر وہ چیز عین حرام نہ ہو بلکہ زر حرام کے معاوضہ میں خریدی جب تو ظاہر کہ اس کی حرمت مجمع علیہ بھی نہیں، اور اگر عین حرام ہے اور اسے مالک تک نہیں پہنچا سکتا خواہ اس وجہ سے کہ اسے مالک یاد نہ رہا یا سرے سے مالک کو جانتا ہی نہیں مثلا اس کے مورث نے مال غصب کیا تھا، یہ عین مغصوب کو جانتا ہے۔اور مغصوب منہ سے محض ناواقف، یا یوں کہ مالک مرگیا اور کوئی وارث نہ رہا، تو ان سب صورتوں میں شرع مطہر اسے تصدق کا حکم دیتی ہے۔جب اس نے صدقہ کیا تو حکم بجالایا، اور فرمانبرداری پر امید ثواب رکھنا محذور نہیں۔شرح فقہ اکبر میں ہے: ''فی المحیط من تصدق علی فقیر بشییء من الحرام یرجو الثواب کفر، وفیه

بحث لان من كان عنده مال حرام فهو مامور بالتصدق به على الفقراء فينبغي ان يكون ماجورا بفعله حيث قام بطاعة الله و امره، فلعل المسئلة موضوعة في مال حرام يعرف صاحبه، و يعدل عنه الى غيره في عطائه لاجل سمعته و ريائه كما كثر هذا في ظلمة الزمان و امرائه ـ والله تعالىٰ اعلم" ترجمہ: محیط میں ہے جس نے حرام مال سے صدقہ کر کے ثواب کی امید کی وہ کافر ہوا، اور اس میں بحث ہے کیونکہ جس کے پاس حرام مال ہو (اور مالک معلوم نہ ہو یا مر گیا اور اس کے ورثہ بھی نہیں تو) اس مال کو فقراء پر تصدق کا حکم ہے پس لازم ہے کہ تصدق کرنے پر اللہ کی اطاعت اور اس کا حکم ماننے کے سبب اس شخص کو اجر دیا جائے۔ اور شاید کہ مال حرام سے متعلق مذکورہ مسئلہ اس صورت میں ہو کہ مالک معلوم ہونے کے باوجود محض ریاکاری اور شہرت کی غرض سے یہ مال کسی اور کو دے دیا جائے جیسا کہ فی زمانہ ظالموں اور امراء میں یہ بات بکثرت ہے۔ اور اللہ تعالیٰ زیادہ جانتا ہے۔

(فتاوی رضویہ، 19/649-650، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

دائیں ہاتھ سے لینے اور پرورش کرنے کے معنی

علامہ محمد بن حسن اصبہانی (متوفی 406ھ) فرماتے ہیں:

((دائیں ہاتھ سے قبول فرماتا ہے)) یہاں دائیں سے مراد نعمت و فضل ہے، مراد یہ ہوگی کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے قبول فرماتا ہے اور اس پر کئی گناہ زیادہ ثواب عطا فرماتا ہے۔ اور ہاتھ سے یہاں مراد قدرت ہے یعنی دست قدرت۔

(مشکل الحدیث و بیانہ، ج1، ص435، عالم الکتب، بیروت)

علامہ علی بن سلطان محمد القاری حنفی فرماتے ہیں:

((اللہ تعالیٰ اسے اپنے دائیں ہاتھ سے لیتا ہے)) یہ حسن قبول پر دلالت کرتا ہے، اور اس بات پر دلالت کرتا ہے اس کی طرف سے صدقہ موضع رضا میں واقع ہوا ہے کیونکہ پسندیدہ چیز کو عادۃً دائیں ہاتھ سے لیا جاتا ہے۔

((پھر اللہ تعالیٰ صاحبِ صدقہ کے لیے صدقہ کی پرورش کرتا ہے)) تربیت زیادہ کرنے سے کنایہ ہے یعنی اسے زیادہ اور بڑا کرتا ہے یہاں تک کہ وہ میزان پر بھاری ہوگا۔

((یہاں تک کہ وہ)) یعنی صدقہ یا اس کا ثواب یا وہ کھجور ((پہاڑ کی مانند ہو جاتا ہے)) یعنی بھاری ہونے

میں۔

کہا گیا کہ یہ تمثیل زیادتی تفہیم کے لیے ہے اور گھوڑی کے بچے کو خاص کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اس کی زیادتی اور بڑھوتری واضح اور ظاہر ہوتی ہے۔ (مرقاۃ المفاتیح، باب فضل الصدقۃ، ج4، ص1334، دارالفکر، بیروت)

شعبان کے روزے افضل ہونے کی وجہ

شعبان کے روزے افضل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہ مہینہ رمضان سے پہلے بطورِ مقدمہ کے ہے، اس میں روزے رکھنا رمضان مبارک کی تعظیم کے لیے ہے کیونکہ یہ رمضان میں فائدہ دیتے ہیں کہ نفس عبادت سے مانوس ہو جاتا ہے، اور اس سے الفت ہو جاتی ہے۔

ایک وجہ یہ ہے کہ یہ حریم کی طرح ہے تو رمضان کی وجہ سے اس کا احترام ہے۔ اور یہ بات ثابت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس مہینے میں کثرت سے روزے رکھے ہیں۔

(التنویر شرح الجامع الصغیر، بحث فی کلمۃ التوحید، ج2، ص571، مکتبہ دارالسلام، ریاض)

رمضان کے بعد شعبان کے روزے افضل ہونے پر اشکال

اس باب کی حدیث پاک میں فرمایا گیا کہ رمضان کے بعد شعبان کے روزے افضل ہیں، جبکہ صحیح مسلم کی حدیث پاک میں رمضان کے بعد محرم کے روزوں کو افضل قرار دیا گیا چنانچہ صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((أَفْضَلُ الصِّيَامِ، بَعْدَ رَمَضَانَ شَهْرُ اللهِ الْمُحَرَّمُ)) ترجمہ: رمضان کے بعد سب سے افضل روزے اللہ کے مہینے محرم کے ہیں۔

(صحیح مسلم، باب فضل صوم المحرم، ج2، ص821، داراحیاء التراث العربی، بیروت)

اس کے متعدد جوابات محدثین نے دیئے ہیں:

(1) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی حدیث ضعیف ہے جبکہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی حدیث پاک صحیح ہے، لہذا اسے مقدم کیا جائے گا۔ (قوت المغتذی، ابواب الزکوۃ، ج1، ص251، جامعہ ام القری، مکۃ المکرمہ)

(2) شعبان کے روزے کی افضلیت کا بیان محرم کے روزوں کی افضلیت کا معلوم ہونے سے پہلے ہے۔

(التیسیر بشرح الجامع الصغیر،حرف الھمزہ،ج1،ص186،مکتبۃ الامام الشافعی،ریاض)

(3) محرم کا مہینہ افضل ہے اس طور پر کہ اس پورے مہینے کے روزے رکھے جائیں اور شعبان کا مہینہ افضل ہے اس طور پر یہ اس مہینے کے اکثر روزے رکھے جائیں۔ (التیسیر بشرح الجامع الصغیر،حرف الھمزہ،ج1،ص186،مکتبۃ الامام الشافعی،ریاض)

رمضان میں صدقہ کیوں افضل ہے

رمضان میں صدقہ اس لیے افضل ہے کہ یہ خیرات کا موسم اور عبادات کا مہینہ ہے۔

(التیسیر بشرح الجامع الصغیر،حرف الھمزہ،ج1،ص186،مکتبۃ الامام الشافعی،ریاض)

رمضان میں صدقہ اس لیے افضل ہے کہ یہ طاعات کا مہینہ ہے اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رمضان میں سب سے بڑھ کر سخی ہوتے تھے اور یہ وقت کے اعتبار سے صدقہ کی تفضیل ہے۔

(التنویر شرح الجامع الصغیر، بحث فی کلمۃ التوحید، ج2،ص563،مکتبۃ دار السلام،ریاض)

یہ وجہ بھی ہوسکتی ہے کہ رمضان میں نفل کا ثواب فرض کے برابر اور فرض کا ثواب ستر گنا تک بڑھ جاتا ہے۔

بُری موت سے کیا مراد ہے

علامہ جلال الدین سیوطی شافعی (متوفی 911ھ) فرماتے ہیں:

(1) علامہ عراقی نے فرمایا کہ ظاہر یہ ہے کہ اس سے مراد وہ چیزیں ہیں جن سے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پناہ مانگی یعنی عمارت کے نیچے دب کر مرنے سے، کنویں میں گر کر مرنے سے، ڈوب کر مرنے سے، جل کر مرنے سے، اور اس بات سے کہ شیطان موت کے وقت اسے پاگل بنادے، اور اس بات سے کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں پیٹھ پھیرتے ہوئے قتل کیا جائے۔

(2) بعض نے کہا کہ اس سے مراد اچانک موت ہے۔

(3) کہا گیا کہ اس سے مراد موتِ شہرت ہے جیسے پھانسی وغیرہ ہونا۔

(قوت المغتذی، ابواب الزکوۃ، ج1،ص251,252، جامعہ ام القری، مکۃ المکرمہ)

(4) ایک قول یہ ہے کہ بری موت سے مراد برا خاتمہ ہونا اور آخرت میں عذاب میں گرفتار ہونا۔

(مرقاۃ المفاتیح، باب فضل الصدقۃ، ج4،ص1341، دارالفکر، بیروت)

غضب الٰہی کو ٹھنڈا کرنے سے مراد

غضب الٰہی کو ٹھنڈا کرنے سے مراد یہ ہے کہ دنیا میں مکروہ بات پہنچنے سے روکنا جیسا کہ وارد ہوا کہ قضا کو صرف صدقہ ہی رد کرتا ہے۔

(مرقاۃ المفاتیح، باب فضل الصدقۃ، ج4،ص1341، دارالفکر، بیروت)

اور یہ ثابت شدہ ہے کہ مکروہ کی نفی سے اس کی ضد کا اثبات زیادہ بلیغ ہے، گویا کہ غضب کی نفی کی ہے اور رضا کا ارادہ کیا ہے، اور بری موت کی نفی کی ہے اور دنیا میں حیات طیبہ اور آخرت میں حسن جزا کا ارادہ کیا ہے۔

(مرقاۃ المفاتیح، باب فضل الصدقۃ، ج4،ص1341، دارالفکر، بیروت)

آیات متشابہات میں متقدمین اور متاخرین کی آرا

حدیث پاک کے اس حصے "رحمٰن اسے دائیں ہاتھ سے قبول فرماتا ہے" میں اللہ تعالیٰ کے لیے "ہاتھ" کا اطلاق آیا ہے، یہ متشابہات میں سے ہے، اس لیے امام ترمذی نے متشابہات کے بارے میں مختصر کلام کیا ہے، متشابہات کے بارے میں ہم بھی چند اہم امور پر کلام کریں گے:

(1) پہلی بات:

قرآن مجید کی آیات دو طرح کی ہیں:

(۱) محکمات جن کے معنی صاف اور واضح ہیں جیسے اللہ تعالیٰ کی پاکی و بے نیازی و بے مثلی کی آیتیں۔

(۲) اور دوسری متشابہات جن کے معنی میں اشکال ہے یا تو ظاہر لفظ سے کچھ سمجھ ہی نہیں آتا جیسے حروفِ مقطعات الم وغیرہ یا جو سمجھ میں آتا ہے وہ اللہ عزوجل پر محال ہے، جیسے ﴿ الرحمن علی العرش استوی ﴾ (رحمٰن نے عرش پر استواء فرمایا۔ت) یا ﴿یَدُ اللہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ﴾ (ترجمہ کنز الایمان: ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے)۔

(2) دوسری بات:

اللہ تعالیٰ کی تنزیہ (پاکی بیان کرنے) میں اہل سنت کے درج ذیل عقائد ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ ہر عیب ونقصان سے پاک ہے۔

(۲) سب اس کے محتاج ہیں وہ کسی چیز کی طرف کسی طرح کسی بات میں اصلاً احتیاج نہیں رکھتا۔

(۳) مخلوق کی مشابہت سے منزہ ہے۔

(۴) اس میں تغیر نہیں آ سکتا، ازل میں جیسا تھا ویسا ہی اب ہے اور ویسا ہی ہمیشہ رہے گا، یہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ پہلے ایک طور پر ہو پھر بدل کر اور حالت پر ہو جائے۔

(۵) وہ جسم نہیں جسم والی کسی چیز کو اس سے لگاؤ نہیں۔

(۶) اُسے مقدار عارض نہیں کہ اِتنا یا اُتنا کہہ سکیں، لمبا چوڑا یا دَلدار یا موٹا یا پتلا یا بہت یا تھوڑا یا گنتی یا تول میں بڑا یا چھوٹا یا بھاری یا ہلکا نہیں۔

(۷) وہ شکل سے منزّہ ہے، پھیلا یا سمٹا، گول یا لمبا، تکونا یا چوکھونٹا، سیدھا یا ترچھا یا اور کسی صورت کا نہیں۔

(۸) حد و طرف و نہایت سے پاک ہے اور اس معنی پر نا محدود بھی نہیں کہ بے نہایت پھیلا ہوا ہو بلکہ یہ معنی کہ وہ مقدار وغیرہ تمام اعراض سے منزہ ہے، غرض نا محدود کہنا نفی حد کے لیے ہے نہ اثبات بے مقدار بے نہایت کے لیے۔

(۹) وہ کسی چیز سے بنا نہیں۔

(۱۰) اس میں اجزا یا حصے فرض نہیں کر سکتے۔

(۱۱) جہت اور طرف سے پاک ہے جس طرح اُسے دہنے بائیں یا نیچے نہیں کہہ سکتے یونہی جہت کے معنی پر آگے پیچھے یا اُوپر بھی ہرگز نہیں۔

(۱۲) وہ کسی مخلوق سے مل نہیں سکتا کہ اس سے لگا ہوا ہو۔

(۱۳) کسی مخلوق سے جُدا نہیں کہ اُس میں اور مخلوق میں مسافت کا فاصلہ ہو۔

(۱۴) اُس کے لیے مکان اور جگہ نہیں۔

(۱۵) اُٹھنے، بیٹھنے، اُترنے، چڑھنے، چلنے، ٹھہرنے وغیرہا تمام عوارض جسم و جسمانیات سے منزّہ ہے۔

محل تفصیل میں عقائد تنزیہہ بے شمار ہیں، یہ پندرہ کہ بقدر حاجت یہاں مذکور ہوئے اور انکے سواان جملہ مسائل کی اصل یہی تین عقیدے ہیں جو پہلے مذکور ہوئے اور ان میں بھی اصل الاصول عقیدہ اولی ہے کہ تمام مطالب تنزیہیہ کا

حاصل وخلاصہ ہے ان کی دلیل قرآن عظیم کی وہ سب آیات ہیں جن میں باری عزوجل کی تسبیح وتقدیس وپاکی وبے نیازی وبے مثلی وبے نظیری ارشاد ہوئی آیات تسبیح خود کس قدر کثیر ووافر ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿الملک القدوس السلٰم﴾ (بادشاہ نہایت پاکی والا ہر عیب سے سلامت)۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿فان اللہ غنی عن العٰلمین﴾ (بے شک اللہ سارے جہان سے بے نیاز ہے)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿ان اللہ ھو الغنی الحمید﴾ (بے شک اللہ ہی بے پروا ہے سب خوبیوں سراہا)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿لیس کمثلہ شیء﴾ (اس کے مثل کوئی چیز نہیں)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿ھل تعلم لہ سمیا﴾ (کیا تو جانتا ہے اس کے نام کا کوئی﴾.

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿ولم یکن لہ کفواً احد﴾ اس کے جوڑ کا کوئی نہیں۔

ان مطالب کی آیتیں صدہا ہیں، یہ آیاتِ محکمات ہیں، یہ اُم الکتاب ہیں، ان کے معنی میں کوئی خفا واجمال نہیں، اصلاً دقت واشکال نہیں جو کچھ ان کے صریح لفظوں سے بے پردہ روشن وہویدا ہے بے تغیر وتبدیل بے تخصیص وتاویل اس پر ایمان لانا ضروریاتِ دین اسلام سے ہے، وباللہ التوفیق۔ (فتاوی رضویہ، ج29، ص119,120، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

(3) تیسری بات:

آیات متشابہات میں اہل سنت کے دو مسلک ہیں:

(۱) پہلا مسلک سلف کا ہے، سلف کا مسلک تفویض ہے، ہم نہ ان کے معنی جانیں نہ ان سے بحث کریں جو کچھ ان کے ظاہر سے سمجھ میں آتا ہے، وہ قطعاً مراد نہیں اور جو کچھ ان کے رب عزوجل کی مراد ہے ہم اس پر ایمان لاتے ہیں۔

(۲) دوسرا مسلک متاخرین کا ہے، ان کا مسلک تاویل ہے، یعنی عوام کے دین کی حفاظت کے لیے معنی محال سے پھیر کر کسی قریب معنی صحیح کی طرف لے جائیں مثلاً استواء بمعنی استیلاء اور ید بمعنی دست قدرت۔

فتاوی رضویہ میں ہے:

اہل سنت کے دو مسلک آیاتِ متشابہات میں ہیں سلف صالح کا مسلک تفویض کا، ہم نہ ان کے معنی جانیں نہ ان سے بحث کریں جو کچھ ان کے ظاہر سے سمجھ میں آتا ہے، وہ قطعاً مراد نہیں اور جو کچھ ان کے رب عزوجل کی مراد ہے ہم

اس پر ایمان لاتے ہیں، ﴿امنّا به کل من عند ربنا﴾ ہم سب اس پر ایمان لائے سب ہمارے رب کے پاس سے ہے۔

دوسرا مسلک متاخرین کا کہ حفظ دین عوام کے لیے معنی محال سے پھیر کر کسی قریب معنی صحیح کی طرف لے جائیں، مثلاً استواء بمعنی استیلاء بھی آتا ہے۔

قد استوی بشر علی العراق   من غیر سیف او دم مهراق

(تحقیق بشر عراق پر غالب آ گیا تلوار کے ساتھ خون بہائے بغیر۔ت)

عالمگیریہ، طریقہ محمدیہ، حدیقہ ندیہ، تاتارخانیہ، خلاصہ، جامع الفصولین، خزانۃ المفتین وغیرہا میں تصریح ہے کہ رب عزوجل کے لیے کسی طرح کسی جگہ مکان ثابت کرنا کفر ہے۔

متاخرین حنابلہ میں بعض خبثاء مجسمہ ہو گئے جیسے ابن تیمیہ وابن قیم، ابن تیمیہ کہتا ہے کہ میں نے سب جگہ ڈھونڈا کہیں نہ پایا اور معدوم ہے ان دونوں میں کچھ فرق نہیں یعنی جو کسی جگہ نہیں ہے وہ ہے ہی نہیں لیکن رب عزوجل تو معاذ ا ضرور کسی جگہ ہے، اس احمق سفیہ کو اگر مادی اور مجرد عن المادہ کا فرق نہ معلوم ہو تو وہ سیف قاطع جو اوپر ہم نے ذکر کی اس کی گردن کاٹنے کو کافی، جگہ حادث ہے جب جگہ تھی ہی نہیں کہاں تھا وہ شاید یہ کہے گا کہ جب جگہ نہ تھی وہ بھی نہ تھا یا یہ کہے گا کہ جگہ بھی قدیم ازلی ہے اور دونوں کفر ہیں جب اُس کا معبود اس کے نزدیک بغیر کسی جگہ میں موجود ہوئے نہیں ہو سکتا تو جگہ کا محتاج ہوا، اور جو محتاج ہے اللہ نہیں تو حقیقۃً ان پر انکار خدا ہی لازم ہے۔

(فتاوی رضویہ ملخصا، ج29، ص117، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

(4) چوتھی بات:

علم الکلام کے عظیم ائمہ امام ابوالحسن علی بن اسماعیل اشعری (متوفی 324ھ) اور امام ابو منصور محمد بن محمد ماتریدی (متوفی 333ھ) سے پہلے کا دور علم الکلام کے اعتبار سے سلف کا دور کہلاتا ہے اور ان سے خلف کے دور کا آغاز ہوتا ہے۔ امام ابوالحسن اشعری کے ماننے والوں کو اشاعرہ اور امام ابو منصور ماتریدی کے ماننے والوں کو ماتریدی کہا جاتا ہے۔

امام ابوالحسن اشعری فقہی مسلک کے اعتبار سے شافعی تھے اور امام ابو منصور ماتریدی حنفی مسلک سے تعلق رکھتے

تھے۔

متشابہات کے بارے میں تفصیلی جزئیات درج ذیل ہیں:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿هُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلَیْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰیٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَ اُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ فَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ زَیْغٌ فَیَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَ ابْتِغَآءَ تَاْوِیْلِهٖ وَ مَا یَعْلَمُ تَاْوِیْلَهٗۤ اِلَّا اللّٰهُ وَ الرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ یَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا وَ مَا یَذَّكَّرُ اِلَّاۤ اُولُوا الْاَلْبَابِ﴾ ترجمۂ کنز الایمان: وہی ہے جس نے تم پر یہ کتاب اتاری اس کی کچھ آیتیں صاف معنیٰ رکھتی ہیں وہ کتاب کی اصل ہیں اور دوسری وہ ہیں جن کے معنی میں اشتباہ ہے وہ جن کے دلوں میں کجی ہے وہ اشتباہ والی کے پیچھے پڑتے ہیں گمراہی چاہنے اور اس کا پہلو ڈھونڈھنے کو اور اس کا ٹھیک پہلو اللہ ہی کو معلوم ہے اور پختہ علم والے کہتے ہیں ہم اس پر ایمان لائے سب ہمارے رب کے پاس سے ہے اور نصیحت نہیں مانتے مگر عقل والے۔ (سورۂ آل عمران، آیت 7)

معالم التنزیل میں ہے: ''اما اهل السنة يقولون الاستواء على العرش صفة لله تعالى بلا كيف يجب على الرجل الايمان به ويكل العلم فيه الى الله عزوجل'' یعنی رہے اہلسنت، وہ یہ فرماتے ہیں کہ عرش پر استواء اللہ عزوجل کی ایک صفت بلا کیف ہے، مسلمان پر فرض ہے کہ اُس پر ایمان لائے اور اس کے معنی کا علم خدا کو سونپے۔

(معالم التنزیل، ج2، ص137، دار الکتب العلمیہ بیروت)

اُسی میں ہے: ''ذهب الاكثرون الى ان الواو فى قوله، والراسخون واو للاستئناف وتم الكلام عند قوله و مايعلم تاويله الّا الله وهو قول ابى بن كعب وعائشة وعروة بن الزبير رضى الله تعالى عنهم، ورواية طاؤس عن ابن عباس رضى الله تعالى عنهما وبه قال الحسن واكثر التابعين واختاره الكسائى والفراء والاخفش (الى ان قال) ومما يصدق ذلك قرأة عبدالله ان تاويله الا عند الله والراسخون فى العلم يقولون امنّا و فى حرف ابى ويقول الراسخون فى العلم امنّا به، وقال عمر بن عبدالعزيز فى هذه الاية انتهى علم الراسخين فى العلم تاويل القرآن الى ان قالوا امنّا به كل من عند ربنا وهذا القول اقيس فى العربية واشبه بظاهر الاية۔ ''یعنی جمہور ائمہ دین صحابہ و تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کا مذہب یہ ہے کہ والراسخون فی

العلم سے جدا بات شروع ہوئی پہلا کلام وہیں پورا ہوگیا کہ متشابہات کے معنی اللہ عزوجل کے سوا کوئی نہیں جانتا، یہی قول حضرت سیدّ قاریان صحابہ ابی بن کعب اور حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ اور عروہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا ہے، اور یہی امام طاؤس نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا، اور یہی مذہب امام حسن بصری و اکثر تابعین کا ہے، اور اسی کو امام کسائی وفراء واخفش نے اختیار کیا اور اس مطلب کی تصدیق حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس قراءت سے بھی ہوتی ہے کہ آیات متشابہات کی تفسیر اللہ عزوجل کے سوا کسی کے پاس نہیں، اور پکے علم والے کہتے ہیں ہم ایمان لائے اور ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قراءت بھی اسی معنی کی تصدیق کرتی ہے۔ امیر المومنین عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ان کی تفسیر میں محکم علم والوں کا منتہائے علم بس اس قدر ہے کہ کہیں ہم ان پر ایمان لائے سب ہمارے رب کے پاس سے ہے اور یہ قول عربیت کی رُو سے زیادہ دلنشین اور ظاہر آیت سے بہت موافق ہے۔

(معالم التنزیل، تحت الآیۃ المذکورہ، ج1، ص214,215، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

مدارک التنزیل میں ہے: "منه ایت محکمت احکمت عبارتها بان حفظت من الاحتمال و الاشتباه هن ام الکتب، اصل الکتاب تحمل المتشابهات علیها و تردالیها و اخرمتشابهات مشتبهات محتملات مثال ذلك الرحمن علی العرش استوی فالا ستواء یکون بمعنی الجلوس و بمعنی القدرة والاستیلاء و لایجوز الاوّل علی اللّٰه تعالٰی بدلیل المحکم وهو قوله تعالٰی لیس کمثله شیء، فاما الذین فی قلوبهم زیغ میل عن الحق وهم اهل البدع فیتبعون ماتشابه، فیتعلقون بالمتشابه الذی یحتمل مایذهب الیه المبتدع ممالا یطابق المحکم ویحتمل مایطابقه من قول اهل الحق منه ابتغاء الفتنة طلب ان یفتنوا الناس دینهم ویضلوهم وابتغاء تاویله وطلب ان یؤولوه التاویل الذی یشتهونه وما یعلم تاویله الا اللّٰه ای لایهتدی الی تاویله الحق الذی یجب ان یحمل علیه الّا اللّٰه اه مختصراً "یعنی قرآن عظیم کی بعض آیتیں محکمات ہیں جن کے معنی صاف ہیں احتمال واشتباہ کو ان میں گزر نہیں یہ آیات تو کتاب کی اصلی ہیں کہ متشابہات انہیں پر حمل کی جائیں گی اور اُن کے معنی انہیں کی طرف پھیرے جائیں گے اور بعض دوسری متشابہات ہیں جن کے معنی میں اشکال واحتمال ہے جیسے آیت کریمہ ﴿الرحمٰن علی العرش استوی﴾ استواء بیٹھنے کے معنی پر بھی آتا ہے اور

قدرت وغلبہ کے معنی پر بھی اور پہلے معنی اللہ عزوجل پر محال ہیں کہ آیات محکمات اللہ تعالیٰ کو بیٹھنے سے پاک ومنزہ بتارہی ہیں اُن محکمات سے ایک یہ آیت ہے لیس کمثلہ شيء اللہ کے مثل کوئی چیز نہیں، پھر وہ جن کے دل حق سے پھرے ہوئے ہیں اور وہ بدمذہب لوگ ہوئے وہ تو آیات متشابہات کے پیچھے پڑتے ہیں ایسی آیتوں کی آڑ لیتے ہیں جن میں ان کی بدمذہبی کے معنی کا احتمال ہوسکے جو آیات محکمات کے مطابق نہیں اور اس مطلب کا بھی احتمال ہو جو محکمات کے مطابق اور اہلسنت کا مذہب ہے وہ بدمذہب اُن آیات متشابہات کی آڑ اس لیے لیتے ہیں کہ فتنہ اٹھائیں لوگوں کو سچے دین سے بہکائیں ان کے وہ معنی بتائیں جو اپنی خواہش کے موافق ہوں، اور انکے معنی تو کوئی نہیں جانتا مگر اللہ، اللہ ہی کو خبر ہے کہ ان کے حق معنی کیا ہیں جن پر ان کا اتارنا واجب ہے انتہی۔ (مدارک التنزیل (تفسیر النسفی)، ج1،ص146، دارالکتاب العربی، بیروت)

مذکورہ بالا آیت کو ذکر کرنے کے بعد اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان فرماتے ہیں:

اقول: (میں کہتا ہوں۔ت) بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید اتارا ہے ہدایت فرمانے اور بندوں کو جانچنے آزمانے کو ﴿یضل بہ کثیرا ویھدی بہ کثیرا﴾ (اسی قرآن سے بہتوں کو گمراہ فرمائے اور بہتیروں کو راہ دکھائے۔)

اس ہدایت وضلالت کا بڑا منشا قرآن عظیم کی آیتوں کا دو قسم ہونا ہے: محکمات جن کے معنی صاف بے دقت ہیں جیسے اللہ تعالیٰ کی پاکی و بے نیازی و بے مثلی کی آیتیں جن کا ذکر اوپر گزرا، اور دوسری متشابہات جن کے معنی میں اشکال ہے یا تو ظاہر لفظ سے کچھ سمجھ ہی نہیں آتا جیسے حروفِ مقطعات الم وغیرہ یا جو سمجھ میں آتا ہے وہ اللہ عزوجل پر محال ہے، جیسے ﴿الرحمن علی العرش استوی﴾ (وہ بڑا مہر والا اس نے عرش پر استواء فرمایا۔ت) یا ﴿ثم استوی علی العرش﴾ (پھر اس نے عرش پر استواء فرمایا۔ت)

پھر جن کے دلوں میں کجی و گمراہی تھی وہ تو ان کو اپنے ڈھب کا پاکر ان کے ذریعہ سے بے علموں کو بہکانے اور دین میں فتنے پھیلانے لگے کہ دیکھو قرآن میں آیا ہے اللہ عرش پر بیٹھا ہے، عرش پر چڑھا ہوا ہے، عرش پر ٹھہر گیا ہے۔ اور آیاتِ محکمات جو کتاب کی جڑ تھیں اُن کے ارشاد دل سے بھلا دیئے حالانکہ قرآن عظیم میں تو استواء آیا ہے اور اس کے معنی چڑھنا، بیٹھنا، ٹھہرنا، ہونا کچھ ضرور نہیں یہ تو تمہاری اپنی سمجھ ہے جس کا حکم خدا پر لگا رہے۔ (ما پر مدہے) ﴿ما انزل اللہ

بھا من سلطن ﴾ (اللہ تعالیٰ نے اس پر کوئی دلیل نازل نہ فرمائی۔ت ﴾

اگر بالفرض قرآن مجید میں یہی الفاظ چڑھنا، بیٹھنا، ٹھہرنا آتے تو قرآن ہی کے حکم سے فرض قطعی تھا کہ انہیں ان ظاہری معنی پر نہ سمجھو جوان لفظوں سے ہمارے ذہن میں آتے ہیں کہ یہ کام تو اجسام کے ہیں اور اللہ تعالیٰ جسم نہیں مگر یہ لوگ اپنی گمراہی سے اسی معنی پر جم گئے انہیں کو قرآن مجید نے فرمایا: ﴿ الذین فی قلوبھم زیغ ﴾ (ان کے دل میں کجی ہے۔)

اور جولوگ علم میں پکے اور اپنے رب کے پاس سے ہدایت رکھتے تھے وہ سمجھے کہ آیات محکمات سے قطعاً ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ مکان و جہت و جسم و اعراض سے پاک ہے بیٹھنے، چڑھنے، بیٹھنے سے منزہ ہے کہ یہ سب باتیں اس بے عیب کے حق میں عیب ہیں جن کا بیان ان شاء اللہ المستعان عنقریب آتا ہے اور وہ ہر عیب سے پاک ہے ان میں اللہ عزوجل کے لیے اپنی مخلوق عرش کی طرف حاجت نکلے گی اور وہ ہر احتیاج سے پاک ہے ان میں مخلوقات سے مشابہت ثابت ہوگی کہ اٹھنا، بیٹھنا، چڑھنا، اترنا، سرکنا ٹھہرنا اجسام کے کام ہیں اور وہ ہر مشابہت خلق سے پاک ہے تو قطعاً یقیناً ان لفظوں کے ظاہری معنی جو ہماری سمجھ میں آتے ہیں ہرگز مراد نہیں، پھر آخر معنی کیا لیں۔ اس میں یہ ہدایت والے دو روش ہو گئے۔

اکثر نے فرمایا جب یہ ظاہری معنی قطعاً مقصود نہیں اور تاویلی مطلب متعین و محدود نہیں تو ہم اپنی طرف سے کیا کہیں، یہی بہتر کہ اس کا علم اللہ پر چھوڑیں ہمیں ہمارے رب نے آیاتِ متشابہات کے پیچھے پڑنے سے منع فرمایا اور ان کی تعیین مراد میں خوض کرنے کو گمراہی بتایا تو ہم حد سے باہر کیوں قدم دھریں، اسی قرآن کے بتائے حصے پر قناعت کریں کہ ﴿ امنا بہ کل من عند ربنا ﴾ جو کچھ ہمارے مولیٰ کی مراد ہے ہم اس پر ایمان لائے محکم متشابہ سب ہمارے رب کے پاس سے ہے۔

یہ مذہب جمہور ائمہ سلف کا ہے اور یہی اسلم و اولیٰ ہے اسے مسلک تفویض و تسلیم کہتے ہیں، ان ائمہ نے فرمایا استواء معلوم ہے کہ ضرور اللہ تعالیٰ کی ایک صفت ہے اور کیف مجہول ہے کہ اس کے معنی ہماری سمجھ سے وراء ہیں، اور ایمان اس پر واجب ہے کہ نص قطعی قرآن سے ثابت ہے اور سوال اس سے بدعت ہے کہ سوال نہ ہوگا مگر تعیین مراد کے لیے اور

تعین مراد کی طرف راہ نہیں۔

اور بعض نے خیال کیا کہ جب اللہ عزوجل نے محکم متشابہ دو قسمیں فرما کر محکمات کو ﴿ ھنّ ام الکتب ﴾ فرمایا کہ وہ کتاب کی جڑ ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ ہر فرع اپنی اصل کی طرف پلٹتی ہے تو آیہ کریمہ نے تاویل متشابہات کی راہ خود بتادی اور ان کی ٹھیک معیار ہمیں سمجھادی کہ ان میں وہ درست و پاکیزہ احتمالات پیدا کرو جن سے یہ اپنی اصل یعنی محکمات کے مطابق آجائیں اور فتنہ و ضلال و باطل و محال راہ نہ پائیں۔ یہ ضرور ہے کہ اپنے نکالے ہوئے معنی پر یقین نہیں کرسکتے کہ اللہ عزوجل کی یہی مراد ہے مگر جب معنی صاف و پاکیزہ ہیں اور مخالفت محکمات سے بری و منزہ ہیں اور محاورات عرب کے لحاظ سے بن بھی سکتے ہیں تو احتمالی طور پر بیان کرنے میں کیا حرج ہے اور اس میں نفع یہ ہے کہ بعض عوام کی طبائع صرف اتنی بات پر مشکل سے قناعت کریں کہ انکے معنی ہم کچھ نہیں کہہ سکتے اور جب انہیں روکا جائے گا تو خواہ مخواہ ان میں فکر کی اور حرص بڑھے گی۔ ((ان ابن ادم لحریص علی مامنع)) (انسان کو جس چیز سے منع کیا جائے وہ اس پر حریص ہوتا ہے۔ت)

اور جب فکر کریں گے فتنے میں پڑیں گے گمراہی میں گریں گے، تو یہی انسب ہے کہ ان کی افکار ایک مناسب و ملائم معنی کی طرف کہ محکمات سے مطابق محاورات سے موافق ہوں پھیر دی جائیں کہ فتنہ و ضلال سے نجات پائیں یہ مسلک بہت علمائے متاخرین کا ہے کہ نظر بحال عوام اسے اختیار کیا ہے اسے مسلک تاویل کہتے یہ علماء بوجوہ کثیر تاویل آیت فرماتے ہیں ان میں چار وجہیں نفیس و واضح ہیں:

اول: استواء بمعنی قہر وغلبہ ہے، یہ زبان عرب سے ثابت و پیدا ہے عرش سب مخلوقات سے اوپر اور اونچا ہے اس لیے اس کے ذکر پر اکتفا فرمایا اور مطلب یہ ہوا کہ اللہ تمام مخلوقات پر قاہر و غالب ہے۔

دوم: استواء بمعنی علو ہے، اور علو اللہ عزوجل کی صفت ہے نہ علو مکان بلکہ علو مالکیت و سلطان، یہ دونوں معنی امام بیہقی نے کتاب الاسماء والصفات میں ذکر فرمائے جس کی عبارات عنقریب آتی ہیں۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

سوم: استواء بمعنی قصد وارادہ ہے، ثم استوی علی العرش یعنی پھر عرش کی طرف متوجہ ہوا یعنی اس کی آفرینش کا ارادہ فرمایا یعنی اس کی تخلیق شروع کی، یہ تاویل امام اہلسنت امام ابوالحسن اشعری نے افادہ فرمائی۔ امام اسمٰعیل

ضریرے نے فرمایا: انہ الصواب یہی ٹھیک ہے، نقلہ الامام جلال الدین سیوطی فی الاتقان (اس کو امام جلال الدین سیوطی نے اتقان میں نقل کیا ہے۔ت)

چہارم: استواء بمعنی فراغ وتمامی کار ہے یعنی سلسلہ خلق وآفرینش کو عرش پر تمام فرمایا اس سے باہر کوئی چیز نہ پائی، دنیا وآخرت میں جو کچھ بنایا اور بنائے گا دائرہ عرش سے باہر نہیں کہ وہ تمام مخلوق کو حاوی ہے۔ قرآن کی بہتر تفسیر وہ ہے وہ قرآن سے ہو۔ استواء بمعنی تمامی خود قرآن عظیم میں ہے۔

قال اللہ تعالٰی: ﴿ولما بلغ اشدہ واستوٰی﴾ (جب اپنی قوت کے زمانے کو پہنچا اور اس کا شباب پورا ہوا۔ت)

اسی طرح قولہ تعالٰی: ﴿کَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْاَہٗ فَاٰزَرَہٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰی عَلٰی سُوْقِہٖ﴾ (جیسے پودا کہ اس کا خوشہ نکلا تو اس کو بوجھل کیا تو وہ موٹا ہوا تو وہ اپنے تنے پر درست ہوا۔ت) میں استواء حالتِ کمال سے عبارت ہے، یہ تاویل امام حافظ الحدیث ابن الحجر عسقلانی نے امام ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال سے نقل کی اور یہ کلام امام ابوطاہر قزوینی کا ہے کہ سراج العقول میں افادہ فرمایا، اور امام عبدالوہاب شعرانی کی کتاب الیواقیت میں منقول۔

اقول (میں کہتا ہوں۔ت): اور اس کے سوا یہ ہے کہ قرآن عظیم میں یہ استواء سات جگہ مذکور ہوا، ساتوں جگہ ذکر آفرینش آسمان وزمین کے ساتھ اور بلافصل اُس کے بعد ہے:

سورہ اعراف وسورہ یونس علیہ الصلوۃ والسلام میں فرمایا: ﴿اِنَّ رَبَّکُمُ اللہُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّۃِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ﴾ (تمہارا رب وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا چھ دنوں میں پھر عرش پر استوا فرمایا۔ت)

سورہ رعد میں فرمایا: ﴿اَللہُ الَّذِیْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَیْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَھَا ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ﴾ (اللہ تعالٰی وہ ذات ہے جس نے آسمانوں کو بغیر ستون کے بلند کیا تم دیکھ رہے ہو پھر عرش پر استواء فرمایا۔ت)

سورہ طٰہٰ میں فرمایا: ﴿تَنْزِیْلًا مِّمَّنْ خَلَقَ الْاَرْضَ وَالسَّمٰوٰتِ الْعُلٰی ۝ اَلرَّحْمٰنُ عَلَی الْعَرْشِ اسْتَوٰی ۝﴾ قرآن نازل کردہ ہے اس ذات کی طرف سے جس نے پیدا کیا زمین کو اور بلند آسمانوں کو، وہ رحمٰن ہے جس نے عرش

پر استوا فرمایا۔ت)

سورہ فرقان میں فرمایا:﴿الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ مَا بَیْنَهُمَا فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ﴾(وہ جس نے آسمانوں اور زمین کو اور ان دونوں کے درمیان کو چھ دنوں میں پیدا کیا پھر عرش پر استواء فرمایا۔ت)

سورہ حدید میں فرمایا:﴿هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ﴾(وہ جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا پھر عرش پر استواء فرمایا۔ت)

یہ مطالب کہ اول سے یہاں تک اجمالاً مذکور ہوئے صدہا ائمہ دین کے کلمات عالیہ میں ان کی تصریحات جلیہ ہیں انہیں نقل کیجئے تو دفتر عظیم ہو۔ (فتاوی رضویہ،ج29،ص122 تا127،رضافاؤنڈیشن،لاہور)

صدقات نفل کے فضائل

(1) صحیح مسلم شریف میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:((یقول العبد:مالی، مالی، إنما له من ماله ثلاث :ما أكل فأفنی، أو لبس فأبلی، أو أعطی فاقتنی، وما سوی ذلك فهو ذاهب، وتاركه للناس))ترجمہ:بندہ کہتا ہے، میرا مال ہے، میرا مال ہے اور اُسے تو اس کے مال سے تین ہی قسم کا فائدہ ہے، جو کھا کر فنا کر دیا، یا پہن کر پُرانا کر دیا، یا عطا کر کے آخرت کے لیے جمع کیا اور اُس کے سوا جانے والا ہے کہ اوروں کے لیے چھوڑ جائے گا۔

("صحیح مسلم"، کتاب الزھد والرقائق، باب الدنیا سجن للمؤمن وجنۃ للکافر، الحدیث2959 :، ج2،ص2273، داراحیاء التراث العربی، بیروت)

(2) بخاری ونسائی حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:((أیكم مال وارثه أحب إلیه من ماله؟ قالوا:یا رسول الله، ما منا أحد إلا ماله أحب إلیه، قال :فإن ماله ما قدم، ومال وارثه ما أخر))ترجمہ:تم میں کون ہے کہ اُسے اپنے وارث کا مال، اپنے مال سے زیادہ محبوب ہے؟ صحابہ نے عرض کی، یا رسول اللہ (عزوجل وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)! ہم میں کوئی ایسا نہیں، جسے اپنا مال زیادہ محبوب نہ ہو۔ فرمایا: اپنا مال تو وہ ہے، جو آگے روانہ کر چکا اور جو پیچھے چھوڑ گیا، وہ وارث کا مال ہے۔

(صحیح البخاری"،کتاب الرقائق،باب ماقدم من مالہ فھولہ،الحدیث 6442 :،ج8،ص93،دارطوق النجاۃ)

(3)امام بخاری حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:((لو کان لی مثل أحد ذھبا لسرنی أن لا تمر علی ثلاث لیال وعندی منہ شیء، إلا شیئا أرصدہ لدین)) اگر میرے پاس اُحد برابر سونا ہوتو مجھے یہی پسند آتا ہے کہ تین راتیں نہ گزرنے پائیں اور اُس میں کا میرے پاس کچھ رہ جائے، ہاں اگر مجھ پر دَین ہوتو اُس کے لیے کچھ رکھ لوں گا۔

(صحیح البخاری"،کتاب الرقائق،باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم مایسرنی أن عندی مثل احد ہذا ذہبا،الحدیث 6445 :،ج8،ص45،دارطوق النجاۃ)

(4)امام مسلم حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:((ما من یوم یصبح العباد فیہ إلا ملکان ینزلان، فیقول أحدھما :اللھم، أعط منفقا خلفا، ویقول الآخر:اللھم، أعط ممسکا تلفا)) کوئی دن ایسا نہیں کہ صبح ہوتی ہے، مگر دو فرشتے نازل ہوتے ہیں اور ان میں ایک کہتا ہے، اے اللہ عزوجل! خرچ کرنے والے کو بدلہ دے اور دوسرا کہتا ہے، اے اللہ عزوجل! روکنے والے کے مال کو تلف کر۔

(صحیح مسلم"،کتاب الزکاۃ،باب فی المنفق والممسک،الحدیث 1010،ج2،ص700،داراحیاء التراث العربی،بیروت)

اور اسی کے مثل امام احمد و ابن حبان و حاکم نے حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

(5)صحیحین میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا:((لا توعی فیوعی اللہ علیک، ارضخی ما استطعت)) خرچ کر اور شمار نہ کر کہ اللہ تعالیٰ شمار کر کے دے گا اور بند نہ کر کہ اللہ تعالیٰ بھی تجھ پر بند کر دے گا۔ کچھ دے جو تجھے استطاعت ہو۔

(صحیح البخاری"،کتاب الزکاۃ،باب الصدقۃ فیما استطاع،الحدیث 1434 :،ج2،ص113،دارطوق النجاۃ)

(6)نیز صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:((قال اللہ:أنفق یا ابن آدم أنفق علیک)) اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے ابنِ آدم! خرچ کر، میں تجھ پر خرچ کروں گا۔

(صحیح البخاری"،کتاب النفقات،باب فضل النفقۃ علی الأھل،الحدیث 5352 :،ج7،ص62،دارطوق النجاۃ)

(7)صحیح مسلم و سنن ترمذی میں حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:((یا

ابن آدم إنك أن تبذل الفضل خير لك، وأن تمسكه شر لك، ولا تلام على كفاف، وابدأ بمن تعول
))اے ابنِ آدم! بچے ہوئے کا خرچ کرنا، تیرے لیے بہتر ہے اور اُس کا روکنا، تیرے لیے بُرا ہے اور بقدرِ ضرورت روکنے پر ملامت نہیں اور اُن سے شروع کر جو تیری پرورش میں ہیں۔

(صحیح مسلم"، کتاب الزکاۃ، باب بیان أن الید العلیا خیر من الید السفلی ...إلخ، الحدیث1036 : ،ج 2 ص718، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

(8) صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں:((ضرب رسول الله صلى الله عليه وسلم مثل البخيل والمتصدق، كمثل رجلين عليهما جنتان من حديد، قد اضطرت أيديهما إلى ثديهما وتراقيهما، فجعل المتصدق كلما تصدق بصدقة انبسطت عنه، حتى تغشي أنامله وتعفو أثره وجعل البخيل كلما هم بصدقة قلصت، وأخذت كل حلقة مكانها "قال :فأنا رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم، يقول :بإصبعه في جيبه فلو رأيته يوسعها ولا توسع)) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بخیل اور صدقہ دینے والے کی مثال بیان فرمائی کہ ان کی مثال دو شخصوں کی ہے جو لوہے کی زرہ پہنے ہوئے ہیں، جن کے ہاتھ سینے اور گلے سے جکڑے ہوئے ہیں تو صدقہ دینے والے نے جب صدقہ دیا وہ زرہ کشادہ ہوگئی اور بخیل جب صدقہ دینے کا ارادہ کرتا ہے، ہر کڑی اپنی جگہ کو پکڑ لیتی ہے وہ کشادہ کرنا بھی چاہتا ہے تو کشادہ نہیں ہوتی۔

(صحیح مسلم"، کتاب الزکاۃ، باب مثل المنفق والبخیل، 1021، ج2، ص708، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

(9) صحیح مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:((اتقوا الظلم، فإن الظلم ظلمات يوم القيامة، واتقوا الشح، فإن الشح أهلك من كان قبلكم، حملهم على أن سفكوا دماءهم واستحلوا محارمهم)) ظلم سے بچو کہ ظلم قیامت کے دن تاریکیاں ہے اور بخل سے بچو کہ بخل نے اگلوں کو ہلاک کیا، اسی بخل نے اُنھیں خون بہانے اور حرام کو حلال کرنے پر آمادہ کیا۔

(صحیح مسلم"، کتاب البر والصلۃ والأدب، باب تحریم الظلم، الحدیث7578، 4ج، ص1996، دار احیاء التراث العربی)

(10) نیز اُسی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی، فرماتے ہیں:((أتى رسول الله صلى الله عليه وسلم رجل فقال:يا رسول الله، أي الصدقة أعظم؟ فقال:أن تصدق وأنت صحيح شحيح، تخشى الفقر وتأمل

الغنی، ولا تمهل حتی إذا بلغت الحلقوم قلت :لفلان کذا، ولفلان کذا، ألا وقد کان لفلان)) ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کی یا رسول اللہ (عزوجل وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کس صدقہ کا زیادہ اجر ہے؟ فرمایا: اس کا کہ صحت کی حالت میں ہو اور لالچ ہو محتاجی کا ڈر ہو اور تونگری کی آرزو، یہ نہیں کہ چھوڑے رہے اور جب جان گلے کو آ جائے تو کہے اتنا فلاں کو اور اتنا فلاں کو دینا اور یہ تو فلاں کا ہو چکا یعنی وارث کا۔"

(صحیح مسلم"، کتاب الزکاۃ، باب بیان ان أفضل الصدقۃ صدقۃ الصحیح الشحیح، الحدیث 1032 ، ج2،ص716، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

(11) صحیحین میں حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی، کہتے ہیں: ((انتھیت إلی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وھو جالس فی ظل الکعبۃ فلما رآنی قال :ھم الأخسرون ورب الکعبۃ قال :فجئت حتی جلست، فلم أتقار أن قمت، فقلت :یا رسول اللہ، فداك أبی وأمی، من ھم؟ قال:ھم الأکثرون أموالا، إلا من قال ھکذا وھکذا وھکذا من بین یدیہ ومن خلفہ وعن یمینہ وعن شمالہ وقلیل ما ھم)) میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ معظمہ کے سایہ میں تشریف فرما تھے، مجھے دیکھ کر فرمایا": قسم ہے رب کعبہ کی ! وہ نقصانمیں ہیں۔ میں نے عرض کی، میرے باپ ماں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان وہ کون لوگ ہیں؟ فرمایا: زیادہ مال والے، مگر جو اس طرح اور اس طرح اور اس طرح کرے آگے پیچھے دہنے بائیں یعنی ہر موقع پر خرچ کرے اور ایسے لوگ بہت کم ہیں۔ " (صحیح مسلم"، کتاب الزکاۃ، باب تغلیظ عقوبۃ من لا یؤدی الزکاۃ، الحدیث 990، ج2، 686، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

(12) جامع ترمذی میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((السخی قریب من اللہ قریب من الجنۃ قریب من الناس بعید من النار، والبخیل بعید من اللہ بعید من الجنۃ بعید من الناس قریب من النار، والجاھل السخی أحب إلی اللہ عز وجل من عابد بخیل)) سخی قریب ہے اللہ عزوجل سے، قریب ہے جنت سے، قریب ہے آدمیوں سے، دُور ہے جہنم سے اور بخیل دور ہے اللہ عزوجل سے، دور ہے جنت سے، دور ہے آدمیوں سے، قریب ہے جہنم سے اور جاہل سخی اللہ عزوجل کے نزدیک زیادہ پیارا ہے، بخیل عابد سے۔ " (جامع الترمذی"، أبواب البر والصلۃ، باب ماجاء فی السخاء، الحدیث 1961، ج4، ص342، مصطفی البابی الحلبی، مصر)

(13) سُنن ابوداود میں حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((لأن

يتصدق المرء في حياته بدرهم خير له من أن يتصدق بمائة درهم عند موته)) آدمی کا اپنی زندگی (یعنی صحت) میں ایک درم صدقہ کرنا، مرتے وقت کے سو درہم صدقہ کرنے سے زیادہ بہتر ہے۔"

("سنن أبي داود"، کتاب الوصایا، باب ماجاء في کراھیۃ الإضرار في الوصیۃ، الحدیث 2866، ج3، ص113، المکتبۃ العصریۃ، بیروت)

(14) امام احمد و نسائی و دارمی و ترمذی حضرت ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((مثل الذي يتصدق عند موته، أو يعتق، كالذي يهدي بعدما شبع)) جو شخص مرتے وقت صدقہ دیتا یا آزاد کرتا ہے، اُس کی مثال اُس شخص کی ہے کہ جب آسودہ ہولیا تو ہدیہ کرتا ہے۔"

("سنن الدارمي"، کتاب الوصایا، باب من أحب الوصیۃ ومن کرہ، الحدیث 3269، ج4، ص2050، دار المغني للنشر والتوزیع، سعودیہ)

(15) صحیح مسلم شریف میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ((بينا رجل بفلاة من الأرض، فسمع صوتا في سحابة: اسق حديقة فلان، فتنحى ذلك السحاب، فأفرغ ماءه في حرة، فإذا شرجة من تلك الشراج قد استوعبت ذلك الماء كله، فتتبع الماء، فإذا رجل قائم في حديقته يحول الماء بمسحاته، فقال له: يا عبد الله ما اسمك؟ قال: فلان -للاسم الذي سمع في السحابة- فقال له: يا عبد الله لم تسألني عن اسمي؟ فقال: إني سمعت صوتا في السحاب الذي هذا ماؤه يقول: اسق حديقة فلان، لاسمك، فما تصنع فيها؟ قال: أما إذ قلت هذا، فإني أنظر إلى ما يخرج منها، فأتصدق بثلثه وآكل أنا وعيالي ثلثا، وأرد فيها ثلثه)) ایک شخص جنگل میں تھا، اُس نے اَبر میں ایک آواز سُنی کہ فلاں کے باغ کو سیراب کر، وہ اَبر ایک کنارہ کو ہوگیا اور اُس نے پانی سنگستان میں گرایا اور ایک نالی نے وہ سارا پانی لے لیا، وہ شخص پانی کے پیچھے ہولیا، ایک شخص کو دیکھا کہ اپنے باغ میں کھڑا ہوا کھرپیا سے پانی پھیر رہا ہے۔ اُس نے کہا، اے اللہ عزوجل کے بندے! تیرا کیا نام ہے؟ اُس نے کہا، فلاں نام، وہی نام جو اُس نے اَبر میں سے سُنا۔ اُس نے کہا، اے اللہ عزوجل کے بندے! تُو میرا نام کیوں پوچھتا ہے؟ اُس نے کہا، میں نے اُس اَبر میں سے جس کا یہ پانی ہے، ایک آواز سُنی کہ وہ تیرا نام لے کر کہتا ہے، فلاں کے باغ کو سیراب کر، تو تُو کیا کرتا ہے (کہ تیرا نام لے کر پانی بھیجا جاتا ہے)؟ جواب دیا کہ جو کچھ پیدا ہوتا اس میں سے ایک تہائی خیرات کرتا ہوں اور ایک تہائی میں اور میرے بال بچے کھاتے ہیں اور ایک

تہائی بونے کے لیے رکھتا ہوں۔ "

(صحیح مسلم "، کتاب الزھد والرقائق، باب فضل الانفاق علی المساکین وابن السبیل، الحدیث 2984 : ، ج4، ص2288، داراحیاء التراث العربی، بیروت)

(16) صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ((إن ثلاثة في بني إسرائيل :أبرص وأقرع وأعمى، بدا لله عز وجل أن يبتليهم، فبعث إليهم ملكا فأتى الأبرص، فقال :أي شيء أحب إليك؟ قال :لون حسن، وجلد حسن، قد قذرني الناس، قال :فمسحه فذهب عنه، فأعطي لونا حسنا، وجلدا حسنا، فقال :أي المال أحب إليك؟ قال :الإبل، -أو قال :البقر، هو شك في ذلك: إن الأبرص، والأقرع، قال أحدهما الإبل، وقال الآخر :البقر -، فأعطي ناقة عشراء، فقال :يبارك لك فيها وأتى الأقرع فقال :أي شيء أحب إليك؟ قال شعر حسن، ويذهب عني هذا، قد قذرني الناس، قال :فمسحه فذهب وأعطي شعرا حسنا، قال :فأي المال أحب إليك؟ قال :البقر، قال :فأعطاه بقرة حاملا، وقال :يبارك لك فيها، وأتى الأعمى فقال :أي شيء أحب إليك؟ قال :يرد الله إلي بصري، فأبصر به الناس، قال :فمسحه فرد الله إليه بصره، قال :فأي المال أحب إليك؟ قال الغنم. :فأعطاه شاة والدا، فأنتج هذان وولد هذا، فكان لهذا واد من إبل، ولهذا واد من بقر، ولهذا واد من غنم، ثم إنه أتى الأبرص في صورته وهيئته، فقال رجل مسكين، تقطعت بي الحبال في سفري، فلا بلاغ اليوم إلا بالله ثم بك، أسألك بالذي أعطاك اللون الحسن، والجلد الحسن، والمال، بعيرا أتبلغ عليه في سفري، فقال له :إن الحقوق كثيرة، فقال له :كأني أعرفك، ألم تكن أبرص يقذرك الناس، فقيرا فأعطاك الله؟ فقال :لقد ورثت لكابر عن كابر، فقال :إن كنت كاذبا فصيرك الله إلى ما كنت، وأتى الأقرع في صورته وهيئته، فقال له :مثل ما قال لهذا، فرد عليه مثل ما رد عليه هذا، فقال :إن كنت كاذبا فصيرك الله إلى ما كنت، وأتى الأعمى في صورته، فقال: رجل مسكين وابن سبيل وتقطعت بي الحبال في سفري، فلا بلاغ اليوم إلا بالله ثم بك، أسألك بالذي رد عليك بصرك شاة أتبلغ بها في سفري، فقال :قد كنت أعمى فرد الله بصري، وفقيرا فقد أغناني، فخذ ما شئت، فوالله لا أجهدك اليوم بشيء أخذته لله، فقال أمسك مالك، فإنما ابتليتم، فقد رضي الله عنك

وسخط علی صاحبك)) بنی اسرائیل میں تین شخص تھے۔ایک برص والا، دوسرا گنجا، تیسرا اندھا۔اللہ عزوجل نے ان کا امتحان لینا چاہا، ان کے پاس ایک فرشتہ بھیجا، وہ فرشتہ برص والے کے پاس آیا۔اس سے پوچھا، تجھے کیا چیز زیادہ محبوب ہے؟ اُس نے کہا: اچھا رنگ اور اچھا چمڑا اور یہ بات جاتی رہے، جس سے لوگ گھن کرتے ہیں۔فرشتہ نے اس پر ہاتھ پھیرا، وہ گھن کی چیز جاتی رہی اور اچھا رنگ اور اچھی کھال اسے دی گئی، فرشتے نے کہا: تجھے کونسا مال زیادہ محبوب ہے؟ اُس نے اونٹ کہا یا گائے (راوی کا شک ہے، مگر برص والے اور گنجے میں سے ایک نے اونٹ کہا، دوسرے نے گائے)۔اُسے دس مہینے کی حاملہ اونٹنی دی اور کہا کہ اللہ تعالیٰ تیرے لیے اس میں برکت دے۔

پھر گنجے کے پاس آیا، اُس سے کہا: تجھے کیا شے زیادہ محبوب ہے؟ اُس نے کہا: خوبصورت بال اور یہ جاتا رہے، جس سے لوگ مجھ سے گھن کرتے ہیں۔فرشتے نے اس پر ہاتھ پھیرا، وہ بات جاتی رہی اور خوبصورت بال اُسے دیے گئے، اُس سے کہا: تجھے کون سا مال محبوب ہے؟ اُس نے گائے بتائی۔ایک گابھن گائے اُسے دی گئی اور کہا اللہ تعالیٰ تیرے لیے اس میں برکت دے۔

پھر اندھے کے پاس آیا اور کہا: تجھے کیا چیز زیادہ محبوب ہے؟ اُس نے کہا: یہ کہ اللہ تعالیٰ میری نگاہ واپس دے کہ میں لوگوں کو دیکھوں۔فرشتہ نے ہاتھ پھیرا، اللہ تعالیٰ نے اُس کی نگاہ واپس دی۔فرشتہ نے پوچھا، تجھے کونسا مال زیادہ پسند ہے؟ اُس نے کہا: بکری۔اُسے ایک گابھن بکری دی۔اب اونٹنی اور گائے اور بکری سب کے بچے ہوئے، ایک کے لیے اونٹوں سے جنگل بھر گیا۔دوسرے کے لیے گائے سے، تیسرے کے لیے بکریوں سے۔

پھر وہ فرشتہ برص والے کے پاس اُس کی صورت اور ہیئات میں ہو کر آیا (یعنی برص والا بن کر) اور کہا: میں مرد مسکین ہوں، میرے سفر میں وسائل منقطع ہو گئے، پہنچنے کی صورت میرے لیے آج نظر نہیں آتی، مگر اللہ عزوجل کی مدد سے پھر تیری مدد سے، میں اُس کے واسطے سے جس نے تجھے خوبصورت رنگ اور اچھا چمڑا اور مال دیا ہے۔ایک اونٹ کا سوال کرتا ہوں، جس سے میں سفر میں مقصد تک پہنچ جاؤں۔اُس نے جواب دیا: حقوق بہت ہیں۔فرشتے نے کہا: گویا میں تجھے پہچانتا ہوں، کیا تو کوڑھی نہ تھا کہ لوگ تجھ سے گھن کرتے تھے، فقیر نہ تھا۔پھر اللہ تعالیٰ نے تجھے مال دیا، اُس نے کہا: میں تو اس مال کا نسلاً بعد نسلٍ وارث کیا گیا ہوں۔فرشتہ نے کہا: اگر تو جھوٹا ہے تو اللہ تعالیٰ تجھے ویسا ہی کر

دے جیسا تُو تھا۔

پھر گنجے کے پاس اسی کی صورت بن کر آیا، اس سے بھی وہی کہا: اس نے بھی ویسا ہی جواب دیا۔ فرشتے نے کہا: اگر تو جھوٹا ہے تو اللہ تعالیٰ تجھے ویسا ہی کردے، جیسا تو تھا۔

پھر اندھے کے پاس اس کی صورت وہیئات بن کر آیا اور کہا: میں مسکین شخص اور مسافر ہوں، میرے سفر میں وسائل منقطع ہو گئے، آج پہنچنے کی صورت نہیں، مگر اللہ عزوجل کی مدد سے پھر تیری مدد سے میں اس کے وسیلہ سے جس نے تجھے نگاہ واپس دی، ایک بکری کا سوال کرتا ہوں جس کی وجہ سے میں اپنے سفر میں مقصد تک پہنچ جاؤں۔ اس نے کہا: میں اندھا تھا، اللہ تعالیٰ نے مجھے آنکھیں دیں تُو جو چاہے لے لے اور جتنا چاہے چھوڑ دے۔ خدا کی قسم! اللہ عزوجل کے لیے تُو جو کچھ لے گا، میں تجھ پر مشقت نہ ڈالوں گا۔ فرشتے نے کہا: تُو اپنا مال اپنے قبضہ میں رکھ، بات یہ ہے کہ تم تینوں شخصوں کا امتحان تھا، تیرے لیے اللہ عزوجل کی رضا ہے اور ان دونوں پر ناراضی۔ "

(صحیح البخاری"، کتاب احادیث الأنبیاء، باب ماذکر عن بنی إسرائیل، الحدیث 3464، ج4، ص171، دار طوق النجاۃ)

(17) امام احمد و ابو داود و ترمذی حضرت ام بجید رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے راوی، کہتی ہیں: ((قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ وَاللَّهِ إِنَّ الْمِسْكِينَ لَيَقِفُ عَلَى بَابِي حَتَّى أَسْتَحْيِيَ فَلَا أَجِدُ فِي بَيْتِي مَا أَدْفَعُ فِي يَدِهِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ادْفَعِي فِي يَدِهِ وَلَوْ ظِلْفًا مُحْرَقًا)) میں نے عرض کی، یارسول اللہ (عزوجل وصلی اللہ علیہ وسلم)! مسکین دروازہ پر کھڑا ہوتا ہے اور مجھے شرم آتی ہے کہ گھر میں کچھ نہیں ہوتا کہ اُسے دوں، ارشاد فرمایا: اُسے کچھ دیدے، اگرچہ کُھر جلا ہوا۔"

("المسند" للإمام أحمد بن حنبل، حدیث أم بجید، الحدیث 27148، ج45، ص127، موسسۃ الرسالہ، بیروت)

(18) بیہقی نے دلائل النبوۃ میں روایت کی، کہ ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں: ((أهديت إلى قدرة من لحم، فقلت للخادم: ارفعيها لرسول الله صلى الله عليه وسلم حتى يجيء، قالت: فجاء رسول صلى الله عليه وسلم فقلت للخادم: قربي إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم القدرة اللحم قالت: فجاءت بها فأرتها أم سلمة فإذا هي قد صارت مروة حجر، قالت: فنظر رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال: ما لك يا أم سلمة، فقصت عليه القصة، فقال: لعله قام على بابكم سائل فأهنتموه قالت: أجل يا رسول الله، قال: فإن

ذاك لــذاك))میرے پاس گوشت کا ٹکڑا ہدیہ میں آیا، میں نے خادمہ سے کہا: اسے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے رکھ دے یہاں تک کہ وہ تشریف لائیں، (اُس نے طاق میں رکھ دیا۔ ایک سائل آ کر دروازہ پر کھڑا ہوا اور کہا صدقہ کرو، اللہ تعالیٰ تم میں برکت دے گا۔ لوگوں نے کہا، اللہ عزوجل تجھ میں برکت دے، سائل چلا گیا، فی روایۃ) حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا: تمھارے یہاں کچھ کھانے کی چیز ہے؟ اُم المومنین نے عرض کی، ہاں اور خادمہ سے فرمایا: جا وہ گوشت لے آ۔ وہ گئی تو طاق میں ایک پتھر کا ایک ٹکڑا پایا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: شاید تمہارے دروازے پر سائل کھڑا ہوا اور تم نے اسے منع کر دیا، عرض کیا: یا رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایسا ہی ہوا، ارشاد فرمایا: چونکہ تم نے سائل کو نہ دیا، لہٰذا وہ گوشت پتھر ہو گیا۔ "

(دلائل النبوۃ "للبیہقی، باب ماجاء فی اللحم الذی صار حجرا ... إلخ، ج6، ص299، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

(19) بیہقی شعب الایمان میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((السخاء شجرة في الجنة فمن كان سخيا أخذ بغصن منها فلم يتركه الغصن حتى يدخله الجنة، والشح شجرة في النار، فمن كان شحيحا أخذ بغصن منها فلم يتركه الغصن حتى يدخله النار ")) سخاوت جنت میں ایک درخت ہے، جو سخی ہے، اُس نے اُسکی ٹہنی پکڑ لی ہے، وہ ٹہنی اُس کو نہ چھوڑے گی جب تک جنت میں داخل نہ کر لے اور بخل جہنم میں ایک درخت ہے، جو بخیل ہے، اُس نے اس کی ٹہنی پکڑ لی ہے، وہ ٹہنی اُسے جہنم میں داخل کیے بغیر نہ چھوڑے گی۔ "

(شعب الایمان"، باب فی الجود والسخاء، الحدیث 10377، ج13، ص309، دار السلفیہ، ہند)

(20) رزین نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی: ((بادروا بالصدقة فإن البلاء لا يتخطاها)) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" : صدقہ میں جلدی کرو کہ بَلا صدقہ کو نہیں پھلانگتی۔ "

(مشکاۃ المصابیح"، کتاب الزکاۃ، باب الانفاق وکراہیۃ الأ مساک، الحدیث 1887، ج1، ص591، المکتب الاسلامی، بیروت)

(21) صحیحین میں حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

((على كل مسلم صدقة قالوا :فإن لم يجد؟ قال:فيعمل بيديه فينفع نفسه ويتصدق قالوا :فإن لم يستطع أو لم يفعل؟ قال:فيعين ذا الحاجة الملهوف قالوا :فإن لم يفعل؟ قال :فيأمر بالخير أو قال:

بالمعروف قال :فإن لم يفعل؟ قال:فيمسك عن الشر فإنه له صدقة)) ہر مسلمان پر صدقہ ہے۔لوگوں نے عرض کی، اگر نہ پائے؟ فرمایا :اپنے ہاتھ سے کام کرے، اپنے کو نفع پہنچائے اور صدقہ بھی دے۔عرض کی، اگر اس کی استطاعت نہ ہو یا نہ کرے؟ فرمایا: صاحبِ حاجت پریشان کی اعانت کرے۔عرض کی، اگر یہ بھی نہ کرے؟ فرمایا: نیکی کا حکم کرے۔عرض کی، اگر یہ بھی نہ کرے؟ فرمایا: شر سے باز رہے کہ یہی اُس کے لیے صدقہ ہے۔"

(صحیح البخاری"،کتاب الأدب، باب کل معروف صدقۃ، الحدیث6022، ج8،ص11، دارطوق النجاۃ)

(22) صحیحین میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی، حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:((تعدل بين الاثنين صدقة، وتعين الرجل في دابته فتحمله عليها، أو ترفع له عليها متاعه صدقة قال: والكلمة الطيبة صدقة، وكل خطوة تمشيها إلى الصلاة صدقة، وتميط الأذى عن الطريق صدقة)) دو شخصوں میں عدل کرنا صدقہ ہے، کسی کو جانور پر سوار ہونے میں مدد دینا یا اُس کا اسباب اُٹھا دینا صدقہ ہے اور اچھی بات صدقہ ہے اور جو قدم نماز کی طرف چلے گا صدقہ ہے، راستہ سے اذیت کی چیز دور کرنا صدقہ ہے۔

(صحیح مسلم"،کتاب الزکاۃ، باب بیان أن اسم الصدقۃ یقع ...إلخ، الحدیث1009، ج 2،ص699، داراحیاء التراث العربی، بیروت)

(23) صحیح بخاری و مسلم میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ((ما من مسلم يغرس غرسا، أو يزرع زرعا، فيأكل منه طير، أو إنسان، أو بهيمة، إلا كان له به صدقة)) جو مسلمان درخت لگائے یا کھیت بوئے، اُس میں سے کسی آدمی یا پرند یا چوپایہ نے کھایا، وہ سب اُس کے لیے صدقہ ہے۔"

(صحیح مسلم"،کتاب المساقاۃ والمزارعۃ، باب فضل الغرس والزرع، الحدیث1553، ج3،ص1189، داراحیاء التراث العربی، بیروت)

(24) جامع ترمذی میں حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی، کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ((تبسمك في وجه أخيك لك صدقة، وأمرك بالمعروف ونهيك عن المنكر صدقة، وإرشادك الرجل في أرض الضلال لك صدقة، وبصرك للرجل الرديء البصر لك صدقة، وإماطتك الحجر والشوكة والعظم عن الطريق لك صدقة، وإفراغك من دلوك في دلو أخيك لك صدقة)) اپنے بھائی کے سامنے مسکرانا بھی صدقہ

ہے، نیک بات کا حکم کرنا بھی صدقہ ہے، بری بات [illegible] منع کرنا صدقہ ہے، راہ بھولے ہوئے کو راہ بتانا صدقہ ہے، کمزور نگاہ والے کی مدد کرنا صدقہ ہے، راستہ سے پتھر، کانٹا، ہڈی دور کرنا صدقہ ہے، اپنے ڈول میں سے اپنے بھائی کے ڈول میں پانی ڈال دینا صدقہ ہے۔

(جامع الترمذی"، أبواب البر والصلۃ، باب ماجاء فی صنائع المعروف، الحدیث 1956، ج 4، ص 339، موسسۃ الرسالہ، بیروت)

اسی کے مثل امام احمد و ترمذی نے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

(25) صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی، حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ((بینما رجل یمشی بطریق، وجد غصن شوك علی الطریق فأخرہ فشكر اللہ لہ، فغفر لہ)) ایک درخت کی شاخ بیچ راستہ پر تھی، ایک شخص گیا اور کہا: میں اُس کو مسلمانوں کے راستہ سے دُور کردوں گا کہ اُن کو ایذا نہ دے، وہ جنت میں داخل کردیا گیا۔ (صحیح مسلم"، کتاب الامارۃ، باب بیان الشہداء، الحدیث 1914، ج 3، ص 1521، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

(26) ابوداود و ترمذی حضرت ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ((أیما مسلم كسا مسلما ثوبا علی عری، كساہ اللہ من خضر الجنۃ، وأیما مسلم أطعم مسلما علی جوع، أطعمہ اللہ من ثمار الجنۃ، وأیما مسلم سقی مسلما علی ظمإ سقاہ اللہ من الرحیق المختوم)) جو مسلمان کسی مسلمان ننگے کو کپڑا پہنا دے، اللہ تعالیٰ اُسے جنت کے سبز کپڑے پہنائے گا اور جو مسلمان کسی بھوکے مسلمان کو کھانا کھلائے، اللہ تعالیٰ اُسے جنت کے پھل کھلائے گا اور جو مسلمان کسی پیاسے مسلمان کو پانی پلائے، اللہ تعالیٰ اُسے رحیقِ مختوم (یعنی جنت کی شراب سربند) پلائے گا۔ (سنن أبی داود"، کتاب الزکاۃ، باب فی فضل سقی الماء، الحدیث 1682، ج 2، ص 130، المکتبۃ العصریۃ، بیروت)

(27) امام احمد و ترمذی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ((ما من مسلم كسا مسلما ثوبا إلا كان فی حفظ من اللہ ما دام منہ علیہ خرقۃ)) جو مسلمان کسی مسلمان کو کپڑا پہنا دے تو جب تک اُس میں کا اُس شخص پر ایک پیوند بھی رہے گا، یہ اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں رہے گا۔"

(جامع الترمذی"، أبواب صفۃ القیامۃ، باب ماجاء فی ثواب من کسا مسلما، الحدیث 2484، ج 4، ص 651، مصطفی البابی الحلبی، مصر)

(28) ترمذی و ابن حبان حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ((إن

الصدقة لتطفیء غضب الرب وتدفع میتة السوء)) صدقہ رب العزت کے غضب کو بجھا تا ہے اور بُری موت کو دفع کرتا ہے۔ نیز اس کے مثل ابوبکر صدیق و دیگر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنھم سے مروی۔

(جامع الترمذی"، أبواب الزکاۃ، باب ماجاء فی فضل الصدقۃ، الحدیث 664، ج3، ص43، مصطفی البابی الحلبی، مصر)

(29) ترمذی نے بافادہ تصحیح ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی ((أنھم ذبحوا شاۃ فقال النبی صلی اللہ علیه وسلم :ما بقی منھا ؟ قالت:ما بقی منھا إلا کتفھا قال :بقی کلھا غیر کتفھا)) لوگوں نے ایک بکری ذبح کی تھی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اس میں سے کیا باقی رہا؟ عرض کی، سوا شانہ کے کچھ باقی نہیں، ارشاد فرمایا: شانہ کے سوا سب باقی ہے۔" (جامع الترمذی"، أبواب صفۃ القیامۃ ... إلخ، الحدیث 2470، ج4، ص644، مصطفی البابی الحلبی، مصر)

(30) ابوداود و ترمذی و نسائی و ابن خزیمہ و ابن حبان حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی، کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ((ثلاثة یحبھم اللہ عز وجل، وثلاثة یبغضھم اللہ عز وجل، أما الذین یحبھم اللہ عز وجل :فرجل أتی قوما فسألھم باللہ عز وجل، ولم یسألھم بقرابة بینه وبینھم، فمنعوہ فتخلفه رجل بأعقابھم فأعطاہ سرا لا یعلم بعطیته إلا اللہ عز وجل، والذی أعطاہ وقوم ساروا لیلتھم حتی إذا کان النوم أحب إلیھم مما یعدل به، نزلوا فوضعوا رء وسھم، فقام یتملقنی، ویتلو آیاتی، ورجل کان فی سریة فلقوا العدو فھزموا، فأقبل بصدرہ حتی یقتل أو یفتح اللہ له والثلاثة :الذین یبغضھم اللہ عز وجل :الشیخ الزانی، والفقیر المختال، والغنی الظلوم)) تین شخصوں کو اللہ عزوجل محبوب رکھتا ہے اور تین شخصوں کو مبغوض۔ جن کو اللہ عزوجل محبوب رکھتا ہے، ان میں ایک یہ ہے کہ ایک شخص کسی قوم کے پاس آیا اور اُن سے اللہ عزوجل کے نام پر سوال کیا، اس قرابت کے واسطے سے سوال نہ کیا، جو سائل اور قوم کے درمیان ہے، انہوں نے نہ دیا، اُن میں سے ایک شخص چلا گیا اور سائل کو چھپا کر دیا کہ اس کو اللہ عزوجل جانتا ہے اور وہ شخص جس کو دیا اور کسی نے نہ جانا۔ اور ایک قوم رات بھر چلی، یہاں تک کہ جب اُنھیں نیند ہر چیز سے زیادہ پیاری ہوگئی، سب نے سر رکھ دیے (یعنی سو گئے)، اُن میں سے ایک شخص کھڑا ہو کر دُعا کرنے لگا اور اللہ (عزوجل) کی آیتیں پڑھنے لگا۔ اور ایک شخص لشکر میں تھا، دشمن سے مقابلہ ہوا اور ان کو شکست ہوئی، اُس شخص نے اپنا سینہ آگے کر دیا، یہاں تک کہ قتل کیا جائے یا فتح ہو۔ اور وہ تین جنھیں اللہ (عزوجل) ناپسند فرماتا

ہے۔ایک بوڑھا زناکار، دوسرا فقیر متکبر، تیسرا مالدار ظالم۔"

(سنن النسائی"، کتاب الزکاۃ، باب ثواب من یعطی، الحدیث2570، ج5، ص84، المطبوعات الاسلامیہ، بیروت)

(31)ترمذی نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ((لما خلق الله الأرض جعلت تميد، فخلق الجبال، فقال بها عليها فاستقرت، فعجبت الملائكة من شدة الجبال. قالوا: يا رب هل من خلقك شيء أشد من الجبال؟ قال: نعم الحديد. قالوا: يا رب فهل من خلقك شيء أشد من الحديد؟ قال: نعم النار. فقالوا: يا رب فهل من خلقك شيء أشد من النار؟ قال: نعم الماء. قالوا: يا رب فهل من خلقك شيء أشد من الماء؟ قال: نعم الريح. قالوا: يا رب فهل من خلقك شيء أشد من الريح؟ قال: نعم ابن آدم، تصدق بصدقة بيمينه يخفيها من شماله)) جب اللہ عزوجل نے زمین پیدا فرمائی تو اُس نے ہلنا شروع کیا تو پہاڑ پیدا فرما کر اس پر نصب فرما دیے اب زمین ٹھہر گئی، فرشتوں کو پہاڑ کی سختی دیکھ کر تعجب ہوا، عرض کی، اے پروردگار! تیری مخلوق میں کوئی ایسی شے ہے کہ وہ پہاڑ سے زیادہ سخت ہے؟ فرمایا: ہاں، لوہا۔ عرض کی، اے رب عزوجل! لوہے سے زیادہ سخت کوئی چیز ہے؟ فرمایا: ہاں، آگ۔ عرض کی، آگ سے بھی زیادہ کوئی سخت ہے؟ فرمایا: ہاں، پانی۔ عرض کی، پانی سے بھی زیادہ سخت کچھ ہے؟ فرمایا: ہاں ہوا۔ عرض کی، ہوا سے بھی زیادہ سخت کوئی شے ہے؟ فرمایا: ہاں، ابنِ آدم کہ دہنے ہاتھ سے صدقہ کرتا ہے اور اُسے بائیں ہاتھ سے چھپاتا ہے۔"

(جامع الترمذی"، أبواب تفسیر القرآن، باب فی حکمۃ خلق الجبال ... إلخ، الحدیث3369، ج5، ص454، مصطفی البابی الحلبی، مصر)

(32)نسائی نے حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((ما من عبد مسلم ينفق من كل مال له زوجين في سبيل الله، إلا استقبلته حجبة الجنة كلهم يدعوه إلى ما عنده قلت: وكيف ذلك؟ قال: إن كانت إبلا، فبعيرين، وإن كانت بقرا، فبقرتين)) جو مسلمان اپنے کُل مال سے اللہ عزوجل کی راہ میں جوڑا خرچ کرے، جنت کے دربان اس کا استقبال کریں گے۔ ہر ایک اُسے اُس کی طرف بلائے گا، جو اُس کے پاس ہے۔ میں نے عرض کی، اس کی کیا صورت ہے؟ فرمایا: اگر اُونٹ دے تو دو اُونٹ اور گائے دے تو دو گائیں۔"

(سنن النسائی، کتاب الجہاد، باب فضل النفقۃ فی سبیل اللہ تعالیٰ، الحدیث3185، ج6، ص48، المطبوعات الاسلامیہ، حلب)

(33) امام احمد و ترمذی و ابن ماجہ حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((والصدقة تطفیء الخطیئة کما یطفیء الماء النار)) "صدقہ خطا کو ایسے دور کرتا ہے جیسے پانی آگ کو بجھاتا ہے۔

(جامع الترمذی"، أبواب الإیمان، باب ماجاء فی حرمة الصلاة، الحدیث 2616، ج5، ص11، مصطفی البابی الحلبی، مصر)

(34) امام احمد بعض صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((إِنَّ ظِلَّ الْمُؤْمِنِ یَوْمَ الْقِیَامَةِ صَدَقَتُهُ)) مسلمان کا سایہ قیامت کے دن اُس کا صدقہ ہوگا۔"

("المسند" للإمام أحمد بن حنبل، حدیث رجل من اصحاب النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، الحدیث 18043 ج29، ص579، موسسة الرسالہ، بیروت)

(35) صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہ اور حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ((خیر الصدقة ما کان عن ظهر غنی، وابدأ بمن تعول)) بہتر صدقہ وہ ہے کہ پُشتِ غنیٰ سے ہو یعنی اُس کے بعد تونگری باقی رہے اور ان سے شروع کرو جو تمھاری عیال میں ہیں یعنی پہلے اُن کو دو پھر اوروں کو۔

(صحیح البخاری"، کتاب الزکاة، باب لاصدقة إلاعن ظهر غنی، الحدیث 1426، ج1، ص 112، دار طوق النجاة)

(36) حضرت ابو مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے صحیحین میں مروی، کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((إذا أنفق المسلم نفقة علی أهله، وهو یحتسبها، کانت له صدقة)) مسلمان جو کچھ اپنے اہل پر خرچ کرتا ہے، اگر ثواب کے لیے ہے تو یہ بھی صدقہ ہے۔" (صحیح البخاری"، کتاب النفقات، باب فضل النفقة علی الأهل ... إلخ، الحدیث 5351، ج7، ص62، دار طوق النجاة)

(37) حضرت زینب زوجہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے صحیحین میں مروی ہے، فرماتی ہیں: میں نے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا: ((سَلْ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيَجْزِي عَنِّي أَنْ أُنْفِقَ عَلَيْكَ وَعَلَى أَيْتَامٍ فِي حَجْرِي مِنَ الصَّدَقَةِ؟ فَقَالَ: سَلِي أَنْتِ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَانْطَلَقْتُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَوَجَدْتُ امْرَأَةً مِنَ الْأَنْصَارِ عَلَى الْبَابِ، حَاجَتُهَا مِثْلُ حَاجَتِي، فَمَرَّ عَلَيْنَا بِلَالٌ، فَقُلْنَا: سَلِ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيَجْزِي عَنِّي أَنْ أُنْفِقَ عَلَى زَوْجِي، وَأَيْتَامٍ لِي فِي حَجْرِي؟ وَقُلْنَا: لَا تُخْبِرْ بِنَا، فَدَخَلَ فَسَأَلَهُ، فَقَالَ: مَنْ هُمَا؟ قَالَ: زَيْنَبُ، قَالَ: أَيُّ الزَّيَانِبِ؟ قَالَ: امْرَأَةُ عَبْدِ اللَّهِ، قَالَ: نَعَمْ، لَهَا أَجْرَانِ، أَجْرُ الْقَرَابَةِ وَأَجْرُ الصَّدَقَةِ)) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کریں کہ میرا آپ پر اور میری گود میں جو یتیم ہیں ان پر خرچ کرنا کیا میری

طرف سے بطورِ صدقہ کے کفایت کرتا ہے؟ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: آپ خود ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ لیں۔ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف چلی، میں نے دروازے پر انصار کی ایک عورت دیکھی اُن کی حاجت بھی میری حاجت کی مثل تھی، ہمارے پاس سے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ گزرے، ہم نے عرض کیا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کریں کہ کیا میری طرف سے کافی ہوسکتا ہے کہ میں اپنے شوہر اور یتیم بچے جو پرورش میں ہیں ان پر خرچ کروں اور ہم نے یہ بھی عرض کیا کہ ہمارے بارے میں نہ بتایئے گا، حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ داخل ہوئے اور سوال کیا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ دونوں کون ہیں؟ جواب دیا: (ان میں سے ایک) زینب (ہے)، فرمایا: کون سی زینب؟ جواب دیا: حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زوجہ۔ ارشاد فرمایا: جی ہاں، ان کو دینے میں دُونا اجر ہے، ایک اجرِ قرابت اور ایک اجرِ صدقہ۔ "

(صحیح بخاری، باب الزکوۃ علی الزوج والایتام فی الحجر، ج 2، ص 121، دار طوق النجاۃ ☆ '' صحیح مسلم ''، کتاب الزکاۃ، باب فضل النفقۃ والصدقۃ ... الخ، الحدیث 1000، ج 2، ص 694، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

(38) امام احمد و ترمذی و ابن ماجہ و دارمی حضرت سلیمان بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((الصدقة علی المسکین صدقة، وھی علی ذی الرحم ثنتان :صدقة وصلة)) مسکین کو صدقہ دینا، صرف صدقہ ہے اور رشتہ والے کو دینا، صدقہ بھی ہے اور صلہ رحمی بھی۔ "

("جامع الترمذی"، ابواب الزکاۃ، باب ما جاء فی الصدقۃ علی ذی القرابۃ، الحدیث 658، ج 3، ص 38، مصطفی البابی الحلبی، مصر)

(39) امام بخاری و مسلم حضرت ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ((إذا أنفقت المرأة من طعام بیتھا غیر مفسدة کان لھا أجرھا بما أنفقت، ولزوجھا أجرہ بما کسب، وللخازن مثل ذلك، لا ینقص بعضھم أجر بعض شیئا)) گھر میں جو کھانے کی چیز ہے، اگر عورت اُس میں سے کچھ دیدے مگر ضائع کرنے کے طور پر نہ ہو تو اُسے دینے کا ثواب ملے گا اور شوہر کو کمانے کا ثواب ملے گا اور خازن (بھنڈاری) کو بھی اتنا ہی ثواب ملے گا۔ ایک کا اجر دوسرے کے اجر کو کم نہ کریگا۔

(" صحیح البخاری"، کتاب الزکاۃ، باب من أمر خادمہ ... الخ، الحدیث 1425، ج 2، ص 112، دار طوق النجاۃ)

یعنی اس صورت میں کہ جہاں ایسی عادت جاری ہو کہ عورتیں دیا کرتی ہوں اور شوہر منع نہ کرتے ہوں اور اُسی

حدتک جو عادت کے موافق ہے مثلاً روٹی دو روٹی، جیسا کہ ہندوستان میں عموماً رواج ہے اور اگر شوہر نے منع کر دیا ہو یا وہاں کی ایسی عادت نہ ہو تو بغیر اجازت عورت کو دینا جائز نہیں۔ (بہار شریعت، ج1 ،حصہ 5،ص،مکتبۃ المدینہ،کراچی)

(40) ترمذی میں حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی، کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ حجۃ الوداع میں فرمایا: ((لا تنفق امرأة شيئامن بيت زوجها إلا بإذن زوجها، قيل:يا رسول الله، ولا الطعام، قال:ذاك أفضل أموالنا)) عورت شوہر کے گھر سے بغیر اجازت کچھ نہ خرچ کرے۔عرض کی گئی، کھانا بھی نہیں؟ فرمایا: یہ تو بہت اچھا مال ہے۔ ("جامع الترمذی"، أبواب الزکاۃ، باب ماجاء فی نفقۃ المرأۃ من بیت زوجھا،الحدیث 670 : ،ج3،ص48،مصطفی البابی الحلبی،مصر)

(41) صحیحین میں حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((الخازن المسلم الأمين، الذي ينفذ -وربما قال :يعطي -ما أمر به كاملا موفرا طيبا به نفسه فيدفعه إلى الذي أمر له به أحد المتصدقين)) خازن مسلمان امانت دار کہ جو اُسے حکم دیا گیا، پورا پورا اُس کو دے دیتا ہے، وہ دو صدقہ دینے والوں میں کا ایک ہے۔("صحیح البخاری"،کتاب الزکاۃ، باب اجر الخادم ...إلخ، الحدیث 1438 : ،ج2،ص114،دار طوق النجاۃ)

(42) حاکم اور طبرانی اوسط میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ((وإن الله عز وجل ليدخل بلقمة الخبز، وقبضة التمر، ومثله مما ينتفع به المسكين ثلاثة الجنة :رب البيت الآمر به والزوجة تصلحه، والخادم الذي يناول المسكين، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم :الحمد لله الذي لم ينس خدمنا)) "ایک لقمہ روٹی اور ایک مُٹھی خرما اور اس کی مثل کوئی اور چیز جس سے مسکین کو نفع پہنچے۔اُن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ تین شخصوں کو جنت میں داخل فرماتا ہے۔ایک صاحب خانہ جس نے حکم دیا، دوسری زوجہ کہ اسے تیار کرتی ہے، تیسرے خادم جو مسکین کو دے آتا ہے پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حمد ہے اللہ عزوجل کے لیے جس نے ہمارے خادموں کو بھی نہ چھوڑا۔" ("المعجم الأوسط"، باب المیم، الحدیث 5309،ج5،ص278،دار الحرمین،قاہرہ)

(43) ابن ماجہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنھما سے راوی، کہتے ہیں کہ ((خطبنا رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال:يا أيها الناس توبوا إلى الله قبل أن تموتوا، وبادروا بالأعمال الصالحة قبل أن تشغلوا، وصلوا الذي بينكم وبين ربكم بكثرة ذكركم له، وكثرة الصدقة في السر والعلانية، ترزقوا وتنصروا

وتجبروا)) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ میں فرمایا: اے لوگو! مرنے سے پہلے اللہ عزوجل کی طرف رجوع کرو اور مشغولی سے پہلے اعمال صالحہ کی طرف سبقت کرو اور پوشیدہ وعلانیہ صدقہ دے کر اپنے اور اپنے رب کے درمیان تعلقات کو ملاؤ تو تمھیں روزی دی جائے گی اور تمھاری مدد کی جائے گی اور تمھاری شکستگی دُور کی جائے گی۔

("سنن ابن ماجه"، أبواب إقامة الصلوات، باب في فرض الجمعة، الحديث 1081، ج1، ص343، دار احياء الكتب العربية، مصر)

(44) صحیحین میں حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ((ما منكم من أحد إلا سيكلمه الله، ليس بينه وبينه ترجمان، فينظر أيمن منه فلا يرى إلا ما قدم، وينظر أشأم منه فلا يرى إلا ما قدم، وينظر بين يديه فلا يرى إلا النار تلقاء وجهه، فاتقوا النار ولو بشق تمرة)) تم میں ہر شخص سے اللہ عزوجل کلام فرمائے گا، اس کے اور اللہ تعالٰی کے مابین کوئی ترجمان نہ ہوگا، وہ اپنی دہنی طرف نظر کریگا تو جو کچھ پہلے کر چکا ہے، دکھائی دے گا، پھر بائیں طرف دیکھے گا تو وہی دیکھے گا، جو پہلے کر چکا ہے، پھر اپنے سامنے نظر کریگا تو مونھ کے سامنے آگ دکھائی دے گی تو آگ سے بچو، اگرچہ کھجور کا ایک ٹکڑا دے کر۔

(صحیح مسلم"، کتاب الزکاۃ، باب الحث علی الصدقۃ ...إلخ، الحدیث 1016، ج2، ص703، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

اور اسی کے مثل حضرت عبداللہ بن مسعود وصدیق اکبر وأم المومنین صدیقہ وانس وابو ہریرہ وابوامامہ ونعمان بن بشیر وغیرہم صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنھم سے مروی ہے۔

(45) ابو یعلٰی حضرت جابر اور ترمذی حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالٰی عنھما سے راوی، کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((والصدقة تطفىء الخطيئة كما يطفىء الماء النار)) صدقہ خطا کو ایسے بجھاتا ہے جیسے پانی آگ کو۔"

(جامع الترمذی"، أبواب الإیمان، باب ماجاء فی حرمۃ الصلاۃ، الحدیث 2616، ج5، ص11، مصطفی البابی الحلبی، مصر)

(46) امام احمد وابن خزیمہ وابن حبان وحاکم حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ((كُلُّ امْرِءٍ فِي ظِلِّ صَدَقَتِهِ حَتَّى يُفْصَلَ بَيْنَ النَّاسِ -أَوْ قَالَ: يُحْكَمَ بَيْنَ النَّاسِ)) ہر شخص قیامت کے دن اپنے صدقہ کے سایہ میں ہوگا، اُس وقت تک کہ لوگوں کے درمیان فیصلہ ہو جائے۔"

(المسند" للإمام أحمد بن حنبل، مسند الشامیین، حدیث عقبۃ بن عامر، الحدیث 17333 ج28 ص568، موسسۃ الرسالہ، بیروت)

(47)اور طبرانی کی روایت میں یہ بھی ہے کہ((إن الصدقة لتطفىء من حر القبور))صدقہ قبر کی حرارت کو دفع کرتا ہے۔

(المعجم الکبیر، الحدیث 787، ج17، ص286، مکتبہ ابن تیمیہ، قاہرہ)

(48)طبرانی و بیہقی حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرسلاً راوی، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:((یروی ذلك عن ربه عز وجل أنه یقول:یا ابن آدم، أودع من کنزك عندی لا حرق، ولا غرق، ولا سرق أوفیکه أحوج ما تکون إلیه))رب عزوجل فرماتا ہے: اے ابنِ آدم! اپنے خزانہ میں سے میرے پاس کچھ جمع کر دے، نہ جلے گا، نہ ڈوبے گا، نہ چوری جائے گا۔ تجھے میں پورا دوں گا، اُس وقت کہ تو اُس کا زیادہ محتاج ہوگا۔

("شعب الإیمان"، باب في الزکاۃ، التحریض علی صدقۃ التطوع، الحدیث 3071، ج5، ص45، دار السلفیہ، ہند)

(49)امام احمد و بزار و طبرانی و ابن خزیمہ و حاکم و بیہقی حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اور بیہقی حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی، کہ:((ما یخرج رجل شیئا من الصدقة حتی یفك عنها لحیی سبعین شیطانا))آدمی جب کچھ بھی صدقہ نکالتا ہے تو ستّر شیطان کے جبڑے چیر کر نکلتا ہے۔"

("المسند" للإمام أحمد بن حنبل، حدیث بریدۃ الأسلمی، الحدیث 22962، ج38، ص60، موسسۃ الرسالہ، بیروت)

(50)طبرانی نے حضرت عمرو بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:((إِنَّ صَدَقَةَ الْمُسْلِمِ تَزِيدُ فِي الْعُمُرِ، وتَمْنَعُ مِيتَةَ السَّوْءِ وَيُذْهِبُ اللهُ بِهَا الْكِبْرَ وَالْفَخْرَ))مسلمان کا صدقہ عمر میں زیادتی کا سبب ہے اور بُری موت کو دفع کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے تکبر و فخر کو دور فرما دیتا ہے۔

(المعجم الکبیر"، الحدیث 31، ج17، ص22، مکتبہ ابن تیمیہ، قاہرہ)

(51)طبرانی کبیر میں حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:((الصَّدَقَةُ تَسُدُّ سَبْعِينَ بَابًا مِنَ السُّوءِ))صدقہ بُرائی کے ستّر دروازوں کو بند کر دیتا ہے۔

(المعجم الکبیر"، الحدیث 4402، ج4، ص274، مکتبہ ابن تیمیہ، قاہرہ)

(52)ترمذی و ابن خزیمہ و ابن حبان و حاکم حارث اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:((إن الله أمر یحیی بن زکریا بخمس کلمات أن یعمل بها ویأمر بنی إسرائیل أن یعملوا

بها، وإنه كاد أن يبطء بها، فقال عيسى :إن الله أمرك بخمس كلمات لتعمل بها وتأمر بنی إسرائیل أن یعملوا بها..... آمركم بالصدقة فإن مثل ذلك كمثل رجل أسره العدو، فأوثقوا يده إلى عنقه وقدموه ليضربوا عنقه، فقال :أنا أفديه منكم بالقليل والكثير، ففدى نفسه منهم)) اللہ عزوجل نے یحییٰ بن زکریا علیہما الصلوٰۃ والسلام کو پانچ باتوں کی وحی بھیجی کہ خود عمل کریں اور بنی اسرائیل کو حکم فرمائیں کہ وہ ان پر عمل کریں۔ ان میں ایک یہ ہے کہ اس نے تمھیں صدقہ کا حکم فرمایا ہے اور اس کی مثال ایسی ہے جیسے کسی کو دشمن نے قید کیا اور اس کا ہاتھ گردن سے ملا کر باندھ دیا اور اُسے مارنے کے لیے لائے، اُس وقت تھوڑا بہت جو کچھ تھا، سب کو دے کر اپنی جان بچائی۔"

(جامع الترمذی"، أبواب الأمثال، باب ماجاء فی مثل الصلاۃ والصیام والصدقۃ، الحدیث 2863، ج5، ص148، مصطفی البابی الحلبی، مصر)

(53) ابن خزیمہ وابن حبان وحاکم حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی، کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((من جمع مالا حراما ثم تصدق به لم يكن له فيه أجر، وكان إصره عليه)) جس نے حرام مال جمع کیا پھر اُسے صدقہ کیا تو اُس میں اُس کے لیے کچھ ثواب نہیں، بلکہ گناہ ہے۔"

("الإحسان بترتیب صحیح ابن حبان"، کتاب الزکاۃ، باب التطوع، الحدیث 3367، ج5، ص153، موسسۃ الرسالہ، بیروت)

(54) ابوداود وابن خزیمہ وحاکم حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی، انہوں نے عرض کی: ((يَا رَسُولَ اللّٰهِ أَيُّ الصَّدَقَةِ أَفْضَلُ؟ قَالَ: جُهْدُ الْمُقِلِّ)) یارسول اللہ (عزوجل وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم!) کونسا صدقہ افضل ہے؟ فرمایا: کم مایہ شخص کا کوشش کر کے صدقہ دینا۔"

(سنن أبی داود"، کتاب الزکاۃ، باب الرخصۃ فی ذلک، الحدیث 1677، ج2، ص129، المکتبۃ العصریۃ، بیروت)

(55) نسائی وابن خزیمہ وابن حبان حضرت ابو ہریرہ سے راوی، کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((سبق درهم مائة ألف، فقال رجل :وكيف ذاك يا رسول الله، قال: رجل له مال كثير أخذ من عرضه مائة ألف، فتصدق بها، ورجل ليس له إلا درهمان فأخذ أحدهما فتصدق به)) ایک درہم لاکھ درہم سے بڑھ گیا۔" کسی نے عرض کی، یہ کیونکر یارسول اللہ (عزوجل وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)؟ فرمایا: ایک شخص کے پاس مالِ کثیر ہے، اُس نے اُس میں

سے لاکھ درہم لے کر صدقہ کیے اور ایک شخص کے پاس صرف دو ہیں، اُس نے اُن میں سے ایک کو صدقہ کر دیا۔

("الإحسان بترتیب صحیح ابن حبان"، کتاب الزکاۃ، باب صدقۃ التطوع، الحدیث 3347، ج8، ص135، موسسۃ الرسالۃ، بیروت)

باب نمبر 456

مَا جَاءَ فِي حَقِّ السَّائِلِ

سائل کا حق

663۔حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ قَالَ :حَدَّثَنَا اللَّيْثُ بْنُ سَعْدٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي سَعِيدٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ بُجَيْدٍ، عَنْ جَدَّتِهِ أُمِّ بُجَيْدٍ، وَكَانَتْ مِمَّنْ بَايَعَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَنَّهَا قَالَتْ :يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِنَّ الْمِسْكِينَ لَيَقُومُ عَلَى بَابِي فَمَا أَجِدُ لَهُ شَيْئًا أُعْطِيهِ إِيَّاهُ، فَقَالَ لَهَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :إِنْ لَمْ تَجِدِي لَهُ شَيْئًا تُعْطِيهِ إِيَّاهُ إِلَّا ظِلْفًا مُحْرَقًا فَادْفَعِيهِ إِلَيْهِ فِي يَدِهِ وَفِي الْبَابِ عَنْ عَلِيٍّ، وَحُسَيْنِ بْنِ عَلِيٍّ، وَأَبِي هُرَيْرَةَ، وَأَبِي أُمَامَةَ قَالَ ابوعيسىٰ: حَدِيثُ أُمِّ بُجَيْدٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

حضرت ام بجید رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے اور یہ اُن میں سے ہیں جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بیعت کی تھی ،انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! ایک مسکین میرے دروازے پر آ کر کھڑا ہوتا ہے میرے پاس اس کو دینے کے لیے کچھ نہیں ہوتا (یعنی اس صورت حال میں مَیں کیا کروں؟)۔تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اگر تم کوئی ایسی چیز نہ پاؤ جو اسے دو سوائے جلائے گئے سینگ کے تو وہی اس کے ہاتھ میں دے دو۔

اس باب میں حضرت علی ،حضرت حسین بن علی ،حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے بھی روایات مذکور ہیں۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی نے فرمایا: حضرت ام بجید رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث حسن صحیح ہے۔

شرح حدیث

علامہ علی بن سلطان محمد القاری حنفی فرماتے ہیں:

((مسکین)) یہاں جنس مسکین مراد ہے کوئی خاص مسکین مراد نہیں اور الف لام عہد کا بھی احتمال رکھتا ہے۔

((میرے دروزے پر کھڑا ہو جاتا ہے)) یعنی مجھ سے سوال کرتا ہے اور اپنے سوال کی مجھ سے تکرار کرتا ہے۔

((یہاں تک کہ مجھے حیا آجاتی ہے)) اور اس وجہ سے کہ دروازے پر کھڑا ہونا حیا کا دروزہ کھولتا ہے اور حیا کی تلوار اسے عطا لینے سے محروم کر دیتی ہے، ہمارے دور کے بعض فقراء لوگوں کے دروزوں پر سوال کرتے ہیں اور کہتے ہیں: یافتاح، یارزّاق، اور کسی کے دروازے پر کھڑے نہیں ہوتے۔

((اس کے ہاتھ میں کچھ رکھ دو)) یعنی اسے خالی ہاتھ مت لوٹاؤ۔

((اگرچہ کھر ہو)) یعنی اگرچہ جو اسے دیا جائے وہ کھر ہو، کھر گائے، بکری اور ہرنی کا ہوتا ہے.... یہاں سستی اور ہلکی چیز دینا مراد ہے۔

((جلا ہوا)) یہ مبالغۃ کے طور پر فرمایا، یعنی اگرچہ جلا ہوا کھر ہو، وہی دے دو مگر خالی ہاتھ نہ لوٹاؤ۔

(مرقاۃ المفاتیح، باب الانفاق وکراہیۃ الامساک، ج4، ص1330، دار الفکر، بیروت)

جلے ہوئے کھر کو بیان کرنے کی وجوہات

علامہ محمود بدر الدین عینی حنفی فرماتے ہیں:

علماء نے اس کی تاویل میں اختلاف کیا ہے:

(1) ایک قول یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مبالغہ کے لیے اسے مثال کے طور پر بیان فرمایا ہے جیسا کہ حدیث پاک میں ہے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((مَنْ بَنَی لِلّٰہِ مَسْجِدًا وَلَوْ کَمَفْحَصِ قَطَاۃٍ لِبَیْضِہَا بَنَی اللہُ لَہُ بَیْتًا فِی الْجَنَّۃِ")) ترجمہ: جو اللہ عزوجل کے لئے مسجد بنائے اگرچہ وہ چڑیا کے انڈوں کے گھونسلے کی مثل ہو تو اللہ عزوجل اس کے لئے جنت میں گھر بنائے گا۔ (مسند احمد بن حنبل، مسند عبد اللہ بن عباس، ج4، ص54، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت)

(2) اور ایک قول یہ ہے کہ جلا ہوا کھر اہل عرب کے نزدیک وقعت رکھتا ہے کہ وہ اسے رگڑتے ہیں اور ہانڈی میں ڈالتے ہیں۔ (شرح ابی داؤد للعینی، باب حق السائل، ج6،ص421،مکتبۃ الرشد، ریاض)

یادرہے یہاں سائل سے مراد وہ ہے جو اہل ہو، اس کی پہچان ماقبل میں بیان ہوئی ہے، مختصر یہ کہ مانگنے والے تین طرح کے ہیں:

(1) ایک غنی جیسے جوگی اور سادھو بچے، انہیں سوال کرنا حرام اور انہیں دینا حرام، اور اگر زکوۃ کا پیسہ ان کو دیا تو ان کے دینے سے زکوۃ ادا نہیں ہوسکتی، فرض سر پر باقی رہے گا۔

(2) دوسرے وہ جو واقع میں فقیر ہیں قدرِ نصاب کے مالک نہیں، مگر قوی وتندرست ہیں، کمانے پر قادر ہیں اور سوال کسی ایسی ضرورت کے لئے نہیں جو ان کے کسب سے باہر ہو، کوئی حرفت یا مزدوری نہیں کی جاتی مفت کا کھانا کھانے کے عادی ہیں اور اس کے لئے بھیک مانگتے پھرتے ہیں، انہیں سوال کرنا حرام، اور جو کچھ انہیں اس سے ملے وہ ان کے حق میں خبیث انہیں بھیک دینا منع ہے کہ معصیت پر اعانت ہے، لوگ انہیں نہ دیں تو مجبور ہوں، کچھ محنت ومزدوی کریں، مگر ان کو زکوۃ کی رقم دی تو اس سے زکوۃ ادا ہو جائے گی جبکہ اور کوئی مانع شرعی نہ ہو کہ فقیر ہیں۔

(3) تیسرے وہ عاجز ناتواں کہ نہ مال رکھتے ہیں نہ کسب پر قدرت، یا جتنے کی حاجت ہے اتنا کمانے پر قادر نہیں، انہیں بقدرِ حاجت سوال حلال، اور اس سے جو کچھ ملے ان کے لئے طیب، اور یہ عمدہ مصارفِ زکوۃ سے ہیں اور انہیں دینا باعثِ اجرِ عظیم، یہی ہیں وہ جنہیں جھڑکنا حرام ہے۔

باب نمبر 457

مَا جَاءَ فِي إِعْطَاءِ الْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ

مؤلفۃ القلوب کو زکوۃ دینے کے بارے میں

664۔حَدَّثَنَا الحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ الخَلَّالُ قَالَ:حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ آدَمَ، عَنْ ابْنِ الْمُبَارَكِ، عَنْ يُونُسَ بْنِ يَزِيدَ، عَنْ الزُّهْرِيِّ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيِّبِ، عَنْ صَفْوَانَ بْنِ أُمَيَّةَ قَالَ:أَعْطَانِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ حُنَيْنٍ، وَإِنَّهُ لَأَبْغَضُ الخَلْقِ إِلَيَّ، فَمَا زَالَ يُعْطِينِي، حَتَّى إِنَّهُ لَأَحَبُّ الخَلْقِ إِلَيَّ

حضرت صفوان بن امیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے ،فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے غزوۂ حنین کے دن (مال) عطا فرمایا،حالانکہ اس وقت آپ میرے نزدیک مخلوق میں سب سے زیادہ مبغوض تھے،آپ مجھے مسلسل عطا فرماتے رہے یہاں تک کہ آپ میرے نزدیک مخلوق میں سب سے زیادہ محبوب ہو گئے۔

قال ابوعيسى:حَدَّثَنِي الحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ بِهَذَا أَوْ شِبْهِهِ فِي الْمُذَاكَرَةِ .وَفِي البَابِ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ

امام ابوعیسیٰ ترمذی نے فرمایا: مجھ سے یہ حدیث یا اس کی مانند حسن بن علی نے مذکراہ میں (باہم گفتگو کرتے ہوئے یا تکرار کرتے ہوئے) بیان کی۔اس باب میں حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی روایت موجود ہے۔

قال ابوعيسى:حَدِيثُ صَفْوَانَ رَوَاهُ مَعْمَرٌ، وَغَيْرُهُ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيِّبِ، أَنَّ صَفْوَانَ بْنَ أُمَيَّةَ قَالَ:أَعْطَانِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، وَكَأَنَّ هَذَا الحَدِيثَ أَصَحُّ وَأَشْبَهُ، إِنَّمَا هُوَ سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيِّبِ أَنَّ صَفْوَانَ ، "وَقَدْ اخْتَلَفَ أَهْلُ العِلْمِ فِي إِعْطَاءِ الْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ، فَرَأَى أَكْثَرُ أَهْلِ العِلْمِ:أَنْ لَا يُعْطَوْا، وَقَالُوا:إِنَّمَا كَانُوا قَوْمًا عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ

امام ابوعیسیٰ ترمذی نے فرمایا: (حضرت صفوان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی حدیث پاک کی ایک اور سند بھی ہے،جو کہ مرسل ہے اور وہ یہ ہے کہ) حدیثِ صفوان کو معمر وغیرہ نے زہری کے واسطہ کے ساتھ سعید بن مسیّب سے روایت کرتے ہیں ،وہ فرماتے ہیں:صفوان بن امیہ نے عرض کیا: رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے مجھے عطا فرمایا الخ،

اور گویا کہ یہ حدیث اصح واشبہ ہے ،کہ سعید بن مسیّب نے کہا کہ انّ صفوان الخ (یعنی سعید بن مسیّب نے حضرت صفوان سے براہ راست روایت کی ہے اور حضرت

يَتَأَلَّفُهُمْ عَلَى الإِسْلَامِ حَتَّى أَسْلَمُوا، وَلَمْ يَرَوْا أَنْ يُعْطَوُا الْيَوْمَ مِنَ الزَّكَاةِ عَلَى مِثْلِ هٰذَا الْمَعْنَى، وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ، وَأَهْلِ الْكُوفَةِ، وَغَيْرِهِمْ، وَبِهِ يَقُولُ أَحْمَدُ، وَإِسْحَاقُ وقَالَ بَعْضُهُمْ: مَنْ كَانَ الْيَوْمَ عَلَى مِثْلِ حَالِ هٰؤُلَاءِ وَرَأَى الإِمَامُ أَنْ يَتَأَلَّفَهُمْ عَلَى الإِسْلَامِ، فَأَعْطَاهُمْ جَازَ ذٰلِكَ وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ

صفوان سے ان کا سماع نہیں)۔

مؤلفۃ القلوب کو زکوۃ دینے میں علما کا اختلاف ہے ،اکثر علما فرماتے ہیں کہ نہ دی جائے ،وہ فرماتے ہیں کہ یہ وہ لوگ تھے جن کے دلوں کو عہد رسالت میں اسلام کے لیے نرم کیا جارہا تھا ، یہاں تک کہ وہ اسلام لے آئے ،مگر آج اس مقصد کے لیے زکوۃ نہ دی جائے ۔امام سفیان ثوری اور اہل کوفہ وغیرہم کا یہی قول ہے،امام احمد اور اسحاق بھی یہی کہتے ہیں ۔بعض علما کہتے ہیں کہ جو لوگ آج بھی اس حالت پر ہیں اور امام المسلمین کی رائے اُن کو زکوۃ دینے کے حق میں ہے تو دینا جائز ہے،امام شافعی کا یہی قول ہے۔

شرح حدیث

"مؤلفۃ قلوبہم" میں مؤلفۃ اسم مفعول ہے، اور قلوبہم اس کا نائب الفاعل، اس کے معنی بنیں گے وہ لوگ جن کے دل اسلام کی طرف مائل کیے گئے۔ ان سے مراد وہ کفار ومشرکین ہیں جنہیں اسلام کی طرف مائل کرنے کے لیے زکوۃ دی جائے یا وہ نومسلم جنہیں اسلام پر ثابت قدم رہنے کے لیے زکوۃ دی جائے۔ اس باب کی حدیث پاک میں حضرت صفوان بن امیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جبکہ ابھی وہ اسلام نہ لائے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مال عطا فرمایا، ان کے اپنے الفاظ یہ ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ حنین کے دن مال عطا فرمایا، حالانکہ اس وقت آپ میرے نزدیک مخلوق میں سب سے زیادہ مبغوض تھے، آپ مجھے مسلسل عطا فرماتے رہے یہاں تک کہ آپ میرے نزدیک مخلوق میں سب سے زیادہ محبوب ہو گئے۔

عندالاحناف اب مؤلفۃ قلوبہم کو زکوۃ نہیں دی جائے گی، تفصیل آگے آرہی ہے۔

مؤلفۃ قلوبہم کو زکوۃ دینے کے بارے میں مذاہب ائمہ

احناف کا مؤقف

امام محمد بن حسن شیبانی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب الاصل میں ہے:

میں نے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ کیا مؤلفۃ قلوبہم کو زکوۃ دی جائے گی؟ ارشاد فرمایا: نہیں دی جائے گی کہ یہ صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں تھا جب لوگوں کو اسلام کی طرف مائل کرنے کے لیے زکوۃ میں سے دیا جاتا تھا، بہر حال اب اس کی اجازت نہیں۔

(الاصل المعروف بالمبسوط للشیبانی، کتاب مایوضع فیہ الخمس الخ، ج2، ص180، ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ، کراچی)

مالکیہ کا مؤقف

علامہ ابوعمر یوسف ابن عبدالبر مالکی (متوفی 463ھ) فرماتے ہیں:

"مصارفِ زکوۃ میں سے مؤلفۃ قلوبہم کا حصہ ساقط ہوگیا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسلام اور اہل اسلام کو آج اس سے مستغنی کر دیا کہ وہ اسلام کی طرف مائل کرنے کے لیے کفار کو زکوۃ دیں اور اگر امام المسلمین کسی وقت مجبور و مضطر ہو جائے کہ وہ کافر کو کچھ دے اس سے نفع کی امید کرتے ہوئے یا اس کی شوکت سے خوف کرتے ہوئے تو اسے صدقات کے اموال میں سے دینے کی اجازت ہوگی۔" (الکافی فی فقہ اہل المدینہ، باب قسم الصدقات، ج 1، ص 325,326، مکتبۃ الریاض الحدیثۃ، ریاض)

حنابلہ کا مؤقف

علامہ موفق الدین ابن قدامہ حنبلی فرماتے ہیں:

مؤلفۃ قلوبہم اصنافِ زکوۃ میں چوتھی صنف ہے، انہیں زکوۃ دی جائے گی، امام ابوحنیفہ نے فرمایا کہ ان کا حصہ منقطع ہوگیا اور یہی امام شافعی کے اقوال میں سے ایک ہے، کیونکہ مروی ہے کہ ایک مشرک نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے زکوۃ کی التماس کی تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے نہ دی اور یہ آیت پڑھی: ﴿فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ﴾ (تو جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے) (الکہف 29)

اور حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے منقول نہیں کہ انہوں نے زکوۃ میں سے کچھ کفار کو دیا ہو۔ اور یہ وجہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کو غالب فرما دیا اور مشرکین کا قلع قمع فرما دیا تو اب تالیف کی طرف حاجت نہیں۔

حنبل نے امام احمد سے ایک قول یہ حکایت کیا کہ مؤلفہ کا حکم آج منقطع ہوگیا۔

اور جو حنبل نے حکایت کیا مذہب اس کے برخلاف ہے، اور شاید امام احمد کے اس قول کہ مؤلفہ کا حکم منقطع ہوگیا اس سے مراد یہ ہے کہ غالب طور پر اب اس کی احتیاج نہیں یا اب ائمہ مسلمین ان کو کچھ نہیں دیتے، بہرحال اگر ان کو اسلام کی طرف مائل کرنے کی احتیاج ہو تو ان کو دینا جائز ہے اور انہیں صرف حاجت کے وقت ہی زکوۃ دی جاسکتی ہے۔

اور مؤلفہ کو زکوۃ نہیں دے سکتے اس پر ہماری دلیل ایک تو یہ ہے کہ قرآن مجید میں ان کو مصارفِ زکوۃ میں سے گنا ہے: ﴿وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ﴾ (مصارفِ زکوۃ میں سے مؤلفۃ قلوبہم بھی ہیں) (التوبۃ 60)

اور یہ بات ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مؤلفۃ قلوبہم کو عطا فرمایا ہے۔

(المغنی لابن قدامہ، مسئلہ مؤلفۃ قلوبہم، ج6،ص475، مکتبۃ القاہرہ)

شوافع کا مؤقف

علامہ ابو حامد محمد بن محمد الغزالی شافعی (متوفی 505ھ) فرماتے ہیں:

مؤلفۃ قلوبہم کا اطلاق تین قسام پر ہوتا ہے:

(1) پہلی قسم کافر ہے کہ اس کو اسلام کی طرف مائل کرنے کے لیے اسے زکوۃ دی جائے، یا تو اس کے شر سے بچنے کے لیے یا اس وجہ سے کہ یہ مقتدا شخص ہے اس کے اسلام لانے سے کفار کی ایک جماعت اسلام لے آئے گی۔ یہ وہ قسم ہے جسے اصلاً مال نہیں دیا جائے گا، زکوۃ وصدقات میں سے اس لیے نہیں کہ کافر کے لیے صدقہ نہیں، اور مصالح میں سے اس لیے نہیں کہ اسلام پر کسی کو کوئی شے نہیں دی جائے گی جو چاہے اسلام لائے جو چاہے کفر کرے، ایسا ہی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفوان بن امیہ کو اس تالیف کے لیے دیا مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں خمس الخمس میں سے دیا، یہ وہ خاص مال ہے کہ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح چاہتے تصرف فرماتے تھے

(2) دوسری قسم مسلم ہے، ایسا مسلمان جس کے عزت وشرف ہو، کفار میں جو اس کے نظراء ہوں اسے دینے میں توقع ہو کہ وہ اسلام میں رغبت کریں گے، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عدی بن حاتم طائی کو تیس اونٹ دیئے۔

اس قسم میں وہ بھی شامل ہے جو اسلام میں پختہ نہ ہو اور اس کے پھرنے کا اندیشہ ہو تو اسے عطا کیا جائے تو وہ اسلام پر ثابت قدم رہے۔ اس قسم کے بارے میں دو قوال ہیں: ایک یہ کہ اسے عطا نہیں کیا جائے گا کیونکہ اسلام تالیف سے مستغنی ہے بعد اس کے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے غلبہ کے ساتھ عزت عطا فرمائی ہے۔

اور دوسرا قول یہ ہے کہ اسے عطا کیا جائے گا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا کرتے ہوئے۔ اور اس قسم کو کون سا مال دیا جائے گا اس میں دو اقوال ہیں: ایک یہ کہ مصالح میں سے دیا جائے گا کیونکہ یہ اسلام کی مصلحت ہے۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ اسے زکوۃ میں سے دیا جائے گا۔

(3) تیسری قسم وہ مسلم قوم ہے جو مالِ فیٔ میں سے کچھ نہیں لیتے.... ان کو دینے کے حوالے سے ایک ہی قول ہے کہ انہیں دیا جائے گا۔ (الوسیط فی المذہب، الصنف الرابع المؤلفۃ قلوبہم، ج4، ص557 تا 559، دار السلام، القاہرہ)

مصارف میں سے مؤلفۃ القلوب کے ساقط ہونے کی وجہ اور دلائل

عندالاحناف مؤلفۃ قلوبہم کو اب زکوۃ نہیں دی جاسکتی، مصارف میں سے ان کے ساقط ہونے کی وجہ یا تو نسخ ہے یا پھر علت کا منتفی ہونا۔ اگر ان کے لیے زکوۃ دینے کا حکم منسوخ ہونا مانا جائے تو اس کا ناسخ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ فرمان ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرمایا تھا: ((خذھا من أغنیائھم وردھا فی فقرائھم)) ترجمہ: زکوۃ مسلمانوں کے اغنیاء سے لے کر مسلمانوں کے فقرا میں تقسیم کرنا۔ چنانچہ حاشیۃ الطحطاوی میں ہے: "و سکت المؤلف عن المؤلفة قلوبهم لأن الإعطاء لهم نسخ بقوله صلى الله عليه و سلم لمعاذ فی آخر الأمرخذ ھا من أغنيائهم و ردها فی فقرائهم" ترجمہ: مؤلف نے مؤلفۃ القلوب کے ذکر سے سکوت کیا کیونکہ ان کو دینا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان سے منسوخ ہوگیا جو حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آخر الامر میں فرمایا تھا: زکوۃ مسلمانوں کے اغنیاء سے لے کر مسلمانوں کے فقراء میں تقسیم کرنا۔

(حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح شرح نور الایضاح، کتاب الزکوۃ، باب المصرف، صفحہ 720، دار الکتب العلمیۃ بیروت)

درمختار میں ہے: "و سکت عن المؤلفة قلوبهم لسقوطهم إما بزوال العلة أو نسخ بقوله صلى الله عليه وسلم لمعاذ في آخر الأمر خذها من أغنيائهم وردها فی فقرائهم" ترجمہ: مؤلف نے مؤلفۃ القلوب کے ذکر سے سکوت کیا کیونکہ ان کا حصہ ساقط ہو چکا یا تو زوالِ علت کی وجہ سے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان سے منسوخ ہوگیا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آخر الامر میں حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرمایا تھا: زکوۃ مسلمانوں کے اغنیاء سے لے کر مسلمانوں کے فقراء کو دینی ہے۔ (درمختار مع ردالمحتار، کتاب الزکوۃ، باب مصرف الزکوۃ، جلد2، صفحہ 342، دار الفکر، بیروت)

زوالِ علت کی وجہ سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں مؤلفۃ القلوب کے حصے کے منقطع ہونے پر اجماعِ صحابہ منعقد ہوگیا۔

مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے: ((إِنَّمَا كَانَتِ الْمُؤَلَّفَةُ قُلُوبُهُمْ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَلَمَّا

وَلِیَ أَبُو بَکْرٍ انْقَطَعَتْ)) ترجمہ: حضرت عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کے دور مبارک میں مؤلفۃ القلوب کا حصہ ہوتا تھا، پھر جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دور آیا تو یہ ختم کر دیا گیا۔

(الکتاب المصنف فی الأحادیث والآثار، کتاب الزکوۃ، فی المؤلفۃ قلوبہم یوجدون الیوم أوذہبوا، جلد2، صفحہ 435، مکتبۃ الرشد، الریاض)

تفسیر در منثور میں ہے: ((أخرج البخاری فی تاریخه وابن المنذر وابن أبی حاتم وأبو الشیخ عن الشعبی رضی الله عنه قال:لیست الیوم مؤلفة قلوبهم إنما كان رجال یتألفهم النبی صلی الله علیه وسلم فلما أن كان أبو بكر رضی الله عنه قطع الرشا فی الإسلام)) ترجمہ: امام بخاری نے اپنی تاریخ میں، ابن منذر، ابن ابی حاتم اور ابو شیخ نے حضرت شعبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ اب مؤلفۃ قلوب کا حصہ نہیں ہے، یہ وہ لوگ تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی تالیفِ قلب کے لیے انہیں دیا کرتے تھے، جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دور آیا تو انہوں نے اسلام (کی طرف مائل کرنے) کے لیے مال دینے کو ختم کر دیا۔

(تفسیر در منثور، فی التفسیر، سورۃ التوبۃ، آیت 60، جلد 4، صفحہ 224، دار الفکر، بیروت)

بدائع الصنائع میں ہے:

جمہور کا قول صحیح ہے (کہ اب مؤلفۃ قلوبہم کو زکوۃ نہیں دے سکتے) کیونکہ اس پر اجماع صحابہ ہے، حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما مؤلفۃ القلوب کو صدقات میں کچھ بھی نہیں دیتے تھے، اور ان دونوں پر صحابہ کرام علیہم الرضوان میں سے کسی نے انکار بھی نہیں کیا، مروی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا سے پردہ فرمایا تو مؤلفۃ القلوبہم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے، اور اپنے حصوں کے لیے خط کی تبدیلی چاہی، انہوں نے ان کے لیے خط تبدیل کر دیا، پھر وہ لوگ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس حاضر ہوئے اور انہیں اس کی خبر دی تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کے ہاتھوں سے خط لے لیا اور اُس کے ٹکڑے کر دیئے، اور فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں عطا فرماتے تھے تا کہ اسلام کی طرف تمہارے دلوں کا میلان ہو، بہر حال اب اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کو غالب کر دیا ہے، پس اگر تم اسلام پر ثابت قدم رہو گے تو ٹھیک ہ ورنہ ہمارے اور تمہارے درمیان تلوار ہے، وہ لوگ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف پلٹے، اور جو کچھ حضرت عمر نے کیا تھا اس کی انہیں خبر دی، اور کہا کہ آپ خلیفہ

ہیں یا عمر؟ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ان شاء اللہ وہ (بھی بنیں گے)، اور آپ نے حضرت عمر کے قول وفعل پر کوئی انکار نہ فرمایا اور یہ بات دیگر صحابہ کرام علیہم الرضوان تک پہنچی تو انہوں نے بھی انکار نہ فرمایا، پس اس پر صحابہ کرام علیہم الرضوان کا اجماع ہو گیا۔

اور کیونکہ یہ بات امت کے اتفاق سے ثابت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم انہیں اس لیے عطا فرماتے تھے تاکہ اسلام کی طرف ان کا میلان ہو، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان کو مؤلفۃ قلوبہم فرمایا ہے اور اسلام اس وقت ضعیف تھا اور اسلام کا ماننے والے قلیل تھے، اور کفار ومشرکین کثیر تھے اور قوت میں تھے، اور آج بحمد اللہ اسلام غالب ہے اور اس کے ماننے والے کثیر ہیں، اور اسلام کی بنیادیں مضبوط ہو چکی ہیں اور مشرکین ذلیل ہو چکے ہیں اور جب حکم عقلی طور پر کسی خاص معنی کی وجہ سے ثابت ہو تو اس معنی کے ختم ہو جانے سے حکم بھی ختم ہو جاتا ہے۔

(بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، کتاب الزکوۃ، فصل الذی یرجع إلی المؤدی إلیہ، جلد 2، صفحہ 45، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

حضرت ابو بکر وعمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے بعد بھی حضرت عثمان وعلی رضی اللہ تعالیٰ عنہما و دیگر سے ثابت نہیں کہ انہوں نے مؤلفۃ قلوب کو حصہ دیا ہو چنانچہ معرفۃ السنن والآثار میں ہے، امام شافعی فرماتے ہیں: ((وَذٰلِكَ أَنَّهُ لَمْ يَبْلُغْنِي أَنَّ عُمَرَ وَلَا عُثْمَانَ وَلَا عَلِيًّا أَعْطُوا أَحَدًا تَأَلُّفًا عَلَى الْإِسْلَامِ، وَقَدْ أَعَزَّ اللّٰهُ -فَلَهُ الْحَمْدُ- الْإِسْلَامَ عَنْ أَنْ يُتَأَلَّفَ الرَّجُلُ عَلَيْهِ.)) ترجمہ: مجھ تک یہ بات نہیں پہنچی کہ حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے کسی کو اسلام کی طرف مائل کرنے کے لیے مال دیا ہو، اللہ تعالیٰ نے اسلام کو اس سے بڑھ کر عزت دی ہے کہ اس کی طرف مائل کرنے کے لیے کسی کو مال دیا جائے، اسی کے لیے حمد ہے۔

(معرفۃ السنن والآثار، کتاب الصدقات، بیان أہل الصدقات، جلد 9، صفحہ 335، دار قتیبۃ، بیروت)

اشکال: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پردہ فرمانے کے بعد وحی منقطع ہو گئی تو اب حکم منسوخ کیسے ہو سکتا ہے؟

جواب: اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ اگر اسے منسوخ مانیں تو یہ نسخ حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث پاک کی وجہ سے ہے اور صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں اجماع صحابہ سے مؤلفۃ قلوبہم کا حصہ ساقط مانیں تو یہ زوال علت اور انتفائے سبب کی وجہ سے ہے۔

شرح التلویح میں ہے"(قوله فلا نسخ حينئذ)أى بعد النبى عليه السلام لأن الأحكام صارت مؤبدة بانقطاع الوحى، ولا يخفى أن هذا مختص بالأحكام المنصوصة فإن قيل قد سقط نصيب المؤلفة قلوبهم بالإجماع المنعقد فى زمن أبى بكر ---قلنا نصيب المؤلفة سقط لسقوط سببه لا لورود دليل شرعى على ارتفاعه"ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نسخ نہیں کیونکہ اب احکام ہمیشہ کے لیے ہوگئے وحی کے منقطع ہونے کی وجہ سے،اور مخفی نہ رہے کہ یہ بات احکام منصوصہ کے ساتھ مختص ہے، پس اگر کہا جائے کہ مؤلفۃ قلوبہم کا حصہ منقطع ہوگیا اس اجماع کی وجہ سے جو صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں منعقد ہوا تھا،تو ہم نے کہا کہ مؤلفۃ قلوبہم کا حصہ سبب کے ساقط ہونے کی وجہ سے ساقط ہوگیا، نہ کہ اس کے ارتفاع پر دلیل شرعی کے ورود کی وجہ سے۔

(شرح التلویح علی التوضیح،بیان الناسخ جلد2،صفحہ67،مکتبۃ صبیح،مصر)

عورتوں کا عید کی نماز پڑھنے پر کلام کرتے ہوئے ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں"ومراده أن المسبب يزول بزوال السبب، ولذا أخرجت المؤلفة قلوبهم من مصرف الزكاة، وليس مراده أن هذا صار منسوخا"اس کی مراد یہ ہے کہ سبب کے زوال سے مسبب زائل ہوگیا،اسی وجہ سے مولفۃ قلوبہم کو مصارفِ زکوۃ سے نکال دیا گیا،اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہ منسوخ ہوگیا۔

(مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح،کتاب الصلوۃ،باب صلاۃ العیدین،جلد3،صفحہ1064،دارالفکر،بیروت)

فتاوی رضویہ میں ہے:"بارہا حدیث صحیح ہوتی ہے اور امام مجتہد اُس پر عمل نہیں فرماتا خواہ یوں کہ اس کے نزدیک یہ حدیث نامتواتر نسخ کتاب اللہ چاہتی ہے، یا حدیث احاد زیادت علی الکتاب کررہی ہے، یا حدیث موضوع تکرر وقوع وعموم بلوی یا کثرت مشاہدین وتوفر دواعی میں احاد آئی ہے، یا اس پر عمل میں تکرار نسخ لازم آتی ہے، یا دوسری حدیث صحیح اس کی معارض اور وجوہ کثیرہ ترجیح میں کسی وجہ سے اس پر ترجیح رکھتی ہے، یا وہ بحکم جمع وتطبیق وتوفیق بین الادلہ ظاہر سے مصروف ومؤول ٹھہری ہے، یا بحالتِ تساوی وعدم امکان جمع مقبول وجہل تاریخ بعد تساقط ادلہ نازلہ یا موافقت اصل کی طرف رجوع ہوئی ہے، یا عمل علماء اس کے خلاف پر ماضی ہے، یا مثل مخابرہ تعامل امت نے راہ خلافت دی ہے، یا حدیث

مفسر کی صحابی راوی نے مخالفت کی ہے، یا علت حکم مثل سہم مؤلفۃ القلوب وغیرہ اب منتفی ہے۔۔۔"

(فتاوی رضویہ، جلد 27، صفحہ 65، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

باب نمبر 458

مَا جَاءَ فِی الْمُتَصَدِّقِ یَرِثُ صَدَقَتَهُ

صدقہ دینے والا اپنے صدقہ کا وارث بن سکتا ہے

665۔حَدَّثَنَا عَلِیُّ بْنُ حُجْرٍ قَالَ: حَدَّثَنَا عَلِیُّ بْنُ مُسْهِرٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَطَاءٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ بُرَیْدَةَ، عَنْ أَبِیهِ قَالَ: کُنْتُ جَالِسًا عِنْدَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ إِذْ أَتَتْهُ امْرَأَةٌ، فَقَالَتْ: یَا رَسُولَ اللّٰهِ، إِنِّی کُنْتُ تَصَدَّقْتُ عَلَی أُمِّی بِجَارِیَةٍ وَإِنَّهَا مَاتَتْ، قَالَ: وَجَبَ أَجْرُكِ، وَرَدَّهَا عَلَیْكِ الْمِیرَاثُ، قَالَتْ: یَا رَسُولَ اللّٰهِ، إِنَّهَا کَانَ عَلَیْهَا صَوْمُ شَهْرٍ، أَفَأَصُومُ عَنْهَا؟ قَالَ: صُومِی عَنْهَا، قَالَتْ: یَا رَسُولَ اللّٰهِ، إِنَّهَا لَمْ تَحُجَّ قَطُّ، أَفَأَحُجُّ عَنْهَا؟ قَالَ: نَعَمْ، حُجِّی عَنْهَا

حضرت عبداللہ بن بریدا پنے والد حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں: میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں بیٹھا تھا، ایک عورت آئی ،اس نے عرض کیا: میں نے اپنی والدہ کو ایک باندی صدقہ دی ہے ،اور (اب) میری والدہ فوت ہوگئی ہے (اب وہ باندی بطورِ وراثت کے مجھے مل رہی ہے، تو میں کیا کروں)۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا: تیرا ثواب ثابت ہوگیا اور وہ باندی وراثت میں تیری طرف لوٹے گی۔ اس عورت نے عرض کیا: میری والدہ کے ذمہ ایک مہینے کے روزے ہیں، کیا میں اس کی طرف سے روزے رکھوں؟ ارشادفرمایا: تم اس کی طرف سے روزے رکھو۔ اس نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! اس نے کبھی بھی حج نہیں کیا تھا، کیا میں اس کی طرف سے حج کروں؟ ارشادفرمایا: ہاں، تم اس کی طرف سے حج کرو۔

قَالَ أَبُو عِیسَی: هَذَا حَدِیثٌ حَسَنٌ صَحِیحٌ، لَا یُعْرَفُ هَذَا مِنْ حَدِیثِ بُرَیْدَةَ إِلَّا مِنْ هَذَا الْوَجْهِ، وَعَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَطَاءٍ ثِقَةٌ عِنْدَ أَهْلِ الْحَدِیثِ، "وَالْعَمَلُ عَلَی هَذَا عِنْدَ أَکْثَرِ أَهْلِ الْعِلْمِ: أَنَّ الرَّجُلَ إِذَا تَصَدَّقَ بِصَدَقَةٍ ثُمَّ وَرِثَهَا حَلَّتْ لَهُ "وَقَالَ بَعْضُهُمْ: إِنَّمَا الصَّدَقَةُ شَیْءٌ جَعَلَهَا لِلّٰهِ، فَإِذَا وَرِثَهَا، فَیَجِبُ أَنْ یَصْرِفَهَا فِی مِثْلِهِ "وَرَوَی سُفْیَانُ الثَّوْرِیُّ،

امام ابوعیسیٰ ترمذی نے فرمایا: یہ حدیث حسن صحیح ہے، اور حدیث بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ صرف اسی طریق سے معروف ہے، عبداللہ بن عطا محدثین کے نزدیک ثقہ ہیں، اور اکثر علما کے نزدیک اس پر عمل ہے کہ آدمی جب کوئی صدقہ کرے پھر اس کا وارث ہوجائے تو اس کے لیے حلال ہے

وَزُہَیْرٌ ہٰذَا الحَدِیثَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَطَاءٍ

،اور بعض علما فرماتے ہیں: صدقہ ایسی چیز ہے جو اس نے اللہ تعالیٰ کے لیے دی ہے، لہٰذا وارث ہونے کے بعد واجب ہے کہ اسی کی مثل میں صرف کرے۔

سفیان ثوری اور زہیر بن معاویہ نے (بھی) یہ حدیث عبداللہ بن عطا سے روایت کی ہے۔

شرحِ حدیث

اس حدیث پاک میں تین باتوں کا بیان ہے:

(1) اگر کوئی شخص اپنے کسی رشتہ دار پر صدقہ کرے یا ہبہ کرے اور پھر وہ رشتہ دار فوت ہو جائے، اور یہ صدقہ دینے والا اس کا وارث بن رہا ہو اور بطورِ وراثت وہی چیز اس کے حصے میں آجائے تو اس کے لیے لینا جائز ہے، یعنی یہ صدقہ دے کر اس میں رجوع کرنے کے معنی میں نہیں ہوگا کیونکہ یہ امرِ اختیاری نہیں، علامہ ابن الملک نے کہا: اکثر علما کا مؤقف یہ کہ کوئی شخص کسی رشتہ دار پر صدقہ کرے پھر وہ چیز اسے بطورِ وراثت مل جائے تو اس کے لیے حلال ہے۔ کہا گیا کہ اس پر واجب ہے کہ وہ فقیر شرعی کو دے دے کیونکہ یہ چیز اللہ تعالیٰ کے لیے کر چکا۔ اس قول پر علامہ علی قاری حنفی فرماتے ہیں یہ نص کی جگہ پر عقل سے بیانِ تعلیل ہے جو کہ معقول نہیں۔

(مرقاۃ المفاتیح، باب من لا یعود فی الصدقۃ، ج4، ص1359، دار الفکر، بیروت)

یہ بات یاد رہے کہ یہاں نفلی صدقہ مراد ہے کیونکہ والدہ کو زکوۃ اور دیگر صدقاتِ واجبہ دینا جائز نہیں۔

(2) عورت نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! میری والدہ پر روزے تھے، تو کیا میں اس کی طرف سے روزے رکھ سکتی ہوں؟ فرمایا: تم اس کی طرف سے روزے رکھو۔ اس سے مراد یہ ہے کہ تم اس کی طرف سے روزوں کا فدیہ دے دو۔ علامہ طیبی نے فرمایا: امام احمد نے جائز قرار دیا کہ میت کے جو روزے قضا ہو گئے ہوں رمضان کے روزوں میں سے یا نذر اور کفارے کے روزوں میں سے تو ولی میت کی طرف سے وہ روزے رکھ سکتا ہے، امام مالک، امام شافعی اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہم نے اسے جائز نہیں قرار دیا، اھ۔ بلکہ اس میت کا ولی میت کی طرف سے ہر دن کے بدلے میں ایک صاع جو یا نصف صاع گندم صدقہ کرے گا امام ابوحنیفہ کے نزدیک، اسی طرح ہر نماز کے بدلے میں۔

(مرقاۃ المفاتیح، باب من لا یعود فی الصدقۃ، ج4، ص1359، دار الفکر، بیروت)

(3) ((اس عورت نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! میری والدہ نے کبھی بھی حج نہیں کیا تھا، کیا میں اس کی طرف سے حج کروں؟ ارشاد فرمایا: ہاں، تم اس کی طرف سے حج کرو۔)) برابر ہے حج اس پر فرض ہو یا نہ ہو، اس

نے وصیت کی ہو یا نہ کی ہو، علامہ ابن الملک نے کہا کہ یہ بات بالاتفاق جائز ہے کوئی میت کی طرف سے حج کرے۔

(مرقاۃ المفاتیح، باب من لا یعود فی الصدقۃ، ج4، ص1359، دار الفکر، بیروت)

یادرہے کہ حج بدل تب ہی ہوگا جب میت پر حج فرض ہوگا اور اس کی دیگر شرائط پائی جائیں گی ورنہ اس کی طرف سے ایصالِ ثواب ہوجائے گا۔

کس عبادت میں نیابت ہوسکتی ہے اور کس میں نہیں

عبادت تین قسم کی ہیں:

(1) بدنی۔ (2) مالی (3) مرکب۔

عبادت بدنی میں نیابت نہیں ہوسکتی یعنی ایک کی طرف سے دوسرا ادا نہیں کرسکتا۔ جیسے نماز، روزہ۔ (کہ اس عبادت سے مقصود جسم کو تھکانا ہے اور جس پر فرض ہے وہ کرے گا تب ہی یہ مقصد حاصل ہوگا۔)

مالی میں نیابت بہرحال جاری ہوسکتی ہے جیسے زکاۃ وصدقہ۔

مرکب میں اگر عاجز ہو تو دوسرا اس کی طرف سے کرسکتا ہے ورنہ نہیں جیسے حج۔

رہا ثواب پہنچانا کہ جو کچھ عبادت کی اُس کا ثواب فلاں کو پہنچے، اس میں کسی عبادت کی تخصیص نہیں ہر عبادت کا ثواب دوسرے کو پہنچا سکتا ہے۔ نماز، روزہ، زکاۃ، صدقہ، حج، تلاوت قرآن، ذکر، زیارت قبور، فرض ونفل سب کا ثواب زندہ یا مردہ کو پہنچا سکتا ہے اور یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ فرض کا پہنچا دیا تو اپنے پاس کیا رہ گیا کہ ثواب پہنچانے سے اپنے پاس سے کچھ نہ گیا، لہٰذا فرض کا ثواب پہنچانے سے پھر وہ فرض عود نہ کریگا کہ یہ تو ادا کرچکا، اس کے ذمہ سے ساقط ہوچکا ورنہ ثواب کس شے کا پہنچاتا ہے۔

اس سے بخوبی معلوم ہوگیا کہ فاتحہ مروّجہ جائز ہے کہ وہ ایصالِ ثواب ہے اور ایصالِ ثواب جائز بلکہ محمود، البتہ کسی معاوضہ پر ایصال ثواب کرنا مثلاً بعض لوگ کچھ لے کر قرآن مجید کا ثواب پہنچاتے ہیں یہ ناجائز ہے کہ پہلے جو پڑھ چکا ہے اس کا معاوضہ لیا، تو یہ بیع ہوئی اور بیع قطعاً باطل وحرام اور اگر اب جو پڑھے گا اس کا ثواب پہنچائے گا تو یہ اجارہ ہوا اور طاعت پر اجارہ باطل سوا ان تین چیزوں کے جن کا بیان آئے گا۔ (بہار شریعت، ج1، حصہ 6، ص1201، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

بدنی عبادت میں نیابت پر مذاہب ائمہ

محض مالی عبادات جیسا کہ زکوۃ، صدقات اور کفارات ان میں نیابت جائز ہے، برابر ہے کہ جس پر یہ فرض ہے وہ خود اس کی ادا پر قادر ہو یا نہ ہو، کیونکہ اس میں واجب مال کا اخراج ہے اور وہ نائب کے فعل سے حاصل ہو جائے گا۔

محض بدنی عبادات جیسا کہ نماز، روزہ وغیرہ، ان میں زندگی کی حالت میں بالاتفاق نیابت درست نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَ اَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسٰنِ اِلَّا مَا سَعٰی﴾ اور یہ کہ آدمی نہ پائے گا مگر اپنی کوشش۔

اور موت کے بعد تو حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک یہی حکم ہے، البتہ مالکیہ میں ابن عبدالحکم کا قول یہ ہے کہ اجیر رکھ کر میت کی طرف سے اس کی فوت شدہ نمازیں پڑھوانا جائز ہے۔

اور شوافع کے نزدیک نماز میں میت کی نیابت درست نہیں، البتہ روزے میں ان کے نزدیک یہ تفصیل ہے کہ رمضان کے جو روزے میت کے فوت ہوئے اور امکانِ قضا سے پہلے وہ فوت ہو گیا تو اس پر کچھ بھی نہیں ہے یعنی نہ اس کی طرف سے فدیہ ادا کیا جائے گا اور نہ اس پر کچھ گناہ ہے، اور اگر قضا پر قدرت پانے کے باوجود روزے نہ رکھے یہاں تک کہ فوت ہو گیا تو اس میں دو قول ہیں: ایک یہ کہ روزہ اس کی طرف سے رکھنا صحیح نہیں کیونکہ یہ بدنی عبادت ہے تو اس میں جس طرح حالتِ حیات میں نیابت درست نہیں اسی طرح بعد وفات بھی درست نہیں۔

اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس کے ولی کا اس کی طرف سے روزے رکھنا جائز ہے بلکہ مستحب ہے کیونکہ صحیحین میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ((من مات وعلیه صوم صام عنه ولیه)) (جو فوت ہو جائے اور اس پر روزے ہوں تو اس کا ولی اس کی طرف سے روزے رکھے) اور یہ رائے اظہر ہے، علامہ سبکی نے فرمایا کہ شوافع کے نزدیک اسی قول کا مختار ہونا اور مفتی بہ ہونا متعین ہے۔ اور یہی دو قول نذر کے ان روزوں میں بھی جاری ہوں گے جنہیں ادا نہیں کیا اور فوت ہو گیا۔

اور حنابلہ کے نزدیک ان نمازوں اور روزوں میں نیابت جاری نہیں ہو سکتی جو اصلِ شرع سے واجب ہوں یعنی فرض نماز اور رمضان کے روزے، کیونکہ ان عبادات میں زندگی میں نیابت جاری نہیں ہوتی تو موت کے بعد بھی جاری نہیں ہوگی۔ جبکہ وہ نماز و روزہ جو انسان نے نذر کے ذریعے خود اپنے اوپر لازم کیے ہوں، ان میں تفصیل یہ ہے کہ اگر منذور کے فعل

پر قادر نہ ہوا جیسے معین مہینے کے روزے رکھے اور مہینہ آنے سے پہلے فوت ہوگیا تو اس پر کچھ بھی لازم نہیں اور اگر ادا پر قادر ہوا اور ادا نہ کیے یہاں تک کہ مر گیا تو ولی کے لیے سنت ہے کہ وہ اس کی طرف سے نذر کے روزے رکھے۔

(بدائع الصنائع، ج2،ص212،شرکۃ المطبوعات العلمیہ ☆ الحطاب، ج2،ص544, 543،مکتبۃ النجاح ☆ الفروق، ج2،ص305،ج3،ص188 ☆ کشف الاسرار، ج1،ص150 ☆ نہایۃ المحتاج، ج3،ص184 تا 187)

بدنی عبادت میں نیابت نہ ہونے پر دلائل

(1) حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے، فرماتے ہیں: ((لَا يُصَلِّي أَحَدٌ عَنْ أَحَدٍ، وَلَا يَصُومُ أَحَدٌ عَنْ أَحَدٍ وَلَكِنْ يُطْعِمُ عَنْهُ مَكَانَ كُلِّ يَوْمٍ مُدًّا مِنْ حِنْطَةٍ)) ترجمہ: کوئی کسی کی طرف سے نماز نہ پڑھے اور کوئی کسی کی طرف سے روزہ نہ رکھے، بلکہ اس کی طرف سے ہر دن کے بدلے میں ایک مد گندم صدقہ کرے۔

(السنن الکبریٰ للنسائی، ج3،ص257،مؤسسۃ الرسالہ، بیروت ☆ شرح مشکل الاثار، بیان مشکل ماروی عن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فی الواجب فیما مات وعلیہ صیام الخ، ج6،ص176،مؤسسۃ الرسالہ، بیروت)

(2) حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں: ((قَالَ رَسُولُ اللہ صلی اللہ عَلَيْهِ وَسلم: من مَاتَ وَعَلَيهِ صَوْمُ شهر فليطعم عَنهُ مَكَان كل يَوْم مِسْكين)) ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس شخص کا انتقال ہوگیا اور اس پر ایک مہینے کے روزے تھے تو اس کی طرف سے ہر دن کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلایا جائے۔

علامہ قرطبی نے کہا کہ اس کی سند حسن ہے۔

(عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری، باب من مات وعلیہ صوم، ج11،ص59، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

(3) حضرت عمرہ بنت عبدالرحمٰن کہتی ہیں کہ میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے عرض کیا: ((سَأَلْتُ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا، فَقُلْتُ لَهَا: إِنَّ أُمِّي تُوُفِّيَتْ وَعَلَيْهَا رَمَضَانُ، أَيَصْلُحُ أَنْ أَقْضِيَ عَنْهَا؟ فَقَالَتْ: لَا، وَلَكِنْ تَصَدَّقِي عَنْهَا مَكَانَ كُلِّ يَوْمٍ عَلَى مِسْكِينٍ، خَيْرٌ مِنْ صِيَامِكِ عَنْهَا)) ترجمہ: میری والدہ وفات پاگئی ہیں، رمضان کے روزے ان کے ذمہ باقی ہیں، کیا میں ان کی طرف سے روزے رکھ سکتی ہوں تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جواب دیا: نہیں، مگر والدہ کی طرف سے ہر دن کے بدلے ایک مسکین پر صدقہ کرو، یہ تیرا اس کی طرف سے روزے

رکھنے سے بہتر ہے۔

اس کی سند صحیح ہے۔

(شرح مشکل الآثار، بیان مشکل ماروی عن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فی الواجب فیما مات وعلیہ صیام الخ، ج6، ص178، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت)

حج بدل کا بیان

والدین کی طرف سے حج بدل کرنے کے بارے میں احادیث

(1) دارقطنی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی، کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ((مَنْ حَجَّ عَنْ أَبَوَيْهِ أَوْ قَضَى عَنْهُمَا مَغْرَمًا بُعِثَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَعَ الْأَبْرَارِ)) جو اپنے والدین کی طرف سے حج کرے یا ان کی طرف سے تاوان ادا کرے، روزِ قیامت ابرار کے ساتھ اُٹھایا جائے گا۔

(سنن الدارقطنی، باب المواقیت، ج3، ص299، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت)

(2) حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ((مَنْ حَجَّ عَنْ أَبِيهِ وَأُمِّهِ فَقَدْ قَضَى عَنْهُ حَجَّتَهُ وَكَانَ لَهُ فَضْلُ عَشْرِ حُجَجٍ)) جو اپنے ماں باپ کی طرف سے حج کرے تو اُن کا حج پورا کر دیا جائے گا اور اُس کے لیے دس حج کا ثواب ہے۔

(سنن الدارقطنی، باب المواقیت، ج3، ص300، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت)

(3) حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ((إِذَا حَجَّ الرَّجُلُ عَنْ وَالِدَيْهِ تُقُبِّلَ مِنْهُ وَمِنْهُمَا وَاسْتُبْشِرَتْ أَرْوَاحُهُمَا فِي السَّمَاءِ وَكُتِبَ عِنْدَ اللّٰهِ تَعَالَى بَرًّا)) جب کوئی اپنے والدین کی طرف سے حج کریگا تو مقبول ہوگا اور اُن کی رُوحیں خوش ہوں گی اور یہ اللہ عزوجل کے نزدیک نیکوکار لکھا جائیگا۔

(سنن الدارقطنی، باب المواقیت، ج3، ص299، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت)

(4) ابو حفص کبیر حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی، کہ اُنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سوال کیا: ((يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنَّا نَتَصَدَّقُ عَنْ مَوْتَانَا وَنَحُجُّ عَنْهُمْ وَنَدْعُو لَهُمْ، فَهَلْ يَصِلُ ذٰلِكَ لَهُمْ؟ قَالَ نَعَمْ، إِنَّهُ لَيَصِلُ إِلَيْهِمْ، وَإِنَّهُمْ لَيَفْرَحُونَ بِهِ كَمَا يَفْرَحُ أَحَدُكُمْ بِالطَّبَقِ إِذَا أُهْدِيَ إِلَيْهِ)) یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! ہم اپنے مُردوں کی طرف سے صدقہ کرتے اور اُن کی طرف سے حج کرتے اور ان کے لیے دُعا کرتے ہیں، آیا یہ اُن کو پہنچتا

ہے؟ فرمایا:" ہاں بیشک ان کو پہنچتا ہے اور بے شک وہ اس سے خوش ہوتے ہیں جیسے تمھارے پاس طبق میں کوئی چیز ہدیہ کی جائے تو تم خوش ہوتے ہو۔

(ردالمحتار، باب الحج عن الغیر، ج2،ص596، دارالفکر، بیروت)

(5) صحیحین میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی، ایک عورت نے عرض کیا:((يَا رَسُولَ اللهِ، إِنَّ فَرِيضَةَ اللهِ عَلَى عِبَادِهِ فِي الْحَجِّ أَدْرَكَتْ أَبِي شَيْخًا كَبِيرًا لَا يَسْتَطِيعُ أَنْ يَثْبُتَ عَلَى الرَّاحِلَةِ، أَفَأَحُجُّ عَنْهُ؟ قَالَ :نَعَمْ))یارسول اللہ (عزوجل وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)! میرے باپ پر حج فرض ہے اور وہ بہت بوڑھے ہیں کہ سواری پر بیٹھ نہیں سکتے کیا میں اُن کی طرف سے حج کروں؟ فرمایا: ہاں۔

(صحیح مسلم، باب الحج عن العاجز الخ، ج2،ص973، داراحیاء التراث العربی، بیروت)

(6) ابوداود و ترمذی ونسائی حضرت ابی رزین عقیلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی، یہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی:((يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِنَّ أَبِي شَيْخٌ كَبِيرٌ لَا يَسْتَطِيعُ الْحَجَّ وَلَا الْعُمْرَةَ وَلَا الظَّعْنَ، قَالَ:حُجَّ عَنْ أَبِيكَ وَاعْتَمِرْ))یارسول اللہ (عزوجل وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)! میرے باپ بہت بوڑھے ہیں حج وعمرہ نہیں کرسکتے اور ہودج پر بھی نہیں بیٹھ سکتے۔ فرمایا: اپنے باپ کی طرف سے حج وعمرہ کرو۔

(جامع الترمذی، باب ماجاء فی العمرۃ اواجبۃ ام لا، ج3،ص260، مطبعہ مصطفی البابی، مصر)

حج بدل کی شرائط

حجِ بدل یعنی نیابۃً دوسرے کی طرف سے حجِ فرض ادا کرنا کہ اُس پر سے اسقاطِ فرض کرے ان شرائط سے مشروط ہے:

(1) جس کی طرف سے حج کیا جائے قبل احجاج اس پر حج فرض ہو، اگر فقیر نے حج کرادیا پھر غنی ہوا خود حج کرنا فرض ہوگا۔

(2) محجوج عنہ حجِ بدل یعنی نائب کے وقوفِ عرفہ کرنے سے پہلے خود ادا سے عاجز ہو، اگر بحالِ قدرت حج کرایا پھر عاجز ہوگیا ازسرِ نو احجاج لازم ہوگا۔

(3) عجز اگر ممکن الزوال تھا مثل حبس ومرض، تو شرط ہے کہ تا دمِ مرگ دائم رہے، اگر بعد حج خود قادر ہوا خود ادا

فرض ہوگی بخلاف اس عجز کے کہ قابلِ زوال نہیں، جیسے نابینائی اگر بطور خرقِ عادت بعد احجاج زائل بھی ہو جائے یا عادہ ضرور نہیں۔

(4) حجِ بدل کرنے والا تنہا ایک محجوج عنہ کی طرف سے حج واحد کی نیت کرے مثلاً احرمت عن فلان یا اللھم لبیک عن فلان اگر اس کی طرف سے نیت نہ کی یا دو حج کی نیت کی ایک اس کی طرف سے ایک اپنی طرف سے یا دو شخصوں کی طرف سے نیت کی ایک اس کی جانب ایک منیب آخر کی جانب سے، تو کافی نہ ہوگا۔

(5) یہ حج بامر محجوج عنہ ہو بلا اجازت دوسرے کی طرف سے حج کافی نہ ہوگا مگر جبکہ وارث اپنے مورث کی طرف سے حج کرے یا کرائے لقیامہ مقامہ خلافۃ۔

(6) مصارفِ آمد ورفت وسائر نفقہ حج کُل یا اکثر مال محجوج عنہ سے ہوں۔

(7) حج اگر بحیاتِ محجوج عنہ ہو تو جسے اس نے امر کیا وہی حج کرے، وُہ دوسرے سے کرا دے گا تو ادا نہ ہوگا اور اگر بعد وفات محجوج عنہ ہے تو مامور دوسرے کو بھی اپنی جگہ قائم کر سکتا ہے اگرچہ میت نے اس کا نام لے کر وصیت کی ہو کہ فلاں میری طرف سے حج کرے، ہاں اگر صراحۃً اس نے نہی کر دی تھی کہ وہی کرے، نہ دوسرا، تو اب دوسرا کافی نہیں۔

(8) حجِ بدل کرنے والا اکثر راستہ سواری پر طے کرے اگر باوصف گنجائش نفقہ پیادہ حج کریگا نفقہ واپس دے دے گا اور حج اس کی طرف سے نہ ہوگا۔

(9) محجوج عنہ جب اہل آفاق سے ہو تو لازم ہے کہ اس کی طرف سے حج آفاقی کیا جائے اگر اس نے حج کو بھیجا اس نے عمرہ کا احرام باندھا بعد عمرہ مکہ معظمہ سے احرام حج باندھا اس کی طرف سے حج نہ ہوگا کہ یہ حج مکی ہوا نہ آفاقی، ہاں اگر قریب حج میقات کی طرف نکل کر احرامِ حج میقات سے باندھے تو جائز ہے کہ حج آفاقی ہوا نہ مکّی۔

(10) مخالفت نہ کرے مثلاً تنہا حج کے لیے امر کیا تھا اس نے قران یا تمتع کیا نفقہ واپس دے گا اور حج اس کی طرف سے نہ ہوگا۔

(11) حجِ بدل کرنے والا حج صحیح اس دفعہ میں ادا کرے، ناعاقل بچے یا مجنون کا حج کافی نہیں، ہاں مراہق کا کافی ہے، یونہی اگر وُہ حج فاسد کر دیا کافی نہ ہوگا اگرچہ قضا بھی کرے۔ بیس (20) شرطیں منسک متقسط میں ہیں انہیں گیارہ

میں آ گئیں۔ واللہ تعالٰی اعلم (فتاوی رضویہ، ج10، ص، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

باب نمبر 459

مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ الْعَوْدِ فِي الصَّدَقَةِ

صدقہ کر کے واپس لینا مکروہ ہے

666- حَدَّثَنَا هَارُونُ بْنُ إِسْحَاقَ الْهَمْدَانِيُّ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، عَنْ مَعْمَرٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ سَالِمٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، عَنْ عُمَرَ، أَنَّهُ حَمَلَ عَلَى فَرَسٍ فِي سَبِيلِ اللَّهِ، ثُمَّ رَآهَا تُبَاعُ فَأَرَادَ أَنْ يَشْتَرِيَهَا، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا تَعُدْ فِي صَدَقَتِكَ

قَالَ ابوعيسى: هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ، وَالْعَمَلُ عَلَى هَذَا عِنْدَ أَكْثَرِ أَهْلِ الْعِلْمِ

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اللہ تعالیٰ کے راستے میں ایک گھوڑا سواری کے لیے دیا پھر دیکھا کہ اس گھوڑے کو بیچا جا رہا ہے تو ارادہ کیا کہ اُسے خرید لیں تو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اپنے صدقہ کو واپس مت لو۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی نے فرمایا: یہ حدیث حسن صحیح ہے اور اکثر اہل علم کے نزدیک اس پر عمل ہے۔

شرح حدیث

علامہ علی بن سلطان محمد القاری حنفی فرماتے ہیں:

حدیث کے ظاہر کی وجہ سے بعض علما اس طرف گئے ہیں کہ صدقہ دینے والا کا اپنے صدقہ کو خریدنا حرام ہے اور اکثر علما کا موقف یہ ہے کہ یہاں کراہت تنزیہی ہے کیونکہ اس میں قبیح لغیرہ ہے اور وہ یہ ہے کہ جس پر صدقہ کیا گیا وہ صدقہ کرنے والے کو ثمن میں کمی کرے گا کیونکہ وہ اس پر صدقہ کر کے پہلے ہی اس پر احسان کر چکا ہے پس جتنے مقدار میں اس نے رعایت اور کمی کی ہے گویا کہ وہ اتنی مقدار میں اپنے صدقہ میں رجوع کرنے والا ہے۔

(مرقاۃ المفاتیح، باب من لا یعودفی الصدقۃ، ج4،ص1359، دار الفکر، بیروت)

اپنے دیئے ہوئے صدقہ کو خریدنے کے بارے میں مذاہب ائمہ

حنابلہ کا موقف

علامہ موفق الدین ابن قدامہ حنبلی فرماتے ہیں:

کسی نے زکوۃ میں کوئی چیز دی تو اب اس کے لیے جائز نہیں کہ وہ چیز اس سے خرید لے، یہ امام حسن سے مروی ہے، اور یہی قتادہ اور امام مالک کا بھی قول ہے اور امام مالک کے اصحاب کہتے ہیں کہ اگر اس نے خرید لیا تو بیع نہیں ٹوٹے گی، اور امام شافعی وغیرہ فرماتے ہیں کہ ایسا کرنا جائز ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: غنی کے لیے صدقہ حلال نہیں مگر پانچ صورتوں میں: ان پانچ میں سے ایک یہ ہے کہ آدمی اپنا دیا ہوا مال خرید لے۔ اور سعید نے اپنی سنن میں روایت کیا کہ ایک آدمی نے اپنے ماں پر صدقہ کیا، پھر اس کی والدہ فوت ہوگئی، اس نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سوال کیا تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تمہارے صدقہ کو قبول کر لیا اور میراث نے اسے تیری طرف لوٹا دیا۔ اور یہ شراء کے معنی میں ہے۔

اور کیونکہ جس چیز کا وراثت میں مالک بننا صحیح ہے اس چیز کا خریداری میں بھی مالک بننا صحیح ہے جیسا کہ تمام

اموال میں۔ ہماری دلیل وہ ہے جو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، آپ فرماتے ہیں کہ میں فی سبیل اللہ کسی شخص کو گھوڑے پر سوار کیا، یعنی اسے گھوڑے صدقہ کیا، جس کے پاس وہ تھا اس نے اسے ضائع کر دیا، اور میں نے گمان کیا کہ وہ اسے سستا بیچ رہا ہے، میں اس سے خریدنے کا ارادہ کیا تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اس بارے میں سوال کیا تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اسے مت خریدو اور اپنے صدقہ میں رجوع مت کرو اگرچہ وہ تمہیں ایک درہم کا بیچے، کہ اپنے صدقہ میں لوٹنے والا ایسا ہے جیسے کتا قے کر کے چاٹ لے۔ اسے بخاری و مسلم نے روایت کیا۔

(المغنی لابن قدامہ، فصل لیس لمخرج الزکوۃ شراء ھا الخ، ج2، ص485,486، مکتبۃ القاہرہ)

شوافع کا موقف

علامہ ابوالحسن علی بن محمد ماوردی (متوفی 450ھ) فرماتے ہیں:

امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: میں مکروہ قرار دیتا ہوں آدمی کے لیے کہ وہ اپنے صدقہ کو خریدے جب وہ اپنے اہل تک پہنچ جائے اور میں اس خرید و فروخت کو فسخ نہیں کرتا۔

(علامہ ماوردی فرماتے ہیں:) لہٰذا جو چیز بھی تصدق کرے چاہے تصدق واجب ہو یا نفل ہر صورت میں اسے خریدنا اس کے لیے مکروہ ہے کیونکہ مروی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کسی شخص کو فی سبیل اللہ گھوڑے پر سوار کرایا، اسے الوَرْد کہا جاتا تھا، پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس گھوڑے کو بازار میں بکتے دیکھا اور اسے خریدنے کا ارادہ کیا تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان سے ارشاد فرمایا: اپنے صدقہ میں لوٹو۔

اور اس وجہ سے کہ وہ ثمن میں کمی کرے گا تو اس سے ثواب میں کمی ہوگی۔

اس کی خرید و فروخت جائز ہے اگرچہ مکروہ ہے۔

اس کے جواز پر دلالت وہ روایت کرتی ہے جو مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: غنی کے لیے صدقہ حلال نہیں مگر پانچ صورتوں میں، ان میں ایک یہ ذکر کی کہ آدمی اپنا صدقہ کیا ہوا مال خرید لے۔ پس یہ اپنے عموم پر ہے۔ اور اس وجہ سے کہ صدقہ کا اس کی طرف لوٹ کر آنا کسی ممنوع طریقے سے نہیں، کیا تو نہیں دیکھتا کہ اگر صدقہ اس کی طرف بطورِ میراث لوٹ کر آتا ہے تو جائز ہے کیونکہ مروی ہے کہ ایک آدمی نے اپنے والد کو باغ ہبہ کیا، پس اس کا والد

فوت ہوگیا اور وہ باغ اس کی طرف لوٹ آیا تو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تمہارا صدقہ قبول ہوگیا، اپنے محل میں پہنچ گیا اور تمہاری میراث بن گیا۔ پس جب میراث کے سبب اس کا لوٹنا جائز ہے تو خریداری کے ذریعے بھی جائز ہونا چاہیے۔ (الحاوی الکبیر، مسئلہ: قال الشافعی اکرہ للرجل شراء صدقتہ الخ، ج3، ص331، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

مالکیہ کا مؤقف

علامہ ابو الولید محمد بن احمد بن رشد قرطبی مالکی (متوفی 520ھ) لکھتے ہیں:

امام مالک آدمی کے لیے مکروہ قرار دیتے ہیں کہ وہ اپنے صدقہ کو خریدے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی اتباع کرتے ہوئے کہ وہ بھی اسے مکروہ قرار دیتے ہیں، اور اس وجہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ((العائد فی صدقته کالکلب یعود فی قیئه)) اپنے صدقہ میں لوٹنے والا ایسا ہے جیسا کہ کتا اپنی قے میں لوٹنے والا۔ (البیان والتحصیل، لا یردعلیہ الساعی لبعدہ الخ، ج2، ص430، دار الغرب الاسلامی، بیروت)

احناف کا مؤقف

علامہ محمود بدر الدین عینی حنفی فرماتے ہیں:

"((اپنے صدقہ کو واپس مت لو)) یہ نہی تنزیہی ہے، تحریم کے لیے نہیں، پس جو شخص کوئی چیز تصدق کرے یا زکوۃ، کفارہ، نذر وغیرہ قربات میں سے نکالے اس کے لیے مکروہ ہے کہ وہ اسے اس سے خریدے جسے اس نے صدقہ دیا ہے یا اپنے اختیار سے اس کا مالک بنے۔ لہٰذا اگر وہ اس چیز کا وارث بن گیا تو کوئی حرج نہیں (کیونکہ اس میں اپنے اختیار سے مالک نہیں بنا) اسی طرح اگر وہ چیز کسی تیسرے آدمی کی طرف منتقل ہوجاتی ہے پھر یہ صدقہ کرنے والا اس سے خریدتا ہے تو اس میں کوئی کراہت نہیں، یہ جمہور کا مذہب ہے۔" (شرح ابی داؤد للعینی، باب الرجل یبتاع صدقتہ، ج6، ص294، مکتبۃ الرشد، ریاض)

باب نمبر 460

مَا جَاءَ فِي الصَّدَقَةِ عَنِ الْمَيِّتِ

میت کی طرف سے صدقہ دینا

667۔حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ قَالَ :حَدَّثَنَا رَوْحُ بْنُ عُبَادَةَ قَالَ :حَدَّثَنَا زَكَرِيَّا بْنُ إِسْحَاقَ قَالَ :حَدَّثَنِي عَمْرُو بْنُ دِينَارٍ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّ رَجُلًا قَالَ :يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِنَّ أُمِّي تُوُفِّيَتْ، أَفَيَنْفَعُهَا إِنْ تَصَدَّقْتُ عَنْهَا؟ قَالَ :نَعَمْ ، قَالَ :فَإِنَّ لِي مَخْرَفًا، فَأُشْهِدُكَ أَنِّي قَدْ تَصَدَّقْتُ بِهِ عَنْهَا

حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! میری والدہ فوت ہوگئی ہے اگر میں اس کی طرف سے صدقہ کروں تو کیا وہ اسے نفع پہنچائے گا؟ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جی ہاں۔ اس نے عرض کیا: میرا ایک باغ ہے میں آپ کو گواہ بناتا ہوں کہ میں نے وہ باغ اس کی طرف سے صدقہ کردیا۔

قال ابوعيسى :هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ ، " وَبِهِ يَقُولُ أَهْلُ العِلْمِ يَقُولُونَ :لَيْسَ شَيْءٌ يَصِلُ إِلَى الْمَيِّتِ إِلَّا الصَّدَقَةُ وَالدُّعَاءُ وَقَدْ رَوَى بَعْضُهُمْ هٰذَا الحَدِيثَ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُرْسَلًا . قَالَ :وَمَعْنَى قَوْلِهِ إِنَّ لِي مَخْرَفًا يَعْنِي :بُسْتَانًا

امام ابوعیسیٰ ترمذی نے فرمایا: یہ حدیث حسن ہے۔ اور اہل علم کا یہی قول ہے، وہ کہتے ہیں میت کو صدقہ اور دعا ہی پہنچتے ہیں۔

بعض محدثین نے یہ حدیث عمرو بن دینار اور عکرمہ کے واسطہ سے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مرسلاً روایت کی ہے۔ اور مخرف کا معنی باغ ہے۔

ایصالِ ثواب کے بارے میں مذاہب ائمہ

عبادت تین قسم کی ہیں:

(1) بدنی جیسے نماز، روزہ (2) مالی جیسے صدقہ دینا (3) مرکب جیسے حج۔

مالی اور مرکب کا ایصالِ ثواب مذاہب اربعہ کے نزدیک درست ہے، خالص بدنی عبادات کے ایصالِ ثواب کرنے میں اختلاف ہے، احناف اور حنابلہ کا موقف یہ ہے کہ ان کا ایصالِ ثواب بھی ہوسکتا ہے جبکہ مالکیہ اور شوافع کے نزدیک درست نہیں۔

(فتح القدیر للکمال ابن الھمام، باب الحج عن الغیر، ج 3،ص 142، دارالفکر، بیروت ☆ شرح الصغیر، ج 1،ص 226 ☆ شرح البھجۃ، ج 1،ص 125 ☆ غایۃ المنتہی، ج 1،ص 257,258)

مگر متاخرین شوافع نے قراءتِ قرآن کا ثواب میت کو پہنچنے کا قول کیا ہے، علامہ یحیی بن شرف النووی شافعی نے شرح صحیح مسلم اور اپنی کتاب الاذکار میں یہ قول ذکر کیا ہے کہ قراءت کا ثواب میت کو ایصال کیا جاسکتا ہے۔

متاخرین شوافع کی ایک جماعت نے اس قول کو اختیار کیا ہے ان میں سے ابن الصلاح، محب طبری اور صاحب الذخائر بھی ہیں۔ (مغنی المحتاج، ج 3،ص 69 ☆ القلیوبی، ج 3،ص 175,176)

ایصالِ ثواب پر تفصیلی دلائل

قرآن مجید سے ثبوت

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿وَالَّذِينَ جَآئُوا مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ﴾ ترجمہ: اور وہ جو ان کے بعد آئے عرض کرتے ہیں اے ہمارے رب ہمیں بخش دے اور ہمارے بھائیوں کو جو ہم سے پہلے ایمان لائے۔ (پ 28، سورۂ حشر، آیت 10)

اس آیت میں فوت شدہ مسلمان بھائیوں کے لیے دعا کا ذکر ہے، جس طرح مسلمانوں کی دعاؤں سے فوت شدگان کو فائدہ پہنچتا ہے اسی طرح مسلمانوں کے دیگر نیک اعمال اور ان کے ایصالِ ثواب سے بھی ان کو فائدہ پہنچتا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے﴿وَقُلْ رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا﴾ترجمہ: اور عرض کرکہ اے میرے رب تو ان دونوں پر رحم کر جیسا کہ ان دونوں نے مجھے چھٹپن(بچپن) میں پالا۔ (پ15، سورۂ اسراء، آیت24)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا قرآن مجید میں ہے﴿رَبَّنَا اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِينَ يَوْمَ يَقُومُ الْحِسَابُ﴾ترجمہ: اے ہمارے رب مجھے بخش دے اور میرے ماں باپ کو اور سب مسلمانوں کو جس دن حساب قائم ہوگا۔ (پ13، سورۂ ابراہیم، آیت41)

جس طرح اولاد کی دعا سے والدین کو فائدہ پہنچتا ہے اسی طرح اولاد کے ایصالِ ثواب سے بھی والدین کو فائدہ پہنچتا ہے۔

میت کی طرف سے صدقہ

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے﴿عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا:أَنَّ رَجُلًا قَالَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:إِنَّ أُمِّي افْتُلِتَتْ نَفْسُهَا، وَأَظُنُّهَا لَوْ تَكَلَّمَتْ تَصَدَّقَتْ، فَهَلْ لَهَا أَجْرٌ إِنْ تَصَدَّقْتُ عَنْهَا؟ قَالَ:نَعَمْ﴾ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں عرض کیا کہ میری والدہ اچانک فوت ہوگئیں اور میرا گمان ہے کہ اگر وہ کلام کرتیں تو تصدق کرتیں، اگر میں ان کی طرف سے صدقہ کروں تو کیا ان کو ثواب پہنچے گا، فرمایا: ہاں۔

(صحیح بخاری، باب موت الفجاءۃ البغتۃ، ج2، ص102، مطبوعہ دار طوق النجاۃ☆صحیح مسلم، باب وصول ثواب الصدقۃ عن المیت الیہ، ج2، ص696، داراحیاء التراث العربی، بیروت)

میت کی طرف سے باغ کا صدقہ

صحیح بخاری میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے، فرماتے ہیں: ((أَنَّ سَعْدَ بْنَ عُبَادَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ تُوُفِّيَتْ أُمُّهُ وَهُوَ غَائِبٌ عَنْهَا، فَقَالَ:يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ أُمِّي تُوُفِّيَتْ وَأَنَا غَائِبٌ عَنْهَا، أَيَنْفَعُهَا شَيْءٌ إِنْ تَصَدَّقْتُ بِهِ عَنْهَا؟ قَالَ:نَعَمْ، قَالَ:فَإِنِّي أُشْهِدُكَ أَنَّ حَائِطِيَ الْمِخْرَافَ صَدَقَةٌ عَلَيْهَا)) ترجمہ: حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ فوت ہوگئیں اور وہ موجود نہ تھے، انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! میری والدہ

میری غیر موجودگی میں وفات پا گئیں، اگر میں ان کی طرف سے صدقہ کروں تو ان کو فائدہ پہنچے گا؟ فرمایا: ہاں، انہوں نے عرض کیا: میں آپ کو گواہ کرتا ہوں کہ میں نے اپنا پھلوں والا باغ اپنی والدہ کی طرف سے صدقہ کیا۔

(صحیح بخاری، باب اذا قال ارضی او بستانی صدقۃ للہ، ج4، ص7، مطبوعہ دار طوق النجاۃ)

نیک اولاد جو دعا کرے

صحیح مسلم میں ہے: ((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: إِذَا مَاتَ الْإِنْسَانُ انْقَطَعَ عَنْهُ عَمَلُهُ إِلَّا مِنْ ثَلَاثَةٍ: إِلَّا مِنْ صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ، أَوْ عِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهِ، أَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ يَدْعُو لَهُ)) ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب انسان مر جاتا ہے تو اس کا عمل منقطع ہو جاتا ہے مگر تین صورتوں میں اسے مرنے کے بعد بھی عمل کا ثواب ملتا ہے: ایک صدقہ جاریہ کی صورت میں، دوسرا نفع والا علم اور تیسرا نیک اولاد جو اس کے لیے دعا کرے۔

(صحیح مسلم، باب ما یلحق الانسان من الثواب بعد وفاتہ، ج3، ص1255، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

مرنے کے بعد ثواب

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((انَّ مِمَّا يَلْحَقُ الْمُؤْمِنَ مِنْ عَمَلِهِ وَ حَسَنَاتِهِ بَعْدَ مَوْتِهِ عِلْمًا عَلَّمَهُ وَنَشَرَهُ، وَوَلَدًا صَالِحًا تَرَكَهُ، وَمُصْحَفًا وَرَّثَهُ، أَوْ مَسْجِدًا بَنَاهُ أَوْ بَيْتًا لِابْنِ السَّبِيلِ بَنَاهُ، أَوْ نَهْرًا أَجْرَاهُ، أَوْ صَدَقَةً أَخْرَجَهَا مِنْ مَالِهِ فِي صِحَّتِهِ وَحَيَاتِهِ، يَلْحَقُهُ مِنْ بَعْدِ مَوْتِهِ)) ترجمہ: بے شک مومن کو مرنے کے بعد اس کے اعمال اور نیکیوں میں سے جن کا ثواب پہنچتا ہے ان میں سے وہ علم جو اس نے سکھایا اور پھیلایا، نیک اولاد جو اس نے چھوڑی، قرآن مجید جو وراثت میں چھوڑا، جو مسجد اس نے بنوائی، جو مسافر خانہ اس نے بنوایا، جو نہر اس نے کھدوائی، اور جو اپنی صحت اور زندگی میں اپنے مال سے صدقہ کیا مرنے کے بعد بھی اس کا ثواب اسے ملتا ہے۔

(سنن ابن ماجہ، باب ثواب معلم الناس الخیر، ج1، ص88، دار احیاء الکتب العربیہ، بیروت)

یہ ام سعد کے لیے ہے

سنن ابی داوٗد میں ہے: ((عَنْ سَعْدِ بْنِ عُبَادَةَ أَنَّهُ قَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِنَّ أُمَّ سَعْدٍ مَاتَتْ، فَأَيُّ الصَّدَقَةِ

أَفْضَلُ؟، قَالَ:اَلْمَاءُ، قَالَ:فَحَفَرَ بِئْرًا، وَقَالَ:هَذِهِ لِأُمِّ سَعْدٍ)) ترجمہ: حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم! ام سعد وفات پا گئی ہیں، کون سا صدقہ افضل ہے؟ فرمایا: پانی، حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کنواں کھدوایا اور کہا کہ یہ سعد کی والدہ (کے ایصالِ ثواب) کے لیے ہے۔

(سنن ابی داؤد، فی فضل سقی الماء، ج2، ص130، المکتبۃ العصریہ، بیروت)

امت کی طرف سے قربانی

سنن ابی داؤد میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں: ((ذَبَحَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الذَّبْحِ كَبْشَيْنِ أَقْرَنَيْنِ أَمْلَحَيْنِ مُوجَأَيْنِ، فَلَمَّا وَجَّهَهُمَا قَالَ :إِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ عَلَى مِلَّةِ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا، وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ، إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ لَا شَرِيكَ لَهُ وَبِذَلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا مِنَ الْمُسْلِمِينَ، اللَّهُمَّ مِنْكَ وَلَكَ وَعَنْ مُحَمَّدٍ وَأُمَّتِهِ بِاسْمِ اللَّهِ وَاللَّهُ أَكْبَرُ ثُمَّ ذَبَحَ)) ترجمہ: قربانی کے دن نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے دو سینگوں والے سرمئی خصی مینڈھے ذبح کیے، جب آپ نے انہیں قبلہ رخ گرایا، تو یہ دعا پڑھی: إِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ عَلَى مِلَّةِ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا، وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ، إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ لَا شَرِيكَ لَهُ، وَبِذَلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا مِنَ الْمُسْلِمِينَ اللَّهُمَّ مِنْكَ وَلَكَ، (پھر کہا) محمد (صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم) اور ان کی امت کی طرف سے، اللہ کے نام کے ساتھ، اور اللہ سب سے بڑا ہے اور پھر ذبح فرمایا۔

(سنن ابی داؤد، باب ما یستحب من الضحایا، ج3، ص95، المکتبۃ العصریہ، بیروت)

سنن ابی داؤد میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے، فرماتی ہیں: ((أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَ بِكَبْشٍ أَقْرَنَ يَطَأُ فِي سَوَادٍ، وَيَنْظُرُ فِي سَوَادٍ، وَيَبْرُكُ فِي سَوَادٍ، فَأُتِيَ بِهِ فَضَحَّى بِهِ. فَقَالَ:يَا عَائِشَةُ هَلُمِّي الْمُدْيَةَ. ثُمَّ قَالَ:اشْحَذِيهَا بِحَجَرٍ. فَفَعَلَتْ فَأَخَذَهَا وَأَخَذَ الْكَبْشَ، فَأَضْجَعَهُ وَذَبَحَهُ وَقَالَ:بِسْمِ اللَّهِ اللَّهُمَّ تَقَبَّلْ مِنْ مُحَمَّدٍ وَآلِ مُحَمَّدٍ، وَمِنْ أُمَّةِ مُحَمَّدٍ. ثُمَّ ضَحَّى بِهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ)) ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایسے مینڈھے کا فرمایا جو کہ سینگوں والا ہو، سیاہی میں چلتا ہوں (یعنی پاؤں سیاہ ہوں)، سیاہی میں دیکھتا ہو اور

سیاہی میں بیٹھتا ہو۔ایسا مینڈھا قربانی کے لیے لایا گیا،تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:اے عائشہ رضی اللہ عنہا! چھری لاؤ، پھر فرمایا: اسے پتھر کے ساتھ تیز کرو، (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:) میں نے ایسا کیا، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے چھری اور مینڈھے کو پکڑا، مینڈھے کو ذبح کرنے کے لیے کروٹ کے بل لٹایا اور یہ دعا پڑھی: اللہ تعالیٰ کے نام سے، اے اللہ! محمد (صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ) اور ان کی آل اور ان کی امت کی طرف سے قبول فرما، پھر قربانی فرمائی۔

(سنن ابی داؤد، باب ما یستحب من الضحایا، ج3، ص95، المکتبۃ العصریہ، بیروت)

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف سے قربانی

سنن ابی داؤد ہی میں ہے، حضرت حنش کہتے ہیں: ((رَأَیْتُ عَلِیًّا یُضَحِّی بِکَبْشَیْنِ فَقُلْتُ لَہُ:مَا ھٰذَا؟ فَقَالَ:إِنَّ رَسُولَ اللَّہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ أَوْصَانِی أَنْ أُضَحِّیَ عَنْہُ فَأَنَا أُضَحِّی عَنْہُ)) ترجمہ: میں نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دو مینڈھے ذبح کرتے دیکھا، میں نے عرض کیا: یہ کیا ہے، فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھے وصیت فرمائی تھی کہ میں آپ کی طرف سے قربانی کیا کروں، لہذا میں ان کی طرف سے قربانی کرتا ہوں۔

(سنن ابی داؤد، باب الاضحیۃ عن المیت، ج3، ص94، المکتبۃ العصریہ، بیروت)

میت کی طرف سے حج

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے، فرماتے ہیں: ((اِنَّ امْرَأَۃً مِنْ جُھَیْنَۃَ جَاءَ تْ إِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ، فَقَالَتْ:إِنَّ أُمِّی نَذَرَتْ أَنْ تَحُجَّ فَلَمْ تَحُجَّ حَتَّی مَاتَتْ، أَفَأَحُجُّ عَنْھَا؟ قَالَ:نَعَمْ حُجِّی عَنْھَا، أَرَأَیْتِ لَوْ کَانَ عَلَی أُمِّكِ دَیْنٌ أَکُنْتِ قَاضِیَۃً؟ اقْضُوا اللَّہَ فَاللَّہُ أَحَقُّ بِالوَفَاءِ)) ترجمہ: جہینہ قبیلے کی ایک عورت نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی بارگاہ میں حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ میری والدہ نے حج کی نذر مانی تھی اور حج کیے بغیر فوت ہو گئی ہیں، کیا میں ان کی طرف سے حج کر سکتی ہوں؟ فرمایا: ہاں! تم ان کی طرف سے حج کرو، تمہارا کیا خیال ہے اگر تمہاری والدہ پر قرض ہوتا تو کیا تم ادا کرتیں، تو اللہ تعالیٰ کا قرض ادا کرو، اللہ تعالیٰ زیادہ حق دار ہے کہ اس کا قرض ادا کیا جائے۔

(صحیح بخاری، باب الحج والنذور، ج3، ص18، مطبوعہ دار طوق النجاۃ)

سنن نسائی میں ہے: ((عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ امْرَأَۃً سَأَلَتِ النَّبِیَّ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنْ أَبِیھَا مَاتَ وَلَمْ

يَحُجَّ؟ قَالَ:حُجِّي عَنْ أَبِيكِ)) ترجمہ:حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے، ایک عورت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے والد کے بارے میں سوال کیا کہ وہ فوت ہو گئے ہیں اور انہوں نے حج نہیں کیا؟ فرمایا: تم اپنے والد کی طرف سے حج کرو۔ (سنن نسائی، الحج عن المیت الذی لم یحج، ج5، ص116، مکتب المطبوعات الاسلامیہ، حلب)

میت کا درجہ بلند ہوتا ہے

امام بخاری "الادب المفرد" میں نقل کرتے ہیں:((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ:تُرْفَعُ لِلْمَيِّتِ بَعْدَ مَوْتِهِ دَرَجَتُهُ. فَيَقُولُ:أَيْ رَبِّ أَيُّ شَيْءٍ هَذِهِ؟ فَيُقَالُ:وَلَدُكَ اسْتَغْفَرَ لَكَ)) ترجمہ:حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں: مرنے کے بعد میت کا درجہ بلند کیا جاتا ہے تو وہ عرض کرتا ہے: اے میرے رب! یہ درجہ کیسے بلند ہوا، فرمایا جاتا ہے: تیری اولاد کے تیرے لیے استغفار کرنے کی وجہ سے۔

(الادب المفرد، باب برالوالدین بعد موتہما، ج1، ص28، باب دارالبشائر الاسلامیہ، بیروت)

مسند احمد بن حنبل میں یہی روایت مرفوعاً ہے:((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ:قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:إِنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ لَيَرْفَعُ الدَّرَجَةَ لِلْعَبْدِ الصَّالِحِ فِي الْجَنَّةِ، فَيَقُولُ:يَا رَبِّ أَنَّى لِي هَذِهِ؟ فَيَقُولُ:بِاسْتِغْفَارِ وَلَدِكَ لَكَ)) ترجمہ:حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بے شک اللہ عزوجل نیک بندے کا جنت میں درجہ بلند فرماتا ہے تو وہ عرض کرتا ہے: اے میرے رب! یہ درجہ کیسے بلند ہوا؟ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: تیری اولاد کے تیرے لیے استغفار کرنے کی وجہ سے۔

(مسند احمد بن حنبل، مسند ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ج16، ص356، موسسۃ الرسالہ، بیروت)

جب بھی صدقہ کرو

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے، فرماتے ہیں:((قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:إِذَا تَصَدَّقَ بِصَدَقَةٍ تَطَوُّعًا أَنْ يَجْعَلَهَا عَنْ أَبَوَيْهِ فَيَكُونُ لَهُمَا أَجْرُهَا وَلَا يَنْتَقِصُ مِنْ أَجْرِهِ شَيْئًا)) ترجمہ:رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب کوئی نفلی صدقہ کرے اور وہ اپنے والدین کی طرف سے کرے تو اس کے والدین کو اجر ملے گا اور اس کے اجر میں سے بھی کم نہیں ہوگا۔ (مجمع الزوائد، باب الصدقۃ علی المیت، ج3، ص138، مکتبۃ القدسی، القاہرہ)

مُردوں کے لیے زندوں کا تحفہ

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے، نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا: ((مَا الْمَيِّتُ فِي الْقَبْرِ إِلَّا كَالْغَرِيقِ الْمُتَغَوِّثِ، يَنْتَظِرُ دَعْوَةً تَلْحَقُهُ مِنْ أَبٍ أَوْ أُمٍّ أَوْ أَخٍ أَوْ صَدِيقٍ، فَإِذَا لَحِقَتْهُ كَانَتْ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا، وَإِنَّ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ لَيُدْخِلُ عَلَى أَهْلِ الْقُبُورِ مِنْ دُعَاءِ أَهْلِ الْأَرْضِ أَمْثَالَ الْجِبَالِ، وَإِنَّ هَدِيَّةَ الْأَحْيَاءِ إِلَى الْأَمْوَاتِ الِاسْتِغْفَارُ لَهُمْ)) ترجمہ: مرنے والا شخص قبر میں ڈوبنے والے، فریاد کرنے والے کی طرح ہوتا ہے، وہ ماں باپ، بھائی، دوست کی دعا کا انتظار کرتا ہے، جب اسے یہ دعا پہنچتی ہے تو وہ اسے دنیا اور اس میں موجود ہر چیز سے محبوب ہوتی ہے اور بے شک اللہ عزوجل دنیا والوں کی دعا سے قبر والوں کے پاس پہاڑ کی مثل (نور ورحمت) داخل فرماتا ہے، بے شک زندوں کا مردوں کے لیے تحفہ ان کے لیے استغفار کرنا ہے۔

(شعب الایمان، فصل فی حفظ حق الوالدین بعد موتھما، ج 10، ص 300، مکتبۃ الرشد للنشر والتوزیع، ریاض ☆ مشکوۃ المصابیح، باب الاستغفار والتوبۃ، الفصل الثالث، ج 2، ص 728، المکتب الاسلامی، بیروت)

ایصالِ ثواب کے لیے نفلی نماز، روزہ

حدیث پاک میں ہے: ((إِنَّ مِنَ الْبِرِّ بَعْدَ الْبِرِّ أَنْ تُصَلِّيَ لِأَبَوَيْكَ مَعَ صَلَاتِكَ، وَتَصُومَ لَهُمَا مَعَ صَوْمِكَ)) ترجمہ: بے شک نیکی کے بعد نیکی یہ ہے کہ تم اپنی نماز کے ساتھ (ایصالِ ثواب کے لیے) اپنے والدین کے لیے (نفل) نماز پڑھو اور اپنے روزوں کے ساتھ (ایصالِ ثواب کے لیے) والدین کے لیے بھی روزے رکھو۔

(صحیح مسلم، باب فی ان الاسناد من الدین، ج 1، ص 16، داراحیاء التراث العربی، بیروت)

میت کی طرف سے کفارہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں: ((أَنَّ رَجُلًا قَالَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ أَبِي مَاتَ وَتَرَكَ مَالًا، وَلَمْ يُوصِ، فَهَلْ يُكَفِّرُ عَنْهُ أَنْ أَتَصَدَّقَ عَنْهُ؟ قَالَ: نَعَمْ)) ترجمہ: ایک آدمی نے نبی پاک صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی بارگاہ میں عرض کیا کہ میرے والد وفات پا گئے ہیں، مال چھوڑا ہے اور وصیت نہیں کی، اگر میں ان کی طرف سے صدقہ کروں تو کیا ان کے گناہوں کا کفارہ بنے گا؟ فرمایا: ہاں۔

(صحیح مسلم، باب وصول ثواب الصدقات الی المیت، ج 3، ص 1254، داراحیاء التراث العربی، بیروت)

جو قبرستان سے گزرے

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے:((مَنْ مَرَّ عَلَی الْمَقَابِرِ وَقَرَأَ (قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ) إِحْدَی عَشْرَةَ مَرَّةً ثُمَّ وَهَبَ أَجْرَهُ لِلْأَمْوَاتِ أُعْطِيَ مِنَ الْأَجْرِ بِعَدَدِ الْأَمْوَاتِ)) ترجمہ: جو شخص قبرستان سے گزرے اور سورۂ اخلاص گیارہ مرتبہ پڑھے اور اس کا ثواب مردوں کو ایصال کرے تو اس شخص کو تمام مردوں کے برابر اجر دیا جائے گا۔

(کنز العمال، رافعی عن علی، ج15، ص655، موسسۃ الرسالۃ، بیروت ☆ مرقاۃ المفاتیح، باب دفن المیت، ج3، ص1228، دار الفکر، بیروت)

قبر کشادہ ہوگئی

حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں:((خَرَجْنَا مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا إِلَی سَعْدِ بْنِ مُعَاذٍ حِينَ تُوُفِّيَ، قَالَ: فَلَمَّا صَلَّى عَلَيْهِ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَوُضِعَ فِي قَبْرِهِ وَسُوِّيَ عَلَيْهِ، سَبَّحَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَسَبَّحْنَا طَوِيلًا، ثُمَّ كَبَّرَ فَكَبَّرْنَا، فَقِيلَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ لِمَ سَبَّحْتَ؟ ثُمَّ كَبَّرْتَ؟ قَالَ: لَقَدْ تَضَايَقَ عَلَى هَذَا الْعَبْدِ الصَّالِحِ قَبْرُهُ حَتَّى فَرَّجَهُ اللّٰهُ عَنْهُ)) ترجمہ: حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کے وقت ہم رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے ساتھ ان کی طرف نکلے، جب ان کو قبر میں رکھا گیا اور قبر اوپر سے برابر کر دی گئی تو رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے تسبیح پڑھی، ہم نے بھی طویل تسبیح پڑھی، پھر رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے تکبیر پڑھی، ہم نے بھی تکبیر پڑھی، کہا گیا: یا رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ! آپ نے اس وقت تسبیح اور پھر تکبیر کیوں پڑھی تو آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا کہ اس نیک بندے پر قبر تنگ ہوگئی تھی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے (تسبیح و تکبیر کی برکت) اسے کھول دیا۔

(مسند احمد بن حنبل، مسند جابر بن عبد اللہ، ج23، ص158، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت ☆ مشکوۃ المصابیح، باب اثبات عذاب القبر، الفصل الثالث، ج1، ص49، المکتب الاسلامی، بیروت)

قراءت کا ثواب

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا:((مَنْ دَخَلَ الْمَقَابِرَ ثُمَّ قَرَأَ فَاتِحَةَ الْكِتَابِ وَقُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ، وَأَلْهَاكُمُ التَّكَاثُرُ. ثُمَّ قَالَ: إِنِّي جَعَلْتُ ثَوَابَ مَا قَرَأْتُ مِنْ كَلَامِكَ

لِأَهْلِ الْمَقَابِرِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ كَانُوا شُفَعَاءَ لَهُ إِلَى اللّٰهِ تَعَالَى)) ترجمہ: جوقبرستان میں داخل ہوپھرسورۂ فاتحہ،سورۂ اخلاص اورسورۂ تکاثر پڑھے اور پھر کہے: میں نے کلام الٰہی میں سے جوقرأت کی اس کا ثواب قبرستان کے مومنین اور مومنات کوایصال کرتا ہوں تو وہ تمام کے تمام اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس کے شفیع ہوں گے۔

(مرقاۃ المفاتیح، باب دفن المیت، ج3،ص1228، دار الفکر، بیروت)

قبرستان والوں کی تعداد کے برابر

مرقاۃ میں ہے:((وأخرج عبد العزيز صاحب الخلال بسنده عن أنس:أن رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم قال:من دخل المقابر فقرأ سورة يس خفف اللّٰه عنهم، وكان له بعدد من فيها حسنات)) ترجمہ: صاحب خلال عبدالعزیز نے اپنی سند کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا: جوقبرستان گیا اور سورۂ یٰس پڑھی تو اللہ تعالیٰ قبرستان والوں سے تخفیف فرمائے گا اور اس پڑھنے والے کو قبرستان میں موجود مردوں کے برابر نیکیاں ملیں گی۔

(مرقاۃ المفاتیح، باب دفن المیت، ج3،ص1228، دار الفکر، بیروت)

میت کی قبر کے پاس تلاوت

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا:((إذا مات أحدكم فلا تحبسوه وأسرعوا به إلى قبره وليقرأ عند رأسه فاتحة الكتاب وعند رجليه بخاتمة البقرة في قبره)) ترجمہ: جب تم سے کوئی فوت ہوجائے تو اس کو روکے نہ رکھو، اسے قبر تک جلدی لے چلو اور اس میت کی قبر کے پاس سر کی طرف فاتحۃ الکتاب اور اس کے پاؤں کی طرف سورۂ بقرہ کی آخری آیات کی تلاوت کرو۔

(شعب الایمان للبیہقی، الصلوۃ علی من مات من اہل القبلۃ، ج11،ص471، مکتبۃ الرشد للنشر والتوزیع، ریاض)

مشکوۃ المصابیح میں یہ حدیث پاک ان الفاظ کے ساتھ ہے:((وليقرأ عند رأسه فاتحة البقرة وعند رجليه بخاتمة البقرة)) یعنی سر کی طرف سورۂ بقرہ کی ابتدائی آیات اور پاؤں کی طرف سورۂ بقرہ کی آخری آیات کی تلاوت کرے۔

(مشکوۃ المصابیح، باب دفن المیت، الفصل الثالث، ج1،ص538، المکتب الاسلامی، بیروت)

میت کی طرف سے فدیہ

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:((مَنْ مَاتَ وَعَلَيْهِ صِيَامُ شَهْرٍ فَلْيُطْعَمْ عَنْهُ مَكَانَ كُلِّ يَوْمٍ مِسْكِينًا)) ترجمہ: جو شخص اس حالت میں فوت ہو جائے کہ اس پر رمضان کے روزے ہوں تو چاہیے کہ اس کی طرف سے ایک روزے کے بدلے میں ایک مسکین کو کھانا کھلایا جائے۔

(سنن ترمذی، باب ماجاء من الکفارہ، ج2، ص89، دار الغرب الاسلامی، بیروت)

اہل خانہ کی طرف سے ہدیہ

تفسیر مظہری میں ہے:((حدیث انس مَا مِنْ أَهْلِ بَيْتٍ يَمُوتُ مِنْهُمْ مَيِّتٌ فَيَتَصَدَّقُونَ عَنْهُ بَعْدَ مَوْتِهِ إِلَّا أَهْدَاهَا إِلَيْهِ جِبْرِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ عَلَى طَبَقٍ مِنْ نُورٍ، ثُمَّ يَقِفُ عَلَى شَفِيرِ الْقَبْرِ، فَيَقُولُ: يَا صَاحِبَ الْقَبْرِ الْعَمِيقِ، هَذِهِ هَدِيَّةٌ أَهْدَاهَا إِلَيْكَ أَهْلُكَ فَاقْبَلْهَا، فَيَدْخُلُ عَلَيْهِ، فَيَفْرَحُ بِهَا وَيَسْتَبْشِرُ، وَيَحْزَنُ جِيرَانُهُ الَّذِينَ لَا يُهْدَى إِلَيْهِمْ بِشَيْءٍ رواه الطبرانی فی الأوسط)) ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا: جب اہل خانہ میں سے کوئی شخص فوت ہو جائے اور گھر والے اس کی وفات کے بعد اس کی طرف سے صدقہ کریں تو جبرائیل علیہ السلام اس صدقہ کو نور کے طباق میں لے کر اس قبر والے کے سرہانے کھڑے ہو جاتے ہیں اور کہتے ہیں: اے گہری قبر والے! یہ ہدیہ ہے تیرے اہل خانہ نے تیری طرف بھیجا ہے تو اس کو قبول کر لے، پس وہ ہدیہ اس کے پاس پہنچتا ہے اور اس سے وہ خوش ہوتا ہے اور اس مردے کے وہ پڑوسی جن کی طرف کوئی ہدیہ نہیں پہنچتا وہ غمگین ہو جاتے ہیں۔ (تفسیر مظہری، سورۃ النجم، آیت 39، ج9، ص128، مکتبۃ الرشدیہ، پاکستان)

والدین کی طرف سے حج

اسی میں ہے:((حدیث ابن عمر مَنْ حَجَّ عَنْ وَالِدَيْهِ بَعْدَ وَفَاتِهِمَا كَتَبَ اللهُ لَهُمَا عِتْقًا مِنَ النَّارِ، وَكَانَ لِلْمَحْجُوجِ عَنْهُمَا أَجْرُ حَجَّةٍ تَامَّةٍ مِنْ غَيْرِ أَنْ يَنْقُصَ مِنْ أُجُورِهِمَا شَيْءٌ)) ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو اپنے فوت شدہ والدین کی طرف سے حج کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے والدین کے لیے جہنم سے آزادی لکھ دیتا ہے اور جن کی طرف سے حج کیا گیا ہے ان (یعنی

والدین) کے لیے اس حج کا پورا اجر ہوگا اور کرنے والے کے اجر میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔

(تفسیر مظہری، سورۃ النجم، آیت 39، ج 9، ص 128، مکتبۃ الرشدیہ، پاکستان)

مردے خوش ہوتے ہیں

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے: ((انه سأل رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فقال:يا رسول الله إنا نتصدق عن موتانا ونحج عنهم وندعو لهم فهل يصل ذلك إليهم فقال:نعم إنه ليصل ويفرحون به كما يفرح أحدكم بالطبق إذا أهدى إليه رواه أبو جعفر العكبري)) ترجمہ: انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم اپنے مردوں کی طرف سے صدقہ کرتے ہیں، ان کی طرف سے حج کرتے ہیں، ان کے لیے دعا کرتے ہیں تو کیا انہیں یہ ثواب پہنچتا ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: وہ مردے اس سے اس طرح خوش ہوتے ہیں جیسے تم میں سے کوئی دنیا میں جب اس کے لیے کوئی تحفہ پیش کرتا ہے تو وہ خوش ہوتا ہے، اسے ابو جعفر عکبری نے روایت کیا ہے۔ (مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی، فصل فی زیارۃ القبور، ج 1، ص 621، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

ثواب کی تقسیم

مرقاۃ شرح مشکوۃ میں ہے: "قَالَ حَمَّادٌ الْمَكِّيُّ:خَرَجْتُ لَيْلَةً إِلَى مَقَابِرِ مَكَّةَ فَوَضَعْتُ رَأْسِي عَلَى قَبْرٍ فَنِمْتُ، فَرَأَيْتُ أَهْلَ الْمَقَابِرِ حَلْقَةً حَلْقَةً فَقُلْتُ:قَامَتِ الْقِيَامَةُ قَالُوا:لَا، وَلَكِنْ رَجُلٌ مِنْ إِخْوَانِنَا قَرَأَ:قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ، وَجَعَلَ ثَوَابَهَا لَنَا فَنَحْنُ نَقْتَسِمُهُ مُنْذُ سَنَةٍ" ترجمہ: حماد مکی کہتے ہیں: میں رات کو مکہ کے قبرستان میں گیا اور میں ایک قبر پر سر رکھ کر سو گیا تو میں نے قبرستان والوں کو حلقہ درحلقہ دیکھا، میں نے کہا: کیا قیامت قائم ہوگئی ہے، انہوں نے جواب دیا: نہیں بلکہ ہمارے ایک (مسلمان) بھائی نے سورۂ اخلاص پڑھ کر اس کا ثواب ہمیں ایصال کیا (پہنچایا) ہے، ہم اسے ایک سال سے تقسیم کر رہے ہیں۔ (مرقاۃ المفاتیح، باب دفن المیت، ج 3، ص 1228، دار الفکر، بیروت)

حضرت طاوس تابعی

حضرت طاوس تابعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "إِنَّ الْمَوْتَى يُفْتَنُونَ فِي قُبُورِهِمْ سَبْعًا، فَكَانُوا يَسْتَحِبُّونَ أَنْ يُطْعَمَ عَنْهُمْ تِلْكَ الْأَيَّامَ" ترجمہ: مردے اپنی قبروں میں سات دن تک آزمائش میں مبتلا ہوتے ہیں تو علماء نے ان

سات دنوں میں مردوں کی طرف سے کھانا کھلانے کو مستحب قرار دیا ہے۔

(الحاوی للفتاوی، طلوع الثریا باظہار ما کان خفیا، ج2، ص216، دار الفکر للطباعۃ والنشر، بیروت)

امام احمد بن حنبل

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ ''الاذکار'' میں فرماتے ہیں: ''قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ أَحْمَدَ الْمَرْوَزِيُّ: سَمِعْتُ أَحْمَدَ بْنَ حَنْبَلٍ يَقُولُ: إِذَا دَخَلْتُمُ الْمَقَابِرَ فَاقْرَءُوا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَالْمُعَوِّذَتَيْنِ، وَقُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ، وَاجْعَلُوا ثَوَابَ ذٰلِكَ لِأَهْلِ الْمَقَابِرِ، فَإِنَّهُ يَصِلُ إِلَيْهِمْ، وَالْمَقْصُودُ مِنْ زِيَارَةِ الْقُبُورِ لِلزَّائِرِ الِاعْتِبَارُ، وَلِلْمَزُورِ الِانْتِفَاعُ بِدُعَائِهِ'' ترجمہ: محمد بن احمد مروزی کہتے ہیں کہ میں نے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کو فرماتے سنا: جب تم قبرستان داخل ہو تو سورۂ فاتحہ، معوذتین (سورۂ فلق اور ناس) اور سورۂ اخلاص پڑھو اور اس کا ثواب قبرستان والوں کو پہنچاؤ، کہ یہ ثواب ان کو پہنچے گا اور زیارتِ قبور سے مقصود زائر (زیارت کرنے والے) کے لیے عبرت اور مزور (جس کی زیارت کی جارہی ہے یعنی قبر والے) کے لیے زائر کی دعا سے فائدہ پہنچنا ہے۔

(مرقاۃ المفاتیح بحوالہ الاذکار، باب دفن المیت، ج3، ص1228، دار الفکر، بیروت)

علامہ یحیی بن شرف نووی

علامہ یحیی بن شرف نووی شافعی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 676ھ) فرماتے ہیں ''وَفِي هٰذَا الْحَدِيثِ جَوَازُ الصَّدَقَةِ عَنِ الْمَيِّتِ وَاسْتِحْبَابُهَا وَأَنَّ ثَوَابَهَا يَصِلُهُ وَيَنْفَعُهُ وَيَنْفَعُ الْمُتَصَدِّقَ أَيْضًا وَهٰذَا كُلُّهُ أَجْمَعَ عَلَيْهِ الْمُسْلِمُونَ'' ترجمہ: اس حدیث پاک میں میت کی طرف سے صدقہ کرنے کا جواز اور استحباب موجود ہے اور یہ کہ میت کو اس کا ثواب اور نفع پہنچتا ہے اور صدقہ کرنے والے کو بھی اس کا نفع پہنچتا ہے اور ان تمام باتوں پر مسلمانوں کا اجماع ہے۔

(شرح صحیح مسلم للنووی، باب وصول ثواب الصدقات الی المیت، ج11، ص84، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

ایک مقام پر فرماتے ہیں ''اسْتُحِبَّ لِزَائِرِ الْقُبُورِ أَنْ يَقْرَأَ مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ، وَيَدْعُو لَهُمْ عَقِبَهَا، نَصَّ عَلَيْهِ الشَّافِعِيُّ، وَاتَّفَقَ عَلَيْهِ الْأَصْحَابُ'' ترجمہ: قبرستان میں آنے والے کے لیے مستحب ہے کہ جتنا ہو سکے اتنی قرآن پاک کی تلاوت کرے اور قبرستان والوں کے لیے دعا مانگے، اس (کے جواز) پر امام شافعی کی صراحت ہے اور

اصحاب اس پر متفق ہیں۔ (مرقاۃ المفاتیح بحوالہ شرح المہذب، باب دفن المیت، ج3،ص1229، دارالفکر، بیروت)

ایک اور دوسرے مقام پر فرماتے ہیں"وَإِنْ خَتَمُوا الْقُرْآنَ عَلَى الْقَبْرِ كَانَ أَفْضَلَ"ترجمہ: اگر مسلمان قبر پر قرآن ختم کریں تو یہ افضل ہے۔ (مرقاۃ المفاتیح بحوالہ شرح المہذب، باب دفن المیت، ج3،ص1229، دارالفکر، بیروت)

علامہ علی بن ابی بکر فرغانی

علامہ علی بن ابی بکر فرغانی رحمۃ اللہ علیہ (593ھ) فرماتے ہیں "الأصل فی هذا الباب أن الإنسان له أن يجعل ثواب عمله لغيره صلاة أو صوما أو صدقة أو غيرها عند أهل السنة والجماعة "ترجمہ: اس باب میں اصل یہ ہے کہ اہل سنت و جماعت کے نزدیک انسان کے لیے یہ بات جائز ہے کہ وہ اپنے عمل کا ثواب دوسرے کو ایصال کرے چاہے وہ عمل نماز ہو، روزہ ہو، صدقہ ہو یا کوئی اور عمل۔ (ہدایہ، باب الحج عن الغیر، ج1،ص178، داراحیاء التراث العربی، بیروت)

امام جلال الدین سیوطی

امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 911ھ) فرماتے ہیں: "وَأَمَّا الْقِرَاءَةُ عَلَى الْقَبْرِ فَجَازَ بِمَشْرُوعِيَّتِهَا أَصْحَابُنَا وَغَيْرُهُمْ "ترجمہ: قبر کے پاس قرأت کرنا جائز ہے اور اس کے جواز پر ہمارے اصحاب اور ان کے علاوہ علماء ہیں۔ (مرقاۃ المفاتیح، باب دفن المیت، ج3،ص1229، دارالفکر، بیروت)

مسلمانوں کا اجماع

محدث وفقیہ علامہ علی قاری رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی 1014ھ) فرماتے ہیں "وَأَنَّ الْمُسْلِمِينَ مَا زَالُوا فِي كُلِّ مِصْرٍ وَعَصْرٍ يَجْتَمِعُونَ وَيَقْرَءُونَ لِمَوْتَاهُمْ مِنْ غَيْرِ نَكِيرٍ، فَكَانَ ذَلِكَ إِجْمَاعًا "ترجمہ: بے شک مسلمان بغیر کسی انکار کے ہر شہر اور ہر دور میں اکٹھے ہوتے ہیں اور اپنے مردوں کے لیے قرأت کرتے ہیں، تو یہ (اس کے جواز پر) اجماع ہے۔ (مرقاۃ المفاتیح، باب دفن المیت، ج3،ص1229، دارالفکر، بیروت)

علامہ حسن بن عمار شرنبلالی

علامہ حسن بن عمار شرنبلالی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 1069ھ) فرماتے ہیں" و يستحب "للزائر "قراءة "سورة "يس لما ورد عن أنس رضى الله عنه "أنه قال قال رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: من دخل المقابر فقرأ"

سورة "یس "یعنی وأهدی ثوابها للأموات "خفف الله عنه یومئذ العذاب ورفعه "ترجمہ: زیارتِ قبور کرنے والے کے لیے سورۂ یٰس کی قرأت مستحب ہے کیونکہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: جو قبرستان میں داخل ہوا اور سورۂ یٰس کی قرأت کرے یعنی اس کا ثواب مردوں کو ہدیہ کرے تو اللہ تعالیٰ ان سے اس دن عذاب میں تخفیف کرے گا اور ان سے عذاب اٹھالے گا۔

(مراقی الفلاح، فصل فی زیارۃ القبور، ج1، ص229، المکتبۃ العصریہ، بیروت)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "ومستحب است کہ تصدق کردہ شود از میت بعد از دفن او از عالم تا ہفت روز و تصدق از میت نفع کنند او را بے خلاف میان اہل علم و وارد شدہ است دراں احادیث صحیحہ خصوصاً" ترجمہ: مستحب یہ ہے کہ مردہ کے عالم دنیا سے پردہ کرنے کے بعد سات دن تک اس کی طرف سے صدقہ کیا جائے کیوں کہ اس سے میت کو فائدہ حاصل ہوتا ہے اور اس پر تمام اہل علم کا اتفاق ہے اور اس پر بالخصوص احادیث صحیحہ وارد ہوئی ہیں۔

(اشعۃ اللمعات، ج1، ص716)

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں "و شیر برنج بنافاتحہ بزرگ بقصد ایصالِ ثواب بروح ایشاں پزند وبخورند مضائقہ نیست واگر فاتحہ بنام بزرگ وادہ شود اغنیاراہم خوردن جائز است" ترجمہ: دودھ چاول پر کسی بزرگ کے لیے فاتحہ دی جائے، ان کی روح کو ثواب پہنچانے کی نیت سے پکائیں اور کھائیں تو اس میں مضائقہ نہیں اور اگر کسی بزرگ کی فاتحہ دی جائے تو مالداروں کو بھی کھانا جائز ہے۔

(زبدۃ النصائح، ص132)

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی فرماتے ہیں: "طعامیکہ ثواب آں نیاز حضرت امامین نمایند

بر آں فاتحہ وقل ودرود خواندن تبرک میشود وخوردن بسیار خوب سنت "ترجمہ: جو کھانا حضرات امامین (امام حسن وامام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما) کو نیاز کریں، اس کھانے پر سورۂ فاتحہ، قل شریف اور درود شریف پڑھنا باعث برکت ہے اور ایسے کھانے کا کھانا بھی بہت اچھا ہے۔ (فتاوی عزیزیہ، ج1، ص78)

حاجی امداد اللہ مہاجر مکی

حاجی امداد اللہ مہاجر مکی فرماتے ہیں:

"تأمل سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ سلف میں تو یہ عادت تھی مثلاً کھانا پکا کر مساکین کو کھلا دیا اور دل سے ایصالِ ثواب کی نیت کر لی، متاخرین نے یہ خیال کیا کہ جیسے نماز میں نیت ہر چند دل سے کافی ہے مگر موافقتِ قلب ولسان کے لیے عوام کو زبان سے کہنا بھی مستحسن ہے، اسی طرح اگر یہاں زبان سے کہہ لیا جائے کہ یا اللہ اس کھانے کا ثواب فلاں شخص کو پہنچ جائے، تو بہتر ہے، پھر کسی کو خیال ہوا کہ لفظ کا مشار الیہ اگر روبرو موجود ہو تو زیادہ استحضارِ قلب ہو، تو کھانا روبرو لانے لگے، کسی کو یہ خیال ہوا کہ یہ ایک دعا ہے اس کے ساتھ کچھ کلامِ الٰہی بھی پڑھا جائے تو قبولیتِ دعا کی بھی امید ہے کہ اس کلام کا ثواب بھی پہنچ جائے کہ جمع بین العبادتین ہے۔

گیارہویں شریف حضور غوث پاک قدس سرہ اور دسواں، بیسواں، چہلم وششماہی وسالانہ وغیرہ اور توشہ حضرت شیخ احمد عبدالحق رودولوی رحمۃ اللہ علیہ اور سہ منی حضرت شاہ بوعلی قلندر رحمۃ اللہ علیہ وحلوائے شب برات ودیگر ثواب کے کام اسی قاعدہ پر مبنی ہیں۔" (فیصلہ ہفت مسئلہ، ص6،7)

مفتی امجد علی اعظمی

صدر الشریعہ بدر الطریقہ مفتی امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ایصال ثواب یعنی قرآن مجید یا درود شریف یا کلمہ طیبہ یا کسی نیک عمل کا ثواب دوسرے کو پہنچانا جائز ہے۔ عبادتِ مالیہ یا بدنیہ فرض ونفل سب کا ثواب دوسروں کو پہنچایا جا سکتا ہے، زندوں کے ایصال ثواب سے مردوں کو فائدہ پہنچتا ہے۔ کتب فقہ وعقائد میں اس کی تصریح مذکور ہے، ہدایہ اور شرح عقائد نسفی میں اس کا بیان موجود ہے اس کو بدعت کہنا ہٹ دھرمی ہے۔ حدیث سے بھی اس کا جائز ہونا ثابت ہے۔

حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ کا جب انتقال ہوا، انھوں نے حضور اقدس رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں عرض کی، یارسول اللہ! (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) سعد کی ماں کا انتقال ہوگیا، کون سا صدقہ افضل ہے؟ ارشاد فرمایا: پانی۔ انھوں نے کوآں کھودا اور یہ کہا کہ یہ سعد کی ماں کے لیے ہے۔ معلوم ہوا کہ زندوں کے اعمال سے مردوں کو ثواب ملتا اور فائدہ پہنچتا ہے۔

اب رہیں تخصیصات مثلاً تیسرے دن یا چالیسویں دن یہ تخصیصات نہ شرعی تخصیصات ہیں نہ ان کو شرعی سمجھا جاتا ہے، یہ کوئی بھی نہیں جانتا کہ اسی دن میں ثواب پہنچے گا اگر کسی دوسرے دن کیا جائے گا تو نہیں پہنچے گا۔ یہ محض رواجی اور عرفی بات ہے جو اپنی سہولت کے لیے لوگوں نے کر رکھی ہے بلکہ انتقال کے بعد ہی سے قرآن مجید کی تلاوت اور خیر خیرات کا سلسلہ جاری ہوتا ہے اکثر لوگوں کے یہاں اسی دن سے بہت دنوں تک یہ سلسلہ جاری رہتا ہے اس کے ہوتے ہوئے کیونکر کہا جا سکتا ہے کہ مخصوص دن کے سوا دوسرے دنوں میں لوگ ناجائز جانتے ہیں، یہ محض افترا ہے جو مسلمانوں کے سر باندھا جاتا ہے اور زندوں مُردوں کو ثواب سے محروم کرنے کی بیکار کوشش ہے، پس جبکہ ہم اصل کلی بیان کر چکے تو جزئیات کے احکام خود اسی کلیہ سے معلوم ہوگئے۔

سوم یعنی تیجہ جو مرنے سے تیسرے دن کیا جاتا ہے کہ قرآن مجید پڑھوا کر یا کلمہ طیبہ پڑھوا کر ایصالِ ثواب کرتے ہیں اور بچوں اور اہلِ حاجت کو چنے، بتاسے یا مٹھائیاں تقسیم کرتے ہیں اور کھانا پکوا کر فقرا و مساکین کو کھلاتے ہیں یا ان کے گھروں پر بھیجتے ہیں جائز و بہتر ہے، پھر ہر پنج شنبہ (جمعرات) کو حسبِ حیثیت کھانا پکا کر غربا کو دیتے یا کھلاتے ہیں، پھر چالیسویں دن کھانا کھلاتے ہیں، پھر چھ مہینے پر ایصال کرتے ہیں، اس کے بعد برسی ہوتی ہے۔ یہ سب اسی ایصال ثواب کی فروع ہیں اسی میں داخل ہیں مگر یہ ضرور ہے کہ یہ سب کام اچھی نیت سے کیے جائیں نمائشی نہ ہوں، نمود مقصود نہ ہو، ورنہ نہ ثواب ہے نہ ایصالِ ثواب۔

بعض لوگ اس موقع پر عزیز و قریب اور رشتہ داروں کی دعوت کرتے ہیں، یہ موقع دعوت کا نہیں بلکہ محتاجوں فقیروں کو کھلانے کا ہے جس سے میت کو ثواب پہنچے۔ اسی طرح شب براءت میں حلوا پکتا ہے اور اس پر فاتحہ دلائی جاتی ہے، حلوا پکانا بھی جائز ہے اور اس پر فاتحہ بھی اسی ایصالِ ثواب میں داخل۔

ماہ رجب میں بعض جگہ سورہ ملک چالیس مرتبہ پڑھ کر روٹیوں یا چھوہاروں پر دم کرتے ہیں اور ان کو تقسیم کرتے ہیں اور ثواب مردوں کو پہنچاتے ہیں یہ بھی جائز ہے۔ اسی ماہ رجب میں حضرت جلال بخاری علیہ الرحمہ کے کونڈے ہوتے ہیں کہ چاول یا کھیر پکوا کر کونڈوں میں بھرتے ہیں اور فاتحہ دلا کر لوگوں کو کھلاتے ہیں یہ بھی جائز ہے، ہاں ایک بات مذموم ہے وہ یہ کہ جہاں کونڈے بھرے جاتے ہیں وہیں کھلاتے ہیں وہاں سے ہٹنے نہیں دیتے، یہ ایک لغو حرکت ہے مگر یہ جاہلوں کا طریق عمل ہے، پڑھے لکھے لوگوں میں یہ پابندی نہیں۔

اسی طرح ماہ رجب میں بعض جگہ حضرت سیدنا امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایصالِ ثواب کے لیے پوریوں کے کونڈے بھرے جاتے ہیں یہ بھی جائز مگر اس میں بھی اسی جگہ کھانے کی بعضوں نے پابندی کر رکھی ہے یہ بے جا پابندی ہے۔ اس کونڈے کے متعلق ایک کتاب بھی ہے جس کا نام داستانِ عجیب ہے، اس موقع پر بعض لوگ اس کو پڑھواتے ہیں اس میں جو کچھ لکھا ہے اس کا کوئی ثبوت نہیں وہ نہ پڑھی جائے فاتحہ دلا کر ایصالِ ثواب کریں۔

ماہ محرم میں دس دنوں تک خصوصاً دسویں کو حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ و دیگر شہدائے کربلا کو ایصال ثواب کرتے ہیں کوئی شربت پر فاتحہ دلاتا ہے، کوئی شیر برنج (چاولوں کی کھیر) پر، کوئی مٹھائی پر، کوئی روٹی گوشت پر، جس پر چاہو فاتحہ دلاؤ جائز ہے، ان کو جس طرح ایصال ثواب کرو مندوب ہے۔ بہت سے پانی اور شربت کی سبیل لگا دیتے ہیں، جاڑوں (سردیوں) میں چائے پلاتے ہیں، کوئی کھچڑا پکواتا ہے جو کار خیر کرو اور ثواب پہنچاؤ ہو سکتا ہے، ان سب کو ناجائز نہیں کہا جا سکتا۔ بعض جاہلوں میں مشہور ہے کہ محرم میں سوائے شہدائے کربلا کے دوسروں کی فاتحہ نہ دلائی جائے ان کا یہ خیال غلط ہے، جس طرح دوسرے دنوں میں سب کی فاتحہ ہو سکتی ہے، ان دنوں میں بھی ہو سکتی ہے۔

ماہ ربیع الآخر کی گیارہویں تاریخ بلکہ ہر مہینہ کی گیارہویں کو حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فاتحہ دلائی جاتی ہے، یہ بھی ایصالِ ثواب کی ایک صورت ہے بلکہ غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جب بھی فاتحہ ہوتی ہے کسی تاریخ میں ہو، عوام اسے گیارہویں کی فاتحہ بولتے ہیں۔

ماہ رجب کی چھٹی تاریخ بلکہ ہر مہینہ کی چھٹی تاریخ کو حضور خواجہ غریب نواز معین الدین چشتی اجمیری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فاتحہ بھی ایصال ثواب میں داخل ہے۔ اصحابِ کہف کا توشہ یا حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا توشہ یا حضرت

شیخ احمد عبدالحق رُودولوی قدس سرہ العزیز کا توشہ بھی جائز ہے اور ایصال ثواب میں داخل ہے۔

عرس بزرگانِ دین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین جو ہر سال ان کے وصال کے دن ہوتا ہے یہ بھی جائز ہے، کہ اس تاریخ میں قرآن مجید ختم کیا جاتا ہے اور ثواب اون بزرگ کو پہنچایا جاتا ہے یا میلاد شریف پڑھا جاتا ہے یا وعظ کہا جاتا ہے، بالجملہ ایسے امور جو باعث ثواب وخیر وبرکت ہیں جیسے دوسرے دنوں میں جائز ہیں ان دنوں میں بھی جائز ہیں۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر سال کے اول یا آخر میں شہدائے احد رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی زیارت کو تشریف لے جاتے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ عرس کو لغو وخرافات چیزوں سے پاک رکھا جائے، جاہلوں کو نامشروع حرکات سے روکا جائے، اگر منع کرنے سے باز نہ آئیں تو ان افعال کا گناہ ان کے ذمہ۔ (بہار شریعت، حصہ 16، ص642 تا644، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

تعینات عرفیہ

سوال: بعض لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ ایصالِ ثواب تو جائز ہے مگر یہ معین کرنا کہ گیارہ تاریخ کو گیارہویں ہوگی، یہ غلط ہے۔

جواب: معین کرنے کی دو صورتیں ہیں: (1) **تعیین شرعی** (2) **تعیین عرفی**۔

تعیین شرعی یہ اعتقاد ہو کہ وہ کام اسی وقت میں ہوگا کسی اور وقت میں نہ ہوگا، یہ اپنی طرف سے نہیں کر سکتے اور **تعیین عرفی**، یہ ذہن ہو کہ کام ہر وقت میں ہو سکتا ہے مگر اپنی سہولت یا کسی اور مصلحت کی وجہ سے کوئی دن یا وقت خاص کر لیا ہے یہ جائز ہے اور مسلمان گیارہویں اور دیگر ایصالِ ثواب کی صورتوں میں تعیین عرفی کرتے ہیں، تعیینِ شرعی کا ان پر الزام لگانا بہتان اور افتراء ہے۔

صدر الشریعہ رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت ماقبل گزری، آپ فرماتے ہیں: ''اب رہیں تخصیصات مثلاً تیسرے دن یا چالیسویں دن یہ تخصیصات نہ شرعی تخصیصات ہیں نہ ان کو شرعی سمجھا جاتا ہے، یہ کوئی بھی نہیں جانتا کہ اسی دن میں ثواب پہنچے گا اگر کسی دوسرے دن کیا جائے گا تو نہیں پہنچے گا۔ یہ محض رواجی اور عرفی بات ہے جو اپنی سہولت کے لیے لوگوں نے کر رکھی ہے بلکہ انتقال کے بعد ہی سے قرآن مجید کی تلاوت اور خیر خیرات کا سلسلہ جاری ہوتا ہے اکثر لوگوں کے یہاں اسی دن سے بہت دنوں تک یہ سلسلہ جاری رہتا ہے اس کے ہوتے ہوئے کیونکر کہا جا سکتا ہے کہ مخصوص دن کے سوا

دوسرے دنوں میں لوگ ناجائز جانتے ہیں، یہ محض افترا ہے جو مسلمانوں کے سر باندھا جاتا ہے اور زندوں مُردوں کو ثواب سے محروم کرنے کی بیکار کوشش ہے، پس جبکہ ہم اصل کلی بیان کر چکے تو جزئیات کے احکام خود اسی کلیہ سے معلوم ہو گئے۔

امام اہل سنت مجدد دین وملت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ وقت معین کرنے کے حوالے سے ایک مدلل اور مفصل فتوے میں فرماتے ہیں:

توقیت یعنی کسی کام کے لیے وقت مقرر کرنے کی دو صورتیں ہیں: (1) **شرعی** اور (2) **عادی**۔

شرعیہ کہ شریعت مطہرہ نے کسی کام کے لیے کوئی وقت مقرر فرمایا ہے کہ (1) وہ اس کے علاوہ وقت میں ہو ہی نہیں سکتا، اور اگر کریں تو وہ عمل شرعی ادا نہ ہوگا۔ جیسے قربانی کے لیے ایام نحر، (2) یا یہ کہ اس وقت سے اس عمل کو مقدم یا مؤخر کرنا ناجائز ہو، جیسے احرام حج کے لیے حرمت والے مہینے (یعنی شوال، ذی قعدہ، ذوالحجہ)، (3) یا یہ کہ اس وقت میں جو ثواب ہے وہ دوسرے وقت میں نہ ملے، جیسے نماز عشاء کے لیے تہائی رات۔

عادیہ کہ شریعت کی جانب سے کوئی قید نہیں جب چاہیں عمل میں لائیں، لیکن حدث (کام ہونے) کے لیے زمانہ ضروری ہے۔ اور زمانۂ غیر معین میں کسی کام کا واقع ہونا محالِ عقلی ہے، اس لیے کہ وجود اور تعین ایک دوسرے کے مُساوِق (ساتھ ساتھ) ہیں، تو تعیّن سے چارہ نہیں یہ سبھی تعینات (اوقات معیّنہ) اطلاق کی بناء پر بطور بدلیت وہ عمل واقع کیے جانے کے قابل تھے، مگر ان ہی میں سے کسی کو کسی مصلحت کی وجہ سے اختیار کرتے ہیں۔ بغیر اس کے کہ وقت معین کو صحت کی بنیاد یا حلت (حلال ہونے) کا مدار یا ثواب دیے جانے کا مناط (سبب) جانیں، ظاہر ہے کہ اس تقیید کی وجہ سے مقید مطلق کا فرد ہونے سے خارج نہ ہوگا، اور مطلق کا جو حکم ہے وہ اس کے تمام افراد میں جاری ہوگا تب کہ کسی فرد خاص سے متعلق خاص طور پر ممانعت وارد نہ ہو۔

تو ایسے مقام میں راہ یہ نہیں کہ جائز کہنے والے سے خصوصیت کا ثبوت مانگیں بلکہ راہ یہ ہوگی کہ اس فرد خاص سے متعلق ممانعت کی صراحت شریعت سے نکالیں۔

پھر اگر اس وقت معیّن کی ذات میں خود کوئی ترجیح دینے والی چیز موجود ہے جو اسے اختیار کرنے کی باعث ہے تو ٹھیک ہے۔ ورنہ جب تمام اوقات یکساں اور برابر ہوں تو صاحبِ اختیار کا ارادہ ترجیح دینے کے لیے کافی ہے، جیسے دو جام

یکساں ہیں اور پیاسا اپنے ارادے سے کسی ایک کو ترجیح دے کر اختیار کرتا ہے۔ اسی طرح دوراہیں یکساں ہیں اور چلنے والا کسی ایک کو اختیار کر لیتا ہے۔

پہلی صورت میں (یعنی جب کوئی ترجیح دینے والی چیز موجود ہو) تو مصلحت خود عیاں ہے اور دوسری صورت میں کم از کم اتنا ضرور ہے کہ اس کو معین کر لینے سے یاد دہانی اور آگاہی ہوگی اور یہ ٹالنے اور فوت کر ڈالنے سے مانع ہوگی، ہر عقل والے کا وجدان خود گواہ ہے کہ جب کسی کام کے لیے کوئی وقت معین رکھتے ہیں تو جب وقت آتا ہے وہ کام یاد آ جاتا ہے ورنہ بارہا ایسا ہوتا ہے کہ فوت ہو جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ ذاکرین، شاغلین، عابدین اپنے ذکر و شغل اور عبادت کے لیے اوقات معین کر لیتے ہیں۔ کسی نے نماز صبح سے پہلے سو بار کلمہ طیبہ پڑھنا اپنے ذمہ کر لیا ہے۔ کسی نے نماز عشاء کے بعد سو بار درود پڑھنا مقرر کر لیا ہے۔

اگر اس تعیین و توقیت کو توقیت شرعی کی تینوں قسموں سے نہ جانیں تو شریعت کی جانب سے ان پر ہرگز کوئی عتاب نہیں، جان برادر! اگر شاہ ولی اللہ کی القول الجمیل، امام الطائفہ کی صراط مستقیم اور ان کے علاوہ اس طائفہ کے اکابر و عمائد کی تصنیف کردہ اس فن کی کتابیں دیکھو تو ان میں از خود لازم کیے ہوئے تعینات سے بہت سی چیزیں پاؤ گے جن میں شریعت کی جانب سے تعیین و توقیت کا کوئی نام و نشان بھی نہیں ہے۔ دُور کیوں جایئے اور تعیین ایام و اوقات کی بات کیوں کیجئے، وہاں تو دسیوں اعمال و اشغال اور ہیآت وطُرق ایجادی اور اختراعی ایسے موجود ہیں جن کا قرونِ سابقہ میں کوئی نام و نشان تھا،، نہ ذکر و خبر۔ ان حضرات کو ان کی ایجاد اور ابتداع کا خود اقرار ہے۔ شاہ ولی اللہ القول الجمیل میں لکھتے ہیں "ہماری صحبت اور ہماری تعلیم آداب طریقت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک متصل ہے اگر چہ ان آداب اور ان اشغال کی تعیین حضور سے ثابت نہیں۔" (القول الجمیل معہ ترجمہ شفاء العلیل، فصل 11، ص 173، ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی)

مولوی خرم علی، شاہ صاحب کی مذکورہ بالا عربی عبارت کا ترجمہ یہ لکھتا ہے:

ہماری صحبت اور طریقت کے آداب سیکھنا متصل ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک، اگر چہ تعیین ان آداب کا اور تقرر ان اشغال کا ثابت نہیں۔ (شفاء العلیل ترجمہ القول الجمیل، فصل 11، ص 173، ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی)

یہی صاحب القول الجمیل کے ترجمہ شفاء العلیل میں لکھتے ہیں:

حضرت مصنف محقق نے کلام دلپذیر اور تحقیق عدیم النظیر سے شبہات ناقصین کو جڑ سے اکھاڑا۔ بعضے نادان کہتے ہیں کہ قادریہ اور چشتیہ اور نقشبندیہ کے اشغال مخصوصہ صحابہ اور تابعین کے زمانہ میں نہ تھے تو بدعت سیئہ ہوئے۔
(القول الجمیل معہ ترجمہ شفاء العلیل، فصل 11، ص 107، ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی)

اسی میں شاہ عبدالعزیز صاحب سے نقل کرتے ہیں:

مولانا حاشیے میں فرماتے ہیں اور اسی طرح پیشوایانِ طریقت نے جلسات اور ہیات واسطے اذکار مخصوصہ کے ایجاد کیے ہیں مناسب مخفیہ کے سبب سے۔ (القول الجمیل معہ ترجمہ شفاء العلیل، فصل 11، ص 51، ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی)

پھر خود لکھا ہے:

یعنی ایسے امور کو مخالفِ شرع یا داخل بدعت سیئہ نہ سمجھنا چاہئے جیسا کہ بعض کم فہم سمجھتے ہیں۔
(القول الجمیل معہ ترجمہ شفاء العلیل، فصل 11، ص 51، ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی)

امام الطائفہ (اسماعیل دہلوی) نے صراط مستقیم میں لکھا ہے:

محققین اکابر نے تجدیدِ اشغال کے طریقے میں بڑی کوششیں کی ہیں، اسی بنا پر مصلحت اور وقت کا تقاضا یہ ہوا کہ اس کتاب کا ایک باب اس وقت کے مناسب اشغال جدیدہ کے بیان کے لیے معیّن کیا جائے اور اشغال کی تجدید عمل میں لائی جائے۔ (صراط مستقیم، مقدمۃ الکتاب، باب اول، ص 897، المکتبۃ السلفیہ، لاہور)

اپنے پیر کے حال میں لکھا ہے:

طریقہ چشتیہ کی تلقین و تعلیم میں بازوئے ہمت کشادہ کیا، اور ان اشغال کی تجدید فرمائی جن پر یہ کتاب مستطاب مشتمل ہے۔ (صراط مستقیم، باب چہارم، ص 166، المکتبۃ السلفیہ، لاہور)

سبحان اللہ! یہ لوگ جو تمھارے قاعدے کے مطابق صراحۃً "احداث فی الدین" اور کھلی ہوئی بدعت جاری کرنے کے مرتکب ہیں، اور بلاشبہہ ایسی چیزیں ایجاد کی ہیں جن کی قرون سابقہ میں کوئی خبر نہیں، وہ تو گمراہ اور بدعتی نہ ہوں بلکہ ویسے ہی امام ومقتداء اور عرفاء وعلماء رہیں دُوسرے صرف اتنے جرم پر کہ انھوں نے شریعت میں ثابت چند پسندیدہ امور کو یکجا کردیا، اور ان کو عمل میں لانے کیلئے شریعت میں جائز اوقات میں سے ایک وقت معین کرلیا، معاذ اللہ گمراہ اور بدعتی ہوجائیں ___ للہ انصاف! اس بے جا تحکم اور ناروا زبردستی کو کیا کہا جائے، شاید شریعت تمھارے گھر کا

کاروبار ہے کہ جیسے چاہو الٹ پھیر کرتے رہو ہوشیار۔ ہوشیار اے طالبان حق ان کو، ان کی سرکشی اور زیادتی میں چھوڑ اور آثار واحادیث کی جانب متوجہ ہو تاکہ ہم کچھ تعیناتِ عادیہ تجھے سنائیں:

(1) اسی قبیل سے ہے جو حدیث میں آیا کہ حضور پرنور سید عالم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے شہدائے اُحد کی زیارت کے لیے سر سال کا وقت مقرر فرمالیا تھا جیسا کہ آگے ذکر آرہا ہے۔

(2) اور سنیچر (ہفتہ) کے دن مسجد قبا میں تشریف لانا، جیسا کہ صحیحین (بخاری و مسلم) میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے۔ (صحیح مسلم، باب فضل مسجد قبا، ج1، ص448، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

(3) اور شکرِ رسالت کے لیے دوشنبہ (پیر) کا روزہ جیسا کہ صحیح مسلم میں حضرت ابوقتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔ (صحیح مسلم، باب استحباب صیام ثلاثۃ ایام، ج1، ص368، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

(4) اور صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دینی مشاورت کے لیے وقتِ صبح وشام کی تعیین، جیسا کہ صحیح بخاری میں اُمّ المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے۔

(صحیح البخاری، باب ہجرۃ النبی واصحابہ الی المدینہ، ج1، ص552، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

(5) اور سفر جہاد شروع کرنے کے لیے پنجشنبہ (جمعرات) کی تعیین، جیسا کہ اسی صحیح بخاری میں حضرت کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔ (صحیح البخاری، باب من اراد غزوۃ، ج1، ص414، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

(6) اور طلب علم کے لئے دوشبہ کی تعیین جیسا کہ ابوالشیخ، ابن حبان اور دیلمی نے بسند صالح حضرت انس ابن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

(الفردوس بمأثور الخطاب، ج1، ص78، دارالکتب العلمیہ، بیروت ☆ کنز العمال، ج10، ص250، موسسۃ الرسالۃ، بیروت)

(7) اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وعظ وتذکیر کے لیے پنجشنبہ (جمعرات) کا دن مقرر کیا، جیسا کہ صحیح بخاری میں حضرت ابووائل سے مروی ہے۔ (صحیح البخاری، باب من جعل لاہل العلم ایاما معلومۃ، ج1، ص16، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

(8) اور علما نے سبق شروع کرنے کے لیے بدھ کا دن رکھا، جیسا کہ امام برہان الاسلام زرنوجی کی تعلیم المتعلم میں ہے۔ انھوں نے اپنے استاد امام برہان الدین مرغینانی صاحب ہدایہ سے اس کی حکایت فرمائی اور کہا کہ اسی طرح

امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہا کرتے تھے۔ (تعلیم المتعلم، فصل فی بدایۃ السبق، ص43، مطبع علیمی، دہلی)

صاحب تنزیہہ الشریعۃ نے فرمایا اور اسی طرح ایک جماعت علماء کا دستور رہا ہے۔

(تنزیہہ الشریعۃ، باب ذکر البلدان والایام، فصل ثانی حدیث، ج2، ص56، دارالکتب العلمیہ، بیروت)

یہ سب توقیت عادی کے باب سے ہیں، حاشا کہ سید سرداراں علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مراد یہ ہو کہ انتہائے سال کے علاوہ کسی دوسرے وقت، زیارت نہیں، یا جائز نہیں، یا اس دن بندہ نوازی امت پروری اور قدم مبارک کی خاک پاک سے مزارات شہدائے کرام کو شرف بخشنے پر جو اجر عظیم اس شاہ عالم پناہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو عطا ہوگا وہ دوسرے دن نہ ملے گا۔ اسی طرح حضرت ابن مسعود کا مقصود یہ نہ تھا کہ پنج شنبہ (جمعرات) کے علاوہ کسی اور دن وعظ نہیں، یا دوسرے دن اس کا جواز نہیں، یا دوسرے دن یہ اجر فوت ہو جائے گا، شرع مطہر نے یہ تعیین فرمائی تھی۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ یہی ایک عادت مقرر کرلی تھی تاکہ ہر ہفتہ میں مسلمانوں کی تذکیر کا کام انجام دیتے ہیں، اور دن متعین ہونے کی وجہ سے طالبان خیر آسانی سے جمع ہو جائیں، اسی طرح باقی امور کو قیاس کرو۔

ہاں ان میں سے بعض میں کوئی الگ مرجح (ترجیح دینے والا) بھی موجود ہے۔ جیسے دوشنبہ کے دن بعثت کا وقوع اور علم نبوت کا حصول_ اور پنجشنبہ (جمعرات) کو صبح سویرے نکلنے میں عظیم برکت کا وجود اور چہار شنبہ (بدھ) کو شروع کرنے میں تکمیل کی امید کہ یہاں ایک حدیث ذکر کرتے ہیں کہ ((مامن شیء بدیء یوم الاربعاء الاتم)) جو کام بھی چہار شنبہ کو شروع کیا جائے وہ پورا ہو۔ (تنزیہہ الشریعۃ، باب ذکر البلدان والایام، فصل ثانی حدیث، ج2، ص56، دارالکتب العلمیہ، بیروت)

اور بعض دیگر میں یہی ترجیح ارادی ہے جس میں کم از کم یاددہانی اور آسانی کی مصلحت ضرور کارفرما ہے۔ اسی باب سے سوم، چہلم، چھ ماہ، اور انتہائے سال کے تعینات سے جو لوگوں نے جاری کر رکھے ہیں۔ ان میں سے بعض میں کوئی خاص مصلحت بھی ہے اور بعض دیگر آسانی و یاددہانی کے خیال سے رائج و معمول ہیں۔ اور اصطلاح میں کوئی رکاوٹ نہیں۔

یہاں مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی (جو امام الطائفہ کے نسبی چچا، علمی باپ اور طریقت میں دادا تھے) کا کلام سننے کے قابل ہے۔ تفسیر عزیزی میں قول باری عزوجل ﴿والقمر اذا اتسق﴾ کے تحت فرماتے ہیں:

وارد ہے کہ مُردہ اس حالت میں کسی ڈوبنے والے کی طرح فریاد رس کا منتظر ہوتا ہے اور اس وقت صدقے، دعائیں اور فاتحہ اسے بہت کام آتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ لوگ، موت سے ایک سال تک، خصوصاً چالیس دن تک اس طرح کی امداد میں بھرپور کوشش کرتے ہیں۔ (تفسیر عزیزی، آیہ والقمر اذا اتسق کے تحت مذکور ہے، ص 206، لال کنواں، دہلی)

زیادہ پرلطف بات یہ ہے کہ شاہ صاحب موصوف اپنے پیروں اور باپ دادا کا عرس پورے اہتمام سے کرتے تھے اور ان کے سامنے ان کی اجازت سے، اور ان کے برقرار رکھنے سے درویشوں کی قبروں پر آدمیوں کا اجتماع، فاتحہ خوانی اور طعام وشیرینی کی تقسیم ہوتی تھی، جیسا کہ ابھی اہل سجادہ میں جاری وساری ہے۔ مفتی عبدالحکیم پنجابی نے ان ہی بے وزن شبہات کے تحت جو حضرات منکرین پیش کرتے ہیں، شاہ صاحب کے ان افعال کے باعث شاہ صاحب پر زبان لعن طعن دراز کی اور لکھا کہ وہ لوگ جن کے اقوال افعال کے مطابق نہیں اپنے بزرگوں کا عرس اپنے اوپر فرض کی طرح لازم جان کر سال بہ سال مقبرے پر اجتماع کرکے وہاں طعام وشیرینی تقسیم کرکے ان مقبروں کو بُتِ معبود بناتے ہیں۔

شاہ صاحب "رسالہ ذبیحہ" میں جو مجموعہ زبدۃ النصائح مین چھپا ہے اس طعن کے جواب میں فرماتے ہیں:

یہ طعن مطعون علیہ کے حالات سے بے خبری پر مبنی ہے اس لیے کہ شریعت میں مقررہ فرائض کے سوا کسی کام کو کوئی فرض نہیں جانتا۔ ہاں قبور صالحین کی زیارت قرآن، دعائے خیر اور تقسیم شرینی وطعام سے ان کی امداد باجماع علماء مستحسن اور اچھا عمل ہے اور روز عرس کا تعین اس لیے ہے کہ وہ دن دار العمل سے دار الثواب کی جانب ان کے انتقال فرمانے کی یاد دہانی کرنے والا ہے ورنہ جس دن بھی یہ کام ہو فلاح ونجات کا سبب ہے۔ اور خلف پر لازم ہے کہ اپنے سلف کے لیے اسی طرح کی بھلائی اور نیکی کرتا رہے۔ پھر سال کے تعین اور اس کے التزام کے سلسلے میں احادیث سے سند ذکر فرمائی کہ ابن المنذر راور ابن مردویہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ ((ان رسول اللّٰہ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کان یاتی احدا کل عام فاذا بلغ الشعب سلم علی قبور الشہداء فقال سلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار)) ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر سال احد تشریف لاتے، جب درہ کوہ پر پہنچتے تو شہیدوں کی قبر پر سلام کرتے اور فرماتے: تمھیں سلام ہو تمھارے صبر پر کہ دارِ آخرت کیا ہی عمدہ گھر ہے۔

(درمنثور بحوالہ ابن منذر وابن مردویہ، زیرآیۃ سلام علیکم، ج4،ص58، منشورات مکتبہ آیۃ اللہ العظمٰی، ایران)

اور امام ابن جریر نے اپنی تفسیر میں حضرت محمد بن ابراہیم سے روایت کی ہے کہ ((كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْتِي قُبُورَ الشُّهَدَاءِ عِنْدَ رَأْسِ الْحَوْلِ فَيَقُولُ :اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ .قَالَ: وَكَانَ أَبُو بَكْرٍ وَعُمَرَ وَعُثْمَانَ يَفْعَلُونَ ذٰلِكَ)) سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر سال کے شروع میں شہداء کی خاک پر قدم رنجہ فرماتے اور کہتے تم پر سلام ہو تمھارے صبر پر کہ دارِ آخرت کیا ہی عمدہ گھر ہے، حضور کے بعد حضرت صدیق وفاروق اور ذی النورین بھی ایسا ہی کرتے، رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ (جامع البیان (تفسیر ابن جریر)، زیرآیۃ سلام علیکم، ج13،ص84، مطبعۃ میمینہ، مصر)

اور تفسیر کبیر میں ہے:((كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْتِي قُبُورَ الشُّهَدَاءِ عِنْدَ رَأْسِ الْحَوْلِ فَيَقُولُ: اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ o. والخلفاء الاربعة هكذا كانوا يفعلون)) ترجمہ: حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر سال شہداء کے مزار پر تشریف لے جاتے اور آیۃ مذکورہ پڑھتے۔ اور اسی طرح حضرات خلفائے اربعہ بھی کرتے۔ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔ (التفسیر الکبیر للرازی، زیرآیۃ سلام علیکم، ج17،ص45، مطبعۃ البہیۃ المصریۃ، مصر)

الحاصل حق یہ ہے کہ مذکورہ تخصیصات سبھی تعینات عادیہ سے ہیں جو ہرگز کسی طعن اور ملامت کے قابل نہیں۔ اتنی بات کو حرام اور بدعت شنیعہ کہنا کھلی ہوئی جہالت اور قبیح خطا ہے۔

مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب کے بھائی شاہ رفیع الدین دہلوی نے اپنے فتاوٰی میں کیا ہی عمدہ انصاف کی بات لکھی ہے۔ ان کی عبارت یوں نقل کی گئی ہے:

سوال: بزرگوں کی فاتحہ میں کھانوں کو خاص کرنا، مثلاً امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فاتحہ میں کھچڑا، شاہ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ کی فاتحہ میں توشہ وغیر ذلک، یوں ہی کھانے والوں کو خاص کرنا، ان سب کا کیا حکم ہے؟

جواب: فاتحہ اور طعام بلاشبہہ مستحسن ہیں، اور تخصیص جو مخصص (خاص کرنے والے) کا فعل ہے۔ وہ اس کے اختیار میں ہے۔ ممانعت کا سبب نہیں ہوسکتا، یہ خاص کر لینے کی مثالیں، سب عرف اور عادت کی قسم سے ہیں جو ابتداء میں خاص مصلحتوں اور خفی مناسبوں کی وجہ سے رونما ہوئیں پھر رفتہ رفتہ عام ہوگئیں۔

ثم اقول (میں کہتا ہوں) بلکہ اگر یہاں خود کوئی دینی مصلحت نہ ہو (تو بھی حرام نہیں ہوسکتا) کیونکہ مصلحت نہ

ہونے کا معنٰی یہ نہیں کہ مفسدہ موجودہ ہے کہ باعثِ انکار ہو جائے ورنہ مباح کہاں جائے گا؟ امام احمد مسند میں بسندِ حسن ایک صحابیہ خاتون رضی اللہ تعالٰی عنہا سے راوی ہیں کہ حضور پرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کہ ((صِیَامُ یَوْمِ السَّبْتِ لَا لَكِ وَلَا عَلَیْكِ)) ہفتے کے روزے نہ تیرے لیے نہ تیرے خلاف۔

(مسند احمد بن حنبل، حدیث امرأۃ رضی اللہ عنہا، ج6، ص368، دارالفکر بیروت)

علماء نے اس کی شرح میں فرمایا ''لالك فيه مزيد ثواب ولاعليك فيه ملام ولا عقاب'' نہ تیرے لیے اس میں کسی ثواب کی زیادتی ہے نہ اس میں تجھ پر کوئی عتاب اور ملامت ہے۔

(فیض القدیر شرح الجامع الصغیر، ج4، ص330، دارالمعرفہ بیروت)

واضح ہوا کہ بے وجہِ تخصیص کے خاص کر لینا اگر مفید نہ ہو تو مضر بھی نہ ہوگا، اور یہی ہمارا مقصود ہے۔

ہاں جو عامی شخص اس تعین عادی کو توقیتِ شرعی جانے اور گمان کرے کہ ان کے علاوہ دنوں میں ایصال ثواب ہوگا ہی نہیں، یا جائز نہیں، یا ان ایام میں ثواب دیگر ایام سے زیادہ کامل ووافر ہے، تو بلاشبہہ وہ شخص غلط کار اور جاہل ہے اور اس گمان میں خطا کار اور صاحب باطل ہے۔

لیکن اتنا گمان اصل ایمان میں خلل نہیں لاتا، نہ ہی کسی قطعی عذاب اور حتمی وعید کا سبب ہوتا ہے جیسا کہ امام الطائفہ کا اپنی تقویۃ الایمان میں یہ اعتقاد ہے اور اس کی یہ جہالتِ فاحشہ اس عامی کی جہالت سے بدرجہا بدتر ہے۔ وہ ایک نادانی اور اٹکل سے زیادہ نہیں، اور یہ بڑی گمراہی اور شدید اعتزال ہے ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العزیز الحمید۔

(فتاوی رضویہ ملخصا، ج9، ص590 تا 592، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

تلاوت کا ایصال ثواب

علامہ بدرالدین عینی حنفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ وامام احمد رضی اللہ تعالٰی عنہما کا موقف یہ ہے کہ تلاوت قرآن کا ثواب میت کو پہنچتا ہے، اس پر درج ذیل دلائل ہیں:

حضرت ابوبکر نجار نے کتاب السنن میں حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالٰی

علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو قبرستان سے گزرے تو "قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَد" گیارہ مرتبہ پڑھے پھر اس کا ثواب مردوں کو ایصال کر دے تو اس کو مردوں کی تعداد کے برابر اجر دیا جائے گا۔

اور ان کی سنن میں ہی حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ جو قبرستان میں داخل ہوا اور سورۃ یٰسین کو پڑھا تو اللہ تعالیٰ اس دن مردوں سے عذاب اٹھا دیتا ہے

اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نے اپنے والدین یا ان میں سے ایک کی قبر کی زیارت کی، اس کے پاس سورۃ یٰسین پڑھی تو اس کی بخشش کر دی جائے گی۔

اور حضرت ابو حفص بن شاہین نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نے ایک مرتبہ یہ کہا: ((اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ رَبِّ السَّمٰوَاتِ، وَرَبِّ الْاَرْضِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ، وَلَهُ الْكِبْرِيَاءُ فِي السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ، وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ، لِلّٰهِ الْحَمْدُ رَبِّ السَّمٰوَاتِ وَرَبِّ الْاَرْضِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ، وَلَهُ الْعَظَمَةُ فِي السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ هُوَ الْمَلِكُ رَبُّ السَّمٰوَاتِ وَرَبُّ الْاَرْضِ وَرَبُّ الْعَالَمِيْنَ، وَلَهُ النُّوْرُ فِي السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ)) ترجمہ: تمام خوبیاں اللہ تعالیٰ کیلئے ہیں جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے، آسمانوں کا رب ہے، زمین کا رب، تمام جہانوں کا رب ہے۔ آسمانوں و زمین میں اسی کیلئے بڑائی ہے اور وہ غالب حکمت والا ہے، اللہ ہی کیلئے حمد ہے، آسمانوں کا رب، زمین کا رب اور تمام جہانوں کا رب ہے اور آسمانوں و زمین میں اسی کیلئے عظمت ہے اور وہ غالب، حکمت والا ہے وہی مالک ہے، آسمانوں کا رب، زمین کا رب اور تمام جہانوں کا رب ہے اور آسمانوں و زمین میں اسی کا نور ہے اور وہی غالب، حکمت والا ہے۔

پھر اس نے کہا: اے اللہ اس کا ثواب میرے والدین کو پہنچا دے تو اس پر اس کے والدین کا جو بھی حق تھا اس نے وہ ادا کر دیا۔

اور امام نووی نے فرمایا: امام شافعی اور ایک جماعت کا مشہور مذہب یہ ہے کہ تلاوت قرآن کا ثواب میت کو نہیں پہنچتا۔ اور مذکورہ احادیث ان کے خلاف دلیل ہیں۔ (عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری، ج3، ص118، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

تلاوت کے علاوہ کا ایصال ثواب

علامہ عینی مزید فرماتے ہیں:

مگر علماء کا اس پر اجماع ہے کہ بے شک دعا اموات کو پہنچتی ہے اور ان کو اس کا ثواب ملتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَالَّذِین جَآئُوا من بعدھِمْ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِر لنا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِین سبقُونَا بالایمان﴾ ترجمہ: اور وہ لوگ جو ان کے بعد آئے وہ کہتے ہیں اے ہمارے رب ہمیں اور ہم سے پہلے گزرے ہوئے ہمارے مومنین بھائیوں کو بخش دے۔ (پ28، سورۃ الحشر:59)

اس کے علاوہ اور بھی آیات ہیں اور اس کے ثبوت میں احادیث مشہورہ ہیں جن میں سے کچھ احادیث درج ذیل ہیں:

حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دعا کی: اے اللہ بقیعِ غرقد والوں کی مغفرت فرمادے۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دعا کی: اے اللہ! ہمارے زندوں اور مردوں کو بخش دے۔

ابوبکر النجار نے ''کتاب السنن'' میں حضرت عمرو بن شعیب سے روایت بیان کی ہے وہ اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پوچھا: یارسول اللہ ! بے شک عاص بن وائل نے زمانہ جاہلیت میں نذر مانی تھی کہ وہ سو اونٹ ذبح کرے گا اور ہشام بن عاص نے اس کے حصہ کے پچاس ذبح کردیئے تو کیا یہ اس کی طرف سے کفایت کریں گے؟ تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تمہارا باپ اگر توحید کا اقرار کرلیتا پھر تو اس کی طرف سے روزہ رکھتا یا صدقہ کرتا یا آزاد کرتا تو یہ اس کو پہنچتا۔

امام دارقطنی نے روایت بیان کی کہ ایک شخص نے عرض کی: یارسول اللہ ! میں اپنے والدین کے ساتھ ان کی وفات کے بعد کیسے بھلائی کرسکتا ہوں؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا بے شک مرنے کے بعد بھلائی یہ ہے کہ تو اپنی نماز کے ساتھ ان کیلئے بھی

نماز پڑھے، اپنے روزہ کے ساتھ ان کیلئے بھی روزہ رکھے، اپنے صدقہ کے ساتھ ان کی طرف سے بھی صدقہ کرے۔

امام ابوالحسین بن فراء کی کتاب القاضی میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے حضور صلی

اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پوچھا: یارسول اللہ! جب ہم اپنے مردوں کی طرف سے صدقہ کرتے ہیں، ان کی طرف سے حج کرتے ہیں، ان کیلئے دعا کرتے ہیں تو یہ ان کو پہنچتا ہے؟ ارشاد فرمایا: جی ہاں۔ اور وہ اس سے اس طرح خوش ہوتے ہیں جیسا کہ تم میں سے کوئی ایک اس طشت سے خوش ہوتا ہے جو اس کو ہدیہ کیا گیا ہو۔

حضرت سعد سے مروی ہے کہ انہوں نے عرض کی: یارسول اللہ ! بے شک میرے والد فوت ہو گئے ہیں تو کیا میں ان کی طرف سے غلام آزاد کرسکتا ہوں؟ آپ نے فرمایا: ہاں۔

حضرت ابوجعفر محمد بن علی بن حسین سے مروی ہے: بے شک حسن اور حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما دونوں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے غلام آزاد کیا کرتے تھے۔

حدیثِ صحیح میں ہے کہ ایک شخص نے عرض کی یارسول اللہ ! میری والدہ فوت ہوگئی ہیں کیا میں ان کی طرف سے صدقہ کروں تو ان کو فائدہ پہنچے گا؟ آپ نے فرمایا: جی ہاں۔

(عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری، ج3، ص119، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

اشکال اور اس کا جواب

علامہ عینی مزید فرماتے ہیں:

اگر تو کہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: (وَان لَّیۡسَ لِلۡاِنۡسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی) ترجمہ: انسان کیلئے نہیں مگر وہ جو اس نے کوشش کی۔ (سورۃ النجم، آیت 39)

تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت کے بارے علماء کے آٹھ مختلف اقوال ہیں:

(1) یہ آیت اللہ تعالیٰ کے اس فرمان: (وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ اتَّبَعَتۡهُمۡ ذُرِّیَّتُهُمۡ بِاِیۡمٰنٍ اَلۡحَقۡنَا بِهِمۡ ذُرِّیَّتَهُمۡ) (اور جو ایمان لائے اور ان کی اولاد نے ایمان کے ساتھ ان کی پیروی کی ہم نے ان کی اولاد ان سے ملا دی، الطور 21) سے منسوخ ہے۔ کہ ماں باپ کی نیکیوں کی وجہ سے ان کے مومن بچوں کو ان کے ساتھ جنت میں ملا دیا جائے گا، یہ قول حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا ہے۔

(2) یہ حضرت ابراہیم اور موسی علیہما السلام کی اقوام کے ساتھ خاص ہے جبکہ اس امت کے لیے وہ بھی ہے جس

کی انہوں نے کوشش کی اور وہ بھی ہے جس کی ان کے غیر نے کوشش کی، یہ حضرت عکرمہ کا قول ہے۔

(3) یہاں انسان سے مراد کافر ہے۔ یہ قول حضرت ربیع بن انس کا ہے۔

(4) انسان کے لیے نہیں ہے مگر جو اس نے کوشش کی، یہ بطور عدل ہے، بہر حال بطور فضل تو اللہ تعالیٰ اس میں جتنا چاہے اضافہ فرمادے، یہ حضرت حسین بن فضل کا قول ہے۔

(5) ''ماسعی (جو اس نے کوشش کی)'' کا معنی ہے جو اس نے نیت کی یعنی انسان کو صرف اس کی نیت کا اجر ملتا ہے، یہ حضرت ابوبکر وراق کا قول ہے۔

(6) کافر کیلئے کوئی خیر نہیں ہے مگر یہ کہ اس نے دنیا میں جو اعمال کئے تو اس کو دنیا میں ہی ان کا ثواب مل جائے گا یہاں تک کہ آخرت میں اس کو کوئی حصہ نہیں ہوگا، اس کو ثعلبی نے ذکر کیا ہے۔

(7) اس آیت میں موجود ''لام'' علی کے معنی میں ہے، اب معنی یہ ہے کہ انسان کو صرف اس کے اعمال کی سزا ملتی ہے۔

(8) انسان کو صرف اس کے عمل ہی کی جزاء ملتی ہے ہاں یہ بات جدا ہے کہ اسباب مختلف ہیں کبھی تو اس کی کوشش ہوتی ہے اس نفس شی کے حاصل کرنے میں اور کبھی اس شی کے اسباب کو حاصل کرنے میں اس کی کوشش ہوتی ہے جیسا کہ بچے کو قرآن سکھا دے جو اس کے لیے پڑھے، ایسے دوست کے حصول میں کوشش کرنا جو اس کیلئے دعاء مغفرت کرے، اور کبھی دین اور بندوں کی خدمت میں کوشش کرتا ہے، لہذا اس وجہ سے دیندار اس سے محبت کرتے ہیں تو یہ محبت اس دعا کے حصول کا سبب بنتی ہے۔ (عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری، ج3، ص119، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

علامہ علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت پاک سے استدلال کرنے والوں کو دیتے ہوئے فرماتے ہیں''

أَحَدُهَا: أَنَّهَا مَنْسُوخَةٌ بِقَوْلِهِ تَعَالَى ﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِإِيمَانٍ أَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ﴾ أُدْخِلَ الْأَبْنَاءُ الْجَنَّةَ بِصَلَاحِ الْآبَاءِ، الثَّانِي: أَنَّهَا خَاصَّةٌ بِقَوْمِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَى عَلَيْهِمَا الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ فَأَمَّا هَذِهِ الْأُمَّةُ لَهَا مَا سَعَتْ، وَمَا سُعِيَ لَهَا قَالَهُ عِكْرِمَةُ. الثَّالِثُ: أَنَّ الْمُرَادَ بِالْإِنْسَانِ هُنَا الْكَافِرُ، فَأَمَّا الْمُؤْمِنُ فَلَهُ مَا سَعَى وَسُعِيَ لَهُ قَالَهُ الرَّبِيعُ بْنُ أَنَسٍ. الرَّابِعُ: لَيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَى مِنْ طَرِيقِ الْعَدْلِ، فَأَمَّا مِنْ بَابِ الْفَضْلِ

فَجَائِزٌ أَنْ يَزِيدَهُ اللّٰهُ مَا شَاءَ قَالَهُ الْحُسَيْنُ بْنُ الْفَضْلِ. الْخَامِسُ: انَّ اللَّامَ فِي الْإِنْسَانِ بِمَعْنَى عَلَى أَيْ: لَيْسَ عَلَى الْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَى" ترجمہ: (1) یہ آیت دوسری آیت سے منسوخ ہے، ﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِإِيمَانٍ أَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ﴾ ترجمہ: اور جو ایمان لائے اور ان کی اولاد نے ایمان کے ساتھ ان کی پیروی کی، ہم نے ان کی اولاد ان سے ملادی۔ اس آیت کریمہ سے پتا چلا کہ اللہ تعالیٰ نے بیٹوں کو آباء کی نیکیوں کی وجہ سے جنت میں داخل فرمایا۔ (2) اس آیت کا حکم قومِ ابراہیم اور قومِ موسیٰ کے ساتھ خاص ہے (کہ انہیں صرف اپنے ہی اعمال کا فائدہ ہوتا تھا) جبکہ اس امت کو اپنے اعمال کا فائدہ بھی حاصل ہوتا ہے اور دوسرے لوگ جو ان کو اعمال کا
ثواب ایصال کرتے ہیں اس سے بھی فائدہ حاصل ہوتا ہے، یہ عکرمہ کا قول ہے۔ (3) یہاں انسان سے مراد کافر ہے، (کہ کافر کو کسی دوسرے شخص کے عمل سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوگا)، جبکہ مومن کو اپنے اور دوسروں کے اعمال سے فائدہ حاصل ہوتا ہے، یہ ربیع بن انس کا قول ہے۔ (4) اس آیت سے مراد یہ ہے کہ بطریقِ عدل انسان کے لیے وہی ہے جو اس نے خود اعمال کیے ہیں، جبکہ فضل کے طور پر دیکھا جائے تو یہ بات جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ جو چاہے (جتنا چاہے) زیادہ فرمادے (اور دوسروں کے اعمال سے بھی اسے فائدہ پہنچائے)، یہ قول حسین بن فضل کا ہے۔ (5) اس آیت پاک میں "لام" "علی" کے معنی میں ہے، اب اس آیت کا معنی ہوگا کہ انسان کو نقصان صرف اپنے برے اعمال کی وجہ سے ہوگا، کسی دوسرے کے گناہوں کی وجہ سے اسے نقصان نہیں ہوگا۔ (جبکہ فائدہ دوسروں کے اعمال سے بھی ہوسکتا ہے)۔

(مرقاۃ المفاتیح، باب دفن المیت، ج3، ص1228، دار الفکر، بیروت)

باب نمبر 461

فِی نَفَقَةِ الْمَرْأَةِ مِنْ بَیْتِ زَوْجِهَا

عورت کا شوہر کے گھر سے خرچ کرنا

668۔ حَدَّثَنَا هَنَّادٌ قَالَ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ عَيَّاشٍ قَالَ: حَدَّثَنَا شُرَحْبِيلُ بْنُ مُسْلِمٍ الْخَوْلَانِيُّ، عَنْ أَبِي أُمَامَةَ الْبَاهِلِيِّ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي خُطْبَتِهِ عَامَ حَجَّةِ الْوَدَاعِ يَقُولُ: لَا تُنْفِقُ امْرَأَةٌ شَيْئًا مِنْ بَيْتِ زَوْجِهَا إِلَّا بِإِذْنِ زَوْجِهَا، قِيلَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، وَلَا الطَّعَامُ، قَالَ: ذَاكَ أَفْضَلُ أَمْوَالِنَا وَفِي الْبَابِ عَنْ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ، وَأَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِي بَكْرٍ، وَأَبِي هُرَيْرَةَ، وَعَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو، وَعَائِشَةَ، قَالَ ابوعيسىٰ: حَدِيثُ أَبِي أُمَامَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ

حدیث: حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حجۃ الوداع کے خطبہ میں فرماتے ہوئے سنا: کوئی عورت اپنے شوہر کے گھر سے اس کی اجازت کے بغیر کچھ خرچ نہ کرے۔ عرض کیا گیا: یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! کھانا بھی نہیں دے سکتی؟ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: یہ ہمارے افضل اموال میں سے ہے۔

اس باب میں حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت اسماء بنت ابوبکر، حضرت ابوہریرہ، حضرت عبد اللہ بن عمرو اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی روایات ہیں۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی نے فرمایا: حضرت ابوامامہ کی حدیث حسن ہے۔

669۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى قَالَ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ عَمْرِو بْنِ مُرَّةَ قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا وَائِلٍ يُحَدِّثُ، عَنْ عَائِشَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ: إِذَا تَصَدَّقَتِ الْمَرْأَةُ مِنْ بَيْتِ زَوْجِهَا كَانَ لَهَا بِهِ أَجْرٌ، وَلِلزَّوْجِ مِثْلُ ذَلِكَ، وَلِلْخَازِنِ مِثْلُ ذَلِكَ، وَلَا يَنْقُصُ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمْ مِنْ أَجْرِ صَاحِبِهِ شَيْئًا، لَهُ بِمَا كَسَبَ،

حدیث: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے، نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب کوئی عورت اپنے شوہر کے گھر سے صدقہ دے تو اس کے کھانا دینے کی وجہ سے اس کے لیے اجر ہے اور شوہر کے لیے اس کی مثل ہے اور خازن کے لیے (بھی) اس کی مثل ہے، اور ان میں سے کوئی بھی اپنے ساتھ والے کا اجر کم نہیں کرے گا شوہر کے لیے کمانے کی وجہ سے اجر ہے، عورت کے لیے خرچ کرنے کی وجہ سے اجر

وَلَهَا بِمَا أَنْفَقَتْ

ہے۔

قال ابوعیسیٰ: هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ

امام ابوعیسیٰ ترمذی نے فرمایا: یہ حدیث حسن ہے۔

670۔ حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ قَالَ: حَدَّثَنَا الْمُؤَمَّلُ، عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ مَنْصُورٍ، عَنْ أَبِي وَائِلٍ، عَنْ مَسْرُوقٍ، عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِذَا أَعْطَتِ الْمَرْأَةُ مِنْ بَيْتِ زَوْجِهَا بِطِيبِ نَفْسٍ غَيْرَ مُفْسِدَةٍ، كَانَ لَهَا مِثْلُ أَجْرِهِ، لَهَا مَا نَوَتْ حَسَنًا، وَلِلْخَازِنِ مِثْلُ ذَلِكَ، قال ابوعیسیٰ: هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ، وَهٰذَا أَصَحُّ، مِنْ حَدِيثِ عَمْرِو بْنِ مُرَّةَ، عَنْ أَبِي وَائِلٍ، وَعَمْرُو بْنُ مُرَّةَ لَا يَذْكُرُ فِي حَدِيثِهِ عَنْ مَسْرُوقٍ

حدیث: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے، فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب کوئی عورت اپنے شوہر کے گھر سے خوش دلی کے ساتھ خرچ کرے حالانکہ وہ (اس معاملہ میں) مُفسدہ نہ ہو تو اس کے لیے شوہر کے برابر اجر ہوگا، عورت کے لیے وہ ہوگا جو اس نے اچھی نیت کی۔ اور خازن کے لیے اس کی مثل ثواب ہوگا۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی نے فرمایا: یہ حدیث حسن صحیح ہے، اور یہ عمرو بن مرہ عن ابی وائل کی حدیث سے زیادہ صحیح ہے۔

اور عمرو بن مرہ نے اپنی حدیث میں مسروق کا ذکر نہیں کیا۔

شرح حدیث

بیوی کوشوہر کے مال سے اور خادم کو آقا کے مال سے صدقہ کرنے کی اجازت اس صورت میں ہے کہ جہاں ایسی عادت جاری ہو کہ عورتیں دیا کرتی ہوں اور شوہر منع نہ کرتے ہوں اور اُسی حد تک جو عادت کے موافق ہے مثلاً روٹی دو روٹی، جیسا کہ پاک و ہند میں عموماً رواج ہے اور اگر شوہر نے منع کر دیا ہو یا وہاں کی ایسی عادت نہ ہو تو بغیر اجازت عورت کو دینا جائز نہیں۔

علامہ علی بن سلطان محمد القاری حنفی فرماتے ہیں:

"((کوئی عورت اپنے شوہر کے گھر سے اس کی اجازت کے بغیر کچھ خرچ نہ کرے)) یعنی صراحۃً یا دلالۃً شوہر کی اجازت نہ ہو۔

((یہ ہمارے افضل اموال میں سے ہے)) یعنی جب طعام سے کم قدر و قیمت والی چیز کا تصدق شوہر کی اجازت کے بغیر جائز نہیں تو طعام جو کہ افضل ہے اس کا کیسے جائز ہو سکتا ہے۔"

(مرقاۃ المفاتیح، باب صدقۃ المرأۃ من مال الزوج، ج4، ص1358، دار الفکر، بیروت)

علامہ علی قاری دوسری حدیث کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

((جب عورت اپنے شوہر کے گھر کے طعام سے صدقہ کرے غیر مُفسِدہ ہو کر)) یعنی جب وہ تصدق کرنے میں اسراف کرنے والی نہ ہو۔ یہ حدیث پاک اس صورت پر محمول ہے جب شوہر کی طرف سے اسے صراحۃً یا دلالۃً اجازت ہو۔ کہا گیا کہ یہ اہل حجاز کی عادت پر جاری ہے کہ ان کی عادات میں سے ہے کہ وہ اپنی بیویوں اور خدام کو اجازت دے دیتے ہیں کہ وہ مہمانوں کی مہمان نوازی کریں اور سائلین، مساکین اور پڑوسیوں کو کھانا کھلائیں، پس رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی امت کو اس اچھی عادت اور مستحسن خصلت پر ابھارا ہے......

محیی السنہ علامہ نووی فرماتے ہیں: جمہور علما کا مؤقف یہ ہے کہ عورت کے لیے اپنے شوہر کے مال سے بغیر اس کی اجازت سے تصدق کرنا جائز نہیں، ایسے ہی خادم کے لیے بھی۔ اور جواز پر دلالت کرنے والی حدیث پاک اہل حجاز کی

عادت کے طور پر ہے کہ اہل حجاز اپنے اہل اور خدام کو اجازت دے دیتے ہیں کہ وہ تصدق کریں، سائل کے آنے پر اس پر خرچ کریں، مہمان کے آنے پر اس کی مہمان نوازی کریں جیسا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ تم مت روکو ورنہ اللہ تعالیٰ تم پر روک دے گا۔ (مرقاۃ المفاتیح، باب صدقۃ المرأۃ من مال الزوج، ج4، ص1357، دار الفکر، بیروت)

علامہ ابوسلیمان حمد بن محمد خطابی (متوفی 388ھ) فرماتے ہیں:

میں کہتا ہوں: یہ کلام حجاز اور دیگر شہروں کے لوگوں کی عادت کے مطابق ہوگا کہ گھر کا مالک کبھی اپنے اہل و عیال اور خادم کو اجازت دے دیتا ہے کہ وہ گھر میں موجود طعام وغیرہ کو صدقہ کریں، خرچ کریں، اور وہ صدقہ میں انہیں مطلق اجازت دے دیتا ہے کہ جب بھی سائل آئے صدقہ کریں، مہمان آئے تو اس کی مہمان نوازی کریں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عادت کے لازم پکڑنے اور اس پر ہمیشگی اختیار کرنے پر ابھارا ہے اور اس پر ان سے اجر و ثواب کا وعدہ فرمایا ہے۔

اور ہر ایک کا الگ الگ ذکر اس لیے کیا ہے تاکہ وہ اس میں جلدی کریں اور اس سے بیٹھے نہ رہیں۔ اور خازن وہ ہوتا ہے جو کھانے کی حفاظت کرتا ہے..... اس میں معاملہ کو لوگوں کے عرف و عادت کے مطابق ہوگا، ایسا نہیں ہے کہ گھر کا مالک اجازت نہ بھی دے تو بیوی اور خازن کو پھر بھی اجازت ہوگی بلکہ اگر اس کی صراحۃً یا دلالۃً اجازت کے بغیر صدقہ کریں گے تو گناہ گار ہوں گے۔ (معالم السنن ملخصاً، ومن باب المرأۃ تصدق من بیت زوجہا، ج2، ص78,79، المطبعۃ العلمیہ، حلب)

علامہ محمود بدر الدین عینی حنفی فرماتے ہیں:

خازن سے مراد وہ خادم یا منتظم ہے جس کے ذمہ طعام اور کھانے پینے کی دیگر اشیاء کی حفاظت ہوتی ہے۔

لوگ اس حدیث پاک کی تاویل میں مختلف ہیں:

(1) بعض نے کہا کہ یہ حجاز اور اس کے علاوہ لوگوں میں جاری طریقہ کار کے مطابق ہے کہ گھر کا مالک اپنے اہل و عیال اور خادم کو گھر میں موجود طعام وغیرہ کو صدقہ کرنے کی اجازت دے دیتا ہے، اور ان کے معاملہ کو مطلق رکھتا ہے کہ جب بھی سائل آئے یا مہمان آئے تو تمہیں ان پر خرچ کرنے کی اجازت ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عادت کو اختیار کیے رکھنے پر ابھارا ہے، اور ان سے اس پر ثواب کا وعدہ فرمایا ہے، ایسا نہیں ہے کہ گھر کا مالک اجازت نہ بھی

دے تو بیوی اور خازن کو پھر بھی اجازت ہوگی بلکہ اگر اس کی صراحۃً یا دلالۃً اجازت کے بغیر صدقہ کریں گے تو گناہ گار ہوں گے۔

(2) ایک قول یہ ہے کہ اجازت تھوڑی سی چیز میں ہے، جو نقصان میں اثر انداز نہ ہو اور نہ ہی ظاہر ہو۔

(3) اور کہا گیا کہ یہ اجازت اس صورت میں ہے کہ جب بیوی وغیرہ کو معلوم ہو کہ یہ عطا کرنا گھر کے مالک کو بُرا نہیں لگے گا۔

(4) بعض نے زوجہ اور خادم میں فرق کیا ہے کہ زوجہ کے لیے تو شوہر کے مال میں حق ہے، تو اس کے جائز ہے کہ وہ بغیر اسراف کے صدقہ کرسکتی ہے مگر عادت کی مقدار، اور جس مقدار کے بارے میں یہ معلوم ہو کہ اس کے شوہر کو تکلیف نہیں دے گی، اور خادم کا ایسا معاملہ نہیں ہے تو اسے اپنے مولی کی متاع میں تصرف کرنے کی اجازت نہیں ہوگی لہٰذا اذن و اجازت کی شرط خادم کے عطیہ میں ہوگی نہ کہ زوجہ کے عطیہ میں۔

(شرح ابی داؤد للعینی، باب المرأۃ تصدق من بیت زوجہا، ج6، ص438، مکتبۃ الرشد، ریاض)

مزید فرماتے ہیں:

جان لو کہ یہ سب اس صورت میں ہے جب اس کی مقدار یسیر یعنی تھوڑی ہو، اور عادت میں مالک کی رضا جان لی گئی ہو، پس اگر متعارف سے زیادہ خرچ کرتی ہے تو جائز نہیں اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس فرمان: ((إذا أنفقت المرأة من بيت زوجها غير مفسدة)) (جب عورت اپنے شوہر کے مال میں سے بغیر فساد کیے خرچ کرے) میں اشارہ بھی موجود ہے۔ (شرح ابی داؤد للعینی، باب المرأۃ تصدق من بیت زوجہا، ج6، ص441، مکتبۃ الرشد، ریاض)

صدر الشریعہ مفتی امجد علی اعظمی فرماتے ہیں:

"امام بخاری و مسلم ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: گھر میں جو کھانے کی چیز ہے، اگر عورت اُس میں سے کچھ دیدے مگر ضائع کرنے کے طور پر نہ ہو تو اُسے دینے کا ثواب ملے گا اور شوہر کو کمانے کا ثواب ملے گا اور خازن (بھنڈاری) کو بھی اتنا ہی ثواب ملے گا۔ ایک کا اجر دوسرے کے اجر کو کم نہ کریگا یعنی اس صورت میں کہ جہاں ایسی عادت جاری ہو کہ عورتیں دیا کرتی ہوں اور شوہر منع نہ کرتے ہوں اور اُسی حد تک جو

عادت کے موافق ہے مثلاً روٹی دوروٹی، جیسا کہ ہندوستان میں عموماً رواج ہے اور اگر شوہر نے منع کر دیا ہو یا وہاں کی ایسی عادت نہ ہو تو بغیر اجازت عورت کو دینا جائز نہیں۔ ترمذی میں ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی، کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خطبہ حجۃ الوداع میں فرمایا: عورت شوہر کے گھر سے بغیر اجازت کچھ نہ خرچ کرے۔ عرض کی گئی، کھانا بھی نہیں؟ فرمایا: یہ تو بہت اچھا مال ہے۔" (بہارشریعت، ج1، حصہ5، ص954,955، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

باب نمبر 462

مَا جَاءَ فِی صَدَقَةِ الفِطْرِ

صدقہ فطر کے بارے میں

671۔حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ قَالَ:حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنْ عِيَاضِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، عَنْ أَبِي سَعِيدِ الخُدْرِيِّ قَالَ: كُنَّا نُخْرِجُ زَكَاةَ الفِطْرِ إِذْ كَانَ فِينَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَاعًا مِنْ طَعَامٍ، أَوْ صَاعًا مِنْ شَعِيرٍ، أَوْ صَاعًا مِنْ تَمْرٍ، أَوْ صَاعًا مِنْ زَبِيبٍ، أَوْ صَاعًا مِنْ أَقِطٍ، فَلَمْ نَزَلْ نُخْرِجُهُ حَتَّى قَدِمَ مُعَاوِيَةُ المَدِينَةَ، فَتَكَلَّمَ، فَكَانَ فِيمَا كَلَّمَ بِهِ النَّاسَ إِنِّي لَأَرَى مُدَّيْنِ مِنْ سَمْرَاءِ الشَّامِ تَعْدِلُ صَاعًا مِنْ تَمْرٍ، قَالَ :فَأَخَذَ النَّاسُ بِذَلِكَ قَالَ أَبُو سَعِيدٍ :فَلَا أَزَالُ أُخْرِجُهُ كَمَا كُنْتُ أُخْرِجُهُ۔

قال ابوعيسى:هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ، وَالعَمَلُ عَلَى هَذَا عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ العِلْمِ يَرَوْنَ :مِنْ كُلِّ شَيْءٍ صَاعًا وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ، وَأَحْمَدَ، وَإِسْحَاقَ ، وقَالَ بَعْضُ أَهْلِ العِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ :مِنْ كُلِّ شَيْءٍ صَاعٌ إِلَّا مِنَ البُرِّ، فَإِنَّهُ يُجْزِءُ نِصْفُ صَاعٍ، وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ

حدیث:حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں:جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہمارے درمیان تشریف فرما تھے تو ہم صدقہ فطر طعام میں سے ایک صاع، جو میں سے ایک صاع، کھجوروں میں سے ایک صاع، کشمش میں سے ایک صاع، پنیر میں سے ایک صاع نکالتے تھے،ہم برابر نکالتے رہے یہاں تک کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینہ منورہ آئے تو انہوں نے کلام کیا تو جو انہوں نے لوگوں سے کلام کیا اس میں سے یہ بھی تھا کہ میرے خیال میں شامی گندم میں سے دو مُد (نصف صاع) کھجوروں کے ایک صاع کے برابر ہے ،لوگوں نے اس بات کو لے لیا،حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اس طریقے سے دیتا رہا جس طرح حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے دیتا تھا۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی نے فرمایا:یہ حدیث حسن صحیح ہے۔بعض علماء کے نزدیک اس پر عمل ہے ان کے نزدیک ہر چیز سے ایک صاع ہے،اور یہ امام شافعی،احمد اور اسحاق کا قول ہے۔اور صحابہ وغیر صحابہ میں سے بعض اہل علم نے فرمایا کہ ہر چیز میں ایک صاع ہے سوائے گندم کے،کہ اس میں نصف صاع کفایت کرے گا اور یہ امام سفیان ثوری،عبد اللہ بن مبارک اور اہل کوفہ کا قول ہے ان کے نزدیک گندم کا نصف

الثَّوْرِيِّ، وَابْنِ الْمُبَارَكِ، وَأَهْلِ الْكُوفَةِ يَرَوْنَ: نِصْفَ صَاعٍ مِنْ بُرٍّ"

صاع ہے۔

672۔ حَدَّثَنَا عُقْبَةُ بْنُ مُكْرَمٍ الْبَصْرِيُّ قَالَ: حَدَّثَنَا سَالِمُ بْنُ نُوحٍ، عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ، عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ مُنَادِيًا فِي فِجَاجِ مَكَّةَ: أَلَا إِنَّ صَدَقَةَ الْفِطْرِ وَاجِبَةٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَى، حُرٍّ أَوْ عَبْدٍ، صَغِيرٍ أَوْ كَبِيرٍ، مُدَّانِ مِنْ قَمْحٍ، أَوْ سِوَاهُ صَاعٌ مِنْ طَعَامٍ

قَالَ ابوعيسى: هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ حَسَنٌ

حدیث: حضرت عمرو بن شعیب بواسطہ اپنے والد اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ کی گلیوں میں ایک منادی بھیجا (جس نے یہ اعلان کیا) سن لو صدقہ فطر دو مُد گندم اور اس کے علاوہ ایک صاع کھانا ہر مسلمان مرد، عورت، آزاد، غلام، چھوٹے بڑے سب پر واجب ہے۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی نے فرمایا: یہ حدیث غریب حسن ہے۔

673۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: فَرَضَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَدَقَةَ الْفِطْرِ عَلَى الذَّكَرِ وَالْأُنْثَى، وَالْحُرِّ وَالْمَمْلُوكِ صَاعًا مِنْ تَمْرٍ، أَوْ صَاعًا مِنْ شَعِيرٍ، قَالَ: فَعَدَلَ النَّاسُ إِلَى نِصْفِ صَاعٍ مِنْ بُرٍّ

قَالَ ابوعيسى: هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَفِي الْبَابِ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ، وَابْنِ عَبَّاسٍ، وَجَدِّ الْحَارِثِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِي ذُبَابٍ، وَثَعْلَبَةَ بْنِ أَبِي صُعَيْرٍ، وَعَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو

حدیث: حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے، فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہر مرد و عورت، آزاد و غلام پر ایک صاع کھجور یا ایک صاع جو صدقہ فطر لازم فرمایا۔ فرماتے ہیں: پھر لوگوں نے نصف صاع گندم کو اس کے برابر کر لیا۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی نے فرمایا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ اور اس باب میں حضرت ابوسعید، حضرت ابن عباس، حارث بن عبدالرحمٰن بن ابی ذباب کے دادا، حضرت ثعلبہ بن ابی صُعَیر اور حضرت عبداللہ بن عَمرو سے بھی روایات ہیں۔

674۔ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ مُوسَى

حدیث: حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے رمضان کا صدقہ فطر ایک صاع کھجور یا ایک صاع جو ہر مسلمان مرد، عورت، آزاد اور غلام پر لازم فرمایا۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی نے فرمایا: حضرت ابن عمر رضی اللہ

الْأَنْصَارِيُّ قَالَ :حَدَّثَنَا مَعْنٌ قَالَ :حَدَّثَنَا مَالِكٌ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَضَ زَكَاةَ الفِطْرِ مِنْ رَمَضَانَ صَاعًا مِنْ تَمْرٍ، أَوْ صَاعًا مِنْ شَعِيرٍ عَلَى كُلِّ حُرٍّ أَوْ عَبْدٍ، ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَى مِنَ الْمُسْلِمِينَ

قَالَ ابوعيسى: حَدِيثُ ابْنِ عُمَرَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

وَرَوَى مَالِكٌ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ ابْنِ عُمَرَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَ حَدِيثِ أَيُّوبَ، وَزَادَ فِيهِ مِنَ الْمُسْلِمِينَ، وَرَوَاهُ غَيْرُ وَاحِدٍ عَنْ نَافِعٍ، وَلَمْ يَذْكُرْ فِيهِ: مِنَ الْمُسْلِمِينَ

"وَاخْتَلَفَ أَهْلُ العِلْمِ فِي هَذَا، فَقَالَ بَعْضُهُمْ: إِذَا كَانَ لِلرَّجُلِ عَبِيدٌ غَيْرُ مُسْلِمِينَ لَمْ يُؤَدِّ عَنْهُمْ صَدَقَةَ الفِطْرِ، وَهُوَ قَوْلُ مَالِكٍ، وَالشَّافِعِيِّ، وَأَحْمَدَ، وقَالَ بَعْضُهُمْ :يُؤَدِّي عَنْهُمْ وَإِنْ كَانُوا غَيْرَ مُسْلِمِينَ، وَهُوَ قَوْلُ الثَّوْرِيِّ، وَابْنِ الْمُبَارَكِ، وَإِسْحَاقَ

تعالیٰ عنہما کی حدیث حسن صحیح ہے۔

امام مالک نے عن نافع عن ابن عمر عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سند سے ایوب کی طرح حدیث روایت کی ہے اور اس میں "من المسلمین" زیادہ کیا ہے، اور نافع سے متعدد رُواۃ نے یہ حدیث روایت کی ہے مگر اس میں "من المسلمین" کا ذکر نہیں کیا۔

علماء کا اس میں اختلاف ہے، بعض نے فرمایا: جب آدمی کے غیر مسلم غلام ہوں تو اُن کی طرف سے صدقہ فطر ادا نہیں کرے گا، یہ قول امام مالک، امام شافعی اور امام احمد کا ہے اور بعض نے فرمایا: غلاموں کی طرف سے ادا کرے گا اگرچہ وہ غیر مسلم ہوں اور یہ امام سفیان ثوری اور امام عبداللہ بن مبارک اور امام اسحاق کا قول ہے۔

شرح حدیث

علامہ علی بن سلطان محمد القاری فرماتے ہیں:

((رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صدقہ فطر فرض فرمایا)) علامہ طیبی نے کہا: یہ حدیث پاک دلالت کرتی ہے کہ صدقہ فطر فرض ہے اور حنفیہ کہتے ہیں کہ واجب ہے۔(علامہ علی قاری فرماتے ہیں) میں یہ کہتا ہوں کہ حنفیہ اس کا ثبوت قطعی نہ ہونے کی وجہ سے اسے واجب کہتے ہیں، پس حدیث پاک میں فرض عملی (جسے واجب اعتقادی بھی کہتے ہیں) مراد ہے، فرض اعتقادی مراد نہیں ہے۔

امام ابن ہمام نے فرمایا: جس سے وجوب پر استدلال کیا جاتا ہے اس سے امام شافعی نے فرضیت پر استدلال کیا ہے، لفظ کا حقیقتِ شرعیہ پر حمل کرنا کلامِ شارع میں متعین ہے جب تک اس سے کوئی پھیرنے والا نہ ہو۔ اور حقیقت شرعیہ فرض میں تقدیر محض کا غیر ہے، خصوصاً بخاری ومسلم میں اس حدیث پاک میں الفاظ یہ ہیں: ((أنه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم امر بزكاة الفطر)) (یعنی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے زکوۃ کا امر فرمایا) اور فرض کا معنی وہی ہے جو لفظِ امر کا معنی ہے، اور ایسا امر جو دلیلِ ظنی سے ثابت ہو وہ وجوب کا فائدہ دیتا ہے۔

اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ صدقہ فطر کو شوافع جو فرض ثابت کرتے ہیں وہ اس طور پر نہیں کہ اس کے منکر کی تکفیر کی جائے گی اور یہی وجوب کے معنی ہیں جس کا ہم قول کرتے ہیں، غایت یہ ہے کہ فرض ان کی اصطلاح میں ہمارے واجب کو عام ہے۔

اور جب حنفیہ نے فرض اور واجب میں فرق کیا کہ فرض دلیل قطعی سے ثابت ہوتا ہے اور واجب دلیل ظنی سے، تو وہ کہتے ہیں کہ حدیث پاک میں فرض واجب کے معنی میں ہے۔ (مرقاۃ المفاتیح، باب صدقۃ الفطر، ج4، ص1297، دار الفکر، بیروت)

"او" تخییر کے لیے ہے

میرک نے ازہار سے نقل کیا کہ علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ اس حدیث میں موجود "او" دینے والے کو اختیار دینے کے لیے ہے یعنی ان میں سے جو چاہے دے یا ان میں سے ایک کی غالب کے ساتھ تعیین کرنے کے لیے ہے، اس

میں دوقول ہیں: ایک یہ ہے کہ یہاں "او" تخییر کے لیے ہے اور یہی امام ابوحنیفہ نے فرمایا۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ یہ ان اشیاء میں سے غلبہ کے ساتھ ایک کی تعیین کے لیے ہے یعنی اصح قول پر شہر کی خوراک کے طور پر جو غالب ہوگا وہی دینے میں متعین ہوگا..... علامہ ابن الملک نے کہ یہاں "اور" تنویع کے لیے ہے، تخییر کے لیے نہیں یعنی شہر کی غالب خوراک سے عدول نہیں کیا جائے گا، اھ۔ علامہ ابن الملک کا قول خلافِ مذہب ہے۔

(مرقاۃ المفاتیح، باب صدقۃ الفطر، ج4، ص1297، دار الفکر، بیروت)

صدقہ فطر کب واجب ہوا

علامہ علی بن سلطان محمد القاری حنفی فرماتے ہیں:

"صدقہ فطر کا وجوب اور رمضان کے روزوں کی فرضیت 2 ہجری کو ہوئی۔"

(مرقاۃ المفاتیح، باب صدقۃ الفطر، ج4، ص1296، دار الفکر، بیروت)

علامہ امین ابن عابدین شامی (متوفی 1252ھ) فرماتے ہیں:

حاشیۂ نوح میں ہے کہ جس سال (2 ہجری) شعبان کے مہینے میں تحویل قبلہ کے بعد روزے فرض ہوئے، اسی سال عید سے دو دن پہلے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صدقہ فطر کا حکم دیا، اس کا لازم ہونا اموال کی زکوۃ سے پہلے تھا یہی صحیح ہے۔ اسی لیے یہ کہا گیا کہ یہ زکوۃ سے منسوخ ہے اگرچہ صحیح اس کے خلاف ہے۔

(رد المحتار، باب صدقۃ الفطر، ج2، ص358، دار الفکر، بیروت)

صدقہ فطر کی مشروعیت میں حکمتیں

صدقہ فطر کی مشروعیت میں درج ذیل حکمتیں ہیں:

(1) فقراء و مساکین پر نرمی کرنا کہ عید والے دن انہیں سوال سے بے نیاز کر دینا۔

(2) فقراء و مساکین کے دلوں میں اس دن خوشی داخل کرنا جس دن مسلمان عید کے آنے پر خوش ہیں۔

(3) رمضان کے مہینے میں روزہ دار سے جو لغو و بیہودہ کام ہوئے ان سے تطہیر ہو جائے۔

(المغنی لابن قدامہ، ج3، ص56)

جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں:((فَرَضَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ زَکَاۃَ الْفِطْرِ طُھْرَۃً لِلصَّائِمِ مِنَ اللَّغْوِ وَالرَّفَثِ، وَطُعْمَۃً لِلْمَسَاکِینِ)) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے زکاۃ فطر مقرر فرمائی کہ لغو اور بیہودہ کلام سے روزہ دار کی طہارت ہوجائے اور مساکین کی خورک کا بندوبست ہوجائے۔

(سنن ابی داؤد، باب زکاۃ الفطر، ج3، ص111، المکتبۃ العصریہ، بیروت)

صدقہ فطر کے حکم کے بارے میں مذاہب ائمہ

حنابلہ اور شوافع کے نزدیک صدقہ فطر واجب یعنی فرض ہے، اسی طرح جمہور مالکیہ کے نزدیک بھی واجب بمعنی فرض ہے، مالکیہ کا ایک قول سنت کا بھی ہے۔

(حنابلہ: الکافی فی فقہ الامام احمد، باب صدقۃ الفطر، ج1، ص412، دارالکتب العلمیہ، بیروت ☆ شوافع: التنبیہ فی الفقہ الشافعی، باب زکاۃ الفطر، ج1، ص60، مطبوعہ عالم الکتب ☆ مالکیہ: الفواکہ الدوانی، باب فی زکاۃ الفطر، ج1، ص347، دارالفکر، بیروت)

اور احناف کے نزدیک واجب ہے۔ (مبسوط للسرخسی، باب صدقۃ الفطر، ج3، ص101، دارالمعرفہ، بیروت)

ائمہ اربعہ کی دلیل وہ احادیث ہیں جن میں صدقہ فطر کا حکم دیا گیا، اسے فرض کہا گیا، واجب فرمایا گیا جیسا کہ نیچے احادیث آرہی ہیں۔

دراصل ائمہ ثلاثہ فرض وواجب میں فرق نہیں کرتے، مگر احناف فرض وواجب میں فرق کرتے ہیں، فرض کا ثبوت تب ہوتا ہے جب ثبوت اور دلالت دونوں قطعی ہوں، اگر دونوں میں سے ایک ظنی ہو تو وجوب ثابت ہوتا ہے۔ یہاں دلالت تو قطعی ہے مگر ثبوت ظنی ہے کہ احادیث احاد ہیں۔

بالفاظِ دیگر فرض کا ثبوت ایسی دلیل سے ہوتا ہے جو علم یقینی کا موجب ہو، جبکہ صدقہ فطر کا ثبوت ایسی دلیل سے ہے جو عمل کا موجب ہے، علم یقینی کا موجب نہیں یعنی احادیث احاد ہیں، اسی وجہ سے اس کے منکر کی تکفیر نہیں کی جائے گی۔

(مبسوط للسرخسی ملخصاً، باب صدقۃ الفطر، ج3، ص101، دارالمعرفہ، بیروت)

صدقہ فطر کے وجوب پر دلائل

(1) صحیح بخاری و صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے، فرماتے ہیں:((فَرَضَ

رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَكَاةَ الْفِطْرِ صَاعًا مِنْ تَمْرٍ، أَوْ صَاعًا مِنْ شَعِيرٍ عَلَى الْعَبْدِ وَالْحُرِّ، وَالذَّكَرِ وَالْأُنْثَى، وَالصَّغِيرِ وَالْكَبِيرِ مِنَ الْمُسْلِمِينَ، وَأَمَرَ بِهَا أَنْ تُؤَدَّى قَبْلَ خُرُوجِ النَّاسِ إِلَى الصَّلَاةِ)) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے زکاۃ فطر ایک صاع کھجور یا جَو، غلام و آزاد مرد وعورت چھوٹے اور بڑے مسلمانوں پر مقرر کی اور یہ حکم فرمایا: کہ "نماز کو جانے سے پیشتر ادا کر دیں۔ (صحیح بخاری، باب فرض صدقۃ الفطر، ج2، ص130، مطبوعہ دار طوق النجاۃ)

(2) ابو داود ونسائی کی روایت میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے آخر رمضان میں فرمایا: ((أَخْرِجُوا صَدَقَةَ صَوْمِكُمْ..... فَرَضَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَذِهِ الصَّدَقَةَ صَاعًا مِنْ تَمْرٍ، أَوْ شَعِيرٍ، أَوْ نِصْفَ صَاعٍ مِنْ قَمْحٍ، عَلَى كُلِّ حُرٍّ أَوْ مَمْلُوكٍ، ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَى، صَغِيرٍ أَوْ كَبِيرٍ)) اپنے روزے کا صدقہ ادا کرو، اس صدقہ کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مقرر فرمایا، ایک صاع کھجور یا جَو یا نصف صاع گندم، ہر آزاد اور غلام پر، مرد وعورت پر، چھوٹے اور بڑے پر۔ (سنن ابی داود، باب من روی نصف صاع من قمح، ج2، ص114، المکتبۃ العصریہ، بیروت)

(3) ترمذی شریف میں بروایت عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ مروی: ((أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ مُنَادِيًا فِي فِجَاجِ مَكَّةَ: أَلَا إِنَّ صَدَقَةَ الْفِطْرِ وَاجِبَةٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَى، حُرٍّ أَوْ عَبْدٍ، صَغِيرٍ أَوْ كَبِيرٍ، مُدَّانِ مِنْ قَمْحٍ، أَوْ سِوَاهُ صَاعٌ مِنْ طَعَامٍ)) حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک شخص کو بھیجا کہ مکہ کے کوچوں میں اعلان کر دے کہ صدقہ فطر واجب ہے ہر مسلمان مرد وعورت، آزاد اور غلام، چھوٹے اور بڑے پر، گندم میں دو مدا اور اس کے علاوہ ایک صاع طعام۔ (جامع ترمذی، باب ماجاء فی صدقۃ الفطر، ج3، ص50، مصطفیٰ البابی، مصر)

(4) ابوداؤد وابن ماجہ وحاکم حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں: ((فَرَضَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَكَاةَ الْفِطْرِ طُهْرَةً لِلصَّائِمِ مِنَ اللَّغْوِ وَالرَّفَثِ، وَطُعْمَةً لِلْمَسَاكِينِ)) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زکاۃ فطر مقرر فرمائی کہ لغو اور بیہودہ کلام سے روزہ دار کی طہارت ہو جائے اور مساکین کی خورک ہو جائے۔

(سنن ابی داود، باب زکاۃ الفطر، ج3، ص111، المکتبۃ العصریہ، بیروت)

(5) دیلمی وخطیب وابن عساکر حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی، کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((صِيَامُ الرجل مُعَلَّق مَا بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ حَتَّى يُعْطِي صَدَقَةَ الْفِطْرِ))" بندہ کا روزہ آسمان وزمین کے درمیان معلق

رہتا ہے، جب تک صدقہ فطرادانہ کرے۔ (الفردوس بماثور الخطاب، باب الصاد، ج2، ص395، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

صدقہ فطر میں گندم کی مقدار میں مذاہب ائمہ

مالکیہ، شوافع اور حنابلہ کے نزدیک صدقہ فطر کی مقدار دیگر اشیاء (کھجور، جو وغیرہ) کی طرح گندم میں بھی ایک صاع ہوگی۔

(مالکیہ: بدایۃ المجتہد، الفصل الثالث مماذاتجب زکاۃ الفطر، ج 2، ص 4 3، دار الحدیث، القاہرہ☆شوافع: المہذب فی فقہ الامام الشافعی للشیرازی، باب زکاۃ الفطر، ج 1، ص300، دار الکتب العلمیہ، بیروت☆حنابلہ: المبدع فی شرح المقنع، مقدار الواجب فی صدقۃ الفطر، ج2، ص384، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

جبکہ احناف کے نزدیک گندم میں صدقہ فطر کی مقدار نصف صاع ہوگی۔

(المبسوط للسرخسی، باب صدقۃ الفطر، ج3، ص101، دار المعرفۃ، بیروت)

احناف کے دلائل

(1) ابوداود ونسائی کی روایت میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے آخر رمضان میں فرمایا: ((أَخْرِجُوا صَدَقَةَ صَوْمِكُمْ ..... فَرَضَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَذِهِ الصَّدَقَةَ صَاعًا مِنْ تَمْرٍ، أَوْ شَعِيرٍ، أَوْ نِصْفَ صَاعٍ مِنْ قَمْحٍ، عَلَى كُلِّ حُرٍّ أَوْ مَمْلُوكٍ، ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَى، صَغِيرٍ أَوْ كَبِيرٍ)) اپنے روزے کا صدقہ ادا کرو، اس صدقہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقرر فرمایا، ایک صاع کھجور یا جو یا نصف صاع گندم، ہر آزاد اور غلام پر، مرد وعورت پر، چھوٹے اور بڑے پر۔ (سنن ابی داود، باب من روی نصف صاع من قمح، ج2، ص114، المکتبۃ العصریہ، بیروت)

(2) ترمذی شریف میں بروایت عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ مروی: ((انَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ مُنَادِيًا فِي فِجَاجِ مَكَّةَ: أَلَا إِنَّ صَدَقَةَ الفِطْرِ وَاجِبَةٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَى، حُرٍّ أَوْ عَبْدٍ، صَغِيرٍ أَوْ كَبِيرٍ، مُدَّانِ مِنْ قَمْحٍ، أَوْ سِوَاهُ صَاعٌ مِنْ طَعَامٍ)) حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو بھیجا کہ مکہ کے کوچوں میں اعلان کردے کہ صدقہ فطر واجب ہے ہر مسلمان مرد وعورت، آزاد اور غلام، چھوٹے اور بڑے پر، گندم میں دو مد (نصف صاع) اور اس کے علاوہ طعام میں ایک صاع۔ (جامع ترمذی، باب ماجاء فی صدقۃ الفطر، ج3، ص50، مصطفیٰ البابی، مصر)

(3) حضرت عبداللہ بن ابی صُعَیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ((صَاعٌ مِنْ بُرٍّ، أَوْ قَمْحٍ عَلَى كُلِّ اثْنَيْنِ صَغِيرٍ

أَوْ كَبِيرٍ، حُرٍّ أَوْ عَبْدٍ، ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَى)) ترجمہ: ایک صاع گندم دو آدمیوں کی طرف سے دیا جاتا تھا چاہے چھوٹے ہوں یا بڑے، آزاد ہوں یا غلام، مرد ہوں یا عورتیں۔ (سنن ابی داؤد، باب من روی نصف صاع من قمح، ج2، ص114، المکتبۃ العصریہ، بیروت)

(4) حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے، فرماتے ہیں: ((عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ أَمَرَ بِزَكَاةِ الْفِطْرِ صَاعًا مِنْ تَمْرٍ أَوْ صَاعًا مِنْ شَعِيرٍ أَوْ مُدَّيْنِ مِنْ قَمْحٍ عَلَى كُلِّ حَاضِرٍ وَبَادٍ صَغِيرٍ وَكَبِيرٍ حُرٍّ وَعَبْدٍ)) ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ فطر ادا کرنے کا حکم فرمایا، ایک صاع کھجور یا ایک صاع جو، یا نصف صاع گندم ہر شہری اور دیہاتی پر، ہر چھوٹے اور بڑے پر اور ہر آزاد اور غلام پر۔

(سنن الدار قطنی، کتاب زکاۃ الفطر، ج3، ص71، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت)

(5) حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((صَدَقَةُ الْفِطْرِ صَاعٌ مِنْ تَمْرٍ أَوْ صَاعٌ مِنْ شَعِيرٍ أَوْ مُدَّانِ مِنْ حِنْطَةٍ عَنْ كُلِّ صَغِيرٍ وَكَبِيرٍ حُرٍّ وَعَبْدٍ)) ترجمہ: صدقہ فطر ایک صاع کھجور، ایک صاع جو، یا نصف صاع گندم ہے ہر چھوٹے اور بڑے پر، ہر آزاد اور غلام پر۔

(سنن الدار قطنی، کتاب زکاۃ الفطر، ج3، ص71، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت)

(6) حضرت ثعلبہ بن صُعَیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((أَدُّوا صَدَقَةَ الْفِطْرِ صَاعًا مِنْ تَمْرٍ أَوْ صَاعًا مِنْ شَعِيرٍ أَوْ نِصْفَ صَاعٍ مِنْ بُرٍّ عَنْ كُلِّ صَغِيرٍ أَوْ كَبِيرٍ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَى حُرٍّ أَوْ عَبْدٍ)) ترجمہ: صدقہ فطر ادا کرو کھجور میں سے ایک صاع، جو میں سے ایک صاع، گندم میں سے نصف صاع ہر چھوٹے اور بڑے کی طرف سے، ہر مرد و عورت کی طرف سے، ہر آزاد اور غلام کی طرف سے۔

(سنن الدار قطنی، کتاب زکاۃ الفطر، ج3، ص79، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت)

(7) حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں: ((كَانَ النَّاسُ يُخْرِجُونَ صَدَقَةَ الْفِطْرِ فِي عَهْدِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَاعَ شَعِيرٍ أَوْ تَمْرٍ أَوْ سُلْتٍ أَوْ زَبِيبٍ، فَلَمَّا كَانَ عُمَرُ وَكَثُرَتِ الْحِنْطَةُ جَعَلَ نِصْفَ صَاعِ حِنْطَةٍ مَكَانًا مِنْ تِلْكَ الْأَشْيَاءِ)) ترجمہ: لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں صدقہ فطر جو سے ایک صاع، کھجور سے ایک صاع کشمش سے ایک صاع نکالتے تھے، پس جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دور آیا اور گندم کثیر

ہوگئی تو انہوں نے گندم سے نصف صاع ان اشیاء کی جگہ مقرر فرمایا۔

(سنن الدارقطنی، کتاب زکاۃ الفطر، ج3، ص75، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت)

(8) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ((كُنَّا نُعْطِيهَا فِي زَمَانِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَاعًا مِنْ طَعَامٍ، أَوْ صَاعًا مِنْ تَمْرٍ، أَوْ صَاعًا مِنْ شَعِيرٍ، أَوْ صَاعًا مِنْ زَبِيبٍ، فَلَمَّا جَاءَ مُعَاوِيَةُ وَجَاءَتِ السَّمْرَاءُ، قَالَ: أُرَى مُدًّا مِنْ هَذَا يَعْدِلُ مُدَّيْنِ)) ترجمہ: ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں طعام سے ایک صاع، کھجوروں سے ایک صاع، جو سے ایک صاع، کشمش سے ایک صاع صدقہ فطر دیتے تھے، پس جب امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ آئے اور گندم (کثرت سے) آئی تو انہوں نے فرمایا: میرے خیال میں اس کا ایک مد باقی اشیاء کے دو مدوں کے برابر ہے۔ (یعنی اس میں سے صدقہ فطر نصف صاع ہوگا)

(صحیح بخاری، باب صدقۃ الفطر صاع من طعام، ج2، ص131، مطبوعہ دار طوق النجاۃ)

آخری دو روایات کا مطلب یہ ہے کہ گندم کی ادائیگی ویسے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور ہی سے نصف صاع تھی جیسا کہ ماقبل احادیث موجود ہیں مگر بعد میں جب گندم کثرت سے ہوئی تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے اپنے ادوار میں اسے باقاعدہ نافذ فرمایا۔

اور حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس قول کہ "میں اس طریقے سے دیتا رہا جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دیتا تھا۔" کا مطلب یہ ہوسکتا ہے کہ میں گندم کے علاوہ دیگر اشیاء سے صدقہ فطر دیتا رہا جس طرح کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے دیتا تھا۔

گندم میں صدقہ فطر کی مقدار میں صحابہ وتابعین کا مؤقف

گندم میں صدقہ فطر کی مقدار نصف صاع ہونا کثیر صحابہ وتابعین اور ائمہ دین کا مؤقف ہے۔

علامہ محمود بدرالدین عینی حنفی فرماتے ہیں:

"نصف صاع گندم دینا صحابہ میں سے حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی، حضرت علی بن ابی طالب، حضرت عبداللہ ابن مسعود، حضرت جابر، حضرت ابوہریرہ، حضرت عبداللہ ابن زبیر، حضرت عبداللہ ابن عباس،

حضرت امیر معاویہ، حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کا مذہب ہے۔

اور تابعین میں سے حضرت سعید بن میسّب، حضرت عطا، حضرت مجاہد، حضرت سعید بن جبیر، حضرت عمر بن عبد العزیز، حضرت طاؤس، امام ابراہیم نخعی، امام شعبی، امام علقمہ، امام اسود، امام عروہ، ابوسلمہ بن عبد الرحمٰن بن عوف، ابوقلابہ، عبد الملک بن محمد وغیرہم کا مؤقف ہے۔

اس کے علاوہ امام اوزاعی، ثوری، عبد اللہ بن مبارک، عبد اللہ بن شدّاد، مصعب بن سعید کا مؤقف بھی یہی ہے۔

امام طحاوی نے فرمایا کہ یہی قول قاسم، سالم، عبد الرحمٰن بن قاسم، حکم اور حماد کا ہے۔

(عمدۃ القاری، باب صدقۃ الفطر صاعا من طعام، ج9، ص113، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

ائمہ ثلاثہ کی دلیل

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ حدیث پاک ہے: ((كُنَّا نُخْرِجُ زَكَاةَ الفِطْرِ صَاعًا مِنْ طَعَامٍ، أَوْ صَاعًا مِنْ شَعِيرٍ، أَوْ صَاعًا مِنْ تَمْرٍ، أَوْ صَاعًا مِنْ أَقِطٍ، أَوْ صَاعًا مِنْ زَبِيبٍ)) ترجمہ: ہم صدقہ فطر نکالتے تھے طعام میں سے ایک صاع، جو میں سے ایک صاع، کھجور میں سے ایک صاع، پنیر میں سے ایک صاع اور کشمش میں سے ایک صاع۔

(صحیح بخاری، باب صدقۃ الفطر صاع من طعام، ج2، ص131، مطبوعہ دار طوق النجاۃ)

علامہ نووی شافعی فرماتے ہیں:

اس حدیث پاک میں دو وجوہات سے دلالت ہے:

(1) ایک تو یہ ہے کہ اہل حجاز کے عرف میں طعام گندم کے ساتھ خاص ہے۔

(2) دوسری یہ کہ مختلف اشیاء کو ذکر فرمایا اور ہر نوع میں ایک صاع کو واجب فرمایا تو یہ اس بات پر دلیل ہے کہ معتبر صاع ہے اور قیمت کی طرف نظر نہیں کی جائے گی۔ (شرح النووی علی مسلم، باب زکاۃ الفطر، ج7، ص60، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

ائمہ ثلاثہ کی دلیل کا جواب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں طعام کا اطلاق صرف گندم پر ہی نہیں ہوتا تھا دیگر اشیاء پر بھی ہوتا تھا، جیسا کہ

دوسرے نمبر پر موجود حدیث پاک میں ہے:((انَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بَعَثَ مُنَادِیًا فِی فِجَاجِ مَکَّۃَ :أَلَا إِنَّ صَدَقَةَ الفِطْرِ وَاجِبَۃٌ عَلَی کُلِّ مُسْلِمٍ ذَکَرٍ أَوْ أُنْثَی، حُرٍّ أَوْ عَبْدٍ، صَغِیرٍ أَوْ کَبِیرٍ، مُدَّانِ مِنْ قَمْحٍ أَوْ سِوَاہُ صَاعٌ مِنْ طَعَامٍ)) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو بھیجا کہ مکہ کے کوچوں میں اعلان کردے کہ صدقہ فطر واجب ہے ہر مسلمان مرد وعورت، آزاد اور غلام، چھوٹے اور بڑے پر، گندم میں دو مد (نصف صاع) اور اس کے علاوہ طعام میں ایک صاع۔ (جامع ترمذی، باب ماجاء فی صدقۃ الفطر، ج3،ص50، مصطفی البابی، مصر)

بلکہ صحیح بخاری میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے صراحت موجود ہے کہ ان دنوں ہمارا طعام جو، کشمش، پنیر اور کھجور ہوتے تھے، چنانچہ صحیح بخاری میں ہے:((عَنْ أَبِی سَعِیدٍ الخُدْرِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ:کُنَّا نُخْرِجُ فِی عَھْدِ رَسُولِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَوْمَ الفِطْرِ صَاعًا مِنْ طَعَامٍ ، وَقَالَ أَبُو سَعِیدٍ:وَکَانَ طَعَامَنَا الشَّعِیرُ وَالزَّبِیبُ وَالأَقِطُ وَالتَّمْرُ)) ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں: ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ایک صاع طعام صدقہ کیا کرتے تھے، اور حضرت ابو سعید فرماتے ہیں: ہمارا طعام جو، کشمش، پنیر اور کھجور تھے۔ (صحیح بخاری، باب الصدقۃ قبل العید، ج2،ص131، مطبوعہ دار طوق النجاۃ)

اور یہ بات کہ باقی اشیاء میں ایک صاع ہے تو اس میں بھی ایک صاع ہونا چاہیے، یہ بھی درست نہیں کہ مقادیر غیر قیاسی ہوتی ہے، لہذا گندم کو دوسری اشیاء پر قیاس نہیں کریں گے۔

صاع کا وزن گراموں کے اعتبار سے

گراموں کے اعتبار سے نصف صاع کی مقدار میں علمائے اہلسنت کے دو فریق ہیں:

(1) بعض کا فرمانا ہے کہ 2 کلو 47 گرام ہے۔ یہ شارح بخاری مفتی شریف الحق امجدی رحمہ اللہ تعالی اور مفتی نظام الدین مدظلہ العالی وغیرہما کا موقف ہے۔

(2) اور بعض کا فرمانا ہے کہ 1 کلو 920 گرام۔ یہ خواجہ علم وفن خواجہ مظفر حسین رضوی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کا موقف ہے۔

یہ اختلاف اس بات پر مبنی ہے کہ قدیم تولہ یعنی جس کے اعتبار سے انگریزی روپیہ کو امام اہلسنت امام احمد رضا

خان رحمۃ اللہ علیہ نے گیارہ ماشے کا قرار دیا ہے، وہ کتنے وزن کا تھا۔

پہلے مؤقف کی تفصیل

جو علماء 2 کلو 47 گرام بتاتے ہیں، ان کا موقف یہ ہے کہ امام اہلسنت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ کا یہ تولہ 12.441 گرام ہوگا۔ وہ اس طرح کہ انگریزی دور کا روپیہ سوا گیارہ ماشے کا تھا جو گراموں کے اعتبار سے 11.664 گرام ہے۔ اور تولہ 12 ماشے کا ہوتا ہے تو گراموں کے اعتبار سے تولہ کی مقدار 12.441 گرام بنے گی۔

اور اس سے 2 کلو 47 گرام اس اعتبار سے بنے گا کہ نصف صاع کا وزن امام اہلسنت علیہ الرحمۃ نے 175.5 روپے بھر بیان فرمائی ہے تو اس کو جب انگریزی روپے کے گراموں سے ضرب کریں تو 2 کلو 47 گرام جواب آتا ہے، یعنی اس طرح 2047.032=175.5x11.664

چنانچہ مفتی محمد نظام الدین تحریر فرماتے ہیں:

(1) انگریزی عہد کا چاندی کا روپیہ ماشہ سے سوا گیارہ ماشے کا ہوتا ہے یعنی 11 ماشے 2 رتی۔ اور تولہ پورے 12 ماشے کا ہوتا ہے۔

(2) نصف صاع کا وزن انگریزی دور کے چاندی کے روپے سے 175 روپے اور 8 آنے بھر ہے۔

یہ دونوں باتیں فتاوی رضویہ جلد چہارم میں متعدد مقامات پر مذکور ہیں اور یہ سب کو تسلیم ہے۔

ان مسلمات سے روز روشن کی طرح عیاں ہے ایک روپیہ انگریزی کا وزن ایک تولہ نہیں بلکہ ایک تولہ سے 6 رتی کم ہے۔ واضح ہو کہ ماشہ 8 رتی کا ہوتا ہے جیسا کہ فتاوی مصطفویہ وغیرہ میں اس کی صراحت ہے۔

انگریزی روپیہ کا وزن 11 گرام 664 ملی گرام ہے۔ یہ بھی سب کو تسلیم ہے۔ علاوہ ازیں کسی بھی پڑھے لکھے سنار (جوئیلر) سے پوچھ لیجئے وہ اس کی تصدیق کرے گا اور اگر کہیں انگریزی عہد کا سکہ بغیر گھسا ہوا محفوظ حالت میں مل جائے تو اسے کمپیوٹرائزڈ آلہ وزن پر خود تول کر مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔ یہ امر محسوسات و بدیہات سے ہے جو قطعی و ناقابل انکار ہے۔

اس سے عیاں ہوا کہ 11 ماشے 2 رتی (یعنی روپیہ انگریزی) کا وزن 11 گرام 664 ملی گرام ہے۔ تو ایک

تولہ یعنی بارہ ماشے کا وزن ضرور اس سے زیادہ ہوگا آپ بھی معادلہ قائم کر کے دیکھ لیں وہ وزن 12 گرام 441 ملی گرام 6 پوائنٹ ہے۔اس سے ثابت ہوا کہ قدیم تولے کا وزن انگریزی روپیہ سے 777 ملی گرام زیادہ ہے۔

ان مسلمات کے پیش نظر نئے پرانے اوران کے مابین معادلہ کی تفصیل حسب ذیل ہوگی:

ایک روپیہ انگریزی 11 ماشے 2 رتی = 11 گرام 664 ملی گرام

ایک تولہ قدیم 12 ماشے = 12 گرام 441 ملی گرام 6 پوائنٹ

اس لحاظ سے 175 روپے 8 آنے بھر انگریزی کے 2 کلو 47 گرام ہوئے

اب یہاں دو طریقے ہیں:

ایک اس طرح کہ 175.5 روپے کو گرام و کلوگرام میں تبدیل کریں

دوسرے اس طرح 175.5 روپے کو ماشہ اور تولہ میں تبدیل کر کے پھر گرام و کلوگرام بنائیں

(1) 175.5 روپے × 11.664 گرام = 2047 گرام

(2) 175.5 روپے × 11.25 ماشہ = 1974.38 ماشہ

1974.38 ماشہ ⁄ 12 ماشہ = 164.53 تولہ

164.53 تولہ × 12.441 گرام = 2047 گرام

اس سے واضح ہوا کہ دونوں طریقوں میں سے جو بھی اپنائیں نصف صاع 175.5 دو کلو 47 گرام کے برابر ہوگا۔

دوسرے مؤقف کی تفصیل

اور جو علما 1 کلو 290 گرام بیان فرماتے ہیں،ان کا موقف یہ ہے کہ امام اہلسنت رحمۃ اللہ علیہ کا بیان کردہ تولہ 11.664 گرام کا تھا یعنی اس دور کا تولہ اور امام اہلسنت علیہ الرحمۃ کا بیان کردہ تولہ ایک ہی وزن کا تھا۔اور انگریزی روپیہ سوا گیارے ماشے کا تھا تو اس کا وزن 10.933 گرام بنتا ہے لہذا 175.5 کو 10.933 سے ضرب دیں تو تقریبا 1 کلو 920 گرام بنتے ہیں۔

اگر پہلے والے علما کا موقف لیا جائے تو پھر کئی مقامات پر تبدیلیاں لازم آئیں گی۔ جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

(الف) چاندی کے اعتبار سے زکوۃ کا نصاب:

امام اہلسنت رحمۃ اللہ علیہ نے چاندی کا نصاب ساڑھے باون تولے قرار دیا ہے تو یہاں امام اہلسنت رحمۃ اللہ علیہ کا تولہ مراد ہے اور اس کے مقابلے میں انگریزی سکے سے آپ نے اس کا نصاب 56 روپے قرار دیا ہے، اگر آج کے صراف کا تولہ 12 ماشوں پر مشتمل ہونے کے باوجود امام اہلسنت علیہ الرحمۃ کے تولے سے کم وزن کا ہے تو چاندی کا نصاب اس تولے سے 56 تولے قرار دیا جانا چاہیے، جبکہ ایسا ابھی تک کسی مفتی نے فتوی نہیں دیا۔

(ب) سونے کے اعتبار سے زکوۃ کا نصاب:

امام اہلسنت رحمۃ اللہ علیہ نے سونے کے اعتبار سے زکوۃ کا نصاب ساڑھے سات تولے بیان فرمایا ہے یعنی سات تولے اور چھ ماشے، اور یہ انگریزی رائج سکہ کے اعتبار سے 8 روپے کے برابر وزن بنتا ہے، اگر اعلی حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے تولے اور ہمارے دور کے تولے میں فرق ہے تو اب سونے کا نصاب ساڑھے سات تولے کے بجائے 8 تولے بیان کرنا چاہیے۔

(ج،د) قربانی کا نصاب:

یہی معاملہ قربانی کے نصاب میں آئے گا کہ اب چاندی کے اعتبار سے قربانی کا نصاب 56 تولے اور سونے کے اعتبار سے 8 تولے قرار دیا جانا چاہیے۔ جبکہ ایسا آج تک کسی مفتی نے بھی فتوی نہیں دیا۔

(ہ) کم از کم مہر:

اقل مہر کی مقدار امام اہلسنت رحمۃ اللہ علیہ نے دو تولے ساڑھے سات ماشے اپنے تولے کے اعتبار سے بیان کی ہے، تو اب کم از کم مہر کی مقدار دو تولے ساڑھے سات ماشے سے زیادہ ہونی چاہیے۔ جبکہ ایسا آج تک کسی مفتی نے بھی فتوی نہیں دیا۔

(و) چاندی کی انگوٹھی:

مرد کے لیے چاندی کی انگوٹھی کی مقدار امام اہلسنت علیہ الرحمۃ نے ساڑھے چار ماشے سے کم کی بیان کی ہے

اگر کوئی مرد ساڑھے چار ماشے یا اس سے زیادہ مقدار کی انگوٹھی استعمال کرے تو گنہگار ہوگا، اگر امام اہلسنت رحمۃ اللہ علیہ کے ماشوں کا وزن زیادہ تھا تو اب ساڑھے چار ماشے کی انگوٹھی استعمال کرنے پر اسے گنہگار نہیں قرار دینا چاہیے۔

چنانچہ خواجہ علم وفن خواجہ مظفر حسین رضوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

جب ہم نے امام احمد رضا کی تحریر میں تین مسلمات:

(1) نصف صاع = 175.5 بھر

(2) اور بھر = 11.25 ماشہ

(3) اور تولہ = 12 ماشہ دیکھا

(4) اور ایک بات چاندی سونے کے بڑے کاروبار کرنے والے دہلی کے جوئیلرس چھنومل جے پال سنگھ جین 1327 چاندنی چوک دہلی کی کتاب میں یہ دیکھا کہ 2 تولہ = 35 گرام

تو ان چاروں باتوں کی روشنی میں حساب کرنے سے یہ پتہ چلا کہ نصف صاع = ایک کلو 920 گرام ہوتا ہے۔

(تحقیقات امام علم وفن، ص 213، امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی شریف)

مزید فرماتے ہیں:

حکومت برطانیہ نے جب ہندوستان میں اپنے نام کا سکہ ڈھالا تو اس کے وزن کامل 12 ماشہ تھا۔ چونکہ اس سکہ کا وزن ایک تولہ تھا اس لئے اس کی قیمت (1 تولہ چاندی کی قیمت، سکہ ڈھالنے کی اجرت) ایک تولہ چاندی سے زیادہ تھی۔ صرافہ کے یہاں ایک روپیہ کے سکہ سے اگر کوئی شخص چاندی خریدتا تو اسے ایک تولہ سے زائد چاندی ملتی تھی۔ لیکن بعد کو اس کا چلن ختم کرکے برطانیہ نے 3/4/11 ماشہ بطور کٹوتی کم کردی۔ اور پھر یہ سکہ باقاعدہ رائج ہوگیا۔ یہی سکہ بھر کے نام سے مشہور ہوگیا۔ اسی سکہ کے اعتبار سے کم دام کی موٹی چیزوں کی خرید وفروخت کے لئے سیر، چھٹانک، وغیرہ کا تول مقرر ہوگیا۔ لیکن قیمتی باریک اشیا کی خرید وفروخت کے لئے تولے ماشے رتی وغیرہ کا رواج برقرار رہا۔ اس طرح ان چیزوں کا ناپ تول پرانے سکے سے بھی جاری رہا۔ اب اسے یوں سمجھئے کہ انگریزی روپے دو وزن کے ہوگئے ایک منسوخ الرواج (بین العوام) ج 12 / ماشہ کا تھا۔ اور دوسرا رائج الوقت یعنی 1/411 ماشے کا (بحوالہ حضرت ملک العلما)

امام احمد رضا نے انگریزی عہد کے رائج سکے کا وزن 11.25 ماشے لکھا ہے۔

اسی حساب سے صدقہ فطر کا وزن 175.5 بھر تحریر فرمایا ہے۔امام احمد رضا نے اس طرف ان الفاظ میں ارشاد فرمایا ہے،آپ تحریر فرماتے ہیں: صاع اس انگریزی روپیہ رائج الوقت سے دوسو اٹھاسی بھر ہے اور تولوں سے دوسوستر تولے۔ یہ روپیہ (یعنی رائج الوقت) سوا گیارہ ماشے بھر ہے۔ (فتاوی رضویہ،ص498)

انگریزی روپیہ سکہ رائجہ سوا گیارہ ماشے ہے۔ (فتاوی رضویہ،ص203)

سکہ رائجہ ہند سے دوسو اٹھاسی روپے بھر وزن ہوا کہ یہ روپیہ سوا گیارے ماشے ہے۔ (فتاوی رضویہ،ص213)

چونکہ سیر کے اوزان مختلف تھے اس لئے شروع میں فرمایا گیا کہ اسی کے سیر سے۔

اسی طرح انگریزی عہد کے سکے مختلف تھے اس لئے یہاں فرمایا گیا سکہ رائجہ ہند سے۔

قدیم سکہ اور تولہ چونکہ دونوں ہی 12 ماشے کے تھے اسی لئے جوئیلرس اور دوافروش عطر فروش اور علم کیمیا کے ماہرین اپنے کاروبار میں اس قدیم سکے کو بھی استعمال کرتے رہے اور تولہ کی جگہ اسی قدیم سکہ کو بھی عمل میں لاتے رہے اور جب میٹرک پیمانہ نافذ ہوا تو ان لوگوں نے اسی قدیم سکہ یا تولہ کو جو 12 ماشے کا تھا گرام میں تحویل کر کے لکھا کہ ایک تولہ 11.664 گرام کا ہوتا ہے اور ساتھ ہی رتی وغیرہ کا بھی گرام سے معادلہ پیش کیا کہ مثلا 4 رتی کا وزن 0.486 گرام ہوتا ہے۔

اس لئے دانشوروں کو چاہئے کہ سکہ تول کر معلوم کرتے وقت جوئیلرس سے ضرور دریافت کرلیں کہ یہ وزن 12 ماشے یعنی ایک تولے کا ہے یا 11.25 ماشے یعنی بھر کا ہے۔ (تحقیقات امام علم وفن ص 216-215،امام احمد رضا اکیڈمی،بریلی شریف)

پہلے والوں کا موقف ماننے سے رونما ہونے والی تبدیلیوں کے متعلق فرماتے ہیں:

اس اختلاف کا اثر نہ صرف یہ کہ صدقہ فطر کے نصاب پر پڑے گا بلکہ سونے چاندی کا نصاب بھی اس اختلاف کے نتیجہ میں متاثر ہوگا،اس لئے کہ جوئیلرس کے مطابق چاندی کا نصاب 612.36 گرام ہوتا ہے،جبکہ فریق ثانی کے حساب سے چاندی کا نصاب 653.184 گرام ہوتا ہے،فرض کریں کہ اگر جوئیلرس کا حساب درست ہو لیکن فتویٰ فریق ثانی کے حساب پر ہو تو کتنے لوگوں کا گناہ گار ہونا لازم آئے گا اور اگر بالفرض فریق ثانی کا ہی قول درست ہو لیکن فتویٰ

جوئیلرس کے حساب کے مطابق ہوتو زیادہ سے زیادہ یہ لازم آئے گا کہ جس پر زکوٰۃ واجب نہ تھی اس کو بھی ادا کرنا ہوگی اس سے کوئی گناہ لازم نہ آئے گا بلکہ یہ ادائیگی صدقہ نافلہ ہوکر باعث اجروثواب ہوگی یہی حال سونے کے نصاب کے متعلق بھی ہوگا کہ جوئیلرس کے حساب سے اس کا نصاب 87.48 گرام جبکہ فریق ثانی کے قول کے مطابق اس کا نصاب 93.312 گرام ہوگا لہذا یہاں بھی اجروثواب کی وہی صورت بنے گی جو چاندی کے نصاب میں ہم نے عرض کیا ہے۔اسی طرح اس اختلاف کا اثر مرد کے لئے چاندی کی انگوٹھی کے وزن پر بھی پڑے گا نیز دین مہر میں بھی یہی حال ہوگا کہ جوئیلرس کے حساب سے اقل مہر 30.6592 گرام ہوگا اس لئے 30.618 گرام کا تسمیہ غیر صحیح اور مہر مثل واجب ہوگا، بلکہ اس اختلاف کا اثر قربانی کے وجوب پر بھی پڑے گا جیسا کہ ظاہر ہے"۔

(تحقیقات امام وعلم وفن،ص،271-271،امام احمد رضا اکیڈمی،بریلی شریف)

صدقۂ فطر کے کچھ ضروری مسائل

☆ صدقہ فطر واجب ہے،عمر بھر اس کا وقت ہے یعنی اگر ادا نہ کیا ہو تو اب ادا کردے۔ادا نہ کرنے سے ساقط نہ ہوگا،نہ اب ادا کرنا قضا ہے بلکہ اب بھی ادا ہی ہے اگرچہ مسنون قبل نمازِ عید ادا کردینا ہے۔

("الدرالمختار"،کتاب الزکاۃ،باب صدقۃ الفطر،ج3،ص362)

☆ صدقہ فطر شخص پر واجب ہے مال پر نہیں،لہٰذا مر گیا تو اس کے مال سے ادا نہیں کیا جائے گا۔ہاں اگر ورثہ بطورِ احسان اپنی طرف سے ادا کریں تو ہوسکتا ہے کچھ اُن پر جبر نہیں اور اگر وصیّت کرگیا ہے تو تہائی مال سے ضرور ادا کیا جائے گا اگرچہ ورثہ اجازت نہ دیں۔

("الجوہرۃ النیرۃ"،کتاب الزکاۃ،باب صدقۃ الفطر،ص174)

☆ عید کے دن صبح صادق طلوع ہوتے ہی صدقہ فطر واجب ہوتا ہے،لہٰذا جو شخص صبح ہونے سے پہلے مر گیا یا غنی تھا فقیر ہوگیا یا صبح طلوع ہونے کے بعد کافر مسلمان ہوا یا بچہ پیدا ہوا یا فقیر تھا غنی ہوگیا تو واجب نہ ہوا اور اگر صبح طلوع ہونے کے بعد مرا یا صبح طلوع ہونے سے پہلے کافر مسلمان ہوا یا بچہ پیدا ہوا یا فقیر تھا غنی ہوگیا تو واجب ہے۔

(الفتاوی الھندیۃ،کتاب الزکاۃ،الباب الثامن فی صدقۃ الفطر،ج1،ص192)

☆ صدقہ فطر ہر مسلمان آزاد مالکِ نصاب پر جس کی نصاب حاجت اصلیہ سے فارغ ہو واجب ہے۔اس

میں عاقل بالغ اور مال نامی ہونے کی شرط نہیں۔ ("الدرالمختار"، کتاب الزکاۃ، باب صدقۃ الفطر، ج3، ص362,365)

نوٹ: زکوۃ اور صدقہ فطر کے نصاب میں دوطرح سے فرق ہے:

(1) زکوۃ صرف مال نامی پر ہوتی ہے جبکہ صدقہ فطر حاجت اصلیہ کے علاوہ ہر قسم کے مال پر ہوتا ہے۔ مال نامی تین طرح کے اموال ہیں: (۱) سونا چاندی، سکہ رائج والوقت (۲) مالِ تجارت (۳) سائمہ جانور

(2) زکوۃ میں سال گزرنا شرط ہے جبکہ صدقہ فطر میں سال گزرنا شرط نہیں۔

☆ نابالغ یا مجنون اگر مالکِ نصاب ہیں تو ان پر صدقہ فطر واجب ہے، اُن کا ولی اُن کے مال سے ادا کرے، اگر ولی نے ادا نہ کیا اور نابالغ بالغ ہوگیا یا مجنون کا جنون جاتا رہا تو اب یہ خود ادا کردیں اور اگر خود مالکِ نصاب نہ تھے اور ولی نے ادا نہ کیا تو بالغ ہونے یا ہوش میں آنے پر اُن کے ذمہ ادا کرنا نہیں۔

("الدرالمختار" و "ردالمحتار"، کتاب الزکاۃ، باب صدقۃ الفطر، ج3، ص365)

☆ صدقہ فطر ادا کرنے کے لیے مال کا باقی رہنا بھی شرط نہیں، مال ہلاک ہونے کے بعد بھی صدقہ فطر واجب رہے گا ساقط نہ ہوگا، بخلاف زکاۃ وعشر کہ یہ دونوں مال ہلاک ہوجانے سے ساقط ہوجاتے ہیں۔

("الدرالمختار"، کتاب الزکاۃ، باب صدقۃ الفطر، ج3، ص366)

☆ مرد مالکِ نصاب پر اپنی طرف سے اور اپنے چھوٹے بچہ کی طرف سے واجب ہے، جبکہ بچہ خود مالکِ نصاب نہ ہو، ورنہ اس کا صدقہ اسی کے مال سے ادا کیا جائے اور مجنون اولاد اگرچہ بالغ ہو جبکہ غنی نہ ہو تو اُس کا صدقہ اُس کے باپ پر واجب ہے اور غنی ہو تو خود اس کے مال سے ادا کیا جائے، جنون خواہ اصلی ہو یعنی اسی حالت میں بالغ ہوا یا بعد کو عارض ہوا دونوں کا ایک حکم ہے۔ ("الدرالمختار" و "ردالمحتار"، کتاب الزکاۃ، باب صدقۃ الفطر، ج3، ص367)

☆ صدقہ فطر واجب ہونے کے لیے روزہ رکھنا شرط نہیں، اگر کسی عذر، سفر، مرض، بڑھاپے کی وجہ سے یا معاذ اللہ بلاعذر روزہ نہ رکھا جب بھی واجب ہے۔ (ردالمحتار، کتاب الزکاۃ، باب صدقۃ الفطر، ج3، ص367)

☆ نابالغ لڑکی جو اس قابل ہے کہ شوہر کی خدمت کرسکے اس کا نکاح کردیا اور شوہر کے یہاں اُسے بھیج بھی دیا تو کسی پر اس کی طرف سے صدقہ واجب نہیں، نہ شوہر پر نہ باپ پر اور اگر قابل خدمت نہیں یا شوہر کے یہاں اُسے بھیجا

نہیں تو بدستور باپ پر ہے پھر یہ سب اس وقت ہے کہ لڑکی خود مالکِ نصاب نہ ہو، ورنہ بہر حال اُس کا صدقہ فطر اس کے مال سے ادا کیا جائے۔ (الدرالمختار "و" ردالمختار"، کتاب الزکاۃ، باب صدقۃ الفطر، ج3، ص368)

☆ باپ نہ ہو تو دادا باپ کی جگہ ہے یعنی اپنے فقیر و یتیم پوتے پوتی کی طرف سے اس پر صدقہ دینا واجب ہے۔
(الدرالمختار، کتاب الزکاۃ، باب صدقۃ الفطر، ج3، ص368)

☆ ماں پر اپنے چھوٹے بچوں کی طرف سے صدقہ دینا واجب نہیں۔

("ردالمختار"، کتاب الزکاۃ، باب صدقۃ الفطر، ج3، ص368)

☆ خدمت کے غلام اور مدبر و ام ولد کی طرف سے ان کے مالک پر صدقہ فطر واجب ہے، اگر چہ غلام مدیُون ہو، اگر چہ دَین میں مستغرق ہو اور اگر غلام گروی ہو اور مالک کے پاس حاجتِ اصلیہ کے سوا اتنا ہو کہ دَین ادا کر دے اور پھر نصاب کا مالک رہے تو مالک پر اُس کی طرف سے بھی صدقہ واجب ہے۔

(الدرالمختار، کتاب الزکاۃ، باب صدقۃ الفطر، ج3، ص369 ☆ فتاوی ہندیہ، کتاب الزکاۃ، الباب الثامن فی صدقۃ الفطر، ج1، ص192)

نوٹ: فی زمانہ غلاموں کا سلسلہ نہیں۔ آج کل جو گھروں یا دوکانوں میں ملازم رکھے جاتے ہیں، یہ اجیر ہوتے ہیں، ان کا فطرہ مستاجر یعنی اجیر رکھنے والے پر نہیں، اگر یہ ملازم خود صاحب نصاب ہیں تو خود ان پر واجب ہوگا۔

☆ اپنی عورت اور اولاد عاقل بالغ کا فطرہ اُس کے ذمہ نہیں اگر چہ اپاہج ہو، اگر چہ اس کے نفقات اس کے ذمہ ہوں۔ (الدرالمختار، کتاب الزکاۃ، باب صدقۃ الفطر، ج3، ص370)

☆ عورت یا بالغ اولاد کا فطرہ ان کے بغیر اِذن ادا کر دیا تو ادا ہو گیا، بشرطیکہ اولاد اس کے عیال میں ہو یعنی اس کا نفقہ وغیرہ اُس کے ذمہ ہو، ورنہ اولاد کی طرف سے بلا اِذن ادا نہ ہوگا اور عورت نے اگر شوہر کا فطرہ بغیر حکم ادا کر دیا ادا نہ ہوا۔ (فتاوی ہندیہ، کتاب الزکاۃ، الباب الثامن فی صدقۃ الفطر، ج1، ص193)

☆ ماں باپ، دادا دادی، نابالغ بھائی اور دیگر رشتہ داروں کا فطرہ اس کے ذمہ نہیں اور بغیر حکم ادا بھی نہیں کر سکتا۔

(فتاوی ہندیہ، کتاب الزکاۃ، الباب الثامن فی صدقۃ الفطر، ج1، ص193)

☆ صدقہ فطر کی مقدار یہ ہے گندم یا اس کا آٹا یا ستو نصف صاع، کھجور یا منقے یا جَو یا اس کا آٹا یا ستو ایک صاع۔

(فتاوی ہندیہ، کتاب الزکاۃ، الباب الثامن فی صدقۃ الفطر، ج1، ص193)

☆ گندم، جَو، کھجوریں، منقے دیے جائیں تو ان کی قیمت کا اعتبار نہیں، مثلاً نصف صاع عمدہ جَو جن کی قیمت ایک صاع جَو کے برابر ہے یا چہارم صاع کھرے گندم جو قیمت میں آدھے صاع گندم کے برابر ہیں یا نصف صاع کھجوریں دیں جو ایک صاع جَو یا نصف صاع گندم کی قیمت کی ہوں یہ سب ناجائز ہے جتنا دیا اُتنا ہی ادا ہوا، باقی اس کے ذمہ باقی ہے ادا کرے۔ (فتاوی ہندیہ، کتاب الزکاۃ، الباب الثامن فی صدقۃ الفطر، ج1، ص192)

☆ نصف صاع جَو اور چہارم صاع گیہوں دیے یا نصف صاع جَو اور نصف صاع کھجور تو بھی جائز ہے۔

(فتاوی ہندیہ، کتاب الزکاۃ، الباب الثامن فی صدقۃ الفطر، ج1، ص192)

☆ گیہوں یعنی گندم اور جَو ملے ہوئے ہوں اور گیہوں زیادہ ہیں تو نصف صاع دے ورنہ ایک صاع۔

(ردالمحتار، کتاب الزکوۃ، باب صدقۃ الفطر، ج3، ص373)

☆ گیہوں اور جَو کے دینے سے اُن کا آٹا دینا افضل ہے اور اس سے افضل یہ کہ قیمت دیدے، خواہ گیہوں کی قیمت دے یا جَو کی یا کھجور کی مگر گرانی میں خود ان کا دینا قیمت دینے سے افضل ہے اور اگر خراب گیہوں یا جَو کی قیمت دی تو اچھے کی قیمت سے جو کمی پڑے پوری کرے۔ (ردالمحتار، کتاب الزکوۃ، باب صدقۃ الفطر، ج3، ص376)

☆ ان چار چیزوں کے علاوہ اگر کسی دوسری چیز سے فطرہ ادا کرنا چاہے، مثلاً چاول، جوار، باجرہ یا اور کوئی غلّہ یا اور کوئی چیز دینا چاہے تو قیمت کا لحاظ کرنا ہوگا یعنی وہ چیز آدھے صاع گیہوں یا ایک صاع جَو کی قیمت کی ہو، یہاں تک کہ روٹی دیں تو اس میں بھی قیمت کا لحاظ کیا جائے گا اگرچہ گیہوں یا جَو کی ہو۔ (الدرالمختار، کتاب الزکوۃ، باب صدقۃ الفطر، ج3، ص373)

☆ فطرہ کا مقدم کرنا مطلقاً جائز ہے جب کہ وہ شخص موجود ہو، جس کی طرف سے ادا کرتا ہو اگرچہ رمضان سے پیشتر ادا کردے اور اگر فطرہ ادا کرتے وقت مالک نصاب نہ تھا پھر ہوگیا تو فطرہ صحیح ہے اور بہتر یہ ہے کہ عید کی صبح صادق ہونے کے بعد اور عیدگاہ جانے سے پہلے ادا کردے۔

(الدرالمختار، کتاب الزکوۃ، باب صدقۃ الفطر، ج3، ص376 ☆ فتاوی ہندیہ، کتاب الزکاۃ، الباب الثامن فی صدقۃ الفطر، ج1، ص192)

☆ ایک شخص کا فطرہ ایک مسکین کو دینا بہتر ہے اور چند مساکین کو دے دیا جب بھی جائز ہے۔ یوہیں ایک مسکین

کو چند شخصوں کا فطرہ دینا بھی بلا خلاف جائز ہے اگر چہ سب فطرے ملے ہوئے ہوں۔

(الدرالمختار ورد المحتار، کتاب الزکوۃ، باب صدقۃ الفطر، ج3، ص377)

☆ شوہر نے عورت کو اپنا فطرہ ادا کرنے کا حکم دیا، اُس نے شوہر کے فطرہ کے گیہوں اپنے فطرہ کے گیہوؤں میں ملا کر فقیر کو دے دیے اور شوہر نے ملانے کا حکم نہ دیا تھا تو عورت کا فطرہ ادا ہو گیا شوہر کا نہیں مگر جب کہ ملا دینے پر عرف جاری ہو تو شوہر کا بھی ادا ہو جائے گا۔ (الدرالمختار ورد المحتار، کتاب الزکوۃ، باب صدقۃ الفطر، ج3، ص378)

☆ صدقہ فطر کے مصارف وہی ہیں جو زکاۃ کے ہیں یعنی جن کو زکاۃ دے سکتے ہیں، انھیں فطرہ بھی دے سکتے ہیں اور جنھیں زکاۃ نہیں دے سکتے، انھیں فطرہ بھی نہیں سوا عامل کے کہ اس کے لیے زکاۃ ہے فطرہ نہیں۔

(الدرالمختار ورد المحتار، کتاب الزکوۃ، باب صدقۃ الفطر، ج3، ص379)

☆ عید پر آنے والے مہمانوں کا صدقہ فطر میزبان ادا نہیں کریگا اگر مہمان صاحبِ نصاب ہیں تو اپنا فطرہ خود ادا کریں۔ (فتاویٰ رضویہ، ج10، ص296، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

☆ اگر شادی شدہ بیٹی باپ کے گھر عید کرے تو اس کے چھوٹے بچوں کا فطرہ ان کے باپ پر ہے جبکہ عورت کا نہ باپ پر نہ شوہر پر، اگر صاحبِ نصاب ہے تو خود ادا کرے۔ (فتاویٰ رضویہ، ج10، ص296، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

باب نمبر463

مَا جَاءَ فِی تَقْدِیمِهَا قَبْلَ الصَّلَاةِ

نماز سے پہلے صدقہ فطر دینا

675۔ حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ عَمْرِو بْنِ مُسْلِمٍ أَبُو عَمْرٍو الْحَذَّاءُ الْمَدِينِيُّ قَالَ: حَدَّثَنِي عَبْدُ اللَّهِ بْنُ نَافِعٍ، عَنْ ابْنِ أَبِي الزِّنَادِ، عَنْ مُوسَى بْنِ عُقْبَةَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ ابْنِ عُمَرَ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَأْمُرُ بِإِخْرَاجِ الزَّكَاةِ قَبْلَ الْغُدُوِّ لِلصَّلَاةِ يَوْمَ الْفِطْرِ

قَالَ أَبُو عِيسَى: هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ غَرِيبٌ، وَهُوَ الَّذِي يَسْتَحِبُّهُ أَهْلُ الْعِلْمِ: أَنْ يُخْرِجَ الرَّجُلُ صَدَقَةَ الْفِطْرِ قَبْلَ الْغُدُوِّ إِلَى الصَّلَاةِ

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عید الفطر والے دن نمازِ عید کے لیے جانے سے پہلے صدقۂ فطر نکالنے کا حکم فرماتے تھے۔

امام ابوعیسیٰ نے فرمایا: یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے۔ اور جسے اہل علم نے مستحب قرار دیا وہ یہ ہے کہ آدمی نمازِ عید کے لیے نکلنے سے پہلے صدقہ فطر نکالے۔

شرح حدیث

نمازِ عید سے پہلے صدقہ فطر کی ادائیگی میں حکمتیں

عید الفطر والے دن نمازِ عید کے لیے جانے سے پہلے صدقہ فطر کی ادائیگی کا فرمانے میں درج ذیل حکمتیں ہیں:

(1) صدقہ فطر کی مشروعیت اس وجہ سے ہے تاکہ اس دن فقراء کو بے پروا کیا جائے تو نمازِ عید سے پہلے اس لیے نکالنے کا فرمایا تاکہ وہ اس سے فائدہ اٹھا سکیں۔ (التنویر شرح الجامع الصغیر، المعرف باللام من حرف الکاف، ج8، ص525، مکتبہ دار السلام، ریاض)

(2) جب وہ عید گاہ کی طرف نکلنے سے پہلے صدقہ فطر فقیر کو ادا کر دے گا تو فقیر کا دل نمازِ عید کی ادائیگی کے لیے عیال کی حاجت سے فارغ ہو جائے گا۔ (مبسوط للسرخسی، باب صدقۃ الفطر، ج3، ص102، دار المعرفہ، بیروت)

(3) صدقہ فطر سے مقصود عید والے دن فقراء کو طلب سے مستغنی کرنا ہوتا ہے جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((اغنوھم عن الطلب فی ھذا الیوم)) (فقراء کو اس دن طلب سے مستغنی کر دو) اور صدقہ فطر کے نمازِ عید سے پہلے نکالنے میں اس پورے دن فقراء کو مستغنی کرنا ہے۔

(الکافی فی فقہ الامام احمد، باب صدقۃ الفطر، ج1، ص414، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

نمازِ عید سے پہلے صدقہ فطر کی ادائیگی کے بارے میں مذاہب ائمہ

احناف، مالکیہ، شوافع اور حنابلہ سب کے نزدیک صدقہ فطر نمازِ عید سے پہلے ادا کرنا مستحب ہے، تفصیلی جزئیات درج ذیل ہیں۔

احناف کا مؤقف

علامہ محمد بن احمد شمس الائمہ سرخسی حنفی (متوفی 483ھ) فرماتے ہیں:

عید الفطر کے دن طلوع فجر کے وقت عید گاہ کی طرف جانے سے پہلے صدقہ فطر ادا کرنا مستحب ہے، حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی اس حدیث پاک کی وجہ سے: ((اَنَّ رَسُولَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یَأْمُرُھُمْ اَنْ یُؤَدُّوا صَدَقَۃَ

الْفِطْرِ قَبْلَ أَنْ يَخْرُجُوا إِلَى الْمُصَلَّى)) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حکم فرمایا کرتے کہ صدقہ فطر عید گاہ کی طرف نکلنے سے پہلے ادا کرو۔

اور فرمایا: ((اغْنُوهُمْ عَنِ الْمَسْأَلَةِ فِي مِثْلِ هَذَا الْيَوْمِ)) اس طرح کے دن (یعنی عید کے دن) فقراء کو سوال کرنے سے مستغنی کردو۔

اس کا معنی یہ ہے جب وہ عید گاہ کی طرف نکلنے سے پہلے صدقہ فطر فقیر کو ادا کردے گا تو فقیر کا دل نمازِ عید کی ادائیگی کے لیے عیال کی حاجت سے فارغ ہو جائے گا، اور کہا گیا کہ مرد کے لیے عید الفطر والے دن چھ چیزیں مستحب ہیں: غسل کرنا، مسواک کرنا، خوشبو لگانا، اپنا سب سے اچھا لباس پہننا، فطرہ ادا کرنا اور ان سب کو ادا کرنے کے بعد عید گاہ کی طرف جانا۔ (مبسوط للسرخسی، باب صدقۃ الفطر، ج3، ص102، دار المعرفہ، بیروت)

تنبیہات

☆ عید کے دن صبح صادق طلوع ہوتے ہی صدقہ فطر واجب ہوتا ہے، لہٰذا جو شخص صبح ہونے سے پہلے مر گیا یا غنی تھا فقیر ہو گیا یا صبح طلوع ہونے کے بعد کافر مسلمان ہوا یا بچہ پیدا ہوا یا فقیر تھا غنی ہو گیا تو واجب نہ ہوا اور اگر صبح طلوع ہونے کے بعد مرا یا صبح طلوع ہونے سے پہلے کافر مسلمان ہوا یا بچہ پیدا ہوا یا فقیر تھا غنی ہو گیا تو واجب ہے۔

(الفتاوی الھندیۃ، کتاب الزکاۃ، الباب الثامن فی صدقۃ الفطر، ج1، ص192)

☆ فطرہ کا مقدم کرنا مطلقاً جائز ہے جب کہ وہ شخص موجود ہو، جس کی طرف سے ادا کرتا ہو اگرچہ رمضان سے پیشتر ادا کردے اور اگر فطرہ ادا کرتے وقت مالک نصاب نہ تھا پھر ہو گیا تو فطرہ صحیح ہے اور بہتر یہ ہے کہ عید کی صبح صادق ہونے کے بعد اور عید گاہ جانے سے پہلے ادا کردے۔

(الدر المختار، کتاب الزکوۃ، باب صدقۃ الفطر، ج3، ص376 ☆ فتاوی ہندیہ، کتاب الزکاۃ، الباب الثامن فی صدقۃ الفطر، ج1، ص192)

☆ صدقہ فطر واجب ہے، عمر بھر اس کا وقت ہے یعنی اگر ادا نہ کیا ہو تو اب ادا کردے۔ ادا نہ کرنے سے ساقط نہ ہوگا، نہ اب ادا کرنا قضا ہے بلکہ اب بھی ادا ہی ہے اگرچہ مسنون قبل نمازِ عید ادا کر دینا ہے۔

("الدر المختار"، کتاب الزکاۃ، باب صدقۃ الفطر، ج3، ص362)

مالکیہ کا موقف

علامہ خلف بن ابی القاسم محمد الازدی القیر وانی مالکی (متوفی 372ھ) فرماتے ہیں:

"مستحب ہے کہ صدقہ فطر عید والے دن نمازِ فجر کے بعد عید گاہ کی طرف جانے سے پہلے ادا کیا جائے، اور اگر نمازِ عید کے بعد بھی ادا کیا تو اس میں وسعت ہے یعنی کر سکتا ہے..... اور ایک یا دو دن پہلے ادا کر دیا تو بھی کوئی حرج نہیں۔" (التہذیب فی اختصار المدونہ، کتاب الزکاۃ الثانی، ج1، ص482، دار البحوث للدراسات الاسلامیۃ واحیاء التراث، دبئی)

حنابلہ کا موقف

علامہ موفق الدین ابن قدامہ حنبلی (متوفی 620ھ) فرماتے ہیں:

یومِ عید نمازِ عید سے پہلے صدقہ فطر کو نکالنا افضل ہے حدیث پاک کی وجہ سے، اور کیونکہ صدقہ فطر سے مقصود عید والے دن فقراء کو طلب سے مستغنی کرنا ہوتا ہے جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((اغنوهم عن الطلب فی هذا الیوم)) (فقراء کو اس دن طلب سے مستغنی کر دو) اسے سعید بن منصور نے روایت کیا ہے۔ اور صدقہ فطر کے نمازِ عید سے پہلے نکالنے میں اس پورے دن فقراء کو مستغنی کرنا ہے۔

اگر اس نے عید سے ایک دن یا دو دن پہلے صدقہ فطر ادا کر دیا تب بھی جائز ہے کیونکہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما عید سے ایک اور دو دن پہلے ادا کرتے تھے۔ اور کیونکہ ظاہر یہ ہے کہ صدقہ فطر فقیر کے پاس کل یا بعض عید والے دن تک باقی رہتا ہے لہذا دو دن پہلے دیئے ہوئے صدقہ فطر سے عید والے دن غنیٰ حاصل ہوگا۔ اور اگر اس سے زیادہ پہلے دے دیا تو جائز نہیں کیونکہ ظاہر یہ ہے کہ وہ اسے خرچ کر دے گا تو اس سے عید والے دن وہ غنیٰ حاصل نہیں ہوگا جو مقصود ہے اور اگر صدقہ فطر کی ادائیگی کو عید کی نماز سے مؤخر کیا تو اس نے امر (حکم) کی مخالفت کی مگر یہ صدقہ فطر اسے کفایت کرے گا کیونکہ اس دن میں فقیر کو غنیٰ حاصل ہو گیا اور اگر مکمل دن سے تاخیر کی تو حق واجب کی تاخیر کرنے کی وجہ سے گناہ گار ہوگا اور اس پر قضا لازم ہوگی کیونکہ یہ ایسا حق مالی ہے جو واجب ہو چکا تو یہ وقت کے فوت ہونے سے ساقط نہیں ہوگا جیسا کہ دین۔ (الکافی فی فقہ الامام احمد، باب صدقۃ الفطر، ج1، ص414، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

شوافع کا موقف

علامہ ابراہیم بن علی بن یوسف شیرازی (متوفی 476ھ) فرماتے ہیں:

"جب کوئی شخص رمضان کے مہینے کا آخری جز پالے اور سورج غروب ہوجائے تو اس پر صدقہ فطر واجب ہوتا ہے دو قولوں میں سے اصح قول کے مطابق۔ اور دوسرے قول پر طلوعِ فجر کے ساتھ واجب ہوتا ہے۔ اور افضل یہ ہے کہ نمازِ عید سے پہلے ادا کرے۔ اور رمضان کے پورے مہینے میں صدقہ فطر نکالنا جائز ہے اور عید الفطر کے دن سے اس کی تاخیر جائز نہیں، اگر مؤخر کیا تو گناہ گار ہوگا اور اس کی قضا لازم ہوگی۔"

(التنبیہ فی الفقہ الشافعی، باب زکاۃ الفطر، ج1، ص60,61، مطبوعہ عالم الکتب)

باب نمبر 464

مَا جَاءَ فِي تَعْجِيلِ الزَّكَاةِ

زکوٰۃ جلدی ادا کرنے کے بارے میں

676۔حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ قَالَ :أَخْبَرَنَا سَعِيدُ بْنُ مَنْصُورٍ قَالَ :حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ زَكَرِيَّا، عَنِ الحَجَّاجِ بْنِ دِينَارٍ، عَنِ الحَكَمِ بْنِ عُتَيْبَةَ، عَنْ حُجَيَّةَ بْنِ عَدِيٍّ، عَنْ عَلِيٍّ، أَنَّ العَبَّاسَ سَأَلَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي تَعْجِيلِ صَدَقَتِهِ قَبْلَ أَنْ تَحِلَّ، فَرَخَّصَ لَهُ فِي ذَلِكَ

حدیث: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سال گزرنے سے پہلے جلدی زکوٰۃ ادا کرنے کے بارے میں سوال کیا تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس میں انہیں رخصت عطا فرمائی۔

677۔حَدَّثَنَا القَاسِمُ بْنُ دِينَارٍ الكُوفِيُّ قَالَ:حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُورٍ، عَنْ إِسْرَائِيلَ، عَنِ الحَجَّاجِ بْنِ دِينَارٍ، عَنِ الحَكَمِ بْنِ جَحْلٍ، عَنْ حُجْرٍ العَدَوِيِّ، عَنْ عَلِيٍّ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِعُمَرَ:إِنَّا قَدْ أَخَذْنَا زَكَاةَ العَبَّاسِ عَامَ الأَوَّلِ لِلْعَامِ

حدیث: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: ہم نے حضرت عباس سے اس سال کی زکوٰۃ شروع سال میں لے لی ہے۔

وَفِي البَابِ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ. لَا أَعْرِفُ حَدِيثَ تَعْجِيلِ الزَّكَاةِ مِنْ حَدِيثِ إِسْرَائِيلَ، عَنِ الحَجَّاجِ بْنِ دِينَارٍ، إِلَّا مِنْ هَذَا الوَجْهِ وَحَدِيثُ إِسْمَاعِيلَ بْنِ زَكَرِيَّا، عَنِ الحَجَّاجِ عِنْدِي أَصَحُّ مِنْ حَدِيثِ إِسْرَائِيلَ، عَنِ الحَجَّاجِ بْنِ دِينَارٍ وَقَدْ رُوِيَ هَذَا الحَدِيثُ عَنْ

اس باب میں حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی روایت ہے۔

میں اسرائیل کی حجاج بن دینار سے تعجیل زکوٰۃ کی حدیث صرف اسی طریق سے جانتا ہوں، اور اسماعیل بن زکریا کی حجاج سے جو روایت ہے وہ میرے نزدیک اسرائیل کی اس حدیث سے جو حجاج بن دینار سے ہے اصح ہے۔

اور یہ حدیث حکم بن عتیبہ کے واسطہ سے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مرسلاً بھی روایت کی گئی ہے۔

اور سال پورا ہونے سے پہلے پیشگی زکوٰۃ کی ادائیگی میں علماء کا اختلاف ہے، علماء کا ایک گروہ اس بات کا قائل ہے

الحَكَمِ بْنِ عُتَيْبَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُرْسَلًا

وَقَدْ اخْتَلَفَ أَهْلُ العِلْمِ فِي تَعْجِيلِ الزَّكَاةِ قَبْلَ مَحِلِّهَا، فَرَأَى طَائِفَةٌ مِنْ أَهْلِ العِلْمِ: أَنْ لَا يُعَجِّلَهَا، وَبِهِ يَقُولُ سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ قَالَ: أَحَبُّ إِلَيَّ أَنْ لَا يُعَجِّلَهَا، "وَقَالَ أَكْثَرُ أَهْلِ العِلْمِ: إِنْ عَجَّلَهَا قَبْلَ مَحِلِّهَا أَجْزَأَتْ عَنْهُ، وَبِهِ يَقُولُ الشَّافِعِيُّ، وَأَحْمَدُ، وَإِسْحَاقُ

کہ تعجیل نہیں کر سکتا، یہ قول امام سفیان ثوری کا ہے، یہ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک جلدی نہ کرنا زیادہ پسندیدہ ہے، اور اکثر اہل علم کا قول یہ ہے کہ اگر وہ سال گزرنے سے پہلے زکوۃ ادا کرتا ہے تو اسے کفایت کرے گی، اس کے قائل امام شافعی، امام احمد اور امام اسحاق ہیں۔

شرح حدیث

علامہ علی بن سلطان محمد القاری حنفی فرماتے ہیں:

"علامہ ابن الملک نے کہا کہ یہ حدیث پاک اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ سال مکمل ہونے سے پہلے حصولِ نصاب کے بعد تعجیلِ زکوۃ جائز ہے،اھ۔اوراسی طرح اس کی دلالت اس پر بھی ہے کہ صدقہ فطر بھی جلدی ادا کیا جاسکتا ہے........

علامہ ابن ہمام نے فرمایا: اس میں امام مالک کا اختلاف ہے وہ فرماتے ہیں کہ زکوۃ اسقاطِ واجب ہےاور وجوب سے پہلے اسقاط نہیں ہوسکتا، جیسا کہ نماز وقت سے پہلے نہیں پڑھی جاسکتی، دونوں میں مشترک چیز یہ ہے کہ وقت نماز کے لیے سبب ہے اور نصابِ حولی زکوۃ کے لیے سبب ہے، اور وہ نہیں پایا گیا۔ہم یہ کہتے ہیں کہ ہمارے نزدیک فقط نصاب سبب ہے، حولی ہونا (جس پر سال گزرا ہو) سبب سے زائد جز ہے اسے ہم سبب تسلیم نہیں کرتے، تو سال گزرنا اصلِ وجوب کے بعد ادائیگی میں تاَجیل (یعنی ایک مدت مقرر کرنا ہے) جیسا کہ دینِ موَجل، اور موَجل کی تعجیل صحیح ہے، تو نصاب کے بعد ادائیگی ایسا ہی ہے جیسا کہ وقت میں نماز، نہ کہ وقت سے پہلے، کیونکہ یہ سبب کے بعد ہے، اور اس اعتبار کی صحت پر دلیل ابوداؤد اور جامع ترمذی میں موجود یہ حدیث پاک ہے:((عَنْ عَلِيٍّ، أَنَّ العَبَّاسَ سَأَلَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي تَعْجِيلِ صَدَقَتِهِ قَبْلَ أَنْ تَحِلَّ، فَرَخَّصَ لَهُ فِي ذَلِكَ)) ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سال گزرنے سے پہلے جلدی زکوۃ ادا کرنے کے بارے میں سوال کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں انہیں رخصت عطا فرمائی۔"

(مرقاۃ المفاتیح ملخصا، کتاب الزکوۃ، ج4،ص1275، دار الفکر، بیروت)

سال گزرنے سے پہلے زکوۃ ادا کرنے کے بارے میں مذاہب ائمہ

زکوۃ کی ادائیگی تب لازم ہوتی ہے جب مالِ زکوۃ پر سال گزر جائے، اس سے پہلے لازم نہیں ہوتی۔مگر کیا سال گزرنے سے پہلے زکوۃ ادا کرسکتے ہیں؟ اس میں ائمہ کا اختلاف ہے، احناف، شوافع اور حنابلہ کا موَقف یہ ہے کہ سال

گزرنے سے پہلے زکوۃ ادا کی جاسکتی ہے، بشرطیکہ نصاب کی مقدار موجود ہو، ان ائمہ کی دلیل اس باب موجود حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث پاک ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں تعجیلِ زکوۃ کی اجازت بھی دی اور ان کی زکوۃ کی ادائیگی میں خود تعجیل بھی فرمائی۔

مالکیہ کا اس بارے میں یہ مؤقف ہے کہ سال گزرنے سے پہلے سونے چاندی اور جانوروں کی زکوۃ ادا نہیں کر سکتے، ہاں معمولی سا پہلے ادا کر سکتے ہیں، معمولی سے کتنی مدت مراد ہے اس میں ان کے مختلف اقوال ہیں جو نیچے ان کے جزئیہ میں موجود ہیں۔ مالکیہ کی دلیل یہ حدیث پاک ہے: ((لَا زَكَاةَ فِي مَالٍ حَتَّى يَحُولَ عَلَيْهِ الْحَوْلُ)) (کسی مال پر زکوۃ نہیں یہاں تک کہ اس پر سال گزر جائے)، دیگر ائمہ اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ جب تک مال پر سال گزر نہ جائے زکوۃ لازم نہیں، مگر ادا کریں گے تو ادا ہو جائے گی بشرطیکہ نصاب موجود ہو۔

تفصیلی جزئیات درج ذیل ہیں:

احناف کا مؤقف

علامہ عبداللہ بن محمود موصلی حنفی (متوفی 683ھ) فرماتے ہیں:

"جو نصاب کا مالک ہو وہ اگر ایک سال یا زیادہ سالوں کی پیشتر زکاۃ ادا کر دے تو جائز ہے کیونکہ مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے دو سال پہلے سے زکوۃ وصول کر لی۔ اور اس کے جواز کی یہ وجہ بھی ہے کہ یہ ادائیگی زکوۃ کے سبب کے بعد ہوئی ہے اور وہ سبب مال ہے۔ برخلاف اس صورت کے کہ جب اس کا نصاب مکمل نہ ہو تو اس صورت میں زکوۃ ادا نہیں ہوگی کیونکہ یہ ادائیگی سبب سے پہلے ہوئی ہے لہذا جائز نہیں۔"

(الاختیار لتعلیل المختار، کتاب الزکوۃ، ج 1، ص 103، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

حنابلہ کا مؤقف

علامہ موفق الدین ابن قدامہ حنبلی (متوفی 620ھ) فرماتے ہیں:

(زکوۃ سال مکمل ہونے سے پہلے ادا کرنا جائز ہے) حاصل یہ کہ جب زکوۃ کے وجوب کا سبب یعنی نصاب کامل پایا جائے تو زکوۃ کی تقدیم جائز ہے، یہی قول امام حسن، سعید بن جبیر، زہری، اوزاعی، ابو حنیفہ، شافعی، اسحاق، ابو عبید کا بھی

ہے.....

ہماری دلیل یہ حدیث پاک ہے:((رَوَی عَلِیٌّ، أَنَّ الْعَبَّاسَ سَأَلَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي تَعْجِيلِ صَدَقَتِهِ قَبْلَ أَنْ تَحِلَّ، فَرَخَّصَ لَهُ فِي ذَلِكَ. وَفِي لَفْظٍ:فِي تَعْجِيلِ الزَّكَاةِ فَرَخَّصَ لَهُ فِي ذَلِكَ)) حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت کیا کہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سال گزرنے سے پہلے اپنی زکوۃ ادا کرنے کے بارے میں پوچھا تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کی رخصت عطا فرمائی۔ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ انہوں نے تعجیلِ زکوۃ کے بارے میں سوال کیا تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس میں رخصت عطا فرمائی۔اسے ابوداؤد نے روایت کیا ہے..... اور کیونکہ یہ اس مال میں تعجیل ہے جس کے وجوب کا سبب وجوبِ ادا سے پایا گیا تو یہ جائز ہے جیسا کہ دین کی مدت گزرنے سے پہلے دین کی ادائیگی جائز ہے۔

(المغنی لابن قدامہ،مسئلہ تقدیم الزکوۃ،ج2،ص470،مکتبۃ القاہرہ)

شوافع کا موقف

علامہ ابراہیم بن علی بن یوسف شیرازی شافعی (متوفی 476ھ) فرماتے ہیں:

نصاب کا مالک ہونے سے پہلے زکوۃ کی تقدیم جائز نہیں کیونکہ زکوۃ کے وجوب کا سبب نہیں پایا گیا جیسا کہ بیع سے پہلے ثمن ادا کرنا اور قتل سے پہلے دیت ادا کرنا۔اور اگر نصاب کا مالک ہے تو سال گزرنے سے پہلے زکوۃ کی تقدیم یعنی پہلے ادا کرنا جائز ہے، کیونکہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے،فرماتے ہیں:((أن العباس رضی اللہ عنہ سأل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیجعل زکاۃ مالہ قبل محلہا فرخص لہ فی ذلك)) حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ کیا وہ اپنے مال کی زکوۃ سال گزرنے سے پہلے ادا کرسکتے ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں رخصت عطا فرمائی۔

اور کیونکہ یہ حق مالی ہے اس میں تاجیل نرمی کے لیے ہے تو اس کے محل سے پہلے تعجیل جائز ہے جیسا کہ دینِ مؤجل،اور قتل خطا کی دیت۔

دو سال پہلے زکوۃ ادا کرنے کے بارے میں دو اقوال ہیں:

ابواسحاق اسے جائز کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے:((أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم تسلف من العباس رضی اللہ عنہ صدقۃ عامین)) نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دوسال پہلے سے زکوۃ وصول کرلی۔

اور یہ وجہ بھی ہے کہ جب ایک سال کی تعجیل جائز ہے تو دوسالوں کی بھی جائز ہونی چاہیے جیسا کہ قتل خطا کی دیت۔

اور ہمارے اصحاب میں سے بعض یہ کہتے ہیں کہ دوسال کی تقدیم جائز نہیں۔

(المہذب فی فقہ الامام الشافعی للشیرازی، باب تعجیل الصدقۃ، ج1، ص305، دارالکتب العلمیہ، بیروت)

مالکیہ کا مؤقف

علامہ شہاب الدین احمد بن ادریس قرافی مالکی (متوفی 684ھ) فرماتے ہیں:

"درست نہیں کہ سونا چاندی اور جانوروں کی زکوۃ سال گزرنے سے پہلے ادا کی جائے مگر یہ معمولی پہلے ادا کرسکتے ہیں، لہذا اگر دوسالوں کی زکوۃ پہلے ادا کی تو کفایت نہیں کرے گی۔ تعجیل یسیر یعنی معمولی تعجیل سے کتنی مدت مراد ہے اس میں اختلاف ہے، ابن القاسم نے کہا ایک مہینہ مراد ہے، ابن المواز نے کہا دودن مراد ہیں، ابن حبیب نے اس شخص سے حکایت کیا جو اصحاب مالک سے ملا تھا کہ اس کی مدت دس دن ہے، ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد نصف مہینہ ہے۔ یہ اختلاف عین (سونا، چاندی) اور جانوروں میں ہے، بہرحال کھیتی کا عشر تو اس میں بالکل تقدیم جائز نہیں۔"

(الذخیرہ للقرافی، الباب السابع فی اداء الزکوۃ، ج3، ص137، دارالغرب الاسلامی، بیروت)

باب نمبر 465

مَا جَاءَ فِي النَّهْيِ عَنِ الْمَسْأَلَةِ

سوال کرنے کی ممانعت کے بارے میں

678۔ حَدَّثَنَا هَنَّادٌ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو الْأَحْوَصِ، عَنْ بَيَانِ بْنِ بِشْرٍ، عَنْ قَيْسِ بْنِ أَبِي حَازِمٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: لَأَنْ يَغْدُوَ أَحَدُكُمْ فَيَحْتَطِبَ عَلَى ظَهْرِهِ فَيَتَصَدَّقَ مِنْهُ فَيَسْتَغْنِيَ بِهِ عَنِ النَّاسِ، خَيْرٌ لَهُ مِنْ أَنْ يَسْأَلَ رَجُلًا، أَعْطَاهُ أَوْ مَنَعَهُ ذَلِكَ، فَإِنَّ الْيَدَ الْعُلْيَا أَفْضَلُ مِنَ الْيَدِ السُّفْلَى، وَابْدَأْ بِمَنْ تَعُولُ

حدیث: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں میں نے سنا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرما رہے تھے: تم میں سے کوئی صبح سویرے جائے پس اپنی پیٹھ پر لکڑیاں اٹھا کر لائے اور اس میں سے صدقہ کرے اور اس کے ذریعے لوگوں سے بے نیاز ہو جائے، یہ اس کے لیے اس سے بہتر ہے کہ وہ کسی آدمی سے سوال کرے، وہ اسے دے یا دینے سے منع کر دے، پس بے شک اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے۔ اپنے عیال سے ابتداء کرو۔

وَفِي الْبَابِ عَنْ حَكِيمِ بْنِ حِزَامٍ، وَأَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، وَالزُّبَيْرِ بْنِ الْعَوَّامِ، وَعَطِيَّةَ السَّعْدِيِّ، وَعَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ، وَمَسْعُودِ بْنِ عَمْرٍو، وَابْنِ عَبَّاسٍ، وَثَوْبَانَ، وَزِيَادِ بْنِ الْحَارِثِ الصُّدَائِيِّ، وَأَنَسٍ، وَحُبْشِيِّ بْنِ جُنَادَةَ، وَقَبِيصَةَ بْنِ مُخَارِقٍ، وَسَمُرَةَ، وَابْنِ عُمَرَ

اس باب میں حضرت حکیم بن حزام، حضرت ابو سعید خدری، حضرت زبیر بن عوام، حضرت عطیّہ سعدی، حضرت عبد اللہ بن مسعود، حضرت مسعود بن عمرو، حضرت ابن عباس، حضرت ثوبان، حضرت زیاد بن حارث صُدائی، حضرت انس، حضرت حُبشی بن جُنادہ، حضرت قبیصہ بن مخارق، حضرت سمُرہ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے بھی روایات ہیں۔

قَالَ أَبُو عِيسَى: حَدِيثُ أَبِي هُرَيْرَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ غَرِيبٌ، يُسْتَغْرَبُ مِنْ حَدِيثِ بَيَانٍ، عَنْ قَيْسٍ

امام ابوعیسیٰ ترمذی نے فرمایا: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث حسن صحیح غریب ہے۔ بیان کی قیس سے روایت کی وجہ سے غریب ہے۔

679۔ حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ قَالَ:

حدیث: حضرت سمُرہ بن جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے

حَدَّثَنَا وَكِيعٌ قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ عُمَيْرٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ عُقْبَةَ، عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدَبٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ الْمَسْأَلَةَ كَدٌّ يَكُدُّ بِهَا الرَّجُلُ وَجْهَهُ، إِلَّا أَنْ يَسْأَلَ الرَّجُلُ سُلْطَانًا، أَوْ فِي أَمْرٍ لَا بُدَّ مِنْهُ

قال ابوعيسى: هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: سوال ایک زخم ہے جس کے ساتھ آدمی اپنا چہرہ زخمی کرتا ہے، سوائے اس صورت کے کہ سلطان سے (اپنا حق) مانگے یا ایسے امر میں سوال کرے کہ چارہ نہ ہو (تو جائز ہے)۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی نے فرمایا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

شرح حدیث

علامہ محمود بدرالدین عینی حنفی فرماتے ہیں:

((یہ اس کے لیے اس سے بہتر ہے کہ وہ کسی آدمی سے سوال کرے، وہ اسے دے یا دینے سے منع کردے))

کیونکہ جس سے سوال کیا گیا اگر وہ عطا کرتا ہے تو اس میں اس کا احسان اٹھانا بھی ہے اور سوال کی ذلت بھی ہے اور اگر منع کردے تو اس میں ذلت بھی ہے اور نامرادی ومحرومی بھی۔ اور اسلاف سوال سے اس قدر بچتے تھے کہ اگر کسی کا درہ زمین پر گر جاتا اور وہ سواری پر ہوتا تو کسی سے سوال نہ کرتا کہ مجھے اٹھا کر دے دو۔ اس حدیث پاک میں اپنے ہاتھ سے کمائی کرکے کھانے پر ابھارنا ہے اور مباح اشیاء کو کمانے کی ترغیب ہے......

کسی سے سوال کرنے کی تین صورتیں ہیں: حرام، مکروہ اور مباح۔

حرام وہ سوال ہے کہ وہ شخص سوال کرے جو زکاۃ لینے سے مستغنی ہو اور جس حالت میں وہ ہے اس سے بڑھ کر فقر ظاہر کرے۔

اور مکروہ سوال کی وہ صورت ہے کہ کوئی شخص سوال کرے اور اس کے پاس اتنا مال ہو جو اسے سوال سے روکنے والا ہے، اور وہ جس حالت پر ہے اس سے زیادہ فقر ظاہر نہ کرے۔

اور مباح سوال کی صورت یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے کسی قریبی رشتہ دار یا دوست سے سوال کرے (یعنی جس میں ذلت کا پہلو نہ ہو)۔

اور جہاں تک ضرورت کے وقت سوال کا تعلق ہے تو اپنی جان بچانے کے لیے سوال کرنا واجب ہے اور علامہ داودی نے اسے مباح میں شامل کیا ہے۔

سوال اور نفس کو ذلت پر پیش کیے بغیر کچھ مل جائے تو اسے لینے میں کوئی حرج نہیں۔

(عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری ملخصا، باب الاستعفاف عن المسئلۃ، ج9، ص49,50، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

فوائد حدیث

علامہ عینی فرماتے ہیں:

(1) اس میں سوال سے بچنے کی ترغیب ہے۔

(2) اپنے ہاتھ سے کمانے کے استحباب کا بیان ہے۔

(3) اپنے ہاتھ کی کمائی میں سے صدقہ کرنے کا استحباب ہے۔

(عمدۃ القاری، باب من سال الناس تکثرا، ج9، ص64، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

بلا حاجت شرعی سوال کرنے کی مذمت پر احادیث

آج کل ایک عام بلا یہ پھیلی ہوئی ہے کہ اچھے خاصے تندرست چاہیں تو کما کر اوروں کو کھلائیں، مگر انہوں نے اپنے وجود کو بیکار قرار دے رکھا ہے، کون محنت کرے مصیبت جھیلے، بے مشقت جو مل جائے تو تکلیف کیوں برداشت کرے۔ ناجائز طور پر سوال کرتے اور بھیک مانگ کر پیٹ بھرتے ہیں اور بہتیرے ایسے ہیں کہ مزدوری تو مزدوری، چھوٹی موٹی تجارت کو ننگ و عار خیال کرتے اور بھیک مانگنا کہ حقیقۃً ایسوں کے لیے بے عزتی و بے غیرتی ہے مایہ عزت جانتے ہیں اور بہتوں نے تو بھیک مانگنا اپنا پیشہ ہی بنا رکھا ہے، گھر میں ہزاروں روپے ہیں سود کا لین دین کرتے زراعت وغیرہ کرتے ہیں مگر بھیک مانگنا نہیں چھوڑتے، اُن سے کہا جاتا ہے تو جواب دیتے ہیں کہ یہ ہمارا پیشہ ہے واہ صاحب واہ! کیا ہم اپنا پیشہ چھوڑ دیں۔ حالانکہ ایسوں کو سوال حرام ہے اور جسے اُن کی حالت معلوم ہو، اُسے جائز نہیں کہ ان کو دے۔ (بہار شریعت، ج1، حصہ5، ص940,941، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

اب چند حدیثیں سنیے! دیکھیے کہ آقائے دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایسے سائلوں کے بارے میں کیا فرماتے ہیں:

(1) بخاری و مسلم عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ((ما یزال الرجل یسأل الناس، حتی یأتی یوم القیامة لیس فی وجهه مزعة لحم)) ترجمہ: آدمی سوال کرتا رہے گا، یہاں تک کہ قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اُس کے چہرہ پر گوشت کا ٹکڑا نہ ہوگا۔ یعنی نہایت بے آبرو ہو کر۔

(بخاری، باب من سال الناس تکثرا، ج2، ص123، دار طوق النجاۃ ☆ صحیح مسلم "، کتاب الزکاۃ، باب کراہۃ المسالۃ للناس، الحدیث 1040، ج2، ص720، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

(2) ابوداود وترمذی ونسائی وابن حبان حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ((المسائل كدوح يكدح بها الرجل وجهه، فمن شاء أبقى على وجهه، ومن شاء تركه إلا أن يسأل الرجل ذا سلطان، أو في أمر لا يجد منه بدا)) ترجمہ: سوال ایک قسم کی خراش ہے کہ آدمی سوال کرکے اپنے منہ کو نوچتا ہے، جو چاہے اپنے منہ پر اس خراش کو باقی رکھے اور جو چاہے چھوڑ دے، ہاں اگر آدمی صاحب سلطنت سے اپنا حق مانگے یا ایسے امر میں سوال کرے کہ اُس سے چارہ نہ ہو (تو جائز ہے)۔

(سنن أبي داود"، کتاب الزکاۃ، باب ما تجوز فیہ المسألۃ، الحدیث 1639، ج2، ص168، المکتبۃ العصریہ، بیروت)

اور اسی کے مثل امام احمد نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور طبرانی نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کی۔

(3) بیہقی نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی، کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ((من سأل الناس في غير فاقة نزلت به أو عيال لا يطيقهم، جاء يوم القيامة بوجه ليس عليه لحم "وقال رسول الله صلى الله عليه وسلم ": من فتح على نفسه باب مسألة من غير فاقة نزلت به، أو عيال لا يطيقهم فتح الله عليه باب الفاقة من حيث لا يحتسب)) ترجمہ: جو شخص لوگوں سے سوال کرے، حالانکہ نہ اُسے فاقہ پہنچا، نہ اتنے بال بچے ہیں جن کی طاقت نہیں رکھتا تو قیامت کے دن اس طرح آئے گا کہ اُس کے مونھ پر گوشت نہ ہوگا۔ "اور حضور (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) نے فرمایا: جس پر نہ فاقہ گزرا اور نہ اتنے بال بچے ہیں جن کی طاقت نہیں اور سوال کا دروازہ کھولے اللہ تعالیٰ اُس پر فاقہ کا دروازہ کھول دے گا، ایسی جگہ سے جو اس کے دل میں بھی نہیں۔

(شعب الإيمان"، باب فی الزکاۃ، فصل فی الاستعفاف عن المسألۃ، الحدیث 3250، ج5، ص168، دار السلفیہ، ممبئی، ہند)

(4) نسائی نے حضرت عائذ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ((أن رجلا أتى النبي صلى الله عليه وسلم، فسأله فأعطاه فلما وضع رجله على أسكفة الباب، قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لو تعلمون ما في المسألة ما مشى أحد إلى أحد يسأله شيئا)) ترجمہ: اگر لوگوں کو معلوم ہوتا کہ سوال کرنے میں کیا ہے تو کوئی کسی کے پاس سوال کرنے نہ جاتا۔ اسی کی مثل طبرانی نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی

اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کی۔ (سنن النسائی"،کتاب الزکاۃ،باب المسألۃ،الحدیث 2586:،ج5،ص94،المطبوعات الاسلامیہ،حلب)

(5)امام احمد بہ سند جید وطبرانی وبزار حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:((مسألة الغنی شین فی وجهه یوم القیامة))غنی کا سوال کرنا، قیامت کے دن اس کے چہرہ میں عیب ہوگا۔ (المسند للإمام أحمد بن حنبل،حدیث عمران بن حصین،الحدیث 19821 ،ج33،ص55،موسسۃ الرسالہ،بیروت)

(6)اور بزار کی روایت میں یہ بھی ہے:((مسألة الغنی نار إن أعطی قلیلا فقلیل، وإن أعطی کثیرا فکثیر))"غنی کا سوال آگ ہے،اگر تھوڑا دیا گیا تو تھوڑی اور زیادہ دیا تو زیادہ۔

(مسند البزار"،مسند عمران بن حصین،الحدیث 3572 :،ج9،ص49،مکتبہ العلوم والحکم،المدینۃ المنورۃ)

اور اسی کے مثل امام احمد وبزار وطبرانی نے حضرت ثوبان رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی۔

(7)طبرانی کبیر میں اور ابن خزیمہ اپنی صحیح میں اور ترمذی اور بیہقی حضرت حبشی بن جنادہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی، کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:((من سأل من غیر فقر فکأنما یأکل الجمر))جو شخص بغیر حاجت سوال کرتا ہے، گویا وہ انگارا کھاتا ہے۔ (المعجم الکبیر"،باب الحاء،الحدیث 3506،ج4،ص15 مکتبہ ابن تیمیہ،قاهرہ)

(8)مسلم و ابن ماجہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کرتے ہیں حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:((من سأل الناس أموالهم تکثرا فإنما یسأل جمرا فلیستقل أو لیستکثر))جو مال بڑھانے کے لیے سوال کرتا ہے، وہ انگارے کا سوال کرتا ہے تو چاہے زیادہ مانگے یا کم کا سوال کرے۔

(صحیح مسلم"،کتاب الزکاۃ،باب کراہۃ المسألۃ للناس،ج2،ص720،دار احیاء التراث العربی،بیروت)

(9)ابوداود وابن حبان وابن خزیمہ حضرت سہل بن حنظلہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی، کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:((من سأل وعنده ما یغنیه فإنما یستکثر من النار فقالوا :یا رسول الله، وما یغنیه؟ وقال النفیلی فی موضع آخر:وما الغنی الذی لا تنبغی معه المسألة؟ قال :قدر ما یغدیه ویعشیه))جو شخص سوال کرے اور اس کے پاس اتنا ہے جو اُسے بے پرواہ کرے، وہ آگ کی زیادتی چاہتا ہے۔لوگوں نے عرض کی، وہ کیا مقدار ہے، جس کے ہوتے سوال جائز نہیں؟ فرمایا : صبح وشام کا کھانا۔

(سنن أبي داود"، کتاب الزکاۃ، باب من یعطی من الصدقۃ وحد الغنی، الحدیث 1629، ج2، ص164 المکتبۃ العصریۃ، بیروت)

(10) ابن حبان اپنی صحیح میں امیر المومنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ((مَنْ سَأَلَ النَّاسَ لِيُثْرِيَ مَالَهُ فَإِنَّمَا هُوَ رَضْفٌ مِنَ النَّارِ يَتَلَهَّبُهُ مَنْ شَاءَ فَلْيُقِلَّ، وَمَنْ شَاءَ فَلْيُكْثِرْ)) جو شخص لوگوں سے سوال کرے، اس لیے کہ اپنے مال کو بڑھائے تو وہ جہنم کا گرم پتھر ہے، اب اسے اختیار ہے، چاہے تھوڑا مانگے یا زیادہ طلب کرے۔

(الإحسان بترتیب صحیح ابن حبان"، کتاب الزکاۃ، باب المسألۃ ...إلخ، الحدیث 3391 : ج8، ص186، موسسۃ الرسالہ، بیروت)

(11) امام احمد و ابو یعلی و بزار نے حضرت عبدالرحمن بن عوف اور طبرانی نے صغیر میں اُم المومنین ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنھما سے روایت کی، کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ((مَا نَقَصَ مَالٌ مِنْ صَدَقَةٍ ,وَلَا عَفَا رَجُلٌ عَنْ مَظْلِمَةٍ إِلَّا زَادَهُ اللَّهُ بِهَا عِزًّا ,فَاعْفُوا يُعِزَّكُمُ اللَّهُ ,وَلَا فَتَحَ رَجُلٌ عَلَى نَفْسِهِ بَابَ مَسْأَلَةٍ إِلَّا فَتَحَ اللَّهُ عَلَيْهِ بَابَ فَقْرٍ)) صدقہ سے مال کم نہیں ہوتا اور کوئی شخص اپنے حق معاف نہیں کرتا مگر اللہ تعالیٰ اس کے سبب اس کی عزت ہی بڑھاتا ہے، پس تم معاف کرو اللہ تعالیٰ تمہاری عزت بڑھائے گا اور بندہ سوال کا دروازہ نہ کھولے گا، مگر اللہ تعالیٰ اس پر محتاجی کا دروازہ کھولے گا۔"

(المعجم الصغیر للطبرانی، من اسمہ احمد، ج1، ص102، المکتب الاسلامی، بیروت ☆ المسند للإمام أحمد بن حنبل، حدیث عبدالرحمن بن عوف، الحدیث 1674، ج1، ص208، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت)

(12) مسلم و ابوداود و نسائی حضرت قبیصہ بن مخارق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی، کہتے ہیں: ((تحملت حمالة، فأتيت رسول الله صلى الله عليه وسلم أسأله فيها، فقال :أقم حتى تأتينا الصدقة، فنأمر لك بها، قال :ثم قال ": يا قبيصة إن المسألة لا تحل إلا لأحد ثلاثة رجل، تحمل حمالة، فحلت له المسألة حتى يصيبها، ثم يمسك، ورجل أصابته جائحة اجتاحت ماله فحلت له المسألة حتى يصيب قواما من عيش -أو قال سدادا من عيش -ورجل أصابته فاقة حتى يقوم ثلاثة من ذوي الحجا من قومه :لقد أصابت فلانا فاقة، فحلت له المسألة حتى يصيب قواما من عيش -أو قال سدادا من عيش -فما سواهن من المسألة يا قبيصة سحتا يأكلها صاحبها سحتا)) مجھ پر ایک مرتبہ تاوان لازم آیا۔ میں نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر سوال

کیا، فرمایا: ٹھہرو ہمارے پاس صدقہ کا مال آئے گا تو تمھارے لیے حکم فرمائیں گے، پھر فرمایا: اے قبیصہ! سوال حلال نہیں، مگر تین باتوں میں کسی نے ضمانت کی ہو (یعنی کسی قوم کی طرف سے دیت کا ضامن ہوا یا آپس کی جنگ میں صلح کرائی اوراس پر کسی مال کا ضامن ہوا) تو اسے سوال حلال ہے، یہاں تک کہ وہ مقدار پائے پھر باز رہے یا کسی شخص پر آفت آئی کہ اُس کے مال کو تباہ کردیا تو اسے سوال حلال ہے، یہاں تک کہ بسر اوقات کے لیے پا جائے یا کسی کو فاقہ پہنچا اور اُس کی قوم کے تین عقلمند شخص گواہی دیں کہ فلاں کو فاقہ پہنچا ہے تو اسے سوال حلال ہے، یہاں تک کہ بسر اوقات کے لیے حاصل کرلے اوران تین باتوں کے سوا اے قبیصہ سوال کرنا حرام ہے کہ سوال کرنے والا حرام کھاتا ہے۔

(صحیح مسلم"، کتاب الزکاۃ، باب من تحل لہ المسألۃ، الحدیث 1044، ج2، ص722، داراحیاء التراث العربی، بیروت)

(13) امام بخاری و ابن ماجہ حضرت زبیر بن عوّام رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ((لأن يأخذ أحدكم حبله فيأتي بحزمة الحطب على ظهره فيبيعها، فيكف الله بها وجهه خير له من أن يسأل الناس أعطوه أو منعوه)) کوئی شخص رسّی لے کر جائے اوراپنی پیٹھ پر لکڑیوں کا گٹھا لاکر بیچے اور سوال کی ذلّت سے اللہ تعالیٰ اس کے چہرہ کو بچائے یہ اس سے بہتر ہے کہ لوگوں سے سوال کرے کہ لوگ اُسے دیں یا نہ دیں۔

(صحیح البخاری"، کتاب الزکاۃ، باب الاستعفاف عن المسألۃ، الحدیث 1471، ج2، ص123، دارطوق النجاۃ)

اسی کے مثل امام بخاری و مسلم و امام مالک و ترمذی و نسائی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

(14) امام مالک و بخاری و مسلم و ابو داود و نسائی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنھما سے روایت کرتے ہیں: ((أن رسول الله صلى الله عليه وسلم، قال: وهو على المنبر، وهو يذكر الصدقة والتعفف عن المسألة اليد العليا خير من اليد السفلى، واليد العليا المنفقة، والسفلى السائلة)) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم منبر پر تشریف فرما تھے، صدقہ کا اور سوال سے بچنے کا ذکر فرما رہے تھے، یہ فرمایا: کہ "اوپر والا ہاتھ، نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے، اوپر والا ہاتھ خرچ کرنے والا ہے اور نیچے والا مانگنے والا۔

(صحیح مسلم"، کتاب الزکاۃ، باب بیان ان الید العلیا خیر من الید السفلی ... إلخ، الحدیث 1033: ، ج2، ص717، داراحیاء التراث العربی، بیروت)

(15) امام مالک و بخاری و مسلم و ابوداود و ترمذی و نسائی حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی: ((أن

ناسا من الأنصار سألوا رسول الله صلى الله عليه وسلم، فأعطاهم، ثم سألوه فأعطاهم، حتى إذا نفد ما عنده قال:ما يكن عندي من خير فلن أدخره عنكم، ومن يستعفف يعفه الله، ومن يستغن يغنه الله، ومن يصبر يصبره الله، وما أعطي أحد من عطاء خير وأوسع من الصبر))انصار میں سے کچھ لوگوں نے حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے سوال کیا، حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے عطا فرمایا، پھر مانگا حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے عطا فرمایا، پھر مانگا حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے عطا فرمایا، یہاں تک وہ مال جو حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے پاس تھا ختم ہو گیا پھر فرمایا: جو کچھ میرے پاس مال ہوگا، اُسے میں تم سے اُٹھا نہ رکھوں گا اور جو سوال سے بچنا چاہے گا، اللہ تعالٰی اُسے بچائے گا اور جو غنی بننا چاہے گا، اللہ عزوجل اُسے غنی کر دے گا اور جو صبر کرنا چاہے گا، اللہ تعالٰی اُسے صبر دے گا اور صبر سے بڑھ کر اور اس سے زیادہ وسیع عطا کسی کو نہ ملی۔ (صحیح مسلم، کتاب الزکاۃ، باب التعفف والصبر ...إلخ، الحدیث: 1053، ج2، ص729، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

(16) حضرت امیر المومنین فاروقِ اعظم عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے دوران خطبہ فرمایا: ((تعلمون أن الطمع فقر، وأن اليأس غني، وأن الرجل إذا يئس من شيء استغنى عنه)) جان لو لالچ محتاجی ہے اور نا اُمیدی تونگری۔ آدمی جب کسی چیز سے نا امید ہو جاتا ہے تو اس کی پرواہ نہیں رہتی۔ (حلیۃ الأولیاء وطبقات الأصفیاء"، ج1، ص50، دار الکتاب العربی، بیروت)

(17) امام بخاری و[illegible] روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کو سنا وہ فرما رہے تھے: ((كان النبي صلى الله عليه وسلم يعطيني العطاء، فأقول أعطه أفقر إليه مني، حتى أعطاني مرة مالا، فقلت:أعطه من هو أفقر إليه مني، فقال النبي صلى الله عليه وسلم :خذه فتموله وتصدق به، فما جاءك من هذا المال وأنت غير مشرف ولا سائل فخذه ومالا فلا تتبعه نفسك)) حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مجھے عطا فرماتے تو میں عرض کرتا، کسی ایسے کو دیجیے جو مجھ سے زیادہ حاجت مند ہو، ارشاد فرمایا: اسے لو اور اپنا کر لو اور خیرات کر دو، جو مال تمھارے پاس بے طمع اور بے مانگے آ جائے، اسے لے لو اور جو نہ آئے تو اُس کے پیچھے اپنے نفس کو نہ ڈالو۔

(صحیح البخاری"، کتاب الأحکام، باب رزق الحکام والعاملین علیھا، الحدیث 7164، ج9، ص67، دار طوق النجاۃ)

(18) ابوداوٗد حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کرتے ہیں: ((أن رجلا من الأنصار أتى النبي صلى

الله علیه وسلم یسأله، فقال:أما فی بیتك شیء ؟ قال:بلی، حلس نلبس بعضه ونبسط بعضه، وقعب نشرب فیه من الماء، قال:ائتنی بهما، قال:فأتاه بهما، فأخذهما رسول الله صلی الله علیه وسلم بیده، وقال:من یشتری هذین؟ قال رجل :أنا آخذهما بدرهم، قال:من یزید علی درهم مرتین، أو ثلاثا، قال رجل :أنا آخذهما بدرهمین فأعطاهما إیاه وأخذ الدرهمین وأعطاهما الأنصاری، وقال :اشتر بأحدهما طعاما فانبذه إلی أهلك، واشتر بالآخر قدوما فأتنی به، فأتاه به، فشد فیه رسول الله صلی الله علیه وسلم عودا بیده، ثم قال له :اذهب فاحتطب وبع، ولا أرینك خمسة عشر یوما، فذهب الرجل یحتطب ویبیع، فجاء وقد أصاب عشرة دراهم، فاشتری ببعضها ثوبا، وببعضها طعاما، فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم:هذا خیر لك من أن تجیء المسألة نكتة فی وجهك یوم القیامة، إن المسألة لا تصلح إلا لثلاثة:لذی فقر مدقع، أو لذی غرم مفظع، أو لذی دم موجع)) ایک انصاری نے حاضرِ خدمت اقدس ہوکر سوال کیا،ارشادفرمایا: کیا تمھارے گھر میں کچھ نہیں ہے؟ عرض کی: کیوں نہیں، ایک ٹاٹ ہے جس کا ایک حصہ ہم اوڑھتے ہیں اور ایک حصہ بچھاتے ہیں اور ایک لکڑی کا پیالہ ہے جس میں ہم پانی پیتے ہیں، ارشادفرمایا: میرے حضور دونوں چیزوں کو حاضر کرو، وہ حاضر لائے، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے دستِ مبارک میں لے کر ارشاد فرمایا: انھیں کون خریدتا ہے؟ ایک صاحب نے عرض کی، ایک درہم کے عوض میں خریدتا ہوں، ارشادفرمایا :ایک درہم سے زیادہ کون دیتا ہے؟ دو یا تین بار فرمایا، کسی اور صاحب نے عرض کی، میں دو درہم پر لیتا ہوں، انھیں یہ دونوں چیزیں دے دیں اور درہم لے لیے اور انصاری کو دونوں درہم دے کر ارشادفرمایا: ایک کا غلّہ خرید کر گھر ڈال آؤ اور ایک کی کلہاڑی خرید کر میرے پاس لاؤ، وہ حاضر لائے، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے دستِ مبارک سے اُس میں بنیٹ ڈالا اور فرمایا : جاؤ لکڑیاں کاٹو اور بیچو اور پندرہ دن تک تمھیں نہ دیکھوں (یعنی اتنے دنوں تک یہاں حاضر نہ ہونا) وہ گئے، لکڑیاں کاٹ کر بیچتے رہے، اب حاضر ہوئے تو اُنکے پاس دس درہم تھے، چند درہم کا کپڑا خریدا اور چند کا غلّہ۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا: یہ اس سے بہتر ہے کہ قیامت کے دن سوال تمھارے مونھ پر چھالا ہوکر آتا۔ سوال درست نہیں، مگر تین اشخاص کے لیے، ایسی محتاجی والے کے لیے جو اُسے زمین پر لٹادے یا تاوان والے کے لیے جو رسوا کردے یا خون والے (دیت) کے لیے جو اُسے تکلیف

پہنچائے۔ "(سنن أبي داود"، کتاب الزکاۃ، باب ما تجوز فیه المسألة، الحدیث 1641 ، ج2، ص120، المکتبة العصریة، بیروت)

(19) ابوداود و ترمذی بافادہ تصحیح و تحسین و حاکم بافادہ تصحیح حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ((من أصابته فاقة، فأنزلها بالناس، لم تسد فاقته، ومن أنزلها بالله، أوشك الله له بالغنى، إما بموت عاجل، أو غنى عاجل)) جسے فاقہ پہنچا اور اُس نے لوگوں کے سامنے بیان کیا تو اُس کا فاقہ بند نہ کیا جائے گا اور اگر اس نے اللہ تعالیٰ سے عرض کی تو اللہ عزوجل جلد اُسے بے نیاز کر دے گا، خواہ جلد موت دے دے یا جلد مالدار کردے۔ (سنن أبي داود"، کتاب الزکاۃ، باب في الاستعفاف، الحدیث 1645، ج2، ص122، المکتبة العصریة، بیروت)

(20) اور طبرانی کی روایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے کہ "حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ((من جاع أو احتاج فكتمه الناس وأفضى به إلى الله كان حقا على الله أن يفتح له قوت سنة من حلال)) جو بھوکا یا محتاج ہوا اور اس نے آدمیوں سے چھپایا اور اللہ تعالیٰ کے حضور عرض کی تو اللہ تعالیٰ پر حق ہے کہ ایک سال کی حلال روزی اس پر کشادہ فرمائے۔ (المعجم الصغیر" للطبرانی، الحدیث 214، ج1، ص141 المکتب الاسلامی، بیروت)

بعض سائل کہہ دیا کرتے ہیں کہ اللہ عزوجل کے لیے دو، خدا کے واسطے دو، حالانکہ اس کی بہت سخت ممانعت آئی ہے۔ ایک حدیث میں اُسے ملعون فرمایا گیا ہے۔ طبرانی معجم کبیر میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ((ملعون من سال بوجه الله و ملعون من سئِل بوجه الله ثم منع سائله مالم يسال هجرا)) ترجمہ: ملعون ہے وہ شخص جو اللہ کے واسطے سوال کرے اور ملعون ہے وہ شخص جس سے اللہ تعالیٰ کے واسطے سے سوال کیا گیا اور اس نے سائل کو منع کر دیا جب تک وہ قطع تعلقی کا سوال نہ کرے۔

(الترغیب والترھیب"، کتاب الصدقات، ترھیب السائل أن یسأل بوجه الله غیر الجنة ...إلخ، الحدیث 1257، ج1، ص340، دار الکتب العلمیه، بیروت)

اور ایک حدیث میں بدترین خلائق فرمایا گیا۔

اور اگر کسی نے اس طرح سوال کیا تو جب تک بُری بات کا سوال نہ ہو یا خود سوال بُرا نہ ہو (جیسے مالدار یا ایسے شخص کا بھیک مانگنا جو قوی تندرست کمانے پر قادر ہو) اور یہ سوال کو بلا دقت پورا کر سکتا ہے تو پورا کرنا ہی ادب ہے کہ کہیں بروئے ظاہر حدیث یہ بھی اُسی وعید کا مستحق نہ ہو، وہاں اگر سائل مُتعنّت ہو تو نہ دے۔

نیز یہ بھی لحاظ رہے کہ مسجد میں سوال نہ کرے، خصوصاً جمعہ کے دن لوگوں کی گردنیں پھلانگ کر کہ یہ حرام ہے، بلکہ بعض علما فرماتے ہیں: کہ "مسجد کے سائل کو اگر ایک پیسہ دیا تو ستّر پیسے اور خیرات کرے کہ اس ایک پیسہ کا کفارہ ہو۔

(بہار شریعت، ج1، حصہ 5، ص945، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

مروی ہے((عن علی أنه سمع يوم عرفة رجلا يسأل الناس فقال :أفي هذا اليوم :وفي هذا المكان تسأل من غير الله؟ فخفقه بالدرة.)) مولیٰ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک شخص کو عرفہ کے دن عرفات میں سوال کرتے دیکھا، اُسے دُرّے لگائے اور فرمایا: اس دن میں اور ایسی جگہ غیر خدا سے سوال کرتا ہے۔

(مشکاۃ المصابیح"، کتاب الزکاۃ، باب من لاتحل لہ المسألۃ ومن تحل لہ، الحدیث 1855، ج1، ص581، المکتب الاسلامی، بیروت)

ان چند احادیث کے دیکھنے سے معلوم ہوا ہوگا کہ بھیک مانگنا بہت ذلّت کی بات ہے بغیر ضرورت سوال نہ کرے اور حالت ضرورت میں بھی اُن امور کا لحاظ رکھے، جن سے ممانعت وارد ہے اور سوال کی اگر حاجت ہی پڑ جائے تو مبالغہ ہرگز نہ کرے کہ بے لیے پیچھا نہ چھوڑے کہ اس کی بھی ممانعت آئی ہے۔

مسجد میں اپنی ذات کے لیے سوال کرنا اور مسجد کے سائل کو دینا

فتاوی امجدیہ میں ایک سوال کے جواب میں صدر الشریعہ مفتی محمد امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ نے مسجد میں اپنی ذات کے لیے سوال کرنے پر تفصیلاً کلام فرمایا ہے، اس پر وارد ہونے والے ایک مشہور اعتراض کا جواب بھی دیا ہے، افادۂ عام کے لیے یہ فتوی پیش خدمت ہے:

سوال: عرض یہ ہے کہ جناب نے بہار شریعت میں فرمایا ہے کہ مسجد میں سوال کرنا حرام ہے اور سائل کو دینا بھی منع، نیز بہار شریعت صفحہ 78 جلد 5 میں ہے کہ بعض علماء فرماتے ہیں کہ مسجد کے سائل کو اگر ایک پیسہ دیا تو ستر پیسے اور خیرات کرے کہ اس ایک پیسے کا کفارہ ہو، لیکن صاحب موضح القرآن اس آیت کریمہ ﴿اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُه وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ﴾ (تمہارے دوست نہیں مگر اللہ اور اس کا رسول اور ایمان والے کہ نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور اللہ کے حضور جھکے ہوئے ہیں)(سورۃ المائدہ، آیت 55) کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ یہ آیت حضرت علی مرتضی کی شان میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک

بار حجرہ مبارک سے مسجد میں آئے تو بعضوں کو دیکھا رکوع میں ہیں اور بعضوں کو دیکھا کہ وہ کھڑے ہیں۔ اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک سائل کو دیکھا اور فرمایا کسی نے تجھ کو کچھ دیا۔ سائل نے سونے یا روپے کی انگوٹھی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دکھلائی اور حضرت علی مرتضی کی طرف اشارہ کیا کہ اس رکوع کرنے والے نے رکوع میں دی ہے۔ اب عرض یہ ہے کہ تفسیر سے صاف واضح ہوتا ہے کہ حضرت علی مرتضی کرم اللہ وجہہ کا مسجد میں انگوٹھی دینا (اور وہ بھی رکوع میں) باعثِ مدح خالق ہے اگر سائل کو مسجد میں دینا منع ہے تو آیت قرآن اس فعل کو موقع مدح میں کیوں ذکر کر رہی ہے اور جب مسجد میں سائل کو دینا بحکم آیتِ مذکورہ باعثِ مدح خالق ہے تو علماء اس فعل کو ممنوع کیوں فرماتے ہیں بینوا توجروا

جواب: مسجد میں سوال کرنے کے متعلق علمائے حنفیہ کے دو قول ہیں، ایک یہ کہ مطلقا ناجائز، دوسرا یہ کہ چار شرطوں کے ساتھ جائز ہے اور یہ شرطیں نہ ہوں تو ناجائز، شرط اول یہ کہ مصلی کے آگے سے نہ گذرے، دوم یہ کہ لوگوں کی گردنیں نہ پھلانگے، سوم یہ کہ الحاف کے ساتھ سوال نہ ہو چہارم یہ کہ ضرورت کے لئے سوال کرتا ہو، قول دوم کو بزازیہ و نہر وغیرہما میں اختیار فرمایا، اور صاحب درمختار نے بھی کتاب الحظر میں تنہا اسی قول کو ذکر کیا۔ ردالمحتار میں ہے: قال فی النهر والمختار ان السائل ان كان لا يمر بين يدى المصلى ولا يتخطى الرقاب ولا سائل الناس الحافا بل لامر لا بد منه فلا باس بالسوال والاعطاء اه ومثله فی البزازية وفيها ولا يجوز الاعطاء اذا لم يكونوا على تلك الصفة المذكورة قال الامام ابو نصر العياضی ارجو ان يغفر الله تعالى لمن يخرجهم من المسجد وعن الامام خلف ابن ايوب لو كنت قاضيا لم اقبل شهادة من يتصدق عليهم اه وسيأتی فی باب المصرف انه لا يحل ان يسئل شيئا من له قوت يومه بالفعل او بالقوة كالصحيح المكتسب ويأثم معطيه ان علم بحاله لاعانته على الحرام (نہر میں فرمایا مختار یہ ہے کہ اگر سائل نمازیوں کے آگے سے نہ گزرے اور نہ ہی گردنیں نہ پھلانگے اور نہ ہی لوگوں سے الحاف کے ساتھ سوال کرئے اور ضرورت کے لئے سوال کرتا ہو تو اس کا سوال کرنا اور لوگوں کے دینے میں کوئی حرج نہیں ہے، ایسا ہی بزازیہ میں ہے اور اسی میں ہے کہ اگر یہ مذکورہ صفات نہ پائی جائیں تو اسے دینا جائز نہیں ہے امام ابونصر عیاضی فرماتے ہیں کہ جو ایسا کرنے والے کو مسجد سے نکال دے تو میں امید کرتا ہوں کہ اللہ اس کی مغفرت فرما دے گا امام خلف ابن ایوب فرماتے ہیں کہ اگر میں قاضی ہوتا تو ایسے سائل کو دینے والے کی گواہی

قبول نہ کرتا، باب المصرف میں آئے گا کہ جس کے پاس اس دن کے کھانے کے لئے بالفعل یا بالقوۃ موجود ہو جیسا کہ ایسا صحیح فرد جو کمانے پر قادر ہو اور اسے اس کی حالت کا علم بھی ہے تو اسے دینے والا بھی گناہ گار ہوگا کیونکہ یہ گناہ پر معاونت کر رہا ہے۔ت)۔

خلاصہ یہ ہے کہ سائل میں اگر وہ شرائط نہ پائی جائیں تو سوال بھی جائز نہیں اور دینا بھی ناجائز، امام ابونصر عیاضی فرماتے ہیں کہ ان کو مسجد سے نکال دے میں امید کرتا ہوں کہ اللہ تعالی اس کی مغفرت فرمائے گا اور امام خلف ابن ایوب فرماتے ہیں کہ اگر میں قاضی ہوتا تو ان لوگوں کی شہادت قبول نہیں کرتا جو ایسے سائل کو دیتے ہیں اور باب المصرف میں ذکر کیا گیا کہ جس کے پاس اس دن کے کھانے کے لائق ہو یا وہ اس کے کمانے پر قادر ہو مثلا تندرست جو کما سکتا ہو اسے سوال حلال نہیں اور دینے والا اگر اس کے حال پر مطلع ہو کر دیگا تو وہ بھی گنہ گار ہوگا کہ حرام پر اعانت کرتا ہے۔

اور قول اول کو صاحب درمختار نے کتاب الصلوۃ میں ذکر فرما کر قولِ دوم لفظ قیل سے تعبیر کیا، عبارت یہ ہے ویحرم فیه السوال ویکره الاعطاء مطلقا وقیل (مسجد میں سوال کرنا حرام ہے اور سائل کو دینا مطلقا مکروہ ہے اور کہا گیا۔ت) اور اسی قول اول کو غنیۃ میں احوط فرمایا اس کی عبارت یہ ہے: وعلم مما تقدم حرمة السوال فی المسجد لانه کثر ان الضالة والبیع ونحوه کراهیة الاعطاء لانه یحمل علی السوال وقیل لا اذا لم یتخط الناس ولم یمر بین یدی مصل، والاول احوط (جو عبارت پیچھے گزری اس سے یہ بات جان لی گئی کہ مسجد میں سوال کرنا حرام ہے اور اسے دینا مکروہ ہے کیونکہ یہ سوال پر محمول ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اگر وہ لوگوں کو نہ پھلانگے اور نمازیوں کے آگے سے نہ گزرے تو یہ حکم نہیں ہے، اور پہلا قول ہی احوط ہے۔ت)

نیز ملا علی قاری علیہ رحمۃ الباری شرح مشکوۃ میں فرماتے ہیں: ویدخل فی کذا کل امر لم یبن له المسجد من البیع والشراء ونحو ذالك وکان بعض السلف لا یری ان یتصدق علی السائل المعترض فی المسجد (اور اس میں ہر وہ کام داخل ہے جس کے لئے مسجد نہیں بنائی گئی جیسے خرید و فروخت کرنا اور اسی کی مثل دوسرے کام، اور بعض علمائے سلف کہ اس کو درست خیال نہیں کرتے کہ مسجد کے سائل پر صدقہ کرے۔ت)

اس کے بعد اسی صفحہ میں یہ قول ذکر کیا کہ سائل کو دینے میں حرج نہیں کیونکہ حدیث میں ہے کہ حضور نے

فرمایا:((**هل احد منكم اطعم اليوم مسكينا فقال ابو بكر دخلت المسجد فاذا انا بسائل فوجدت كسرة خبز في يد عبد الرحمن فاخذتها فدفعتها اليه**)) یعنی کسی نے آج مسکین کو کھانا کھلایا ہے، حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا میں مسجد میں داخل ہوا ناگاہ مجھے ایک سائل ملا اور میں نے عبد الرحمن کے ہاتھ میں روٹی کا ٹکرا دیکھا اس سے لیکر سائل کو دے دیا۔

پس اس سے معلوم ہوا کہ سائل کو مسجد میں دینا جائز ہے۔اس استدلال کے جواب میں ملاعلی قاری فرماتے ہیں:

قلت لا دلالة في الحديث على انه كان سائلا وانما الكلام فيه وقد قال بعض السلف لا يحل اعطائه فيه لما في بعض الاثار ينادي يوم القيامة ليقم بغيض الله فيقوم سوال المسجد یعنی اس حدیث سے یہ ثابت نہیں کہ وہ سائل تھا اور کلام سائل میں ہے اور بعض سلف فرماتے ہیں کہ مسجد میں سائل کو دینا حلال نہیں اس لئے کہ بعض احادیث میں آیا ہے کہ روز قیامت منادی کی جائے گی جو شخص اللہ کے نزدیک مبغوض ہے کھڑا ہو جائے تو مسجد کا سائل کھڑا ہو جائے گا۔

اقول، اس استدلال کا یہ بھی جواب دیا جا سکتا ہے کہ دخلت سے مراد ارادہ دخول ہے یعنی میں مسجد میں داخل ہونا چاہتا تھا کہ مجھے ایک سائل ملا اور ارادہ فعل کو فعل سے تعبیر کیا جاتا ہے جیسا کہ ﴿**اذا قمتم الى الصلوة**﴾(جب تم نماز کے لیے کھڑے ہو) سے ارادہ قیام مراد ہے۔پس اس تقدیر پر یہ واقعہ مسجد کا نہ ہوا اور استدلال صحیح نہ ہوا، اگر یہ شبہہ کیا جائے کہ حدیث مذکورہ بالا میں تصریح ہے فاذا انا بسائل پھر ملاعلی قاری کا یہ کہنا لا دلالة في الحديث على انه كان سائلا صحیح نہیں، تو اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث سے صرف اتنا معلوم ہوا کہ وہ سائل تھا، رہا یہ کہ اس نے مسجد میں سوال بھی کیا، یہ ثابت نہیں اور کلام اسی میں ہے کہ جو سائل مسجد میں سوال کرے اسے دینا حلال نہیں نہ یہ کہ بلا سوال بھی اسے دینا حلال نہیں اور دونوں میں فرق ظاہر ہے۔

پھر ملاعلی قاری رحمۃ اللہ تعالی علیہ نے یہ قول ذکر کیا کہ بعض صورتوں میں جائز ہے اور بعض میں ناجائز، وفصل بعضهم بين من يوذي بالمرور ونحوه فيكره اعطائه لانه اعانة له على ممنوع وبين من لا يوذي فليس اعطائه لان السوال كانوا يسئلون على عهد رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم في المسجد حتى يروى ان

علیا کرم اللہ تعالی وجھہ تصدق بخاتمہ وھو فی الرکوع فمدحہ اللہ بقولہ یوتون الزکوۃ وھم راکعون راکعون بعض علماء نے اس کے درمیان فرق کیا ہے کہ جو سائل نمازیوں کے آگے سے گزر کر یا یسی اور طرح انہیں اذیت دیتا ہے تو اسے دینا مکروہ ہے کیونکہ یہ ممنوع کام پر اعانت ہے، اور جو سائل اس طرح تکلیف نہیں دیتا تو اسے دینا مکروہ نہیں ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں سائل مسجد میں سوال کیا کرتے تھے اور یہ بھی مروی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حالت رکوع میں اپنی انگوٹھی صدقہ کردی تو اللہ نے ان کی ان الفاظ سے مدح فرمائی کہ وہ زکوۃ دیتے ہیں اور رکوع کرتے ہیں۔ت) یعنی جو سائل لوگوں کو اذیت دیتا ہے مثلا نمازی کے آگے سے گزرتا ہے یا اس کے مثل کچھ اور حرکت کرتا ہے اسے دینا مکروہ ہے، کہ ممنوع پر اعانت ہے، اور جو ایسا نہیں کرتا اسے دینا بہتر ہے کہ حضور کے زمانے میں لوگ مسجد میں سوال کرتے تھے جب تو حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ نے رکوع میں اپنی انگوٹھی دے دی تھی جس پر اللہ نے ان کی مدح فرمائی۔

اس قول کا جواب ملا علی قاری اس طرح تحریر فرماتے ہیں اور یہی استفسار کا جواب بھی ہے وفیہ انہ لیس فی الحدیث ولا الآیۃ ان اعطاء علی کان فی المسجد یعنی حدیث وآیت کسی سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ نے مسجد میں دیا تھا۔

اقول اور اگر فرض بھی کیا جائے کہ مسجد میں دیا تھا تو یہ ثابت نہیں کہ اس نے حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ سے مسجد میں سوال کیا تھا اگر حدیث سے ثابت ہوتا ہے تو صرف اتنا کہ اس نے حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ سے سوال کیا تھا اور حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ نے دیا تھا اور یہ امر کہ اس نے مسجد میں سوال کیا اس کے متعلق کوئی حدیث نظر سے نہ گزری، اور ملا علی قاری کا یہ فرمانا کہ حدیث سے مسجد میں سوال ثابت نہیں، صاف بتاتا ہے کہ ان کے پیش نظر بھی کوئی ایسی حدیث نہیں ہے، جس سے مسجد میں سوال کی اجازت ثابت ہو، تفسیر بیضاوی شریف میں شان نزول کو اس طرح نقل کیا وانما نزلت فی علی رضی اللہ تعالی عنہ حین سالہ سائل وھو راکع فی صلوتہ فطرح لہ خاتمہ (یہ آیت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی جب سائل نے سوال کیا اور یہ اپنی نماز کے رکوع میں تھے تو انہوں نے اپنی انگوٹھی اتار کر اسے دے دی۔ت)

اس سے بس اتنا معلوم ہوا کہ سائل کے سوال پر دیا نہ یہ کہ مسجد میں سوال کیا تھا اور اسے دیا بلکہ خود قاضی بیضاوی کا اس شان نزول کے متعلق کہنا، وان صح، بتاتا ہے کہ اس روایت کی صحت میں بھی انہیں کلام ہے اس لئے آیت میں رکوع کے معنی خشوع وخضوع کے لیتے ہیں یعنی خشوع وخضوع کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں اور زکوۃ دیتے ہیں۔ اور یہ معنی کہ رکوع میں زکوۃ دیتے ہیں، اس کو بصیغہ تمریض قیل سے تعبیر کرتے ہیں۔

رہا یہ کہ استفتاء میں جو موضح القرآن کی عبارت نقل کی گئی ہے اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ سائل تھا اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے دیا تھا، پس اگر یہ مضمون حدیث صحیح سے ثابت ہو تو کہا جائیگا کہ سائل کو دیا اس کے یہ معنی ہرگز نہیں کہ اس نے مسجد میں سوال بھی کیا ہو جیسا کہ ((فاذا انا بسائل)) سے ثابت نہیں کہ اس نے مسجد میں سوال کیا تھا ویسا ہی یہاں بھی یہ ثابت نہیں کہ اس نے مسجد میں سوال کیا اور اس کی عبارت سے یہ بھی ثابت نہیں کہ مسجد میں دیا۔

لہذا اس عبارت موضح القرآن سے مسجد میں سوال کی اجازت ثابت نہیں کہ مسجد میں دیا، اس لئے بہار شریعت حصہ سوم میں یہ لفظ ہے کہ اس سائل کو دینا بھی منع ہے، مستفتی سے لفظ (اس) لکھنے سے رہ گیا جس کا مطلب ہو گیا کہ چاہے مسجد میں سوال کرنے یا نہ کرے سائل کو مسجد میں دینا منع ہے حالانکہ مطلب یہ تھا کہ مسجد میں سوال کرے تو دینا منع ہے، اور اسی کے لئے لفظ اس بڑھایا گیا تھا۔

اس عبارت موضح القرآن کے قریب قریب ایک حدیث علامہ خفاجی نے نقل فرمائی ہے، وہ یہ ہے۔ نہ مناکحت کریں گے اور نہ ہم سے بات چیت کریں گے اور یہ امر ہم پر شاق ہے، نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارا اولی اللہ و رسول ہیں پھر نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مسجد کی طرف نکلے اور کسی کو قیام میں اور کسی کو رکوع میں پایا اور ایک سائل کو ملاحظہ فرمایا اس سے فرمایا کسی نے تجھے کچھ دیا اس نے عرض کی ہاں چاندی کی ایک انگوٹھی ملی ہے، فرمایا کس نے دی اس نے کہا اس قیام کرنے والے نے اور ہاتھ سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف اشارہ کیا حضور نے فرمایا کس حالت میں دی اس نے کہا حالت رکوع میں، اس پر حضور نے تکبیر کہی پھر اس آیت کی تلاوت فرمائی۔

پس اس روایت سے معلوم ہوا کہ جب حضور نے سائل سے دریافت کیا تھا، اس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ قیام میں تھے رکوع میں نہ تھے اگر چہ دینا رکوع میں تھا، مگر موضح القرآن کے اس لفظ سے کہ اس رکوع کرنے والے نے دی، یہ

شبہہ پیدا ہوتا ہے کہ اسی وقت دی ہے جبکہ اسی رکوع میں تھے اور یہ رکوع مسجد میں تھا لہذا مسجد میں دینا ثابت ہوا اگر چہ فقط یہ لفظ اس ثبوت کے لئے کافی نہیں مگر تو ہم پیدا ہوتا ہے اور جبکہ علامہ خفاجی نے جو روایت حاکم وغیرہ سے نقل کی اس میں اس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قائم ہونا مذکور ہے تو یہ تو ہم بہت بعید ہو گیا۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس بحث کے آخر میں دونوں مقولوں میں یہ فیصلہ کیا ہے کہ والظاهر ان الخلاف خلاف عصر وزمان لا اختلاف السائلين ، یعنی علماء میں یہ اختلاف زمانہ کے اختلاف پر مبنی ہے کہ قرون اولی میں سائلین آداب مسجد کی مراعات کرتے تھے اور ضرورت پر سوال کرتے تھے اور اس طرح سوال نہ کرتے تھے کہ ممنوع ہو، اور اس زمانہ کے سائلین ایسے نہیں اگر ان کو اجازت دے دی جائے تو کسی امر کی پرواہ نہ کریں گے، اور جائز و ناجائز کا خیال نہ رکھیں گے اس لئے ان کے لئے حکم یہی ہے کہ سوال سے روک دیئے جائیں، وکم من شئی یختلف باختلاف الزمان۔

پس چونکہ صاحب غنیۃ نے مطلق ممانعت کو احوط فرمایا اور ملا علی قاری نے اس اختلاف کو اختلاف زمانہ پر محمول کیا لہذا فقیر نے اسی قول کو اختیار کیا اور اسی کو بہار شریعت میں ذکر کیا۔ واللہ تعالی اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

(فتاوی امجدیہ، باب احکام المسجد، ج 1، ص 251 تا 255، مکتبہ رضویہ، کراچی)

ماخذ و مراجع

قرآن مجید، کلام باری تعالیٰ

ترجمۂ کنزالایمان ،اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمن (متوفی 1340ھ)

مکتبۃ المدینہ کراچی

کتب التفاسیر

(تفسیر طبری ،المؤلف :محمد بن جریر بن یزید بن کثیر بن غالب الآملی، أبو جعفر الطبری

(المتوفی 310ھ)،مؤسسۃ الرسالۃ ،بیروت)

(معالم التنزیل(تفسیر بغوی)،امام ابو محمد الحسین بن مسعود فراء بغوی متوفی

516ھ،دارالکتب العلمیہ،بیروت)

(مفاتیح الغیب معروف بالتفسیر الکبیر ،ابوعبداللہ محمد بن عمر فخرالدین رازی(606ھ)، دار

احیاء التراث العربی ، بیروت)

(تفسیر نسفی،ابوالبرکات عبداللہ بن احمد بن محمود النسفی(710ھ)، دار الکلم الطیب،

بیروت)

(تفسیر خازن ،علاء الدین علی بن محمدبغدادی(متوفی 741ھ)، دار الکتب العلمیۃ ، بیروت)

الکتاب :البحر المحیط فی التفسیر،المؤلف :أبو حیان محمد بن یوسف بن علی بن یوسف بن

حیان أثیر الدین الأندلسی (المتوفی 745ھـ)،دارالفکر،بیروت

(تفسیر جلالین،علامہ جلال الدین محلی(متوفی 863)علامہ جلال الدین سیوطی

(متوفی 911)، مطبوعہ اصح المطابع ،دہلی ہند)

الکتاب :الدر المنثور،المؤلف :عبد الرحمن بن أبی بکر، جلال الدین النسیوطی (المتوفی :

911ہـ،دار الفکر،بیروت

(تفسیر روح المعانی،ابوالفضل شہاب الدین سید محمود آلوسی(1270ھ)، دار الکتب

العلمية ، بیروت)

تفسیر عزیزی،مولانا شاہ عبدالعزیز دہلوی،لال کنواں، دہلی

الکتاب :التفسیر المظہری،المؤلف :المظہری، محمد ثناء اللہ،مکتبۃ الرشدیہ،پاکستان

تفسیر نعیمی،مفتی احمد یارخان نعیمی،نعیمی کتب خانہ گجرات

تفسیر خزائن العرفان،صدرالافاضل مفتی نعیم الدین مراد آبادی

کتب الحدیث

الکتاب :الموطأ،المؤلف :مالك بن أنس بن مالك بن عامر الأصبحي المدني (المتوفى: 179ھ)،الناشر :مؤسسة زايد بن سلطان آل نهيان للأعمال الخيرية والإنسانية -أبو ظبي - الإمارات

الکتاب :الآثار لمحمد بن الحسن ،المؤلف :الامام الحافظ ابی عبد اللہ محمد بن الحسن الشيباني،دار النشر :دار الکتب العلمية، بيروت -لبنان

(المصنف لعبد الرزاق، لمؤلف :أبو بكر عبد الرزاق بن همام بن نافع الحميري اليماني الصنعاني (المتوفى 211 :)، المجلس العلمي، بيروت)

(المصنف لابن أبي شيبة، حافظ عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ کوفی عبسی متوفی 235 ھ،دارالکتب العلمیہ،بیروت ومکتبۃ الرشد،الریاض والدار السلفیۃ، الھندیۃ)

(المسند للإمام أحمد بن حنبل،امام احمد بن محمد بن حنبل متوفی 241ھ، مؤسسۃ الرسالہ،بیروت و المکتب الاسلامی ،بیروت)

الکتاب :مسند الدارمي المعروف بـ (سنن الدارمي (،المؤلف :أبو محمد عبد الله بن عبد الرحمن بن الفضل بن بَهرام بن عبد الصمد الدارمي، التميمي السمرقندي (المتوفى : 255ھ)،الناشر :دار المغني للنشر والتوزيع، المملكة العربية السعودية

(صحیح البخاری،امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی 256ھ، دارطوق

النجاة،شامله وقدیمی کتب خانہ، کراچی)
(صحیح مسلم،امام ابو الحسین مسلم بن حجاج قشیری متوفی 261ھ، داراحیاء التراث العربی،بیروت وقدیمی کتب خانہ،کراچی)
(سنن ابن ماجہ،امام ابو عبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی 273ھ، داراحیاء الکتب العربی،حلب وایچ ایم سعید کمپنی ،کراچی)
(سنن أبي داود،امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث سجستانی متوفی 275ھ، آفتاب عالم پریس، لاہور)
الکتاب :المراسیل،المؤلف :أبو داود سلیمان بن الأشعث بن إسحاق بن بشیر بن شداد بن عمرو الأزدی السِّجِسْتانی (المتوفی 275 :ہـ(،الناشر :مؤسسة الرسالة -بیروت
(جامع ترمذی،امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی 279ھ، دارالفکر ، بیروت وقدیمی کتب خانہ ، کراچی)
(السنن النسائی،المؤلف :أبو عبد الرحمن أحمد بن شعیب بن علی الخراسانی، النسائی (المتوفی 303 :)،مکتب المطبوعات الإسلامیة -حلب)
(مسند أبي یعلی،شیخ الاسلام ابو یعلی احمدبن علی بن مثنی موصلی متوفی 307ھ،مؤسسة علوم القرآن، بیروت)
(شرح معانی الآثار،امام ابو جعفر احمد بن محمد طحاوی (متوفی 321ھ)،عالم الکتب)
(صحیح ابن حبان،صحیح ابن حبان بترتیب ابن بلبان،المؤلف :محمد بن حبان بن أحمد بن حبان بن معاذ بن مَعْبدَ، التمیمی، أبو حاتم، الدارمی، البُستی (المتوفی 354 :)،موسسة الرسالة،بیروت)
(المعجم الکبیرللطبرانی،امام ابو القاسم سلیمان بن احمد طبرانی، متوفی 360ھ، المکتبة الفیصلیة، بیروت ومکتبہ ابن تیمیہ،القاہرہ)

(المعجم الاوسط للطبرانی،امام ابو القاسم سلیمان بن احمد طبرانی، متوفی 360ھ،دارالحرمین،القاہرہ)

المعجم الصغیر"للطبرانی ،امام ابو القاسم سلیمان بن احمد طبرانی، متوفی 360ھ،المکتب الاسلامی،بیروت

الکتاب :مسند الشامیین،المؤلف :سلیمان بن أحمد بن أیوب بن مطیر اللخمی الشامی، أبو القاسم الطبرانی (المتوفی360 :ہـ(،الناشر :مؤسسۃ الرسالۃ -بیروت

الکتاب :العظمۃ،المؤلف :أبو محمد عبد اللہ بن محمد بن جعفر بن حیان الأنصاری المعروف بأبِی الشیخ الأصبہانی (المتوفی369 :ہـ(، الناشر :دار العاصمۃ -الریاض

(سنن الدارقطنی،المؤلف :أبو الحسن علی بن عمر بن أحمد بن مہدی بن مسعود بن النعمان بن دینار البغدادی الدارقطنی (المتوفی385ھ،دارالمعرفۃ ،بیروت)

(معالم السنن،علامہ ابوسلیمان احمدبن محمد خطابی(388)،المطبعۃ العلمیہ،حلب)

(المستدرک للحاکم،امام ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ حاکم نیشاپوری متوفی 405 ھ،دارالفکر ،بیروت ودار الکتب العلمیہ،

(السنن الکبری ،المؤلف :أحمد بن الحسین بن علی بن موسی الخُسْرَوْجِردی الخراسانی، أبو بکر البیہقی (المتوفی458ھ، دارصادر ، بیروت)

(شعب الایمان،المؤلف :أحمد بن الحسین بن علی بن موسی الخُسْرَوْجِردی الخراسانی، أبو بکر البیہقی (المتوفی458 :ہ)،مکتبۃ الرشد للنشر والتوزیع،العلوم والحکم، المدینۃ المنورہ)

(دلائل النبوۃللبیہقی،المؤلف :أحمد بن الحسین بن علی بن موسی الخُسْرَوْجِردی الخراسانی، أبو بکر البیہقی (المتوفی458ھ)، دارالکتب العلمیہ،بیروت)

الکتاب :شرح السنۃ،المؤلف :محیی السنۃ، أبو محمد الحسین بن مسعود بن محمد بن الفراء البغوی الشافعی (المتوفی516 :ہـ(،الناشر :المکتب الإسلامی -دمشق، بیروت

(الترغيب والترهيب،امام زكى الدين عبد العظيم بن عبد القوى منذرى متوفى 656ھ،دارالكتب العلميه، بيروت)

الكتاب :مشكاة المصابيح،المؤلف :محمد بن عبد الله الخطيب العمرى، أبو عبد الله، ولى الدين، التبريزى (المتوفى 741 :ہـ(، الناشر :المكتب الإسلامى -بيروت

(مجمع الزوائد،حافظ نور الدين علي بن ابى بكر ہيتمى متوفى 807ھ،مكتبة القدسى،القاہره وبيروت دارالكتاب بيروت)

(كنزالعمال ،المؤلف :علاء الدين علي بن حسام الدين ابن قاضي خان القادرى الشاذلي الهندى البرہانفورى ثم المدنى فالمكى الشهير بالمتقى الهندى (المتوفى 975 :ہ،مؤسسة الرساله ،بيروت)

كتب شروح حديث

(شرح صحيح البخارى لابن بطال، ابو الحسن على بن خلف ابن بطال مالكى عليه رحمة الله الغنى (متوفى 449ھ)،مكتبة الرشد،الرياض)

الكتاب :شرح مسند أبى حنيفة،المؤلف :على بن (سلطان) محمد، أبو الحسن نور الدين الملا الهروى القارى (المتوفى 1014 :ہـ(الناشر :دار الكتب العلمية، بيروت -لبنان

الكتاب :اللامع الصبيح بشرح الجامع الصحيح،المؤلف :شمس الدين البِرْماوى، أبو عبد الله محمد بن عبد الدائم بن موسى النعيمى العسقلانى المصرى الشافعى (المتوفى 831: ہـ(،الناشر :دار النوادر، سوريا

الكتاب :مشكل الحديث وبيانه،المؤلف :محمد بن الحسن بن فورك الأنصارى الأصبهانى، أبو بكر (المتوفى 406 :ہـ(،الناشر :عالم الكتب -بيروت

الكتاب :التيسير بشرح الجامع الصغير،المؤلف :زين الدين محمد المدعو بعبد الرؤوف بن تاج العارفين بن على بن زين العابدين الحدادى ثم المناوى القاہرى (المتوفى 1031 :ہـ(،الناشر:

مكتبة الإمام الشافعي الرياض

الكتاب :فيض القدير شرح الجامع الصغير،المؤلف :زين الدين محمد المدعو بعبد الرؤوف بن تاج العارفين بن علي بن زين العابدين الحدادي ثم المناوي القاهري (المتوفى: 1031ھـ(،الناشر :المكتبة التجارية الكبرى -مصر

الكتاب :المجالس الوعظية في شرح أحاديث خير البرية صلى الله عليه وسلم من صحيح الإمام البخاري،المؤلف :شمس الدين محمد بن عمر بن أحمد السفيري الشافعي (المتوفى: 956ھـ(،الناشر :دار الكتب العلمية، بيروت لبنان

الكتاب :كشف المشكل من حديث الصحيحين،المؤلف :جمال الدين أبو الفرج عبد الرحمن بن علي بن محمد الجوزي (المتوفى 597 :ھـ(،الناشر :دار الوطن -الرياض

الكتاب :العدة في شرح العمدة في أحاديث الأحكام،المؤلف :علي بن إبراهيم بن داود بن سلمان بن سليمان، أبو الحسن، علاء الدين ابن العطار (المتوفى 724 :ھـ(،الناشر :دار البشائر الإسلامية للطباعة والنشر والتوزيع، بيروت -لبنان

الكتاب :شرح مصابيح السنة للإمام البغوي،المؤلف :مُحمَّدُ بنُ عزِّ الدِّينِ عبدِ اللطيف بنِ عبد العزيز بن أمين الدِّين بنِ فِرِشْتَا، الرُّوميُّ الكَرمانيّ، الحنفيُّ، المشهور بـ ابن المَلَك (المتوفى: 854ھـ(،الناشر :إدارة الثقافة الإسلامية

الكتاب :البدرُ التمام شرح بلوغ المرام،المؤلف :الحسين بن محمد بن سعيد اللاعيّ، المعروف بالمَغرِبي (المتوفى 1119 :ھـ(،الناشر :دار ہجر

الكتاب :معالم السنن، وہو شرح سنن أبي داود،المؤلف :أبو سليمان حمد بن محمد بن إبراہيم بن الخطاب البستي المعروف بالخطابي (المتوفى 388 :ھـ(،الناشر :المطبعة العلمية -حلب

الكتاب :التَّحبير لإيضَاح مَعَاني التَّيسير،المؤلف :محمد بن إسماعيل بن صلاح بن محمد الحسني، الكحلاني ثم الصنعاني، أبو إبراہيم، عز الدين، المعروف كأسلافه بالأمير (المتوفى:

1182ہـ(،الناشر :مَكْتَبَةُ الرُّشد، الرياض -المملكة الْعَرَبِيَّة السعودية
الكتاب :شرح الطيبي على مشكاة المصابيح المسمى بـ (الكاشف عن حقائق السنن (،المؤلف :شرف الدين الحسين بن عبد الله الطيبي 743)ہـ(،الناشر :مكتبة نزار مصطفى الباز (مكة المكرمة -الرياض(
الكتاب :شَرْحُ صَحِيح مُسْلِمِ لِلقَاضِى عِيَاض المُسَمَّى إِكمَالُ المُعْلِمِ بفَوَائِدِ مُسْلِم،المؤلف: عياض بن موسى ين عياض بن عمرون اليحصبى السبتى، أبو الفضل (المتوفى 544 :ہـ(،الناشر: دار الوفاء للطباعة والنشر والتوزيع، مصر
الكتاب :إرشاد السارى لشرح صحيح البخارى،المؤلف :أحمد بن محمد بن أبى بكر بن عبد الملك القسطلانى القتيبى المصرى، أبو العباس، شهاب الدين (المتوفى 923 :ہـ(،الناشر: المطبعة الكبرى الأميرية، مصر
الكتاب :عارضة الأحوذى بشرح جامع الترمذى،المؤلف :أبو العلا محمد عبد الرحمن بن عبد الرحيم المباركفورى (المتوفى1353 :ہـ(،الناشر :دار الكتب العلمية بيروت
الكتاب :إحكام الإحكام شرح عمدة الأحكام،المؤلف :ابن دقيق العيد،الناشر :مطبعة السنة المحمدية
الكتاب :الاستذكار،المؤلف :أبو عمر يوسف بن عبد الله ين محمد بن عبد البر بن عاصم النمرى القرطبى (المتوفى463 :ہـ(،الناشر :دار الكتب العلمية بيروت
الكتاب :شرح الطيبي على مشكاة المصابيح المسمى بـ (الكاشف عن حقائق السنن (،المؤلف :شرف الدين الحسين بن عبد الله الطيبي 743)ہـ(،الناشر :مكتبة نزار مصطفى الباز (مكة المكرمة -الرياض(
الكتاب :شرح مصابيح السنة للإمام البغوى،المؤلف :مُحمَّدُ بنُ عزِّ الدِّينِ عبدِ اللطيف بنِ عبد العزيز بن أمين الدِّين بنِ فِرِشْتَا، الرُّوميُّ الكَرمانيّ، الحنفيُّ، المشهور بـ ابن المَلَك (المتوفى:

854ہـ(،الناشر :إدارة الثقافة الإسلامية

الكتاب :التَّنويرُ شَرْحُ الجَامِع الصَّغِيرِ،المؤلف :محمد بن إسماعيل بن صلاح بن محمد الحسني، الكحلاني ثم الصنعاني، أبو إبراهيم، عز الدين، المعروف كأسلافه بالأمير (المتوفى: 1182ہـ(،الناشر :مكتبة دار السلام، الرياض

الكتاب :دليل الفالحين لطرق رياض الصالحين،المؤلف :محمد علي بن محمد بن علان بن إبراهيم البكري الصديقي الشافعي (المتوفى 1057 :ہـ(،الناشر :دار المعرفة للطباعة والنشر والتوزيع، بيروت لبنان

الكتاب :المنتقى شرح الموطإ،المؤلف :أبو الوليد سليمان بن خلف بن سعد بن أيوب بن وارث التجيبي القرطبي الباجي الأندلسي (المتوفى 474 :ہـ(،الناشر :مطبعة السعادة -بجوار محافظة مصر

الكتاب :اللمع في أسباب ورود الحديث،المؤلف :عبد الرحمن بن أبي بكر، جلال الدين السيوطي (المتوفى 911 :ہـ(

الكتاب :حاشية السندي على سنن النسائي (مطبوع النسن(،المؤلف :عبد الرحمن بن أبي بكر، جلال الدين السيوطي (المتوفى 911 :ہـ(،الناشر :مكتب المطبوعات الإسلامية -حلب

(شرح النووی،امام محی الدین ابو زکریا یحییٰ بن شرف نووی متوفی 676ھ، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

(فتح الباری،امام حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی 852ھ، داراحیاء التراث العربی،بیروت ودارالمعرفہ،بیروت)

(عمدۃالقاری ،امام بدرالدین ابومحمدمحمودبن احمدعینی، متوفی 855ھ،داراحیاء التراث العربی،بیروت ودارالکتب العلمیۃ، بیروت)

(شرح ابی داود للعینی، بدر الدین عینی حنفی(متوفی855ھ)،مکتبۃ الرشد، الریاض)

(قوت المغتذی ،علامہ جلال الدین عبد الرحمن بن ابو بکر سیوطی(متوفی 911ھ) ،جامعۃ ام القری،مکۃ المکرمۃ)

(مرقاۃ المفاتیح،علامہ ملا علی بن سلطان قاری ،متوفی 1014ھ،المکتبۃ الحبیبیہ کوئٹہ)

(فیض القدیر،المؤلف :زین الدین محمد المدعو بعبد الرؤوف بن تاج العارفین بن علی بن زین العابدین الحدادی ثم المناوی القاہری (المتوفی 1031ھ،دارالمعرفۃ ،بیروت)

(التیسیر شرح الجامع الصغیر،المؤلف :زین الدین محمد المدعو بعبد الرؤوف بن تاج العارفین بن علی بن زین العابدین الحدادی ثم المناوی القاہری (المتوفی 1031)،مکتبۃ الامام الشافعی ،ریاض)

الکتاب المصنف فی الأحادیث والآثار، مکتبۃ الرشد ،الریاض

(اشعۃ اللمعات ،عبدالحق محدث دہلوی(متوفی 1052ھ)،مکتبہ نوریہ رضویہ، سکھر)

ماثبت بالسنۃ ،محقق علی الاطلاق شیخ عبدالحق محدث دہلوی،ادارہ نعیمیہ رضویہ، لاہور

انجاح الحاجۃ شرح سنن ابن ماجہ،،قدیمی کتب خانہ کراچی

(حاشیۃ السندی علی سنن النسائی، محمد بن عبد الہادی سندی حنفی (متوفی 1138ھ)،مکتب المطبوعات الاسلامیہ،حلب)

(حاشیۃ السندی علی سنن ابن ماجہ، محمد بن عبد الہادی سندی حنفی (متوفی 1138ھ)،دار الحیل ،بیروت)

مسوی مصفی شرح موطا امام مالک،شاہ ولی اللہ محدث دہلوی،اسلامی کتب خانہ ،کراچی

نزھۃ القاری شرح صحیح البخاری،شارح بخاری مفتی شریف الحق امجدی،فریدبک سٹال،لاہور

کتب السیر

(شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیہ ،المؤلف :أبو عبد اللہ محمد بن عبد الباقی بن یوسف بن أحمد بن شہاب الدین بن محمد الزرقانی المالکی (المتوفی 1122ھ، دارالمعرفۃ ،بیروتالکتب العلمیۃ، بیروت)

(الخصائص الکبری،امام جلال الدین بن ابی بکر سیوطی متوفی 911ھ،دار الکتب العلمیہ، بیروت و گجرات، الہند)

(دلائل النبوۃ للبیہقی،أحمد بن الحسین بن علی بن موسى الخُسْرَوْجِردی الخراساني، أبو بکر البیہقی (المتوفی458 :ھ،دارالکتب،بیروت)

(الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم،القاضی ابو الفضل عیاض مالکی متوفی 544 ھ،دارالفیحاء،عمان)

الکتاب :شرف المصطفیٰ،المؤلف :عبد الملک بن محمد بن إبراہیم النیسابوری الخرکوشی، (المتوفی407 :ہـ(،الناشر :دار البشائر الإسلامیۃ -مکۃ

کتب فقہ حنفی

(الحجۃ علی اہل المدینہ،امام محمد شیبانی حنفی(متوفی189ھ) ،عالم الکتب،بیروت)

الکتاب :الأصلُ،المؤلف :أبو عبد اللہ محمد بن الحسن بن فرقد الشیبانی (المتوفی 189 : ہـ(،الناشر :دار ابن حزم، بیروت لبنان

الکتاب :تحفۃ الفقہاء ،المؤلف :محمد بن أحمد بن أبی أحمد، أبو بکر علاء الدین السمرقندی (المتوفی :نحو 540ہـ(،الناشر :دار الکتب العلمیۃ، بیروت -لبنان

الکتاب :المعتصر من المختصر من مشکل الآثار،المؤلف :یوسف بن موسى بن محمد، أبو المحاسن جمال الدین المَلَطی الحنفی (المتوفی803 :ہـ(،الناشر :عالم الکتب -بیروت

الکتاب :العنایۃ شرح الہدایۃ،المؤلف :محمد بن محمد بن محمود، أکمل الدین أبو عبد اللہ

ابن الشیخ شمس الدین ابن الشیخ جمال الدین الروسی البابرتی (المتوفی 786 ھ)،نوریہ رضویہ، سکھر

(مبسوط للسرخسی،شمس الائمہ سرخسی حنفی(متوفی483)،دارالمعرفۃ،بیروت)

(بدائع الصنائع،امام ابو بکربن مسعود بن احمد کاسانی حنفی(متوفی 587ھ)،دارالکتب العلمیۃ،بیروت)

(الھدایۃشرح بدایۃ المبتدی ،امام برہان الدین علی بن ابی بکر مُرغینانی حنفی (متوفی593ھ) ،دار احیاء التراث العربی،بیروت)

(محیط برہانی،ابو المعالی برہان الدین محمود بن احمد حنفی(متوفی 616ھ)،دارالکتب العلمیہ،بیروت)

(الاختیار لتعلیل المختار،علامہ ابوالفضل عبد اللہ بن محمود موصلی حنفی(متوفی683ھ)،مطبعۃ الحلبی،القاہرہ)

الکتاب :درر الحکام شرح غرر الأحکام،المؤلف :محمد بن فرامرز بن علی الشہیر بملا -أو منلا أو المولی -خسرو (المتوفی 885 :ھ)،الناشر :دار إحیاء الکتب العربیۃ

الکتاب :المعتصر من المختصر من مشکل الآثار،المؤلف :یوسف بن موسی بن محمد، أبو المحاسن جمال الدین المَلَطی الحنفی (المتوفی803 :ھ)،الناشر :عالم الکتب -بیروت

(تبیین الحقائق،علامہ فخر الدین عثمان بن علی الزیلعی حنفی(متوفی 743ھ)،المکتبۃ الکبری الامیریۃ،بولاق ،قاہرۃ)

(الجوہرۃ النیرۃ،علامہ ابو بکر بن علی بن محمد بن الحداد زبیدی حنفی(متوفی800ھ)،المطبعۃ الخیریۃ)

(فتح القدیر،المؤلف :کمال الدین محمد بن عبد الواحد السیواسی المعروف بابن الہمام (المتوفی861ھ)،مکتبہ، کوئٹہ)

(بحرالرائق، 25 زین الدین ابن نجیم حنفی رحمۃ اللہ علیہ(متوفی 970ھ) ،دارالکتاب الاسلامی،بیروت)

(فتاوی حدیثیہ،امام ابن حجر مکی(متوفی974ھ)،مصطفی البابی، مصر)

(نور الایضاح و نجاۃ الارواح ،علامہ حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی (متوفی1069ھ)،المکتبۃ العصریۃ)

(مراقی الفلاح، علامہ حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی حنفی(متوفی 1069ھ) ،المکتبۃ العصریہ،بیروت)

حاشیہ شرنبلالی علی درر الحکام،علامہ حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی (متوفی1069ھ)،داراحیاء الکتب العربیہ،بیروت

غنیۃ المتملی،ابراہیم حلبی،سہیل اکیڈمی،لاہور

(طحطاوی علی المراقی،علامہ احمد طحطاوی حنفی ،دارالکتب العلمیہ،بیروت)

(مجمع الانہرشرح ملتقی الابحرعلامہ شیخی زادہ ،دار احیاء التراث العربی ،بیروت)

(تنویر الابصار،علامہ شمس الدین محمد بن عبد اللہ بن احمد تمرتاشی، متوفی (1004)، دارالفکر، بیروت)

(درمختار،علامہ علاؤالدین حصکفی حنفی (متوفی1088ھ)،دارالفکر،بیروت)

(ردالمحتار،محمد امین ابن عابدین شامی متوفی 1252ھ،دارالفکر،بیروت)

(فتاوی ہندیہ ، مولانا شیخ نظام(متوفی1161 ھ) وجماعۃ من علماء الہند،دارالفکر،بیروت)

(جد الممتار ،اعلی حضرت الشاہ امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ المنان(متوفی 1340ھ)،مکتبۃ المدینہ، کراچی)

(فتاوی رضویہ ،اعلیٰ حضرت امام احمد رضاخان متوفی1340ھ، رضافاؤنڈیشن، لاہور)

(بہار شریعت،صدرالشریعہ مفتی محمد امجد علی اعظمی (المتوفی 1367)،مکتبۃ

المدینہ، کراچی)

(وقارالفتاوی،مفتی وقار الدین صاحب،بزم وقارالدین، کراچی)

فتاوی خانیہ المعروف فتاوی قاضی خان ،قاضی حسن بن منصوربن محموداوزجندی (592ھ)،مطبوعہ نولکشور، لکھنؤ

شرح نقایہ لملا علی قاری،علی بن سلطان المعروف ملا علی قاری(1014ھ)،مطبوعہ ایچ ایم سعید ، کراچی

تاتار خانیہ، علامہ علاؤالدین اندر پتی،مطبوعہ کوئٹہ

جامع الفصولین ،محمود بن اسرائیل المعروف ابن قاضی(823ھ)، امیر حمزہ کتب خانہ ،کوئٹہ

خزانۃ المفتین،امام حسین بن محمد سمعانی،قلمی نسخہ

خلاصہ الفتاوی ،علامہ طاہر بن عبدالرشید بخاری(542ھ)،مکتبہ رشیدیہ ، کوئٹہ

فتاوی افریقہ،اعلی حضرت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمن،نوریہ رضویہ،فیصل آباد

مجموعہ فتاوی،مولوی عبدالحی لکھنوی، مطبع یوسفی فرنگی محلی، لکھنؤ

فتاوی شارح بخاری،شارح بخاری علامہ شریف الحق امجدی،مکتبہ برکات المدینہ، کراچی

فتاوی فیض الرسول،فقیہ ملت علامہ جلال الدین امجدی ،شبیر برادرز لاہور

کتب فقہ مالکی

(القوانین الفقہیہ،علامہ محمد بن احمد غرناطی مالکی(متوفی 741ھ) ،مطبوعہ بیروت)

(حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر للشیخ الدردیر،علامہ محمد بن احمد دسوقی مالکی(متوفی 1230ھ)،دارالفکر،بیروت)

الکتاب :التلقین فی الفقۃ المالکی،المؤلف :أبو محمد عبد الوہاب بن علی بن نصر الثعلبی

البغدادی المالکی (المتوفی422 :ہـ(،الناشر :دار الکتب العلمیة

الکتاب :التهذیب فی اختصار المدونة،المؤلف :خلف بن أبی القاسم محمد، الأزدی القیروانی، أبو سعید ابن البراذعی المالکی (المتوفی372 :ہـ(،الناشر :دار البحوث للدراسات الإسلامیة وإحیاء التراث، دبی

الکتاب :التوضیح فی شرح المختصر الفرعی لابن الحاجب،المؤلف :خلیل بن إسحاق بن موسی، ضیاء الدین الجندی المالکی المصری (المتوفی776 :ہـ(،الناشر :مرکز نجیبویه للمخطوطات وخدمة التراث

الکتاب :الفواکه الدوانی علی رسالة ابن أبی زید القیروانی،المؤلف :أحمد بن غانم (أو غنیم) بن سالم ابن مهنا، شهاب الدین النفراوی الأزهری المالکی (المتوفی1126 :ہـ(،الناشر :دار الفکر

الکتاب :التنبیه علی مبادء التوجیه -قسم العبادات،المؤلف :أبو الطاهر إبراهیم بن عبد الصمد بن بشیر التنوخی المهدوی (المتوفی :بعد 536ہـ(،الناشر :دار ابن حزم، بیروت لبنان

الکتاب :الجامع لمسائل المدونة،المؤلف :أبو بکر محمد بن عبد الله بن یونس التمیمی الصقلی (المتوفی 451 :ہـ(،الناشر :معهد البحوث العلمیة وإحیاء التراث الإسلامی -جامعة أم القری

(مواہب الجلیل فی شرح مختصر خلیل، محمد بن محمد بن عبد الرحمن طرابلسی مالکی (متوفی 954ھ)،دارالفکر،بیروت)

(التلقین فی الفقه المالکی، ابومحمد عبد الوہاب بن علی بغدادی مالکی (متوفی422ھ)،دارالکتب العلمیه،بیروت)

(التاج والاکلیل لمختصر خلیل،ابو عبد الله المواق المالکی (متوفی 897ھ)،دار الکتب العلمیة)

(الرسالة للقیروانی،عبد اللہ بن ابی زیدقیروانی مالکی(متوفی386ھ)،دار الفکر)

(الاستذکار،ابو عمر یوسف بن عبد اللہ بن محمد بن عبد البر قرطبی مالکی(متوفی463ھ)،دار الکتب العلمیۃ،بیروت)

(شرح مختصر خلیل للخرشی،علامہ محمد بن عبد اللہ خرشی مالکی (متوفی1101ھ) ،دارالفکرللطباعۃ، بیروت)

(الفواکہ الدوانی علی رسالۃ ابن ابی زید،شہاب الدین احمد بن غانم نفراوی مالکی علیہ رحمۃ اللہ الکافی(متوفی 1126ھ) ،دارالفکر،بیروت)

(الذخیرۃ للقرافی،ابو العباس شہاب الدین احمدقرافی مالکی (متوفی 684)،دارالغرب الاسلامی،بیروت)

(المقدمات الممہدات ، محمدبن احمد بن رشد قرطبی مالکی(متوفی 520ھ)،دارالغرب الاسلامی،بیروت)

(التہذیب فی اختصار المدونۃ،علامہ قیروانی مالکی (متوفی 372ھ)،دارالبحوث للدراسات الاسلامیہ واحیاء التراث،دبئی)

کتب فقہ حنبلی

(الشرح الکبیر علی متن المقنع ،عبد الرحمن بن محمد بن احمد بن قدامہ حنبلی ،دارالکتاب العربی للنشر والتوزیع،بیروت)

(دلیل الطالب لنیل المطالبمرعی بن یوسف الکرمی(متوفی 1033ھ)،دار طیبہ للنشر والتوزیع)

(کشاف القناع عن متن الاقناع،شیخ منصور بن یونس بہوتی حنبلی (متوفی 1051ھ)،دار الکتب العلمیۃ ،بیروت)

(المغنی لابن قدامہ، ابن قدامہ مقدسی حنبلی (متوفی620ھ)،مکتبۃ القاہرہ)

(شرح الزرکشی علی مختصرالخرقی، محمد بن عبد اللہ زرکشی حنبلی (متوفی 772ھ)،مطبوعہ دارالعبیکان)

(الانصاف فی معرفۃ الراجح من الخلاف، ابو الحسن علی بن سلیمان مرداوی حنبلی (متوفی 885ھ)،داراحیاء التراث العربی،بیروت)

(المجموع شرح المہذب،ابو اسحاق شیرازی (متوفی 476ھ)،دار الفکر)

(الکافی فی فقہ الامام احمد،موفق الدین عبداللہ بن احمد بن محمد بن قدامہ مقدسی حنبلی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی 620ھ) ،دار الکتب العلمیۃ ،بیروت)

(المبدع فی شرح المقنع ،علامہ ابراہیم بن محمد بن عبد اللہ حنبلی(متوفی 884ھ)،دارالکتب العلمیہ،بیروت)

(مختصر الخرقی،ابو القاسم عمر بن حسین بن عبد اللہ خرقی حنبلی علیہ رحمۃ اللہ الولی(متوفی 334ھ)،دار الصحابۃ للتراث)

کتب فقہ شافعی

(البیان فی مذہب الامام الشافعی،علامہ یحیی بن ابی الخیر یمنی شافعی (متوفی 558ھ)،دارالمنہاج،جدہ)

(اسنی المطالب فی شرح روض الطالب،علامہ زین الدین زکریا بن محمد بن زکریا انصاری شافعی (متوفی 926ھ) 4،دارالکتاب الاسلامی،بیروت)

الکتاب :حلیۃ العلماء فی معرفۃ مذاہب الفقہاء ،المؤلف :محمد بن أحمد بن الحسین بن عمر، أبو بکر الشاشی القفال الفارقیّ، الملقب فخر الإسلام، المستظہری الشافعی (المتوفی: 507ہـ(،الناشر :مؤسسۃ الرسالۃ / دار الأرقم -بیروت / عمان

الکتاب :العزیز شرح الوجیز المعروف بالشرح الکبیر،المؤلف :عبد الکریم بن محمد بن عبد الکریم، أبو القاسم الرافعی القزوینی (المتوفی 623 :ہـ(،الناشر :دار الکتب العلمیۃ، بیروت -

لبنان

الکتاب :کفایة الأخیار فی حل غایة الإختصار،المؤلف :أبو بکر بن محمد بن عبد المؤمن بن حریز بن معلی الحسینی الحصنی، تقی الدین الشافعی (المتوفی 829 :ہـ(،الناشر :دار الخیر - دمشق

الکتاب :بحر المذہب (فی فروع المذہب الشافعی (،المؤلف :الرویانی، أبو المحاسن عبد الواحد بن إسماعیل (ت 502ہـ(،الناشر :دار الکتب العلمیة

(التنبیه فی الفقه الشافعی ،ابو اسحاق ابراہیم شیرازی شافعی (متوفی 476ھ)،عالم الکتب)

(المجموع شرح المهذب،مہ نووی شافعی رحمة الله علیه (متوفی676ھ)،دارالفکر،بیروت)

(الحاوی الکبیر، ابوالحسن علی بن محمد ماوردی شافعی(متوفی450ھ)،دارالکتب العلمیه،بیروت)

(اللباب فی الفقه الشافعی،ابو الحسن محاملی (متوفی415ھ)،دار البخاری ،المدینة المنورة)

(الوسیط فی المذہب،امام محمد بن محمد غزالی (متوفی 505ھ)،دارالسلام،القاہرة)

(متن ابی شجاع المسمی الغایة والتقریب،شہاب الدین ابو الطیب احمد بن حسین اصفہانی (متوفی593ھ)،عالم الکتب)

(فتح العزیز بشرح الوجیز،ابو القاسم عبد الکریم بن محمد رافعی قزوینی شافعی (متوفی623ھ)،دار الفکر)

(التمهید لابن عبد البر، ابو عمر ابن عبد البر قرطبی مالکی (متوفی 463ھ) ،وزارة عموم الاوقاف والشؤون الاسلامیة)

(مغنی المحتاج،شمس الدین محمد بن احمد خطیب شربینی شافعی(متوفی 977ھ) ،دار الکتب العلمیة،بیروت)

(روضة الطالبین وعمدة المفتین،امام ابو زکریا یحیی بن شرف نووی شافعی

(متوفی676ھ)،المکتب الاسلامی،بیروت)

(المہذب فی فقہ الامام شافعی شیرازی، ابراہیم بن علی شیرازی شافعی (متوفی476ھ)،دارالکتب العلمیہ،بیروت)

کتب التخریج والزوائد والتراجم

الکتاب :مصباح الزجاجة فی زوائد ابن ماجه،المؤلف :أبو العباس شهاب الدین أحمد بن أبی بکر بن إسماعیل بن سلیم بن قایماز بن عثمان البوصیری الکنانی الشافعی (المتوفی: 840ھ)،الناشر :دار العربیة -بیروت

الکتاب :کشف الأستار عن زوائد البزار،المؤلف :نور الدین علی بن أبی بکر بن سلیمان الهیثمی (المتوفی 807 :ھ)،الناشر :مؤسسة الرسالة، بیروت

الکتاب :تاریخ بغداد وذیوله،المؤلف :أبو بکر أحمد بن علی بن ثابت بن أحمد بن مهدی الخطیب البغدادی (المتوفی463 :ھ)،الناشر :دار الکتب العلمیة -بیروت

الکتاب :تقریب التهذیب،المؤلف :أبو الفضل أحمد بن علی بن محمد بن أحمد بن حجر العسقلانی (المتوفی852 :ھ)،الناشر :دار الرشید -سوریا

الکتاب :الریاض النضرة فی مناقب العشرة،المؤلف :أبو العباس، أحمد بن عبد الله بن محمد، محب الدین الطبری (المتوفی694 :ھ)،الناشر :چشتی کتب خانه،فیصل آباد

الکتاب :تذکرة الحفاظ،المؤلف :شمس الدین أبو عبد الله محمد بن أحمد بن عثمان بن قَایْماز الذهبی (المتوفی748 :ھ)،الناشر :دار الکتب العلمیة بیروت-لبنان

الکتاب :الکامل فی ضعفاء الرجال،المؤلف :أبو أحمد بن عدی الجرجانی (المتوفی: 365ھ)،الناشر :الکتب العلمیة -بیروت-لبنان

الکتاب :میزان الاعتدال فی نقد الرجال،المؤلف :شمس الدین أبو عبد الله محمد بن أحمد بن عثمان بن قَایْماز الذهبی (المتوفی748 :ھ)،الناشر :دار المعرفة للطباعة والنشر، بیروت -لبنان

کتب لغت وفنون

(لسان العرب، ابن منظور افریقی(متوفی 711ھ) ،دار صادر،بیروت)

متفرق کتب

کتاب الخراج،امام ابویوسف یعقوب بن ابراہیم ،مطعہ بولاق،مصر

الکتاب :البدایة والنهایةالمؤلف :أبو الفداء إسماعيل بن عمر بن كثير القرشي البصري ثم الدمشقي (المتوفى 774 :ہـ(،الناشر :دار إحياء التراث العربي

الكتاب :بُلُوغُ اَلْمَرَامِ مِنْ أَدِلَّةِ اَلْأَحْكَامِ،المؤلف :أبو الفضل أحمد بن علي بن محمد بن أحمد بن حجر العسقلاني (المتوفى 852 :ہـ(، الناشر :دار أطلس للنشر والتوزيع، الرياض -المملكة العربية السعودية

الكتاب :القَولُ البَدِيعُ في الصَّلاةِ عَلَى الحَبِيبِ الشَّفِيعِ،المؤلف :شمس الدين أبو الخير محمد بن عبد الرحمن بن محمد السخاوي (المتوفى 902 :ہـ(،الناشر :دار الريان للتراث

الكتاب :الفردوس بمأثور الخطاب،المؤلف :شيرويه بن شهردار بن شيرويه بن فناخسرو، أبو شجاع الديلميّ الهمذاني (المتوفى 509 :ہـ(،الناشر :دار الكتب العلمية -بيروت

الكتاب :تنزيه الشريعة المرفوعة عن الأخبار الشنيعة الموضوعة،المؤلف :نور الدين، علي بن محمد بن علي بن عبد الرحمن ابن عراق الكناني (المتوفى 963 :ہـ(،الناشر :دار الكتب العلمية بيروت

الكتاب :الزواجر عن اقتراف الكبائر،المؤلف :أحمد بن محمد بن علي بن حجر الهيتمي السعدي الأنصاري، شهاب الدين شيخ الإسلام، أبو العباس (المتوفى 974 :ہـ(،الناشر :دار الفكر

الكتاب :إحياء علوم الدين،المؤلف :أبو حامد محمد بن محمد الغزالي الطوسي (المتوفى : 505ہـ(،الناشر :دار المعرفة -بيروت

الکتاب :النهاية فی غریب الحدیث والأثر،المؤلف :مجد الدین أبو السعادات المبارک بن محمد بن محمد بن محمد ابن عبد الکریم الشیبانی الجزری ابن الأثیر (المتوفی: 606ھ(،الناشر :المکتبة العلمیة -بیروت، 1399ھ 1979 -م

الکتاب :الإخوان،المؤلف :أبو بکر عبد الله بن محمد بن عبید بن سفیان بن قیس البغدادی الأموی القرشی المعروف بابن أبی الدنیا (المتوفی 281 :ھ(، الناشر :دار الکتب العلمیة بیروت

الکتاب :نوادر الأصول فی أحادیث الرسول صلی الله علیه وسلم،المؤلف :محمد بن علی بن الحسن بن بشر، أبو عبد الله، الحکیم الترمذی (المتوفی :نحو 320ھ(، الناشر :دار الجیل بیروت

الکتاب :نصب الرایة لأحادیث الهدایة مع حاشیته بغیة الألمعی فی تخریج الزیلعی،المؤلف: جمال الدین أبو محمد عبد الله بن یوسف بن محمد الزیلعی (المتوفی 762 :ھ(،الناشر: مؤسسة الریان للطباعة والنشر -بیروت -لبنان/ دار القبلة للثقافة الإسلامیة -جدة السعودیة

الکتاب :الأَشْبَاهُ وَالنَّظَائِرُ عَلَى مَذْهَبِ أَبِي حَنِيفَةَ النُّعْمَانِ،المؤلف :زین الدین بن إبراهیم بن محمد، المعروف بابن نجیم المصری (المتوفی 970 :ھ(

الکتاب :غمز عیون البصائر فی شرح الأشباه والنظائر،المؤلف :أحمد بن محمد مکی، أبو العباس، شهاب الدین الحسینی الحموی الحنفی (المتوفی 1098 :ھ(،الناشر :دار الکتب العلمیة

الکتاب :أحکام العیدین،المؤلف :أبو بکر جعفر بن محمد بن الحسن بن المُسْتَفاض الفِرْيابِي (المتوفی 301 :ھ(،الناشر :مکتبة العلوم والحکم -المدینة المنورة

الکتاب :الکلیات معجم فی المصطلحات والفروق اللغویة،المؤلف :أیوب بن موسی الحسینی القریمی الکفوی، أبو البقاء الحنفی (المتوفی 1094 :ھ(،الناشر :مؤسسة الرسالة بیروت

الکتاب :دستور العلماء =جامع العلوم فی اصطلاحات الفنون،المؤلف :القاضی عبد النبی بن

عبد الرسول الأحمد نکری (المتوفی :ق 12ھ(،الناشر :دار الکتب العلمیة -لبنان / بیروت

الکتاب :تحریر ألفاظ التنبیہ،المؤلف :أبو زکریا محیی الدین یحیی بن شرف النووی (المتوفی : 676ھ(،الناشر :دار القلم -دمشق

الکتاب :حیاة الحیوان الکبری،المؤلف :محمد بن موسی بن عیسی بن علی الدمیری، أبو البقاء، کمال الدین الشافعی (المتوفی808 :ھ(،الناشر :دار الکتب العلمیة، بیروت

الکتاب :زاد المعاد فی ہدی خیر العباد،المؤلف :محمد بن أبی بکر بن أیوب بن سعد شمس الدین ابن قیم الجوزیة (المتوفی751 :ھ(

الناشر :مؤسسة الرسالة، بیروت -مکتبة المنار الإسلامیة، الکویت

لقط المرجان فی احکام الجان،علامہ جلال الدین سیوطی الشافعی

التوضیح والتلویح ،علامہ سعد الدین مسعود بن عمرتفتازانی،مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور

الخیرات الحسان،امام ابن حجر شافعی،ایم ایچ سعید کمپنی ، کراچی

شرح فتوح الغیب،شیخ عبد الحق محدث دہلوی

بحارالانوار ملحق مجمع البحارمحدث علامہ طاہر فتنی،مطبوعہ منشی نولکشور،لکھنؤ

عوارف المعارف،شیخ شہاب الدین سہروردی

حواشی حصن حصین،مولانا علی قاری ،مطبوعہ افضل المطابع ،لکھنؤ

زبدۃ النصائح،اسماعیل دہلوی

صراط مستقیم،اسماعیل دہلوی،المکتبہ السلفیہ ،لاہور

تعلیم المتعلم،مولانا برہان الدین زرنوجی، مطبع علیمی، دہلی

فتاوی عزیزیہ،مولانا شاہ عبدالعزیز دہلوی

فیصلہ ہفت مسئلہ

القول الجمیل معہ ترجمہ شفاء العلیل،شاہ ولی اللہ محدث دہلوی،ایچ ایم سعید کمپنی ،کراچی

شفاء العلیل ترجمہ القول الجمیل،شاہ عبد العزیز دہلوی،ایچ ایم سعید کمپنی ،کراچی